تفسیر قرطبی مترجم

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابو بکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن قرآن

ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

زیر اہتمام

ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور۔ کراچی ۔ پاکستان

الجامع لاحکام القرآن

معروف بہ

تفسیر قرطبی

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ۔ پاکستان
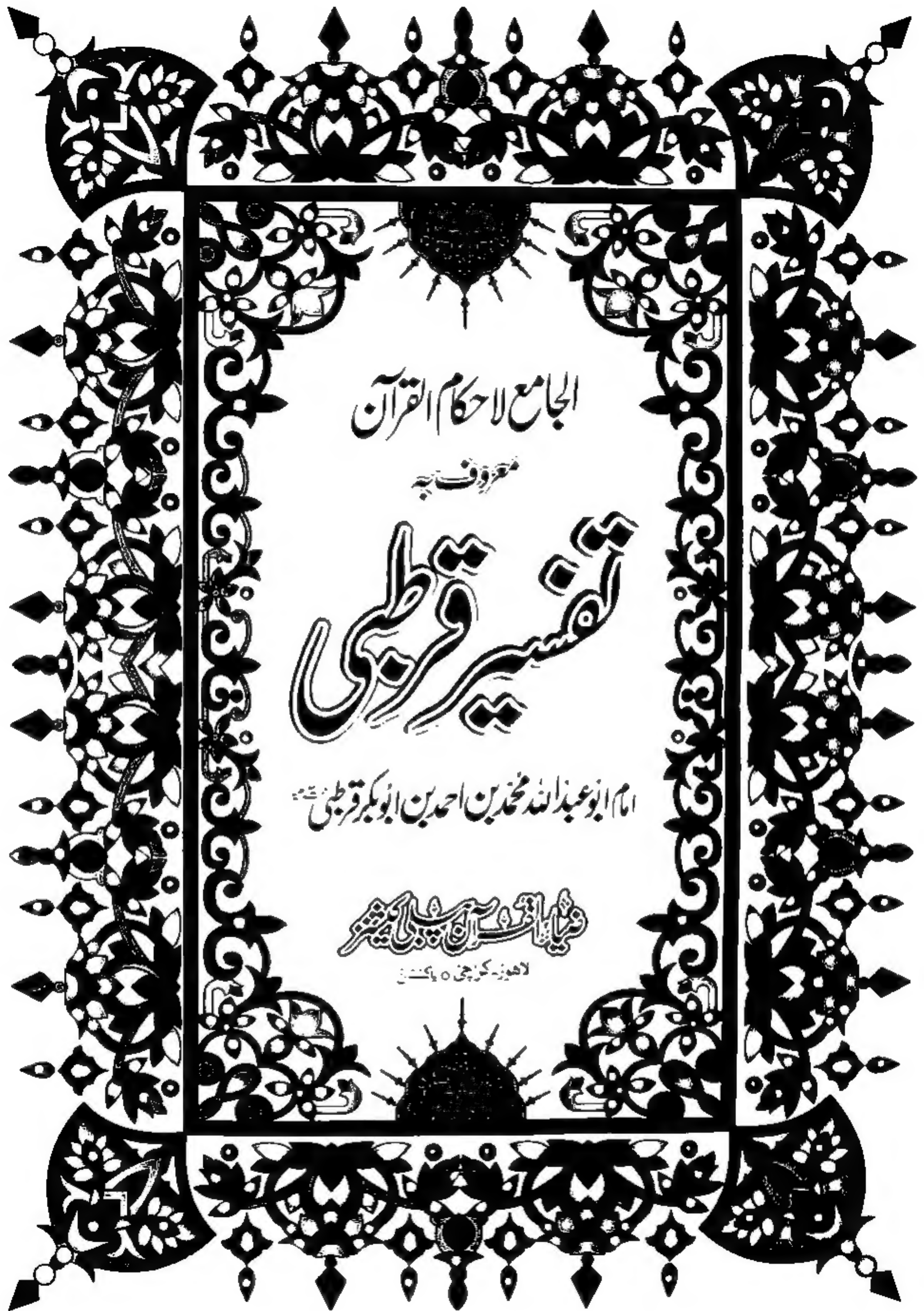
الجامع لاحکام القرآن

معروف بہ

تفسیر قرطبی
جلد ششم

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

متن قرآن کا ترجمہ: جسٹس حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

مترجمین

مولانا ملک محمد بوستان   مولانا سید محمد اقبال شاہ گیلانی

مولانا محمد انور مگھالوی   مولانا شوکت علی چشتی

زیر اہتمام:

ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور - کراچی ○ پاکستان

نام کتاب	تفسیر قرطبی معروف بہ الجامع لاحکام القرآن (جلد ششم)
مفسر	امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ
متن قرآن کا ترجمہ	حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین	مولانا ملک محمد بوستان، مولانا سید محمد اقبال شاہ گیلانی
	مولانا محمد انور مگھالوی، مولانا شوکت علی چشتی
	من علماء دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف
زیر اہتمام	ادارہ ضیاء المصنفین، بھیرہ شریف
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	اکتوبر 2012ء، بار اول
کمپیوٹر کوڈ	QT54

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 37247350۔ فیکس 042-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-32212011-32630411۔ فیکس:۔ 021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست مضامین

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد للّٰه رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد المرسلين والعاقبة للمتقين

مَاۤ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَ مَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾ وَ يَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾ وَ رَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَ لَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾

''میں نے ان سے مدد نہیں لی تھی جب آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور نہ (اس وقت مدد لی) جب خود انہیں پیدا کیا اور میں نہیں بنایا کرتا گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست و بازو۔ اور اس روز اللہ تعالیٰ (کفار کو) فرمائے گا بلاؤ میرے شریکوں کو جنہیں تم (میرا شریک) خیال کرتے تھے، تو وہ انہیں پکاریں گے، پس وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور ہم حائل کر دیں گے ان کے درمیان ایک آڑ۔ اور دیکھیں گے مجرم (جہنم کی) آگ کو اور وہ خیال کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور نہ پائیں گے اس سے نجات پانے کی کوئی جگہ''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَاۤ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ بعض علماء نے فرمایا: هم ضمیر کا مرجع ابلیس اور اس کی ذریت ہے یعنی میں نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور خود ان کی تخلیق میں ان سے مشورہ نہیں لیا تھا بلکہ میں نے اپنے ارادہ کے مطابق انہیں تخلیق کیا۔ بعض علماء نے فرمایا: میں نے ابلیس اور اس کی ذریت سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں مشورہ نہیں لیا اور نہ ان مشرکوں کی ذوات کی تخلیق میں ان سے مشورہ لیا تھا۔ تو پھر انہوں نے میرے سوا ان کو دوست کیسے بنا لیا؟ بعض علماء نے فرمایا: مَاۤ اَشْهَدْتُّهُمْ میں ضمیر کا مرجع مشرکین ہیں اور تمام لوگ ہیں۔ پس آیت کے ضمن میں نجومیوں، اہل طبائع، اطباء اور ان کے علاوہ لوگوں کا رد ہے جو ان اشیاء سے اندازے لگاتے ہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: میں نے اپنے باپ کو سنا وہ کہتے تھے میں نے فقیہ ابو عبد اللہ محمد بن معاذ مہدوی کو مہدیہ میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے عبد الحق صقلی کو یہ قول کرتے ہوئے سنا وہ اس آیت میں یہ تفسیر کرتے تھے کہ یہ آیت ان طوائف کا رد کرنے والی ہے (1)۔ یہ بعض اصولیین نے ذکر کیا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: میں کہتا ہوں: آیت سے اولاً مقصود ابلیس اور اس کی اولاد ہے۔ اس وجہ سے مذکورہ طوائف کا رد ثابت ہوتا ہے اور ان لوگوں کا رد ثابت ہے جو کاہن اور جنوں کی تعظیم کرنے والے ہیں، جب وہ کہتے ہیں: أعوذ بعزیز هذا الوادی میں اس وادی کے غالب کی پناہ چاہتا ہوں کیونکہ یہ تمام گروہ ابلیس اور اس کی ذریت سے متعلق

1۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 523

ہیں۔ انہوں نے ان سب کو گمراہ کیا ہے۔ الْمُضِلِّيْنَ سے یہی مراد ہیں۔ اور یہ تمام مذکورہ گروہ ان کے مفہوم میں داخل ہیں۔
ثعلبی نے کہا: بعض اہل علم نے کہا: مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ نجومیوں کا رد ہے کیونکہ انہوں نے کہا: افلاک زمین میں پیدا کیے جاتے ہیں، اور بعض میں بعض پیدا کیے جاتے ہیں اور الْاَرْضِ کا قول اصحاب ہندسہ کا رد ہے کیونکہ انہوں نے کہا: زمین کروی ہے اور افلاک اس کے نیچے چلتے ہیں، لوگ اس کے نیچے اور اس کے اوپر ہیں۔ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ طبائعین کا رد ہے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ طبائع نفوس میں اثر کرتی ہیں۔ ابوجعفر نے "ما أشهدناهم" پڑھا ہے یعنی تعظیم کے لیے نون اور الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور اس کی دلیل وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ ہے یعنی میں نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں نہ ان سے مدد لی ہے اور نہ میں نے ان سے مشورہ کیا: وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ یعنی شیاطین۔ بعض علماء نے فرمایا: الْمُضِلِّيْنَ سے مراد کفار ہیں۔ عضدا مددگار۔ کہا جاتا ہے أعتضدتُ فلانا تو اس سے مدد طلب کرے اور قوت حاصل کرے۔ اس میں اصل عضد الید ہے، یعنی باز، پھر یہ مدد کے لیے استعمال کیا گیا کیونکہ ہاتھ کا قوام عضد (کہنی سے اوپر والا حصہ) کہا جاتا ہے: عَضَدَہٗ وعَاضَدَہٗ علی کذا۔ جب کوئی کسی کی مدد کرے اور اسے تقویت دے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ (القصص: 35) یعنی ہم تیرے بھائی کے ذریعے تیری مدد کریں گے۔ لفظ عضد، المثل کی جہت پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کی مدد کا محتاج نہیں۔ مذمت اور توبیخ میں زیادتی کے لیے مضلین کا خاص ذکر کیا۔ ابوجعفر جحدری نے وما کنت تاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم تو گمراہوں کو اپنا دست و بازو بنانے والا نہیں۔ عَضُدًا میں آٹھ وجوہ ہیں۔ عَضُد عین کے فتحہ اور ضاد کے ضمہ کے ساتھ، یہ جمہور کی قرأت ہے، اور یہ افصح وجہ ہے۔ عَضْدًا عین کے فتحہ اور ضاد کے سکون کے ساتھ، یہ بنی تمیم کی لغت ہے، عُضُدًا عین اور ضاد کے ضمہ کے ساتھ، یہ ابوعمرو اور حسن کی قرأت ہے۔ عُضَدًا عین کے ضمہ اور ضاد کے فتحہ کے ساتھ، یہ عکرمہ کی قرأت ہے۔ عِضَدًا عین کے کسرہ اور ضاد کے فتحہ کے ساتھ، یہ الضحاک کی قرأت ہے۔ عَضَدًا عین اور ضاد کے فتحہ کے ساتھ، یہ عیسیٰ بن عمر کی قرأت ہے۔ ہارون القاری نے عَضِد عین کے فتحہ اور ضاد کے کسرہ کے ساتھ حکایت کیا ہے۔ اور آٹھویں لغت عِضْدًا عین کے کسرہ اور ضاد کے سکون کے ساتھ، یہ ان کی لغت ہے جو کِتْف اور فِخْذ کہتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ۔ يَوْمَ سے پہلے اذکر و افعل محذوف ہے، یعنی اس دن کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہاں ہیں میرے شریک۔ یعنی بلاؤ انہیں جنہیں تم میرا شریک ٹھہراتے تھے، تاکہ وہ تمہیں میرے عذاب سے بچائیں، یہ بت پرستوں کو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ حمزہ، یحییٰ، عیسیٰ بن عمر نے فنقول، نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور باقی قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے، کیونکہ آگے شُرَكَآءِيَ فرمایا ہے۔ شرکائنا نہیں فرمایا۔ فَدَعَوْهُمْ پس مشرک اپنے بتوں کو پکاریں گے فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ تو وہ انہیں مدد کے لیے کوئی جواب نہیں دیں گے، اور نہ ان سے کسی عذاب کو روکیں گے۔ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا حضرت انس بن مالک نے فرمایا (1): موبق جہنم میں پیپ اور خون کی ایک

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 523

وادی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ہم مومنوں اور کفار کے درمیان آڑ بنائیں گے۔ بعض علماء نے فرمایا: بتوں اور ان کے عبادت کرنے والوں کے درمیان آڑ بنائیں گے جیسے فرمایا: فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ۔

ابن اعرابی نے کہا: ہر وہ چیز جو دو چیزوں کے درمیان آڑ ہو وہ موبق ہے۔ ابن وہب نے مجاہد سے موبقا کے تحت روایت کیا ہے کہ جہنم میں ایک وادی ہے جسے موبق کہا جاتا ہے۔ اسی طرح نوف البکالی نے کہا، مگر اس نے کہا: اس کا مطلب ہے ان کے اور مومنین کے درمیان آڑ بنا دی جائے گی۔ عکرمہ نے کہا: یہ جہنم میں ایک نہر ہے جو آگ کے ساتھ بہتی ہے اس کے کناروں پر کالے خچروں کی مانند سانپ ہیں۔ جب وہ سانپ انہیں ڈسنے کے لیے جھپٹیں گے تو وہ آگ میں گھس کر پناہ لیں گے۔ زید بن درہم نے حضرت انس بن مالک سے روایت کیا ہے فرمایا: مَّوْبِقًا جہنم میں پیپ اور خون کی ایک وادی ہے(1)۔ ضحاک اور عطا نے کہا: جہنم میں ایک ہلاکت کی جگہ ہے۔ اسی سے کہا جاتا ہے: أوبقته ذنوبه إيباقا۔ گناہوں نے اسے ہلاک کر دیا۔ ابوعبیدہ نے کہا: ہلاکت کی جگہ۔ جوہری نے کہا: وبق يبق وبوقا اس کا معنی ہے ہلاک ہونا۔ الموبق، الموعد کی مثل ہے۔ وعد يعد سے مفعِلٌ کے وزن پر ہے، اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا اس میں ایک اور لغت بھی ہے: وبق يوبق وبقا اور اس میں ایک تیسری لغت بھی ہے: وبق يبق ماضی اور مضارع دونوں کا عین کلمہ مکسور ہے۔ اوبقه، اس نے اسے ہلاک کر دیا۔ زہیر نے کہا:

مَنْ يَشْتَرِي حسنَ الثَّناءِ بِمالِه يَصُنْ عِرَضَه من كل شَنْعَاءَ مُوبِقُ

فراء نے کہا: ان کا باہم ملنا آخرت میں ان کے لیے ہلاکت بنایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ رَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ اصل میں رأی ہے یاء متحرک تھی جس کا ماقبل مفتوح تھا تو اسے الف سے بدلا، اسی وجہ سے کوفیوں کا خیال ہے کہ رأی کو یا کے ساتھ لکھا جائے۔ بعض بصریوں نے بھی ان کی متابعت کی ہے، لیکن ماہر بصری علماء نے جن میں محمد بن یزید بھی ہے وہ الف کے ساتھ لکھتے ہیں۔ نحاس نے کہا: میں نے علی بن سلیمان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ انہوں نے کہا، میں نے محمد بن یزید کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مضی، رمی اور تمام یائی حروف کو صرف الف کے ساتھ لکھنا جائز ہے۔ یاء والے اور خط میں واو والے حروف میں کوئی فرق نہیں جیسا کہ لفظ میں ان کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ اگر یا والے حروف کو یاء کے ساتھ لکھنا واجب ہوتا تو واؤ والے حروف کو واو کے ساتھ لکھنا واجب ہوتا حالانکہ وہ خود ہی اپنے کلیہ کو توڑتے ہیں۔ رمی کو یاء کے ساتھ اور رماہ کو الف کے ساتھ لکھتے ہیں۔ اگر علت یہ ہوتی کہ یہ یاء والے حروف سے ہے تو بھی رماہ کو یاء کے ساتھ لکھنا واجب ہوتا پھر وہ ضحا لکھتے ہیں، جو ضحوۃ کی جمع ہے اور کُسا لکھتے ہیں، جو کسوۃ کی جمع ہے یہ دونوں واوی سے ہیں یاء سے لکھے گئے ہیں یہ وہ چیز ہے جو اصل پر ثابت نہیں ہوتی۔

فَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا۔ یہاں ظن بمعنی یقین اور علم ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

فَقلتُ لهم ظُنّوا بألفَىْ مُدَجّجِ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 523

یعنی انہوں نے یقین کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انہوں نے یقین کیا کہ وہ گرنے والے ہیں اس میں۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ آگ کو دور سے دیکھیں گے تو خیال کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں۔ اور انہوں نے گمان کیا وہ بھی انہیں پکڑ لے گی۔ حدیث میں ہے "کافر جہنم کو دیکھے گا اور گمان کرے گا کہ وہ اس کے ساتھ چسپاں ہونے والی ہے، حالانکہ چالیس سال کی مسافت پر ہوگی" (1)۔ مواقعہ کا معنی ہے کسی شے کے ساتھ سختی کے ساتھ وابستہ ہو جانا۔ علقمہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مُّلَافُوْهَا پڑھا ہے یعنی وہ اس میں جمع ہونے والے ہیں۔ اللَّفف کا معنی جمع کرنا ہے۔ وَلَمْ یَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا یعنی وہ نجات کی کوئی جگہ نہ پائیں گے کیونکہ وہ ہر جانب سے ان کا احاطہ کیے ہوئے ہوگی۔ قتبی نے کہا: کوئی پھرنے کی جگہ نہ پائیں گے جس کی طرف وہ پھر جائیں بعض نے فرمایا: کوئی پناہ گاہ نہ پائیں گے جس کی طرف پناہ لیں۔ ان تمام الفاظ کا مفہوم ایک ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے بت اور مورتیاں آگ کو مشرکوں سے پھیرنے کی جگہ نہ پائیں گی۔

وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ۝۵۴ وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَ یَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِیَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝۵۵ وَ مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ ۚ وَ یُجَادِلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِیُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَ اتَّخَذُوْۤا اٰیٰتِیْ وَ مَاۤ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ۝۵۶ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَ نَسِیَ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ یَّهْتَدُوْۤا اِذًا اَبَدًا ۝۵۷ وَ رَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ یُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ یَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ۝۵۸ وَ تِلْكَ الْقُرٰۤى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَ جَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝۵۹

"اور بیشک ہم نے طرح طرح سے بار بار بیان کی ہیں اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں اور انسان ہر چیز سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔ اور کس چیز نے روکا ہے لوگوں کو اس بات سے کہ وہ ایمان لے آئیں جب آ گئی ان کے پاس ہدایت کی روشنی اور مغفرت طلب کریں اپنے رب سے مگر یہ (کہ وہ منتظر ہیں) کہ آئے ان کے پاس اگلوں کا دستور یا آئے ان کے پاس طرح طرح کا عذاب۔ اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر مژدہ سنانے والے اور ڈرانے والے۔ اور جھگڑتے ہیں کافر بے سروپا دلیلوں کی آڑ لیکر تا کہ وہ ہٹا دیں اس سے حق کو اور بنا لیا ہے انہوں نے میری آیتوں کو اور جن سے وہ ڈرائے گئے، ایک مذاق۔ اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے نصیحت کی گئی اس کے رب کی آیتوں سے پس اس نے روگردانی کی ان سے اور فراموش کر دیا اس نے ان

1۔ احکام القرآن للطبری، جز 15-16، صفحہ 307

(اعمال بدکو) جو آگے بھیجے تھے اس کے دونوں ہاتھوں نے ہم نے ڈال دیئے ان کے دلوں پر پردے تا کہ وہ قرآن کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی اور اگر تم بلاؤ انہیں ہدایت کی طرف تو جب بھی وہ ہدایت قبول نہیں کریں گے۔ اور آپ کا پروردگار تو بہت بخشنے والا بڑا ہی رحم والا ہے، اگر وہ پکڑ لیتا انہیں ان کے کیے پر تو جلد ان پر عذاب بھیجتا (وہ ایسا نہیں کرتا) بلکہ ان کو سزا دینے کا ایک وقت مقرر ہے نہیں پائیں گے اس وقت اس کے بغیر کوئی پناہ کی جگہ۔ اور یہ بستیاں ہیں ہم نے تباہ کر دیا ان کے باشندوں کو جب وہ ستم شعار بن گئے اور ہم نے مقرر کر دی تھی ان کی ہلاکت کے لیے ایک میعاد"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ۔ یہ دو احتمال رکھتا ہے: ایک وہ جوان کے لیے عبرت ناک واقعات اور گزشتہ اقوام کے تذکرے ذکر فرمائے۔ دوسرا احتمال یہ کہ اس نے ان کے لیے اپنی ربوبیت کے دلائل واضح فرمائے۔ یہ پہلے سورۂ سبحان میں گزر چکا ہے۔ پہلی صورت میں یہ زجر و توبیخ ہوگا اور دوسری صورت میں بیان ہوگا۔ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا۔ جَدَلًا سے مراد جھگڑنا ہے۔ اس سے مراد نضر بن حارث ہے اور اس کا قرآن کے بارے میں جھگڑنا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ آیت ابی بن خلف کے بارے میں نازل ہوئی۔ زجاج نے کہا: اس کا مطلب ہے کافر ہر چیز سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔ اس کی دلیل کہ انسان سے مراد کافر ہے، یہ ارشاد ہے: وَیُجَادِلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت کے روز کفار میں سے ایک شخص کو لایا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: جو میں نے تیری طرف بھیجا تھا تو نے اس کے ساتھ کیا کیا۔ وہ کہے گا: یارب! میں تجھ پر ایمان لایا، تیرے رسولوں کی تصدیق کی اور تیری کتاب کے مطابق عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا: یہ تیرا صحیفہ ہے اس میں تو اس میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ شخص کہے گا: یارب! جو کچھ اس صحیفہ میں ہے میں اسے قبول نہیں کرتا، اسے کہا جائے گا: یہ تیرے کندھوں پر بیٹھے ہوئے فرشتے تیرے خلاف گواہی دیتے ہیں۔ وہ کہے گا: میں انہیں بھی قبول نہیں کرتا، وہ کہے گا: یارب! میں انہیں کیسے قبول کروں یہ میرے پاس سے اور میری طرف سے نہیں ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ لوح محفوظ اس کی شہادت دیتی ہے۔ وہ شخص کہے گا: یارب! کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی تھی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیوں نہیں۔ وہ عرض کرے گا: یارب! میں قبول نہیں کروں گا مگر جو مجھ پر میرے نفس سے گواہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں ابھی تجھ پر تیرے نفس سے لاتا ہوں، وہ غور کرے گا: کون میرے نفس سے مجھ پر گواہی دے گا؟ پس اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی پھر اس کے اعضاء اس کے شرک کے متعلق بولیں گے پھر اس کے اور کلام کے درمیان کچھ حائل نہیں کیا جائے گا پس وہ آگ میں داخل ہوگا؟ اس کا بعض بعض کو لعنت کرے گا۔ وہ اپنے اعضاء کو کہے گا کہ اللہ تعالیٰ تم پر لعنت کرے، میں تمہاری طرف سے جھگڑ رہا تھا۔ اس کے اعضاء اس سے کہیں گے: اللہ تعالیٰ تم پر لعنت کرے، اللہ تعالیٰ سے بات چھپائی جاتی ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ایسی چیزوں کو بیان کر رہا ہے: وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا"۔ اس حدیث کے ہم معنی امام مسلم نے حضرت انس سے روایت کی ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت ان کا اور سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا

کا دروازہ کھٹکھٹایا اور فرمایا: کیا تم نماز (تہجد) نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! ہماری روحیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں جب وہ ہمیں اٹھانا چاہتا ہے تو ہم اٹھ جاتے ہیں (1)۔ نبی پاک ﷺ واپس پلٹے جب میں نے یہ کہا۔ پھر میں نے آپ کو سنا جبکہ آپ واپس جارہے تھے، تو اپنی ران پر ہاتھ مار رہے تھے اور کہہ رہے تھے: وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى۔ الْهُدٰى سے مراد قرآن، اسلام اور حضرت محمد ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ وَ يَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ۔ یعنی ہماری انہیں ہلاک کرنے کی سنت ہے، یعنی انہیں ایمان لانے سے نہیں روکا مگر میرے فیصلہ نے جو ان پر تھا کہ وہ ایمان نہ لائیں گے اگر میں ان پر ایمان کا فیصلہ کرتا تو وہ ایمان لے آتے۔ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ یعنی نیست و نابود کرنے والے عذاب کی سنت جو پہلے لوگوں کے متعلق تھی۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ انہیں ایمان لانے سے نہیں روکا مگر اس چیز کی طلب نے کہ ان پر بھی پہلے لوگوں کی سنت آئے پھر اس طلب کو حذف کیا گیا۔ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ سے مراد عذاب کو دیکھنا ہے مشرکوں نے اسی چیز کو طلب کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا: ''اللهم ان كان هذا هو الحق من عندك''۔

اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا۔ قُبُلًا پر نصب حال کی بنا پر ہے، اس کا معنی ہے عیاناً یعنی سامنے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: اس سے مراد بدر کے دن کی تلوار ہے (2)۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد فجاۃ، اچانک ہے۔ ابوجعفر، عاصم، اعمش، حمزہ، یحییٰ اور کسائی نے قُبُلًا دو ضموں کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور انہوں نے عذاب کی ساری اقسام مراد لی ہیں۔ یہ قبیل کی جمع ہے جیسے سبیل کی جمع سُبُل ہے۔ فراء کا مذہب یہ ہے کہ قبلاً، قبیل کی جمع ہے اور اس سے مراد متفرق عذاب ہے جو یکے بعد دیگرے آتا ہے۔ اس کے نزدیک اس کا عیاناً معنی بھی ہو سکتا ہے۔ اعرج نے کہا: اس کی قرأت قُبْلًا ہے جس کا معنی جمیعاً ہے۔ ابوعمرو نے کہا: اس کی قرأت قِبَلًا ہے اس کا معنی عیاناً ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ۔ یعنی ایمان والوں کو جنت کی بشارت دینے والے۔ وَ مُنْذِرِيْنَ۔ کافروں کو عذاب سے ڈرانے والے یہ پہلے گزر چکا ہے۔ وَ يُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ المقتسمین کے بارے نازل ہوئی جو نبی پاک ﷺ سے جھگڑتے تھے، وہ کہتے: جادوگر ہے، مجنون ہے، شاعر ہے۔ کبھی کہتے: کاہن ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ لِيُدْحِضُوْا۔ کا معنی ہے زائل کرنا، باطل کرنا، الدحض اصل معنی پھسلنا ہے۔ کہا جاتا ہے: دحضت رجله یعنی اس کا پاؤں پھسل گیا۔ تدحض دحضا۔ دحضت الشمس عن كبد السماء، یعنی سورج ڈھل گیا۔ دحضت محبته دحوضا۔ یعنی اس کی محبت باطل ہوگئی۔ أدحضها الله۔ اللہ تعالیٰ نے اسے باطل کردیا۔ الادحاض کا معنی پھسلنا ہے۔ پل صراط کی تعریف میں ہے جہنم پر ایک پل بنایا جائے گا، شفاعت کا اذن دیا جائے گا۔ انبیاء کرام کہیں گے: سلم سلم اے اللہ سلامتی عطا فرما۔ پوچھا گیا: یارسول اللہ! وہ پل کیا ہے۔ فرمایا: دحض مزلقة۔ وہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین، الحث علی صلوٰۃ اللیل، جلد 1، صفحہ 265

2۔ معالم التنزیل، جلد 3، صفحہ 578

پھسلن ہے جس میں پاؤں پھسل جائیں گے۔ طرفہ نے کہا:

أيا منذِرٍ رُمْتَ الوفَاء فهِبته وحِدْتَ كما حادَ البَعِيرُ عن الدَّحْضِ

وَاتَّخَذُوٓا اٰیٰتِیْ آیات سے مراد قرآن ہے۔ وَمَآ اُنْذِرُوْا، یعنی جو انہیں وعید سنائی گئی۔ هُزُوًا مزاق۔ ما مصدریہ ہے یعنی الانذار۔ بعض نے فرمایا: ما موصولہ ہے، یعنی انہوں نے قرآن اور جس وعید سے انہیں ڈرایا گیا اسے مزاق بنایا۔ اس کا بیان سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ مکھن اور کھجور کے بارے میں ابوجہل کا قول ہے، اس نے کہا تھا: یہ زقوم ہے۔ بعض نے فرمایا: ان کا قرآن کے متعلق یہ کہنا ہے کہ یہ جادو ہے، خیالات ہیں اور پہلے لوگوں کے قصے ہیں۔ اور انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا: مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ یہ نہیں مگر تمہاری مثل بشر اور انہوں نے کہا: لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف) مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا۔ (البقرہ: 26)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا یعنی کوئی اس سے اپنے نفس پر زیادہ ظلم کرنے والا نہیں جسے اس کے رب کی آیات سے نصیحت کی گئی پھر اس نے ان سے نصیحت حاصل کرنے میں کوتاہی کی اور ان کو قبول کرنے سے اعراض کیا۔ وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ اپنے کفر اور گناہوں کو چھوڑ دیا اور اس سے توبہ نہ کی، یہاں نسیان کا معنی ترک کرنا ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے اسے بھول گیا جو اس نے اپنے لیے آگے بھیجا اور جو اس نے عذاب حاصل کیا۔ ان دونوں اقوال کا معنی قریب قریب ہے۔ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا یعنی ان کے کفر کے سبب ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے اور کانوں میں گرانی پیدا کر دی، یعنی ہم نے روک دیا ایمان کو کہ ان کے دلوں اور کانوں میں داخل ہو۔ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى۔ ھدی سے مراد ایمان ہے، یعنی اگر آپ انہیں ایمان کی طرف بلائیں: فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا وہ پھر بھی ہدایت نہ پائیں گے۔ یہ آیت معین لوگوں کے متعلق نازل ہوئی۔ قدریہ کے قول کا اس سے رد ہوتا ہے۔ اس کا معنی سورۂ سبحان میں گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ یعنی وہ گناہوں کو بخشنے والا ہے، یہ اہل ایمان کے ساتھ خاص ہے کفار اس میں داخل نہیں۔ اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ (النساء: 48)۔ ذُو الرَّحْمَةِ۔ اس میں چار تاویلات ہیں۔ 1۔ ذوالعفو۔ معافی دینے والا۔ 2۔ ذوالثواب۔ ثواب دینے والا۔ ان دونوں تاویلات پر اہل ایمان کے ساتھ مختص ہوگا کفار داخل نہ ہوں گے۔ 3۔ ذوالنعمۃ۔ نعمتیں عطا فرمانے والا۔ 4۔ ذوالھدی۔ ہدایت دینے والا۔ ان دونوں تاویلات کی بنا پر یہ اہل ایمان اور کفار دونوں کو شامل ہوگا۔ کیونکہ وہ دنیا میں کافر پر بھی انعام فرماتا ہے جس طرح مومن پر انعام فرماتا ہے۔ اس نے اپنی ہدایت کو کافر کے لیے واضح کیا جس طرح اس نے اپنی ہدایت کو مومن کے لیے واضح کیا، مگر اس سے مومن نے ہدایت پائی اور کافر محروم رہا (1)۔ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا یعنی اگر کفر اور گناہوں کی وجہ سے مواخذہ کرتا تو انہیں جلدی عذاب دیتا لیکن وہ مہلت دیتا ہے۔ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ۔ یعنی مدت مقرر ہے اس تک انہیں

1۔ النکت والعیون، جلد 3 صفحہ 320

ڈھیل دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ (انعام: 67) لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ الخ (الرعد) جب وہ وقت آجائے گا تو عذاب ان سے موخر نہ ہوگا خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں۔ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا۔ مَوْئِلًا سے مراد پناہ گاہ ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن زید کا قول ہے، یہ جوہری نے "الصحاح" میں حکایت کیا ہے (1)۔ وال یئل والًا وؤولًا بروزن فعول، اس کا معنی ہے پناہ لینا۔ واءل بروزن فَاعَل، اس کا معنی ہے نجات طلب کرنا۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے محرزاً۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے ولیاً (دوست)، ابو عبیدہ نے کہا: اس کا معنی ہے نجات کی جگہ۔ بعض نے فرمایا: محیصًا (پناہ گاہ)، سب کا معنی ایک ہے۔ عرب کہتے ہیں: لا وألت نفسه۔ یعنی اس کا نفس نجات نہ پائے۔ اسی سے شاعر کا قول ہے:

لَا وَأَلَتْ نَفْسُكَ خَلَّيْتَهَا　　لِعَامِرِيَّيْنِ وَلَمْ تُكْلَمِ

اور الاعشیٰ نے کہا:

وقد أخالِسُ ربَّ البيتِ غَفْلَتَهُ　　وقد يُحَاذِرُ مِنِّي ثم مايَئِلُ (2)

یعنی نجات نہیں پاتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ۔ تِلْكَ محل رفع میں مبتدا ہے۔ الْقُرٰٓى نعت یا بدل ہے۔ اَهْلَكْنٰهُمْ خبر کے مقام پر ہے، معنی پر محمول ہے کیونکہ الْقُرٰٓى سے مراد اهل القریٰ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ تِلْكَ محل نصب میں ہو، ان علماء کے قول پر جو کہتے ہیں: زیداً ضربتہٗ یعنی وہ بستیاں جن کی خبریں ہم نے آپ پر بیان کی ہیں جیسے قوم عاد، ثمود، مدین، لوط کی بستیاں ہم نے انہیں ہلاک کر دیا جب انہوں نے ظلم کیا اور کفر کیا۔ وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا یعنی ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہے اس سے تجاوز نہیں ہوگا۔ مهلك، یہ اهلكوا سے مشتق ہے۔ عاصم نے مهلكهم کی میم اور لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، یہ اس صورت میں هلك کا مصدر ہوگا۔ کسائی اور فراء نے مهلكهم لام کے کسرہ اور میم کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: کسائی نے کہا یہ میرے نزدیک بہتر ہے کیونکہ یہ هلك سے ہے۔ زجاج نے کہا: مهلك اسم ظرف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے لوقت مهلكهم جیسے کہا جاتا ہے: اتت الناقة على مضربها یعنی اونٹنی حاملہ ہونے کے وقت پر آئی۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾

"اور یاد کرو جب کہا موسیٰ نے اپنے نوجوان (ساتھی) کو کہ میں چلتا رہوں گا یہاں تک کہ پہنچوں جہاں دو دریا ملتے ہیں (چلتے چلتے) گزار دوں گا مدت دراز"۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ۔ جمہور علماء اور اہل تاریخ کا قول یہ ہے کہ

1۔ تفسیر طبری، جز 16-15، صفحہ 311　　2۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 526

اس موسیٰ سے حضرت موسیٰ بن عمران مراد ہیں۔ جس کا قرآن میں ذکر ہے۔ قرآن میں ان کے علاوہ کسی موسیٰ کا ذکر نہیں ہے۔ ایک فرقہ نے کہا جن میں نوف بکالی بھی ہے کہ موسیٰ بن عمران نہیں ہے۔ یہ موسیٰ بن منشا بن یوسف بن یعقوب ہے۔ یہ موسیٰ بن عمران سے پہلے نبی تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صحیح بخاری میں اس قول کا رد کیا ہے(1)۔ فتاہ سے مراد حضرت یوشع بن نون ہے۔ اس کا ذکر سورۃ المائدہ میں اور سورۂ یوسف کے آخر میں گزر چکا ہے۔ اور جن علماء نے کہا یہ موسیٰ بن منشا ہے ان کے نزدیک فتاہ سے مراد یوشع بن نون نہیں ہے۔ لَآ اَبْرَحُ "میں ہمیشہ چلتا رہوں گا"، شاعر نے کہا:

وأبرحُ ما أدام اللهُ قومي　بحمد الله مُنتَطِقًا مُجيدًا

بعض علماء نے فرمایا: لَآ اَبْرَحُ کا معنی ہے میں تجھ سے جدا نہ ہوں گا حَتّٰۤى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ، قتادہ نے کہا: یہ فارس اور روم کے دریا ہیں(2)، یہ مجاہد کا قول ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: اس سے مراد پانی کا وہ بازو ہے جو بحر محیط سے شمالی طرف سے جنوب کی طرف فارس کی زمین میں اذربائیجان کے پیچھے سے نکلتا ہے(3)۔ اس قول کی بناء پر وہ جگہ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ ہوگی جہاں دو دریا ملتے ہیں جو شام کی خشکی سے ملتی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ قلزم اور اردن کے دریا ہیں۔ بعض نے فرمایا: یہ طنجہ کے قریب مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ ہے، یہ محمد بن کعب نے کہا ہے۔ حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے: یہ افریقہ میں ہے۔ سدی نے کہا: اس سے مراد ارمینیہ میں الکر اور الرس دو نہریں ہیں۔ بعض اہل علم نے کہا: یہ بحر اندلس اور بحر محیط سے ہے، یہ نقاش نے حکایت کیا ہے۔ یہ زیادہ ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک جماعت نے کہا: دریاؤں سے مراد حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہم السلام ہیں۔ یہ ضعیف قول ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حکایت کیا گیا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ احادیث سے بالکل واضح ثابت ہوتا ہے کہ وہ پانی کے دریا تھے۔ اس قصہ کا سبب وہ ہے جو امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں خطبہ دیا، تو ان سے پوچھا گیا: لوگوں میں سے کون بڑا عالم ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو عتاب فرمایا کیونکہ انہوں نے علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ میرا ایک بندہ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ میں ہے جو تجھ سے زیادہ عالم ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: یا رب! میں اس تک کیسے پہنچ سکتا ہوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم ایک مچھلی لے لو اور اسے ایک ٹوکرے میں رکھ لو جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہ وہاں ہوگا(4)۔ یہ صحیح بخاری کے الفاظ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم مصر کی زمین پر غالب آئی تو آپ نے اپنی قوم کو مصر میں اتارا جب وہ پوری طرح وہاں گھروں میں آباد ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایام اللہ یاد کرنے کا حکم دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ نے جو ان پر نعمت و خیر فرمائی تھی وہ انہیں یاد دلائی کہ اس نے فرعونیوں سے انہیں نجات دلائی اور ان کے دشمن کو ہلاک کیا اور انہیں مصر کی زمین میں خلیفہ بنایا پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے

1۔ صحیح بخاری، سورۃ براءۃ، باب واذ قال موسیٰ لفتٰہ، جلد 2، صفحہ 687
2۔ تفسیر طبری، ج 16-15، صفحہ 313
3۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 527
4۔ معالم التنزیل، جلد 3، صفحہ 580

نبی سے کلام فرمائی اور اسے اپنی ذات کے لیے منتخب فرمایا اور اس نے مجھ پر محبت ڈالی اور تمہیں وہ سب کچھ عطا فرمایا جو تم نے اللہ تعالیٰ سے مانگا تھا، اور تمہیں اپنے زمانہ کی افضل قوم بنایا، اس نے تمہیں ذلت کے بعد عزت بخشی، فقر کے بعد غنا عطا فرمائی، تم جاہل تھے اس کے بعد تمہیں تورات بخشی، بنی اسرائیل کے ایک شخص نے کہا: ہم جان چکے ہیں جو آپ کہہ رہے ہیں کیا سطح زمین پر تم سے زیادہ کوئی عالم ہے؟ اے اللہ کے نبی! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: نہیں! اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عتاب فرمایا جب انہوں نے علم کی نسبت اللہ کی طرف نہ کی پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف جبرئیل امین کو بھیجا (اور یہ پیغام دیا) کہ اے موسیٰ! تجھے کیا معلوم کہ میں کہاں علم رکھتا ہوں؟ ہاں میرا ایک بندہ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ میں تجھ سے زیادہ عالم ہے۔ آگے مکمل حدیث ذکر کی۔ ہمارے علماء نے فرمایا: حدیث میں ہے ھو أعلم منك وہ تم سے زیادہ علم والا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ مفصل واقعات کے احکام اور معین حادثات کے حکم کے جاننے کے اعتبار سے تم سے زیادہ علم والا ہے نہ کہ مطلقاً، اس کی دلیل حضرت خضر علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہنا ہے کہ تو ایسے علم پر ہے جو اللہ تعالیٰ نے تجھے سکھایا ہے جسے میں نہیں جانتا اور میں ایسے علم پر ہوں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے سکھایا ہے جسے تو نہیں جانتا۔ اس بنا پر ہر ایک پر یہ صادق آتا ہے کہ وہ اپنے علم کے اعتبار سے دوسرے سے زیادہ علم والا تھا جو دوسرا نہیں جانتا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ ارشاد سنا تو ان کے فاضل نفس میں شوق پیدا ہوا اور ان کی بلند ہمت میں جذبہ ابھرا تاکہ وہ علم حاصل کریں جو وہ نہیں جانتے اور ان کی ملاقات کا شوق ہوا جس کے متعلق کہا گیا کہ وہ تجھ سے زیادہ علم والا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عزم کیا اور پوچھا کہ اس تک کیسے پہنچنا ہے تو انہیں ہر حال پر چلنے کا حکم ملا، انہیں کہا گیا کہ تم اپنے ساتھ ایک نمکین مچھلی ایک زنبیل میں اٹھالو جہاں وہ زندہ ہو جائے اور تم سے گم ہو جائے وہاں اس کا راستہ ہے۔ آپ اپنے نوجوان کو ساتھ لے کر پوری کوشش سے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ میں چلتا رہوں گا حتیٰ کہ میں مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ تک پہنچ جاؤں گا۔ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا۔ حاء اور قاف کے ضمہ کے ساتھ۔ اس سے مراد زمانہ ہے اس کی جمع احقاب ہے۔ اور یہ اسی سال کا زمانہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ زمانہ ہے اور جمع أحقاب ہے، اور الحقبة حاء کے کسرہ کے ساتھ الحِقَب کا واحد ہے، اس سے مراد سال ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ عالم کو علم کی زیادتی کی خاطر سفر کرنا چاہیے اور اس پر خادم اور ساتھی سے مدد لینی چاہیے۔ فضلاء اور علماء کی ملاقات حاصل کرنی چاہیے اگرچہ اس کا سفر بہت دور بھی ہو، یہ سلف صالحین کی عادت تھی۔ اسی وجہ سے سفر کرنے والوں نے علم کا وافر حصہ پایا اور اس کوشش پر کامیابی حاصل کی ان کے قدم علوم میں راسخ ہو گئے، اور ان کے لیے اجر، فضل کی ساری اقسام صحیح ہیں۔ امام بخاری نے فرمایا: حضرت جابر بن عبداللہ نے عبداللہ بن انیس کی طرف ایک حدیث کی خاطر ایک مہینہ کا سفر کیا۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ۔ اس کے بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں: 1۔ وہ نوجوان آپ کی خدمت کرتا تھا، عرب کلام میں الفتی نوجوان کو کہتے ہیں، اکثر خدمت کرنے والے نوجوان ہوتے ہیں، اس لیے خادم کو حسن ادب کی جہت سے فتی کہا جاتا ہے۔ شریعت نے ایسے لفظ کو پسند فرمایا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا

یقل أحد کم عبدی ولا أمتی ولیقل فتای وفتاتی (1) ''تم میں سے کوئی عبدی اور امتی نہ کہے بلکہ فتای اور فتاتی کہے''۔ یہ تواضع کے اعتبار سے بہتر ہے۔ اس بحث کا ذکر سورۂ یوسف میں گزر چکا ہے۔ ایت میں الفتی سے مراد خادم ہے اور وہ یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف علیہ السلام تھے۔ کہا جاتا ہے، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھانجے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: ان کو فتی موسیٰ اس لیے کہا گیا کیونکہ وہ آپ سے چمٹے رہتے تھے تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے علم حاصل کریں، اگرچہ وہ آزاد تھے، یہ پہلا معنی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: کیونکہ وہ فتی (غلام) کے قائم مقام تھے اس لیے انہیں فتی موسیٰ کہا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ (یوسف: 62) اور فرمایا: تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ (یوسف: 30) ابن عربی نے کہا: قرآن کا ظاہر اس بات کا مقتضی ہے کہ وہ غلام تھے۔ اور حدیث میں ہے وہ یوشع بن نون تھا اور تفسیر میں ہے وہ آپ کا بھانجا تھا۔ ان اقوال میں کوئی بات قطعی نہیں اس لیے توقف میں سلامتی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا حضرت عبداللہ بن عمرو نے فرمایا: الحقب اسی سال ہیں۔ مجاہد نے کہا: ستر سال ہیں (2)۔ قتادہ نے کہا: ایک زمانہ ہے۔ نحاس نے کہا: اہل لغت جس کو جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ الحقب اور الحقبۃ غیر محدود مبہم زمانہ ہے، جیسا کہ رھطا اور قوما مبہم غیر محدود ہیں۔ اور اس کی جمع أحقاب ہے۔

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۡ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ۝ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ۝ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰۤى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۝ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝

''پھر جب وہ دونوں پہنچے جہاں آپس میں دو دریا ملتے ہیں دونوں بھول گئے اپنی مچھلی کو تو بنا لیا اس نے اپنا راستہ دریا میں سرنگ کی طرح۔ پس جب وہاں سے آگے بڑھ گئے آپ نے اپنے نوجوان ساتھی سے کہا: لے آؤ ہمارا صبح کا کھانا بیشک ہمیں برداشت کرنا پڑی ہے اپنے اس سفر میں بڑی مشقت۔ اس کے ساتھی نے کہا: اے کلیم! آپ نے ملاحظہ فرمایا جب ہم (ستانے کے لیے) اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں بھول گیا مچھلی کو اور نہیں فراموش کرائی مجھے وہ مچھلی مگر شیطان نے کہ اس کا ذکر کروں اور اس نے بنا لیا تھا اپنا راستہ دریا میں، بڑے تعجب کی بات ہے۔ آپ نے فرمایا: یہی تو وہ ہے جس کی جستجو کر رہے تھے، پس وہ دونوں لوٹے اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے۔ تو پایا انہوں نے ایک بندے کو ہمارے بندوں میں سے جسے ہم نے عطا فرمائی

1۔ صحیح مسلم، حصہ اخلاق، جلد 2، صفحہ 238　　2۔ تفسیر طبری، جز 16-15، صفحہ 314

تھی رحمت اپنی جناب سے اور ہم نے سکھایا تھا اسے اپنے پاس سے (خاص) علم"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا۔ بَيْنِهِمَا کی ضمیر بحرین کے لیے ہے، یہ مجاہد نے کہا ہے۔ السراب کا معنی ہے گزرگاہ، سرنگ، یہ بھی مجاہد کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: پانی تھم گیا اور وہ سرنگ کی طرح ہو گیا۔ جمہور مفسرین نے کہا: مچھلی اپنے چلنے کی جگہ میں پانی میں موجود تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مچھلی کے پیچھے پیچھے چلے حتیٰ کہ اس کے ذریعے دریا میں ایک جزیرہ کے راستہ پر پہنچے۔ اس میں حضرت خضر علیہ السلام کو پایا۔ ظاہر روایات اور کتاب کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی ملاقات دریا کے ساحل پر ہوئی تھی۔ نَسِيَا حُوتَهُمَا نسیان تو صرف نوجوان کو ہوا تھا لیکن یہاں دونوں کی طرف نسیان کی نسبت کی گئی ہے۔ تو اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ نوجوان حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ منظر بتانا بھول گیا تھا جو اس نے مچھلی کی حالت سے دیکھا تھا تو صحبت کی وجہ سے ان دونوں کی طرف نسیان کو منسوب کیا گیا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ (الرحمٰن: 22) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ (انعام: 130)۔ حالانکہ رسل صرف انسانوں سے تھے جنوں سے نہیں تھے مگر مصاحبت کی وجہ سے ان کو بھی خطاب میں جمع کیا گیا۔ بخاری میں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نوجوان سے کہا: میں تجھ سے کلام نہیں کروں گا مگر یہ کہ تو مجھے بتا جہاں تجھ سے مچھلی جدا ہوئی تھی، فرمایا: میں نے تجھے کوئی بڑی تکلیف نہیں دی (1)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ فتا سے مراد یوشع بن نون ہے یہ سعید بن مسیب سے نام مروی نہیں ہے۔ فرمایا: جب وہ ترمٹی پر چٹان کے سایہ میں تھا تو مچھلی تڑپی حضرت موسیٰ علیہ السلام سوئے ہوئے تھے، نوجوان نے کہا: میں آپ کو جگاتا نہیں ہوں حتیٰ کہ جب آپ بیدار ہوں گے تو بتا دوں گا، تو وہ جب بیدار ہوئے تو وہ بتانا بھول گیا مچھلی تڑپی اور دریا میں داخل ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پانی کا بہاؤ روک لیا حتیٰ کہ گویا اس کا نشان (سوراخ) پتھر میں ہے، مجھے عمرو نے کہا: اس طرح گویا اس کا اثر (سوراخ) پتھر میں ہے۔ انہوں نے اپنے انگوٹھے اور ساتھ والی دو انگلیوں سے حلقہ بنایا۔ ایک روایت میں ہے: اللہ تعالیٰ نے پانی کا بہاؤ روک لیا اور وہ اس پر طاق کی طرح ہو گیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو ان کا ساتھی انہیں مچھلی کے متعلق بتانے کے بارے میں بھول گیا۔ وہ بقیہ دن اور رات چلتے رہے حتیٰ کہ جب دوسرا دن تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نوجوان سے کہا: ہمارا صبح کا کھانا لے آ ہمیں اس سفر میں مشقت برداشت کرنی پڑی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تھکن نہ ہوئی حتیٰ کہ اس مکان سے تجاوز کر گئے جس کا اللہ نے انہیں حکم دیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے نوجوان نے کہا: کیا آپ نے ملاحظہ فرمایا جب ہم ستانے کے لیے چٹان کے پاس گئے تو میں مچھلی بھول گیا اور مجھے وہ فراموش نہیں کرائی مگر شیطان نے کہ اس کا ذکر کروں۔ بعض علماء نے فرمایا: بھولنا دونوں کی طرف سے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نَسِيَا۔ نسیان کی دونوں کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ ابتدا میں مچھلی کا اٹھانا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے تھا کیونکہ انہیں مچھلی اٹھانے کا حکم دیا گیا تھا جب وہ دونوں چلے تو پھر مچھلی اٹھانے والا نوجون تھا حتیٰ کہ چٹان کے پاس اُترے۔

1۔ صحیح بخاری، خضر مع موسیٰ، جلد 2، صفحہ 688

فَلَمَّا جَاوَزَا یعنی جب مچھلی چھوڑ کر آگے گزر گئے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صبح کے کھانے کا سوال کیا تو نوجوان نے نسیان کی نسبت اپنی طرف کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ کے پاس ان کے بھولنے کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد چٹان ہے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نسیان میں شریک تھے کیونکہ نسیان کا مطلب تاخیر ہے اسی وجہ سے عرب کسی دعا میں کہتے ہیں: انسأء الله فی أجلك۔ اللہ تعالیٰ تیری عمر لمبی کرے۔ جب وہ چٹان سے گزر گئے تو مچھلی اٹھانے میں تاخیر ہوگئی ان میں سے کسی نے وہ نہ اٹھائی، پس ان دونوں کی طرف نسبت جائز ہے کیونکہ وہ دونوں گزر گئے اور مچھلی چھوڑ گئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اٰتِنَا غَدَآءَنَا۔ اس میں ایک مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ سفر میں زاد راہ ساتھ لینا، یہ جاہل صوفیاء پر رد ہے جو بیابانوں اور میدان میں بغیر زاد راہ کے جاتے ہیں یہ گمان کرتے ہوئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی تھے اور اہل زمین میں سے اس کے کلیم تھے۔ انہوں نے اپنے رب کی معرفت اور اللہ تعالیٰ پر توکل کے باوجود زاد راہ ساتھ لیا۔ صحیح بخاری میں ہے (1)۔ یمن کے کچھ لوگ حج کرتے تھے اور زاد راہ ساتھ نہیں لے جاتے تھے، اور کہتے تھے: ہم توکل کرنے والے ہیں۔ پھر جب حرم میں پہنچتے تو لوگوں سے سوال کرتے تو اللہ تعالیٰ نے وَتَزَوَّدُوْا کا ارشاد نازل فرمایا، یہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زاد راہ میں اختلاف ہے کہ وہ کیا تھا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ زنبیل میں نمکین مچھلی تھی، صبح و شام وہ اس سے کھاتے تھے جب وہ دریا کے ساحل پر چٹان تک پہنچ گئے تو نوجوان نے ٹوکری کو رکھ دیا، مچھلی پر دریا کے چھینٹے پڑے تو اس نے ٹوکری میں حرکت کی، ٹوکری الٹی ہوگئی اور مچھلی سرنگ بنا کر چلی گئی۔ نوجوان حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ مچھلی حضرت خضر علیہ السلام کی جگہ کی دلیل تھی کیونکہ حدیث میں ارشاد ہوا تھا: اپنے ساتھ ایک ٹوکری میں مچھلی اٹھاؤ جہاں وہ تم سے گم ہو جائے وہ وہاں ہوگا۔ اس بنا پر مچھلی کے علاوہ کوئی زاد راہ ہوگا۔ یہ ہمارے شیخ ابو العباس نے ذکر کیا ہے اور اس کو اختیار کیا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا (2): میرے باپ نے کہا میں نے ابو الفضل جوہری کو اپنے وعظ میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مناجات کے لیے گئے تو وہ چالیس دن رہے اور انہیں کھانے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی جب وہ انسانوں کی طرف چلے تو انہیں دن کے وقت بھوک محسوس ہوئی۔ نَصَبًا کا معنی تھکن ہے۔ النصب کا معنی تھکن اور مشقت ہے۔ بعض نے فرمایا: اس سے یہاں مراد بھوک ہے۔ اس میں دلیل ہے کہ جو انسان کو تکلیف اور مرض ہو تو اس کا بتانا جائز ہے، یہ مقام رضا کے منافی نہیں ہے اور نہ قضا کو تسلیم کرنے کے منافی ہے، لیکن یہ اس صورت میں جائز ہے جب اکتاہٹ اور ناراضگی کی بناء پر نہ ہو۔ وَمَآ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ان اور فعل مصدر کی تاویل میں ہیں۔ یہ اَنْسٰنِیْهُ کی ضمیر سے بدل اشتمال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، یہ اسم ضمیر سے ظاہر بدل ہے، یعنی ما أنسانی ذكرہ إلا الشیطان۔ اور حضرت عبد اللہ کے مصحف میں وما أنسانیه أن أذكرہ إلا الشیطان ہے۔ یہ یوشع نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول پر عذر پیش کرنے کے لیے کہا جو انہوں نے کہا تھا کہ میں تجھ سے بات نہیں کروں گا مگر یہ کہ تم مجھے بتاؤ جہاں تجھ سے مچھلی جدا ہوگئی تھی، میں نے تجھے کوئی بڑی تکلیف نہیں دی۔ اس

1۔ صحیح بخاری، کتاب الحج، تزودوا فإن خیر الزاد التقوی، جلد 1، صفحہ 206　2۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 529

قول کی وجہ سے یوشع نے معذرت خواہانہ کلام کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا** یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یوشع نے کہا ہو یعنی مچھلی نے اپنا راستہ بنالیا لوگوں کے لیے تعجب والی بات ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ خبر کی تکمیل سے ہے، پھر تعجب کو علیحدہ اپنی طرف سے بیان کیا ہو کہ اس امر پر تعجب ہے۔ تعجب اس لیے ہے کہ مچھلی مر چکی تھی اور اس کی بائیں جانب کھائی گئی تھی پھر اس کے بعد زندہ ہوگئی تھی۔ ابوالشجاع نے کہا: طبری کی کتاب میں، میں نے اس کو دیکھا، اُتِيتُ بہ (اسے لایا گیا)۔ وہ مچھلی کی ایک طرف تھی اور ایک آنکھ تھی اور دوسری طرف میں کچھ بھی نہیں تھا۔ ابن عطیہ نے کہا: میں نے اس کو دیکھا جس جانب کچھ نہیں تھا۔ اس پر باریک پردہ تھا جس کے نیچے کوئی کانٹا نہیں تھا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ **وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ** اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں: اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق خبر دی کہ اس نے مچھلی کے دریا میں راستہ بنانے پر تعجب کیا یا مچھلی کے متعلق خبر دی کہ اس نے لوگوں کے تعجب کے لیے راستہ بنایا۔ بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے قصص میں مروی ہے کہ وہ مچھلی زندہ ہوگئی تھی کیونکہ اسے اس چشمہ کا پانی لگا تھا جسے عین الحیاۃ کہا جاتا ہے، وہ پانی جس چیز کو لگتا ہے وہ زندہ ہو جاتی ہے۔ ''التفسیر'' میں ہے کہ علامت یہ تھی کہ مچھلی زندہ ہوگئی تھی۔ بعض علماء نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام سفر سے تھک کر چٹان کے پاس ستانے کے لیے گئے تو اس کے قریب آب حیات تھا وہ پانی مچھلی کو لگا تو وہ زندہ ہوگئی (1)۔ ترمذی نے اپنی حدیث میں کہا سفیان نے کہا لوگوں کا خیال ہے کہ اس چٹان کے پاس آب حیات کا چشمہ تھا وہ کسی چیز کو نہیں لگتا مگر وہ زندہ ہو جاتی ہے۔ فرمایا: اس مچھلی سے کھایا گیا تھا، جب اس پر پانی کے قطرے پڑے تو وہ زندہ ہوگئی۔ صاحب کتاب العروس نے ذکر کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آب حیات سے وضو کیا تو آپ کی داڑھی سے ایک قطرہ مچھلی پر گرا تو وہ زندہ ہوگئی۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ** یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نوجوان کو مچھلی اور اس کے گم ہونے کے متعلق بتایا کہ وہ جگہ تو تھی جس کو طلب کر رہے تھے وہ شخص جس کے لیے ہم آئے ہیں وہ وہاں ہے۔ پھر وہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے آئے تاکہ راستہ بھول نہ جائیں۔ بخاری میں ہے (2): ان دونوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو دریا کے درمیان سبز جائے نماز پر کپڑا لپیٹ کر سویا ہوا پایا انہوں نے چادر کی ایک طرف قدموں کے نیچے اور ایک طرف سر کے نیچے کی ہوئی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر سلام کیا تو انہوں نے اپنے چہرہ سے کپڑا ہٹایا اور کہا: یہ تمہاری زمین کا سلام ہے؟ تو کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں موسیٰ ہوں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: حضرت موسیٰ بنی اسرائیل؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے پوچھا: کیا کام ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں اس لیے آیا ہوں تاکہ آپ مجھے وہ علم سکھائیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔ ثعلبی نے کتاب (العرائس) میں کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور یوشع نے حضرت خضر علیہ السلام کو پانی کی سطح پر سبز جائے نماز پر سویا ہوا پایا وہ سبز کپڑا اوڑھے ہوئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ الکہف، حدیث نمبر 3074، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، حدیث خضر مع موسیٰ، جلد 2، صفحہ 689

السلام نے ان پر سلام کیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور کہا: یہ ہماری زمین کا سلام کہاں ہے؟ پھر اپنا سر اٹھایا اور سیدھے بیٹھ گئے اور کہا: اے بنی اسرائیل کے نبی! وعلیک السلام۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا: تجھے میرے متعلق کیسے خبر ہوئی ہے؟ اور تجھے کس نے بتایا ہے کہ میں بنی اسرائیل کا نبی ہوں؟ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: جس نے آپ کو میرے متعلق بتایا ہے اور میری طرف جس نے تمہاری راہنمائی کی ہے۔ پھر کہا: اے موسیٰ! تجھے تو بنی اسرائیل میں مشغولیت تھی۔ حضرت موسیٰ نے کہا: میرے رب نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے تاکہ میں آپ کی پیروی کروں اور آپ سے وہ علم سیکھوں جو آپ کو اس نے سکھایا ہے۔ پھر دونوں باتیں کرتے ہوئے بیٹھ گئے۔ ایک پرندہ آیا اور اس نے اپنی چونچ میں پانی اٹھایا۔ آگے حدیث ذکر کی جیسا کہ آگے آئے گی (1)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ۔ العبد سے مراد جمہور کے قول پر حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ اور احادیث کا مقتضا بھی یہی ہے۔ انہوں نے اس کی مخالفت کی ہے جن کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ساتھی حضرت خضر نہیں تھے بلکہ کوئی دوسرا عالم تھا، یہ قول قشیری نے حکایت کیا ہے۔ فرمایا: ایک قوم نے کہا: وہ عبد صالح تھا۔ صحیح یہ ہے کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے، اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خبر مروی ہے۔ مجاہد نے کہا: حضرت خضر علیہ السلام کو خضر اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ جب وہ نماز پڑھتے تھے تو ان کے اردگرد کا علاقہ سرسبز ہو جاتا تھا۔ ترمذی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے (2) فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خضر علیہ السلام کو خضر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ سفید زمین پر بیٹھتے تھے تو وہ اس کے نیچے سبز ہو کر لہلہانے لگتی تھی"۔ یہ حدیث صحیح غریب ہے۔ حدیث میں الفروۃ کا لفظ آیا ہے جس کا معنی [illegible] خطابی وغیرہ کا قول ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ عبد صالح تھے نبی نہیں تھے۔ آیت ان کی نبوت کی گواہی دیتی ہے کیونکہ ان کے افعال کے راز وحی سے معلوم ہو سکتے ہیں، کیونکہ انسان نہ سیکھتا ہے اور نہ ہی اتباع کرتا ہے مگر اس کی جو اس سے بلند مرتبہ ہوتا ہے۔ اور یہ جائز نہیں کہ نبی سے وہ بلند مرتبہ ہو جو نبی نہیں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ فرشتہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ ان سے علم باطن حاصل کریں جو اسے حاصل ہے۔ پہلا قول صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا اس آیت میں رحمت سے مراد نبوت ہے۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد نعمت ہے۔ وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۝ یعنی ہم نے اسے اپنی جناب سے علم غیب سکھایا۔ ابن عطیہ نے کہا: حضرت خضر علیہ السلام کا علم، علم معرفت تھا جو ان کی طرف وحی کیا گیا تھا، ان کے افعال کو احکام کے ظواہر کا رنگ نہیں دیا جاتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا علم، علم احکام اور حکم فتویٰ لوگوں کے ظاہر اقوال اور افعال سے متعلق تھا (3)۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، حدیث خضر مع موسیٰ، جلد 2، صفحہ 689

2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ کہف، جلد 2، صفحہ 144۔ ایضاً، حدیث نمبر 3076، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 529

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۶﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ وَ كَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾ قَالَ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّ لَاۤ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰۤى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾

''کہا اس بندے کو موسیٰ نے کیا: میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں بشرطیکہ آپ سکھائیں مجھے رشد و ہدایت کا خصوصی علم جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔ اس بندے نے کہا: (اے موسیٰ) آپ میرے ساتھ صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں اس بات پر جن کی آپ کو پوری طرح خبر نہیں۔ آپ نے کہا: آپ مجھے پائیں گے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا صبر کرنے والا اور میں نافرمانی نہیں کروں گا آپ کے کسی حکم کی۔ اس بندے نے کہا: اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھئے نہیں یہاں تک کہ میں آپ سے اس کا خود ذکر کروں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ یہ سوال ایک ملاطف کا سوال ہے اور مخاطب حسن ادب میں مبالغہ کرتے ہوئے اپنے مقام سے اتر کر سوال کر رہا ہے، مطلب یہ ہے کیا تمہارے لیے ایسا اتفاق ہوگا اور آپ پر آسانی ہوگی؟ یہ اس طرح ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: ''کیا تو مجھے دکھا سکتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کیسے وضو کرتے تھے'' (1)۔ بعض تاویلات پر یہ آئے گا اسی طرح یہ ارشاد ہے: هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ (المائدہ: 112) اس کا بیان سورہ مائدہ میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ شاگرد، اُستاد کے تابع ہوتا ہے اگرچہ مراتب مختلف ہوں، اس سے یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت خضر علیہ السلام سے سیکھنے میں دلیل ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل تھے، کبھی فاضل کو اس بات کا علم نہیں ہوتا جس کا مفضول کو علم ہوتا ہے، فضیلت اسے حاصل ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ فضیلت دیتا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام اگر ولی تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے افضل ہوں گے، کیونکہ وہ نبی تھے اور نبی، ولی سے افضل ہوتا ہے۔ اور اگر وہ نبی تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسالت کے ساتھ فضیلت دی گئی تھی۔ واللہ اعلم۔ رُشْدًا یہ تُعَلِّمَنِ کا دوسرا مفعول ہے۔ قَالَ، حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا یعنی اے موسیٰ! آپ میرے علم کو دیکھ کر صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھیں گے کیونکہ ظواہر جو آپ کا علم ہے وہ اس علم کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا (2)۔ آپ جس کو خطا دیکھیں گے اس پر کیسے صبر کریں گے؟ اور اس میں حکمت کی وجہ تم پر منکشف نہ

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 16431

2۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 350

ہوگی تو آپ کیسے ضبط کر سکیں گے؟ وَ كَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا کا یہی معنی ہے۔ انبیاء کرام کسی منکر پر خاموش نہیں رہتے اور نہ ان کے لیے خاموش ہونا جائز ہوتا ہے، تو حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: آپ اپنی عادت اور حکم کی بنا پر خاموش نہیں رہ سکیں گے۔ خُبْرًا کی نصب تمیز کی بنا پر ہے جو فاعل سے منقول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: مصدر کی بنا پر ہے جو معنی میں متصل ہے۔ کیونکہ لَمْ تُحِطْ کا معنی ہے لم تخبرہ گویا فرمایا: لم تخبرہ خبرًا، اسی کی طرف مجاہد نے اشارہ کیا ہے۔ خبیر بالامور وہ ہوتا ہے جو امور کے بواطن کو جانتا ہو اور امور میں سے جن سے آگاہ کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا یعنی میں اللہ تعالیٰ نے چاہا تو صبر کروں گا۔ وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا میں آپ کی اطاعت کروں گا۔ استثنا میں اختلاف ہے کیا یہ وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا کے قول کو شامل ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے فرمایا: اس کو شامل ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ (احزاب: 35) بعض علماء نے فرمایا: صبر میں استثنا کی تو صبر کیا اور وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا میں استثنا نہیں کی، اس لیے اعتراض کیا اور سوال کیا۔ ہمارے علماء نے فرمایا: اس میں استثناء نہیں تھی کیونکہ صبر مستقبل کا امر ہے۔ معلوم نہیں ہوتا کہ اس میں کیا حالت ہوگی اور معصیت کی نفی کا عزم کیا گیا تھا وہ فی الحال حاصل تھی، پس اس میں استثنا عزم کے منافی ہے۔ ان کے درمیان اس طرح فرق کرنا ممکن ہے کہ صبر ہمارے لیے مکتسب نہیں ہے بخلاف معصیت کے کرنے اور اس کے ترک کرنے کے، کیونکہ یہ تمام ہمارے لیے مکتسب ہے۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا یعنی حتیٰ کہ میں خود تمہارے لیے اس کی تفسیر بیان کروں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے سنگت کے آداب سکھائے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے تو عجیب چیزوں کو دیکھ لیتے، لیکن انہوں نے اعتراض کیا پس فراق اور اعراض متعین ہوگیا۔

فَانْطَلَقَا ٜ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ۭ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ۝

''پس وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب وہ سوار ہوئے کشتی میں تو اس بندے نے اس میں شگاف کر دیا، موسیٰ بول اٹھے: کیا تم نے اس لیے شگاف کیا ہے کہ اس کی سواریوں کو ڈبو دو یقیناً تم نے بہت عجیب کام کیا ہے۔ اس بندے نے کہا کیا: میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میں یہ طاقت نہیں کہ میری سنگت پر صبر کر سکیں۔ آپ نے (عذر خواہی کرتے ہوئے) کہا کہ نہ گرفت کرو مجھ پر میری بھول کی وجہ سے اور نہ سختی کرو مجھ پر میرے اس معاملہ میں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَانْطَلَقَا ٜ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں ہے(1): وہ دونوں دریا کے ساحل پر چلے ایک کشتی گزری تو انہوں نے سوار کرنے کے لیے ان سے بات کی کشتی والے حضرت خضر کو جان گئے تو انہوں نے بغیر کرائے کے سوار کر لیا جب کشتی میں دونوں سوار ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اچانک دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ہتھوڑے کے ساتھ کشتی کے تختوں میں سے ایک تختہ نکالا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ان لوگوں نے ہمیں بغیر کرائے کے سوار کیا اور آپ نے ان کی کشتی کو شگاف کر دیا تا کہ اس کے سواروں کو ہلاک کر دیں، آپ نے برا کام کیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ تو میرے ساتھ صبر نہیں کر سکے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ مجھ پر گرفت نہ فرمائیں میری بھول کی وجہ سے اور نہ مجھ پر میرے اس معاملہ میں سختی کریں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلا سوال بھولنے کی وجہ سے تھا'' فرمایا: ایک چڑیا آئی وہ کشتی کے کنارے پر بیٹھی اور دریا سے ایک چونچ بھری، حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: میرا علم اور تیرا علم، علم الٰہی سے کمی نہیں کرتا مگر جتنا کہ اس دریا سے اس چڑیا نے کمی کی ہے۔ ہمارے علماء نے فرمایا: حرف السفینۃ سے مراد اس کی طرف ہے ہر چیز کا حرف اس کا طرف ہوتا ہے(2)، اسی سے حرف الجبل ہے پہاڑ کی چوٹی۔ اور یہاں علم بمعنی معلوم ہے جیسے فرمایا: وَلَا يُحِيطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ (بقرہ:255) یعنی معلوماتہ۔ یہ حضرت خضر علیہ السلام نے تمثیل بیان کی کہ میری معلومات اور تمہاری معلومات کا اللہ تعالیٰ کے علم پر کوئی اثر نہیں جیسا کہ چڑیا نے اس دریا سے جو پانی لیا اس کی اس دریا کے پانی سے کوئی نسبت نہیں۔ دریا سے مثال بیان فرمائی، کیونکہ یہ اکثر ہمارے مشاہدہ میں ہوتا ہے اور یہاں نقص (کمی) کے لفظ کا اطلاق مجازاً ہے اس سے تمثیل اور سمجھانا مقصود ہے کیونکہ اللہ کے علم میں کوئی نقص نہیں ہے اور اس کی معلومات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اس کا معنی امام بخاری نے واضح کیا ہے فرمایا: اللہ کی قسم! میرا علم اور تیرا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے نہیں ہے مگر جس طرح اس پرندے نے اپنی چونچ میں اس دریا سے پانی لیا ہے۔ تفسیر میں ابو العالیہ سے مروی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا کسی نے نہ دیکھا جب آپ نے کشتی کو شگاف کیا تھا وہ ایسے بندے تھے کہ اسے کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی تھی مگر جس کو اللہ دکھانا چاہتا تھا۔ اگر قوم انہیں دیکھتی تو وہ اسے کشتی کو شگاف لگانے سے منع کرتے۔ بعض علماء نے فرمایا: اہل سفینہ جزیرہ کی طرف نکلے اور حضرت خضر علیہ السلام پیچھے موجود تھے تو انہوں نے کشتی کو شگاف کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کو پھاڑا تو موسیٰ علیہ السلام ایک طرف ہو گئے اور دل میں سوچا کہ میں اس شخص کی سنگت نہیں کروں گا، میں بنی اسرائیل میں کتاب اللہ کی صبح و شام تلاوت کرتا ہوں اور وہ میری اطاعت کرتے ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں بتاؤں جو تم دل میں سوچ رہے ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: تم ایسا ایسا خیال کر رہے ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ نے سچ فرمایا ہے، یہ ثعلبی نے کتاب (العرائس) میں ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ کشتی کے شگاف کرنے میں دلیل ہے کہ ولی کے لیے جائز ہے کہ وہ یتیم کے مال میں کمی کر دے جب

1۔ صحیح بخاری، حدیث خضر مع موسیٰ، جلد 1، صفحہ 482
2۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 531

وہ اس میں بھلائی اور اصلاح دیکھے مثلاً اس کے مکان پر کسی ظالم کا خوف دیکھے تو اس کے بعض حصہ کو خراب کر دے۔ امام ابو یوسف نے کہا: ولی کے لیے جائز ہے کہ وہ یتیم کے بعض مال کے عوض بعض مال کے لیے سلطان سے معاملات کرے۔ حمزہ اور کسائی نے (لیغرق) یاء کے ساتھ اور اَهْلَهَا کو یغرق کے فاعل کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے۔ اور جمہور کی قرأت پر لِتُغْرِقَ میں لام مآل کے لیے ہوگا جیسے لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا (القصص: 8) میں لام عاقبت و مآل کے لیے ہے اور حمزہ کی قرأت پر لام کی ہے، لتغرقنی نہیں فرمایا کیونکہ ان پر فی الحال دوسرے لوگوں پر شفقت غالب تھی اور ان کے حق کی رعایت کا خیال تھا۔ اِمْرًا کا معنی عجیب ہے، یہ قتبی کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی منکر ہے، مجاہد نے بھی یہی کہا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: الامر سے مراد بہت بڑی مصیبت ہے اور دلیل کے طور پر یہ شعر پڑھا ہے:

قد لقی الاقران منی نکرا	داهیة دهیاء اِدًّا اِمْرًا

اخفش نے کہا: کہا جاتا ہے اَمِرَ اَمْرُهٗ یا مَرَ اَمْرًا جب شدت پیدا ہو جائے اسم الامر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ اس کے معنی میں دو قول ہیں، (i) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: یہ کلام کی معاریض سے ہے☆ (ii) دوسرا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھول گئے تھے تو معذرت کی، اس میں دلیل ہے کہ نسیان مواخذہ کا مقتضی نہیں ہے، یہ تکلیف کے تحت داخل نہیں اس کے ساتھ طلاق وغیرہ کے احکام متعلق نہیں ہوتے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ اگر دوسری مرتبہ بھی بھول جائے تو معذرت کرے۔

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ۞ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۞ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۞

"پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ جب وہ ملے ایک لڑکے کو تو اس نے اسے قتل کر ڈالا، موسیٰ (غضبناک ہو کر) کہنے لگے: مار ڈالا آپ نے ایک معصوم جان کو کسی نفس کے بدلے کے بغیر، بیشک آپ نے ایسا کام کیا ہے جو بہت ہی نازیبا ہے۔ اس نے کہا: کیا (پہلے ہی) میں نے کہہ نہ دیا تھا آپ کو کہ آپ میری معیت میں صبر نہیں کر سکیں گے۔ آپ نے کہا: اگر میں پوچھوں آپ سے کسی چیز کے بارے میں اس کے بعد تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں آپ میری طرف سے معذور ہوں گے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ بخاری میں ہے یعلیٰ نے کہا سعید نے فرمایا: حضرت خضر علیہ السلام نے لڑکے پائے جو کھیل رہے تھے انہوں نے ایک کافر لڑکا پکڑا اور اسے لٹا دیا پھر اسے چھری سے ذبح کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ نے ایک معصوم جان کو مار ڈالا ہے بغیر کسی نفس کے بدلے کے یعنی اس نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔

☆ معاریض من الکلام سے مراد ہوتی ہے توریہ کلام کرنا۔ کسی اور کو پیش نظر رکھتے ہوئے کلام کرنا۔ توریہ میں لفظ کا بعیدی معنی پیش نظر ہوتا ہے۔

بخاری و مسلم اور ترمذی میں ہے (1): پھر دونوں کشتی سے نکلے جب وہ ساحل پر چل رہے تھے تو اچانک حضرت خضر علیہ السلام نے ایک لڑکا دیکھا جو دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا تو حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اس کے سر کو پکڑا اور تن سے جدا کر دیا اور اسے قتل کر دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا: کیا آپ نے معصوم جان کو مار ڈالا ہے بغیر کسی نفس کے بدلے کے، آپ نے بہت عجیب کام کیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: کیا میں نے پہلے ہی نہیں کہا تھا تجھے کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے؟ فرمایا: یہ جملہ پہلے سے زیادہ سخت تھا، فرمایا: اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا اگر میں آپ سے اس کے بعد کسی چیز کے بارے میں پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں آپ میری طرف سے معذور ہوں گے۔ اور تفسیر میں ہے حضرت خضر علیہ السلام بچوں کے پاس سے گزرے جو کھیل رہے تھے، آپ نے اپنے ہاتھ سے ایک لڑکے کو پکڑا ان لڑکوں میں اس سے زیادہ خوبصورت کوئی نہ تھا، پھر ایک پتھر لیا اور اس کے ساتھ اس کا سر کچل دیا اور اسے قتل کر دیا۔ ابو العالیہ نے کہا: اسے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا تھا اگر لوگ حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھتے تو اسکے اور بچے کے درمیان حائل ہو جاتے۔

میں کہتا ہوں: ان تینوں احوال کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ یہ احتمال ہے کہ پہلے پتھر کے ساتھ سر کو کچلا ہو پھر اسے لٹا کر ذبح کیا ہو پھر اس کا سر تن سے جدا کر دیا ہو۔ اللہ تعالیٰ حقیقت حال بہتر جانتا ہے۔ اور تیرے لیے وہ کافی ہے جو صحیح حدیث میں آیا ہے۔ جمہور علماء نے زاکیۃ الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ کوفیوں اور ابن عامر نے زکیۃ بغیر الف کے یاء کی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: معنی ایک ہے، یہ کسائی نے کہا ہے، اور ثعلب نے کہا: الزکیۃ وہ ہوتا ہے جس نے گناہ کیا ہو اور پھر توبہ کی ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: غُلٰمًا علماء کا غلام کے بارے میں اختلاف ہے، کیا وہ بالغ تھا یا نہیں؟ کلبی نے کہا: وہ بالغ تھا وہ دو شہروں کے درمیان ڈاکہ ڈالتا تھا اس کا باپ ان دو شہروں میں ایک شہر کے عظماء میں سے تھا اور اس کی ماں دوسرے شہر کے عظماء میں سے تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اسے پکڑا اور اسے گرا دیا اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ کلبی نے کہا: غلام کا نام شمعون تھا۔ ضحاک نے کہا: حیسون تھا۔ وہب نے کہا: اس کے باپ کا نام سلاس اور اس کی ماں کا نام رُحمی تھا۔ سہیلی نے اس کے باپ کا نام زیر اور اس کی ماں کا نام سہوی حکایت کیا ہے۔ جمہور علماء نے کہا: وہ بالغ نہ تھا، اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: زاکیۃ جس نے گناہ نہ کیا تھا، غلام کا لفظ بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ مردوں میں غلام اسے کہا جاتا ہے جو بالغ نہ ہو، اس کے مقابل عورتوں میں جاریۃ (لڑکی) ہوتی ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اسے قتل کیا کیونکہ آپ نے اپنے علم باطنی سے جان لیا تھا کہ وہ کافر ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے (2)، اگر وہ بالغ ہو جاتا تو وہ اپنے والدین کو کفر پر مجبور کرتا، چھوٹے بچے کو قتل کرنا محال نہیں جب اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دی ہو، اللہ تعالیٰ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہے۔ ہر چاہت پر قادر ہے اور کتاب (العرائس) میں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب حضرت خضر علیہ السلام سے کہا: اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةً

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ کہف، جلد 2، صفحہ 143 2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 144

الایۃ تو حضرت خضر علیہ السلام غضبناک ہو گئے اور اس کے کندھے کو الگ کیا اس کا گوشت اس سے اتار دیا اس کے کندھے کی ہڈی پر لکھا ہوا تھا: کافر لا یومن من باللہ ابدًا۔ "کافر ہے کبھی اللہ پر ایمان نہیں لائے گا" پہلے قول والے علماء نے اس سے حجت پکڑی ہے کہ عرب نوجوان پر غلام کے لفظ کا اطلاق کرتے ہیں۔ لیلی الاخلیلیۃ کا قول ہے:

شَفَاھا من الدَّاءِ العُضَالِ الذِی بِھا　　غلامٌ إذا ھَزَّ القَنَاۃَ سقاھا

صفوان نے حضرت حسان کو کہا تھا:

تَلَقَّ ذُبَابَ السَّیفِ عَنِّی فَإنَّنِی　　غلامٌ إذا ھُو جِیتُ لَسْتُ بشاعِرِ

خبر میں ہے: یہ غلام (لڑکا) زمین میں فساد پھیلاتا تھا اور اپنے والدین کے سامنے قسم اٹھاتا تھا کہ اس نے ایسا نہیں کیا ہے اور اس کے والدین اس کی قسم پر قسم اٹھاتے تھے اور اس کی اس شخص سے حفاظت کرتے تھے جو اسے پکڑنا چاہتا تھا۔ علماء نے کہا: **بِغَیْرِ نَفْسٍ** کا قول اس بات کا مقتضی ہے کہ اگر وہ کسی نفس کے بدلے میں قتل ہوتا تو کوئی حرج نہ ہوتی۔ یہ غلام کے بڑا ہونے پر دلیل ہے۔ اگر وہ بالغ نہ ہوتا تو اسے کسی نفس کے بدلے قتل کرنا بھی واجب نہ ہوتا، اس کا قتل کرنا جائز تھا کیونکہ وہ بالغ اور گنہگار تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ نوجوان تھا ڈاکہ ڈالتا تھا۔ ابن جبیر کا خیال ہے کہ وہ مکلف ہونے کی عمر کو پہنچ چکا تھا کیونکہ حضرت ابی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت اسی کا تقاضا کرتی ہے: وأما الغلام فکان کافرا وکان أبواہ مؤمنین۔ کفر اور ایمان مکلفین کی صفات سے ہیں غیر مکلف پر کفر کا اطلاق نہیں کیا جاتا مگر والدین کی تبع میں اور اس غلام کے والدین مومن تھے، جس کی دلیل نص قرانی ہے اور اس پر کافر کے اسم کا اطلاق بلوغت کی وجہ سے ہی تھا، پس اس کا کافر ہونا متعین ہو جاتا ہے۔ الغلام، الاغتلام سے ہے جس کا معنی بہت زیادہ شہوت والا ہونا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **نُّکْرًا** علماء کا اختلاف ہے کہ **نُّکْرًا** ابلغ ہے یا امرًا۔ ایک جماعت نے کہا: یہ قتل واضح ہے اور کشتی والوں کے ڈبونے کا انتظار تھا پس **نُّکْرًا** زیادہ بلیغ ہے۔ ایک جماعت نے کہا: یہ ایک شخص کا قتل ہے اور وہ پوری جماعت کا قتل ہے۔ پس امرًا زیادہ بلیغ ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: میرے نزدیک دونوں میں مختلف معانی ہیں۔ امرًا۔ ایک بہت بڑی ہولنا کی ظاہر کر رہا ہے جو متوقع ہے اور **نُّکْرًا**۔ فساد میں واضح ہے کیونکہ ظاہرًا ایک ناپسندیدہ کام واقع ہو چکا ہے۔ اور یہ واضح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اِنْ سَاَلْتُکَ عَنْ شَیْءٍۢ بَعْدَھَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ** یہ شرط ہے اور وہ لازم ہے۔ مسلمانوں کے معاملات ان کی شرائط کے مطابق ہوتے ہیں اور جو شرائط پوری کرنے کی زیادہ حقدار ہیں وہ وہ ہیں جن کو انبیاء لازم کرتے ہیں اور جو انبیاء کے لیے لازم کی جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا** پہلی مرتبہ کچھ ہو جائے تو مطلقًا عذر خواہی کے قیام پر دلیل ہے اور دوسری مرتبہ قطعی طور پر حجت کے قیام پر دلیل ہے، یہ ابن عربی نے کہا: ابن عطیہ نے کہا ہو سکتا ہے (1) کہ قصہ احکام میں مدتوں کی اصل ہو اور وہ مدت تین دن ہے اور تین دن ہی سے احکام مختلف ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَلَا تُصٰحِبْنِیْ**۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 532

جمہور نے اسی طرح پڑھا ہے، یعنی آپ مجھے ساتھ نہ رکھیں۔ اعرج نے تصحبَنّی تاء اور باء کے فتحہ کے ساتھ اور نون کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور تصحَبْنی بھی پڑھا گیا ہے۔ یعقوب نے تُصحِبنی تاء کے ضمہ اور حاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، سہل نے اس کو ابوعمرو سے روایت کیا ہے۔ کسائی نے کہا: اس کا معنی ہے تو مجھے نہ چھوڑ کہ میں تیری سنگت اختیار کروں۔

قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا تو میری سنگت چھوڑنے پر معذوری پر پہنچ جائے گا۔ جمہور علماء نے من لدنی دال کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، مگر نافع اور عاصم نے نون کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ اصل میں لدن ہے اس کے ساتھ یاء متکلم متصل ہوئی جو غلامی اور فرسی میں ہوتی ہے یاء کے ماقبل کو کسرہ دیا گیا جس طرح غلامی اور فرسی میں دیا گیا۔ ابوبکر عاصم سے لَدْنِی لام کے فتحہ اور دال کے سکون اور نون کی تخفیف کے ساتھ روایت کیا ہے۔ عاصم سے لُدْنِی لام کے ضمہ اور دال کے سکون کے ساتھ مروی ہے۔ ابن مجاہد نے کہا: یہ غلط ہے۔ ابوعلی نے کہا: یہ تغلیط روایت کی جہت سے ہونے کے مشابہ ہے رہا عربیت کے قیاس کی بنا پر تو یہ صحیح ہے۔ جمہور نے عذراً پڑھا ہے۔ عیسیٰ نے عذراً ذال کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ دانی نے حکایت کیا ہے کہ حضرت اُبی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے "عُذُرِی" راء کے کسرہ اور اس کے بعد یاء کے ساتھ روایت کیا ہے۔

مسئلہ: طبری نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے (1) فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے لیے دعا کرتے تو پہلے اپنا ذکر کرتے ایک روایت میں فرمایا: "رحمة الله علينا وعلى موسى" اگر وہ اپنے ساتھی کے ساتھ صبر کرتے تو عجیب چیزیں دیکھتے، لیکن انہوں نے کہا: "فَلَا تُصٰحِبْنِیْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا۔ اور صحیح مسلم میں ہے (2) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رحمة الله علينا وعلى موسى اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام جلدی نہ کرتے تو عجیب باتیں دیکھتے لیکن انہیں اپنے ساتھی کی طرف سے عار نے آلیا اگر وہ صبر کرتے تو عجیب چیزیں دیکھتے"۔ فرمایا: جب آپ کسی نبی کا ذکر کرتے تو پہلے اپنا ذکر کرتے، آپ فرماتے: "رحمة الله علينا وعلى اخى كذا"۔ اور بخاری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے (3) فرمایا: "یرحم الله موسیٰ لوددنا أنه صبر حتى يقص علينا من امرهما"۔ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے ہماری خواہش تھی کہ آپ صبر کرتے تا کہ ہم پر ان کے معاملات بیان کیے جاتے۔

مسلم کی حدیث میں ذمامة کا لفظ آیا ہے، یہ المذمة (ذال کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ) کے معنی میں ہے جس کا معنی ہے حرمت کے ترک پر عار اور رقت محسوس کرنا۔ کہا جاتا ہے: أخذتني منك مَذَمَّة و مَذِمَّة و ذمامة۔ گویا وہ مخالفت کے تکرار سے شرم محسوس کرنے لگے اور انکار کی تغلیظ کی جوان سے صادر ہوئی اس پر رقت محسوس کرنے لگے۔

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ ِاسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَیْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَ بَیْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِیْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾

1۔ تفسیر طبری، جز 16-15، صفحہ 332　2۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، خضر مع موسیٰ، جلد 2، صفحہ 271

3۔ صحیح بخاری، خضر مع موسیٰ، جلد 1، صفحہ 483

''پھر وہ چل پڑے یہاں تک کہ جب ان کا گزر ہوا گاؤں والوں کے پاس سے تو انہوں نے ان سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے (صاف) انکار کر دیا ان کی میزبانی کرنے سے پھر ان دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار دیکھی جو گرنے کے قریب تھی تو اس بندے نے اسے درست کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے: اگر آپ چاہتے تو اس محنت پر مزدوری ہی لے لیتے۔ اس نے کہا: (بس سنگت ختم) اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت آ گیا ہے، میں آگاہ کرتا ہوں آپ کو ان باتوں کی حقیقت پر جن کے متعلق آپ صبر نہ کر سکے''۔

اس میں تیرہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ ۔ صحیح مسلم میں حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ''لئام'' کا لفظ روایت کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام مجالس میں گھومتے تھے اور ان سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے میزبانی کرنے سے انکار کیا، پھر ان دونوں نے ایک جھکی ہوئی دیوار دیکھی تو حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے درست کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ہم اس قوم کے پاس آئے انہوں نے نہ ہماری میزبانی کی اور نہ کھانا کھلایا، اگر آپ چاہتے تو اس پر محنت ہی طلب کر لیتے، تو حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: یہ تمہاری اور میری جدائی کا وقت ہے، میں تجھے ان باتوں کی حقیقت سے آگاہ کرتا ہوں جن پر تم صبر نہ کر سکے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے میری خواہش تھی کہ آپ صبر کرتے حتیٰ کہ ہم پر ان کے واقعات واخبار ذکر کی جاتیں'' (1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس گاؤں کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: وہ اَبُلَّة (ایلہ) تھا: یہ قتادہ کا قول ہے، اسی طرح محمد بن سیرین نے کہا ہے: یہ بخیل ترین لوگوں کا گاؤں تھا اور آسمان سے یعنی اس کی رحمت سے بہت دور تھا۔ بعض نے کہا: یہ انطاکیہ کا گاؤں تھا۔ بعض نے کہا: اندلس کا جزیرہ تھا: یہ حضرت ابو ہریرہ وغیرہ سے مروی ہے۔ یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ سبز جزیرہ تھا۔ ایک جماعت نے کہا: یہ باجروان تھا یہ آذربائیجان کے قریب ہے۔ سہیلی نے حکایت کیا ہے فرمایا: یہ برقۃ ہے۔ ثعلبی نے کہا: یہ روم کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات تھا، اسے ناصرہ کہا جاتا تھا: اس کی طرف نصاریٰ منسوب ہیں۔ یہ سب اس اختلاف کی بنا پر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ کس علاقہ میں ہوا؟ حقیقت حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کی بکریوں کو پانی پلایا تھا تو اس وقت انہیں کھانے کی زیادہ ضرورت تھی بنسبت اس وقت کے جب حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ دیہات میں آئے تھے، اس وقت تو انہوں نے خوراک طلب نہیں کی تھی بلکہ پہلے بکریوں کو پانی پلایا تھا اور یہاں خوراک کا سوال کیا ہے۔ اس مسئلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک یہ ہے کہ مدین کے سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اکیلے تھے اور یہاں حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ ان کی اتباع میں تھے۔ میں کہتا ہوں: اس معنی کی بنا پر آیت کی ابتدا میں اپنے نوجوان کو بھی کہا تھا: اٰتِنَا غَدَآءَنَا ٘ لَقَدْ لَقِیْنَا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، خضر مع موسیٰ، جلد 2، صفحہ 269

مِنۡ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھوک کا اظہار کیا اپنے ساتھی یوشع کی رعایت کرتے ہوئے۔ واللہ اعلم۔

بعض علماء نے فرمایا: جب یہ سفر تادیب تھا تو انہیں مشقت میں مبتلا کیا گیا اور وہ سفر، سفر ہجرت تھا تو ان کی خوراک کے ذریعے مدد اور نصرت کے سپرد کیے گئے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اس آیت میں خوراک کے سوال کرنے پر دلیل ہے، اگر کوئی شخص بھوکا ہو تو اسے وہ چیز طلب کرنی چاہیے جو اس کی بھوک کو ختم کر دے، جبکہ جہال صوفیاء اس کے مخالف ہیں۔ الاستطعام کا معنی کھانا طلب کرنا ہے، یہاں مراد ضیافت کا سوال ہے، اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: فَاَبَوۡا اَنۡ یُّضَیِّفُوۡهُمَا۔ اسی وجہ سے اس گاؤں والے مذمت کے مستحق ٹھہرے اور کمینگی اور بخل کی طرف منسوب کیے گئے جیسا کہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا ہے۔ قتادہ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: بدترین وہ گاؤں ہے جس میں مہمان کی مہمان نوازی نہیں کی جاتی اور مسافر کا حق نہیں پہنچایا جاتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ضیافت ان پر واجب تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے اس کا مطالبہ کیا جو ضیافت میں سے واجب تھا۔ انبیاء کی حالت اور فضلاء و اولیاء کے منصب کے یہی لائق ہے۔ ضیافت کے بارے میں قول سورۂ ہود میں گزر چکا ہے۔ الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ حریری ☆ کو معاف کرے جس نے اس آیت میں مناسب گفتگو نہیں کی، اس سے اس میں لغزش ہوئی ہے، اس نے اس آیت سے اصرار سے سوال کرنے پر استدلال کیا ہے اور ایسا کرنے والے پر یہ عیب نہیں ہے اور اس پر کوئی نقص نہیں ہے، اس نے کہا:

وإن رُدِدْتَ فما فی الرّدِ مَنْقَصَةٌ علیك وَرْدٌ موسٰی قبلُ والخَضِرُ

میں کہتا ہوں: یہ دین کے ساتھ مزاح ہے اور انبیاء کرام کے احترام میں کوتاہی ہے، یہ ادبی لغزش ہے اور نامناسب قول ہے۔ اللہ تعالیٰ سلف صالحین پر رحم فرمائے، انہوں نے ہر ذی عقل کو وصیت کرنے میں مبالغہ کیا ہے، انہوں نے کہا: جب تو کسی چیز سے کھیلنے والا ہو تو دین سے کھیل سے اجتناب کر۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جِدَارًا۔ الجدار والجدر دونوں کا ایک معنی ہے، حدیث شریف میں ''حتی یبلغ الماء الجدر'' (1)۔ حتیٰ کہ پانی کھیت کی وٹوں تک پہنچ جائے۔ مکان جَدِیۡرٌ بُنی حوالیه جدار۔ بہتر مکان وہ ہے جس کے ارد گرد دیوار بنائی گئی ہو، اصل معنی اٹھانا ہے۔ أجدرت الشجرة، درخت نکل آیا، اسی سے الجدری ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یُّرِیۡدُ اَنۡ یَّنۡقَضَّ گرنے کے قریب تھی، یہ مجاز ہے اس کی تفسیر حدیث میں (مائل) کے قول سے کی گئی ہے، اس میں دلیل ہے کہ قرآن میں مجاز موجود ہے، یہی جمہور کا مذہب ہے۔ وہ تمام افعال جن کا حق یہ ہے کہ وہ زندہ ناطق کے لیے ہوں جب وہ جمادات اور چوپاؤں کی طرف منسوب ہوں تو وہ مجاز ہوگا یعنی اگر ان کی جگہ انسان ہوتا تو وہ اس فعل کے مناسب ہوتا۔ کلام عرب میں مجاز کثیر ہے، اسی سے اعشیٰ کا قول ہے:

1۔ صحیح بخاری، کتاب المساقاۃ، شرب الاعلی قبل الاسفل، جلد 1 صفحہ 318

☆ ابو محمد قاسم بن علی بن محمد بصری۔

أَتَنْتَهون ولا يَنْهَى ذَوِى شَطَطٍ　　كالطعنِ يذهبُ فيه الزَّيتُ والفُتُلُ

اعشی نے نہی کو الطعن کی طرف منسوب کیا ہے۔

اور ایک شاعر نے کہا:

يُرِيدُ الرمحُ صدر أَبِي بَرَاءٍ　　ويرغبُ عن دماء بني عقيل(1)

اس میں فعل یرید کی نسبت الرمح (نیزہ) کی طرف ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

إنْ دهرًا يلفُّ شَمْلِي بجُمْلٍ　　لَزَمَانٌ يَهُمّ بالإحسان

ایک اور شاعر نے کہا:

لِي مهمة فُلِقت به هاماتها　　فَلَقَ الفُؤس إذا أردن نُصُولًا

یہ عربوں کے قول: نَصَلَ السيفُ سے مشتق ہے جب وہ نشانہ پر لگ جائے تلواروں کے ان کے سروں پر واقع ہونے پر زمین میں ہتھوڑے کے واقع ہونے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ ہتھوڑا زمین میں واقع ہوتا ہے تو جلدی نکلتا نہیں۔ حضرت حسان بن ثابت نے کہا:

لَو أَنَّ اللُّؤمَ يُنسبُ كان عَبْدًا　　قبيحَ الوجهِ أَعْوَرَ مِنْ ثَقِيفِ

عنترہ نے کہا:

فازْوَرَّ من وَقْعِ القَنَا بِلَبَانِهِ　　وَشَكَا إِلَيَّ بعَبْرَةٍ وَتَحَمْحُمِ

اس معنی کی تفسیر اس قول سے بھی ہوتی ہے:

لوكان يدری ما المُحاورة إشتكى

اس مفہوم میں بہت سی مثالیں موجود ہیں، اسی سے لوگوں کا قول ہے: إن داری تنظر إلی دار فلان۔ دیکھنے کی نسبت دار کی طرف کی گئی ہے۔ حدیث میں ہے۔ اشتکت النار الی ربها(2)۔ شکایت کی نسبت آگ کی طرف کی گئی ہے، ایک قوم نے قرآن میں مجاز سے منع کیا ہے، ان میں ابو اسحاق اسفرائینی، ابو بکر محمد بن داؤد اصبہانی وغیرہما ہیں، کیونکہ اللہ کا کلام اور اس کے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو حقیقت پر محمول کرنا اولیٰ ہے، کیونکہ وہ حق بیان کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے، نیز ان علماء نے اس سے بھی حجت پکڑی ہے کہا: اگر اللہ تعالیٰ مجاز سے ہمیں خطاب فرماتا ہے تو اسے متجوز کہنا بھی لازم آئے گا۔ اور حقیقت سے مجاز کی طرف عدول، حقیقت سے عجز کا تقاضا کرتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی نسبت کرنا محال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (النور)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 533　　2۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، استحباب الابراد بالظهر، جلد 1، صفحہ 224

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّ زَفِيْرًا ۝ (الفرقان)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰى ۝ (المعارج)

اور حدیث شریف میں ہے: ''اشتکت النار إلی ربها''۔ آگ نے اپنے رب کی بارگاہ میں شکایت کی۔ اور حدیث میں ہے: ''واحتجت النار والجنة''۔ دوزخ اور جنت کا مناظرہ ہوا۔ اور اس کی مثل سب حقیقت ہیں اور ان کا خالق وہ ہے جس نے ہر چیز کو بولنے کی قوت بخشی۔

صحیح مسلم میں ہے (1) حضرت انس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: ''انسان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کی ران کو کہا جائے گا تو بول پس اس کی ران، اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے اعمال کے بارے میں بولیں گی تاکہ اللہ اس کا عذر زائل کر دے یہ وہ منافق ہے اور یہ وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا''۔ اور یہ آخرت میں ہوگا، اور رہا دنیا میں تو ترمذی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (2) کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ درندے، انسانوں سے کلام کریں گے اور حتیٰ کہ انسان سے اس کے کوڑے کا پھندا اور اس کی جوتی کا تسمہ بات کرے گا اور اس کی ران اسے وہ سب کچھ بتائے گی جو اس کے گھر والوں نے اس کے بعد کیا''۔ ابو عیسیٰ نے کہا: حضرت ابوہریرہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے، یہ حدیث حسن غریب ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاَقَامَهٗ بعض علماء نے فرمایا: پہلے دیوار کو گرایا پھر اسے بنایا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا: اگر تو چاہتا تو اس پر اجرت ہی لے لیتا، کیونکہ یہ ایسا فعل تھا جو اجر کا مستحق تھا۔ ابوبکر انباری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں نے ابوبکر سے انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے پڑھا: ''فوجدا فیها جدارا یرید أن ینقض فهدمه ثم قعد یبنیه''۔ ابوبکر نے کہا: اس حدیث کی اگر سند صحیح ہے تو یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قرآن کی تفسیر کے قائم مقام ہوگی۔ بعض ناقلین نے تفسیر کی جگہ میں قرآن کو داخل کر دیا کہ یہ قرآن ہے، مصحف عثمان سے کمی ہوئی ہے، جیسا کہ بعض طعن کرنے والوں نے کہا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے دیوار کو مس کیا اور اسے سیدھا کیا تو وہ سیدھی ہوگئی، یہ قول صحیح ہے اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے افعال کے زیادہ مناسب ہے بلکہ اولیاء کی شان کے بھی زیادہ مناسب ہے۔ بعض اخبار میں ہے: اس دیوار کی اونچائی اس صدی کے تیس ذراع کے برابر تھی اور طول پانچ سو ہاتھ کے برابر تھا، تو سیدھی کھڑی ہوگئی؛ یہ ثعلبی نے کتاب العرائس میں بیان کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس پر اجر ہی لے لیتے، یعنی کھانا لے لیتے جسے ہم کھاتے اس میں اولیاء کی کرامات پر دلیل ہے۔ اسی طرح واقعہ میں حضرت خضر علیہ السلام کے احوال میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ سب خارق العادات امور ہیں۔ یہ اس صورت میں ہے جب ہم انہیں ولی تسلیم کریں، نبی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 409

2۔ جامع ترمذی، کتاب الفتن، ماجاء کلام السباع، جلد 2، صفحہ 41۔ ایضاً، حدیث نمبر 2107، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

تسلیم نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ یہ ان کی نبوت کی دلیل ہے انہیں تکلیف اور احکام کی وحی کی جاتی تھی جس طرح انبیاء کو وحی کی جاتی ہے مگر وہ رسول نہیں تھے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 8۔ انسان پر واجب ہے کہ جھکی ہوئی دیوار کے نیچے نہ بیٹھے جس کے گرنے کا اندیشہ ہو بلکہ وہاں سے گزرے تو جلدی چلے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہے: ''جب تم میں سے کوئی بلند جھکی ہوئی دیوار کے پاس سے گزرے تو اسے جلدی چلنا چاہیے'' ☆۔ ابوعبیدہ قاسم بن سلام نے کہا: ابوعبیدہ کہتے تھے: الطربال کا لفظ عجمیوں کی بلڈنگ کے مشابہ ہے جیسے گرجا گھر اور بلند عمارت، جریر نے کہا:

اَلْوَی بِهَا شَذْبُ العُرُوقِ مُشَذَّبٌ فَكَاَنَّمَا وَكَنَتْ عَلٰی طِرْبَالِ

کہا جاتا ہے: وَكَنَ يَكِنُ جب کوئی بیٹھے۔ صحاح میں ہے: الطربال دیوار کا بلند ٹکڑا، پہاڑ کی جھکی ہوئی بڑی چٹان۔ طرابیل الشام۔ شام کے گرجے۔ کہا جاتا ہے: طَرْبَلَ بَوْلَه جب اوپر کی طرف لمبا کرے۔

مسئلہ نمبر 9۔ کرامات اولیاء ثابت ہیں جیسا کہ اخبار ثابتہ اور آیات متواترہ دلالت کرتی ہیں۔ اس کا انکار نہیں کرتا مگر بدعتی، ہٹ دھرم یا فاسق منحرف، قرآن کی آیات مریم علیہا السلام کے بارے میں بتاتی ہیں کہ ان کے پاس گرمیوں کے پھل سردیوں میں اور سردیوں کے پھل گرمیوں میں ہوتے تھے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ انہوں نے کھجور کے درخت کو حکم دیا وہ بالکل خشک تھا تو وہ پھلدار ہو گیا۔ حضرت مریم نبیہ نہیں تھیں، اس پر اختلاف ہے۔ اور کرامات پر دلیل حضرت خضر علیہ السلام کے ہاتھ پر کشتی کا پھٹنا، غلام کا قتل کرنا اور دیوار کو کھڑا کرنا سب کرامات ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ کہنا جائز نہیں کہ انہیں نبی کہا جائے کیونکہ نبوت کا ثابت کرنا اخبار احاد کے ساتھ جائز نہیں خصوصاً بغیر کسی احتمال کے اجماع امت سے تواتر کے طریق سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ: ''لانبی بعدی'' (1)۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: خاتم النبیین۔ حضرت خضر علیہ اور حضرت الیاس علیہما السلام اس کرامت کے ساتھ باقی ہیں، پس ان دونوں کا غیر نبی ہونا واجب ہے، کیونکہ اگر وہ نبی ہوتے تو ہمارے نبی کے بعد نبی کا ہونا واجب ہوتا مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تشریف لائیں گے اس پر دلیل قائم ہے۔ میں کہتا ہوں: جمہور کا خیال ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں یعنی ابتداً آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا کوئی نہیں۔

مسئلہ نمبر 10۔ لوگوں کا اختلاف ہے کہ کیا ولی جانتا ہے کہ وہ ولی ہے یا نہیں جانتا؟ علماء کے دو قول ہیں: 1۔ قول یہ ہے کہ ولی کے لیے یہ جاننا جائز نہیں اور جو اس کے ہاتھوں پر ظاہر ہو وہ اسے خفیہ تدبیر کی آنکھ سے ملاحظہ کرے کیونکہ ہو سکتا ہے یہ خفیہ تدبیر اور استدراج ہو۔ سری سے حکایت ہے کہ وہ فرماتے تھے: اگر ایک شخص باغ میں داخل ہو اور اس سے درخت کے اوپر سے ایک پرندہ فصیح زبان میں کلام کرے: اے اللہ کے ولی! تجھ پر سلام ہو، پھر وہ اس سے یہ خوف نہ کرے کہ یہ خفیہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، ما ذکر عن بنی اسرائیل، جلد 1، صفحہ 491

☆ ابوعبید نے اسے غریب الحدیث میں ذکر کیا ہے جلد 2، صفحہ 18

تدبیر ہوگی تو وہ خفیہ تدبیر میں مبتلا کیا گیا ہے، کیونکہ وہ اگر یہ جان لے گا کہ وہ ولی ہے تو اس سے خوف زائل ہو جائے گا اور اسے امن حاصل ہوگا اور ولی کی شرط میں سے ہے کہ اسے ہمیشہ امید ہو کہ اس پر فرشتے نازل ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا (حٰم السجدہ:30)، ولی وہ ہوتا ہے جس کا خاتمہ سعادت پر ہو اور عواقب پوشیدہ ہوتے ہیں کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کا خاتمہ کیسا ہوگا؟ اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إنما الأعمال بالخواتيم'' (1)۔ اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ ولی کے لیے یہ جاننا جائز ہے کہ وہ ولی ہے، کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جاننا جائز ہے کہ وہ ولی ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ کوئی دوسرا جان لے کہ وہ ولی ہے تو اس کے لیے خود جاننا بھی جائز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشرہ مبشرہ صحابہ کو اہل جنت میں ہونے کی خوشخبری دی پھر بھی ان کا خوف زائل نہ ہوا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی زیادہ تعظیم کرنے والے تھے اور انہیں خوف زیادہ تھا، اگر عشرہ مبشرہ صحابہ کے لیے جائز ہے کہ وہ خوف سے نہیں نکلے تو دوسروں کے لیے بھی جائز ہے۔ شبلی کہتے تھے: میں اس جانب سے امان میں ہوں۔ جب شبلی فوت ہوئے اور دفن کر دیے گئے تو دیلم ☆ اسی دن دجلہ عبور کر آئے اور بغداد پر غالب آ گئے۔ لوگ کہتے تھے: دو مصیبتیں آ گئیں: شبلی کی موت اور دیلم کا عبور کرنا۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس میں بھی احتمال ہے کہ یہ بھی استدراج ہو، اگر یہ استدراج ہو جب یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں تو معجزات کا ابطال ہے تو یہ بھی جائز نہیں کیونکہ اس میں کرامات کا ابطال ہے اور بلعام کے ہاتھوں پر کرامات کا ظہور اور پھر اس کے بعد اس کا دین سے خروج کیونکہ آیت میں ہے: فَانْسَلَخَ مِنْهَا، تو آیت میں یہ نہیں ہے کہ وہ ولی تھا پھر اس سے ولایت چلی گئی نیز کرامات کے طور پر جو ظاہر ہوا ہے وہ اخبار احاد ہیں جن سے علم ثابت نہیں ہوتا، واللہ اعلم۔

معجزہ اور کرامت میں فرق یہ ہے کہ کرامت کی شرط میں سے اس کا چھپانا ہے اور معجزہ کی شرط میں سے اس کا اظہار کرنا ہے۔ بعض نے فرمایا: کرامت وہ ہوتی ہے جو بغیر دعویٰ کے ظاہر ہوتی ہے اور معجزہ انبیاء کے دعویٰ کے وقت ظاہر ہوتا ہے ان سے دلیل کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو اس کے بعد معجزہ وہ ظاہر کرتا ہے، کتاب کے مقدمہ میں معجزہ کی شرائط گزر چکی ہیں۔ الحمد للہ وحدہ لاشریک لہ۔

ایسی احادیث جو کرامت کے ثبوت پر وارد ہیں ان میں سے ایک وہ بھی ہے جو امام بخاری نے نقل فرمائی ہے (2)، حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن دس آدمیوں کا ایک گروہ بطور جاسوس بھیجا اور ان کا امیر عاصم بن ثابت انصاری کو بنایا تھا۔ یہ عاصم بن عمر بن خطاب کے دادا تھے☆ پس وہ چلے حتیٰ کہ جب هداۃ مقام پر پہنچے جو عسفان اور مکہ کے درمیان ہے تو ان کا ذکر ہذیل کے ایک قبیلہ سے کیا گیا جنہیں بنو لحیان کہا جاتا تھا، انہوں نے اپنے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 2، صفحہ 961　　2۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، ھل یستاسر الرجل، جلد 1، صفحہ 427

☆ یہ ایک قبیلہ ہے ان کے علاقہ کی وجہ سے انہیں یہ نام دیا گیا۔

☆☆ قسطلانی نے ارشاد الساری جلد 5 صفحہ 163 میں کہا: مصعب زہری نے کہا یہ عاصم کے ماموں تھے۔

دو سو کے قریب تیرانداز تیار کیے وہ ان کے قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے چلے حتیٰ کہ انہوں نے ان کے کھانے کی جگہ پر کھجوریں پائیں جو مدینہ طیبہ سے لے آئے تھے، وہ کہنے لگے: یہ تو مدینہ کی کھجوریں ہیں وہ ان کے قدموں کے نشانات پر چلے جب عاصم اور اس کے ساتھیوں نے انہیں دیکھا تو وہ ایک بلند جگہ پر چڑھ گئے اور بنو لحیان نے ان کا احاطہ کر لیا، انہوں نے انہیں کہا: تم اُتر آؤ اور اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو ہم تمہیں عہد اور وعدہ دیتے ہیں کہ ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے۔ عاصم جو اس گروہ کا سردار تھا اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں تو آج کافر کے ذمہ میں نہیں اتروں گا اور دُعا کی: اے اللہ اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری خبر پہنچا دے۔ بنو لحیان نے تیر مارے اور عاصم اور چھ مزید لوگوں کو قتل کر دیا۔ تین مسلمان، ان کے عہد وميثاق پر نیچے اتر آئے تھے وہ خبیب انصاری، ابن دثنہ اور ایک شخص تھا جب وہ ان پر غالب آ گئے تو انہوں نے اپنی کمانوں کی رسیاں کھولیں اور انہیں ان سے باندھ دیا تیسرے شخص نے کہا: یہ پہلا غدر ہے، اللہ کی قسم! میں تمہارے ساتھ نہیں چلوں گا میرے لیے ان مقتولوں کا اُسوہ ہے۔ بنو لحیان نے اسے کھینچا اور اسے ساتھ لے جانے کی کوشش کی لیکن اس نے ایسا نہ کیا انہوں نے اسے بھی قتل کر دیا وہ خبیب اور ابن دثنہ کو لے کر چلے حتیٰ کہ انہوں نے جنگ بدر کے بعد مکہ میں انہیں فروخت کر دیا۔ بنو حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف نے خبیب کو خریدا، خبیب وہ شخص تھا جس نے حارث بن عامر کو جنگ بدر میں قتل کیا تھا۔ حضرت خبیب ان کے پاس قیدی بن کر رہے۔ عبید اللہ بن عیاض نے بتایا کہ بنت حارث نے انہیں بتایا کہ جب وہ (بنو لحیان) جمع ہوئے تھے تو خبیب نے استرا مانگا جس کے ساتھ وہ اپنے بال صاف کرے تو اس عورت نے اسے استرا دے دیا، پھر وہ کہتی ہے: میں غافل تھی تو میرا بچہ اس کے پاس چلا گیا تو اس نے اسے پکڑ لیا وہ عورت کہتی ہے میں نے خبیب کو دیکھا کہ وہ اس بچے کو اپنی ران پر بٹھائے ہوئے ہے اور استرا اس کے ہاتھوں میں ہے۔ اس عورت نے کہا: میں گھبرا گئی۔ خبیب میری گھبراہٹ میرے چہرے سے پہچان گئے حضرت خبیب نے کہا کیا: تو خوف کر رہی ہے کہ میں اسے قتل کر دوں گا؟ میں ایسا نہیں کروں گا، اس عورت نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے خبیب سے بہتر کوئی قیدی نہیں دیکھا اللہ کی قسم! میں نے ایک دن اسے ہاتھوں میں انگور لے کر کھاتے ہوئے دیکھا حالانکہ وہ لوہے کی زنجیروں کے ساتھ باندھا ہوا تھا اور مکہ میں کوئی پھل نہیں تھا، وہ کہتی تھی: یہ وہ رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے خبیب کو دیا تھا جب وہ خبیب کو حرم سے باہر لے کر گئے تا کہ اسے حرم سے نکالیں تو خبیب نے اسے کہا: مجھے چھوڑ دو میں دو رکعتیں ادا کر لوں پھر حضرت خبیب نے دو رکعتیں ادا کیں پھر فرمایا: اگر تم یہ گمان نہ کرتے کہ میں موت سے ڈر گیا ہوں تو میں رکعتوں کو لمبا کرتا پھر فرمایا: اے اللہ! ان کو جڑ سے ختم کر دے اور انہیں جدا جدا کر کے قتل کر دے اور ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑ پھر کہا:

وَلَسْتُ أُبَالِي حِينَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا　عَلَى أَيِّ شِقٍّ كَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِي

وَذٰلِكَ فِي ذَاتِ الْإِلٰهِ وَإِنْ يَشَأْ　يُبَارِكْ عَلَى أَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعِ

مجھے کوئی پروا نہیں جب میں مسلمان ہو کر قتل کیا جاؤں گا جس طرف بھی اللہ کی رضا کے لیے میرا گرنا ہو گا یہ ذات الٰہی کے لیے ہے اگر وہ چاہے گا تو ٹکڑے ہوئے اعضاء میں بھی برکت ڈال دے گا۔

بنو حارث نے حضرت خبیب کو قتل کر دیا، خبیب وہ شخص تھا جس نے ہر مسلمان کے لیے دو رکعت سنت چھوڑیں جو باندھ کر قتل کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصم کی دُعا قبول فرمائی تھی جب وہ شہید ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو ان کی شہادت کی خبر پہنچا دی۔

کفار قریش کو جب خبر پہنچی کہ حضرت عاصم قتل ہو گئے ہیں تو انہوں نے کچھ لوگوں کو بھیجا تاکہ وہ عاصم کے جسم سے کچھ کاٹ کر لے آئیں تاکہ وہ اسے پہچان لیں۔ حضرت عاصم نے بدر کی جنگ میں ان کے ایک سردار کو قتل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصم کی حفاظت کے لیے بھڑوں کو بھیج دیا جنہوں نے ان کی طرف آنے والے افراد سے حضرت عاصم کی حفاظت کی وہ ان کا گوشت کاٹنے پر قادر نہ ہوئے (1)۔

ابن اسحاق نے اس واقعہ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عاصم بن ثابت جب شہید ہو گئے تو ہذیل نے ارادہ کیا کہ ان کا سر کاٹ لیں تاکہ اسے سلافہ بنت سعد کے ہاں فروخت کریں اس نے نذر مانی تھی جب حضرت عاصم نے اس کے بیٹوں کو جنگ احد میں قتل کیا تھا کہ اگر وہ اس کے سر پر قادر ہوئی تو اس کی کھوپڑی میں شراب پیئے گی تو بھڑوں نے حضرت عاصم کی حفاظت کی، جب بھڑیں حائل ہو گئیں تو انہوں نے کہا: اسے چھوڑ دو حتیٰ کہ شام ہو جائے تو شام کے وقت بھڑیں چلی جائیں گی پھر ہم اس کو کاٹ لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے وادی کو حکم دیا تو اس نے حضرت عاصم کو اٹھا لیا اور وہ غائب ہو گئے۔ حضرت عاصم نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ وہ کسی مشرک کو نہ چھوئیں گے اور نہ کوئی مشرک انہیں چھوئے گا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات کے بعد محفوظ فرمایا اس سے جس سے وہ زندگی میں بچتے رہے۔

عمرو بن امیہ ضمری سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تنہا بطور جاسوس بھیجا فرمایا میں خبیب کی سولی کے پاس آیا میں اس پر چڑھا میں دیکھنے والوں سے ڈر رہا تھا، میں نے خبیب کو سولی سے کھولا تو وہ زمین پر گرے پھر میں اترا پھر میں تھوڑا سا دور ہوا پھر میں متوجہ ہوا تو زمین نے اسے نگل لیا تھا۔ ایک روایت میں یہ زیادتی ہے کہ آج تک خبیب کی قبر کا ہم سے ذکر نہیں کیا گیا، یہ بیہقی نے ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ یہ کوئی ناپسندیدہ بات نہیں کہ ولی کے لیے مال اور جائیداد ہو جس کے ساتھ وہ اپنی ذات اور عیال کی حفاظت کرے۔ صحابہ کرام کی ذوات میں تیرے لیے اسوہ کافی ہے کہ ان کی ولایت وفضیلت کے باوجود ان کے اموال تھے اور وہ دوسروں پر حجت تھے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں (2) فرمایا: ''ایک شخص صحرا میں تھا اس نے بادل میں ایک آواز سنی فلاں کے باغ کو پانی پلا، وہ بادل چلا اور پتھریلے ٹیلے میں اپنا پانی برسایا وہاں جو پانی کا نالا تھا وہ پانی سے بھر گیا وہ شخص اس پانی کے پیچھے پیچھے چلا تو کیا دیکھا ایک آدمی کسی کے ساتھ پانی کو پھیر رہا ہے پوچھا: اے اللہ کے بندے! تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: فلاں، وہ نام ذکر کیا جو اس نے بادل کے اندر سے سنا تھا۔ اس نے کہا: اے اللہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجھاد، ھل یستاسر الرجل، جلد 1، صفحہ 427

2۔ صحیح مسلم، کتاب الزھد، فضل الانفاق علی المساکین و ابن السبیل، جلد 2، صفحہ 411

کے بندے! تو نے میرا نام کیوں پوچھا ہے؟ اس نے کہا: میں نے اس بادل میں آواز سنی تھی جس کا یہ پانی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا: فلاں کے باغ کو پانی پلا، اس نے تیرا نام لیا تھا، تو اس میں کیا کرتا ہے؟ اس نے کہا جب تو کہتا ہے (تو سن) میں اس باغ کی کل پیداوار کو دیکھتا ہوں پھر اس سے ایک تہائی صدقہ کرتا ہوں ایک تہائی میں اور میرا عیال کھاتے ہیں اور ایک تہائی اس میں پھر کاشت کرتا ہوں"۔ ایک روایت میں ہے: "اس کا ایک تہائی مسکین، سائلین اور مسافروں کے لیے رکھتا ہوں" (1)۔

میں کہتا ہوں: یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: "لاتتخذوا الضیعة فترکنوا إلی الدنیا" (تم جائیداد نہ بناؤ ورنہ دنیا کی طرف جھک جاؤ گے) کے منافی نہیں ہے۔ اس حدیث کو ترمذی نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے (2)، اور فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔ یہ حدیث اس پر محمول ہے جو کثرت مال کی خاطر جائیداد بناتا ہے یا جائیداد سے لطف اندوز ہونے کے لیے جائیداد اکٹھی کرتا ہے لیکن وہ شخص جو بطور معیشت جائیداد بناتا ہے تاکہ اس کے ساتھ اپنے دین اور اپنے عیال کی حفاظت کرے تو اس نیت سے جائیداد بنانا افضل عمل ہے اور یہ افضل مال ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "بہتر مال نیک شخص کے لیے ہے" (3)۔ کرامات اولیاء بہت سے لوگوں نے کثرت سے ذکر کی ہیں جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس میں کفایت ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا اس میں اجارہ کے جواز کی صحت پر دلیل ہے یہ انبیاء اور اولیاء کی سنت ہے جیسا کہ اس کا بیان سورۃ القصص میں ان شاء اللہ آئے گا۔ جمہور علماء نے لَتَّخَذْتَ اور ابوعمرو نے لَتَخِذْتَ پڑھا ہے۔ حضرت ابن مسعود، حسن اور قتادہ کی یہی قرأت ہے یہ دونوں لغتیں ہیں اور دونوں کا معنی ایک ہے۔ اور الأخذ سے مشتق ہے جیسے تیسرا قول ہے: تبع واتبع تقی واتقی۔ بعض قراء نے ذال کو تاء میں ادغام کیا ہے اور بعض نے مدغم نہیں کیا ہے۔ حضرت ابی ابن کعب کی حدیث میں ہے: لوشئت لأوتیت أجرًا (4)۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی جہت سے سوال صادر ہوا تھا نہ کہ بطور اعتراض تھا۔ اس وقت حضرت خضر علیہ السلام نے آپ کو کہا: هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ کا تکرار اور بیننا سے عدول تاکید کی خاطر ہے۔ سیبویہ نے کہا، کہا جاتا ہے: أخزى الله الكاذب منی و منك یعنی منا یعنی ہم میں سے جھوٹے کو اللہ رسوا کرے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول کشتی اور غلام کے بارے میں اللہ کے لیے تھا اور دیوار کے بارے میں قول اپنی ذات کے لیے دنیا کی چیز طلب کرنے کے لیے تھا، پس یہی جدائی کا سبب بنا۔ وہب بن منبہ نے کہا: وہ دیوار سو ہاتھ اونچی تھی۔

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا کسی چیز کی تاویل کا مطلب ہے اس کا انجام یعنی حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ سے کہا: میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جو کچھ میں نے کیا ہے کیوں کیا ہے؟ ان آیات کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حجت ہیں نہ کہ ان کے لیے تعجب ہیں، یہ اس طرح ہے کہ جب کشتی کے پھاڑنے پر انکار کیا تو آواز دی گئی: اے موسیٰ! یہ تیری تدبیر کہاں تھی جب تو تابوت میں تھا اور تجھے دریا میں ڈالا گیا تھا، پھر

1۔ جامع ترمذی، ہم الدنیا، جلد 2، صفحہ 56
2۔ جامع ترمذی کتاب الزہد، باب ما جاء فی ہم الدنیا وحبها، حدیث 2250
3۔ مسند امام احمد بن حنبل حدیث نمبر 17763
4۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ کہف، اذ قال موسیٰ لفتاہ، جلد 2، صفحہ 688

جب لڑکے کے مسئلہ پر انکار کیا تو ارشاد ہوا: یہ تیرا انکار کہاں تھا تو نے جب قبطی کو مارا تھا اور اسے موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا، جب دیوار کے کھڑے کرنے پر انکار کیا تو آواز دی گئی: یہ کہاں تھا جب تو حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کے لیے کنوئیں کا پتھر بغیر اجرت کے اٹھا رہا تھا۔

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَ كَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾ وَ اَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَاۤ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ﴿۸۰﴾ فَاَرَدْنَاۤ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾ وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَ يَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۸۲﴾

''وہ جو کشتی تھی وہ چند غریبوں کی تھی جو (ملاحی کا) کام کرتے تھے دریا میں، سو میں نے ارادہ کیا کہ اسے عیب دار بنا دوں اور (اس کی وجہ یہ تھی کہ) ان کے آگے (جابر) بادشاہ تھا جو پکڑ لیا کرتا تھا ہر کشتی کو زبردستی۔ اور وہ جو لڑکا تھا (تو اس کی حقیقت یہ ہے) کہ اس کے والدین مومن تھے پس ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (اگر زندہ رہا تو) مجبور کر دے گا انہیں سرکشی پر۔ پس ہم نے چاہا کہ بدلہ دے انہیں ان کا رب ایسا بیٹا جو بہتر ہو اس سے پاکیزگی میں اور (ان پر) زیادہ مہربان ہو۔ باقی رہی دیوار (تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ) وہ شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے انکا خزانہ (دفن) تھا اور ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا، پس آپ کے رب نے ارادہ فرمایا کہ وہ دونوں بچے اپنی جوانی کو پہنچیں اور نکال لیں اپنا دفینہ یہ (ان پر) ان کے رب کی خاص رحمت تھی، اور (جو کچھ میں نے کیا) میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا یہ حقیقت ہے ان امور کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ جو علماء کہتے ہیں فقیر سے مسکین بہتر حال میں ہوتا ہے انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے، اس کا معنی سورۂ براءۃ میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ لوگ تاجر تھے لیکن چونکہ وہ مسافر تھے وہ دریا کے اوپر تھے ان کے پاس مال کم تھا اور تکلیف کو دور کرنے کی حالت میں کمزور تھے تو انہیں مساکین کہا گیا کیونکہ وہ ایسی حالت میں تھے کہ اس کے سبب ان پر شفقت کی گئی ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے تو کسی غنی شخص کے بارے میں کہتا ہے جو کسی تکلیف اور مصیبت میں واقع ہوا ہے: مسکین ہے۔ کعب وغیرہ نے کہا: یہ مساکین دس بھائی تھے جن کو کشتی باپ کی طرف سے میراث میں ملی تھی پانچ ان میں سے اپاہج تھے اور پانچ دریا میں ملاحی کا کام کرتے تھے۔ بعض نے فرمایا: وہ سات تھے ان میں سے ہر ایک کو ایسی تکلیف تھی جو دوسرے کو نہیں تھی۔ نقاش نے ان کے اسماء ذکر کیے ہیں ان میں سے جو کام کرنے والے تھے ان میں ایک جزام کی مرض میں مبتلا تھا، دوسرا کانا تھا، تیسرا لنگڑا تھا، چوتھے کو خصیوں کی

تکلیف تھی، پانچواں بخار میں ہمیشہ رہتا تھا وہ سب سے چھوٹا تھا۔ پانچ وہ تھے جو کام بالکل نہیں کر سکتے تھے وہ اندھا، بہرہ، گونگا، اپاہج اور مجنون تھا۔ اور وہ جس دریا میں کام کرتے تھے وہ فارس اور روم کے درمیان تھا، یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ ایک فرقہ نے لمسّاکین، سین کی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: وہ کشتی کے ملاح تھے کیونکہ مساک ■ ہوتا ہے جو کشتی کا نچلا حصہ روکتا ہے اور پوری خدمت اس کے روکنے کی وجہ سے ہوتی ہے اس لیے تمام کو مساکین کہا گیا۔ ایک جماعت نے کہا: المساکین سے مراد کھالوں کا دباغت کرتا ہے اس کا واحد مسلک ہے۔ اظہر قرأت مساکین ہے جمع مسکین ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ کشتی ضعیف اور کمزور لوگوں کے لیے تھی ان پر شفقت کرنا مناسب تھا، واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا میں نے اسے عیب دار کرنا چاہا۔ کہا جاتا ہے: عبت الشئ فعاب، میں نے اسے عیب دار کیا تو وہ عیب دار ہو گئی۔ فهو معیب وعائب، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جبیر نے صحیحة پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عثمان بن عفان نے صالحة پڑھا ہے اور وراء اس کی اصل بمعنی خلف ہے۔ بعض مفسرین نے کہا: وہ پیچھے تھا اور ملاحوں نے اس بادشاہ کی طرف لوٹنا تھا۔ اکثر علماء نے کہا: یہاں وراء کا معنی امام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جبیر کی قرأت اس کی تائید کرتی ہے۔ وَكَانَ اَمَامَهُمْ مَلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ صَحِيْحَةٍ غَصْبًا۔ ابن عطیہ نے کہا: میرے نزدیک وَرَآءَهُمْ اپنے معنی میں ہے یہ اس طرح ہے کہ ان الفاظ میں زمانہ کی رعایت رکھی جاتی ہے پس جو حادث مقدم موجود ہے وہ پہلے ہے اور جو اس کے بعد آئے گا وہ وراء (پیچھے) ہے۔ یہ بادی النظر میں جو ظاہر ہوتا ہے اس کے خلاف ہے ان الفاظ میں ان کے مقامات پر غور کر جہاں یہ وارد ہیں تو تو ان کو عام پائے گا۔ اس آیت میں اس کا معنی یہ ہے کہ یہ لوگ اور ان کا عمل اور ان کی کوشش اس کے بعد اس بادشاہ کا غصب ہے اور جنہوں نے أمامهم پڑھا ہے انہوں نے جگہ کے اعتبار سے کہا ہے، یعنی وہ گویا ایک شہر کی طرف جائیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "الصلاة أمامك"(1) (نماز آگے پڑھیں گے) یہاں بھی مکان کا ارادہ کیا ہے۔ اس وقت میں ان کا ہونا زمانہ کے اعتبار سے نماز سے پہلے تھا۔ اس گفتگو میں غور کر یہ تجھے ان الفاظ کے استعمال کی پریشانی سے راحت دے گی۔ طبری کی کتاب میں قتادہ کا قول: وَ كَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ کے تحت واقع ہوا ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی امامهم ہے۔ آپ نہیں دیکھتے کیا مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ جَهَنَّمُ۔ یعنی ان کے آگے جہنم ہے۔ یہ قول درست نہیں ہے غیر فصیح قول ہے جس سے حسن بن ابی حسن نے اختلاف کیا ہے، یہ زجاج کا قول ہے(2)۔

میں کہتا ہوں: اس امام نے جو اختیار کیا ہے اس سے پہلے ابن عرفہ نے بھی اختیار کیا ہے۔ ہروی نے کہا: ابن عرفہ نے کہا کہنے والا کہتا ہے: من وراءه کیسے کہا ہے؟ وہ اس کے آگے تھی، ابوعبیدہ اور ابوعلی قطرب نے کہا: یہ لفظ اضداد میں سے ہے وراء، قدام کے معنی میں ہے یہ غیر محصل ہے کیونکہ امام، وراء کی ضد کی ہے یہ اماکن اور اوقات میں استعمال کی صلاحیت

1۔ صحیح بخاری، کتاب الحج، الجمع بین الصلاتین بالمزدلفة، جلد 1، صفحہ 227

2۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 535

رکھتا ہے جیسے تیرا قول ہے: إذا وعد وعداً في رجب لرمضان۔ پھر وہ کہے: ومن وراءك شعبان، تو جائز ہے، اگر چہ وہ اس سے آگے ہے کیونکہ وہ وعدہ کے وقت اس کو پیچھے کرتا ہے۔ قشیری نے بھی اس قول کی طرف اشارہ کیا ہے، فرمایا: یہ اوقات کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ آدمی کو امامك نہیں کہا جاتا کیونکہ وہ تیرے پیچھے ہے۔ فراء نے کہا: دوسرے علماء نے اس کو جائز قرار دیا ہے اس قوم کو بادشاہ کی خبر نہیں تھی اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو خبر دی حتیٰ کہ انہوں نے کشتی کو عیب لگا دیا؛ یہ زجاج نے ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے کہا: امام کی جگہ میں وراء کے استعمال میں اہل عربیہ کے تین اقوال ہیں: ا۔ اس کا استعمال ہر حال میں جائز ہے اور ہر مکان میں جائز ہے یہ اضداد میں سے ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ جَهَنَّمُ۔ یعنی أمامهم جهنم، شاعر نے کہا:

أترجو بنو مروان سمعي وطاعتي ... وقومي تميمٌ والفلاةُ ورائيا

یہاں بھی وراء، امام کے معنی میں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وراء، امام کی جگہ میں مواقیت اور زمانہ میں استعمال ہوتا ہے کیونکہ انسان اس سے گزر جاتا ہے اور وہ اس کے پیچھے ہوتا ہے اور اسکے علاوہ جائز نہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ ان اجسام میں استعمال ہوتا ہے جن کا سامنا ہوتا ہے جیسے دو متقابل پتھر ان میں سے ہر ایک دوسرے کے پیچھے ہے، اور اس کے علاوہ میں جائز نہیں، یہ علی بن عیسیٰ کا قول ہے (1)۔

اس بادشاہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: ہُدد بن بُدد تھا بعض نے کہا: جلندی تھا، یہ سہیلی کا قول ہے۔ امام بخاری نے اس غصب کرنے والے بادشاہ کا ذکر کیا ہے فرمایا: وہ ہدد بن بدد تھا اور مقتول لڑکا، اس کا نام جیسور تھا ہم نے ''الجامع'' میں یزید مروزی کی روایت سے اسی طرح مقید کیا ہے اور اس روایت کے علاوہ میں حیسور (حاء کے ساتھ) ہے اور میرے پاس کتاب کے حاشیہ میں تیسری روایت ہے وہ حیسون ہے۔ وہ بادشاہ ہر اچھی کشتی غصب کر لیتا تھا اسی وجہ سے حضرت خضر علیہ السلام نے اسے عیب لگا دیا اور اس میں شگاف کر دیا، اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ مصلحت کے لیے کوئی عمل کرنا جائز ہے جب مصالح ثابت ہوں اور کل مال کی بعض مال کے افساد کے ساتھ اصلاح کرنا جائز ہے یہ پہلے گزر چکا ہے۔ صحیح مسلم میں کشتی کو شگاف لگانے کی حکمت اس طرح بیان کی گئی ہے: جب وہ آئے گا جو اس کو قبضہ میں کرنا چاہتا ہو تو وہ اسے پھٹا ہوا پائے گا تو وہ اس سے آگے نکل جائے گا، پھر یہ لکڑی کے ساتھ اس کی اصلاح کر لیں گے (2)۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تکالیف میں صبر کرنا چاہیے بہت سی ناپسندیدہ چیزوں میں فوائد ہوتے ہیں، اس ارشاد: وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ (بقرہ: 216) کا یہی معنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَیْنِ صحیح حدیث میں ہے: ''اس پر کافر ہونے کی مہر لگائی گئی تھی'' (3)۔ یہ اس کی تائید کرتا ہے کہ وہ بالغ نہیں تھا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اس کے متعلق خبر ہو جبکہ وہ بالغ ہو، یہ مفہوم پہلے

1۔ تفسیر طبری، ج 16-15، صفحہ 6
2۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، فضائل خضر علیہ السلام، جلد 2، صفحہ 271
3۔ جامع ترمذی، تفسیر سورۂ کہف، جلد 2، صفحہ 144

گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا بعض علماء نے فرمایا: یہ حضرت خضر علیہ السلام کے کلام سے ہے۔ سیاق کلام بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ اور اکثر مفسرین کا یہی قول ہے یعنی ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ انہیں سرکشی اور کفر پر مجبور کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کے لیے اس جہت پر نفوس کے قتل میں اجتہاد کو مباح کر دیا تھا۔ بعض علماء نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت خضر علیہ السلام نے بیان کیا۔ طبری نے کہا: اس کا معنی ہے ہم نے جان لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی ہے ہم نے جان لیا۔ یہ اس طرح ہے جس طرح علم کو خوف سے تعبیر کیا جاتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ (بقرہ: 229)۔

حکایت ہے کہ حضرت ابی نے فَعَلِمَ رَبُّكَ پڑھا ہے۔ بعض نے فرمایا: خشیت بمعنی کراہت ہے۔ کہا جاتا ہے: فرقت بینهما خشية أن يقتتلا۔ یعنی لڑکے کی کراہت کی وجہ سے میں نے ان کے درمیان جدائی کر دی۔ ابن عطیہ نے کہا: میرے نزدیک اس تاویل کی توجیہ میں اظہر یہ ہے اگرچہ لفظ اس کی تائید نہیں کرتے کہ یہ استعارہ ہے یعنی مخلوق اور مخاطبین کے گمان پر اگر وہ اس کی حالت کو جان لیں انہیں والدین کو مجبور کرنے کا اندیشہ واقع ہو۔ حضرت ابن مسعود نے فخاف ربك، پڑھا ہے یہ استعارہ میں واضح ہے اس کی نظیر قرآن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعل اور عسیٰ کا ذکر ہے۔ تمام ایسے حروف اور صیغے جن میں ترجی، توقع، خوف اور خشیت ہے وہ تمہارے اعتبار سے ہیں اے مخاطبو! يُّرْهِقَهُمَا کا معنی ہے وہ انہیں مجبور کرے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی محبت انہیں اس کی اتباع پر ڈالے گی پس وہ گمراہ ہو جائیں گے۔ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا جمہور علماء نے باء کے فتحہ اور دال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور عاصم نے باء کے سکون اور دال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اسے بیٹا عطا فرمائے گا۔ خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً۔ جو دین اور صلاح کے اعتبار سے اس سے بہتر ہو، کہا جاتا ہے: بدّل و أبدل جیسے مهّل و أمهل، نزّل و أنزل کہا جاتا ہے۔ وَّاَقْرَبَ رُحْمًا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، شاعر نے کہا:

وكيف بظلم جارية ومنها اللِّيْنُ والرُّحُمُ

باقی قراء نے حاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے؛ اسی سے رؤبہ بن عجاج کا قول ہے:

يامُنْزِلَ الرُّحْمِ على إدْرِيسَا ومُنْزِلَ اللَّعنِ على إبْلِيسَا(1)

ابو عمرو سے اختلاف مروی ہے۔ رحما، معطوف ہے۔ زکاۃ، پر اس کا معنی رحمۃ ہے کہا جاتا ہے: رَحِمه رَحمةً و رُحْمًا، اس کا الف تانیث کے لیے ہے اس کا مذکر رُحم ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: رحمًا بمعنی الرَّحِم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وأوْصَل رُحْمًا پڑھا ہے یعنی رَحِمًا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ازکی منه بھی پڑھا ہے۔ ابن جبیر اور ابن جریج سے مروی ہے کہ ان والدین کو لڑکی بدلہ میں دی گئی۔ کلبی نے کہا: اس لڑکی سے ایک نبی نے نکاح کیا تھا پھر اس سے نبی پیدا ہوا تھا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 536

اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے ایک امت کو ہدایت دی تھی۔ قتادہ نے کہا: اس نے بارہ انبیاء کو جنم دیا تھا۔ ابن جریج سے مروی ہے کہ اس لڑکے کی ماں اس دن ایک مسلمان بچے کے ساتھ حاملہ تھی جس دن وہ قتل ہوا تھا اور مقتول لڑکا کافر تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اس نے بچی جنم دی جس نے پھر نبی کو جنم دیا۔ ایک روایت میں ہے: اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کے بدلے میں بچی دی جس نے ستر انبیاء کو جنم دیا، اور یہ جعفر بن محمد نے اپنے باپ سے روایت کر کے کہا ہے: ہمارے علماء نے کہا یہ بعید ہے، انبیاء کی کثرت صرف بنی اسرائیل میں معروف ہے اور یہ عورت بنی اسرائیل میں نہ تھی۔ اس آیت سے مستنبط ہوتا ہے کہ اولاد کے مفقود ہونے کے ساتھ مصائب آسان ہوتے ہیں اگرچہ اولاد جگر کا ٹکڑا ہوتی ہے اور جو قضاء الٰہی کو تسلیم کرتا ہے اس کا انجام ید بیضا سے بھی روشن ہوتا ہے۔ قتادہ نے کہا: جب وہ بچہ پیدا ہوا تھا تو اس کے والدین خوش ہوئے تھے اور جب وہ قتل ہوا تھا تو پریشان ہوئے تھے۔ اگر وہ لڑکا باقی رہتا تو اس میں ان کی ہلاکت تھی، پس ہر شخص پر اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہونا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا مومن کے حق میں کبھی ناپسندیدہ امر کا فیصلہ بہتر ہوتا ہے بنسبت اس کے جو وہ اس کے لیے اس کی پسند کا فیصلہ فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ۔ (1) یہ لڑکے دونوں چھوٹے تھے کیونکہ یتیم کے ساتھ ان کی صفت بیان کی گئی ہے۔

ان کے نام اُصرام اور صریم تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یُتم بعد بلوغ ''بلوغت کے بعد یتیمی نہیں ہے''۔ یہی ظاہر ہے۔ یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ ان پر شفقت کی بناء پر بعد از بلوغ یتیم کا لفظ بولا گیا ہو اگرچہ وہ یتیم نہ تھے (2)۔ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ لوگوں میں یتیم وہ ہوتا ہے جس کا باپ فوت ہو جائے اور حیوانوں میں وہ ہوتا ہے جس کی ماں مرجائے۔ فِي الْمَدِيْنَةِ میں دلیل ہے کہ دیہات کو بھی مدینہ کہا جاتا ہے، اسی سے حدیث ہے أمرتُ بقرية تاكلُ القرىٰ (3) اور ہجرت کی حدیث میں ہے۔ لمن انت۔ تو اس شخص نے کہا: من أهل المدينه۔ یعنی مکہ سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا، كَنْزٌ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، عکرمہ اور قتادہ نے کہا: وہ بہت بڑا مال تھا، یہ کنز کے اسم سے ظاہر ہے کیونکہ لغت میں مال مجموع کو کنز کہا جاتا ہے: اس کے متعلق کلام گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا یہ علم تھا جو مدفون صحیفوں میں تھا (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے فرمایا: وہ سونے کی تختی تھی جس پر یہ لکھا ہوا تھا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مجھے تعجب ہے اس شخص کے لیے جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہے پھر وہ کیسے پریشان ہوتا ہے؟ مجھے تعجب ہے اس پر جو رزق پر ایمان رکھتا ہے پھر وہ کیسے تھکتا ہے؟ مجھے تعجب ہے اس پر جو موت پر ایمان رکھتا ہے پھر وہ کیسے خوش ہوتا ہے؟ مجھے تعجب ہے اس پر جو حساب پر ایمان رکھتا ہے پھر کیسے غافل ہوتا ہے؟ مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو اس کو جانتا ہے اور اس کے اپنے اہل کے ساتھ تبدیل ہونے کو بھی جانتا ہے پھر اس کے لیے مطمئن ہوتا ہے، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 537
2۔ سنن ابی داؤد، باب ماجاء متی ینقطع الیتم، حدیث 2489
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الوصایا، ما جاء متی ینقطع الیتم، جلد 2، صفحہ 41
4۔ تفسیر طبری، جز 16-15، صفحہ 9

عکرمہ اور عمر مولی غفرہ سے اسی طرح مروی ہے، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا سیاق کلام اور لفظ کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا قریبی والد تھا (1)۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ ان کا ساتواں دادا تھا؛ یہ جعفر بن محمد کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: وہ دسواں دادا تھا اس کی وجہ سے ان کی حفاظت کی گئی اگرچہ وہ صلاح کے ساتھ مشہور نہ تھا، اسے کاشح کہا جاتا تھا؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ ان کی والدہ کا نام دینا تھا؛ یہ نقاش نے ذکر کیا ہے۔ اس میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ صالح شخص کی اپنی بھی حفاظت فرماتا ہے اور اس کی اولاد کی بھی حفاظت فرماتا ہے، اگرچہ وہ اس سے بہت دور کا رشتہ رکھتے ہوں۔ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ صالح آدمی کی سات پشتوں تک حفاظت کرتا ہے، اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: اِنَّ وَلِیِّیَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَ هُوَ یَتَوَلَّى الصّٰلِحِیْنَ ۝ (الاعراف)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ۔ یہ اس بات کا مقتضی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے (2) ان کے بارے میں اختلاف گزر چکا ہے۔ ذٰلِكَ تَاْوِیْلُ یعنی تفسیر۔ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ۝ ایک جماعت نے تستطع پڑھا ہے۔ جمہور علماء نے تسطع پڑھا ہے۔ ابو حاتم نے کہا: ہم مصحف کے خط میں اسی طرح پڑھتے تھے۔ یہاں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اگر کوئی کہنے والا کہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نوجوان کا ذکر نہ آیت کی ابتدا میں ہوا نہ آخر میں ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نوجوان کا ذکر نہیں سنا گیا حالانکہ وہ ان کے ساتھ تھا، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نوجوان نے پانی پیا تھا پس وہ ہمیشہ زندہ رہے گا اسے عالم نے پکڑا اور اس پر کشتی کو چسپاں کر دیا پھر اس دریا میں چھوڑ دیا وہ اس کے ساتھ قیامت تک دریا میں گھومتی رہے گی یہ اس لیے ہوا کہ اسے پانی پینا نہیں تھا، لیکن اس نے اس سے پانی پی لیا تھا۔ قشیری نے کہا: اگر یہ ثابت ہو تو پھر نوجوان یوشع بن نون نہ ہو کیونکہ یوشع بن نون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد زندہ رہے تھے اور ان کے خلیفہ تھے۔ اظہر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نوجوان کو واپس بھیج دیا تھا جب ان کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی۔ ہمارے شیخ امام ابو العباس نے کہا: یہ احتمال ہے کہ متبوع کے ذکر کی وجہ سے تابع کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 2۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ان لڑکوں کے خزانہ کو نکالنے کے واقعہ کو اللہ کی طرف کیسے منسوب کیا جبکہ انہوں نے کشتی کو شگاف لگانے کے بارے میں کہا فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا عیب کی نسبت اپنی طرف کی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ دیوار میں ارادہ کو اللہ کی طرف منسوب کیا کیونکہ ایک لمبے زمانہ میں ایک نیا امر تھا اور غیوب میں سے ایک غیب تھا، پس اس جگہ صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ہی بہتر تھا، اگرچہ حضرت خضر علیہ السلام نے وہ ارادہ کیا تھا جو اللہ تعالیٰ نے اسے بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: چونکہ یہ کام تمام خیر تھا تو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی۔ اور کشتی کے عیب کو ادب کی رعایت کرتے ہوئے اپنی طرف منسوب کیا کیونکہ یہ عیب کا لفظ تھا پس انہوں نے ادب کا خیال کرتے ہوئے ارادہ کو اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا بلکہ اپنی طرف منسوب کیا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ادب

1۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 537
2۔ ایضاً

کا خیال کرتے ہوئے کہا تھا: وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝ (الشعراء) پہلے اور بعد میں فعل کو اللہ کی طرف منسوب کیا اور اپنی طرف مرض کی نسبت کی کیونکہ اس میں نقص اور مصیبت کا معنی ہے، پس اللہ تعالیٰ کی طرف صرف وہی الفاظ منسوب کیے جاتے ہیں جو مستحسن ہوں۔ یہ ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بِيَدِكَ الْخَيْرُ (آل عمران: 26) خیر پر اکتفا فرمایا اور شر کو اپنی طرف منسوب نہیں کیا اگرچہ خیر و شر، نقصان اور نفع اس کے ہاتھ میں ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہی ہر شی سے آگاہ ہے، اس پر اس حدیث سے اعتراض نہیں کیا جاسکتا جس میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرمائے گا: اے ابن آدم! میں مریض تھا تو تو نے میری عیادت نہیں کی، میں نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا تو تو نے مجھے کھلایا نہیں تھا، میں نے تجھ سے پانی طلب کیا تھا تو تو نے مجھے پانی نہیں پلایا تھا" (1)۔ یہ خطاب میں تنزل اور عتاب میں تلطف ہے۔ اس کا مقصد ذی الجلال کی فضیلت کی پہچان ہے، اور ان پر اعمال کے ثواب کی مقادیر کی معرفت ہے؛ یہ معنی پہلے گزر چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کو شایان ہے کہ اپنے لیے جو چاہے بیان کرے اور ہمیں صرف اسی کی اجازت ہے جس میں اوصاف جمیلہ کا ذکر ہو اور افعال شریفہ کا بیان ہو۔ اللہ تعالیٰ نقائص اور آفات سے بلند و بالا ہے۔ لڑکے کے بارے میں فرمایا: فَاَرَدْنَاۤ قتل کی نسبت اپنی طرف کی اور تبدیلی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی، افضل کمال خلق اور کمال عقل ہے۔ سورۂ انعام میں اس کا معنی گزر چکا ہے۔ الحمد للہ۔

مسئلہ نمبر 3۔ ہمارے شیخ ابو العباس نے فرمایا: زنادقہ باطنیہ قوم سلوک طریق کا نظریہ رکھتے ہیں جس سے احکام شرعیہ لازم ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: یہ احکام شرعیہ عامہ جو ہیں ان کے ساتھ حکم انبیاء اور عوام پر لگایا جاتا ہے۔ رہے اولیاء اور اہل خصوص وہ ان نصوص کے محتاج نہیں ہیں بلکہ ان سے وہی مراد ہوتا ہے جو ان کے دلوں میں واقع ہوتا ہے۔ اور ان پر اس کے ساتھ حکم لگایا جاتا ہے جو ان کے خواطر پر غالب آتا ہے، انہوں نے کہا: یہ اس لیے ہے کہ ان کے دل کدورتوں سے صاف ہوتے ہیں اور ان کے دل اغیار سے خالی ہوتے ہیں، اور ان کے لیے علوم الٰہیہ روشن ہوتے ہیں اور حقائق ربانیہ واضح ہوتے ہیں، وہ اسرار کائنات پر واقف ہوتے ہیں اور جزئیات کے احکام جانتے ہیں اس لیے وہ احکام شرعیہ کلیہ سے مستغنی ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام کے لیے اتفاق ہوا وہ علوم جو ان کے لیے روشن تھے ان کی وجہ سے وہ ان علوم سے مستغنی ہوئے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تھے اور یہ لوگ یہ حدیث اپنے اس نظریہ پر نقل کرتے ہیں "اپنے دل سے فتویٰ پوچھ اگرچہ مفتی تجھے فتویٰ دیں"۔ ہمارے شیخ نے فرمایا: یہ قول زندقہ اور کفر ہے، اس کے قائل کو قتل کیا جائے گا اور اس سے توبہ طلب نہیں کی جائے گی کیونکہ یہ معلوم شرائع کا انکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت جاری فرمائی اور اپنی حکمت نافذ فرمائی ہے کہ اس کے احکام معلوم نہیں ہوتے ہیں مگر ان رسولوں کے واسطہ سے جو اس کے اور مخلوق کے درمیان سفیر ہوتے ہیں وہ اس کے پیغام اس کی طرف پہنچاتے ہیں اور وہ اس کی شریعت اور احکام بیان کرتے ہیں، اسی وجہ سے اس نے انہیں چنا ہے اور اس کے ساتھ انہیں خاص کیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر و الصلۃ، باب عیادۃ المریض، جلد 2، صفحہ 318

اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ ۝ (الحج)

اور فرمایا: اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الانعام: 124) اور فرمایا: كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ (البقرہ: 213) اس کے علاوہ بھی آیات ہیں۔

بہر حال علم یقینی اور قطعی یقین اور سلف وخلف کا اس بات پر اجماع حاصل ہے کہ احکام الٰہیہ کی معرفت کا کوئی راستہ نہیں جو اس کے امر اور نہی پر مشتمل ہیں۔ اور ان میں سے کسی حکم کی پہچان نہیں ہو سکتی مگر رسولوں کی جہت سے۔ پس جو کہتا ہے کہ کوئی دوسرا طریقہ ہے جس سے امر و نہی کی پہچان بغیر رسولوں کے ہوتی ہے رسولوں کی جس میں ضرورت نہیں تو وہ کافر ہے، اسے قتل کیا جائے گا اور اس سے توبہ طلب نہیں کی جائے گی اور نہ اس کے ساتھ سوال وجواب کی ضرورت ہے۔ پھر یہ تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرے انبیاء کا اثبات ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء اور خاتم الرسل بنایا ہے۔ حالانکہ اس کے بعد نہ کوئی نبی ہے نہ رسول اس کا بیان یہ ہے کہ جو کہتا ہے کہ وہ اپنے دل سے احکام لیتا ہے جو اس کے دل میں واقع ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا وہ اس کے مقتضا کے مطابق عمل کرے گا وہ اس کیفیت کے ساتھ کتاب وسنت کا محتاج نہیں تو اس نے خاص اپنے لیے نبوت ثابت کی کیونکہ یہ اس طرح ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: کہ ''روح القدس نے میرے دل میں پھونکا'' ☆۔

مسئلہ نمبر 4۔ جمہور لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کا وصال ہو گیا ہے۔ اور ایک جماعت نے کہا: وہ زندہ ہیں کیونکہ آپ نے آب حیات کے چشمہ سے پانی پیا تھا۔ وہ زمین میں باقی ہیں اور وہ بیت اللہ کا حج کرتے ہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: اس مفہوم میں نقاش نے بڑی لمبی کلام کی ہے، انہوں نے اپنی کتاب میں بہت سی چیزیں حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت کی ہیں۔ یہ تمام روایات کسی بنیاد پر مبنی نہیں۔ اگر حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوتے اور حج کرتے تو ملت اسلامیہ میں ان کا ظہور ہوتا۔ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کی تفاصیل کو جاننے والا ہے اس کے علاوہ کوئی رب نہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام کے وصال پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے: أرأيتم ليلتكم هذه فإنه لا يبقى ممن هو اليوم على ظهر الأرض أحد (1)۔

میں کہتا ہوں: یہ امام بخاری کا مسلک ہے، قاضی ابو بکر نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ صحیح قول دوسرا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں جیسا کہ ہم ذکر کریں گے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخر میں ایک رات عشاء کی نماز پڑھائی جب سلام پھیرا تو آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''تم اپنی اس رات کے بارے میں بتاؤ کہ اس سے سو سال کے آغاز پر جو سطح زمین پر ہے ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا'' (2)۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر لوگ غلط تبصرے کرنے لگے، سو سال کے بارے میں مختلف باتیں کرنے لگے جو وہ کرتے تھے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو آج سطح زمین پر ہے اس میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا'' (3)۔ اس سے مراد یہ تھا کہ یہ قرن ختم ہو جائے گی۔ اس حدیث کو حضرت جابر بن عبد اللہ نے بھی روایت کیا ہے

1۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، السمر فی العلم، جلد 1، صفحہ 22　2۔ کنز العمال، جلد 14، صفحہ 194، حدیث نمبر 38344

3۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، جلد 2، صفحہ 310　☆ شرح السنۃ بغوی۔ 4110

فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کو وصال سے ایک مہینہ پہلے یہ کہتے ہوئے سنا: ''تم مجھ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہو، اس کا علم اللہ کے پاس ہے اور میں اللہ کی قسم اٹھاتا ہوں! سطح زمین پر کوئی نفس رہنے والا نہیں ہوگا جس پر سو سال گزرے گا'' دوسری روایت میں ہے سالم نے کہا: ہم نے ذکر کیا کہ جو اس دن پیدا ہو چکا ہے۔ ایک روایت میں ہے آج کوئی نفس ایسا نہیں جس پر سو سال آئے گا، اور وہ اس وقت زندہ ہوگا۔ عبدالرحمٰن صاحب السقایۃ نے اس کی تفسیر میں فرمایا: عمر کم ہوگی۔ حضرت ابو سعید خدری سے اس حدیث کی طرح مروی ہے۔ ہمارے علماء نے کہا: اس حدیث کے ضمن میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے وصال سے ایک مہینہ پہلے خبر دی تھی کہ بنی آدم میں سے جو بھی موجود ہے اس کی عمر سو سال پر ختم ہو جائے گی کیونکہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: **ما من نفس منفوسۃ**(1)۔ یہ لفظ ملائکہ اور جن کو شامل نہیں کیونکہ ان سے صحیح نہیں کہ وہ اس طرح ہیں اور نہ حیوان غیر عاقل شامل ہیں کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: **ممن ھو علی ظھر الأرض أحد**(2)۔ یہ اصل وضع کے اعتبار سے ذوی العقول کے لیے بولا جاتا ہے پس تعین ہو گیا کہ مراد بنی آدم ہیں۔ حضرت ابن عمر نے اس معنی کو بیان کیا ہے فرمایا: اس سے مراد صدی کا ختم ہونا ہے۔ اس شخص کے لیے کوئی حجت نہیں جو اس شخص کے قول کے بطلان پر حجت پکڑتا ہے جو کہتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں کیونکہ **ما من نفس منفوسۃ**(3) میں عموم ہے چونکہ عموم اگرچہ استغراق کی تاکید کرتا ہے، لیکن اس میں نص نہیں ہوتا بلکہ وہ تخصیص کے قابل ہوتا ہے۔ پس یہ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شامل نہیں ہے، کیونکہ وہ فوت ہوئے ہیں نہ قتل ہوئے ہیں، نص قرآنی کے ساتھ ان کا زندہ ہونا ثابت ہے، اور یہ عموم دجال کو بھی شامل نہیں حالانکہ وہ بھی زندہ تھا، اس کی دلیل حدیث الجساسہ ہے۔ اسی طرح یہ عموم حضرت خضر علیہ السلام کو بھی شامل نہیں۔ وہ لوگوں کو نظر نہیں آتے اور نہ ان کو نظر آتے ہیں جن لوگوں میں وہ جاتے ہیں تاکہ ان کے دل میں ایک دوسرے سے خطاب کے وقت خطرہ پیدا نہ ہو، اس عموم کی مثل ان کو شامل نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اصحاب کہف زندہ ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حج کرتے ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نوجوان جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول میں ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا۔ ابو اسحاق ثعلبی نے (العرائس) میں ذکر کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں ان کو لمبی عمر دی گئی ہے، آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ محمد بن متوکل نے ضمرہ بن ربیعہ عن ابن شوذب کے سلسلہ سے روایت کیا ہے، فرمایا: حضرت خضر علیہ السلام فارس کی اولاد سے تھے اور حضرت الیاس علیہ السلام بنی اسرائیل سے تھے، وہ ہر سال حج کے موقع پر آپس میں ملاقات کرتے ہیں۔ عمرو بن دینار سے مروی ہے فرمایا: حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام زمین پر زندہ رہیں گے جب تک قرآن زمین پر موجود ہے، جب قرآن اٹھالیا جائے گا وہ بھی فوت ہو جائیں گے۔ ہمارے شیخ امام ابو محمد عبدالمعطی بن محمد بن عبدالمعطی لخمی نے قشیری کے رسالہ کی شرح میں بہت سے نیک مردوں اور عورتوں کی حکایات ذکر کی ہیں کہ انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا اور ان سے ملاقات کی جس کے مجموعہ سے ظن غالب یہی ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہیں نیز نقاش اور ثعلبی وغیرہ نے بھی یہ ذکر کیا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے'' دجال شور یلی زمین پر پہنچے گا جو مدینہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، جلد 2، صفحہ 310 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

کے قریب ہوگی اس وقت اس کی طرف ایک شخص نکلے گا جو لوگوں سے بہتر ہوگا"۔ اس حدیث کے آخر میں ہے ابو اسحاق نے کہا: یعنی انّ ھذا الرجل ھو الخضر (1) (وہ شخص حضرت خضر ہوگا) ابن ابی الدنیا نے "الہواتف" میں ایک سند کے ساتھ ذکر کیا ہے جس کو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچایا ہے کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام سے ملے اور انہوں نے آپ کو یہ دعا سکھائی اور اس میں اس شخص کے لیے بہت بڑے ثواب، مغفرت اور رحمت کا ذکر کیا ہے جو ہر نماز کے بعد اس کو پڑھے گا وہ دعا یہ ہے: یامن لا یشغلہ سمع عن سمع، ویامن لا تغلطہ المسائل، ویامن لا یتبرم من الحاح الملحین، أذقنی برد عفوك، وحلاوۃ مغفرتك (اے وہ ذات جس کو ایک آواز کا سننا دوسری آواز کے سننے سے غافل نہیں کرتا، اے وہ ذات مسائل جس سے غلطی نہیں کراتے، اے وہ ذات جو اصرار سے مانگنے والوں کے اصرار سے اکتاتی نہیں! تو مجھے اپنے عفو کی ٹھنڈک اور اپنی مغفرت کی حلاوت عطا فرما) انہوں نے حضرت عمر سے بھی بعینہٖ یہی دعا ذکر کی ہے جو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ذکر کی جو انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام سے سنی ہے، اسی طرح انہوں نے حضرت الیاس علیہ السلام کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہونا بھی ذکر کیا ہے۔ جب حضرت الیاس علیہ السلام کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک باقی ہونا جائز ہے تو حضرت خضر علیہ السلام کا باقی ہونا بھی جائز ہے۔ ابن ابی الدنیا نے ذکر کیا ہے کہ حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہما السلام ہر سال بیت اللہ کے پاس ملتے ہیں اور جدائی کے وقت کہتے ہیں: ما شاء اللہ ما شاء اللہ، لا یصرف السوء الا اللہ، ما شاء اللہ ما شاء اللہ ما یکون من نعمۃ فمن اللہ ما شاء اللہ ما شاء اللہ توکلت علی اللہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل (جو اللہ چاہے جو اللہ چاہے برائی اور تکلیف کو اللہ کے سوا کوئی نہیں پھیر سکتا، جو اللہ چاہے جو اللہ چاہے۔ جو نعمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو اللہ چاہے جو اللہ چاہے۔ میں اللہ پر بھروسہ رکھتا ہوں، ہمیں اللہ کافی ہے اور وہی بہتر کارساز ہے) رہی حضرت الیاس علیہ السلام کی خبر تو وہ سورۃ الصافات میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ابو عمر بن عبد البر نے کتاب "التمہید" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور کپڑے کے ساتھ آپ کو لپیٹا گیا تھا تو گھر کے ایک کونے سے ہاتف غیبی نے آواز دی لوگ اس کی آواز سنتے تھے اور اس شخصیت کو نہیں دیکھتے تھے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ السلام علیکم أھل البیت۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ۔ إنّ فی اللہ خلفا من کلّ ھالك وعوضا من کل تالف، عزاء من کل مصیبۃ۔ فباللہ فثقوا۔ وإیاہ فارجوا۔ فإن المصاب من حرم الثواب (اے اہل بیت! تم پر سلام ہو، ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس ہر جانے والے کا خلیفہ ہے اور تلف ہونے والے کا عوض ہے، ہر مصیبت سے تسلی ہے۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اور اس سے امید رکھو، مصیبت زدہ وہ ہے جو ثواب سے محروم کیا گیا) صحابہ کرام خیال کرتے تھے کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں علی الارض میں الف، لام عہد کے لیے ہے جنس کے لیے نہیں ہے۔ اس سے مراد عرب کی زمین ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کا آمیں تصرف تھا اور اس کی طرف لوٹنا تھا نہ کہ یاجوج وماجوج کی زمین اور نہ ہندوسندھ کے دور دراز علاقے جس کا نام بھی نہیں سنا گیا اور نہ اس کا علم ہوا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، صفۃ الدجال، جلد 2، صفحہ 402

اور دجال کے بارے میں جواب نہیں۔

علامہ سہیلی نے کہا: حضرت خضر علیہ السلام کے نام کے بارے میں بڑا واضح اختلاف ہے۔ ابن منبہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: ایلیا بن ملکان بن فالغ بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح۔ بعض علماء نے کہا: وہ ابن عامیل بن سماکین ابن اُریا بن علقما بن عیصو بن اسحاق ہے، ان کا باپ ملیکا تھا اور ماں بنت فارس اس کا نام الھا تھا انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو ایک غار میں جنم دیا تھا وہاں ایک بکری تھی جو انہیں ہر روز دودھ پلاتی تھی وہ اس شہر کے ایک آدمی کی بکریوں میں سے تھی، اس شخص نے حضرت خضر علیہ السلام کو پکڑ لیا اور آپ کی پرورش کی جب جوان ہو گئے تو ملک جو حضرت خضر کا باپ ہے نے ایک کاتب بلایا اور اہل معرفت و نبالت کو جمع کیا تا کہ وہ صحیفے لکھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت شیث علیہ السلام پر نازل ہوئے تھے۔ جو کاتبوں میں اس کے سامنے آیا اس کا بیٹا خضر تھا، وہ اسے نہیں جانتا تھا، جب اس نے بہت اچھا لکھا تو اس نے اس کے بارے میں خوب چھان بین کی اسے پتا چلا کہ وہ اس کا بیٹا ہے تو اس نے اس کو اپنی قربت بخشی اور لوگوں کے امور کا والی بنا دیا پھر حضرت خضر علیہ السلام بادشاہ سے بھاگ گئے۔ ان اسباب کی وجہ سے جن کا ذکر بہت طویل ہے، حتی کہ وہ آب حیات کے چشمہ پر پہنچے اور اس کا پانی پیا پس وہ دجال کے نکلنے تک زندہ رہیں گے اور وہ شخص جس کو دجال قتل کرے گا اور پھر اسے کاٹ دے گا اور پھر اللہ تعالیٰ اسے زندہ کرے گا وہ حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نہیں پایا اور یہ صحیح نہیں ہے۔ امام بخاری اور اہل حدیث کی ایک جماعت نے کہا جن میں سے ہمارے شیخ ابو بکر بن عربی رحمہ اللہ بھی ہیں کہ وہ سو سال ختم ہونے سے پہلے وصال کر گئے، اس کی وجہ یہ حدیث ہے: الی رأس مائة عام لا یبقی علی ھذہ الأرض فمن ھو علیھا أحد سو سال کے آغاز تک جو بھی اس زمین پر ہے ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے، یعنی جو زندہ تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلام فرمایا تھا۔

میں کہتا ہوں: ہم نے اس حدیث کا ذکر کیا اور اس پر کلام کی اور ہم نے حضرت خضر علیہ السلام کی زندگی اب تک کے لیے بیان کی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ بعض علماء نے فرمایا: حضرت خضر علیہ السلام جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جدا ہونے لگے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا: مجھے وصیت فرمائیے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: تو مسکرانے والا ہو جا اور ہنسنے والا نہ ہو، لجاجت چھوڑ دے اور بغیر حاجت کے نہ چل۔ خطا کاروں پر ان کی خطاؤں کی وجہ سے عیب نہ لگا اور اے ابن عمران اپنی خطا پر رو۔

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿83﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿84﴾ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿85﴾ حَتّٰٓي اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ڛ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿86﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ

ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝ وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَ سَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۝ كَذٰلِكَ ؕ وَ قَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۝

''اور وہ دریافت کرتے ہیں آپ سے ذی القرنین کے متعلق، فرمائیے: میں ابھی بیان کرتا ہوں تمہارے سامنے اس کا حال۔ ہم نے اقتدار بخشا تھا اسے زمین میں اور ہم نے دیا تھا اسے ہر چیز (تک رسائی حاصل کرنے) کا ساز و سامان، پس وہ روانہ ہوا ایک راہ پر، یہاں تک کہ جب وہ غروبِ آفتاب کی جگہ پہنچا تو اس نے اسے یوں پایا گویا وہ ڈوب رہا ہے ایک سیاہ کیچڑ کے چشمہ میں اور اس نے وہاں ایک قوم پائی، ہم نے کہا: اے ذوالقرنین! (تمہیں اختیار ہے) خواہ تم انہیں سزا دو خواہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ ذوالقرنین نے کہا: جس نے ظلم (کفر و فسق) کیا تو ہم ضرور اسے سزا دیں گے پھر اسے لوٹا دیا جائے گا اس کے رب کی طرف تو وہ اسے عذاب دے گا بڑا ہی سخت عذاب۔ اور جو شخص ایمان لایا اور اچھے عمل کیے تو اس کے لیے اچھا معاوضہ ہے اور ہم اسے حکم دیں گے ایسے احکام بجالانے کا جو آسان ہوں گے۔ پھر وہ روانہ ہوا دوسرے راستہ پر، یہاں تک کہ جب وہ پہنچا طلوعِ آفتاب کے مقام پر تو اس نے پایا سورج کو کہ وہ طلوع ہو رہا ہے ایسی قوم پر کہ نہیں بنائی ہم نے ان کے لیے سورج (کی گرمی) سے بچنے کی آڑ، بات یونہی ہے، اور ہم نے احاطہ کر رکھا ہے ہر اس چیز کا جو اس کے پاس تھی''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝ ابن اسحاق نے کہا: ذی القرنین کی خبر میں سے یہ ہے کہ انہیں وہ عطا کیا گیا جو کسی دوسرے کو عطا نہیں کیا گیا اس کے لیے اسباب اتنے کشادہ ہوئے کہ وہ زمین کے مشارق و مغارب کے شہروں تک پہنچا۔ وہ کسی زمین پر پہنچا تو اس پر غالب آ گیا حتیٰ کہ وہ مشرق و مغرب کے اس مقام پر پہنچا کہ جس کے بعد مخلوق نہیں ہے۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھے اس شخص نے بتایا جو عجمیوں سے حکایات روایت کرتا ہے کہ وہ ذی القرنین کے بارے میں متواتر یہ علم رکھتے ہیں کہ وہ اہل مصر میں سے ایک شخص تھا جس کا نام مرزبان بن مردبۃ یونانی تھا وہ یونان بن یافث بن نوح کی اولاد سے تھا۔ ابن ہشام نے کہا: اس کا نام اسکندر تھا، یہ وہی ہے جس نے اسکندریہ بنایا پس اس کی نسبت اس کی طرف کی گئی۔ ابن اسحاق نے کہا مجھے ثور بن یزید نے خالد بن معدان کلاعی سے روایت کر کے بتایا۔ خالد ایک شخص تھا جس نے لوگوں کو پایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذوالقرنین کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''وہ بادشاہ تھا جس نے زمین کو نیچے سے چھوا اسباب کے ساتھ''(1)۔ خالد نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو یا ذالقرنین کہتے

1۔ تفسیر طبری، جز 16-15، صفحہ 23

ہوئے سنا تو حضرت عمر نے کہا: اللّھم غفراً أما رضیتم أن تسموا باسماء الانبیاء حتی تسمیتم بأسماء الملائکۃ (اے اللہ معاف فرما کیا تم خوش نہیں ہو کہ تم انبیاء کے اسماء کے ساتھ نام رکھو حتی کہ تم نے ملائکہ کے اسماء کے ساتھ نام رکھ لیے) ابن اسحاق نے کہا: اللہ بہتر جانتا ہے وہ کون تھا کیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا یا نہیں۔ حق یہ ہے کہ نہیں فرمایا تھا۔

میں کہتا ہوں: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر کے قول کی مثل مروی ہے انہوں نے ایک شخص کو سنا جو دوسرے شخص کو آواز دے رہا تھا: اے ذوالقرنین! حضرت علی نے فرمایا: کیا تمہارے لیے کافی نہ تھا کہ تم نے انبیاء کرام کے نام کے ساتھ نام رکھے حتی کہ تم نے ملائکہ کے نام کے ساتھ نام رکھ لیے ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ صالح بادشاہ بندہ تھا، اللہ تعالیٰ کا مخلص تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تائید فرمائی۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ نبی تھے جو مبعوث کیے گئے تھے اللہ تعالیٰ نے اسے زمین کی فتح عطا فرمائی۔ دارقطنی نے کتاب الاخبار میں ذکر کیا ہے کہ ایک فرشتہ ہے جس کو رباقیل کہا جاتا ہے وہ ذی القرنین پر اترتا تھا یہ وہ فرشتہ ہے جو قیامت کے روز زمین کو لپیٹے گا اور اسے کم کرے گا۔ تمام لوگوں کے اقدام اس زمین پر واقع ہوں گے جیسا کہ بعض اہل علم نے ذکر کیا۔ سہیلی نے کہا: یہ وہ فرشتہ تھا جو ذی القرنین پر مقرر کیا گیا تھا جس نے زمین کے مشارق و مغارب کو طے کیا تھا جیسا کہ خالد بن سنان کا واقعہ ہے کہ ان کے لیے آگ کو مسخر کیا گیا تھا آگ پر متعین فرشتے کی حالت میں مشاکلت تھی وہ فرشتہ مالک ہے علیہ السلام وعلی جمیع الملائکۃ اجمعین۔ ابن ابی خیثمہ نے کتاب البدء میں خالد بن سنان کا ذکر کیا ہے اور اس کی نبوت کا ذکر کیا ہے۔ خازن النار مالک فرشتہ کو اس پر مقرر کیا گیا تھا (یعنی اس کے ذریعے اس کی تائید کی جاتی تھی) اس کی نبوت کی علامتوں میں سے یہ تھا کہ ایک آگ کو نار الحدثان کہا جاتا تھا وہ لوگوں پر ایک غار سے نکلتی تھی اور لوگوں کو جلا دیتی تھی لوگ اس کو دور نہیں کر سکتے تھے، خالد بن سنان نے اس کو لوٹایا تو وہ پھر کبھی نہ نکلی۔

ذی القرنین کے نام میں اور اس سبب میں بہت زیادہ اختلاف ہے جس کی وجہ سے اسے یہ نام دیا گیا رہا اس کا نام تو بعض نے کہا: وہ اسکندر بادشاہ یونانی مقدونی ہے، کبھی قاف مشدد کہا جاتا ہے، المقدونی کہا جاتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا نام ہرمس ہے۔ بعض نے کہا اس کا نام ہردیس ہے۔ ابن ہشام نے کہا: وہ صعب بن ذی یزن حمیری ہے جو وائل بن حمیر کی اولاد سے تھا، ابن اسحاق کا قول پہلے گزر چکا ہے۔ وہب بن منبہ نے کہا: وہ رومی ہے۔ طبری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث ذکر کی ہے کہ ذی القرنین روم کا ایک نوجوان تھا (1)۔ اس حدیث کی سند انتہائی کمزور ہے؛ یہ ابن عطیہ کا قول ہے۔

سہیلی نے کہا: علم الاخبار سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دو شخص تھے ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وہ شخص تھا جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے فیصلہ کیا تھا جب وہ بئر السبع کے بارے میں شام میں فیصلہ اس کے پاس لے گئے تھے۔ دوسرا شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھا۔ بعض نے فرمایا: وہ افریدون تھا جس نے عہد ابراہیم میں بیوراسب بن اروندا سب سرکش بادشاہ کو قتل کیا تھا یا اس سے پہلے کچھ زمانہ تھا۔ رہا اس سبب میں اختلاف جس کی وجہ سے اسے ذوالقرنین کہا جاتا ہے۔ تو بعض نے کہا: اس کے بالوں کی دو مینڈھیاں تھیں ان کی وجہ سے ذوالقرنین کہا جاتا ہے؛ یہ ثعلبی

1۔ تفسیر طبری، جز 16-15، صفحہ 24

وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ الضفائر، سر کے بالوں کی مینڈھیوں کو کہتے ہیں، شاعر نے کہا:

فَلَثَمْتُ فَاهَا آخِذًا بِقُرُونِهَا　شُرْبَ النَّزِيفِ بِبَرْدِ مَاءِ الحَشْرَجِ

بعض علماء نے فرمایا: اس نے اپنی بادشاہی کے آغاز میں خواب دیکھا کہ وہ سورج کے دونوں قرن پر قابض ہے (1) اس نے یہ خواب بیان کیا تو اس کی تعبیر یہ بتائی گئی کہ وہ ہر اس جگہ پر غالب آئے گا جس پر سورج طلوع ہوتا ہے، اسی وجہ سے اسے ذوالقرنین کہا جاتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اسے یہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ مغرب و مشرق تک پہنچا گویا اس نے دنیا کے دونوں کناروں کو جمع کر لیا۔ ایک جماعت نے کہا: جب وہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ پہنچا تو اس کے دیکھنے کے ساتھ سورج کے قرون ظاہر ہوئے اسی وجہ سے اسے ذوالقرنین کہا جاتا ہے۔ سورج کے ساتھ شیطان کے قرن (سینگ) دیکھے۔ وہب بن منبہ نے کہا اس کے عمامہ کے نیچے دو سینگ تھے۔ ابن الکواء نے حضرت علی بنائنہ سے ذی القرنین کے متعلق پوچھا کہ وہ نبی تھے یا بادشاہ؟ حضرت علی نے فرمایا: نہ نبی تھا نہ بادشاہ، وہ الله کا نیک بندہ تھا اس نے اپنی قوم کو الله تعالیٰ کی توحید کی طرف بلایا تھا تو انہوں نے اس کا سر زخمی کر دیا پھر انہوں نے دعوت دی تو لوگوں نے سر کی دوسری طرف بھی زخمی کر دی اسی وجہ سے اسے ذوالقرنین کہا جاتا ہے۔ اس کے زمانہ کے بارے میں بھی اختلاف ہے، ایک قوم نے کہا: وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تھے ایک قوم نے کہا: وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد فترت کے زمانہ میں تھے۔ بعض نے کہا: وہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے زمانہ میں تھے اور حضرت خضر علیہ السلام ان کا بڑا جھنڈا اٹھانے والے تھے۔ اس نے اس کا ذکر سورۂ بقرہ میں کیا ہے۔ بہر حال الله تعالیٰ نے اسے اقتدار بخشا اور سلطنت بخشی اور بادشاہوں نے اس کی اطاعت کی، روایت ہے کہ تمام دنیا کے چار بادشاہ تھے (2)، دو مومن تھے دو کافر تھے، مومن حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام اور اسکندر تھے اور کافر نمرود اور بخت نصر تھے اور پانچواں اس امت سے مالک ہوگا کیونکہ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (التوبہ: 33) اور وہ مہدی علیہ السلام ہوں گے۔ بعض علماء نے فرمایا ان کو ذوالقرنین اس لیے کہا جاتا تھا کیونکہ وہ باپ اور ماں دونوں کی طرف سے کریم الطرفین تھا (یعنی اس کے والدین کے خاندان اعلیٰ حسب و نسب والے تھے) بعض علماء نے فرمایا: اس کے وقت میں لوگوں کی دو نسلیں گزریں جبکہ وہ زندہ تھا اس لیے اسے ذوالقرنین کہا جاتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس لیے یہ نام تھا کہ وہ جب لڑتا تھا تو ہاتھوں اور رکابوں دونوں سے لڑتا تھا۔ بعض نے فرمایا: اس لیے کہ اسے علم ظاہر اور علم باطن دیا گیا تھا۔ بعض نے فرمایا: وہ ظلمت و نور میں داخل ہوا تھا۔ بعض نے فرمایا: وہ فارس و روم کا بادشاہ تھا۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ حضرت علی بنائنہ نے فرمایا: اس کے لیے بادل کو مسخر کیا گیا تھا اور اس کے لیے اسباب پھیلائے گئے تھے اور اس کے لیے نور کشادہ کیا گیا تھا اس پر رات اور دن برابر تھا۔ حضرت عقبہ بن عامر کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کے کچھ لوگوں کو کہا جنہوں نے آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھا تھا فرمایا: "ابتدا میں وہ رومیوں میں سے ایک جوان تھا، پھر اسے بادشاہی عطا کی گئی وہ چلا حتیٰ کہ وہ مصر کی زمین پر آیا وہاں اس نے ایک شہر بنایا جسے اسکندریہ کہا جاتا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 538　2۔ ایضاً

ہے۔ جب وہ فارغ ہوا تو اس کے پاس ایک فرشتہ آیا وہ اسے اوپر لے گیا اس نے اسے کہا: اپنے نیچے دیکھ، اس نے کہا: میں صرف اپنا شہر دیکھتا ہوں اس کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتا۔ اس فرشتے نے اسے کہا: یہ ساری زمین ہے اور اس کے اردگرد جو تو سیاہی دیکھ رہا ہے یہ سمندر ہے، اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ تجھے زمین دکھائے اس نے تیرے لیے اس میں بادشاہی قائم کی ہے پس تو اس میں چل اور جاہل کو تعلیم دے اور عالم کو پختہ کر" (1)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ہر چیز کا علم عطا فرمایا جس کام کا ارادہ کرتے علم اس کا سبب بنتا۔ حسن نے کہا: جہاں کا ارادہ کرتے وہاں پہنچنا مراد ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ہر وہ چیز بخشی جس کے ساتھ مخلوق کو ضرورت ہوتی ہے۔ بعض نے فرمایا: ہر وہ چیز بخشی جس کے ساتھ بادشاہ مدد حاصل کرتے ہیں، شہروں کی فتح، دشمنوں پر غلبہ وغیرہ۔ السبب کا اصل معنی رسی ہے پھر استعارۃً ہر اس چیز کے لیے استعمال کیا گیا جس کے ذریعے کسی چیز تک پہنچا جاتا ہے۔ فَاَتْبَعَ سَبَبًا۔ ابن عامر، عاصم، حمزہ اور کسائی نے فاتبع ہمزہ قطعی کے ساتھ پڑھا ہے۔ اہل مدینہ اور ابو عمرو نے فاتبع سببا ہمزہ وصلی کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی جو اسباب اسے دیے گئے تھے اس کو استعمال کیا۔ اخفش نے کہا: تبعته و اتبعته ایک معنی میں ہیں جیسے ردفته اور أردفته ایک معنی میں ہیں، اسی سے یہ ارشاد بھی ہے: اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝ (الصافات)

اسی سے کلام میں الاتباع ہے جیسے حَسَنٌ بَسَنٌ اور قبیح شَقِیح۔ ابو عبیدہ نے اہل کوفہ کی قرات کو پسند کیا فرمایا: کیونکہ یہ سیر (چلنے) سے ہے۔ ابو عبیدہ اور اصمعی نے حکایت کیا ہے کہ کہا جاتا ہے: تبعه و اتبعه جب کوئی کسی کے پیچھے چلے اور اس کو پہنچ نہ پائے۔ اور ابو عبیدہ نے کہا: اس کی مثل ہے: فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِیْنَ ۝ (الشعراء)

نحاس نے کہا: یہ تفریق ہے اگرچہ اس کو اصمعی نے بیان کیا ہے مگر بغیر علت اور دلیل کے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِیْنَ ۝ (الشعراء) حدیث میں نہیں ہے کہ وہ ان کو ملے تھے۔ حدیث میں ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی دریا سے نکل گئے اور فرعون اور اس کے ساتھی دریا میں داخل ہوئے تو دریا ان کے اوپر مل گیا۔ اس میں حق یہ ہے کہ تبع، أتبع اور اتبع سب لغات ہم معنی ہیں، یہ السیر کے معنی میں ہیں۔ اس کے ساتھ لاحق ہونا ہے اور لاحق نہ ہونا دونوں جائز ہیں۔ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ ابن عاصم، حمزہ اور کسائی نے حامیة پڑھا ہے، جس کا معنی ہے گرم اور باقی قراء نے حمئة پڑھا ہے، جس کا معنی ہے سیاہ مٹی۔ تو کہتا ہے: حمأت البئر حمأ (میم کی تسکین کے ساتھ) تو اس کا معنی ہے کنویں کی مٹی زیادہ ہو گئی اور حامیة بھی جائز ہے۔ اور یہ الحماۃ سے ہوگا ہمزہ میں تخفیف کی گئی اور یاء سے بدلا گیا ہوگا۔ دونوں قراٰتوں کو کبھی جمع کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے: وہ مٹی گرم تھی اور سیاہی والی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا (2): نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کی طرف دیکھا جب وہ غروب ہو رہا تھا فرمایا: نار اللہ الحامیه لولا یزعها من أمر اللہ لأحرقت ما علی الأرض (اللہ تعالیٰ کی گرم آگ ہے، اگر اسے اللہ کا امر نہ روکتا تو یہ جو کچھ

1۔ تفسیر طبری، جلد 15، صفحہ 368 2۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 539

زمین پر ہے اسے جلا دیتی) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ابی نے مجھے یہ اسی طرح پڑھایا جس طرح انہیں نبی پاک ﷺ نے پڑھایا تھا۔ فی عَيْنٍ حَمِئَةٍ(1)۔ اور حضرت معاویہ نے کہا: یہ حامیة ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے کہا: میں امیر المومنین کے ساتھ تھا پس انہوں نے کعب کو اپنا حکم بنایا انہوں نے کہا: اے کعب! تم یہ تورات میں کیسے پاتے ہو؟ انہوں نے کہا: میں اسے پاتا ہوں کہ یہ سیاہ چشمے میں غروب ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی موافقت کی۔ شاعر نے کہا: وہ تبع الیمانی ہے۔

قد كان ذوالقرنين قبلي مسلمًا مَلِكًا تدينُ له الملوكُ وتسجدُ(2)

بلغ المغاربَ والمشارق يبتغي أسبابَ أمرٍ من حكيم مُرْشِدِ

فرأى مغيبَ الشمسِ عند غروبها في عينِ ذِي خُلُبٍ وثَأْطٍ حَرْمَدِ

الخلب سے مراد مٹی ہے۔ الثأط سے مراد سیاہ مٹی ہے۔ الحرمد سے مراد بھی سیاہ ہے۔ قفال نے کہا: بعض علماء نے فرمایا اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ سورج کے مغرب و مشرق تک پہنچا حتی کہ اس نے اس کے جرم کو چھوا کیونکہ وہ آسمان کے ساتھ زمین کے اردگرد گھومتا ہے بغیر اس کے کہ وہ زمین سے ملے، یہ اس سے بہت بڑا ہے کہ وہ زمین کے چشموں میں سے کسی چشمہ میں داخل ہو بلکہ یہ زمین سے کئی گنا بڑا ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ مغرب کی جہت کی آخری آبادی اور مشرق کی جہت کی آخری آبادی۔ پس اسے آنکھ سے ایسے نظر آیا کہ وہ سیاہ چشمہ میں داخل ہو رہا ہے جیسے ہم اس کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ زمین میں داخل ہو رہا ہے، اسی وجہ سے فرمایا: وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۝

اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ ان پر طلوع ہوتا تھا تو وہ انہیں چھوتا تھا اور ان سے ملا ہوتا تھا بلکہ یہ مراد ہے کہ پہلے ان پر طلوع ہوتا تھا۔ قشیری نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یہ چشمہ سمندر سے ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ سورج اس کے پیچھے یا اس کے ساتھ یا اس کے پاس غروب ہوتا ہو، پس صفت کے حرف کو موصوف کے قائم مقام رکھا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا یعنی اس چشمہ کے پاس یا چشمہ کی انتہا کے پاس۔ یہ اہل جابرس تھے انہیں سریانی زبان میں جرجیسا کہا جاتا ہے، اس چشمہ پر قوم ثمود کی نسل سے کچھ لوگ موجود تھے یہ ان کے باقی ماندہ لوگ تھے جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔ سہیلی نے ذکر کیا ہے: وہب بن منبہ نے کہا ذوالقرنین روم کی بوڑھیوں میں سے ایک بوڑھی کا بیٹا تھا جس کی ذوالقرنین کے علاوہ کوئی اولاد نہ تھی، اس کا نام اسکندر تھا جب وہ بالغ ہوا تو وہ نیک بندہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ذوالقرنین! میں تجھے زمین کی امتوں کی طرف بھیجنے والا ہوں، ان امتوں کی زبانیں مختلف ہیں وہ ساری زمین کی امتیں ہیں اور وہ کئی اقسام پر ہیں۔ دو امتیں ہیں جس کے درمیان ساری زمین کا طول ہے۔ دو امتیں ایسی ہیں جن کے درمیان ساری زمین کا عرض ہے اور کچھ امتیں زمین کے وسط میں ہیں ان میں سے جن، انس اور یاجوج و ماجوج ہیں اور وہ دو امتیں جن کے درمیان زمین کا طول ہے ان میں سے ایک امت سورج کے غروب ہونے کی جگہ کے پاس ہے اسے ناسک کہا جاتا ہے۔ اور

1۔ جامع ترمذی، باب ومن سورۃ الکہف، حدیث 2858

2۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 539

دوسری امت سورج کے طلوع ہونے کی جگہ کے پاس ہے اسے منسک کہا جاتا ہے۔ اور وہ دو امتیں جن کے درمیان زمین کا عرض ہے ان میں سے ایک زمین کے دائیں قطر میں ہے اسے ہاویل کہا جاتا ہے اور دوسری امت زمین کے بائیں قطر میں ہے اسے تاویل کہا جاتا ہے۔ ذوالقرنین نے کہا: اے اللہ! تو نے مجھے ایک عظیم کام کی طرف بلایا ہے جس پر صرف تو ہی قادر ہے، تو مجھے ان امتوں کے بارے بتا کہ میں کس قوت کے ساتھ ان پر زیادتی کروں اور کس صبر کے ساتھ میں انہیں برداشت کروں اور کس زبان کے ساتھ میں ان سے کلام کروں، میں کیسے ان کی زبان سمجھوں گا جب کہ میرے پاس قوت نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تجھ پر بوجھ ڈال رہا ہوں اس کے ساتھ میں تجھے کامیاب کروں گا تیرا سینہ تیرے لیے کھول دوں گا تو ہر چیز کو سنے گا اور تیرے لیے تیرے فہم کو پختہ کروں گا تو ہر چیز کو سمجھ لے گا اور تجھ میں ہیبت دوں گا کوئی چیز تجھے نہیں ڈرائے گی اور میں تیرے لیے نور اور ظلمت مسخر کروں گا، پس وہ تیرے لشکروں میں سے لشکر ہوں گے، نور تیرے آگے سے راہنمائی کرے گا اور پیچھے سے تاریکی تیری حفاظت کرے گی۔ جب اسے یہ کہا گیا تو وہ اپنے متبعین کو ساتھ لیکر چلا پس پہلے وہ اس امت کی طرف چلا جو سورج کے غروب ہونے کی جگہ کے پاس تھی کیونکہ وہ قریب ترین امت تھی اور وہ ناسک امت تھی وہ اتنے زیادہ تھے کہ ان کو شمار نہیں کر سکتا تھا مگر اللہ تعالیٰ اور ایسی قوت تھی کہ اس کی طاقت نہیں رکھتا مگر اللہ اور ان کی مختلف زبانیں تھیں اور مختلف خواہشات۔ تو ظلمت کے ساتھ ان پر حملہ کیا ان کے اردگرد تاریکی کے تین لشکر لگائے جنہوں نے انہیں ہر طرف سے گھیر لیا حتیٰ کہ تاریکی نے انہیں ایک مکان میں جمع کر دیا پھر وہ ان پر نور کے ساتھ داخل ہوا پھر انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کی عبادت کی طرف بلایا۔ بعض ان میں سے ایمان لے آئے اور بعض نے انکار کیا، پھر منکرین پر ظلمت کو داخل کیا جس نے انہیں ہر طرف سے گھیر لیا حتیٰ کہ وہ ان کے مونہوں، ناکوں، آنکھوں اور گھروں میں داخل ہو گئی اور انہیں ہر طرف سے گھیر لیا پس وہ حیران ہو گئے اور گھومنے لگے اور ہلاکت کا خوف کرنے لگے۔ پس وہ ایک آواز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر ایمان لے آئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان سے تاریکی ختم کر دی اور انہیں سختی سے پکڑ لیا اور وہ دعوت الٰہیہ میں داخل ہو گئے۔

پس انہوں نے اہل مغرب سے ایک لشکر بنایا اور انہیں ایک لشکر بنایا پھر وہ ان کی قیادت کرتا ہوا چلا تاریکی ان کے پیچھے چلتی تھی اور پیچھے سے حفاظت کرتی تھی، نور آگے سے قیادت کرتا تھا اور راہنمائی کرتا تھا پھر وہ چلا زمین کی دائیں جانب کی طرف وہ اس امت کا ارادہ کرتا تھا جو زمین کی دائیں جانب تھی اور وہ امت ہاویل تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ، دل، عقل اور فکر کو مسخر کر دیا تھا وہ جب بھی کوئی کام کرتا تھا تو غلطی نہیں کرتا تھا جب وہ کسی حوض یا دریا پر آتے تھے تو چھوٹی چھوٹی تختیوں سے جوتیوں کی مثل کشتیاں بناتا پھر انہیں ایک ساعت میں منظم کر دیتا پھر جتنے لوگ ساتھ ہوتے ان میں سوار کر دیتا جب وہ دریاؤں اور انہار کو طے کر لیتا تو ان کشتیوں کو توڑ دیتا اور ہر شخص کو ایک تختہ دے دیتا پس وہ ان کو اٹھانے پر کوئی بوجھ محسوس نہ کرتا، پس وہ ہاویل تک پہنچا اس نے ان کے ساتھ بھی اسی طرح کیا جس طرح اس نے ناسک قوم کے ساتھ کیا تھا وہ ایمان لے آئے پھر ان سے فارغ ہوا تو لشکر زمین کی دوسری طرف چلا حتیٰ کہ منسک امت تک پہنچا جو سورج کے طلوع ہونے کی جگہ کے پاس تھی پھر اس نے اس میں بھی عمل کیا اور ان سے اسی طرح لشکر تیار کیا جس طرح پہلی امت میں کیا تھا۔ پھر وہ زمین کی

بائیں جانب کی طرف پلٹا وہ تاویل قوم کا ارادہ کرتا تھا یہ وہ امت تھی جو ہاویل کے مقابل تھی ان کے درمیان زمین کا عرض تھا۔ اس نے اس میں بھی ایسا ہی کیا جیسے پہلی قوم میں کیا تھا۔ پھر ان امتوں کی طرف پلٹا جو زمین کے وسط میں تھیں یعنی جن، انس اور یاجوج وماجوج جب راستہ میں تھا جو شرقی جانب ترکوں کے اختتام سے ملی ہوئی جگہ ہے تو اسے انسانوں کے ایک نیک گروہ نے کہا: اے ذوالقرنین! ان دو پہاڑوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے جو بے شمار ہے ان میں انسان سے مشابہت نہیں ہے وہ جانوروں کے مشابہ ہیں، گھاس کھاتے ہیں اور جانوروں اور وحشیوں کو اس طرح چیرتے پھاڑتے ہیں جس طرح درندے چیرتے پھاڑتے ہیں وہ زمین کے حشرات سانپ، بچھو، چھپکلی اور ہر ذی روح کو کھاتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی مخلوق ایسی نہیں جو سال میں اتنی بڑھتی ہو جتنا کہ وہ بڑھتے ہیں۔ اگر وقت زیادہ گزر گیا تو وہ زمین کو بھر دیں گے اور لوگوں کو زمین سے نکال دیں گے کیا ہم آپ کے لیے خراج مقرر کریں، اس بناء پر تو ہمارے اور ان کے درمیان دیوار بنا دے، پھر حدیث مکمل ذکر کی۔ آئندہ یاجوج وماجوج اور ترک کا ذکر آئے گا کہ وہ ان کی ایک قوم ہے اور وہ بیان کفایت کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ۔ قشیری ابو نصر نے کہا: اگر وہ نبی تھا تو یہ وحی تھی، اگر وہ نبی نہیں تھا تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام تھا۔ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا۝ ابراہیم بن سری نے کہا: ان دو چیزوں میں اسے اختیار دیا گیا تھا جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا گیا تھا، فرمایا: فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ (المائدہ: 42) ابو اسحاق زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے ان دو حکموں میں اختیار دیا ہے۔ نحاس نے کہا: علی بن سلیمان نے اس کا قول رد کیا ہے کیونکہ یہ صحیح نہیں ہے کہ ذوالقرنین نبی تھا اور اس کے ساتھ اس کو خطاب کیا جاتا تھا۔ وہ اپنے رب کو کیسے کہتا تھا: ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ؟ اور کیسے کہتا تھا: فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ؟ وہ نون یعنی جمع کے صیغہ کے ساتھ کیسے اس سے مخاطب ہوتا تھا؟ فرمایا: اس کی تقدیر اس طرح ہے کہ قلنا یا محمد قالوا یا ذا القرنین۔ ابو جعفر نے کہا: یہ ابو الحسن نے کہا ہے اور اس سے کوئی چیز لازم نہیں آتی۔ رہا یہ قول: قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے نبی کی زبان پر اسے خطاب کیا ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ اسے اس طرح فرمایا ہو جس طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا: فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً (محمد: 4) رہا یہ اشکال: فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ تو اس کی تقدیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اسے اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ کے قول میں قتل کرنے اور اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا میں ان کو باقی رکھنے کے درمیان اختیار دیا تو انہوں نے اس قوم سے کہا: اَمَّا مَنْ ظَلَمَ۔ یعنی جو تم میں سے کفر پر قائم رہا فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ہم اسے قتل کے ساتھ عذاب دیں گے۔ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ۔ پھر قیامت کے دن اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا۔ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا۔ تو وہ اسے جہنم میں سخت عذاب دے گا۔ فَاَمَّا مَنْ تَابَ (القصص: 67) اور جو کفر سے توبہ کرے گا وَ عَمِلَ صَالِحًا اور نیک عمل کرے گا۔ احمد بن یحییٰ نے کہا: ''ان'' اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا۔ میں محل نصب میں ہے اگر تو اسے رفع دے تو بھی درست ہے تو بمعنی اما ھو ہوگا جیسا کہ شاعر نے کہا:

فسیرا فاما حاجة تقضیانها واما مقیلٌ صالح وصدیق

فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى۔ اہل مدینہ، ابوعمرو اور عاصم کی قرأت فله جزاء الحسنیٰ۔ مبتدا کی بناء پر رفع کے ساتھ ہے۔ استقرار کے ساتھ ہے اور الحسنیٰ اضافت کی وجہ سے محل جر میں ہے اور تنوین اضافت کی وجہ سے حذف کی گئی ہے یعنی اس کے لیے آخر میں اللہ کی بارگاہ میں جزاء الحسنیٰ ہے اور وہ جنت ہے، جزاء کو جنت کی طرف مضاف کیا۔ جیسے فرمایا: حَقُّ الْيَقِيْنِ (الواقعہ) اور فرمایا: وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ (یوسف: 109) اور یہ بھی احتمال ہے کہ الحسنیٰ سے مراد اعمال صالحہ ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جزاء، ذی القرنین کی طرف سے ہو یعنی میں اسے عطا کروں گا اور اس پر مہربانی کروں گا اور یہ بھی جائز ہے کہ التقاء ساکنین کی وجہ سے تنوین حذف کی گئی ہو اور الحسنیٰ بدل کی بناء پر محل رفع میں ہو یہ بصریوں کے نزدیک ہے اور کوفیوں کے نزدیک ترجمہ کی بنا پر ہے۔ ابن ابی اسحاق کی قرأت اس بناء پر ہے۔ فله جزاء الحسنیٰ منصوب اور تنوین کے ساتھ پڑھا ہے یعنی فله الحسنیٰ جزاء۔ الفراء نے کہا: جزاء تمیز کی بنا پر منصوب ہے۔ بعض نے فرمایا: مصدر کی بنا پر منصوب ہے۔ الزجاج نے کہا یہ مصدر حال کی جگہ میں ہے یعنی مجزیا بہا جزاءً۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مسروق نے فله جزاء الحسنیٰ منصوب بغیر تنوین کے پڑھا ہے؛ یہ ابوحاتم کے نزدیک ہے۔ اور تنوین کا حذف التقاء ساکنین کی وجہ سے ہے جیسے فله جزاء الحسنیٰ رفع میں ایک وجہ کے اعتبار سے۔ نحاس نے کہا: دوسروں کے نزدیک یہ خطا ہے کیونکہ یہ التقاء ساکنین کی وجہ سے تنوین کے حذف کی جگہ نہیں ہے اس کی تقدیر ہوگی: فله الثواب جزاء الحسنیٰ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ اس کا معنی گزر چکا ہے کہ اتبع اور اتّبع کا معنی ایک ہے یعنی وہ راستے اور منزل کی طرف چلا۔ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ مجاہد اور ابن محیصن نے میم اور لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، کہا جاتا ہے: طَلَعَتِ الشَّمسُ والکواکبُ طُلُوعًا و مَطْلِعًا، المطلَع والمطلِع۔ طلوع ہونے کی جگہ؛ یہ جوہری کا قول ہے اس کا معنی ہے وہ ایسی قوم کی جگہ پہنچا کہ ان کے اور سورج کے طلوع ہونے کے درمیان کوئی شخص نہیں تھا۔ سورج کے پیچھے بہت زیادہ مسافت سے طلوع ہوتا تھا یعنی معنی ہے اس قول کا بھی: وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ۔ ان کے بارے میں اختلاف ہے، وہب بن منبہ سے وہی مروی ہے جو پہلے گزر چکا ہے: یہ ایک امت ہے جسے منسک کہا جاتا ہے یہ ناسک کے مقابل تھی؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کو زنج کہا جاتا ہے (1)۔ کلبی نے کہا: یہ تارس، ہاویل اور منسک میں جو ننگے پاؤں اور برہنہ جسم رہتے تھے اور حق کا نور دیکھنے سے اندھے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ اہل جابلق ہیں یہ قوم عاد کے مومنین کی نسل سے تھے جو حضرت ہود علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔ سریانی زبان میں انہیں مرقیسا کہا جاتا ہے۔ اور جو سورج کے غروب ہونے کی جگہ کے پاس تھے وہ اہل جابرس ہیں ان دو شہروں میں سے ہر ایک شہر کے دس ہزار دروازے تھے ہر دو دروازوں کے درمیان ایک فرسخ کا فاصلہ تھا اور جابلق کے پیچھے امتیں ہیں وہ تافیل اور تارس ہیں، وہ یاجوج و ماجوج کے پڑوس میں ہیں۔ اہل جابرس اور جابلق، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے۔ شب معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے تو آپ نے انہیں دعوت

1۔ تفسیر طبری، جز 16-15، صفحہ 20

دی تو انہوں نے آپ کی دعوت قبول نہ کی، یہ سہیلی نے ذکر کیا ہے، انہوں نے کہا: میں نے یہ تمام ایک طویل حدیث سے اختصار کیا ہے جس کو مقاتل بن حیان نے عکرمہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ طبری نے مسند اً مقاتل سے روایت کی ہے۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۝ یعنی ایسا حجاب جس کے ساتھ وہ سورج کے طلوع ہونے کے وقت چھپتے۔ قتادہ نے کہا: ان کے اور سورج کے درمیان کوئی پردہ نہ تھا وہ ایسی جگہ میں تھے جہاں کوئی عمارت ٹھہرتی نہیں تھی وہ سرنگوں میں رہتے تھے حتیٰ کہ جب سورج ڈھل جاتا تھا تو وہ اپنے مال، مویشی اور کھیتوں کی طرف لوٹتے تھے یعنی وہ سورج سے نہ کسی پہاڑ کی غار میں چھپ سکتے تھے اور نہ کسی گھر میں چھپ سکتے تھے۔ امیہ نے کہا: میں نے کچھ لوگوں کو سمرقند میں پایا ہے جو ان لوگوں کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ بعض نے کہا: میں چین کی طرف چلا تو مجھے کہا گیا تیرے اور ان کے درمیان ایک دن اور ایک رات کی مسافت ہے، میں نے ایک شخص کو اجرت پر لیا تا کہ وہ مجھے وہ قوم دکھائے حتیٰ کہ میں نے صبح ان کے پاس کی، میں نے دیکھا کہ ان کا ایک شخص اپنا ایک کان نیچے بچھاتا تھا اور دوسرا کان اوپر لپیٹ لیتا تھا۔ میرا ساتھی ان سے اچھی طرح کلام کرتا تھا ہم نے ان کے ساتھ رات گزاری، انہوں نے پوچھا: تم کیسے آئے ہو؟ ہم نے کہا: ہم اس لیے آئے ہیں تا کہ دیکھیں کہ سورج کیسے طلوع ہوتا ہے؟ ہم اسی اثنا میں تھے کہ ہم نے گھنٹی کی ہیبت کی آواز سنی تو میں مدہوش ہو گیا پھر مجھے افاقہ ہوا تو وہ مجھے تیل کی مالش کر رہے تھے۔ جب پانی پر سورج طلوع ہوا تو وہ پانی پر زیتون کے تیل کی ہیبت کی طرح تھا، جب آسمان کی طرف پر تھا تو خیمہ کی مانند تھا جب مزید بلند ہوا تو انہوں نے مجھے ایک سرنگ میں داخل کیا، جب سورج بلند ہوا اور ان کے سروں سے ڈھل گیا تو وہ مچھلیوں کے شکار کے لیے نکلے وہ مچھلیوں کو سورج کے سامنے کرتے تھے تو وہ پک جاتی تھیں۔ ابن جریج نے کہا: ایک دفعہ ان کے پاس ایک لشکر آیا تو انہوں نے لشکر والوں کو کہا: سورج کے طلوع ہونے کے وقت تم یہاں نہ ہونا۔ انہوں نے کہا: ہم سورج کے طلوع ہونے تک یہاں ٹھہریں گے۔ انہوں نے کہا: یہ ہڈیاں کیسی ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ ایک لشکر کی ہڈیاں ہیں جن پر سورج طلوع ہوا تھا پس وہ مر گئے تھے۔ فرمایا: وہ زمین میں پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ حسن نے کہا: ان کی زمین ایسی تھی کہ نہ کوئی پہاڑ تھا اور نہ درخت اور ان کی زمین عمارت کو برداشت نہیں کرتی تھی جب ان پر سورج طلوع ہوتا تو وہ پانی میں اتر جاتے تھے جب سورج بلند ہو جاتا تو وہ نکل آتے تھے اور وہ جانوروں کی طرح چرتے تھے (1)۔

میں کہتا ہوں: یہ تمام اقوال اس پر دلالت کرتے ہیں کہ وہاں کوئی شہر نہیں تھا۔ بعض اوقات ان میں سے کوئی نہر میں داخل ہوتا بعض سرنگ میں داخل ہوتے۔ حسن اور قتادہ کے قول میں کوئی تضاد نہیں۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۝ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ

1۔ تفسیر طبری، جلد 15، زیر آیت ہذہ

رَبِّیْ خَیْرٌ فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ رَدْمًا ۝ اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ۝ فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَ مَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ۝ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَ كَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا ۝

''پھر وہ روانہ ہوا ایک اور راہ پر۔ یہاں تک کہ جب وہ پہنچا دو پہاڑوں کے درمیان تو پایا اس نے ان پہاڑوں کے پیچھے ایک قوم کو جو نہیں سمجھ سکتے تھے (ان کی) کوئی بات۔ انہوں نے کہا: اے ذوالقرنین! یاجوج و ماجوج نے بڑا فساد برپا کر رکھا ہے اس علاقے میں تو کیا ہم مقرر کر دیں آپ کے لیے کچھ خراج تاکہ آپ بنا دیں ہمارے درمیان اور ان کے درمیان ایک بلند دیوار۔ وہ بولا: وہ دولت جس میں میرے رب نے مجھے اختیار دیا ہے وہ بہتر ہے پس تم میری مدد کرو جسمانی مشقت سے۔ میں بنا دوں گا تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط آڑ۔ تم لے آؤ میرے پاس لوہے کی چادریں (چنانچہ کام شروع ہو گیا) یہاں تک کہ جب ہموار کر دیا گیا وہ خلا جو دو پہاڑوں کے درمیان تھا تو اس نے حکم دیا دھونکو یہاں تک کہ جب وہ لوہا آگ بنا دیا تو اس نے کہا: لے آؤ میرے پاس پگھلا ہوا تانبا کہ میں اسے اس پگھلے ہوئے لوہے پر انڈیلوں۔ سو (یاجوج و ماجوج) بڑی کوشش کے باوجود اسے سر نہ کر سکے اور نہ ہی اس میں سوراخ کر سکے۔ ذوالقرنین نے کہا: یہ میرے رب کی رحمت ہے (کہ اس نے مجھے یہ توفیق بخشی) اور جب آ جائے گا تیرے رب کا وعدہ تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ (پختہ) سچا ہوا کرتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ یہ ارمینہ اور آذربیجان کی طرف سے دو پہاڑ ہیں۔ عطا خراسانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: بَیْنَ السَّدَّیْنِ سے مراد ارمینہ اور اذربیجان کے پہاڑ ہیں (1)۔ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا۔ یعنی ان پہاڑوں کے پیچھے قَوْمًا ۙ لَّا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۝ ایسی قوم پائی جو نہیں سمجھ سکتی تھی (ان کی) کوئی بات۔ حمزہ اور کسائی نے یُفْقِهُوْنَ کو یاء کے ضمہ اور قاف کے کسرہ کے ساتھ افقه سے مشتق کر کے پڑھا ہے۔ جس کا معنی ہے ظاہر کرنا یعنی وہ دوسروں کو کلام نہیں سمجھا سکتے تھے۔ اور باقی قراء نے یاء اور قاف کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی وہ نہیں جانتے تھے۔ دونوں قراتیں صحیح ہیں وہ غیر کی بات سمجھتے تھے اور نہ غیر کو سمجھاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالُوْا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ۔ یعنی ایک صالح قوم نے اسے کہا: اِنَّ یَاْجُوْجَ وَ مَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ اخفش نے کہا: یأجوج ہمزہ کے ساتھ ہے اور دونوں الفوں کو اصل سے بنایا ہے انہوں نے کہا: یاجوج کا وزن یفعول ہے اور ماجوج کا وزن مفعول ہے گویا یہ أجیج النار سے مشتق ہیں۔ اور جو مہموز نہیں بناتے وہ دونوں الفوں کو زائد بناتے

1۔ تفسیر طبری، جز 16-15، صفحہ 22

ہیں وہ کہتے ہیں: یاجوج یججٹ سے ہے اور ماجوج مججٹ سے ہے اور یہ دونوں غیر منصرف ہیں۔ روبہ نے کہا:

لوأن　یاجوجَ　وماجوجَ　مَعَا　وَعادَ　عادٌ　واستجاشوا　تُبَّعَا

یہ جوہری نے ذکر کیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: دونوں غیر منصرف ہیں کیونکہ دونوں اسم عجمی ہیں جیسے طالوت اور جالوت، غیر مشتق ہیں ان کے غیر منصرف ہونے کے اسباب عجمہ اور تعریف اور تانیث ہیں اور ایک جماعت نے کہا: یہ أجّ اور أجّجَ سے مشتق ہو کر معرب ہیں۔ ان کے غیر منصرف ہونے کی علتیں تعریف اور تانیث ہیں۔ ابو علی نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یہ دونوں عربی لفظ ہوں جس نے ہمزہ سے یأجوج پڑھا ہے یہ اس کے نزدیک یربوع کی طرح یفعول کے وزن پر ہو جیسے تیرا قول ہے: اجت النار، اسی سے الاجیج ہے، یعنی روشن کی گئی آگ اسی سے ملح أجاج ہے۔ اور جس نے ہمزہ سے نہیں پڑھا ممکن ہے اس نے ہمزہ میں تخفیف کر کے اسے الف سے بدل دیا ہو جیسے راس ہے۔ رہا یاجوج یہ أجّ سے مفعول کے وزن پر ہے دونوں کلمے اشتقاق میں ایک اصل سے ہیں اور جس نے ہمزہ سے نہیں پڑھا جائز ہے کہ اس نے ہمزہ میں تخفیف کی ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ مَجّ سے فاعول کے وزن پر ہو اور تانیث اور تعریف کی وجہ سے غیر منصرف ہے گویا یہ قبیلہ کا اسم ہے ان کے فساد میں اختلاف ہے۔ سعید بن عبدالعزیز نے کہا: ان کا (فساد برپا کرنا یہ تھا کہ وہ) بنی آدم کو کھاتے تھے۔ ایک جماعت نے کا ان کا افساد متوقع ہے یعنی وہ فساد کریں، پس انہوں ان سے بچاؤ کی وجہ کو تلاش کیا۔ ایک جماعت نے کہا: ان کا افساد ظلم، زیادتی، قتل اور وہ تمام شر انگیزیاں ہیں جو انسانیت میں معروف ہیں۔ واللہ اعلم۔ یاجوج، ماجوج کی صفات، ان کے خروج کے بارے میں اخبار وارد ہیں۔ وہ یافث کی اولاد سے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے ہوئے، سام، حام اور یافث، پھر سام سے عرب، فارس اور روم پیدا ہوئے اور ان میں خیر ہے۔ یافث سے یاجوج، ماجوج، ترک اور صقالبہ پیدا ہوئے اور ان میں خیر نہیں ہے۔ اور حام سے قبط، بربر اور سودان پیدا ہوئے''۔ کعب احبار نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام کو احتلام ہوا ان کا پانی مٹی سے ملا تو انہوں نے افسوس کیا پس اس پانی سے یاجوج ماجوج پیدا کیے گئے۔ یہ باپ کی طرف سے ہمارے ساتھ متصل ہیں اور ماں کی طرف سے متصل نہیں اس میں نظر ہے کیونکہ انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم وسلامہ کو احتلام نہیں ہوتا۔ یہ یافث کی اولاد سے ہیں؛ اسی طرح مقاتل وغیرہ نے کہا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''ان کا کوئی آدمی فوت نہیں ہوتا حتی کہ اس کی پشت سے ہزار افراد پیدا ہو چکے ہوتے ہیں یعنی یاجوج و ماجوج''۔ حضرت ابوسعید نے کہا: یاجوج و ماجوج کے علاوہ یہ پچیس قبائل ہیں ان میں سے اور یاجوج و ماجوج میں سے کوئی شخص فوت نہیں ہوتا حتی کہ اس کی پشت سے ہزار آدمی پیدا ہو چکے ہوتے ہیں؛ یہ قشیری نے ذکر کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یاجوج و ماجوج کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یاجوج اور ماجوج دو امتیں ہیں ہر امت چار لاکھ امت ہے ان کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، ان میں سے کوئی شخص نہیں مرتا حتی کہ اسکے اس کی صلب سے ہزار افراد پیدا ہو چکے ہوتے ہیں، تمام کے تمام ہتھیار اٹھا چکے ہوتے ہیں''۔ عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے ان کی صفت بیان فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: ''وہ تین قسمیں ہیں ان میں سے ہر صنوبر کے درخت کی مثل ہے، ایک درخت شام میں ہے اس درخت کی لمبائی ایک سو بیس ہاتھ ہے۔ ایک قسم وہ ہے جس کا عرض اور طول برابر ہے جیسے ہاتھ ہے۔ ایک قسم وہ ہے جو ایک کان بچھونا بناتے ہیں اور دوسرے کان کو لحاف بناتے ہیں وہ کسی ہاتھی، وحشی اور خنزیر سے گزرتے ہیں تو اسے کھا جاتے ہیں اور جو ان میں سے مر جاتا ہے اسے بھی کھا جاتے ہیں ان کا مقدمہ شام میں ہوگا اور ان کا ساقہ خراسان میں ہوگا۔ وہ مشرق کی نہریں اور بحیرہ طبریہ کو پی جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اور بیت المقدس سے روک لے گا'' (1)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان میں سے ایک قسم لمبائی میں ایک بالشت ہے ان کے پنجے ہیں اور درندوں جیسی کچلیاں ہیں، کبوتر کی طرح بلاتے ہیں، جانوروں کی طرح جفتی کرتے ہیں اور بھیڑیوں کی طرح غراتے ہیں اور ان کے بال انہیں گرمی اور سردی سے بچاتے ہیں اور ان کے بڑے بڑے کان ہیں۔ ایک وبرہ ہے جس میں وہ سردیاں گزارتے ہیں اور دوسرا جلدہ ہے جس میں وہ گرمیاں گزارتے ہیں وہ دیوار کو کھودتے ہیں حتیٰ کہ وہ سوراخ کرنے کے قریب پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پھر اسے پہلے کی طرح بھر دیتا ہے حتیٰ کہ وہ کہیں گے: کل ان شاء اللہ ہم اس کا سوراخ مکمل کریں گے اور باہر نکل آئیں گے، لوگ اپنے قلعوں میں پناہ لیں گے وہ آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے وہ تیر ان کی طرف خون میں لت پت لوٹایا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ انہیں اس کیڑے سے ہلاک کرے گا جو ان کی گردنوں میں نکلے گا؛ یہ غزنوی نے ذکر کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ ''یاجوج ایک امت ہے اس کے چار سو امیر ہیں اور اسی طرح ماجوج ہے ان کا کوئی فرد نہیں مرتا حتیٰ کہ وہ اپنی اولاد سے ہزار شہسوار دیکھ لیتا ہے''۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے (2) جسے ابن ماجہ نے سنن میں تخریج کیا ہے فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یاجوج و ماجوج ہر روز دیوار کو کھودتے ہیں جب وہ سورج کی شعاع دیکھنے کے قریب پہنچ جاتے ہیں تو ان کے اوپر جو مسلط ہوتا ہے وہ کہتا ہے: اب واپس چلے جاؤ باقی کل کھودنا تو اللہ تعالیٰ اسے پہلے سے زیادہ مضبوط کر کے بھر دیتا ہے حتیٰ کہ جب ان کی مدت پوری ہوگی اور اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں پر بھیجنے کا ارادہ کرے گا تو وہ دیوار کو کھودیں گے حتیٰ کہ سورج کی شعاع دیکھنے کے قریب پہنچ جائیں گے تو وہ کہے گا: اب واپس چلے جاؤ پھر کل ان شاء اللہ تم اسے کھودو گے پس وہ ان شاء اللہ کہیں گے تو پھر وہ لوٹ کر اس کی طرف آئیں گے تو وہ اسی طرح ہوگی جس طرح وہ چھوڑ کر گئے ہوں گے وہ پھر اسے کھودیں گے اور لوگوں پر نکل آئیں گے وہ سارا پانی نکالیں گے لوگ اپنے قلعوں میں اپنا بچاؤ کریں گے پھر وہ اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے تو ان پر خون لوٹے گا''۔ الذی احفظہ۔

پس وہ کہیں گے: ہم اہل زمین پر غالب آ گئے اور ہم اہل آسمان پر بھی غالب آ گئے۔ اللہ تعالیٰ ان پر ایک کیڑا مسلط فرمائے گا جو ان کی گدیوں میں پیدا ہوگا پس اللہ تعالیٰ انہیں اس کے ذریعے قتل کر دے گا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! زمین کے کیڑے یاجوج و ماجوج کا گوشت کھانے کی وجہ سے موٹے

1۔ معالم التنزیل، جلد 3، صفحہ 597　　2۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 5، صفحہ 2195

ہو جائیں گے اور خوب خون سے بھر جائیں گے"(1)۔ جوہری نے کہا: شَكِرَتِ النَّاقَةُ تَشْكَرُ شكراً فهي شَكِرَةٌ واشكر الضرعُ امتلاء لبناً۔ یعنی اونٹنی کی کھیری دودھ سے بھر گئی۔ وہب بن منبہ نے کہا: ان کو ذوالقرنین نے دیکھا ان میں سے ایک کے قد کی لمبائی ہم میں سے درمیانے قد والے شخص کے نصف کے برابر تھی۔ ان کے ناخنوں کی جگہ پنجے تھے۔ اور ان کی درندوں کی طرح داڑھیں اور کچلیاں اور اونٹوں کی طرح ان کے جبڑے تھے وہ بالوں والے تھے ان پر اتنے بال تھے کہ وہ انہیں چھپا دیتے تھے، ہر ایک کے بڑے بڑے کان تھے۔ ایک کان کو لحاف بناتے اور دوسرے کان کو بچھونا بناتے تھے۔ ان میں ہر ایک کی عمر معلوم نہیں ان میں سے کوئی نہیں مرتا حتیٰ کہ اس کی پشت سے ہزار مرد پیدا ہو جاتے تھے۔ اگر وہ مذکر ہوتا تھا اور اس کے رحم سے ہزار مؤنث پیدا ہو جاتے تھے اگر وہ مونث ہوتی۔ سدی اور ضحاک نے کہا: ترک، یاجوج و ماجوج سے ایک جماعت ہے جو ان سے نکلی ہے تبدیل ہو چکی ہے۔ ذوالقرنین آیا تو اس نے دیوار تعمیر کی پس وہ دیوار کی دوسرے جانب ہیں۔ سدی نے کہا: وہ دیوار اکیس قبائل پر بنائی گئی ہے۔ ان میں سے ایک قبیلہ دیوار سے باہر رہ گیا اور وہ ترک ہیں؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: جب یہ ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترکوں کی اسی طرح صفت بیان کی جس طرح یاجوج و ماجوج کی بیان کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ مسلمان ترکوں سے لڑیں گے وہ ایسی قوم ہے جن کے چہرے ایسی ڈھالوں کی طرح ہیں جن پر تہہ در تہہ کھالیں چڑھائی گئی ہوں، وہ بالوں کا لباس پہنیں گے اور بالوں میں چلیں گے"(2)۔ ایک روایت میں ہے "وہ بالوں کے جوتے بنائیں گے"۔ اس حدیث کو مسلم، ابوداؤد وغیرہما نے روایت کیا ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کثرت تعداد اور ان کی شوکت کی حدت جان لی تو فرمایا: "ترکوں کو چھوڑے رکھو جس وقت تک وہ تمہیں چھوڑے رہیں (3) ان سے اس وقت اتنی امتیں نکلیں جن کی تعداد کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور مسلمانوں سے انہیں صرف اللہ تعالیٰ نے ہی روکا حتیٰ کہ گویا وہ یاجوج و ماجوج ہیں یا ان کا مقدمہ ہیں"۔ ابوداؤد نے ابوبکرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت سے کچھ لوگ کھلی ہموار جگہ پر اتریں گے جو نہر کے پاس ہے وہ اس جگہ کو بصرہ کہیں گے اور اس نہر کو دجلہ کہا جاتا ہوگا اس کے اوپر ایک پل ہوگا اس کے رہنے والے زیادہ ہوں گے اور وہ مہاجرین کے شہروں سے ہوگا"۔ ابن یحییٰ نے کہا: ابومعمر نے کہا: یہ آخر زمانہ میں ہوگا۔ بنو قنطورا جوڑے ہوئے مونہوں والے، چھوٹی آنکھوں والے آئیں گے حتیٰ کہ وہ نہر کے کنارے اتریں گے پھر وہ لوگ تین فرقوں میں بٹ جائیں گے۔ ایک فرقہ گائیوں کی دم پکڑے گا اور بریت کو اختیار کرے گا اور وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ ایک گروہ اپنے نفسوں کو اختیار کرے گا اور وہ کفر کریں گے اور ایک فرقہ اپنی عورتوں اور بچوں کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے رکھے گا اور وہ ان سے لڑیں گے اور وہ شہداء ہیں۔ بنو قنطورا سے مراد ترک ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ قنطوراء ایک لونڈی کا نام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تھی اس سے آپ کی اولاد ہوئی تو ان کی

1۔ تفسیر ابن کثیر، صفحہ 2193۔ ابن ماجہ، باب ومن سورۃ الکھف، حدیث 4069۔ جامع ترمذی باب فتنۃ الدجال، حدیث نمبر 3078

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، جلد 2، صفحہ 235۔ سنن ابی داؤد، باب فی قتال الترک، 3749

3۔ سنن ابی داؤد، باب فی النھی عن تھییج الترک والحبشۃ، حدیث نمبر 3748

نسل سے تُرک ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا۝ اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا۔ یہ استفہام حسن ادب کے اعتبار سے ہے۔ خرجاً کا معنی ہے کچھ مال، خراجاً بھی پڑھا گیا ہے۔ الخرج، الخراج سے خاص ہے۔ کہا جاتا ہے: اَدِّ خَرْجَ رأسك وخراج مدینتك۔ ازہری نے کہا: الخراج کا اطلاق ٹیکس پر ہوتا ہے اور مال فیٔ پر بھی ہوتا ہے اور جزیہ پر بھی ہوتا ہے اور غلہ پر بھی ہوتا ہے اور الخراج اس کو کہا جاتا ہے جو اموال میں سے فرضی حصہ نکالا جاتا ہے اور الخراج مصدر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا۝ یعنی ردم (دیوار)، ردم اس کو کہتے ہیں جس کا بعض بعض پر جوڑا گیا ہوحتیٰ کہ وہ مل جائے۔ ثوب مردم وہ کپڑا جو جوڑا گیا ہو؛ ہروی کا یہ قول ہے، کہا جاتا ہے: ردمت الثلمة اردمها ردماً۔ میں سوراخ بند کر دیا۔ الردم اسم ہے اس کا معنی دیوار بھی ہے۔ بعض نے فرمایا: الردم، السد سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ السد ہر وہ چیز ہوتی ہے جس کے ساتھ روکا جائے اور الردم کا معنی ہے کسی چیز کو کسی چیز پر رکھنا خواہ پتھر ہو، مٹی ہو یا کوئی اور چیز ہوحتیٰ کہ اس کے ساتھ مضبوط پردہ بن جائے گا اسی سے ردم ثوبه۔ جب اس پر مزید کپڑے لگائے جائیں بعض بعض پر جڑے ہوئے ہوں۔ اسی سے عنترہ کا قول ہے:

هل غادر الشعراء من متردمِ

یعنی ایسا قول جس کا بعض بعض پر مرکب کیا گیا ہو۔ اور سَدًّا سین پر فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ خلیل اور سیبویہ نے کہا: سین کے ضمہ کے ساتھ اسم ہے اور فتحہ کے ساتھ مصدر ہے۔ کسائی نے کہا: ضمہ اور فتحہ کے ساتھ دونوں لغتیں ہیں دونوں کا معنی ایک ہے۔ عکرمہ، ابوعمرو بن العلاء اور ابوعبیدہ نے کہا: جو اللہ کی تخلیق سے ہو اس میں کوئی کسی عمل سے شریک نہ ہو تو وہ ضمہ کے ساتھ ہے اور جو بشر کے عمل سے ہو وہ فتحہ کے ساتھ ہے۔ اس قول والوں کو سدًا سین کے فتحہ کے ساتھ پڑھنا واجب ہے اور اس سے پہلے بین السد بین ضمہ کے ساتھ پڑھنا واجب ہے؛ یہ حمزہ اور کسائی کی قرأت ہے۔ ابوحاتم نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، ابوعبیدة کے قول کا برعکس مروی ہے، ابن ابی اسحاق نے کہا: جس کو تیری آنکھیں دیکھیں وہ سُدّ (ضمہ کے ساتھ) ہے اور جس کو آنکھیں نہ دیکھیں وہ سَدّ (سین کے فتحہ کے ساتھ) ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں جیل خانے بنانا اور فسادیوں کو ان میں قید کرنا اور انہیں تصرف سے روک دینا جائز ہے اور ان فسادیوں کو اپنے حال پر نہیں رہنے دیا جائے گا بلکہ ان کو سزا دی جائے گی یا ان سے ضامن لیے جائیں گے اور انہیں چھوڑ دیا جائے گا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ یہ ذوالقرنین نے ان لوگوں کو کہا: جو اللہ تعالیٰ نے مجھے قدرت اور ملک عطا فرمایا وہ تمہارے خراج اور مال سے بہتر ہے لیکن تم بدنی قوت سے میری مدد کرو، یعنی مردوں کے ساتھ اور بدنی عمل کے

ساتھ اور اس آلہ کے ساتھ میری مدد کرو جس کے ساتھ میں وہ دیوار تیار کروں۔ اس کلام میں ذی القرنین کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید ہے کیونکہ اگر لوگ خراج جمع کرتے تو کوئی اس کی مدد نہ کرتا اور وہ دیوار کی تعمیر اس کے سپرد کر دیتے اور ان کا اپنے جسموں سے مدد کرنا اس عمل کو جلدی مکمل کر کے اور خوبصورت بنانے کا باعث تھا اور جو انہوں نے اس کے لیے ذکر کیا وہ خراج سے زیادہ تھا۔ ابن کثیر نے مامکنني، دونوں کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے مامکنی فیه ربی پڑھا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ بادشاہ پر فرض ہے کہ وہ اپنی رعیت کی حفاظت کرے اور ان کی ضروریات کو پورا کرے اور ان کی سرحدوں کی اصلاح کرے، ان کے مال سے جو ان پر لازم کیے گئے ہیں اور ان حقوق سے جو اس کے ذریعے ان کے خزانہ میں جمع ہیں حتیٰ کہ اگر حقوق اس خزانہ کو ختم بھی کر دیں اور ضروریات اسے صفر تک پہنچا دیں تو ان کے اموال سے جبراً ٹیکس لیا جائے گا اور بادشاہ پر ضروری ہے کہ وہ رعیت کے بارے میں عمدہ اور بہتر انداز میں غور و فکر کرے۔ یہ تین شروط کے ساتھ ہے (i) وہ کسی چیز کے ساتھ اپنے آپ کو ترجیح نہ دے (ii) پہلے اس مال سے حاجت مندوں پر خرچ کرے اور ان کی مدد کرے (iii) ہر ایک کو اس کی قدر و منزلت کے مطابق عطا کرے۔ اس کے بعد اگر مال ختم ہو جائے اور خزانہ خالی ہو جائے اور حوادثات ظاہر ہوں تو بادشاہ لوگوں کو اموال کے خرچ کرنے سے پہلے اپنے جسموں کو پیش کرنے کے لیے کہے اگر جسمانی طاقت سے کام نہ چلے تو پھر تدبیر کے تصرف و تقدیر پر ان سے اموال لیے جائیں گے۔ جب ذوالقرنین پر ان لوگوں نے مال پیش کیا تاکہ وہ ان سے یاجوج و ماجوج کی زیادتی کو روکے تو اس نے کہا: مجھے مال کی ضرورت نہیں مجھے تمہاری افرادی قوت کی ضرورت ہے۔ **فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ** یعنی میرے ساتھ تم جسمانی خدمت بجالاؤ۔ اموال میرے پاس ہیں اور جسمانی قوت تمہارے پاس ہے۔ اس نے دیکھا کہ ان کے مال مفید نہیں کیونکہ ان کے اموال کو اجرت کے طور پر لے گا تو جس کام کی ضرورت ہے وہ اس سے کم ہیں، پھر ان پر اجر لوٹے گا، پس بدنی خدمت خود اپنی طرف سے پیش کرنا بہتر ہے۔ ضابطہ یہ ہے کہ کسی سے کام لینا حلال نہیں مگر ضرورت کے لیے جو لاحق ہوتی ہے اس سے وہ مال جہراً لیا جائے گا خفیۃً نہیں اور مال وہ عدل کے ساتھ خرچ کرے گا، ترجیحات کے اعتبار سے نہیں، جماعت کی رائے سے خرچ کرے گا نہ کہ اپنی مرضی سے۔ اللہ تعالیٰ درست سمت کی توفیق دینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **آتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ** تم مجھے لوہے کی چادریں دو اس نے انہیں آلات نقل کرنے کا حکم دیا یہ تمام اس عطیہ کا طلب کرنا ہے جو ہبۃ کے معنی میں نہیں ہے یہ لینے کے لیے استدعا ہے کیونکہ اس نے ان سے خراج نہ لینے کے قول پر مرتب کیا ہے۔ پس صرف مناولت کی صورت ہی باقی رہ جاتی ہے اور بدنی اعمال کی ضرورت رہ جاتی ہے۔ زبر الحدید۔ لوہے کے ٹکڑے۔ اس کلمہ کی اصل اجتماع ہے اس سے زبرۃ الأسد ہے۔ شیر کے کندھے کے جمع شدہ بالوں کو کہتے ہیں۔ زبرتُ الکتابَ، یعنی میں نے کتاب کو لکھا اور اس کے حروف کو جمع کیا، ابوبکر اور مفضل نے ردما ایتونی پڑھا ہے۔ یہ الاتیان سے ہے جس کا معنی ہے آنا، یعنی میرے پاس لوہے کی چادریں لے آؤ۔ جب حرف جر ساقط ہو تو فعل کو نصب دیا گیا جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

أَمَرْتُكَ الْخَيْرَ

حرف جر کو حذف کیا گیا اور فعل کو نصب دی گئی۔ جمہور نے زبر۔ (فاء کے فتحہ) کے ساتھ پڑھا ہے۔ حسن نے اس کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ تمام زبرۃ کی جمع ہے اس سے مراد لوہے کا بڑا ٹکڑا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى، یعنی جب دیوار کھڑی ہوگئی، دیوار کے لفظ کو حذف کر دیا کیونکہ کلام اس پر دلالت کر رہا ہے۔ بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ۔ ابو عبیدہ نے کہا: یہ پہاڑ کی دونوں طرفیں ہیں۔ اس کو یہ نام اس لیے دیا جاتا ہے کیونکہ یہ آپس میں ملی ہوئی ہوتی ہیں؛ یہ زہری کا قول ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کیونکہ [illegible] دوسری طرف سے اعراض کیے ہوئے ہے۔ یہ الصدوف سے مشتق ہے، شاعر نے کہا:

كِلَا الصَّدَفَيْنِ يَنْفُذُهُ سَنَاهَا تَوَقَّدُ مِثْلَ مِصْبَاحِ الظَّلَامِ

بلند عمارت کو بھی الصدف کہتے ہیں۔ صدف کو پہاڑ کی طرف سے تشبیہ دی گئی ہے۔ حدیث شریف میں ہے: ''جب جھکی ہوئی بلند منزل سے گزرتے تو تیز چلتے'' (1)۔ ابو عبیدہ نے کہا: الصدف اور الهدف ہر بلند عمارت کو کہتے ہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: الصدفان سے مراد وہ دو پہاڑ ہیں جو آمنے سامنے ہوتے ہیں (2)۔ ان کو صدفان کہتے ہیں کیونکہ ہر ایک دوسرے کے سامنے ہوتا ہے۔ نافع، حمزہ اور کسائی نے الصدفین یعنی صاد کے فتحہ اور شد کے ساتھ اور دال کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ قرأت حضرت عمر بن خطاب اور عمر بن عبدالعزیز کی ہے؛ یہ ابو عبیدہ کی مختار قرأت ہے اور یہ مشہور لغت ہے۔ ابن کثیر، ابن عامر اور ابو عمرو نے الصدفین صاد اور دال کے ضمہ کے ساتھ پڑھا۔ عاصم نے ابو بکر کی روایت میں الصدفین یعنی صاد کے ضمہ اور دال کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ جیسے الجُرُف اور الجُرْف۔ یہ تخفیف ہے، ابن ماجشون نے صاد کے فتحہ اور دال کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ قتادہ نے بین الصدفین، صاد کے فتحہ اور دال کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ تمام کا معنی ایک ہے دو پہاڑ جو مقابل ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ انْفُخُوْا۔ یعنی دھونکنیوں کے ساتھ لوہے کے ٹکڑوں پر پھونکو۔ وہ انہیں لوہے کے ٹکڑے اور پتھر کے ٹکڑوں کو رکھنے کا حکم دیتا تھا پھر ان پر ایندھن اور کوئلہ رکھا جاتا تھا اور دھونکنیوں کے ذریعے آگ جلائی جاتی تھی حتیٰ کہ وہ لوہا گرم ہو جاتا تھا۔ لوہے کو جب گرم کیا جاتا تو وہ آگ کی طرح ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا۔ سے یہی مراد ہے پھر پگھلا ہوا تانبا، رصاص یا لوہا لایا جاتا تھا (قطر میں اختلاف کی بناء پر) اسے ان لوہے کی گرم تہہ در تہہ رکھی ہوئی چادروں پر ڈالا جاتا تھا جب وہ جڑ جاتا تھا اور ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتا تھا تو پھر دوسری چادر ڈالی جاتی تھی یہاں تک کہ عمل مکمل ہوا اور مضبوط پہاڑ سا بن گیا۔ قتادہ نے کہا: وہ یمنی چادر کی طرح تھا ایک لائن زرد اور ایک لائن سرخ تھی۔ روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور کہا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں نے یاجوج و ماجوج کی دیوار دیکھی ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو نے کیسی دیکھی ہے؟'' اس نے کہا: میں نے وہ یمنی دھاری دار چادر کی طرح دیکھی ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو نے واقعی دیکھی ہے'' (3)۔ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا۔ کا معنی ہے جب وہ آگ کی

1۔ غریب الحدیث، جلد 1، صفحہ 77
2۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 543
3۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، ذکر یاجوج ماجوج، جلد 1، صفحہ 472

طرح ہو گیا۔ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا۔ کا معنی ہے تم مجھے قطر (تانبا) دو میں اس پر انڈیلوں۔ اس میں تقدیم وتاخیر ہے اور جس نے اُتونی پڑھا ان کے نزدیک اس کا معنی ہے تم آؤ میں اس پر تانبا ڈالوں۔ القطر اکثر مفسرین کے نزدیک پگھلا ہوا تانبا ہے اس کی اصل القطر ہے کیونکہ جب وہ پگھلایا جاتا ہے تو اس طرح اس کے قطرے گرتے ہیں جیسے پانی کے قطرے گرتے ہیں۔ ایک جماعت نے کہا: اس سے مراد پگھلا ہوا لوہا ہے۔ ایک جماعت نے کہا: ان میں سے ابن الانباری بھی ہے کہ قطر سے مراد پگھلا ہوا تانبا ہے۔ یہ قطر یقطر قطراً سے مشتق ہے۔ اسی سے ہے وَ اَسَلْنَا لَهٗ عَیْنَ الْقِطْرِ (سبا: 12) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَا اسْتَطَاعُوْۤا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَ مَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا۔ یعنی یاجوج وماجوج اس پر چڑھ نہ سکے کیونکہ وہ چکنی اور پہاڑ جتنی بلند تھی کہ پہاڑ بلند تھا اس کو عبور کرنے کا قصد نہیں کیا جاتا تھا اس دیوار کی بلندی دو سو ہاتھ تھی اور چوڑائی پچاس ہاتھ تھی۔ روایت ہے کہ اس کا طول دو پہاڑوں کی طرفوں کے درمیان تھا (یعنی) سو فرسخ اور عرض پچاس فرسخ؛ وہب بن منبہ نے یہی کہا ہے۔ وَ مَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا۔ اس کے عرض اور مضبوطی کی وجہ سے یاجوج وماجوج سوراخ نہ کر سکے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: "آج یاجوج وماجوج کی دیوار سے اس کی مثل کھل گیا ہے"۔ وہب بن منبہ نے اپنے ہاتھ سے نوے کا عقد بنایا۔ ایک روایت میں ہے: انہوں نے انگوٹھے اور ساتھ والی انگلی سے حلقہ بنایا۔۔۔۔ الخ۔ یحییٰ بن سلام نے سعد بن ابی عروبہ سے انہوں نے قتادہ سے انہوں نے ابورافع سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یاجوج وماجوج ہر روز دیوار کو پھاڑتے ہیں حتیٰ کہ جب وہ سورج کی شعاع دیکھنے کے قریب پہنچتے ہیں تو ان کا نگران کہتا ہے: اب لوٹ جاؤ باقی تم کل پھاڑو گے۔ پس اللہ تعالیٰ اسے پہلے سے زیادہ مضبوط کر کے لوٹا دیتا ہے حتیٰ کہ جب ان کی مدت پوری ہو گی اور اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں پر بھیجنے کا ارادہ فرمائے گا تو وہ دیوار کو کھودیں گے حتیٰ کہ جب سورج کی شعاع دیکھنے کے قریب ہوں گے تو ان کا نگران انہیں کہے گا: ان شاء اللہ کل تم اسے پھاڑو گے۔ وہ دوسرے دن اس کی طرف آئیں گے تو وہ اسے اسی ہیئت میں پائیں گے جس ہیئت میں چھوڑ کر گئے ہوں گے، پس وہ اسے پھاڑ دیں گے اور لوگوں پر نکل آئیں گے" (1) (الحدیث)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَا اسْطَاعُوْۤا طاء کی تخفیف کے ساتھ جمہور کی قرأت ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ لغت استطاعوا کے معنی میں ہے۔ بعض نے فرمایا: بلکہ یہ استطاعوا ہی تھا عربوں کے کلام میں کثرت سے موجود ہے حتیٰ کہ بعض نے اس سے تاء حذف کر دی اور انہوں نے کہا: اسطاعوا۔ اور بعض نے طاء حذف کر دی اور کہا: استاع یستیع بمعنی استطاع یستطیع یہ مشہور لغت ہے۔ صرف حمزہ نے اسے فما اسطاعوا یعنی طاء کی شد کے ساتھ پڑھا ہے گویا اس نے استطاعوا کا ارادہ کیا پھر تاء کو طاء میں ادغام کر دیا ہے اور اسے مشدد کر دیا۔ یہ ضعیف قرأت ہے۔ ابوعلی نے کہا: یہ جائز نہیں ہے۔ اعمش نے فما استطاعوا ان یظهروہ وما استطاعوا لہ نقبا۔ پڑھا ہے دونوں جگہ تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ اس کا قائل ذوالقرنین ہے هذا کے ساتھ اس دیوار کی طرف اور اس

1۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 544-543

پر قوت اور یاجوج و ماجوج کے ضرر کو دفع کرنے میں اس سے انتفاع کی طرف اشارہ کیا۔ ابن ابی عبلہ نے ھذہ رحمۃ من ربی پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ۔ یعنی قیامت کا دن آئے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: جب یاجوج و ماجوج کے خروج کا دن آئے گا جَعَلَهٗ دَكَّآءَ تو اسے زمین کے برابر کر دے گا اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا (الفجر) ابن عرفہ نے کہا: اس کا مطلب ہے وہ اس طرح برابر کر دی جائے گی کہ اس میں کوئی ٹیلہ نہ ہوگا، اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جَعَلَهٗ دَكَّآءَ۔ ایسی اونٹنی جس کی کہان ختم ہوگئی ہو۔ قتبی نے کہا: اس دیوار کو زمین کے برابر بنا دے گا۔ کلبی نے کہا: اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا۔ شاعر نے کہا:

هل غير غادٍ دكَّ غاراً فانهدم

ازہری نے کہا: کہا جاتا ہے: دککتہ یعنی دققتہ۔ ریزہ ریزہ کرنا۔ جس نے دکاء پڑھا ہے اس نے یہ ارادہ کیا ہے کہ پہاڑ کو برابر زمین بنا دے گا اس سے مراد وہ ٹیلہ ہے جو پہاڑ کی اونچائی کو نہ پہنچتا ہو۔ اس کی جمع دکاوات ہے۔ حمزہ، عاصم اور کسائی نے دکاء مد کے ساتھ پڑھا ہے اور الناقۃ الدکاء (بے کوہان اونٹنی) کے ساتھ تشبیہ کی بناء پر۔ اس کلام میں حذف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے: جعلہ مثل دکاء۔ اس تقدیر کی بناء پر حذف ضروری ہے کیونکہ السد مذکر ہے اس کی صفت دکاء نہیں ہو سکتی اور جنہوں نے دکا پڑھا ہے تو یہ دک یدک کا مصدر ہوگا جب کوئی چیز گرا دی جائے اور چور کر دی جائے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ جعل بمعنی خلق ہو اور دکاً پر نصب حال کی بنا پر ہو، اسی طرح جنہوں نے مد کے ساتھ پڑھا ہے اس کی نصب کے دو احتمال ہیں۔

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿٩٩﴾ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ﴿١٠٠﴾ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿١٠١﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْۤ اَوْلِيَآءَ ؕ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْۤا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿١٠٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿١٠٨﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿١٠٩﴾ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

''اور ہم واگزار کردیں گے بعض کو اس دن کہ وہ (تند موجوں کی طرح) دوسروں میں گھس جائیں گے اور صور پھونکا جائے گا تو ہم سب کو اکٹھا کردیں گے۔ اور ہم ظاہر کردیں گے جہنم کو اس دن کفار کے لیے بالکل عیاں۔ وہ کافر جن کی آنکھوں پر پردے پڑے تھے میری یاد سے اور جو (کلمہ حق) سن بھی نہیں سکتے تھے۔ کیا گمان کرتے ہیں کفار کہ وہ بنالیں گے میرے بندوں کو میرے بغیر اپنا حمایتی؟ (یہ ناممکن ہے) بیشک ہم نے تیار کر رکھا ہے جہنم کو کفار کی رہائش کے لیے۔ فرمایئے: (اے لوگو) کیا مطلع کریں تمہیں ان لوگوں پر جو اعمال کے لحاظ سے گھاٹے میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری جدوجہد دنیوی زندگی کی آراستگی میں کھو کر رہ گئی اور یہ خیال کر رہے ہیں کہ وہ کوئی بڑا عمدہ کام کر رہے ہیں، یہی وہ (بدنصیب) ہیں جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیتوں کا اور اس کی ملاقات کا تو ضائع ہوگئے ان کے اعمال تو ہم ان (کے اعمال تولنے) کے لیے روز قیامت کوئی ترازو نصب نہیں کریں گے۔ یہ ہے ان کی جزا جہنم اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور رسولوں کو مذاق بنالیا۔ یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل (بھی) کرتے رہے تو فردوس کے باغات ان کی رہائش گاہ ہوں گے۔ وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں (اور) نہیں چاہیں گے کہ وہ اس جگہ کو بدل لیں۔ (اے حبیب!) آپ فرمایئے کہ اگر ہو جائے سمندر روشنائی میرے رب کے کلمات (لکھنے) کے لیے تو ختم ہو جائے گا سمندر اس سے پیشتر کہ ختم ہوں میرے رب کے کلمات اور اگر ہم لے آئیں اتنی اور روشنائی اس کی مدد کو (تب بھی ختم نہ ہوں گے)۔ (اے پیکر رعنائی وزیبائی) آپ فرمایئے کہ میں بشر ہی ہوں تمہاری طرح وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ تمہارا خدا صرف اللہ وحدہ ہے، پس جو شخص امید رکھتا ہے اپنے رب سے ملنے کی تو اسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ۔ تَرَكْنَا میں ضمیر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے یعنی ہم جن وانس کو قیامت کے روز واگزار کردیں گے وہ (تند موجوں کی طرح) ایک دوسروں میں گھس جائیں گے۔ بعض نے کہا: ہم یاجوج وماجوج کو واگزار کردیں گے۔ يَوْمَئِذٍ اس دیوار کے کمال کے وقت وہ ایک دوسرے میں گھس جائیں گے۔ ان کے لیے موج کا استعارہ حیرت سے عبارت ہے اور ان کے تردد سے عبارت ہے جیسے غم اور خوف کی وجہ سے نڈھال لوگ ہوتے ہیں انہیں دریا کی موج سے تشبیہ دی ہے جس کی موجیں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں۔ بعض نے کہا: اس کا مطلب ہے ہم یاجوج وماجوج کو دیوار کے کھلنے کے دن دنیا میں دریا کی موجوں کی طرح کردیں گے کثرت کی وجہ سے خلط ملط ہو جائیں گے۔

میں کہتا ہوں: یہ تین اقوال ہیں ان میں سے اظہر دوسرا قول ہے اور زیادہ بعید آخری قول ہے۔ پہلا قول حسن ہے کیونکہ

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ کے ارشاد کی تاویل میں قیامت کا ذکر گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ یہ سورۂ انعام میں گزر چکا ہے۔ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾ یعنی قیامت کے میدان میں جن وانس کو ہم جمع کریں گے۔ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ یعنی ان کے لیے ہم جہنم کو ظاہر کریں گے۔ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿۱۰۰﴾ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ اسم موصول کافرین کی صفت کی بناء پر محل جر میں ہے۔ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ یعنی وہ اس آنکھ کی طرح ہیں جو ڈھانپی گئی ہے وہ اللہ کے دلائل (توحید) کو دیکھتی ہی نہیں۔ وَ كَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کی طاقت نہیں رکھتے وہ بہرے شخص کی طرح ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا۔ حسب کا معنی ہے گمان کیا۔ حضرت علی، عکرمہ، مجاہد اور ابن محیصن نے أفحسب سین کے سکون اور باء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی انہیں کافی ہے۔ اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام، ملائکہ اور حضرت عزیر علیہ السلام۔ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ میں انہیں سزا نہیں دوں گا۔ کلام میں حذف ہے۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے کیا انہوں نے گمان کیا ہے کہ انہیں یہ نفع دے گا؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾ اس میں دو مسئلے ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ الآیۃ۔ اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ لوگوں میں سے جو عمل کرتا ہے اور ■ یہ خیال کرتا ہے وہ اچھائی کرنے والا ہے حالانکہ اس کی محنت رائیگاں ہو چکی ہوتی ہے اور جو چیز اس کی محنت کے ضیاع کا باعث بنتی ہے وہ اس کے عقیدہ کی خرابی ہے یا ریاکاری ہے اور یہاں کفر مراد ہے۔ امام بخاری نے مصعب سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے اپنے باپ سے پوچھا: قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ سے مراد حروریہ (خوارج) ہیں؟ انہوں نے فرمایا: نہیں وہ یہود و نصاریٰ ہیں کیونکہ یہود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں اور نصاریٰ جنت کا انکار کرتے ہیں، انہوں نے کہا: اس میں کھانا، پینا نہیں ہے اور حروریہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے پختہ عہد کرنے کے بعد عہد کو توڑا۔ حضرت سعد انہیں فاسقین کہتے تھے۔ آیت میں توبیخ ہے یعنی ان کفار کو کہو جو میرے علاوہ کی عبادت کرتے ہیں ان کی سعی اور ان کی امنگیں کل قیامت کے روز سب خائب وخاسر ہوں گی۔ پس یہی لوگ اعمال کے اعتبار سے گھاٹے میں ہیں۔ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾ یعنی میرے سوا کی عبادت میں گمان رکھتے ہیں۔ حضرت علی نے فرمایا: وہ حروراء کے خوارج ہیں۔ مرۃ نے کہا: وہ راہب ہیں جو صوامع میں رہتے ہیں۔ روایت ہے کہ ابن الکواء نے الاخسرین اعمالاً کے متعلق ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا: اس سے مراد تو اور تیرے ساتھی ہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: ان تمام اقوال کو اس کے بعد والا قول کمزور کر دیتا ہے وہ یہ ہے: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ اور ان گروہوں میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ، اس کی ملاقات، بعث اور نشور کا انکار نہیں کرتا۔ یہ مشرکین مکہ کی صفت ہے جو بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ حضرت علی اور حضرت سعد رضی اللہ عنہما نے ایسے لوگوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اس آیت سے اپنا حصہ لیا۔ اعمالاً۔ پر نصب تمیز کی بناء پر ہے۔ حبطت۔ جمہور کی قرأت باء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ حضرت ابن عباس

رضی اللہ عنہما نے باء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے(1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ جمہور کی قرأت نقیم نون عظمت کے ساتھ ہے۔ مجاہد نے یاء غائب کے ساتھ پڑھا یعنی اللہ قائم فرمائے گا۔ عبید بن عمیر نے فلا یقوم پڑھا ہے اسے وزن پڑھنا لازم ہے اسی طرح مجاہد نے، فلا یقوم لھم یوم القیامۃ وزن پڑھا ہے۔ عبید بن عمیر نے کہا: قیامت کے روز ایک بہت لمبے تڑنگے، زیادہ کھانے پینے والے کو لایا جائے گا اللہ کی بارگاہ میں مچھر کے برابر بھی وزن نہ ہوگا۔

میں کہتا ہوں: ایسا قول رائے سے تو نہیں کہا جاتا۔ اس کا معنی بخاری و مسلم کی صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے(2)، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے روز ایک بڑے موٹے شخص کو لایا جائے گا اللہ کی بارگاہ میں مچھر کے برابر بھی اس کا وزن نہ ہوگا۔ اگر چاہو تو یہ پڑھ لو، فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا ثواب نہ ہوگا اور ان کے اعمال کے مقابل عذاب ہوگا، ان کی کوئی نیکی نہ ہوگی کہ قیامت کے میزانوں میں اس کا وزن کیا جائے۔ اور جس کی کوئی نیکی نہ ہوگی وہ آگ میں ہوگا۔ حضرت ابو سعید خدری نے کہا: تہامہ پہاڑ کی طرح اعمال کے ساتھ لایا جائے گا لیکن ان کا کچھ وزن نہ ہوگا۔ بعض نے فرمایا: یہ بھی احتمال ہے کہ مجاز اور استعارہ مراد ہو گویا فرمایا: ہمارے نزدیک اس دن ان کی کوئی قدر نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔ اس حدیث میں فقہ یہ ہے کہ اس موٹاپے کی مذمت کی گئی ہے جو تکلفاً حاصل کیا جاتا ہے کیونکہ اس کے لیے کھانے پینے کا تکلف کرنا ہوگا اور مکارم سے دوری ہوگی، بلکہ یہ دلیل ہے کہ کفایت کی قدر سے زائد کھانا حرام ہے جس کے ساتھ ترفہ اور موٹاپا مطلوب ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ترین شخص موٹا دینی پیشوا ہے''(3)۔ عمران بن حصین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''تم میں سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر جو اس کے ساتھ متصل ہوں گے''۔ عمران نے کہا: میں نہیں جانتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے بعد دو زمانوں کا ذکر کیا یا تین زمانوں کا ذکر کیا۔ پھر فرمایا: ''تمہارے بعد ایک قوم ہوگی جو گواہی دیں گے جبکہ ان سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی، وہ خیانت کریں گے اور امین نہ ہوں گے، نذریں مانیں گے اور نذر پوری نہیں کریں گے اور ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا''۔ یہ مذمت ہے اس کا سبب یہ ہے کہ موٹاپا جو حاصل کیا جاتا ہے وہ کثرت سے کھانے اور حرص کرنے، آرام اور امن سے رہنے اور نفس کو شہوات پر چھوڑنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پس وہ اپنے نفس کی عبادت کرنے والا ہے، اپنے رب کی عبادت کرنے والا نہیں اور جس کی یہ حالت ہو وہ حرام میں واقع ہوتا ہے اور ہر وہ گوشت جو حرام سے پیدا ہوتا ہے آگ اس کی زیادہ مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زیادہ کھانے کی وجہ سے کفار کی مذمت کی ہے فرمایا: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝ (محمد)

جب ایک مومن ان کے مشابہ ہوگا اور ہر حال اور زمانہ میں ان جیسے تنعم سے لطف اندوز ہوگا تو اس کے ایمان کی حقیقت کہاں ہوگی اور وہ اسلام کے وظائف کو کیسے قائم کرے گا؟ جو زیادہ کھاتا پیتا ہے اس کی حرص اور لالچ زیادہ ہوتی ہے۔ رات کو

1۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 545 2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، قل ھل انبئکم، جلد 2، صفحہ 690

3۔ جامع ترمذی، کتاب الفتن، ماجاء القرن الثالث، جلد 2، صفحہ 45

سستی اور نیند زیادہ ہوتی ہے، پس اس کا دن لالچ میں گردش کرتے ہوئے اور رات سوتے ہوئے گزرتی ہے۔ یہ مفہوم سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے۔ اس میں میزان کا ذکر بھی گزر چکا ہے۔ اس کے دو پلڑے ہیں جن میں اعمال کے صحائف کا وزن کیا جائے گا، اعادہ کی ضرورت نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب صحابہ حضرت ابن مسعود کی پنڈلی کی باریکی کو دیکھ کر ہنستے تھے جب کہ وہ کھجور پر چڑھ رہے تھے: ''تم پنڈلی کی وجہ سے ہنس رہے ہو تمام اہل زمین کے عمل کے ساتھ اس کا وزن کیا جائے گا''۔ یہ دلیل ہے کہ اشخاص کا وزن کیا جائے گا؛ غزنوی نے اس کو ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ۔ ذالك مشار الیہ وزن کا ترک ہے۔ ذالك مبتدا ہے اور جزاءهم خبر ہے۔ جهنم، مبتدا سے بدل ہے جو ذالك ہے۔ اور بما کفروا میں ما مصدریہ ہے اور الھزء کا معنی مزاح کرنا اور ہلکا سمجھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ قتادہ نے کہا: فردوس جنت کا بلند، عمدہ، اعلیٰ، افضل اور ارفع مقام ہے۔ حضرت ابو امامہ باہلی نے کہا: فردوس جنت کی ناف ہے۔ کعب نے کہا: جنتوں میں سے ایک جنت ہے جو جنۃ الفردوس سے بھی اعلیٰ ہے، اس میں وہ لوگ ہوں گے جو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے(1) فرمایا: ''نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جو اللہ پر ایمان لایا، نماز قائم کی، رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے خواہ اس نے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا ہو یا اس زمین میں بیٹھا رہا ہو جس میں پیدا ہوا تھا''۔ صحابہ کرام نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کو اس کی خوشخبری دے دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں ایک سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کیے ہیں۔ اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جیسا کہ آسمان اور زمین کے درمیان ہے جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا اعلیٰ اور بلند درجہ ہے''۔ میرا خیال ہے فرمایا: ''اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اس سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں''۔ مجاہد نے کہا: فردوس، رومی زبان میں باغ کو کہتے ہے۔ فراء نے کہا: یہ عربی لفظ ہے۔ فردوس جنت میں ایک باغیچہ ہے۔ فردوس یمامہ کے قریب ایک باغ کا نام ہے۔ اس کی جمع فرادیس ہے۔ امیہ بن ابی الصلت ثقفی نے کہا:

كانت منازلهم إذ ذاك ظاهرةً فيها الفراديس والفومانُ والبصلُ

الفرادیس شام کا ایک علاقہ ہے۔ کرم مفردس کا مطلب ہے انگور کی بیلیں جو چھپر کی طرح پھیلی ہوئی ہوں۔ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝ یعنی وہ اس جنت سے کسی اور طرف پھرنا نہیں چاہتے۔ الحول بمعنی التحویل ہے یہ ابو علی نے کہا۔ زجاج نے کہا، حال من مكانه حولا، جیسے کہا جاتا ہے: عظم عظماً۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ الحیلہ سے مشتق ہو یعنی، لایحتالون منزلاً غیرها۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ، نفد الشی کا

2۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، درجات المجاہدین فی سبیل اللہ، جلد 1، صفحہ 391

معنی ہے جب مکمل اور فارغ ہو جائے۔ یہ مفہوم پہلے گزر چکا ہے۔ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا۔ اگر ہم سمندر پر عدد یا وزن کے اعتبار سے زیادتی کردیں۔ مصحف ابی میں مدادا ہے اسی طرح مجاہد، ابن محیصن اور حمید نے پڑھا ہے۔ مددا کی نصب تمیز یا حال کی بناء پر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۝ (الاسراء) تو یہود نے کہا: ہمیں تورات دی گئی ہے اور جس کو تورات دی گئی تو اسے خیر کثیر دیا گیا (تو ہم افضل ہوئے پھر ہم آپ کی پیروی کیسے کریں) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ۔۔۔ الآیۃ۔ بعض علماء نے کہا: یہود نے کہا: آپ کو حکمت دی گئی ہے اور جسے حکمت دی گئی اسے خیر کثیر دیا گیا پھر آپ کہتے ہیں: مجھے روح کا علم نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ فرمائیں اگر مجھے قرآن دیا گیا ہے اور تمہیں تورات دی گئی ہے تو تورات اللہ کے کلمات کی نسبت سے کم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ۔ سے مراد مواعظ ربی ہے یعنی میرے رب کے مواعظ۔ بعض علماء نے فرمایا: کلمات سے مراد وہ قدیم کلام ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے اگرچہ وہ ایک ہے اس کو لفظ جمع سے تعبیر کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں فرائد کلمات موجود ہیں اور فرائد کلمات کے قائم مقام ہے۔ پس عظمت شان کے اظہار کے لیے جمع کے صیغہ سے تعبیر کرنا جائز ہے۔ اعشی نے کہا:

ووجهٌ نقیّ اللون صافٍ یزینُه   مع الجیدِ لَبَّاتٌ لها ومَعاصِمُ

اس شعر میں لبہ کو لبات سے تعبیر کیا ہے۔ قرآن میں ہے: نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ (حم السجدہ: 31) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ (الحجر: 9) وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ (الحجر: 23)۔ اسی طرح فرمایا: ان ابراهیم كان امة۔ کیونکہ ابراہیم علیہ السلام ایک امت کے قائم مقام تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے وہ عبارات اور دلالات ختم نہ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے کلام کے معانی کے مفہومات پر دلالت کرتی ہیں۔ سدی نے کہا: اس کا مطلب ہے اگر سمندر روشنائی بن جائے میرے رب کے کلمات کے لیے تو سمندر ختم ہو جائے گا اس سے پہلے کہ اس جنت کی صفات ختم ہوں جو دار الثواب ہے۔ عکرمہ نے کہا: سمندر ختم ہو جائے گا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے والے کے ثواب کے ختم ہونے سے پہلے۔ اس آیت کی مثال یہ آیت ہے: وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ۔۔۔۔ الآیۃ (لقمان: 27)

حمزہ اور کسائی نے قبل أن ینفد یاء کے ساتھ پڑھا ہے فعل کے تقدم کی وجہ سے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤى اِلَیَّ۔ یعنی میں نہیں جانتا مگر جو اللہ تعالیٰ مجھے سکھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم شمار سے وراء ہے مجھے تو حکم ہے کہ میں تمہیں لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پہنچاؤں۔ فَمَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ۔ جو اللہ تعالیٰ کی رؤیت اور ثواب کی امید رکھتا ہے اور اس کے عذاب سے ڈرتا ہے۔ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ حضرت جندب بن زہیر عامر کے بارے میں نازل ہوئی اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں اللہ کے لیے عمل کرتا ہوں اور اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہوں مگر جب اس پر (لوگوں کی) آگاہی پائی جاتی ہے تو مجھے خوشی ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ قبول نہیں فرماتا مگر پاک کو اور اسے قبول نہیں فرماتا جس میں کسی اور کو

شریک کیا گیا ہو'' (1) تو یہ آیت نازل ہوئی۔ طاؤس نے کہا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں اللہ کے راستہ میں جہاد کو پسند کرتا ہوں اور میں یہ بھی پسند کرتا ہوں کہ میرا مکان و مرتبہ دیکھا جائے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ مجاہد نے کہا: ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کرتا ہوں اور صلہ رحمی کرتا ہوں اور میں یہ کام نہیں کرتا مگر اللہ کے لیے۔ پھر میری طرف سے اس کام کو ذکر کیا جاتا ہے اور اس پر تعجب کیا جاتا ہے تو مجھے خوشی ہوتی ہے اور مجھے اچھا لگتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے اور کوئی کلام نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۔ (2)

میں کہتا ہوں یہ آیت تمام اعمال کو شامل ہے سورۂ ہود میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث ان تین شخصوں کے بارے گزر چکی ہے جن کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا۔ اور سورۃ النساء میں ریاکاری پر کلام گزر چکی ہے اور ہم نے وہاں بہت سے واقعات ذکر کیے ہیں جن میں کفایت ہے ماوردی نے کہا: تمام علماء تفسیر نے کہا: وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا کا مطلب ہے کہ وہ اپنے اعمال کسی کو نہ دکھائے (یعنی ریاکاری نہ کرے) ترمذی حکیم رحمۃ اللہ علیہ نے نوادر الاصول میں روایت کیا ہے فرمایا: ہمیں عبدالواحد بن زید نے عبادہ بن نسی سے روایت کر کے بتایا فرمایا: میں شداد بن اوس کے پاس اس کی جائے نماز میں آیا تو وہ رو رہے تھے میں نے کہا: اے ابو عبدالرحمن تم کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے کہا: میں نے ایک دن نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دن ایک حدیث سنی تھی؟ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر پریشانی دیکھی تھی۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے چہرے پر پریشانی کے آثار ہیں کیا وجہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شرک اور خفیہ شہوت'' (3)۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بعد آپ کی امت شرک کرے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے شداد! لوگ سورج، چاند، پتھر، ریت کی پوجا تو نہیں کریں گے لیکن وہ اپنے اعمال میں ریاکاری کریں گے''۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ریاکاری شرک ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں''۔ میں نے پوچھا: حضور! شہوت خفیہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی صبح کے وقت روزے سے ہو گا پھر اس کے لیے دنیا کی شہوات ظاہر ہوں گی تو وہ روزہ افطار کر دے گا''۔ عبدالواحد نے کہا: میں حسن سے ملا تو میں نے پوچھا: اے ابوسعید! مجھے ریاکاری کے بارے بتا کیا وہ شرک ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں۔ کیا تو یہ آیت نہیں پڑھتا: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ۔۔۔ الخ۔ اسماعیل بن اسحاق نے روایت کیا ہے فرمایا: ہمیں محمد بن ابی بکر نے بتایا تو انہوں نے کہا: ہمیں معتمر بن سلیمان نے بتایا انہوں نے لیث سے انہوں نے شہر بن حوشب سے روایت کیا ہے فرمایا: عبادہ بن صامت اور شداد بن اوس اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا: ہم اس امت پر شرک اور شہوت خفیہ کا خوف کرتے ہیں۔ شہوت خفیہ عورتوں کی طرف سے ہے۔ انہوں نے کہا: ہم نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے ''جس نے ریاکاری کرتے ہوئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا، جس نے دکھاوا کرتے ہوئے

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ بقرہ، جلد 2، صفحہ 596　2۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 308

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 3، صفحہ 110-109

روزہ رکھا اس نے شرک کیا'' پھر یہ آیت تلاوت کی: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ۔۔۔ الآیہ (1)۔

میں کہتا ہوں: شہوت خفیہ کی تفسیر اس کے خلاف بھی آئی ہے وہ ہم نے سورۃ النساء میں ذکر کر دی ہے۔ حضرت سہل بن عبداللہ نے کہا: حسن سے اخلاص اور ریاکاری کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: اخلاص میں سے یہ ہے کہ تو اپنی نیکیوں کو چھپانا پسند کرے اور اپنی برائیوں کو پسند نہ کرے۔ اگر اللہ تعالیٰ تجھ پر تیری نیکیاں ظاہر کر دے تو تو کہے: (اے رب کریم!) یہ تیرا فضل اور احسان ہے یہ نیکیاں میرا فعل نہیں (بلکہ یہ کرم ہے) اور تو اس ارشاد کو یاد کر لے: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ۔۔ الآیہ۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا۔۔۔ الآیہ (المومنون: 60) یعنی جنہیں اخلاص دیا گیا ہے وہ ڈرتے ہیں کہ ان سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور رہی ریاکاری تو وہ یہ ہے کہ انسان دنیا میں اپنے نفس کے عمل کا حصہ طلب کرے۔ پوچھا گیا کیسے ہوگا؟ فرمایا: ''جس نے اپنے اور اللہ تعالیٰ اور دار آخرت کے سوا کسی کو اپنے کسی عمل کے ساتھ طلب کیا تو وہ ریاکاری ہے''۔ ہمارے علماء نے فرمایا: ریاکاری انسان کو لوگوں کے استہزا تک پہنچاتی ہے جیسا کہ حکایت ہے کہ طاہر بن حسین نے ابوعبداللہ مروزی سے کہا: تم اے عبداللہ! کب سے عراق میں ہو؟ اس نے کہا: میں بیس سال سے عراق میں ہوں اور میں تیس سال سے روزہ رکھ رہا ہوں۔ اس نے کہا: اے ابوعبداللہ! ہم نے تجھ سے ایک سوال پوچھا آپ نے ہمیں دو مسئلے بتا دیے۔ اصمعی نے حکایت کیا ہے کہ ایک اعرابی نے نماز پڑھی اور بڑی لمبی نماز پڑھی اور اس کے قریب ایک قوم تھی انہوں نے کہا: کیا خوب تیری نماز تھی۔ اس نے کہا: اس کے ساتھ میں روزے سے بھی ہوں۔ اشعث بن قیس کا قول ہے کہ اس نے نماز پڑھی اور بہت تخفیف کی ان سے کہا گیا: تو نے بہت تخفیف کی ہے۔ اس نے کہا: اس میں ریاکاری ملی ہوئی نہیں، اپنے نفس سے ریاکاری کی نفی کرنے کے ساتھ ان کی تنقیص سے بچ گیا۔ سورۃ النساء میں ریاکاری کی دواء اور علاج لقمان کے قول سے گزر چکا ہے کہ وہ عمل کو چھپانا ہے۔ ترمذی حکیم نے ... روی فرمایا: ہمیں جریر نے بتایا میرے باپ نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں حمانی نے خبر دی فرمایا ہمیں جریر نے بتایا انہوں نے لیث سے روایت کیا انہوں نے شیخ سے انہوں نے معقل بن یسار سے روایت کیا فرمایا: حضرت ابوبکر نے کہا اور انہوں نے اس کے ساتھ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر گواہی دی فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کا ذکر کیا فرمایا: ''شرک تم میں چیونٹی کے رینگنے سے بھی زیادہ مخفی ہوتا ہے (2)، میں تجھے ایک وظیفہ سکھاتا ہوں جب تو وہ کرے گا تو چھوٹا، بڑا شرک تجھ سے دور ہو جائے گا۔ تو کہہ: اللّٰهم إني أعوذ بك أن أشرك بك وأنا أعلم وأستغفرك لما لا أعلم (3)'' اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں تیرے ساتھ دانستہ شرک کروں اور میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں کہ میں غیر دانستہ شرک کروں''۔ تین بار کہے۔ عمر بن قیس کندی نے کہا: میں نے حضرت معاویہ کو سنا انہوں نے منبر پر یہ آیت تلاوت کی، فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ۔ پھر کہا: یہ آخری آیت ہے جو آسمان سے نازل ہوئی اور حضرت عمر نے کہا (4): نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے وحی کی گئی ہے کہ جو فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ۔۔۔۔ الخ۔ پڑھے گا اس کے لیے ایک

1۔ مستدرک للحاکم، جلد 4، صفحہ 329
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، الریا والسمعۃ، جلد 1، صفحہ 320
3۔ مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 385
4۔ المستدرک للحاکم، جلد 2، صفحہ 371

نور بلند کیا جائے گا جو عدن سے مکہ تک فاصلہ جتنا ہوگا اس کو ملائکہ نے پُر کر رکھا ہوگا جو اس بندے کے لیے دعا کرتے ہوں گے اور اس کے لیے استغفار کرتے ہوں گے۔ حضرت معاذ بن جبل نے کہا(1): نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جس نے سورۂ کہف کا اول و آخر پڑھا اس کے لیے سر سے قدموں تک نور ہوگا اور جو پوری سورت پڑھے اس کے لیے زمین سے لیکر آسمان تک نور ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ایک شخص نے ان سے کہا: میں رات کے وقت اٹھنے کا دل میں عزم کرتا ہوں لیکن مجھ پر نیند غالب آجاتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب تو رات کے کسی وقت اٹھنا چاہے تو بستر پر سوتے وقت یہ آیت پڑھا کر۔ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ..... الخ۔ تو اللہ تعالیٰ تجھے بیدار کردے گا جب تو اٹھنا چاہے گا۔ یہ فضائل ثعلبی نے ذکر کیے۔ پس مسند دارمی میں ہے ابو محمد نے کہا: ہمیں محمد بن کثیر نے بتایا انہوں نے اوزاعی سے انہوں نے عبدہ سے انہوں نے زر بن حبیش سے روایت کیا ہے فرمایا: جس نے سورۂ کہف کا آخر تلاوت کیا وہ رات کو جس وقت اٹھنا چاہے گا اٹھ پڑے گا۔ عبدہ نے کہا: ہم نے اس کا تجربہ کیا تو ہم نے اسی طرح پایا۔ ابن عربی نے کہا: ہمارے شیخ طرطوشی اکبر کہتے تھے زمانے تم سے ہم عصروں سے لڑتے ہوئے اور بھائیوں سے تعلق جوڑتے ہوئے نہ گزر جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے بیان کو اس قول پر ختم کر دیا ہے۔ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

1۔ المستدرک للحاکم، جلد 2، صفحہ 367

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورۂ مریم

آیاتہا ۹۸ ｜ ۱۹ سورۃ مریم مکیۃ ۴۴ ｜ رکوعاتہا ۶

یہ بالا جماع مکی سورت ہے اور اس کی 98 آیات ہیں۔

جب جنگ بدر ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اس میں کفار کے سرداروں کو قتل کر دیا تو کفار قریش نے کہا: تمہارا بدلہ حبشہ کی زمین میں ہے۔ نجاشی کی طرف جاؤ اور اس کی طرف اپنے دو صاحب رائے اور بھیجو شاید وہ تمہیں قریش کے وہ آدمی دے دے جو اس کے پاس ہیں۔ پھر تم اپنے بدر کے مقتولوں کے بدلے میں انہیں قتل کر دینا۔ کفار قریش نے عمرو بن عاص اور عبد اللہ بن ابی ربیعہ کو بھیجا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کے آدمی بھیجنے کے متعلق سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری کو بھیجا اور اسے نجاشی کے لیے خط لکھ کر دیا۔ عمرو بن امیہ نجاشی کے پاس آیا اور اس نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھا پھر جعفر بن ابی طالب اور مہاجرین کو بلایا اس نے راہبوں اور علماء کو بلایا اور انہیں جمع کیا پھر جعفر کو ان پر قرآن پڑھنے کو کہا تو انہوں نے سورۂ مریم، كٓهٰيٰعٓصٓ پڑھی اور لوگ اٹھے تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ان لوگوں کے بارے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَ اِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ (المائدہ) تلاوت کی۔ یہ ابو داؤد نے ذکر کیا ہے۔ سیرت میں نجاشی نے کہا: کیا تمہارے پاس وہ کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں؟ حضرت جعفر نے کہا: ہاں۔ نجاشی نے آپ کو کہا: وہ مجھ پر پڑھو۔ تو انہوں نے كٓهٰيٰعٓصٓ پڑھا تو وہ رونے لگا حتی کہ آنسوؤں سے اس کی داڑھی تر ہو گئی۔ اس کے علماء بھی رونے لگے حتی کہ ان کی داڑھیاں بھی تر ہو گئیں۔ جب انہوں نے وہ کلام سنا جو ان پر تلاوت کیا گیا تھا۔ نجاشی نے کہا: یہ وہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام لیکر آئے تھے۔ یہ ایک مشکاۃ سے نکلے ہیں۔ نجاشی بادشاہ نے عمرو بن عاص اور عبد اللہ بن ابی ربیعہ کو کہا: تم دونوں چلے جاؤ اللہ کی قسم! یہ لوگ میں کبھی بھی تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔ پھر مکمل خبر ذکر کی۔

كٓهٰيٰعٓصٓ ۝ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّ لَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ وَ اِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَ كَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝ يٰزَكَرِيَّاۤ

اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ تَكُ شَيْـًٔا ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْ اٰيَةً قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ۝ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ وَ اٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝ وَّ حَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ زَكٰوةً وَ كَانَ تَقِيًّا ۝ وَّ بَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَ لَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝ وَ سَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَ يَوْمَ يَمُوْتُ وَ يَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝

''کاف، ہا، یا، عین، ص۔ یہ ذکر ہے آپ کے رب کی رحمت کا جو اس نے اپنے بندے زکریا پر فرمائی جب اس نے پکارا اپنے رب کو چپکے چپکے۔ عرض کی: اے میرے رب! میری حالت یہ ہے کہ کمزور و بوسیدہ ہو گئیں میری ہڈیاں اور بالکل سفید ہو گیا ہے (میرا) سر بڑھاپے کی وجہ سے اور اب تک ایسا نہیں ہوا کہ میں نے تجھے پکارا ہو اے میرے رب! اور میں نامراد رہا ہوں۔ اور میں ڈرتا ہوں (اپنے دینی) رشتہ داروں سے (کہ وہ) میرے بعد (دین ضائع نہ کر دیں) اور میری بیوی بانجھ ہے پس بخش دے مجھے اپنے پاس سے ایک وارث۔ جو وارث بنے میرا اور وارث بنے یعقوب علیہ السلام کے خاندان کا اور بنا دے اسے اے رب! پسندیدہ (سیرت والا)۔ اے زکریا! ہم مژدہ دیتے ہیں تجھے ایک بچے (کی ولادت) کا اس کا نام یحییٰ ہوگا ہم نے نہیں بنایا اس کا کوئی ہم نام اس سے پہلے۔ زکریا نے عرض کی: میرے رب! کیسے ہو سکتا ہے میرے ہاں لڑکا حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں خود پہنچ گیا ہوں بڑھاپے کی انتہا کو؟ فرمایا: یونہی ہوگا تیرے رب نے فرمایا ہے کہ اس کبرسنی میں بچہ دینا میرے لیے آسان بات ہے اور (دیکھو) میں نے تمہیں بھی تو پیدا کیا تھا اس سے پیشتر حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے۔ زکریا نے عرض کی: اے میرے رب! ٹھہرا دے میرے لیے کوئی علامت۔ جواب ملا تیری علامت یہ ہے کہ تو بات نہیں کر سکے گا لوگوں سے تین رات تک حالانکہ تو بالکل تندرست ہوگا۔ پھر آپ نکل کر آئے اپنی قوم کے پاس (اپنے) عبادت خانہ سے تو اشارہ سے انہیں سمجھایا کہ پاکی بیان کرو (اپنے رب کی) صبح و شام۔ اے یحییٰ! پکڑ تو کتاب کو مضبوطی سے اور ہم نے عطا فرما دی ان کو دانائی جبکہ وہ بچے تھے۔ نیز عطا فرمائی دل کی نرمی اپنی جناب سے اور نفس کی پاکیزگی اور وہ بڑے پرہیزگار تھے۔ اور وہ خدمت گزار تھے اپنے والدین کے اور وہ جابر اور سرکش نہ تھے۔ اور سلامتی ہو ان پر جس روز وہ پیدا ہوئے اور جس روز انتقال کریں گے اور جس روز انہیں اٹھایا جائے گا زندہ کر کے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كٓهٰيٰعٓصٓ۔ حروف مقطعات پر کلام پہلے سورتوں کے آغاز میں گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس

رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کاف۔ کافی سے، ھا۔ ھادی ہے، یا۔ حکیم سے اور عین۔ علیم سے اور صاد۔ صادق سے ہے؛ یہ ابن العزیز نے ذکر کیا ہے۔ قشیری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے لیے کافی ہے اپنے بندوں کو ہدایت دینے والا ہے۔ اس کا ہاتھ سب کے ہاتھوں پر ہے (یعنی سب پر غالب ہے) ان کو جاننے والا ہے اپنے وعدہ میں سچا ہے۔ یہ قول ثعلبی نے کلبی، سدی، مجاہد اور ضحاک سے روایت کیا ہے۔ کلبی نے یہ بھی کہا ہے کہ الکاف، کریم، کبیر اور کافی سے۔ ھا، ھادی سے ہے۔ یا رحیم سے ہے۔ عین علیم اور عظیم سے ہے۔ صاد صادق سے ہے۔ معنی ایک ہی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس طرح دُعا مانگتے تھے: یا کٓھٰیٰعٓصٓ اغفرلی؛ یہ غزنوی نے ذکر کیا ہے۔ سدی نے کہا: یہ وہ اسم اعظم ہے جس کے ذریعے سوال کیا جائے تو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور جب اس کے ذریعے دعا مانگی جائے تو اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتا ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ قرآن کے اسماء میں سے اسم ہے؛ یہ عبدالرزاق نے معمر سے اور انہوں نے قتادہ سے روایت کیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ سورت کا نام ہے۔ قشیری کا اختیار یہی ہے (1) کہ حروف مقطعات سورتوں کے نام ہیں اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ کٓھٰیٰعٓصٓ پر کلام کا تمام ہے۔ گویا یہ سورت کے نام کے متعلق بتایا گیا ہے جیسے تو کہتا ہے: فلاں کتاب (طہارت) یا باب فلاں (وضو) پھر تو مقصد میں شروع ہوتا ہے۔ ابو جعفر نے ان حروف کو علیحدہ علیحدہ پڑھا ہے۔ اور باقی قراء نے وصل کیا ہے۔ ابوعمرو نے ھا میں امالہ کیا اور یاء کو فتح کے ساتھ پڑھا۔ ابن عامر اور حمزہ نے اس کے برعکس پڑھا ہے اور ان دونوں کو کسائی، ابوبکر اور خلف نے امالہ کیا ہے۔ اہل مدینہ، نافع وغیرہ نے ان دو لفظوں کے درمیان پڑھا ہے اور باقی قراء نے دونوں کو فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ خارجہ سے مروی ہے کہ حسن کاف کو ضمہ دیتے تھے اور اس کے علاوہ سے حکایت ہے کہ انہوں نے ھا کو ضمہ دیا ہے۔ اسماعیل بن اسحاق نے حکایت کیا ہے کہ وہ یاء کو ضمہ دیتے تھے۔ ابوحاتم نے کہا: کاف کو ضمہ دینا اور ھا اور یا کو ضمہ دینا جائز نہیں۔ نحاس نے کہا: اہل مدینہ کی قرأت سب سے بہتر ہے اور ھا اور یا میں امالہ جائز ہے اور حسن کی قرأت جماعت قراء پر مشکل ہے حتی کہ انہوں نے کہا: یہ جائز نہیں ہے، ان علماء میں سے ابوحاتم بھی ہیں اس کے بارے میں ہارون القاری نے بیان کیا ہے انہوں نے کہا: حسن رفع کو اشمام کرتے تھے، اس کا معنی ہے وہ اشارہ کرتے تھے جیسا کہ سیبویہ نے حکایت کیا ہے کہ عربوں میں سے بعض کہتے ہیں: الصلوۃ والزکاۃ یومی الی الواد۔ یعنی الصلوۃ اور الزکاۃ کے لفظ واؤ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور صاد کے ہجے سے دال کو نافع، ابن کثیر، عاصم، اور یعقوب نے ظاہر کیا ہے؛ یہی ابوعبیدہ کا اختیار ہے اور باقی قراء نے اسے ادغام کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۚ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝ اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ ذکر کے رفع میں تین اقوال ہیں۔ فراء نے کہا: یہ کٓھٰیٰعٓصٓ کی وجہ سے مرفوع ہے۔ زجاج نے کہا: یہ محال ہے کیونکہ کٓھٰیٰعٓصٓ اس میں سے نہیں ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ

1۔ تفسیر طبری، جز 16-15، صفحہ 54

نے ہمیں حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق خبر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حضرت زکریا علیہ السلام اور انہیں جو بشارت دی اس کے متعلق خبر دی اور کٓھٰیٰعٓصٓ ان کے قصہ سے نہیں ہے۔ اخفش نے کہا: تقدیر عبارت اس طرح ہے فیما یقص علیکم ذکر رحمة ربك۔ اور بعض علماء نے فرمایا: حسن نے ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ پڑھا ہے، یعنی ھذا المتلو من القرآن ذکر رحمة ربك۔ اور ذَكِّرْ امر کا صیغہ پڑھا گیا ہے۔ اور رحمۃ لکھا جاتا ہے اور ھاء کے ساتھ اس پر وقف کیا جاتا ہے اسی طرح ہر اسم جو اس کی مثل ہوتا ہے اس کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے۔ اس میں نحویوں کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس میں انہوں نے یہ علت بیان کی ہے کہ یہ ھا اسماء کی تانیث کے لیے ہے تا کہ ان کے اور افعال کے درمیان فرق ہو جائے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عَبْدَهٗ۔ اخفش نے کہا: یہ رحمۃ کی وجہ سے منصوب ہے اور زکریا اس سے بدل ہے جیسے تو کہتا ہے: ھذا ذکر ضرب زید عمرا عمرا ضرب کی وجہ سے منصوب ہے اسی طرح عبدہ، رحمۃ کی وجہ سے منصوب ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ تقدیم و تاخیر پر ہے اس کا معنی ہے ذکر ربك عبدہ زکریا، برحمۃ۔ پس عبدہ، ذکر کی وجہ سے منصوب ہے، زجاج اور فراء نے یہ ذکر کیا ہے۔ بعض علماء نے عبدہ زکریا رفع کے ساتھ پڑھا ہے یہ ابو العالیہ کی قرأت ہے۔ یحییٰ بن یعمر نے ذکر نصب کے ساتھ پڑھا ہے اس معنی پر کہ ھذا القرآن ذکر رحمة عبدہ زکریا۔ زکریا کے بارے میں قرات اور لغات سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ (الاعراف) یہ پہلے گزر چکا ہے۔ ندا کا معنی دعا اور رغبت ہے یعنی انہوں محراب میں اس کے ساتھ اپنے رب سے مناجات کی، اس کی دلیل یہ اشارہ ہے: فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ (آل عمران: 39) یہ ظاہر ہوا کہ ان کی نماز میں ہی دعا کی قبولیت ہوئی جیسا کہ انہوں نے نماز کے اندر دعا کی ان کی دعا کو مخفی کرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: اپنی قوم سے اس دعا کو مخفی کیا تا کہ بڑھاپے میں بچے کے سوال پر انہیں ملامت نہ کی جائے۔ دوسرا یہ کہ یہ دنیوی امر تھا اگر اس کی دعا قبول کی گئی تو وہ اپنا مقصود پالیں گے اگر قبول نہ ہوگی تو اس کے متعلق کسی کو علم نہ ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس دعا میں خلوص کا مظاہرہ کر رہے تھے جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مطلع نہ تھا۔ بعض علماء نے فرمایا: کیونکہ خفیہ اعمال افضل ہوتے ہیں اور ریا کاری سے پاک ہوتے ہیں اس لیے انہوں نے دعا کو مخفی کیا۔ بعض علماء نے فرمایا: خفیا۔ کا مطلب ہے رات کی تاریکی میں اپنی قوم سے چھپا کر دعا کی یہ تمام احتمال موجود ہیں لیکن پہلا قول اظہر ہے۔

سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے کہ دعا میں اخفا مستحب ہے اور یہ آیت اس میں نص ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی اس پر تعریف فرمائی ہے۔ اسماعیل نے روایت کیا ہے فرمایا ہمیں مسدد نے بتایا فرمایا ہمیں یحییٰ بن سعید نے بتایا انہوں نے اسامہ بن زید سے روایت کیا انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا اور یہ ابن ابی کبشہ سے انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے(1) فرمایا: ان خیر الذکر الخفی و خیر

1۔ مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 85

الرزق مایکفی۔ بہتر ذکر خفی ہے اور بہتر رزق وہ ہے جو کفایت کرے۔ یہ عام ہے۔ یونس بن عبیدہ نے کہا: حضرت حسن کا نظریہ یہ ہے کہ امام دعا مانگے اور مقتدی بغیر بلند آواز کے آمین کہیں اور یونس نے تلاوت کی: اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا۔ ابن عربی نے کہا: امام مالک نے دعا آہستہ کی اور امام شافعی نے اس میں جہر کیا۔ اور دعا میں جہر افضل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہراً دعا فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ۔ وَهُنَ بھی پڑھا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کمزور ہونا۔ کہا جاتا ہے: وَهَنَ يَهِنُ وَهْناً فهو واهنٌ۔ کمزور ہونا۔ ابوزید نے کہا: وَهَنَ يَهِنُ أو وَهِنَ يَوْهَنُ بھی کہا جاتا ہے۔ الْعَظْمُ کا ذکر کیا کیونکہ یہ بدن کا عمود ہے اس کے ساتھ جسم کا قوام ہے۔ یہ اس کی بنا (ڈھانچہ) کی اصل ہے جب ہڈیاں کمزور ہوتی ہیں تو جسم کی تمام قوتیں کمزور ہو جاتی ہے کیونکہ جسم میں ہڈی ہی سخت اور مضبوط ہوتی ہے جب ہڈیاں کمزور ہو جاتی ہیں تو دوسرا جسم بدرجہ اولیٰ کمزور ہو جاتا ہے۔ عظم واحد ذکر فرمایا کیونکہ واحد جنسیت کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے یہ قصد فرمایا کہ یہ وہ جنس ہے جو عمود اور قوام کا باعث ہے اور جسم جس سے مرکب ہوتا ہے اس میں سخت ترین یہ ہے اس کو بھی کمزوری لاحق ہو چکی ہے۔ اگر جمع ذکر کی جاتی تو دوسرے مفہوم کا ارادہ ہوتا اور وہ یہ ہے کہ اس سے بعض ہڈیاں کمزور نہیں ہوئیں لیکن اکثر کمزور ہوئی ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا۔ ابوعمرو نے سین کو شین میں ادغام کیا ہے۔ یہ عرب کلام میں خوبصورت ترین استعارہ ہے۔ الاشتعال کا معنی ہے آگ کی شعاع کا بکھرنا، اس کے ساتھ سر میں بڑھاپے کے پھیلنے کو تشبیہ دی گئی ہے، یعنی حضرت زکریا علیہ السلام نے کہا: میں کمزور اور بوڑھا ہو چکا ہوں۔ اشتعال کو بالوں کے پیدا ہونے کی جگہ کی طرف منسوب کیا اور وہ سر ہے۔ راس (سر) کو مضاف نہیں کیا کیونکہ مخاطب کو علم ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کا سر مراد ہے۔ شَیْبًا اس کی نصب میں دو وجوہ ہیں۔ (۱) یہ مصدر ہے کیونکہ اشتعل کا معنی ہے شاب۔ یہ اخفش کا قول ہے اور زجاج نے کہا: یہ تمیز کی بنا پر منصوب ہے۔ نحاس نے کہا: اخفش کا قول اولیٰ ہے کیونکہ وہ فعل سے مشتق ہے پس مصدر بنانا اولیٰ ہے۔ الشیب کا معنی ہے سفید اور سیاہ بالوں کا ملنا۔

مسئلہ نمبر 3۔ ہمارے علماء نے فرمایا: انسان کے لیے مستحب ہے کہ اپنی دعا میں ان انعامات کو یاد کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر کیے ہیں اور ایسی چیزوں کا ذکر کرے جو خضوع کے مناسب ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ خضوع کا اظہار ہے اور وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآىِٕكَ رَبِّ شَقِیًّا۝ دعا قبول کرنے میں فضل کرنے کی عادات کا اظہار ہے یعنی تجھ سے دعا مانگنے میں کبھی شقی نہیں ہوا، یعنی جب بھی میں نے تجھ سے دعا مانگی تو میں دعا میں محروم نہیں رہا، یعنی تو نے مجھے دعا کی قبولیت کا عادی بنا دیا ہے۔ کہا جاتا ہے: شقی بکذا یعنی اس میں تھک گیا اور مقصود حاصل نہ ہوا۔ بعض علماء سے مروی ہے کہ محتاج نے اس سے سوال کیا اور کہا: میں وہ ہوں تو نے فلاں وقت میں اس سے احسان کیا تو اس نے کہا: خوش آمدید اسے جو ہمارے ذریعے ہم تک پہنچا اور پھر اس کی حاجت پوری کر دی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَ كَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۝ اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ حضرت عثمان بن عفان، محمد بن علی اور علی بن حسین اور یحییٰ بن یعمر رضی اللہ عنہم نے خفت خا کے فتحہ اور فا کی شد اور تا کے کسرہ کے ساتھ اور الْمَوَالِیَ کو یا کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ خفت کی وجہ سے یہ محل رفع میں ہے۔ اس کا معنی ہے میرے رشتہ دار موت کے ساتھ ختم ہو گئے۔ اور باقی قراء نے خفت خاء کے کسرہ، فا کے سکون اور تا کے ضمہ اور موالی کے یا کی نصب کے ساتھ پڑھا ہے، کیونکہ خفت کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ الْمَوَالِیَ سے یہاں مراد قریبی رشتہ دار ہیں۔ اور چچا کے بیٹے اور وہ عصبات ہیں جو نسب میں ان سے ملتے تھے۔ عرب چچا کے بیٹوں کو بھی الْمَوَالِیَ کہتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

مَهْلاً بَنِی عَمِّنَا مَهْلاً مَوَالِينَا　　لا تَنْبُشُوا بَيْنَنَا ما كان مَدْفُونَا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ نے کہا: حضرت زکریا علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ قریبی رشتہ دار وارث بنیں گے اور باپ اور بیٹے کے علاوہ وہ لوگ وارث بنیں گے۔ ایک جماعت نے کہا: آپ کے رشتہ دار دین کے لیے سستی کرنے والے تھے تو آپ کو اپنی موت سے دین کے ضیاع کا خوف ہوا، پس آپ نے ایسا ولی طلب کیا جو ان کے بعد دین کو قائم رکھے؛ یہ قول زجاج نے حکایت کیا ہے۔ اس قول کی بنا پر ہے کہ آپ نے مال کے وارث کا سوال نہیں کیا کیونکہ انبیاء میراث نہیں چھوڑتے۔ یہ قول آیت کی تاویل میں دونوں قول میں سے صحیح ہے، کیونکہ انہوں نے علم، نبوت کی وراثت کا ارادہ فرمایا تھا مال کی وراثت کا ارادہ نہیں فرمایا تھا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہم انبیاء کا گروہ میراث نہیں چھوڑتے جو ہم نے چھوڑا وہ صدقہ ہے'' (1)۔ ابوداؤد کی کتاب میں ہے ''علماء انبیاء کے ورثاء ہیں، انبیاء دینار و درہم کا وارث نہیں بناتے اور وہ علم کا وارث بناتے ہیں'' (2)۔ اس کی مزید وضاحت یرثنی کے قول کے تحت آئے گی۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ حدیث مسند تفسیر میں داخل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ وَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ (النمل: 16) اور حضرت زکریا کے قول کو یوں تعبیر فرمایا: فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۝ یَّرِثُنِیْ وَ یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ۔ اور اس میں عموم کی تخصیص ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام کے مال کے وارث نہ بنے تھے۔ اپنے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو خلیفہ بنایا تھا اور اس سے حکمت و علم کے وارث ہوئے تھے، اسی طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام آل یعقوب سے وارث ہوئے تھے۔ رافضیوں کے علاوہ مفسرین نے اس قرآنی آیت کی تفسیر میں یہی کہا ہے مگر حسن بصری سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: یَّرِثُنِیْ مال کا وارث بنے۔ وَ یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ نبوت و حکمت کا وارث بنے۔ ہر وہ قول جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مخالف ہو وہ مردود، مہجور ہے؛ یہ ابو عمر کا قول ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: مفسرین میں اکثر کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے مال کی وراثت کا ارادہ کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

1۔ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، جلد 2، صفحہ 995　　2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 996۔ ایضاً جامع ترمذی، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ، حدیث 2606

کے قول: ''ہم انبیاء کا گروہ میراث نہیں چھوڑتے'' (1)۔ احتمال رکھتا ہے کہ آپ نے اس سے عموم مراد نہ لیا ہو بلکہ اس سے مراد غالب امر ہو۔ یہ مقام غور ہے۔ اظہر اور مناسب حضرت زکریا علیہ السلام کے لیے یہ ہے کہ انہوں نے وراثت علم اور دین مراد لی ہے۔ اس صورت میں وراثت، مستعارہ ہوگی کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا جب انہوں نے ولی طلب کیا ہے تو انہوں نے بچے کو خاص نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی امنگ کو کامل طور پر پورا فرمایا۔ ابو صالح وغیرہ نے کہا: مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ سے مراد علم اور نبوت کی میراث ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنْ وَّرَآءِیْ ابن کثیر نے اسے مد اور ہمزہ اور یا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ان سے مقصور اور یا کے فتحہ کے ساتھ پڑھنا بھی مروی ہے، جیسے عصایٰ اور باقی قراء نے ہمزہ، مد اور یا کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور قراء خفت کی قرأت پر ہیں جیسے بِنْتُ، مگر جو ہم نے عثمان سے ذکر کیا ہے یہ بہت شاذ قرأت ہے حتی کہ بعض علماء نے فرمایا: وہ جائز ہی نہیں ہے۔ فرمایا: وہ کیسے یہ کہتے ہوں گے: خَفَّت الموالی من بعدی؟ یعنی میرے وصال کے بعد، حالانکہ وہ زندہ تھے۔ نحاس نے کہا: اس کی تاویل ہو سکتی ہے کہ مِنْ وَّرَآءِیْ سے مراد من بعد موتی نہ ہو لیکن من ورائی فی ذالك الوقت ہو۔ یہ تاویل بھی بعید ہے اور دلیل کی محتاج ہے کہ وہ اس وقت کم تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کثرت کی خبر دی ہے جب انہوں نے کہا: اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ (آل عمران: 44)

ابن عطیہ نے کہا: مِنْ وَّرَآءِیْ کا مطلب ہے اس زمانہ میں میرے بعد (2) اور یہ بھی وراء ہے جیسا کہ سورۃ الکہف میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا آپ کی بیوی ایشاع بنت فاقوذ ابن قبیل تھی۔ یہ حنہ بنت فاقوذ کی بہن تھی؛ یہ طبری کا قول ہے۔ حنہ یہ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ ہے جیسا کہ سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ قتبی نے کہا: حضرت زکریا کی بیوی ایشاع بنت عمران تھی۔ اس قول کی بنا پر حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خالہ کے بیٹے ہوں گے اور دوسرے قول کی بنا حضرت پر عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی خالہ کے بیٹے ہوں اور حدیث اسراء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فلقیت ابنی الخالة یحییٰ و عیسیٰ میں خالہ کے بیٹوں یحییٰ اور عیسیٰ سے ملا۔ یہ قول پہلے قول کا شاہد ہے۔ واللہ اعلم۔

العاقر اس عورت کو کہتے ہیں جو عمر کے زیادہ ہونے کی وجہ سے بچے جنم نہیں دیتی اس کا ذکر آل عمران میں ہو چکا ہے اور عورتوں میں عاقر اس کو بھی کہتے ہیں جو عمر کے زیادہ ہونے کے باوجود بھی بچے جنم نہیں دیتی اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ یَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا (الشوریٰ: 50)

اسی طرح مردوں میں سے بھی العاقر ہوتا ہے شاعر کا قول ہے:

لبئس الفتی إن کنتُ أعورَ عاقراً جبانا فما عُذْرِی لَدَی کُلِّ مَحْضَرِ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب العلم، جلد 2، صفحہ 58-57۔ ایضاً 3157۔ سنن ابن ماجہ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، حدیث نمبر 218

2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 5

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ یہ سوال اور دعا ہے بیٹے کے لیے، صراحۃً دعا نہیں کی۔ کیونکہ انہیں اپنی حالت بھی معلوم تھی اور عورت کے بارے بھی علم تھا۔ قتادہ نے کہا: ان کے لیے یہ امر جاری ہوا جبکہ عمر ستر سال سے زائد تھی۔ مقاتل نے کہا: پچہتر (75) سال تھی یہ زیادہ مناسب ہے۔ حضرت زکریا کا غالب گمان تھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے ان کا بچہ پیدا نہ ہوگا اسی وجہ سے کہا: وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا۔ ایک جماعت نے کہا: بلکہ انہوں نے بچہ طلب کیا(1) پھر اس بات کی قبولیت طلب کی کہ وہ زندہ رہے حتیٰ کہ وہ وارث بنے، اس بات سے حفاظت کے لیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بچے کے بارے میں دُعا قبول ہو لیکن پھر وہ ختم ہو جائے اور اس سے غرض پوری نہ ہو۔

مسئلہ نمبر 6۔ علماء نے فرمایا: حضرت زکریا علیہ السلام نے بچے کے لیے دعا کی تا کہ ان کے دین کا غلبہ ہو اور ان کی نبوت کا احیا ہو اور ان کے اجر میں اضافہ ہو دنیا کی خاطر دعا نہیں کی تھی۔ رب کریم نے انہیں قبولیت کا عادی بنا دیا تھا اسی وجہ سے انہوں نے کہا: لَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآىِٕكَ رَبِّ شَقِيًّا۔ یہ ایک اچھا وسیلہ ہے کہ انہوں نے اپنے اوپر نعمت کے وسیلہ سے سفارش طلب کی اور اس کے فضل کا، اس کے فضل کے وسیلہ سے سوال کیا۔

روایت ہے کہ حاتم طائی جو بہت سخی تھا اسے ایک شخص ملا اور اس نے اس سے سوال کیا۔ حاتم نے اسے کہا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں وہ ہوں جس پر تو نے پہلے سال احسان کیا تھا۔ حاتم نے کہا: خوش آمدید جس نے ہماری بارگاہ میں ہمیں ہی شفیع بنایا۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے بغیر اذن کے خارق للعادت امر کا کیسے سوال کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے انبیاء کے زمانوں میں جائز تھا اور قرآن حکیم میں اس مفہوم کی وضاحت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (آل عمران)

جب خارق للعادت امر کو دیکھا تو دُعا کی قبولیت میں ان کی امید مزید مستحکم ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً (آل عمران: 38)

مسئلہ نمبر 7۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ آیت بچے کے لیے دعا کرنے کے جواز پر دلالت کرتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اموال اور اولاد کی آفات سے ڈرایا ہے اور ان کے مفاسد پر تنبیہ کی ہے فرمایا: اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (التغابن: 15) اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ (التغابن: 14) اس کا جواب یہ ہے کہ بچے کے لیے دعا کرنا کتاب وسنت سے ثابت ہے جیسا کہ اس کا بیان سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ پھر حضرت زکریا علیہ السلام نے بری اولاد سے بچاؤ کیا۔ عرض کی: ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً (آل عمران: 38) اور کہا: وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا۔

جب بچہ ان صفات کا حامل ہو تو دنیا و آخرت میں والدین کے لیے نفع بخش ہوتا ہے اور وہ عداوت اور فتنہ کی حد سے نکل جاتا ہے اور مسرت ونعمت کا باعث ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے خادم انس کے لیے دعا فرمائی: اللّٰھم اکثر مالہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 5

وولدہ وبارك له فيما اعطيتہ۔ (1) اے اللہ! اس کے مال اور اولاد میں کثرت فرما اور جو تو اسے عطا فرمائے اس میں برکت دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا فرمائی تا کہ اس کثرت سے بچایا جائے جو ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے۔ اسی وجہ سے بندے کو اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں اپنی اولاد کی ہدایت اور دنیا وآخرت میں اس کی نجات کی دعا کرنی چاہیے تا کہ انبیاء علیہم السلام اور فضلاء و اولیاء کی اقتدا ہو جائے۔ اس کا بیان سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝ اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَّرِثُنِيْ اہل حرمین، حسن، عاصم اور حمزہ نے یرثنی اور یرث دونوں کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ یحییٰ بن یعمر، ابو عمرو اور یحییٰ بن وثاب، اعمش اور کسائی نے دونوں کو جزم کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں وھب کا جواب نہیں ہیں، جیسا کہ سیبویہ کا مذہب ہے۔ اس کی تقدیر اس طرح ہے: ان تھبہ یرثنہ دیرث۔ معنی کے اعتبار سے پہلا قول زیادہ درست ہے کیونکہ انہوں نے موصوف وارث طلب کیا تھا یعنی تو مجھے ایسا ولی عطا فرما جو اس حالت اور صفت پر ہو کیونکہ ان میں بعض اولیاء وارث نہیں ہوتے۔ فرمایا: ھب لی الذی یکون وراثی۔ یعنی مجھے عطا فرما جو میرے پیچھے رہنے والا ہو؛ یہ ابو عبیدہ کا قول ہے اور جزم کی قراءت کا رد کیا ہے۔ فرمایا: اس کا معنی ہے اگر تو مجھے عطا فرمائے تو تو اسے وارث بھی بنا وہ کیسے اللہ تعالیٰ کو اس کے متعلق خبر دے رہا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق اس سے بہتر جانتا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ مشہور حجت ہے کیونکہ نحویوں کے نزدیک جواب امر میں شرط اور جزا کا معنی ہوتا ہے تو کہتا ہے: اطع اللہ یدخلك الجنة۔ یعنی ان تطعه یدخلك الجنة۔ اگر تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا تو وہ تجھے جنت میں داخل کرے گا۔

مسئلہ نمبر 2۔ نحاس نے کہا: يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ کے معنی کے متعلق علماء کے تین جواب ہیں: بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد نبوت کی وراثت ہے۔ بعض نے فرمایا: حکمت کی وراثت ہے۔ بعض نے فرمایا: مال کی وراثت ہے۔ رہا ان کا قول کہ نبوت کی وراثت ہے یہ محال ہے کیونکہ نبوت میں میراث نہیں چلتی۔ اگر اس میں میراث ہوتی تو کہنے والا کہتا: لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں جبکہ وہ نبی مرسل ہے۔ اور علم و حکمت کی میراث کا قول عمدہ ہے۔ حدیث میں ہے: العلماء ورثة الانبياء۔ علماء، انبیاء کے وارث ہیں۔ اور رہا مال کی وراثت کا قول تو یہ بھی ممتنع نہیں اگرچہ ایک جماعت نے اس کا انکار کیا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لانورث ماترکنا صدقة۔ ہم میراث نہیں چھوڑتے جو ہم نے چھوڑا وہ صدقہ ہے۔ اس میں کوئی حجت نہیں کیونکہ ایک اپنے متعلق جمع کی اخبار کے ساتھ خبر دے رہا ہے کبھی اس کی اس معنی کے ساتھ تاویل کی جاتی ہے۔ لانورث الذی ترکنا صدقة۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسی چیز پیچھے نہیں چھوڑی جو آپ کی طرف سے بطور میراث ہوتی اور یہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی میں آپ کے لیے اس قول: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ (الانفال: 41) سے مباح فرمایا تھا کیونکہ لِلّٰهِ کا مطلب ہے سبیل اللہ۔ اور سبیل اللہ میں سے وہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصلحت میں تھا جب تک آپ ظاہری حیات میں تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ بعض روایات میں ہے:

1۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، قول اللہ تبارك و تعالىٰ وصل علیھم، جلد 2، صفحہ 938

انا معاشر الانبیاء لانورث ماترکنا صدقۃ۔ اس میں دو تاویلیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ ما بمعنی الذی ہے اور دوسرا یہ کہ جس کی یہ حالت ہو وہ میراث نہیں چھوڑتا۔ لانورث ماترکنا صدقۃ کی تاویل میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے اور یہ اکثر علماء اور جمہور علماء کا قول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میراث نہیں چھوڑی اور جو چھوڑا وہ صدقہ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث جاری نہیں ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ شان بخشی کہ آپ کا سارا مال صدقہ بنا دیا آپ کی فضیلت میں زیادتی کے لیے جیسا کہ نکاح میں، بعض چیز آپ کے لیے مباح کی گئی ہیں جبکہ وہ دوسرے لوگوں کے لیے حرام ہیں؛ یہ قول بعض اہل بصرہ کا ہے ان میں سے ایک ابن علیہ ہے اور باقی تمام علماء اسلام کا پہلا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد یعقوب اسرائیل ہے۔ حضرت زکریا کی شادی مریم بنت عمران کی بہن سے ہوئی تھی اور اس کا نسب حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف لوٹتا ہے کیونکہ وہ حضرت سلیمان بن داؤد کی اولاد سے تھی اور وہ یہودا ابن یعقوب کی اولاد سے تھے۔ اور حضرت زکریا علیہ السلام ہارون کی اولاد سے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے۔ حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ، لاوی بن یعقوب کی اولاد سے تھے۔ اور نبوت یعقوب بن اسحاق کی اولاد میں تھی۔ بعض علماء نے فرمایا: یہاں یعقوب سے مراد یعقوب بن ماتان ہے جو عمران بن ماتان کا بھائی تھا اور عمران حضرت مریم کا والد تھا۔ یہ دونوں حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی نسل سے دونوں بھائی تھے، کیونکہ یعقوب اور عمران، ماتان کے بیٹے تھے اور بنو ماتان بنی اسرائیل کے رؤسا تھے؛ یہ مقاتل وغیرہ کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: آل یعقوب آپ کے ماموں تھے اور وہ یعقوب بن ماتان تھے اور ان میں بادشاہت تھی اور حضرت زکریا علیہ السلام حضرت ہارون بن عمران کی اولاد سے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے۔ قتادہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یرحم اللہ تعالیٰ زکریا ماکان علیہ من ورثتہ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام پر رحم فرمایا اس وجہ سے جوان پر ان کے ورثاء کی طرف سے تھا۔ یعقوب غیر منصرف ہے کیونکہ عجمہ ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝ یعنی جس کے اخلاق اور افعال میں پسندیدگی ہو۔ بعض نے فرمایا: جو تیری قضاء و قدرت پر راضی ہو۔ بعض نے فرمایا: جو ایسا نیک ہو جس سے تو خوش ہو۔ ابو صالح نے کہا: اسے ایسا نبی بنا جیسے تو نے اس کے باپ کو نبی بنایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰزَکَرِیَّآ اس کلام میں حذف ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور پھر فرمایا: یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اسْمُهٗ یَحْیٰی یہ بشارت (1) تین چیزوں کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ (۱) ایک دعا کی قبولیت اور یہ ایک کرامت و عزت ہے۔ (۲) اسے بچہ عطا کرنا اور وہ قوۃ ہے۔ (۳) اس نام کے ساتھ ان کا منفرد ہونا۔ سورۂ آل عمران میں یحیٰی نام رکھنے کا معنی گزر چکا ہے۔ مقاتل نے کہا: ان کا نام یحیٰی رکھا کیونکہ وہ بوڑھے باپ اور بوڑھی ماں کے درمیان زندہ ہوئے۔ اس میں نظر ہے کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ ان کی بیوی بانجھ تھی بچے جنم نہیں دیتی تھی واللہ اعلم۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 3، صفحہ 356

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝ ہم نے یحییٰ سے پہلے کسی کا یہ نام نہیں رکھا(1)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ، ابن اسلم اور سدی کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان فرمایا کہ کسی کے والدین کو یہ نام رکھنے کی توفیق نہیں دی؛ یہ مجاہد وغیرہ کا قول ہے۔ سَمِيًّا اس کا معنی مثل اور نظیر ہے۔ یہ گویا المساماۃ اور السمو سے مشتق ہے۔ اس میں بعد ہے کیونکہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ پر انہیں فضیلت نہیں ہے مگر یہ کہ کسی خاص صفت میں فضیلت دی گئی ہو جیسے سرداری اور عورتوں سے اجتناب وغیرہ جیسا کہ سورۂ آل عمران میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے بانجھ عورتوں نے اس کی مثل بچہ جنم نہیں دیا(2)۔ بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قبل (پہلے) کی شرط لگائی کیونکہ ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سے افضل پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تھا اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ اچھے ناموں کا اثر ہوتا ہے۔ عرب اچھے نام رکھنے کی کوشش کرتے تھے کیونکہ وہ عار اور شرم دلانے سے زیادہ پاک ہوتے ہیں حتیٰ کہ شاعر نے کہا:

سُنُّعُ الأسامِي مُسْبِلِي أُزُر حُمْرٍ تَمَسُّ الأرضَ بالهُدُبِ

رؤبہ نے نسابہ بکری کو کہا جبکہ اس نے اس کا نسب پوچھا تھا: أنا ابن العجاج میں ابن العجاج ہوں۔ تو اس نے کہا: قَصَّرْتَ وعَرَّفْتَ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ۔ یہ انکار کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تعجب کی بنا پر ہے کہ وہ بانجھ عورت اور بوڑھے آدمی سے بچہ پیدا کرے گا۔ بعض علماء نے اس کے علاوہ بھی اقوال کہے ہیں جن کا بیان سورۂ آل عمران میں ہو چکا ہے۔ وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا۔ یعنی بڑھاپے، خشکی کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں ان کی مثل العسی ہے۔ اصمعی نے کہا: عسا الشئ یعسو عسوا وعساء کا معنی ہے خشک ہونا اور سخت ہونا۔ وقد عسا الشیخ یعسو عُسِیا۔ اس کا معنی ہے پیٹھ پھیرنا حد سے بڑھنا جیسے عتا ہے۔ کہا جاتا ہے: عتا الشیخ یعتو عُتیا وعِتیا۔ اس کا معنی ہے وہ حد سے بڑھ گیا، پیٹھ پھیر گیا۔ عتوت یافلان تعتو عتوا وعِتیا۔ اس کی اصل عتو ہے کیونکہ یہ واوی ہے پھر واو کو یاء سے بدلا گیا ہے کیونکہ وہ اس سے زیادہ خفیف ہے اور تمام آیات یاء پر ختم ہو رہی ہیں اور جنہوں نے عِتیا کہا ہے انہوں نے کسرہ اور یاء کے ساتھ ضمہ کو ناپسند کیا ہے۔ شاعر نے کہا:

انما يُعْذَرُ الوليد ولايُعْ ذَرُ مَنْ كان في الزَّمانِ عِتِيًّا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عُسیا پڑھا ہے۔ اسی طرح ابی کے مصحف میں ہے۔ یحییٰ بن وثاب، حمزہ، کسائی اور حفص نے عتیا عین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اسی طرح جثیا اور صلیا ہیں۔ جہاں بھی آئے ہیں۔ حفص نے بُکیا، کو ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اسی طرح باقی قراء نے تمام میں ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: عتیا قسیا کے معنی میں ہے، کہا جاتا ہے: ملک عاتٍ جب بادشاہ سخت دل ہو۔

1۔ تفسیر طبری، جز 16-15، صفحہ 60
2۔ ایضاً، جز 16-15، صفحہ 59

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ یعنی فرشتے نے حضرت زکریا علیہ السلام سے یہ کہا۔ کذالک محل رفع میں ہے یعنی الامر کذالك۔ یعنی معاملہ ایسا ہی ہے جیسا تجھے کہا گیا ہے۔ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ۔ فراء نے کہا: اس کا مطلب ہے مجھ پر اس کی تخلیق آسان ہے۔ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ یعنی یحییٰ سے پہلے میں نے تجھے پیدا کیا تھا؛ یہ اہل مدینہ، بصرہ اور عاصم کی قرأت ہے۔ تمام کوفیوں نے وقد خلقناك پڑھا ہے۔ ناجمع تعظیم کے لیے ہے۔ پہلی قرأت کلام کے زیادہ مناسب ہے۔

وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۝ ، یعنی اللہ تعالیٰ نے تجھے جس طرح عدم کے بعد پیدا کیا جبکہ تو موجود نہ تھا، وہ یحییٰ کی تخلیق اور ایجاد پر بھی قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً۔ ملائکہ کے بشارت دینے کے بعد اور وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا کے قول کے بعد طمانیت میں زیادتی کے لیے نشانی طلب کی یعنی میرے لیے کوئی نشانی بنا کر نعمت کو مکمل کر۔ یہ نشانی نعمت وکرامت کی زیادتی ہوگی۔ بعض علماء نے فرمایا: آپ نے نشانی طلب کی جو اس بات پر دلالت کرے کہ بشارت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے شیطان کی طرف سے نہیں ہے کیونکہ ابلیس نے ان کو وہم میں ڈالا تھا؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ سدی کے قول کا بھی یہی معنی ہے۔ اس قول میں نظر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ ملائکہ نے انہیں آواز دی جیسا کہ آل عمران میں گزر چکا ہے۔

قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ اس کا بیان بھی آل عمران میں گزر چکا ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ یعنی اپنی عبادت گاہ سے ان کی طرف جھانکا ہے۔ محراب بلند جگہ اور معزز مجلس ہوتی ہے۔ لوگ عبادت گاہیں زمین سے اونچی بناتے تھے۔ اس کی دلیل حضرت داؤد علیہ السلام کی محراب ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ لوگوں کا اس کے اشتقاق میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا: یہ الحرب سے مشتق ہے گویا اس میں ہمیشہ رہنے والا شیطان اور شہوات سے جنگ کرتا ہے۔ ایک جماعت نے کہا: الحرب (راء کے فتحہ کے ساتھ) سے مشتق ہے گویا عبادت خانہ میں رہنے والا تھکن اور مشقت اٹھاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ آیت دلیل ہے کہ امام کا مقتدیوں سے بلند ہونا ان کے نزدیک مشروع تھا۔ اس مسئلہ میں فقہاء الامصار کا اختلاف ہے۔ امام احمد بن حنبل وغیرہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور انہوں نے منبر والے واقعہ سے دلیل پکڑی ہے۔ امام مالک نے زیادہ اونچا ہونے سے منع کیا ہے، تھوڑا اونچا ہونے سے نہیں منع کیا۔ اور ان کے اصحاب نے منع کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ امام پر تکبر کا اندیشہ ہوگا۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے اس میں بہتر وہ ہے جو ابوداؤد نے ہمام سے روایت کیا ہے (1) کہ حذیفہ نے مدائن میں لوگوں کی امامت دکان پر کرائی تو ابو مسعود نے ان کی قمیص سے پکڑ کر انہیں کھینچا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ لوگوں کو اس طرح کرنے سے روکا گیا ہے؟ حذیفہ نے کہا: ہاں۔ مجھے اس وقت یاد آیا جب تو نے مجھے کھینچا۔ اور عدی بن ثابت انصاری سے روایت کیا ہے فرمایا: مجھے ایک شخص نے بیان کیا کہ وہ حضرت عمار بن یاسر کے ساتھ مدائن میں تھا۔ نماز کے لیے تکبیر کہی گئی تو عمار بن یاسر آگے بڑھے اور دکان پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے جبکہ لوگ نیچے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، الامام یکون مکان ارفع من مکان القوم، جلد 1، صفحہ 88

تھے۔ حضرت حذیفہ آگے بڑھے اور ان کے ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ حضرت عمار ان کے پیچھے پیچھے چلتے آئے حتی کہ حضرت حذیفہ نے انہیں اتار لیا۔ جب عمار نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت حذیفہ نے انہیں کہا: کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہیں سنا: ''جب کوئی شخص قوم کی امامت کرائے تو ان کی جگہ سے بلند جگہ پر کھڑے نہ ہو(1)'' یا اسی جیسے کلمات فرمائے۔ حضرت عمار نے کہا: اسی وجہ سے میں تمہارے پیچھے پیچھے چلتا آیا جب تو نے میرے ہاتھوں کو پکڑا۔

میں کہتا ہوں: ان تینوں صحابہ نے بلند جگہ پر کھڑے ہونے کے بارے میں نہی کی خبر دی ہے۔ اور کسی نے حدیث منبر سے حجت نہیں پکڑی، تو یہ دلیل ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ اور اس کے نسخ پر دلیل یہ ہے کہ اس میں عمل زائد ہے اور وہ منبر سے اترنا اور چڑھنا ہے پس یہ منسوخ ہے۔ جس طرح نماز میں کلام اور سلام منسوخ ہیں۔ یہ اولیٰ ہے اس سے ہمارے اصحاب نے دلیل پیش کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تکبر سے محفوظ تھے: نیز بہت سے آئمہ ایسے ہوتے ہیں جن میں کبر نہیں ہوتا۔ ان میں سے بعض نے یہ علت بیان کی ہے کہ منبر کی بلندی تھوڑی تھی۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا۝۱۱ کلبی، قتادہ اور ابن منبہ نے کہا: اس نے ان کی طرف اشارہ کیا ہے(2)۔ قتبی نے کہا: اس نے اشارہ کیا۔ مجاہد نے کہا: اس نے زمین پر لکھا۔ عکرمہ نے کہا: کتاب میں کئی کتب۔ کلام عرب میں وحی کا مطلب لکھنا ہے۔ اسی سے ذوالرمۃ کا قول ہے:

سوى الأربع الدُّهْم اللواتى كأنها　　بقيّةُ وَحْيٍ فى بطونِ الصحائِف

عنترہ نے کہا ہے:

كوحيِ صحائفَ من عهد كسرى　　فأهداها　لِأعجم　طِمْطِمِيّ

ان دونوں اشعار میں وحی بمعنی کتابت استعمال ہوئی ہے۔

بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا دونوں ظرف ہیں۔ فراء نے کہا: العشی مؤنث ہے اور اس کی تذکیر جائز ہے جب تو اسے مبہم کرے۔ اس نے کہا: کبھی العشی، عشیۃ کی جمع ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ سورۂ آل عمران میں اشارہ میں حکم گزر چکا ہے۔ ہمارے علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کوئی کہے: میں فلاں سے کلام نہیں کروں گا، پھر اس کی طرف تحریر لکھ دے یا کوئی پیغام رساں بھیج دے۔ امام مالک نے فرمایا: ایسا کرنے سے وہ حانث ہو جائے گا مگر یہ کہ اس نے بالمشافہ گفتگو کرنے کی نیت کی ہو۔ پھر رجوع کیا اور فرمایا: تحریر میں نیت نہ ہوگی اور وہ حانث ہو جائے گا مگر یہ کہ خط پہنچنے سے پہلے واپس لے لے۔ ابن القاسم نے کہا: جب وہ اس تحریر کو پڑھے گا تو حانث ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر قسم اٹھانے والا المحلوف علیہ (جس کے متعلق قسم اٹھائی گئی تھی) کی تحریر پڑھے تو بھی یہی حکم ہے۔ اشہب نے کہا: جب قسم اٹھانے والا اسے پڑھے گا تو حانث (قسم توڑنے والا) نہ ہوگا۔ یہ واضح ہے کیونکہ اس نے کلام

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، الامام یکون مکان ارفع من مکان القوم، جلد 1، صفحہ 88

2۔ تفسیر طبری، جز 16-15، صفحہ 64

نہیں کی اور نہ کلام سے ابتدا کی مگر یہ کہ اس نے یہ ارادہ کیا ہو کہ وہ اس کی کلام کا معنی نہیں جانے گا تو اس صورت میں حانث ہو جائے گا۔ ابن القاسم کا قول اس پر محمول ہوگا اگر قسم اٹھائے کہ وہ ضرور اس سے کلام کرے گا پھر تو وہ اپنی قسم کو پورا نہیں کر سکے گا حتیٰ کہ بالمشافہ گفتگو کرے۔ ابن الماجشون نے کہا: اگر یہ قسم اٹھائے کہ اگر اس نے جانا تو وہ اسے سکھائے گا یا اسے خبر دے گا پھر اس نے اسے لکھ کر بھیج دیا یا کوئی پیغام رسان بھیج دیا تو وہ قسم پوری کرنے والا ہوگا۔ اور اگر دونوں نے اسے سکھایا تو قسم پوری کرنے والا نہیں ہوگا حتیٰ کہ وہ اسے سکھائے کیونکہ ان دونوں کا علم مختلف ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ امام مالک، امام شافعی اور کوفیوں کا اتفاق ہے گونگا جب اپنے ہاتھ سے طلاق لکھے گا تو طلاق لازم ہو جائے گی۔ کوفیوں نے کہا: مگر کوئی شخص کئی دن بہرہ کیا گیا ہو پھر اس نے طلاق لکھی تو اس سے کوئی چیز جائز نہ ہوگی۔ طحاوی نے کہا: گونگا، عارضی بہرے پن کے مخالف ہے جیسا کہ مرض کی وجہ سے ایک دن جماع سے عارضی عاجز شخص کا حکم جماع سے ہمیشہ مایوس شخص کے حکم کے مخالف ہے، جیسا کہ جدائی میں عورت کے خیار کے باب میں مجنون کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰیَحۡیٰی خُذِ الۡکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ اس کلام میں حذف ہے معنی یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کا بچہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مولود (یحییٰ) کو کہا: یٰیَحۡیٰی خُذِ الۡکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ۔ یہ اختصار ہے جس پر کلام دلالت کر رہی ہے۔ الۡکِتٰبَ سے مراد تورات ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ بِقُوَّۃٍ سے مراد کوشش اور اجتہاد ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے (1)۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے اس کا علم حاصل کرنا، اس کو یاد کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ اور یہ عمل کرنا ہے اس کے اوامر کا التزام ہے اور نواہی سے رکنا ہے؛ یہ زید بن اسلم کا قول ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاٰتَیۡنٰہُ الۡحُکۡمَ صَبِیًّا ﴿۱۲﴾ بعض علماء نے فرمایا: الۡحُکۡمَ سے مراد احکام اور ان کی معرفت۔ ہے۔ معمر نے روایت کیا ہے کہ بچوں نے یحییٰ سے کہا: ہمارے ساتھ چلو ہم کھیلیں گے۔ انہوں نے کہا: میں کھیل کے لیے پیدا نہیں کیا گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا: وَاٰتَیۡنٰہُ الۡحُکۡمَ صَبِیًّا۔ قتادہ نے کہا: آپ اس وقت دو یا تین سال کے تھے۔ مقاتل نے کہا: آپ تین سال کے تھے۔ صبیا پر نصب حال کی بنا پر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس نے بالغ ہونے سے پہلے قرآن پڑھا وہ وہ ہے جسے بچپن میں حکم عطا کیا گیا (2)۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عمر کے طریق سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: "قیامت کے روز آدم علیہ السلام کا ہر بیٹا آئے گا اور اس پر گناہ ہوگا سوائے یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے"۔ قتادہ نے کہا: حضرت یحییٰ علیہ السلام نے کبھی اللہ تعالیٰ کی کوئی چھوٹی اور بڑی نافرمانی نہیں کی (3)۔ اور نہ آپ کو کسی عورت کا خیال آیا۔ مجاہد نے کہا: حضرت یحییٰ علیہ السلام کا کھانا، گھاس تھا۔ اس کے رخساروں پر آنسوؤں کے لیے گزرگاہیں بنی ہوئی تھیں۔ وسیدا وحصورا، کا معنی سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّ حَنَانًا مِّنۡ لَّدُنَّا، حَنَانًا، کا عطف الحکم پر ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ الحنان کیا ہے (4)۔ جمہور مفسرین نے کہا: الحنان کا مطلب شفقت، الرحمۃ اور

1۔ تفسیر طبری، جز 16-15، صفحہ 65
2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 7
3۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 8
4۔ تفسیر طبری، جز 16-15، صفحہ 67

المحبة ہے اور یہ نفس کے افعال میں سے ایک فعل ہے۔ نحاس نے کہا: الحنان کے معنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دو قول مروی ہیں (۱) فرمایا: اللہ تعالیٰ کا رحمت کے ساتھ ان پر مہربانی فرمانا (۲) اور دوسرا قول یہ ہے کہ جو اس نے لوگوں پر رحمت فرمائی حتی کہ انہیں کفر وشرک سے نکالا (1)۔ اس کی اصل حنین الناقة علی ولدھا یعنی اونٹنی کا اپنے بچے پر انتہائی مہربان ہونا، کہا جاتا ہے: حنانك وحنانيك بعض علماء نے فرمایا: یہ دونوں لغتیں ہیں اور معنی ایک ہے۔ بعض نے فرمایا: حنانيك، الحنان کا تثنیہ ہے ابو عبیدہ نے کہا: عرب کہتے ہیں: حنانك يارب وحنانيك يارب، دونوں کا معنی ایک ہے، مراد رحمت ہے۔ امرء القیس نے کہا:

وَيَمْنَحُهَا بَنُو شَمَجَى بن جَرْمٍ مَعِيزَ هُمُ حَنَانَكَ ذَا الحَنَانِ

اور طرفہ نے کہا:

أبا مُنْذِرٍ أفْنَيْتَ فاسْتَبْقِ بَعْضَنَا حَنَانَيْكَ بعضُ الشَّرِّ أهْوَنُ مِنْ بَعْضِ

زمخشری نے کہا: حنانا، اپنے والدین وغیرہما کے لیے رحمت ومہربانی اور شفقت کا مظاہرہ کرنا ہے۔ سیبویہ نے یہ شعر کہا:

فقالتْ حَنَانٌ ما أتَى بك ها هُنا أذُو نَسَبٍ أم أنتَ بالحَيِّ عارِفُ

ابن الاعرابی نے کہا: الحنان، اللہ تعالیٰ کی صفت ہے نون مشدد کے ساتھ ہو تو اس کا معنی الرحیم ہے اور نون مخفف ہو تو اس کا معنی مہربانی کرنا اور رحمت ہے۔ الحنان کا معنی رزق اور برکت بھی ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: عرب کلام میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں بڑے امر کو بھی کہتے ہیں اسی سے زید بن عمرو بن نفیل کا قول حدیث بلال میں ہے: اللہ کی قسم! اگر تم اس غلام کو قتل کر دو گے تو میں اس پر رحم کروں گا۔ اس خبر کو ہروی نے ذکر کیا ہے انہوں نے کہا: حدیث بلال میں ہے ورقہ بن نوفل حضرت بلال کے پاس سے گزرے جبکہ انہیں عذاب دیا جا رہا تھا تو ورقہ نے کہا: واللہ لئن قتلتم لأتخذنہ حنانا۔ ہروی نے کہا: اس کا معنی ہے میں اس پر مہربانی کروں گا اور اس پر رحم کروں گا کیونکہ یہ اہل جنت سے ہے۔

میں کہتا ہوں: الحنان کا معنی العطف ہے۔ اسی طرح مجاہد نے کہا: اور حناناً ہمارا اس کی طرف مائل ہونا یا اس کا مخلوق کی طرف کرم فرمانا ہے۔ حطیہ نے کہا:

تَحَنَّنْ عليَّ هَدَاكَ المليكُ فإنّ لكلِّ مقامٍ مقالًا

عکرمہ نے کہا: اس کا معنی محبت ہے۔ حنة الرجل امرأته، کہا جاتا ہے، دونوں کی آپس میں محبت کی وجہ سے۔ شاعر نے کہا:

فقالت حَنَانٌ ماأتَى بك ههنا أذُو نَسَبٍ أمْ أنْتَ بالحَيِّ عارِفُ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَزَكٰوةً، الزکاۃ کا معنی تطہیر، برکت اور خیر اور نیکی میں زیادتی کرنا ہے، یعنی ہم نے اسے لوگوں کے لیے برکت والا بنا دیا ہے، وہ لوگوں کو ہدایت دیتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہم نے اس کی تعریف کے ساتھ اس کا تزکیہ کیا ہے، جس طرح گواہ کسی انسان کا تزکیہ کرتے ہیں۔ پس بعض علماء نے فرمایا: زَكٰوةً کا مطلب ہے اس

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 7

کے والدین پر اس کو صدقہ کیا؛ یہ ابن قتیبہ کا قول ہے۔ وَ كَانَ تَقِيًّا یعنی وہ اللہ تعالیٰ کا اطاعت کرنے والا ہے۔ اس وجہ سے انہوں نے کوئی خطا کی اور نہ کبھی انہیں ایسا خیال آیا۔ اللہ کا ارشاد ہے: وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ، البر بمعنی البار ہے۔ نیکی کو فروغ دینے والا۔ جَبَّارًا، متکبر۔ یہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نرمی اور تواضع کے اوصاف ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ طبری وغیرہ نے کہا(1): اس کا معنی ہے امان۔ ابن عطیہ نے کہا: میرے نزدیک اظہر یہ ہے کہ یہ متعارف سلام ہے(2)۔ یہ امان سے زیادہ اشرف و معزز مقام ہے کیونکہ امان کو ان کے لیے ان سے عصیان کی نفی سے بھی حاصل ہوتی ہے اور یہ کم درجہ ہے اور شرف اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر سلام بھیجا اور اسے ایسے موقع پر زندہ رکھا جہاں انسان حد درجہ ضعیف و کمزور اور حاجت میں ہوتا ہے اور حیلہ کم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قوت کی طرف محتاج ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ عمدہ قول ہے ہم نے اس کا معنی سورۂ سبحان میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کے بیان میں سفیان بن عیینہ سے ذکر کیا ہے۔ طبری نے حسن سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام آپس میں ملے وہ دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔ حضرت یحییٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا کریں آپ مجھ سے بہتر ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا: آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں آپ مجھ سے بہتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر سلام بھیجا ہے اور میں نے اپنے اوپر خود سلام بھیجا ہے۔ بعض علماء نے سلام کرنے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت کا مسئلہ نکالا ہے فرمایا: انہوں نے اپنے اوپر سلام کرنے میں اور اللہ کی بارگاہ میں اپنی قدر و منزلت میں راہنمائی کی ہے، جو منزلت ثابت ہے جب اللہ تعالیٰ نے اس کو ثابت کیا۔ اور قرآن حکیم میں سلام کیے جانے سے زیادہ بلند مرتبہ حکایت کیا گیا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: ہر ایک کی ایک وجہ ہے(3)۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ اِنِّيْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَهُزِّيْۤ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا

1۔ تفسیر طبری، جز 16-15، صفحہ 69　2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 8　3۔ ایضاً

جَنِيًّا ﴿۲۵﴾ فَكُلِي وَ اشْرَبِي وَ قَرِّي عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُولِي اِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾

''اور (اے حبیب!) بیان کیجئے کتاب میں مریم (کا حال) جب وہ الگ ہوگئی اپنے گھر والوں سے ایک مکان میں جو مشرق کی جانب تھا۔ پس بنالیا اس نے لوگوں کی طرف سے ایک پردہ پھر ہم نے بھیجا اس کی طرف اپنے جبرائیل کو پس وہ ظاہر ہوا اس کے سامنے ایک تندرست انسان کی صورت میں۔ مریم بولیں: میں پناہ مانگتی ہوں رحمن کی تجھ سے اگر تو پرہیزگار ہے۔ جبرئیل نے کہا: میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ میں عطا کروں تجھے ایک پاکیزہ فرزند۔ مریم (حیرت سے) بولیں (اے بندہ خدا) کیونکر ہوسکتا ہے میرے ہاں بچہ حالانکہ نہیں چھوا مجھے کسی بشر نے اور نہ میں بدچلن ہوں۔ جبرئیل نے کہا: یہ درست ہے (لیکن) تیرے رب نے فرمایا: یوں بچہ دینا میرے لیے معمولی بات ہے اور (مقصد یہ ہے کہ) ہم بنالیں اسے اپنی (قدرت کی) نشانی لوگوں کے لیے اور سراپا رحمت اپنی طرف سے اور یہ ایسی بات ہے جس کا فیصلہ ہوچکا ہے۔ پس وہ حاملہ ہوگئیں اس (بچہ) سے پھر وہ گئیں اسے (شکم میں) لیے کسی دور جگہ۔ پس لے آیا انہیں دردِ زہ ایک کھجور کے تنے کے پاس (بصد حسرت و یاس) کہنے لگیں: کاش! میں مرگئی ہوتی اس سے پہلے اور بالکل فراموش کردی گئی ہوتی۔ پس پکارا اسے ایک فرشتہ نے اس کے نیچے سے: (اے مریم!) غمزدہ نہ ہو جاری کردی ہے تیرے رب نے تیرے نیچے ایک ندی۔ اور ہلاؤ اپنی طرف کھجور کے تنے کو گرنے لگیں گی تم پر پکی ہوئی کھجوریں (میٹھے میٹھے خرمے) کھاؤ اور (ٹھنڈا پانی) پیو اور (اپنے فرزند دلبند کو دیکھ کر) آنکھیں ٹھنڈی کرو پھر اگر تم دیکھو کسی آدمی کو تو (اشارہ سے اسے) کہو کہ میں نے نذر مانی ہوئی ہے رحمن کے لیے (خاموشی کی) روزہ کی پس میں آج کسی انسان سے گفتگو نہیں کروں گی''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ یہ قصہ کی ابتدا ہے اس کا پہلے واقعہ سے تعلق نہیں اور خطاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، یعنی دور ہوگئی۔ النبذ کا معنی پھینکنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ (آل عمران: 187) مِنْ اَهْلِهَا، یعنی ان سے جو آپ کے ساتھ تھے۔ اذ، مریم سے بدل اشتمال ہے کیونکہ اوقات اس پر مشتمل ہوتے ہیں جو ان میں ہوتا ہے۔ الانتباذ کا معنی جدا ہونا اور علیحدہ ہونا ہے۔ علماء کا اختلاف ہے کہ حضرت مریم کیوں جدا ہوئیں؟ سدی نے کہا: وہ علیحدہ ہوئیں تاکہ حیض اور نفاس سے پاک ہوجائیں۔ دوسرے علماء نے کہا: تاکہ اللہ کی عبادت کریں۔ یہ قول عمدہ ہے۔ حضرت مریم عبادت خانہ کی خدمت اور اس میں عبادت کرنے پر وقف تھیں اسی لیے وہ لوگوں سے جدا ہوئیں اور مشرقی جانب محراب میں داخل ہوئیں تاکہ خلوت میں عبادت کریں تو ان کے پاس جبرئیل آئے۔ مَكَانًا شَرْقِيًّا، مشرقی جانب کی جگہ۔ الشرق راء کے سکون کے ساتھ اس مکان کو کہتے ہیں جس میں سورج کی دھوپ پڑتی ہے۔ الشرق راء کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد سورج ہوتا ہے۔ مشرقی مکان کو خاص کیا گیا ہے کیونکہ وہ مشرقی جہت کی تعظیم کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ انوار طلوع ہوتے تھے۔ اور جہات شرقیہ ہر چیز سے افضل تھیں؛ یہ طبری نے حکایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

حکایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں (1) کہ نصاریٰ نے مشرق کو کیوں قبلہ بنایا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ پس انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی جگہ کی جہت کو قبلہ بنالیا وہ کہتے تھے: اگر زمین کی کوئی جہت مشرق سے بہتر ہوتی تو حضرت مریم علیہا السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس جہت میں جنم دیتیں۔

علماء کا حضرت مریم کی نبوت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: اس ارسال اور فرشتے سے گفتگو کی وجہ سے نبیہ تھیں۔ بعض نے فرمایا: نبیہ نہیں تھیں انسان کی مثال نے ان سے کلام کیا تھا اور ان کا فرشتے کو دیکھنا ایسے ہی تھا جیسے جبرئیل کو دحیہ کلبی کی صفت میں دیکھا گیا تھا جب انہوں نے ایمان اور اسلام کے بارے میں سوال کیا تھا۔ پہلا قول اظہر ہے اس مفہوم پر کلام سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ والحمد للہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا، بعض علماء نے فرمایا: وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے روحوں کو اجساد سے پہلے پیدا فرمایا تھا اور حضرت عیسیٰ کا جسم جو حضرت مریم کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا تھا اس میں روح پھونکی۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ روح کو اللہ کی طرف تخصیص اور کرامت کے لیے مضاف کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے یہ جبرئیل علیہ السلام تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَتَمَثَّلَ لَهَا، یعنی فرشتہ مریم کے لیے انسانی شکل میں آیا۔ بَشَرًا، تفسیر یا حال ہے۔ سَوِيًّا، متوازا خلقت والا، چونکہ حضرت مریم، جبریل کو اصلی شکل میں دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتی تھیں۔ اس لیے انسانی شکل میں آئے۔ جب حضرت مریم نے انسانی شکل میں ایک خوبصورت انسان دیکھا جس نے آپ پر قائم پردہ کو ہٹایا (اور اندر آگیا) تھا تو آپ نے خیال کیا کہ یہ کوئی برائی کا ارادہ رکھتا ہے۔ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ یعنی میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو ان لوگوں میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ بکالی نے کہا: جبرئیل امین رحمن کے ذکر سے گھبرا کر پیچھے ہٹے۔ ثعلبی نے کہا: وہ نیک شخص تھا تو حضرت مریم نے تعجب کی بنا پر پناہ مانگی۔ بعض نے فرمایا: تقی فعیل بمعنی مفعول ہے، یعنی تو ان لوگوں سے ہے جن سے بچا تا ہے۔ بخاری میں ہے ابووائل نے کہا: مریم علیہا السلام جانتی تھیں کہ متقی عقلمند ہوتا ہے جب انہوں نے کہا: اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا، بعض نے فرمایا: تقی اس وقت میں معروف فاجر شخص کا نام ہے؛ یہ وہب بن منبہ کا قول ہے، مکی وغیرہ نے اس حکایت کیا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ قول ضعیف ہے اندازہ سے قول کیا گیا ہے (2)۔ جبرئیل نے حضرت مریم سے کہا: اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ عطا کرنے کی نسبت جبریل نے اپنی طرف کی کیونکہ اس عطیہ کی آگاہی جبریل کی طرف سے تھی۔ ورش نے نافع سے روایت کر کے لیہب لک پڑھا ہے۔ اس مفہوم پر کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے تا کہ وہ تجھے عطا کرے۔ بعض علماء نے فرمایا: لاھب اپنے حق پر محمول ہے یعنی فرمایا میں نے اسے بھیجا تا کہ میں تجھے عطا کروں۔ اور أهب بغیر ہمزہ کے ہو تو احتمال رکھتا ہے کہ یہ بمعنی مہموز ہو پھر ہمزہ میں تخفیف کی گئی ہو جب حضرت مریم نے اس کے قول سے یہ سنا تو استفہام کے طریق پر کہا: قَالَتْ اَنّٰى

1۔ تفسیر طبری، جز 16-15، صفحہ 71　2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 9

یَكُوۡنُ لِیۡ غُلٰمٌ وَّلَمۡ یَمۡسَسۡنِیۡ بَشَرٌ یعنی مجھ سے کسی کا نکاح نہیں ہوا، وَّلَمۡ اَكُ بَغِیًّا میں زانیہ نہیں ہوں۔ یہ آپ نے بطور تاکید ذکر کیا کیونکہ لَمۡ یَمۡسَسۡنِیۡ بَشَرٌ کا قول حلال اور حرام کو شامل ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: حضرت مریم نے اللہ کی قدرت سے کسی چیز کو بعید نہیں سمجھا لیکن انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ بچہ کیسے پیدا کیا؟ یہ مستقبل میں خاوند کی طرف سے پیدا ہوگا یا اللہ تعالیٰ ابتداً اسے پیدا فرمائے گا؟ روایت ہے کہ جبرئیل نے جب حضرت مریم سے یہ بات کی تو آپ نے آپ کی قمیص کے گریبان میں اور آستین میں پھونک ماردی؛ یہ ابن جریج کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جبرئیل نے قمیص کی کشادہ جگہ کو اپنی انگلیوں سے پکڑا اور اس میں پھونک ماردی۔ پس حضرت مریم اسی وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حاملہ ہوگئیں۔ طبری نے کہا: نصاریٰ نے کہا حضرت مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حاملہ ہوئیں تو ان کی عمر تیرہ سال تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اٹھائے جانے تک بتیس سال اور کچھ دن باقی رہے اور حضرت مریم ان کے اٹھائے جانے کے بعد چھ سال باقی رہیں۔ حضرت مریم کی کل عمر پچاس سال سے کچھ زائد تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِنَجۡعَلَهٗۤ یہ محذوف کے متعلق ہے یعنی نخلقة لنجعله، ہم اسے تخلیق کریں گے تاکہ اسے اپنی عجیب قدرت کی نشانی بنادیں۔ رَحۡمَةً اور اس کے لیے رحمت بنادیں جو ان پر ایمان لائے۔ وَكَانَ اَمۡرًا مَّقۡضِیًّا لوح محفوظ میں یہ مقدار اور مسطور ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَانۡتَبَذَتۡ بِهٖ مَكَانًا قَصِیًّا یعنی وہ حمل کے ساتھ دور کے مکان میں جدا ہوگئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وادی کے دور کنارے پر یہ بیت لحم کی وادی ہے (1)۔ اس کے اور ایلیاء کے درمیان چار میل کا فاصلہ ہے وہ اس لیے دور چلی گئی تھیں کہ قوم انہیں عار دلائے گی کہ بغیر خاوند کے بچہ جنم دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ کوئی لمبا عرصہ نہیں ہوا تھا پس وہ حاملہ ہوئی تھیں اور اسی وقت جنم دیا تھا، یہ ظاہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حمل کے بعد پھینکنے کا ذکر کیا ہے۔ بعض نے اس کے علاوہ قول کیا ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاَجَآءَهَا الۡمَخَاضُ اِلٰی جِذۡعِ النَّخۡلَةِ، اجاءها کا معنی ہے اس نے اسے مجبور کرلیا (2)۔ جاء کو ہمزہ کے ساتھ متعدی بنایا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے: جاء به واجاءه إلى موضع کذا، جیسے کہا جاتا ہے: ذهب به واذهبه، شبیل، اور رویت نے عاصم سے فَاَجَآءَهَا مفاجات سے مشتق کر کے پڑھا ہے۔ زہیر نے کہا:

وجَارٍ سَارَ معتمداً إلينا أجاءَتْهُ المخَافَةُ والرَّجَاءُ

جمہور علماء نے الۡمَخَاضُ میم کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن کثیر سے مروی ہے کہ انہوں نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ الۡمَخَاضُ سے مراد دردزہ ہے۔ مخضت المرأة تَمخض مَخَاضا ومِخاضاً۔ ناقة ماخض، ایسی اونٹنی جس کے بچے کی پیدائش قریب ہو۔ اِلٰی جِذۡعِ النَّخۡلَةِ گویا اس نے ایسی چیز طلب کی جس کے ساتھ سہارا لے اور اس سے متعلق ہو جیسے حاملہ عورت درد کی شدت کی وجہ سے کسی چیز کو پکڑتی ہے۔ الجذع، کھجور کے خشک تنا کو کہتے ہیں جو صحرا میں ہو اور اس پر پتے نہ ہوں اور نہ ٹہنی ہو اسی وجہ سے الی النخلة نہیں فرمایا۔ قَالَتۡ یٰلَیۡتَنِیۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا حضرت مریم نے دین کی جہت سے دو

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 10
2۔ ایضاً

وجوہ کی بنا پر موت کی تمنا کی۔ ا۔ انہیں خوف ہوا کہ اس کے متعلق ان کے دین میں شر کا گمان کیا جائے گا اور عار دلائی جائے گی اور یہ چیز اسے فتنہ میں ڈال دے گی۔ ۲۔ تا کہ قوم ان کے سبب بہتان اور زنا کی طرف نسبت کرنے میں مبتلا نہ ہو کیونکہ یہ چیز مہلک ہے اس حد پر موت کی تمنا جائز ہے۔ یہ معنی سورۂ یوسف میں گزر چکا ہے۔

میں کہتا ہوں: میں نے سنا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام نے ایک شخص کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا نکل جا اے وہ جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جاتی ہے تو آپ اس وجہ سے پریشان ہوئیں۔ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾ کلام عرب میں النسی کا معنی وہ حقیر شی ہے جس کی شان یہ ہو کہ وہ بھلائی جائے اور اس کے گم ہونے سے پریشانی نہ ہو جیسے کیل اور رسی جو مسافر کے پاس ہوتے ہیں۔ یہ عربوں سے حکایت ہے کہ وہ جب ایک منزل سے کوچ کرنے کا ارادہ کرتے تھے تو کہتے تھے: احفظوا أنساء کم۔ النساء، نسی کی جمع ہے اس سے مراد وہ حقیر چیز ہے جس سے غفلت کی جائے اور بھلائی جائے۔ اسی سے کیت کا قول ہے:

أتجعلُنا جِسْراً لكلب قُضاعةٌ　　ولسْتُ بِنِسْيٍ في مَعَدٍّ ولا دَخْلِ

فراء نے کہا: النسی سے مراد وہ چیتھڑے ہیں جو عورت حیض کے خون سے ملوث کر کے پھینک دیتی ہے۔ نسیا نون کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جیسے الحَجر اور الحِجر، الوَتر اور الوِتر، محمد بن کعب قرظی نے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ نسئاً، اور نون کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ نوف بکالی نے نسأ نون کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ انہوں نے نساء اللہ تعالیٰ فی أجلہ سے مشتق کیا ہے جس کا معنی ہے اللہ نے اس کی عمر میں تاخیر فرمائی۔ یہ ابوالفتح اور دانی نے محمد بن کعب سے حکایت کیا ہے۔ بکر بن حبیب نے نسّا سین کی شد اور نون کے فتحہ کے ساتھ بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے۔ طبری نے حضرت مریم کے قصص میں حکایت کیا ہے کہ جب حضرت مریم، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حاملہ ہوئیں تو ان کی بہن حضرت یحییٰ کے ساتھ حاملہ ہوئیں۔ حضرت یحییٰ کی والدہ ان کی زیارت کے لیے آئی تو حضرت مریم نے اسے کہا: کیا تجھے معلوم ہے کہ میں حاملہ ہو گئی ہوں۔ آپ کی بہن نے کہا: میں محسوس کرتی ہوں کہ جو میرے پیٹ میں ہے وہ اسے سجدہ کر رہا ہے جو تمہارے پیٹ میں ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ روایت ہے کہ اس نے اپنے جنین (پیٹ کا بچہ) کو محسوس کیا کہ حضرت مریم کے بطن کی طرف اپنا سر جھکا رہا ہے۔ سدی نے کہا: اس ارشاد سے یہی مراد ہے۔ مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ سَيِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ (آل عمران) ان کے قصص میں طبری نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت مریم بنی اسرائیل کے ایک شخص کے ساتھ بھاگ گئی تھیں اسے یوسف نجار کہا جاتا تھا وہ بھی حضرت مریم کے ساتھ مسجد کی خدمت کرتا تھا (1)۔ انہوں نے اس میں بڑی طویل گفتگو کی ہے۔ کلبی نے کہا: یوسف کو کہا گیا کہ مریم زنا کی وجہ سے حاملہ ہوئی ہے (نعوذ باللہ من ذالک القول) ابھی فرشتہ نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو جبرئیل امین یوسف کے پاس آئے اور کہا: یہ روح القدس سے ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ تمام واقعات ضعیف ہیں۔ یہ قرآنی واقعہ تقاضا کرتا ہے کہ حضرت مریم حاملہ ہوئیں

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 10

اور وہ عورتوں کے عرف پر حاملہ رہیں۔ روایات ایک دوسری کی تائید کرتی ہیں کہ انہوں نے آٹھ ماہ کے بعد بچہ جنم دیا؛ یہ عکرمہ کا قول ہے اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ آٹھ ماہ کا بچہ زندہ نہیں رہتا تا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت باقی رہے۔ بعض علماء نے فرمایا: انہوں نے نو ماہ کے بعد بچہ جنم دیا، بعض نے کہا: چھ ماہ بعد جنم دیا۔ جو ہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے وہ اصح اور اظہر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ، یہ میم کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مَنْ سے مراد جبرئیل ہے (1) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کلام نہ کی حتیٰ کہ حضرت مریم اسے قوم کے پاس لے آئیں یہ علقمہ، ضحاک اور قتادہ کا قول ہے۔ اس میں حضرت مریم کے لیے نشانی اور علامت تھی کہ اللہ تعالیٰ کے خارق للعادت امور میں کوئی مقصد عظیم ہوتا ہے۔ اَلَّا تَحْزَنِیْ، یہ ندا کی تفسیر ہے اور ان مفسرہ بمعنی ای ہے معنی ہے کہ بچے کے جنم سے پریشان نہ ہو۔ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِیًّا ۝ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ السری مردوں میں سے اسے کہتے ہیں جو عظیم خصال کا حامل ہو اور سردار ہو۔ حسن نے فرمایا: اللہ کی قسم! مردوں میں سے السری تھا یعنی سردار تھا۔ کہا جاتا ہے: سری فلان علی فلان۔

جمہور علماء نے کہا: یہ اس نالی کی طرف اشارہ ہے جو کھجور کے تنا کے قریب تھی (2)۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: السری سے مراد نہر ہے جس کا پانی ختم ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے لیے اسے جاری فرما دیا۔ النہر کو سریا کہتے ہیں گویا اس کا پانی اس میں چلتا ہے جیسا شاعر نے کہا:

سَلْمٌ تَرَى الدَّالِیَ منه أَزْوَرَا　　إِذَا یَعُبُّ فِی السَّرِیِّ هَرْهَرَا

لبید نے کہا:

فَتَوَسَّطَا عُرْضَ السَّرِیِّ وَصَدَّعَا　　مَسْجُورَةً مُتَجَاوِرًا قُلَّامُهَا

بعض علماء نے فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت مریم کو ندا دی حضرت مریم کے دل کی تسکین کے لیے یہ معجزہ اور نشانی تھی۔ پہلا قول اظہر ہے۔ حضرت ابن عباس نے اسے فناداها ملك من تحتها، پڑھا ہے۔ علماء نے فرمایا: حضرت جبرئیل علیہ السلام اس جگہ سے پست جگہ پر تھے جس پر حضرت مریم موجود تھیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَهُزِّیْٓ اِلَیْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَیْكِ رُطَبًا جَنِیًّا ۝ فَكُلِیْ وَاشْرَبِیْ وَقَرِّیْ عَیْنًا اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَهُزِّیْٓ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو خشک کھجور کے تنا کو حرکت دینے کا حکم دیا تا کہ مردہ تنا کے احیا میں دوسری نشانی دیکھ لیں۔ بِجِذْعِ میں باء زائدہ موکدہ ہے جیسے کہا جاتا ہے: خذ بالزمام واعط بیدك۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلْیَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَی السَّمَآءِ (الحج: 15) یعنی فلیمدد سبباً۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے کھجور کے تنا پر جو تر کھجوریں ہیں انہیں اپنی طرف جھکاؤ۔ تُسٰقِطْ اصل میں تتساقط ہے تاء کو سین میں ادغام کیا گیا ہے۔ حمزہ نے تساقط پڑھا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 11
2۔ تفسیر ثعلبی، جلد 2، صفحہ 324

ہے یعنی تخفیف کے ساتھ انہوں نے تا کو حذف کر دیا ہے جس کو دوسروں نے ادغام کیا ہے۔ عاصم نے حفص کی روایت میں تساقط تاء کے ضمہ کے ساتھ تخفیف اور قاف کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ دونوں تا کے اظہار کے ساتھ تتساقط بھی پڑھا گیا ہے۔ یساقط یا اور تا کے ادغام کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ تسقط اور یسقط، تَسْقُطُ و یَسْقط تا کے ساتھ نخلة کی وجہ سے اور یا کے ساتھ جذع کی وجہ سے نو قرائتیں ہیں ان کو زمخشری نے ذکر کیا ہے۔ رُطَبًا، اس کو نصب هُزِّيْ کی وجہ سے ہے یعنی جب تو تنے کو حرکت دے گی تو اس کی حرکت سے تر کھجوروں کو حرکت دے گی۔ بہر حال رُطَبًا کی نصب میں قرأت کے معانی کے اعتبار سے اختلاف ہے کبھی فعل کو الجذع کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور کبھی الهزء کی طرف، کبھی النخلة کی طرف اور جَنِيًّا اس کا معنی ہے جو پک چکی ہیں اور چننے کے قابل ہو چکی ہیں یہ جنیت الثمرة سے مشتق ہے۔ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ انہوں نے تساقط علیك رطباً جنیا برنیا پڑھا ہے مگر یہ صحیح نہیں۔ مجاہد نے کہا: رُطَبًا جَنِيًّا وہ عجوہ کھجور تھی۔ حضرت عباس بن فضل نے کہا: میں نے ابو عمرو بن العلاء سے رطبا جنیا، کے بارے پوچھا تو انہوں نے کہا: وہ ابھی خشک نہیں ہوئی تھی اور چننے والوں کے ہاتھوں سے دور نہیں ہوئی تھی یہ صحیح قول ہے۔ فراء نے کہا: الجنی والمجنی کا معنی ایک ہے؛ اس کا نظریہ یہ ہے کہ قتیل اور مقتول، جریح اور مجروح کی طرح ہے۔ فراء کے علاوہ علماء نے کہا: الجنی وہ کھجوریں جو ایک درخت سے کاٹی گئی ہوں اور اس مکان سے لی گئی ہو جہاں وہ پیدا ہوئیں بطور دلیل یہ شعر پڑھا:

وطيب ثمارٍ في رياضٍ أريضةٍ   وأغصان أشجارٍ جَناها على قُرْبِ

الجنی سے مراد وہ ہے جو چنی جاتی ہیں یعنی جو کاٹی جاتی ہیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا: وہ تنا بالکل خشک تھا جب حضرت مریم نے اسے حرکت دی تو آپ نے تنے کے اوپر دیکھا وہاں سبز پتے ظاہر ہو چکے تھے پھر اس کے گابھے کو دیکھا جو ان ٹہنیوں اور پتوں سے نکل چکا تھا پھر سبز کھجوریں بنیں پھر آدھی پکی کچی کھجوریں بنیں پھر سرخ ہوئیں پھر پک گئیں پھر چھوارے کی شکل میں بن گئیں، اور یہ سب کچھ آنکھ جھپکنے کی دیر میں ہوا کھجوریں آپ کے سامنے گرتیں اور اس میں کوئی پھٹتی نہیں تھی۔

مسئلہ نمبر 2۔ بعض علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ رزق اگرچہ حتمی ہے مگر الله تعالیٰ نے ابن آدم کے لیے کوشش کو مقرر فرمایا ہے کیونکہ اس نے حضرت مریم علیہا السلام کو تنے کو حرکت دینے کا حکم دیا تا کہ وہ نشانی دیکھ لے اور نشانی تب ہوتی جبکہ وہ اس کے حرکت دینے کے بغیر ہوتا۔

مسئلہ نمبر 3۔ رزق میں محنت کی تکلیف دینا، الله تعالیٰ کی اپنے بندوں میں سنت ہے یہ توکل کے منافی نہیں بخلاف جاہل صوفیاء کے جو کہتے ہیں کہ محنت کرنا توکل کے خلاف ہے۔ یہ مفہوم پہلے گزر چکا ہے۔ اس سے پہلے حضرت مریم کے پاس رزق بغیر تکسب و محنت کے آتا تھا جیسا کہ ارشاد فرمایا: كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا جب حضرت مریم نے بچہ جنم دیا تو انہیں تنے کو حرکت دینے کا حکم دیا گیا۔ ہمارے علماء نے فرمایا: جب حضرت مریم کا دل فارغ تھا تو الله تعالیٰ نے انہیں تکسب سے فارغ کر دیا تھا جب انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جنم دیا اور ان کا دل اس کی محبت سے معلق ہوا اور اس کی بات اور اس کے امر کے ساتھ ان کا باطن مشغول ہوا تو الله تعالیٰ نے مریم کو کسب کی طرف متوجہ کر دیا اور اسے

عادت کی طرف لوٹا دیا کہ وہ اسباب کے ذریعے رزق دیتا ہے۔ طبری نے ابن زید سے حکایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت مریم سے کہا: لَا تَحْزَنِیْ تو پریشان نہ ہو۔ حضرت مریم نے کہا: میں کیسے فکر مند نہ ہوں جبکہ تو میرے ساتھ ہے؟ نہ میں خاوند والی ہوں نہ مملوکہ ہوں لوگوں کے سامنے میرا عذر کیا ہوگا؟ یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا۝ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت مریم سے کہا: میں کلام کر کے تمہاری طرف سے جواب دوں گا۔

مسئلہ نمبر 4۔ ربیع بن خثیم نے کہا: اس آیت کی وجہ سے میرے نزدیک بچہ جنم دینے والی عورتوں کے لیے کھجوروں سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک بچہ جنم دینے والی عورتوں کے لیے کوئی اور چیز افضل ہوتی تو اللہ تعالیٰ حضرت مریم کو وہی کھلاتا۔ اسی وجہ سے علماء نے فرمایا: اس وقت سے نفاس والی عورتوں کے لیے چھواروں کی عادت ہے اسی طرح گھٹی بھی کھجور سے دی جاتی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: جب بچہ جنم دینا مشکل ہو تو کھجور سے زیادہ بہتر کوئی چیز نہیں اور مریض کے لیے شہد سے زیادہ بہتر کوئی چیز نہیں؛ یہ زمخشری نے ذکر کیا ہے۔ ابن وہب نے کہا: امام مالک نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رُطَبًا جَنِیًّا، الجنی اس کھجور کو کہتے ہیں جو بغیر نقش اور فساد کے پکی ہوئی ہو۔ النقش یہ ہے کہ آدھی پکی آدھی کچی کھجور کو نیچے سے کانٹے مارنا تاکہ جلدی پک جائے۔ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ امام مالک کے نزدیک یہ وقت سے پہلے کسی چیز کو جلدی تیار کرنا ہے ایسا کرنا کسی کے لیے مناسب نہیں اگر کوئی ایسا کرے گا تو بیع کے لیے ایسا کرنا جائز نہ ہوگا نہ اس کو پکانے کے لیے یہ جائز ہوگا۔ اس پر گفتگو سورۂ انعام میں گزر چکی ہے۔ طلحہ بن سلیمان سے جنیا اتباع کے طور پر جیم کے کسرہ کے ساتھ مروی ہے یعنی ہم نے نہر اور کھجور میں دو فائدے رکھے ہیں، ایک کھانا، پینا اور دوسرا دل کی تسلی کیونکہ یہ دونوں معجزے ہیں۔ فَكُلِیْ وَ اشْرَبِیْ وَ قَرِّیْ عَیْنًا، کا یہی مفہوم ہے یعنی کھجوروں سے کھاؤ، نہر سے پانی پیو اور اپنے بیٹے کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ قَرِّیْ قاف کے فتحہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور یہ جمہور کی قرات ہے۔ طبری نے قری کو قاف کے کسرہ کے ساتھ حکایت کیا ہے۔ یہ نجد کی لغت ہے کہا جاتا ہے کہ قرعینا یقر ویقر قاف کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ۔ أقر الله عینه فقرت، اللہ نے اس کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا تو وہ ٹھنڈی ہو گئیں۔ یہ القر اور القرۃ سے ماخوذ ہے۔ دونوں کا معنی ٹھنڈا ہونا ہے۔ خوشی کے آنسو ٹھنڈے ہوتے ہیں اور غم کے آنسو گرم ہوتے ہیں۔ ایک جماعت نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، انہوں نے کہا: ہر آنسو گرم ہوتا ہے۔ أقر الله عینه کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ محبوب کے دیدار کے ساتھ تیری آنکھوں کو ٹھنڈا کرے تاکہ وہ ٹھنڈی ہو اور سکون پائے۔ فلان قرۃ عینی یعنی فلاں کے قرب سے میرے نفس کو سکون ملتا ہے۔ شیبانی نے کہا: قَرِّیْ عَیْنًا اس کا معنی ہے تو سو جا، اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو کھانے، پینے اور سونے پر ابھارا۔ ابو عمرو نے کہ: أقر الله عینه کا مطلب ہے اللہ نے اسے سُلا یا اور اس کے جاگنے کو ختم کر دیا۔ عَیْنًا پر نصب تمیز کے اعتبار سے ہے جیسے تیرا قول ہے: طب نفسا، حقیقت میں فعل آنکھ کے لیے تھا پھر اسے آنکھ والے کی طرف نقل کر دیا اور جو حقیقت میں فاعل تھا اسے تفسیر کی بنا پر نصب دی گئی مثلاً طب نفساً۔ تفقأت شحماً و تصببت عرقاً۔ اس کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِیْۤ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِمَّا تَرَیِنَّ اصل میں ترأیین تھا ہمزہ کو حذف کیا گیا جس طرح ترٰی سے ہمزہ حذف کیا گیا ہے۔ پھر اس کا فتحہ راء کی طرف نقل کیا گیا ہے تو یہ ترَیِین بن گیا پھر پہلی یاء کو الف سے بدلا کیونکہ وہ متحرک ہے او راس کا ماقبل مفتوح ہے۔ پھر دو ساکن الف اور یاء تانیث جمع ہوئے تو التقاء ساکنین کی وجہ سے الف کو حذف کر دیا گیا تو ترین ہوا پھر جزم کی علامت کے طور پر نون کو حذف کیا گیا کیونکہ اِنْ حرف شرط اور ماصلہ ہے۔ پس ترٰی رہ گیا۔ پھر نون ثقیلہ داخل ہوا تو التقاء ساکنین کی وجہ سے یاء تانیث کو کسرہ دیا کیونکہ نون ثقیلہ دو نونوں کے قائم مقام ہوتا ہے اور پہلا نون ساکن ہے پس یہ ترین بن گیا۔ اس طریقہ پر ابن درید کا قول ہے:

أماترى رأسِي حَاكَى لونهُ

اور الافوہ کا قول ہے:

إما تَرَيْ رأسِی أزْرٰى بِهٖ

اور یہاں ما کے توطئہ کے لیے نون داخل ہوا ہے جس طرح اس کے دخول کے لیے لام قسم بطور توطئہ داخل کیا جاتا ہے۔ طلحہ، ابو جعفر اور شیبہ نے ترین یاء کے سکون اور نون کے فتحہ کے ساتھ تخفیف سے پڑھا ہے۔ ابو الفتح نے کہا: یہ شاذ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَقُوْلِیْۤ اِنِّیْ نَذَرْتُ یہ جواب شرط ہے اور اس میں اضمار ہے یعنی تیرے بچے کے متعلق کوئی سوال کرے تو تو یہ کہہ کہ میں نے خاموشی کے روزے کی نذر مانی ہے؛ یہ حضرت ابن عباس اور حضرت انس بن مالک کا قول ہے (1)۔ حضرت ابی بن کعب کی قرأت میں انی نذرتُ للرحمن صوماً صمتاً ہے۔ حضرت انس سے یہ بھی مروی ہے اور حضرت انس سے وصمتا واؤ کے ساتھ بھی مروی ہے۔ لفظوں کا اختلاف دلالت کرتا ہے کہ ایک تفسیر کے لیے ذکر کیا گیا ہے نہ کہ قرأت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ جب اس کے ساتھ واؤ ہو تو ممکن ہے کہ یہ روزے کے علاوہ ہو۔ محدثین اور لغات کے رواۃ سے جو روایات مروی ہیں وہ متفق ہیں کہ روزے سے مراد خاموشی ہے کیونکہ الصوم کا مطلب بھی امساک (رکنا) ہے اور الصمت کا معنی کلام سے روکنا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: الصوم سے مراد روزہ ہی ہے اور ان لوگوں پر روزے کے دن خاموشی بھی لازم ہوتی تھی مگر اشارہ کے ساتھ کلام جائز تھا اس بنا پر حضرت انس کی قرأت وصمتاً واؤ کے ساتھ ہوگی۔ الصمت (خاموشی) ان کے نزدیک روزے میں نذر کے ساتھ لازم تھی جیسا کہ کسی نے ہم میں سے بیت اللہ کی طرف چلنے کی نذر مانی تو یہ حج یا عمرہ کے ساتھ احرام کا بھی مقتضی ہے۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کی زبان پر حضرت مریم کو حکم دیا یا ان کے بیٹے کی زبان پر انہیں حکم دیا جیسا کہ اختلاف گزر چکا ہے کہ انسان سے مخاطب ہونے سے رک جانا اور اپنے بیٹے کی طرف سوال کرنے والے کو پھیر دینا تاکہ وہ اس کی خجالت کو دور کرے۔ معجزہ ظاہر ہو اور حضرت مریم کا عذر قبول ہو۔ آیت کا ظاہر یہ ہے کہ حضرت مریم کے لیے یہ الفاظ کہنا مباح کیا گیا تھا جو آیت کے اندر موجود ہیں؛ یہ جمہور کا قول ہے۔ ایک جماعت نے کہا: اس کا مطلب ہے تو اشارہ سے یہ کہہ نہ کہ کلام سے۔ زمخشری نے کہا: اس سے ثابت ہوتا ہے کہ (سفیہ)

1۔ تفسیر طبری، جز 16-15، صفحہ 88

بیوقوف پر خاموش ہونا واجب ہے اور لوگوں میں سے ذلیل ترین وہ بیوقوف ہے جو بیوقوف کو نہ سمجھے۔

مسئلہ نمبر 3۔ جس نے نذر کے ساتھ یہ التزام کیا کہ وہ آدمیوں میں سے کسی سے بات نہیں کرے گا تو یہ احتمال رکھتا ہے کہ یہ قربت ہو اور نذر کے ساتھ لازم ہوئی ہو اور یہ بھی احتمال رکھتا ہے کہ یہ ہماری شرع میں جائز نہیں کیونکہ اس میں نفس کی تعذیب اور تنگی ہے جیسے کوئی نذر مانے کہ وہ دھوپ میں کھڑا ہوگا۔ اس بنا پر خاموشی کی نذر اس شریعت میں تھی ہماری شریعت میں نہیں۔ یہ مسئلہ پہلے گزر چکا ہے جس نے خاموشی کی نذر مانی تھی؛ حضرت ابن مسعود نے اسے کلام کرنے کا حکم دیا تھا اور ابو اسرائیل کی حدیث کی وجہ سے یہی صحیح ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا۔ ابن زید اور سدی نے کہا: پہلے لوگوں کے نزدیک صیام (روزہ) رکھنے اور کلام کرنے سے رکنا تھا۔

میں کہتا ہوں: ہماری سنت سے ہے کہ ہم بھی روزے کی حالت میں قبیح کلام سے رک جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی روزہ دار ہو تو وہ نہ بری بات کرے اور نہ جہالت کا کام کرے، اگر کوئی شخص اس سے لڑے یا اسے گالی دے تو اسے اتنا کہنا چاہیے میں روزہ رکھے ہوئے ہوں" (1)۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جو جھوٹی بات اور جھوٹ پر عمل کو نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانا، پینا چھوڑنے کی حاجت نہیں" (2)۔

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْـًٔا فَرِیًّا ۝ یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا ۝

"اس کے بعد وہ لے آئیں بچہ کو اپنی قوم کے پاس (گود میں) اٹھائے ہوئے انہوں نے کہا: اے مریم! تو نے بہت برا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بدچلن تھی"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت مریم معجزات دیکھ کر مطمئن ہوگئیں اور انہیں یقین کامل ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ ان کا معذور ہونا ظاہر فرمائے گا تو اس مکان سے بچے کو اٹھا کر لے آئیں جس میں پہلے چلی گئی تھیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا: جب سورج نکلا تھا تو آپ ان کے پاس سے چلی گئی تھیں اور ظہر کے وقت ان کے پاس واپس آئیں اور ساتھ بچہ بھی اٹھائے ہوئے تھیں۔ یہ حمل اور اس کی ولادت دن کی تین ساعتوں میں ہوئی تھی۔ کلبی نے کہا: آپ نے بچے کو وہاں جنم دیا جہاں کی قوم کو خبر نہ تھی، آپ نفاس کے چالیس دن ٹھہری رہیں پھر بچے کو اٹھا کر قوم کے پاس لے آئیں جب لوگوں نے آپ کو دیکھا اور آپ کے ساتھ بچے کو دیکھا تو وہ پریشان ہوئے اور ان کے گھر والے نیک لوگ تھے تو انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہا: لَقَدْ جِئْتِ شَیْـًٔا فَرِیًّا ۝ تو نے بہت برا کام کیا ہے۔ بڑا کام جیسے کوئی ایسی چیز لانے والا جو اس نے خود گھڑی ہوتی ہے۔ مجاہد نے کہا: فَرِیًّا کا معنی عظیم ہے (3)۔ سعید بن سعدۃ نے کہا: ایسا کام جو گھڑا ہوا اور بناوٹی ہو، کہا جاتا ہے: فریت و افریت، دونوں کا معنی ایک ہے۔ زنا کا بچہ گھڑی ہوئی اور بناوٹی چیز کی طرح ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصیام، حفظ اللسان، جلد 1، صفحہ 363

2۔ صحیح بخاری، کتاب الصوم، من لم یدع قول الزور والعمل بہ، جلد 1، صفحہ 255

3۔ تفسیر طبری، جز 16، صفحہ 91

نے فرمایا: وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ (الممتحنہ: 12)

یعنی بچے کو خاوند سے لاحق کرنے کا قصد کرنا جو اس خاوند سے نہ ہو۔ کہا جاتا ہے: فلان یفری الفری، یعنی وہ ایسا کام کرتا ہے جو انتہا کو پہنچا ہوا ہو۔ ابوعبیدہ نے کہا: الفری، عجیب اور نادر چیز کو کہتے ہیں؛ یہ اخفش کا قول ہے۔ فرمایا: فریا کا معنی ہے عجیب، الفری کا معنی کاٹنا بھی ہے گویا جو کام عادت کو ختم کرتا ہے یا عجیب اور نادر ہونے کی وجہ سے قول کو کاٹتا ہے۔ قطرب نے کہا: الفری نئے کام کو کہتے ہیں یعنی تو نے ایک نیا کام کیا ہے پہلے تو تو نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ ابوحیوہ نے شیئا فریا، پڑھا ہے (یعنی راء کے سکون کے ساتھ) سدی اور وہب بن منبہ نے کہا: جب حضرت مریم بچہ اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں تو بنو اسرائیل میں یہ بات مشہور ہوگئی ان کے مرد اور عورتیں جمع ہوئے ایک عورت نے آپ کو مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی اس طرف کو خشک کر دیا پس وہ اسے اسی طرح اٹھائے رہی۔ ایک اور شخص نے کہا: یہ تو زنا کارہ ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اسے گونگا کر دیا تو لوگ آپ کو مارنے سے رک گئے اور کوئی اذیت ناک کلمہ کہنے سے باز آگئے اور وہ بڑے نرم انداز میں آہستہ سے یہ کہنے لگے: یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا فَرِیًّا۔ الراجز نے کہا:

قد　أَطْعَمَتْنِي　دَقَلًا　حَوْلِيًا　مُسَوِّسًا　مُدَوِّدًا　حَجَرِيًا

وكنتِ تَفْرِينَ بِهِ الفَرِيَا(1)

یعنی تو اس کو بڑا سمجھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ اس اخوت کے معنی میں اختلاف ہے اور یہ ہارون کون ہے؟ بعض علماء نے فرمایا: یہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھائی ہے، مراد یہ ہے کہ جس کو ہم عبادت میں ہارون کی مثل گمان کرتے تھے وہ ایسا فعل کرتی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس بنا پر حضرت مریم حضرت موسیٰ کے بھائی حضرت ہارون کی اولاد سے تھی۔ پس اخوت کے ذریعے ان کی طرف منسوب کی گئی کیونکہ ان کی اولاد سے تھی جیسے تیمی کو کہا جاتا ہے: یا اخا تیم اور عربی کو کہا جاتا ہے: یا اخا العرب۔ بعض علماء نے فرمایا: حضرت مریم کا ایک باپ کی طرف سے بھائی تھا جس کا نام ہارون تھا کیونکہ یہ نام بنی اسرائیل میں کثرت سے تھا لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون کے نام کے ساتھ برکت حاصل کرنے کے لیے ہارون نام رکھتے تھے اور بنی اسرائیل میں وہ ایک مثالی شخص تھا۔ بعض علماء نے کہا: ہارون یہ ایک اس زمانہ کا نیک صالح شخص تھا جس دن ان کا وصال ہوا اس کے جنازہ میں چالیس ہزار افراد آئے۔ تمام کا نام ہارون تھا۔ قتادہ نے کہا: اس زمانہ میں بنی اسرائیل میں ایک عابد شخص تھا جو صرف اللہ تعالیٰ سے لو لگائے ہوئے تھا اسے ہارون کہا جاتا تھا(2)۔ پس لوگوں نے حضرت مریم کو اس اخوت کی طرف منسوب کیا کیونکہ اس سے پہلے وہ ہارون کے طریقہ پر تھی کیونکہ وہ عبادت گاہ کی خدمت پر وقف تھی یعنی اے نیک صالحہ عورت! تیری شان کے لائق یہ عمل نہیں تھا۔ کعب احبار نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں کہا: حضرت مریم، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون کی بہن نہیں تھی۔ حضرت عائشہ نے اسے کہا: تو نے غلط کہا ہے۔ کعب نے کہا: اے ام المومنین اگر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہا ہے تو آپ سب سے سچی خبر دینے والے ہیں ورنہ میں ان کے

1۔ تفسیر طبری، جز 16، صفحہ 91　2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 14

درمیان چھ سو سال کی مدت پاتا ہوں۔ فرمایا: یہ سن کر حضرت عائشہ خاموش ہو گئیں۔ صحیح مسلم میں حضرت مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے(1) فرمایا: جب میں نجران آیا تو لوگوں نے مجھ سے پوچھا انہوں نے کہا: تم پڑھتے ہو یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اتنی مدت پہلے تھے۔ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو میں نے اس کے متعلق پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگ اپنے انبیاء اور گزرے ہوئے صالحین کے ناموں کے ساتھ نام رکھتے تھے''۔ غیر صحیح میں بعض طرق میں آیا ہے کہ نصاریٰ نے حضرت مغیرہ سے کہا: تمہارا ساتھی گمان کرتا ہے کہ مریم، ہارون کی بہن ہے حالانکہ ان کے درمیان چھ سو سال کی مدت ہے۔ مغیرہ نے کہا: میں نہیں جانتا جو میں کہوں۔ آگے حدیث ذکر کی۔ مطلب یہ ہے کہ ایک اسم، دوسرے اسم کے موافق ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کے اسماء کے ساتھ نام رکھنا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

میں کہتا ہوں: حدیث صحیح دلالت کرتی ہے کہ موسیٰ اور عیسیٰ اور ہارون کے درمیان لمبا زمانہ تھا۔ زمخشری نے کہا: حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے درمیان ہزار سال یا اس سے زائد سالوں کا زمانہ تھا۔ پس یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت مریم، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی بہن تھی۔ اگر یہ صحیح ہو تو اس طرح ہوگا جیسا کہ سدی نے کہا ہے کہ وہ حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھی یہ ایسے ہے جیسے تو کہتا ہے قبیلہ کے شخص کو: یا اخا فلان، اسی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے: إن أخا صُداء قد أذّن فمن أذّن فهو يُقيم (2)، صدائی نے آذان دی ہے۔ پس جو آذان دے وہی تکبیر کہے اور یہ پہلا قول ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: ایک جماعت نے کہا: اس زمانہ میں ایک فاجر شخص تھا اس کا نام ہارون تھا (3) پس انہوں نے عار دلانے اور زجر و توبیخ کرنے کی جہت سے اس کی طرف نسب کی ہے؛ طبری نے اس کا ذکر کیا ہے اور قائل کا نام ذکر نہیں کیا۔

میں کہتا ہوں: غزنوی نے یہ سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ وہ فاسق شخص تھا اور فجور میں مثال تھا۔ پس اس کی طرف نسبت کی گئی۔ مطلب یہ ہے کہ تیرا باپ اور تیری والدہ اس فعل کے اہل نہ تھے تو نے یہ کیسے کیا؟ یہ تعریض ہے جو تصریح کے قائم مقام ہے۔ یہ ہمارے نزدیک حد کو ثابت کرتی ہے۔ مزید بیان سورۃ النور میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ آخری قول کو حدیث صحیح رد کرتی ہے وہ نص صریح ہے پس کسی کے لیے کلام کی گنجائش نہیں اور اس پر کوئی غبار نہیں ہے۔ والحمد للہ۔ عمر بن لجا التیمی نے مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَسَوْءٍ پڑھا ہے۔

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۗ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِى الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿۲۹﴾ قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ ۗ اٰتٰىنِىَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِىْ نَبِيًّا ﴿۳۰﴾ وَّجَعَلَنِىْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۖ وَاَوْصٰنِىْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿۳۱﴾ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِىْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِىْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿۳۲﴾ وَالسَّلٰمُ عَلَىَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴿۳۳﴾

''اس پر مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کیا لوگ کہنے لگے: ہم کیسے بات کریں اس سے جو گہوارہ میں (کمسن) بچہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 207
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، فی الرجل یؤذن و یقیم، جلد 1، صفحہ 76
3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 14

ہے (اچانک) بچہ بول پڑا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا مجھے حکم دیا ہے نماز ادا کرنے کا اور زکوٰۃ دینے کا جب تک میں زندہ رہوں۔ اور مجھے خدمت گزار بنایا ہے اپنی والدہ کا اور اس نے نہیں بنایا مجھے جابر (اور) بدبخت۔ اور سلامتی ہو مجھ پر جس روز میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے اٹھایا جائے گا زندہ کر کے"۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۭ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ حضرت مریم کو ترک کلام کا جو حکم دیا گیا تھا۔ آپ نے اسے لازم پکڑا۔ اس آیت میں وارد نہیں ہے کہ آپ نے اِنِّىْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا بول کر کہا تھا بلکہ یہ وارد ہے کہ آپ نے اشارہ فرمایا۔ پس یہ ان علماء کے قول کو تقویت دیتا ہے کہ (قول) کا جو امر آپ کو دیا گیا تھا اس سے مراد اشارہ ہے۔ روایت ہے کہ جب آپ نے بچے کی طرف اشارہ کیا تو لوگوں نے کہا: اس کا ہمارے ساتھ استخفاف اس کے زنا سے بھی ہم پر زیادہ سخت ہے۔ پھر انہوں نے تقریر و ثبوت کی جہت سے کہا: كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝، (1) اس آیت میں كَانَ سے مراد ماضی نہیں کیونکہ جو بھی مہد میں ہوتا ہے وہ بچہ ہی ہوتا ہے بلکہ یہ الآن (اب) کے معنی میں ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: کان یہاں لغو ہے؛ جیسے شاعر نے کہا:

و جیرانٍ لنا کانوا کرامِ

بعض علماء نے فرمایا: کان یہاں وجود اور حدوث کے معنی میں ہے جیسے ارشاد ہے: وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ (البقرہ: 280) یہ پہلے گزر چکا ہے۔ ابن انباری نے کہا: اسے زائدہ کہنا جائز نہیں کیونکہ صبیا کو اس نے نصب دی ہے اور کان بمعنی حدث ہوتا تو کہتا ہے: وکان الحق، یعنی اس صورت میں صرف اسم ذکر ہوتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ مَنْ جزا کے معنی میں ہے یعنی شرطیہ ہے اور کان بمعنی یکن ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے: من یکن فی المهد صبیا فکیف نکلمهٗ (جو پنگھوڑے میں کمسن بچہ ہے ہم اس سے کیسے بات کریں) جیسے تو کہتا ہے: کیف أعطی من کان لایقبل عطیة۔ میں اسے کیسے عطا کروں جو عطیہ قبول ہی نہیں کرتا یعنی: من یکن لایقبل کبھی ماضی، جزا میں مستقبل کے معنی میں ہوتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَاۗءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (الفرقان: 10) اس آیت میں اِنْ شَاۗءَ جَعَلَ کا معنی ان یشا یجعل ہے اور تو کہتا ہے: من کان إلی منه إحسان کان إلیه منی مثله، یعنی من یکن منه إلی احسان یکن إلیه منی مثله۔ جس کا مجھ پر احسان ہوگا اس پر میری طرف سے اس کی مثل احسان ہوگا۔ المهد بعض علماء نے فرمایا: وہ چارپائی پنگھوڑے کی طرح تھی۔ بعض نے فرمایا: یہاں المهد سے مراد ماں کی گود ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: مطلب یہ ہے کہ ہم اس سے کیسے بات کریں کمسنی کی وجہ سے پنگھوڑے میں سونا جس کا معمول ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی باتیں سنیں تو آپ نے اپنی آرام گاہ میں لیٹے ہوئے کہا: اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ الخ۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 14

مسئلہ نمبر 2۔ بعض علماء نے فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام دودھ پی رہے تھے جب انہوں نے لوگوں کی باتیں سنیں تو دودھ پینا چھوڑ دیا اور ان کی طرف متوجہ ہوئے اور بائیں طرف پر سہارا لیا اور ان کی طرف اپنی دائیں سبابہ انگلی سے اشارہ کیا اور فرمایا: اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ سب سے پہلے آپ نے اللہ تعالیٰ کے عبد ہونے کا اعتراف کیا اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا تاکہ ان لوگوں کا رد ہو جائے جو آپ کے بعد آپ کی شان میں غلو کرنے والے تھے۔ الکتاب سے مراد انجیل ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: بچپن کی حالت میں آپ کو کتاب عطا فرمائی تھی اور اس کا فہم اور علم بھی بخشا تھا اور اس وقت انہیں نبوت عطا فرمائی تھی جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اسماء سکھائے تھے۔ وہ اس وقت روزہ بھی رکھتے تھے اور نماز بھی پڑھتے تھے۔ یہ انتہائی ضعیف قول ہے جیسا کہ ہم اس کے بعد مسئلہ میں بیان کریں گے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ نے ازل میں مجھے کتاب اور نبوت دینے کا حکم دیا تھا اگرچہ کتاب فی الحال نازل نہیں ہوئی تھی؛ یہ اصح قول ہے۔

وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا، برکت والا بنایا۔ دین میں نفع دینے والا، اس کی طرف بلانے والا، اور اس کی معرفت کی تعلیم دینے والا بنایا۔ تستری نے کہا: اس کا معنی ہے وہ مجھے نیکی کا حکم دینے والا اور برائی سے منع کرنے والا اور گمراہوں کو راہ ہدایت دینے والا، مظلوم کی مدد کرنے والا اور مجبور کی معاونت کرنے والا بنایا۔ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ یعنی جب میں مکلف ہوں تو نماز اور زکوٰۃ ادا کروں جب میرے لیے ان کی ادائیگی ممکن ہو۔ یہ آخری صحیح قول کے مطابق ہے۔ مَا دُمْتُ حَیًّا، مَا ظرف کی بناء پر محل نصب میں ہے یعنی دوام حیاتی (جب تک میری زندگی ہے) وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ، فرمایا اور بوالدی نہیں فرمایا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ چیز اللہ کی طرف سے تھی۔

وَ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا اور اس نے مجھے جابر و متکبر نہیں بنایا جو غصہ میں آ کر قتل کرتا ہے اور مارتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: جبار وہ ہوتا ہے جو اپنے اوپر کسی کا حق نہیں دیکھتا۔ شَقِیًّا خیر سے محروم، اس نے اس کا معنی نافرمان کیا ہے، بعض نے رب کا نافرمان معنی کیا ہے۔ بعض نے فرمایا: اس نے مجھے اپنے حکم کا تارک نہیں بنایا کہ میں بدبخت ہوں جس طرح ابلیس اللہ کے حکم کو ترک کر کے بدبخت ہوا۔

مسئلہ نمبر 3۔ حضرت مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے تحت فرمایا: یہ اہل القدر پر کتنی سخت ہے (1)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس بات کی خبر دی جو فیصلہ ہو چکا ہے اور جو ان کی وصال تک ہونے والا ہے۔ اس آیت کے قصص میں ابن زید سے روایت ہے کہ انہوں نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام سنا تو انہیں یقین ہو گیا۔ اور انہوں نے کہا: یہ کسی امر عظیم کی وجہ سے ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے طفولیت میں کلام کی تھی۔ یہ اس آیت سے ثابت ہے لیکن پھر بچوں کی حالت پر لوٹ گئے تھے حتیٰ کہ انسانی عادت کے مطابق بچوں کی طرح بڑھے۔ آپ کا بولنا اپنی والدہ کی برأت کے لیے تھا نہ کہ وہ اس حالت میں یہ شعور رکھتے تھے وہ اس طرح بولے تھے جس طرح اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اعضاء انسانی کو قوت گویائی بخشے گا یہ منقول نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ بولتے رہے۔ اور نہ وہ نماز پڑھتے تھے جب وہ ایک دن یا ایک مہینہ کے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 15

تھے۔ اگر وہ اس بچپن میں متواتر بولتے رہتے اور تسبیح و نصیحت اور نماز پڑھتے رہتے تو یہ چیز پوشیدہ نہ ہوتی۔ یہ تمام چیزیں پہلے قول کے فساد پر دلیل ہیں اور قائل کی جہالت پر صریح ہیں اور یہ بھی دلیل ہے کہ آپ پنگھوڑے میں بولے تھے، جبکہ یہود و نصاریٰ کا قول اس کے مخالف ہے۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ نماز، روزہ، والدین کی خدمت گزاری پہلی امتوں پر بھی واجب تھیں یہ وہ چیزیں ہیں جن کا حکم ثابت رہا اور آپ کی شریعت میں یہ حکم منسوخ نہ ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انتہائی متواضع تھے درختوں کے پتے کھاتے تھے اور بالوں سے بنا ہوا لباس پہنتے تھے اور مٹی پر بیٹھتے تھے اور جہاں رات ہو جاتی وہی رہ جاتے تھے۔ آپ کا کوئی خاص مسکن نہ تھا۔ صلی اللہ علی نبینا و علیہ وسلم۔

مسئلہ نمبر 4۔ کوفیوں نے کہا: گونگے کا قذف اور لعان صحیح نہیں ہے اس کی مثل شعبی سے بھی مروی ہے۔ امام اوزاعی، امام احمد اور اسحاق نے بھی یہی کہا ہے۔ ان علماء کے نزدیک قذف صریح زنا کے لفظ سے صحیح ہے اور اس کے معنی سے۔ اور گونگے سے ضرورۃً قذف صحیح نہیں ہے، پس وہ قاذف نہ ہوگا۔ اشارہ کے ساتھ زنا، حلال اور شبہ وطی سے ممتاز نہیں ہوتا۔ نیز یہ علماء کہتے ہیں: لعان ہمارے نزدیک شہادت ہیں اور گونگے کی شہادت بالاجماع مقبول نہیں ہے۔ ابن القصار نے کہا: ان علماء کا یہ قول ہے کہ قذف صرف صریح زنا سے ثابت ہوتا ہے۔ یہ تمام زبانوں کے اعتبار سے باطل ہے سوائے عربی زبان کے۔ اسی طرح گونگے کا اشارہ ہے اور انہوں نے جو اجماع ذکر کیا ہے کہ گونگے کی شہادت کے عدم قبولیت پر اجماع ہے یہ بھی غلط ہے۔ امام مالک کی نص موجود ہے کہ ان کے اشارہ کو سمجھا جاتا ہو تو اس کی شہادت مقبول ہے اس کا اشارہ لفظ کے ساتھ شہادت دینے کے قائم مقام ہوگا۔ رہا یہ کہ لفظ پر قدرت ہو تو پھر لفظ کے ساتھ ہی شہادت واقع ہوگی۔ ابن المنذر نے کہا: مخالفین گونگے کی طلاق، بیع اور باقی تمام احکام لازم کرتے ہیں، پس قذف بھی اس کی مثل ہونا چاہیے۔ مہلب نے کہا: بہت سے فقہی ابواب میں اشارہ کلام سے قوی ہوتا ہے مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بعثت أنا والساعة کهاتين، میں اور قیامت ان دو انگلوں کی طرح قریب قریب مبعوث کیے گئے ہیں۔ ہم ان دو انگلیوں کے درمیان جو قرب ہے اسے وسطی انگلی کی سبابہ پر زیادتی کی مقدار سے جانتے ہیں۔ دانشوروں کا اجماع ہے کہ عیان (مشاہدہ) خبر سے اقویٰ ہوتا ہے۔ اس میں دلیل ہے کہ اشارہ بعض مواقع پر کلام سے قوی ہوتا ہے۔

وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ، اللہ کی طرف سے مجھ پر سلام ہو۔ زجاج نے کہا: اس سے پہلے سلام کا لفظ الف، لام کے بغیر ذکر کیا گیا تھا پس دوبارہ الف، لام کے ساتھ ذکر کرنا بہتر تھا۔ **یَوْمَ وُلِدْتُّ** یعنی دنیا میں۔ بعض نے فرمایا: شیطان کے وسوسہ سے۔ یہ سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ **وَیَوْمَ اَمُوْتُ** یعنی قبر میں۔ **وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا** یعنی آخرت میں، کیونکہ آپ کے تین احوال تھے: دنیا میں زندہ رہنا، قبر میں مردہ ہونا، آخرت میں اٹھنا۔ تو آپ نے تمام حالات میں سلامتی بھیجی؛ یہ کلبی کے قول کا معنی ہے پھر آپ کا کلام پنگھوڑے میں ختم ہو گیا حتی کہ اس عمر کو پہنچے جس میں عام بچے بولتے ہیں۔ قتادہ نے کہا: ہمارے لیے ذکر کیا گیا ہے کہ ایک عورت نے دیکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہر زمانہ میں مُردوں کو زندہ کرتے ہیں (1)، اندھوں اور برص کے

1۔ تفسیر طبری، جز 15، صفحہ 97

مریضوں کو درست کرتے ہیں تو اس نے کہا: مبارک ہو اس بطن کو جس نے تجھے اٹھائے رکھا اور مبارک ہو اس سینے کو جس نے تجھے دودھ پلایا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے کہا: مبارک ہو اسے جس نے کتاب اللہ کی تلاوت کی اور اس کی پیروی کی جو کتاب اللہ میں تھا اور کتاب اللہ پر عمل کیا۔

ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ۝ مَا كَانَ لِلّٰهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۚ إِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهٗ كُنْ فَيَكُونُ ۝ وَإِنَّ اللّٰهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَأْتُونَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلٰلٍ مُبِينٍ ۝ وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ ۘ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ۝

''یہ عیسیٰ بن مریم ہیں۔ یہ زیبا ہی نہیں اللہ تعالیٰ کو کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے وہ پاک ہے جب وہ فیصلہ فرمادیتا ہے کسی کام کا تو بس صرف اتنا حکم دیتا ہے اس کے لیے کہ ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی سو اسی کی عبادت کیا کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ پھر کئی گروہ آپس میں اختلاف کرنے لگے پس ہلاکت ہے کفار کے لیے اس دن کی حاضری سے جس دن آئیں گے ہمارے پاس لیکن یہ ظالم آج کھلی گمراہی میں ہیں۔ اور اے نبی کریم! آپ ڈرایئے انہیں حسرت وندامت کے دن سے جب ہر بات کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور آج یہ لوگ غفلت میں ہیں اور یہ ایمان نہیں لاتے۔ یقیناً ہم ہی وارث ہوں گے زمین کے اور جو کچھ اس کے اوپر ہے اور ہماری طرف ہی سب لوٹائے جائیں گے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ یعنی یہ جس کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ عیسیٰ ابن مریم ہے پس اسی طرح تم اس پر اعتقاد رکھو نہ اس طرح کہو جس طرح یہود کہتے ہیں کیونکہ وہ درست نہیں ہے وہ کہتے ہیں: یہ یوسف نجار کا بیٹا ہے اور اس طرح بھی تم نہ کہو جس طرح نصاریٰ نے کہا: وہ اللہ ہے اور اللہ کا بیٹا ہے۔ قَوْلَ الْحَقِّ کسائی نے کہا: یہ عیسیٰ کی لغت ہے یعنی ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ حضرت عیسیٰ کو قول الحق کہا گیا جس طرح انہیں کلمۃ اللہ کہا گیا(1)۔ الحق سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ابو حاتم نے کہا: اس کا معنی ہے ھو قول الحق۔ تقدیر کلام اس طرح ہے ھذا الکلام قول الحق، حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ کلام قول حق ہے، باطل نہیں ہے، قول کو الحق کی طرف اس طرح مضاف کیا گیا ہے جس طرح اس آیت میں ہے: وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ۝ (الاحقاف) یعنی الوعد الصدق، اور فرمایا: وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ (یوسف:109) یعنی الدار الآخرۃ، یعنی موصوف کو صفت کی طرف مضاف کیا گیا

1۔ الکشاف، جلد 2، صفحہ 509

ہے۔ عاصم اور عبد اللہ بن عامر نے قول الحق حال کی بنا پر منصوب پڑھا ہے، یعنی أقول قولاً حقا، ذالك میں اشارہ کا معنی اس میں عامل ہے۔ زجاج نے کہا: یہ مصدر ہے یعنی أقول قول الحق، کیونکہ اس کا ماقبل اس پر دلالت کرتا ہے۔ بعض نے فرمایا: مدح کی بنا پر منصوب ہے۔ بعض نے فرمایا: اغرا کی بنا پر منصوب ہے۔ عبد اللہ نے قالُ الحق پڑھا ہے۔ حسن نے قُولُ الحقِ، قاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، اسی طرح سورۂ انعام میں قوله الحق کو پڑھا ہے۔ القَول، القَالُ، القُولُ تمام کا ایک معنی ہے جیسے الرَّهَبُ الرُّهَبُ کا معنی ایک ہے۔ الذی، عیسیٰ کی صفت ہے۔ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ، شک کرتے ہیں یعنی عیسیٰ بن مریم جس میں یہ شک کرتے ہیں۔ سچا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: يَمْتَرُوْنَ کا معنی اختلاف کرتے ہیں۔ عبد الرزاق نے ذکر کیا ہے فرمایا: ہمیں معمر نے قتادہ سے روایت کر کے ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾ کے متعلق بتایا کہ بنو اسرائیل جمع ہوئے اور پھر انہوں نے اپنے میں سے چار افراد نکالے ہر قوم نے اپنا عالم نکالا پس وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے اختلاف کرنے لگے جب وہ اٹھائے گئے۔ ایک نے کہا: وہ اللہ تھا وہ زمین پر اُترا، اسے زندہ کیا جسے زندہ کیا اور اسے موت دی جسے موت دی پھر وہ آسمان کی طرف چڑھ گیا۔ یہ گروہ یعقوبیہ تھا۔ دوسرے تینوں نے کہا: تم نے جھوٹ کہا ہے پھر ان میں سے دو نے تیسرے شخص سے کہا: تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے بات کر، اس نے کہا: وہ اللہ کا بیٹا ہے؛ یہ گروہ نسطوریہ ہے۔ پھر دوسروں نے کہا: تو نے غلط کہا ہے، پھر دو میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: تو بات کر، اس نے کہا: تین میں سے تیسرا تھا، اللہ الٰہ ہے، عیسیٰ بھی الٰہ ہے اور اس کی والدہ بھی الٰہ ہے؛ یہ گروہ اسرائیلیہ ہے جو نصاریٰ کے ملوک ہیں۔ چوتھے نے کہا: تو نے غلط کہا ہے بلکہ وہ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول، اس کی روح، اس کا کلمہ ہے؛ یہ مسلمان ہیں۔ پس ان میں سے ہر ایک کے متبعین ہیں جیسا کہ انہوں نے فرمایا: وہ آپس میں لڑے تو مسلمانوں پر غلبہ دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَ يَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ (آل عمران: 21) سے یہی مراد ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں (1) جن کے بارے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ، انہوں نے اس میں اختلاف کیا اور وہ کئی گروہ بن گئے۔ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ کا یہی معنی ہے۔ ابو عبد الرحمن سلمی کی قرات تمترون (تاء کے ساتھ ہے) حضرت ابن عباس نے فرمایا: حضرت مریم کے چچا کا بیٹا حضرت مریم اور ان کے بیٹے کو لیکر مصر کی طرف چلا گیا اور وہ اس میں بارہ سال رہے حتیٰ کہ وہ بادشاہ مر گیا جس سے وہ خوف کرتے تھے؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: مصر کی تاریخ میں واقع ہے جو میں نے دیکھی ہے اور انجیل میں بھی آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بیت لحم میں ہوئی تھی اور اس وقت هیرودس بادشاہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف نجار کو خواب میں وحی فرمائی اور اسے فرمایا: اُٹھ اور اس بچے اور اس کی والدہ کو لیکر مصر کی طرف چلا جا اور وہاں رہ حتیٰ کہ میں تجھے کہوں کیونکہ هیرودس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تلاش کرنے کا پختہ ارادہ کیا ہوا تھا تاکہ اسے ہلاک کر دے پس یوسف خواب سے بیدار ہوا اور اپنے رب کے حکم کی پیروی کی انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام اور مریم ان کی والدہ کو ساتھ لیا اور مصر میں آ گیا مصر آتے وقت وہ بلسان کے کنویں پر اترا جو قاہرہ کی زمین میں تھا۔

1۔ تفسیر طبری، جز 15، صفحہ 100

حضرت مریم نے اس کنویں پر کپڑے دھوئے بلسان ایسی جگہ ہے جہاں کوئی چیز نہیں اگتی سوائے اس جگہ کے (جہاں حضرت مریم نے کپڑے دھوئے تھے) اس جگہ سے وہ تیل نکلتا ہے جو اس زیتون سے ملایا جاتا ہے جس کا نصاریٰ قصد کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے مصریوں میں اس تیل کی ایک بوتل کی بہت بڑی قیمت ہے۔ یہ تیل نصاریٰ کے بادشاہوں ملک قسطنطنیہ، ملک صقلیۃ، ملک حبشہ، ملک النوبہ، ملک الفرنجہ اور دوسرے بادشاہوں کو جب مصر کے بادشاہ ہدیہ بھیجتے ہیں تو ان کے ہاں اس کی بڑی قدر و منزلت ہوتی ہے۔ ہر تحفہ سے زیادہ یہ تحفہ محبوب ہوتا ہے۔ اس سفر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اشمونین اور فسقام (جواب المحرقۃ کے نام سے معروف ہے) کے شہروں میں گئے۔ اسی وجہ سے اب بھی نصاریٰ ان شہروں کی تعظیم کرتے ہیں اور عید الفصح میں ہر جگہ سے ان شہروں کی طرف آتے ہیں کیونکہ یہ انتہاء ہے مصر کی زمین کی جہاں مسیح علیہ السلام پہنچے تھے اور یہاں سے شام کی طرف لوٹے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا كَانَ لِلّٰهِ یعنی اللہ کے لیے زیبا نہیں۔ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔ مِنْ کلام کے لیے صلہ ہے یعنی ان یتخذ ولدا۔ اَنْ، کَانَ کا اسم ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے یعنی کسی کو بیٹا بنانا اسکی صفت سے نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی بات سے اپنی ذات کو منزہ و مبرا فرمایا (سبحانہ) وہ کسی کو بیٹا بنانے سے پاک ہے۔ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۞ اس پر تفصیلی گفتگو سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ، اہل مدینہ، ابن کثیر اور ابو عمرو نے اَنَّ کو ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور اہل کوفہ نے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ نئی کلام ہے۔ اس پر دلیل ابی کی قرأت ہے كُنْ فَيَكُوْنُ۞ اِنَّ اللّٰهَ یعنی بغیر واو کے اور انہوں نے قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ پر عطف کیا ہے۔ اور ہمزہ کے فتحہ کی صورت میں کئی اقوال ہیں۔ خلیل اور سیبویہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کا معنی ہے ولان اللہ ربّی و ربّکم اور اسی طرح وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ (الجن: 18) ان دونوں نحویوں کے نزدیک اَنْ محل نصب میں ہے۔ اور فراء نے لام کے حذف کی بنا پر محل جر میں ہونا بھی جائز قرار دیا ہے۔ اور اس اعتبار سے بھی محل جر میں ہونا جائز قرار دیا ہے کہ یہ اس مفہوم میں ہو وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا وبان اللہ ربی و ربکم، اور کسائی نے محل رفع میں ہونا بھی جائز قرار دیا ہے کہ یہ اس معنی میں ہوگا والامر ان اللہ ربی و ربکم، اس میں پانچواں قول بھی ہے۔ ابو عبیدہ نے حکایت کیا ہے کہ ابو عمرو بن العلاء نے یہ کہا ہے کہ یہ اس معنی میں ہوگا وقضیٰ ان اللہ ربی و ربکم اور یہ امراً پر عطف ہے جو اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا کے قول سے ہے۔ معنی یہ ہوگا اذا قضیٰ امراً و قضیٰ أن اللہ۔ اس تقدیر پر اور تیسری تقدیر پر ان کے ساتھ ابتدا جائز نہ ہوگی اور باقی وجوہ پر ان کے ساتھ ابتدا جائز ہوگا۔

فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ۞ یعنی دین مستقیم جس میں کوئی کجی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ، مِنْ زائدہ ہے یعنی اختلف الأحزاب بینھم، قتادہ نے کہا: یعنی جو ان کے درمیان اختلاف تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے اہل کتاب کے فرقوں میں اختلاف تھا۔ یہود قدح کرتے اور جادو کا الزام لگاتے۔ نصاریٰ میں سے نسطوریہ کہتے: وہ اللہ کا بیٹا ہے۔ ملکانیہ نے کہا: تین میں سے تیسرا ہے۔ یعقوبیہ نے کہا: وہ اللہ ہے۔ نصاریٰ نے افراط اور غلو کیا اور یہود نے تفریط اور کوتاہی کی۔ یہ بحث سورۃ النساء میں گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: اَلْاَحْزَابُ سے مراد وہ لوگ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف گروہ در گروہ آئے تھے اور مشرکین میں سے جنہوں نے آپ کو جھٹلایا تھا۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۞ مَّشْهَدِ سے مراد قیامت کے دن کی حاضری ہے۔ مشهد بمعنی مصدر ہے۔ الشهود کا معنی الحضور ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ الحضور لھم کے معنی میں ہو اور ظرف کی طرف مضاف کیا گیا ہے کیونکہ اس دن میں حاضری کا وقوع ہے جیسے کہا جاتا ہے: ویل لفلان من قتال یوم کذا، یعنی من حضورہ ذالك الیوم۔ بعض علماء نے فرمایا: المشهد سے مراد وہ جگہ ہے جہاں لوگ حاضر ہوں گے جیسے محشر وہ جگہ جہاں لوگ جمع ہوں گے۔ بعض نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ہلاکت ہے کافروں کے لیے اس مشہد میں حاضر ہونے کی وجہ سے جس میں وہ مشورہ کے لیے جمع ہوئے پھر اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے پر اتفاق کیا اور اس قول پر اجماع کیا کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَسْمِعْ بِهِمْ وَ اَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا، ابو العباس نے کہا: عرب یہ صیغے تعجب کی جگہ استعمال کرتے ہیں تو کہتا ہے: أسمع بزید و أبصر بزید زید کتنا سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ فرمایا: اس کا معنی ہے اس نے اپنے نبی کو ان پر متعجب کیا۔ کلبی نے کہا: کوئی ان سے زیادہ قیامت کے دن سننے اور دیکھنے والا نہ ہوگا جب اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا: ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (المائدہ: 16) بعض علماء نے فرمایا: اَسْمِعْ کا معنی ہے اس دن وہ اللہ تعالیٰ کی کتنی زیادہ اطاعت کرنے والے ہوں گے۔ لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۞ یعنی دنیا میں ظالم کھلی گمراہی میں ہیں۔ اس سے زیادہ کھلی گمراہی کیا ہو سکتی ہے کہ ایک آدمی اپنے جیسے شخص کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے وہ خدا ہے جبکہ اسے رحم نے اٹھایا، اس نے کھایا، پیا، حدث کیا اور محتاج ہوا۔ اسی گمراہی کی بنا پر فرمایا: وہ بہرہ اور اندھا ہے لیکن آخرت میں دیکھے گا اور سنے گا جب عذاب کو دیکھے گا لیکن اس وقت کا سننا اور دیکھنا مفید نہ ہوگا۔ یہ مفہوم قتادہ وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ، حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے فرمایا: جو بھی دوزخ میں داخل ہوگا اس کے لیے جنت میں بھی گھر ہوگا پس وہ اس پر حسرت وافسوس کرے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ اس وقت حسرت کرے گا جب نامہ اعمال اسے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ، یعنی حساب مکمل ہو جائے گا۔ اہل جنت، جنت میں اور اہل نار آگ میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے(1) فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب جنتی جنت میں داخل ہوں گے اور دوزخی دوزخ میں داخل ہوں گے تو قیامت کے روز موت کو لایا جائے گا گویا وہ چتکبرا مینڈھا ہے، پس اسے جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کیا جائے گا۔ کہا جائے گا: اے اہل جنت! کیا تم اسے جانتے ہو؟ پس وہ اپنی گردنیں لمبی کر کے دیکھیں گے اور وہ کہیں گے: ہاں یہ موت ہے''۔ فرمایا: ''پھر کہا جائے گا: اے دوزخیو! کیا تم اسے جانتے ہو وہ گردنیں لمبی کر کے دیکھیں گے اور کہیں گے: ہاں یہ موت ہے''۔ فرمایا: ''پھر اسے ذبح کرنے کا حکم دیا جائے گا تو وہ ذبح کر دی جائی گی پھر کہا جائے گا: اے جنتیو! تمہیں ہمیشہ یہاں رہنا ہے اب موت نہیں ہے اور (کہا جائے گا) اے دوزخیو! تمہیں یہاں ہمیشہ رہنا ہے اب موت نہیں ہے''۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی: وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَ هُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّ هُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۞ اس حدیث کو امام بخاری نے حضرت ابن عمر

1۔ جامع ترمذی، کتاب صفۃ الجنۃ، ما جاء فی خلود اھل الجنۃ و اھل النار، جلد 2، صفحہ 99

سے، ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ کی حدیث سے ترمذی نے حضرت ابوسعید سے مرفوع روایت کی ہے (1) اور فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ہم نے یہ اپنی کتاب "التذکرہ" میں ذکر کی ہے اور وہاں ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ ان احادیث اور آیات کی وجہ سے کافر ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور ہم نے ان کے قول کا رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ غضب کی صفت ختم ہو جائے گی۔ ابلیس اور پیروکار کفار جیسے فرعون، ھامان، قارون اور ان کے مشابہ لوگ بھی جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَ مَنْ عَلَیْهَا یعنی ہم زمین کے رہنے والوں کو موت دیں گے اور ہم اس کے وارث ہوں گے۔ وَ اِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ۝ قیامت کے روز ہم ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دیں گے۔ یہ مفہوم سورۃ الحجر وغیرہا میں گزر چکا ہے۔

وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَ لَا يُبْصِرُ وَ لَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا۝ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا۝ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا۝ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا۝ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَ اهْجُرْنِيْ مَلِيًّا۝ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا۝ وَ اَعْتَزِلُكُمْ وَ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ اَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا۝ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَ مَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا۝ وَ وَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَ جَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا۝

"اور ذکر کیجئے آپ کتاب میں ابراہیم علیہ السلام کا وہ بڑا راست باز نبی تھا۔ جب انہوں نے کہا: اپنے باپ سے کہ اے میرے باپ! تو کیوں عبادت کرتا ہے اس کی جو نہ کچھ سنتا ہے اور نہ کچھ دیکھتا ہے اور نہ تجھے فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اے میرے باپ! بیشک آیا ہے میرے پاس وہ علم جو تیرے پاس نہیں آیا اس لیے تو میری پیروی کر میں دکھاؤں گا تجھے سیدھا راستہ۔ اے باپ! شیطان کی پوجا نہ کیا کر بیشک شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے۔ اے باپ! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تجھے پہنچے عذاب (خدائے) رحمٰن کی طرف سے تو تو بن جائے شیطان کا ساتھی۔ باپ نے کہا: کیا روگردانی کرنے والا ہے تو میرے خداؤں سے اے ابراہیم؟ اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا اور دور ہو جاؤ میرے سامنے سے کچھ عرصہ۔ ابراہیم نے (جواب میں) کہا: سلام ہو تم پر میں مغفرت طلب کروں گا تیرے لیے اپنے رب سے، بیشک وہ مجھ پر بے حد مہربان ہے۔ اور میں الگ ہو جاؤں گا تم سے اور (ان سے بھی) جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر اور میں اپنے رب کی عبادت کروں گا مجھے امید ہے کہ میں اپنے رب کی

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب صفۃ النار، حدیث نمبر 4317، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

عبادت کی برکت سے نامراد نہیں رہوں گا۔ پس جب وہ جدا ہو گیا ان سے اور جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تو عطا فرمایا ہم نے ابراہیم کو اسحق اور یعقوب اور سب کو ہم نے نبی بنایا۔ اور ہم نے عطا فرمائیں انہیں اپنی رحمت سے (طرح طرح کی نعمتیں) اور ہم نے ان کے لیے سچی اور دائمی تعریف کی آواز بلند کر دی"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ یعنی وہ کتاب جو آپ پر نازل کی گئی اس میں حضرت ابراہیم کے واقعہ کا ذکر کریں۔ الصدیق کا معنی سورۂ نساء میں گزر چکا ہے اور الصدق کا اشتقاق سورۂ بقرہ میں بیان ہو چکا ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں۔ آیت کا معنی ہے کہ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم قرآن میں حضرت ابراہیم کے مکالمہ کا ذکر ان پر پڑھئے یہ جان چکے ہیں کہ وہ حضرت ابراہیم کی اولاد سے ہیں وہ حنیف مسلم تھے اور اللہ تعالیٰ کے مدمقابل نہیں بناتے تھے یہ کیوں اللہ کے مدمقابل بناتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ (البقرہ: 130)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ، ابیہ سے مراد آزر ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ يٰٓاَبَتِ، سورۂ یوسف میں اس پر گفتگو ہو چکی ہے۔ لِمَ تَعْبُدُ کس وجہ سے آپ عبادت کرتے ہیں۔ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝ جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ تجھے کچھ فائدہ دیتے ہیں۔ اس سے مراد بت ہیں۔ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ یعنی اللہ کی معرفت اور یقین اور جو موت کے بعد ہونا ہے اور جس نے غیر اللہ کی عبادت کی اسے عذاب دیا جائے گا۔ فَاتَّبِعْنِيْٓ اس کی اتباع کرو جس کی طرف میں دعوت دیتا ہوں۔ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ میں تمہاری دین مستقیم کی طرف راہنمائی کروں گا جس میں نجات ہے۔ يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ وہ جو تمہیں کفر کا حکم دیتا ہے اس کی طاعت نہ کر جس نے کسی معصیت میں شیطان کی اطاعت کی اس نے اس کی عبادت کی۔ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝ کان صلۃ (زائدہ) ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا: کان بمعنی صار ہے۔ بعض نے فرمایا: حال کے معنی میں ہے یعنی ہو للرحمن، عصیا اور عاص دونوں کا ایک معنی ہے؛ یہ کسائی کا قول ہے۔ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ اگر تو اس عقیدہ پر مر گیا جس پر تو اب ہے تو میں جانتا ہوں کہ رحمن کی طرف سے تجھے عذاب ملے گا۔ اور اخاف بمعنی اعلم ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اپنے معنی میں ہو معنی یہ ہو کہ مجھے ڈر ہے کہ تو کفر پر مرے گا پھر تجھے عذاب ہوگا۔ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝ آگ میں ساتھی ہوگا۔ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ کیا تو ان بتوں کو چھوڑ کر دوسرے کسی خدا کی طرف رغبت رکھتا ہے۔ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ، حسین نے کہا: اس کا معنی ہے میں تجھے پتھروں سے ماروں گا۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد ہے میں تجھے گالی دوں گا۔ حضرت ابن عباس نے کہا: اس کا مطلب ہے میں تجھے سزا دوں گا۔ بعض نے کہا: اس کا معنی ہے میں تیرا معاملہ ظاہر کر دوں گا۔ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس کا مطلب ہے عزت بچا کر مجھ سے الگ ہو جا کہیں ایسا نہ ہو کہ میری طرف سے تجھے کوئی فساد پہنچے، طبری نے اس کو اختیار کیا ہے۔ اس مفہوم پر مَلِيًّا، ابراہیم سے حال ہوگا۔ حسن اور مجاہد نے کہا: مَلِيًّا کا معنی ہے لمبا زمانہ (1)؛ اسی سے المہلہل کا قول ہے:

1۔ تفسیر طبری، جز 16-15، صفحہ 108

فتصدعت صُمُّ الجبال لموته　　وبكت عليه لرملات مليا

اس شعر میں ملیا سے مراد لمبا زمانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ، حضرت ابراہیم نے جواب تندی اور ترشی میں نہیں دیا کیونکہ انہیں اس کے کفر پر اسے قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ جمہور علماء نے کہا ہے کہ یہاں سلام سے مراد مسالمہ ہے یعنی متارکہ (چھوڑنا) ہے سلام نہیں ہے۔ طبری نے کہا: اس کا معنی ہے مجھ سے آپ کو امن ہے۔ اس بنا پر کافر کو پہلے سلام نہیں کیا جائے گا۔ نقاش نے کہا: یہ حلیم کا سفیہ سے خطاب ہے جیسے فرمایا: وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ (الفرقان) بعض علماء نے اسے سلام کے معنی میں فرمایا، یہ جدائی کا سلام ہے اور کافر کو سلام کرنے اور اس کو پہلے سلام کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ ابن عیینہ سے پوچھا گیا: کیا کافر کو سلام کرنا جائز ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ (الممتحنہ) اور فرمایا: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ (الممتحنہ) اور حضرت ابراہیم نے اپنے باپ سے کہا: سَلٰمٌ عَلَيْكَ۔

میں کہتا ہوں: اس آیت سے وہی ظاہر ہوتا ہے جو سفیان بن عیینہ نے کہا ہے اور اس باب میں دو صحیح احادیث ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ نے نبی پاک ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا: ''یہود اور نصاریٰ کو پہلے سلام نہ کرو اور جب تم ان میں سے کسی کو راستہ میں ملو تو اسے تنگی کی طرف مجبور کرو'' (1)۔ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ صحیحین میں حضرت اسامہ بن زید سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ گدھے پر سوار ہوئے جس پر پالان تھا جس کے نیچے فدک کا بنا ہوا کپڑا تھا اور آپ نے پیچھے حضرت اسامہ بن زید کو سوار کیا ہوا تھا۔ آپ ﷺ حضرت سعد بن عبادہ کی بنی الحرث بن الخزرج میں عیادت کے لیے جا رہے تھے، یہ جنگ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے حتیٰ کہ آپ ایک ایسی مجلس سے گزرے جس میں مسلمان، مشرکین، بت پرست اور یہودی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں (رئیس المنافقین) عبداللہ بن ابی بن سلول بھی تھا اور مجلس میں حضرت عبداللہ بن رواحہ بھی موجود تھے جب مجلس پر گدھے کا غبار پڑا تو عبداللہ بن ابی نے اپنی ناک اپنی چادر سے ڈھانپ لی اور کہا: ہم پر غبار نہ اڑاؤ۔ نبی کریم ﷺ نے ان پر سلام کیا (الحدیث) پہلی حدیث ابتداً غیر مسلموں کو سلام نہ کرنے کو ظاہر کر رہی ہے کیونکہ سلام کرنا عزت دینا ہے اور کافر اس کا اہل نہیں اور دوسری حدیث ابتداءً سلام کرنے کو جائز ظاہر کر رہی ہے۔ طبری نے کہا: حضرت اسامہ کی مروی، حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کے معارض نہیں ہے کیونکہ ہر ایک دوسری کے خلاف نہیں ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کا مخرج عموم ہے اور حضرت اُسامہ کی حدیث بیان کرتی ہے کہ اس کا معنی خصوص ہے۔ نخعی نے کہا: جب تجھے یہودی یا نصرانی سے حاجت ہو تو اسے پہلے سلام کر، اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث (کہ انہیں پہلے سلام نہ کرو (2)) اس صورت میں ہے جب کوئی ایسا سبب نہ ہو جو سلام کرنے کا موجب ہو مثلاً کوئی فیصلہ کرانا ہو، کوئی اور حاجت ہو جو تمہیں ان کی طرف سے لاحق ہو یا سنگت کا حق ہو یا پڑوس کا حق ہو یا سفر کا حق ہو۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، نھی عن ابتداء اھل الکتاب بالسلام، جلد 2، صفحہ 214

2۔ صحیح بخاری، کتاب الاستیذان، التسلیم فی المجلس فیہ اخلاط من المسلمین والمشرکین، جلد 2، صفحہ 924

طبری نے کہا: سلف سے مروی ہے کہ وہ اہل کتاب کو سلام کرتے تھے۔ حضرت ابن مسعود نے ایک کسان کو سلام کیا جو راستے میں آپ کے ساتھ تھا۔ حضرت علقمہ نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے کہا: اے ابا عبدالرحمٰن! کیا اہل کتاب کو پہلے سلام کرنا مکروہ نہیں ہے؟ حضرت عبداللہ نے فرمایا: ہاں، لیکن حق صحبت وسنگت کی وجہ سے مکروہ نہیں ہے۔ حضرت ابوامامہ جب اپنے گھر کی طرف لوٹتے تو مسلمان، نصرانی، چھوٹے بڑے جس کے پاس سے گزرتے اسے سلام کرتے۔ اس کی وجہ ان سے پوچھی گئی تو فرمایا: ہمیں سلام افشاء کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ امام اوزاعی سے اس مسلمان کے بارے پوچھا گیا جو کسی کافر کے پاس سے گزرتا ہے اور پھر اسے سلام کرتا ہے تو انہوں نے فرمایا: اگر تو سلام کرے تو تجھ سے پہلے نیک لوگوں نے سلام کیا ہے اگر تو سلام نہ کرے تو تجھ سے پہلے نیک لوگوں نے سلام کو ترک کیا ہے۔ حسن بصری سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: جب تو کسی ایسی مجلس سے گزرے جس میں مسلمان اور کفار ہوں تو انہیں سلام کر۔

میں کہتا ہوں: پہلے مقالہ والوں نے اس سے حجت پکڑی ہے کہ سلام جس کا معنی تحیۃ ہے یہ اس امت کے ساتھ خاص ہے کیونکہ حضرت انس بن مالک کی حدیث ہے فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے میری امت کو ایسی تین چیزیں عطا فرمائی ہیں جو ان سے پہلے کسی کو عطا نہیں کی گئیں۔ (1) السلام یہ اہل جنت کا سلام ہے" الحدیث۔ اس حدیث کو حکیم ترمذی نے ذکر کیا ہے ان کی سند کے ساتھ سورہ فاتحہ میں گزر چکی ہے۔ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ کے معنی پر کلام گزر چکی ہے اور سلام پر رفع ابتدا کی وجہ سے ہے۔ اس کے نکرہ ہونے کے باوجود اسے مبتدا بنانا جائز ہے کیونکہ نکرہ مخصوصہ، حکم میں معرفہ کے ساتھ متصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا۝ ، الحفی جو نیکی کرنے اور مہربانی کرنے میں انتہا کو پہنچا ہوا ہو۔ کہا جاتا ہے: حفی بہ وتحفی، اس کا معنی ہے اس نے اس سے نیکی اور مہربانی کی۔ کسائی نے کہا: کہا جاتا ہے: حفی بی حفاوۃ وحفوۃ، فراء نے کہا: اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا، یعنی وہ عالم اور باریک بین ہے وہ میری دُعا قبول فرماتا ہے جب میں اس سے دعا مانگتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَعْتَزِلُكُمْ، العزلہ کا معنی جدائی ہے، سورۃ الکہف میں اس کا بیان ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا۝ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اہل اور اولاد عطا کرے جن سے وہ تقویت حاصل کرے تا کہ وہ اپنی قوم سے جدائی کی وجہ سے وحشت میں مبتلا نہ ہوں اسی وجہ سے فرمایا: فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَ مَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ہم نے اسے بیٹے کی نعمت بخش کر اس کی وحشت کو دور کیا۔ حضرت ابن عباس وغیرہ سے یہ مروی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: عَسٰۤى، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بندہ قطعی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ معرفت پر باقی رہے یا مستقبل میں باقی رہے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ باپ کے لیے ہدایت کی دعا ہے اور عسیٰ، سے شک کیا ہے کہ وہ نہیں جانتے کہ کیا اس کے حق میں دعا قبول کی جائے گی یا نہیں؟ پہلا قول اظہر ہے اور فرمایا: وَ جَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا۝ یعنی ہم نے ان کی خوب تعریف کی کیونکہ تمام ملتیں ان انبیاء کرام کی تعریف میں رطب اللسان ہوتی ہیں اور لسان، مذکر اور مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

1۔ نوادر الاصول، جلد 2، صفحہ 185

وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰۤى ۫ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾ وَ نَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَ وَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾

''اور ذکر فرمایئے کتاب میں موسیٰ کا بیشک وہ (اللہ کے) چنے ہوئے تھے اور رسول و نبی تھے۔ اور ہم نے انہیں پکارا طور کی دائیں جانب سے اور ہم نے انہیں قریب کیا راز کی باتیں کرنے کے لیے۔ اور ہم نے بخشا انہیں اپنی (خاص) رحمت سے ان کا بھائی ہارون جو نبی تھا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰۤى یعنی قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ان پر پڑھو۔ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا اپنی عبادت میں خلوص رکھتا تھا، ریا کار نہ تھا۔ اہل کوفہ نے لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی ہم نے اسے چن لیا اور چنا ہوا بنا دیا۔ وَ نَادَيْنٰهُ ہم نے جمعہ کی رات اس سے کلام کی۔ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دائیں جانب، پہاڑ کے پہلو میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دائیں طرف درخت تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر کی طرف آ رہے تھے؛ یہ طبری وغیرہ نے کہا ہے۔ کیونکہ پہاڑوں کا دایاں، بایاں نہیں ہوتا(1)۔ وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾، نَجِيًّا پر نصب حال کی بناء پر ہے، یعنی ہم نے بغیر وحی کے اس سے کلام کی۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ہم نے اسے قدر و منزلت کے اعتبار سے اتنا قرب بخشا کہ ہم نے اس سے کلام کی۔ وکیع اور قبیصہ نے سفیان سے انہوں نے عطاء بن سائب سے انہوں نے سعید بن جبیر سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ کے تحت روایت کیا ہے کہ انہیں قریب کیا حتی کہ انہوں نے قلموں کے چلنے کی آواز سنی (2)۔ وَ وَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾ یہ اس وقت ہوا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا وَ اجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِي ﴿۳۰﴾ (طٰہٰ)

وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَ كَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ ۪ وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾

''اور ذکر کیجئے کتاب میں اسماعیل کو بیشک وہ وعدہ کے سچے تھے اور رسول (اور) نبی تھے۔ اور وہ حکم دیا کرتے تھے اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اور اپنے رب کے نزدیک بڑے پسندیدہ تھے''۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: اس اسماعیل سے مراد اسماعیل بن حزقیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا تھا تو انہوں نے ان کے سر کی جلد اتار لی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قوم کو عذاب دینے میں اختیار دیا تھا تو انہوں نے عفو طلب کیا اور اللہ تعالیٰ کے ثواب پر راضی ہوئے اور ان کا معاملہ، معاف کرنے یا عذاب دینے میں اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ جمہور علماء کا نظریہ یہ ہے کہ یہ اسماعیل ذبیح ابو العرب ابن ابراہیم ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: ذبیح حضرت اسحاق تھے۔ پہلا قول اظہر ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا

1۔ تفسیر طبری، جز 15، صفحہ 110　　2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 20

ہے (☆)۔ اور مزید بحث سورۃ الصافات میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وعد الصدق کے ساتھ شرف وعزت بخشنے کے لیے خاص کیا ہے اگرچہ یہ صفت دوسرے انبیاء کرام میں بھی موجود تھی جیسے حلیم، اواہ اور الصدیق، لقب کے طور پر دیے گئے ہیں نیز وہ ان خصائل سے مشہور تھے۔

مسئلہ نمبر 2۔ وعدہ کی سچائی محمود صفت ہے اور یہ انبیاء اور مرسلین کے اخلاق سے ہے۔ اس کی ضد وعدہ خلافی ہے اور مذموم ہے یہ فاسقین اور منافقین کے اخلاق سے ہے جیسا کہ سورۂ برأت میں گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اسماعیل علیہ السلام کی تعریف کی اور وعدہ کی سچائی کی صفت سے موصوف فرمایا۔ اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ صفت اس لیے بخشی گئی کہ انہوں نے اپنے نفس پر ذبح کے وقت صبر کا وعدہ کیا تو انہوں نے صبر کیا حتیٰ کہ فدیہ دیا گیا۔ یہ ان کا قول ہے جو کہتے ہیں: ذبیح اسماعیل تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: انہوں نے ایک شخص سے کسی جگہ ملاقات کا وعدہ کیا حضرت اسماعیل آئے اور اس جگہ اس شخص کا ایک دن اور ایک رات انتظار کرتے رہے جب دوسرا دن تھا وہ شخص آیا تو آپ نے اسے فرمایا: میں کل سے تیرے انتظار میں یہاں ہوں۔ بعض نے فرمایا: آپ تین دن انتظار میں رہے (1) اس کی مثل ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعثت سے پہلے واقعہ آیا ہے۔ یہ واقعہ نقاش نے ذکر کیا ہے اور ترمذی وغیرہ (2) نے عبداللہ بن ابی الحمساء سے روایت کیا ہے فرمایا میں نے بعثت سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بیع کی تو آپ کے لیے کچھ باقی رہ گیا میں نے وعدہ کیا کہ میں وہ مال اسی جگہ لے آؤں گا پھر میں بھول گیا پھر مجھے تین دن کے بعد یاد آیا، میں آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی جگہ موجود تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے جوان! تو نے مجھے بہت تکلف دی ہے میں تین دن سے یہاں تیرا انتظار کر رہا ہوں''۔ یہ ابوداؤد کے الفاظ کا ترجمہ ہے۔ یزید رقاشی نے کہا: حضرت اسماعیل نے بائیس دن اس شخص کا انتظار کیا تھا؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ ابن السلام کی کتاب میں ہے کہ آپ نے ایک سال انتظار کیا تھا۔ زمخشری نے یہ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آپ نے اپنے ساتھی سے وعدہ کیا ''اس جگہ وہ اس کا انتظار کریں گے'' تو آپ نے پورا سال انتظار کیا اور قشیری نے یہ ذکر کیا ہے کہ ایک سال آپ اپنی جگہ پر رہے حتیٰ کہ جبرئیل امین آپ کے پاس آئے اور کہا کہ وہ تاجر جس نے آپ سے بیٹھنے کا سوال کیا تھا حتیٰ کہ واپس آجائے وہ شیطان تھا آپ نہ بیٹھیے اور اس کے لیے کوئی عزت نہیں۔ یہ بعید ہے اور صحیح نہیں ہے۔

بعض علماء نے فرمایا: حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جو بھی وعدہ کیا اسے پورا کیا۔ یہ صحیح قول ہے اور آیت کا ظاہر بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس باب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: العدۃ دین (3) (وعدہ کرنا دین ہے) اور اثر میں مومن کا وعدہ واجب ہے یعنی مومنین کے اخلاق میں وعدہ پورا کرنا واجب ہے ہم نے کہا: یہ بطور فرض واجب نہیں کیونکہ علماء کا اس

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 21 2۔ سنن ابی داؤد، باب فی العدۃ، حدیث نمبر 4344، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ صحیح بخاری، کتاب الھبۃ، إذ وھب الھبۃ أو وعد ثم، جلد 1، صفحہ 354

☆ [illegible] مفسر کے قول میں بظاہر تعارض ہے یہاں اسے ظاہر قرار دے رہے ہیں جب کہ بعد میں دوسرے قول کو راجح قرار دیتے ہیں۔

پر اجماع ہے جو ابو عمر نے حکایت کیا ہے کہ جس نے مال کا وعدہ کیا جو موجود تھا تو وہ دوسرے قرض خواہوں کے ساتھ اس کو حساب سے لے گا اسی وجہ سے ہم نے کہا: وعدہ پورا کرنا مروّت اور اچھی بات ہے اس کا قطعی فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ عرب وعدہ پورا کرنے پر مدح کرتے ہیں اور وعدہ شکنی پر مذمت کرتے ہیں۔ اسی طرح تمام امتوں میں تھا۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

مَتَى مَا يَقُلْ حُرٌّ لِصَاحِبِ حَاجَةٍ نَعَمْ يَقْضِهَا وَالْحُرُّ لِلْوَأْيِ ضَامِنُ

"آزاد آدمی جب اپنے کسی حاجت مند ساتھی سے ہاں کہتا ہے تو اس کی حاجت پوری کرتا ہے اور آزاد آدمی وعدے کا ضامن ہوتا ہے"۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وفا کرنے والا شکر اور تعریف کا مستحق ہے جبکہ عہد شکنی کرنے والا مذمت کا مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ سچ کرنے والے اور نذر پوری کرنے والے کی تعریف فرمائی تو اس کے لیے یہی مدح و ثنا کافی ہے جبکہ اس کے مخالف کے لیے مذمت ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ امام مالک نے فرمایا: جب کوئی شخص کسی کو ہبہ کرنے کا سوال کرے اور وہ اسے ہاں کہے پھر اس کے لیے ایسا نہ کرنا ظاہر ہو تو میرے خیال میں اس پر کچھ لازم نہیں۔ امام مالک نے کہا: اگر یہ صورت اگر قرض کی ادائیگی میں ہو پھر وہ اس سے کہے کہ اس کی طرف سے قرض ادا کر دے اس نے کہا: ٹھیک ہے اور وہاں اور بہت سے افراد ہوں جو اس پر گواہی دیں تو اس پر چیز لازم ہوگی جب اس پر دو آدمی گواہی دیں۔ امام ابو حنیفہ اور اس کے اصحاب اور امام اوزاعی، امام شافعی اور تمام فقہاء نے کہا: وعدہ کرنے سے کوئی چیز لازم نہیں کیونکہ یہ منافع ہیں عاریہ چیز میں اس کا قبضہ نہیں ہوا کیونکہ وہ طاری ہے اور غیر عاریہ میں جو اشخاص اور اعیان ہیں جو ہبہ کیے جاتے ہیں ان پر قبضہ نہ ہو تو مالک کو ان میں رجوع کا حق ہوتا ہے۔ امام بخاری میں ہے: وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ٝ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ، ابن اشوع نے وعدہ کی وجہ سے فیصلہ کیا یہ انہوں نے حضرت سمرہ بن جندب سے روایت کر کے ذکر کیا ہے۔ امام بخاری نے فرمایا: میں نے اسحاق بن ابراہیم کو دیکھا وہ ابن اشوع کی حدیث سے حجت پکڑتے تھے (1)۔

مسئلہ نمبر 5۔ وَ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا۞ بعض علماء نے فرمایا: حضرت اسماعیل علیہ السلام کو جرہم قبیلہ کی طرف مبعوث کیا گیا اور تمام نبی جب وعدہ کرتے تھے تو اسے سچا کر دکھاتے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا خصوصی اس صفت کے ساتھ ذکر کرنا ان کو شرف بخشنے کے لیے ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ وَ كَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ، حسن نے فرمایا: اہل سے مراد ان کی امت ہے اور حضرت ابن مسعود کی قرأت میں اس طرح تھا۔ وکان یامر اھلہ جُرھم وولدہ بالصلوۃ والزکاۃ، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا یعنی پسندیدہ پاکیزہ اور صالح تھے۔ کسائی اور فراء نے کہا: جنہوں نے مرضی کہا انہوں نے رضیت کی بنا پر کہا۔ کسائی اور فراء نے کہا: اہل حجاز مرضو کہتے ہیں، نیز ان نحویوں نے کہا: عربوں میں سے کچھ لوگ رضوان، رضیان کہتے ہیں۔ پس

1۔ صحیح بخاری کتاب الشھادات، باب من امر انجاز الوعد

رضوان، مرضو کی بنا پر ہے۔ بصری علماء صرف رضوان اور ربوان کہنا جائز قرار دیتے ہیں۔ ابوجعفر نحاس نے کہا میں نے ابواسحاق زجاج کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ لکھنے میں غلطی کرتے ہیں اور ربا کو یاء کے ساتھ لکھتے ہیں، پھر اس سے بڑی شدید غلطی یہ کرتے ہیں کہ ربیان کہتے ہیں اور یہ صرف ربوان اور رضوان جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَاۡ فِیْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ (روم: 39)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾

''اور ذکر فرمایئے کتاب میں ادریس (علیہ السلام) کا بیشک وہ بڑے راستباز تھے (اور) نبی تھے۔ اور ہم نے بلند کیا تھا انہیں بڑے اونچے مقام تک''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ حضرت ادریس علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنہوں نے قلم کے ساتھ لکھا اور کپڑے سینے اور سلے ہوئے کپڑے پہننے کا آغاز بھی آپ سے ہوا۔ علم نجوم اور حساب اور ستاروں کے چلنے میں غور وفکر بھی آپ سے شروع ہوا۔ اور ادریس کو ادریس اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ کتاب اللہ کا کثرت سے درس دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر تیس صحیفے نازل کیے جیسا کہ حضرت ابوذر کی حدیث میں ہے۔ زمخشری نے کہا: بعض علماء نے کہا: ادریس کو، ادریس کتاب اللہ کا کثرت سے درس دینے کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ آپ کا نام اخنوخ تھا اور یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر یہ درس سے افعیل کے وزن پر ہوتا تو اس میں غیر منصرف ہونے کا صرف ایک سبب ہوتا اور وہ علمیت ہے اور اس کا غیر منصرف ہونا اس کے عجمہ ہونے پر دلیل ہے اسی وجہ سے ابلیس عجمی ہے یہ ابلاس سے مشتق نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا ہے اور اسی طرح یعقوب، العقب سے نہیں ہے اور اسرائیل، اسرال سے نہیں ہے جیسا کہ ابن السکیت نے گمان کیا ہے۔ جو تحقیق نہیں کرتا اور علوم میں مہارت حاصل نہیں کرتا اس سے اس قسم کی اغلاط کثرت سے ہوتی ہیں اور یہ جائز ہے کہ ادریس کا معنی اس لغت میں اس مفہوم کے قریب ہو اور راوی نے الدرس سے مشتق خیال کرلیا ہے۔ ثعلبی اور غزنوی وغیرہما نے کہا: یہ حضرت نوح کے دادا تھے اور یہ خطا ہے۔ سورۂ اعراف میں اس کا بیان گزر چکا ہے اسی طرح سیرت میں واقع ہے حضرت نوح علیہ السلام بن لامک بن متوشلخ بن اخنوخ یہ ادریس نبی علیہ السلام ہیں جیسا کہ گمان کرتے ہیں واللہ اعلم۔ اور یہ پہلے شخص تھے جس کو بنی آدم سے نبوت دی گئی تھی اور قلم کے ساتھ سب سے پہلے انہوں نے لکھا اس کا شجرہ نسب یہ ہے۔ ادریس بن برد بن مہلائیل بن قینان بن یانش بن شیث بن آدم صلی اللہ علیہ وسلم۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ حضرت انس بن مالک اور حضرت ابوسعید وغیرہما نے کہا(1): مَكَانًا عَلِيًّا سے مراد چوتھا آسمان ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی مروی ہے اور کعب احبار نے بھی یہی کہا ہے۔ حضرت ابن عباس اور ضحاک نے کہا: اس سے مراد چھٹا آسمان ہے(2)۔ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: بخاری میں شریک بن عبداللہ بن ابی نمر سے مروی ہے فرمایا میں نے حضرت انس کو یہ فرماتے ہوئے سنا: وہ

1۔ سنن ترمذی، حدیث نمبر 3082، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ تفسیر طبری، جز 15، صفحہ 113

رات جس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کی مسجد سے سیر کرائی گئی۔ اس حدیث میں ہے "ہر آسمان میں انبیاء تھے"۔ آپ نے نام بیان کیے ان میں حضرت ادریس علیہ السلام کا دوسرے آسمان میں ہونے کا ذکر کیا۔ یہ وہم ہے صحیح یہ ہے کہ چوتھے آسمان پر تھے۔ اسی طرح ثابت بنانی نے حضرت انس بن مالک سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے؛ یہ مسلم نے صحیح میں ذکر کیا ہے۔ حضرت مالک بن صعصعہ نے روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب مجھے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو میں ادریس علیہ السلام کے پاس چوتھے آسمان میں آیا" (1)۔ یہ بھی مسلم نے نقل کیا ہے حضرت ادریس علیہ السلام کو بلند کرنے کا سبب وہ ہے جو حضرت ابن عباس اور کعب وغیرہ نے کہا ہے: ایک دن وہ کسی کام کے لیے چلے تو انہیں سورج کی گرمی لگی تو انہوں نے کہا: یارب! میں ایک دن چلا ہوں (تو یہ حالت ہے) جو ایک دن میں پانچ سو سال اس کو اٹھائے گا اس کی کیا کیفیت ہوگی۔ اللہ اس سے اس کا بوجھ ہلکا کر دے یعنی سورج کے فلک پر متعین فرشتہ۔ حضرت ادریس نے کہا: اے اللہ! اس سے اس کا بوجھ ہلکا کر دے اور اس سے اس کی گرمی اٹھالے۔ جب فرشتے نے صبح کی تو اس نے سورج کی خفت اور ایسا سایہ پایا جو وہ جانتا نہیں تھا۔ اس فرشتہ نے عرض کی: یارب! تو نے مجھے سورج کے اٹھانے کے لیے پیدا کیا تھا پھر یہ کیا فیصلہ فرمایا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے ادریس نے مجھ سے سوال کیا ہے کہ میں تجھ سے اس کے بوجھ اور اس کی گرمی میں تخفیف کر دوں تو میں نے اس کی دعا قبول کی ہے۔ اس فرشتے نے عرض کی: یارب! مجھے اور اسے جمع کر دے، میرے اور اس کے درمیان دوستی بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو اجازت دی حتیٰ کہ وہ حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس آیا۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے اس سے پوچھا اور کہا: مجھے خبر دی گئی ہے کہ تو ملائکہ میں سے معزز فرشتہ ہے اور ملک الموت کے ہاں تیری دوسروں کی نسبت سے زیادہ عزت ہے، تم میری اس کے پاس سفارش کرو تاکہ وہ میری عمر میں ڈھیل دے دے تاکہ اللہ کا شکر اور عبادت زیادہ کروں۔ فرشتے نے کہا: اللہ تعالیٰ کسی نفس کو ڈھیل نہیں دیتا جب اس کی موت کا وقت آجاتا ہے۔ حضرت ادریس نے فرشتے سے کہا: مجھے یہ معلوم ہے لیکن یہ میرے نفس کے لیے اچھا ہوگا۔ پھر سورج کے فرشتے نے حضرت ادریس کو اپنے پَر کے اوپر اٹھایا اور آسمان کی طرف بلند کیا اور انہیں سورج کے مطلع کے پاس اُتارا پھر فرشتے نے ملک الموت سے کہا: بنی آدم سے میرا ایک دوست ہے اس نے تیری بارگاہ میں میری سفارش پیش کی ہے کہ تو اس کی عمر میں ڈھیل دے۔ ملک الموت نے کہا: یہ میرے بس میں نہیں اگر تو پسند کرتا ہے کہ وہ جان لے کہ وہ کب فوت ہوگا تو میں اسے یہ بتا دیتا ہوں۔ اس نے کہا: ٹھیک ہے یہی بتا دو۔ پھر ملک الموت نے اپنے دیوان میں دیکھا تو فرمایا: تو مجھ سے ایسے انسان کے بارے سوال کر رہا ہے میں اسے نہیں دیکھتا کہ وہ کبھی فوت ہوگا فرشتے نے کہا: وہ کیسے؟ ملک الموت نے کہا: میں نے اس کی موت کو نہیں پایا مگر سورج کے طلوع ہونے کے پاس۔ فرمایا: میں تیرے پاس آیا ہوں جبکہ ادریس کو میں اسی جگہ چھوڑ آیا ہوں۔ ملک الموت نے کہا: تم جاؤ میں تجھے نہیں دیکھتا مگر یہ کہ تو اسے فوت شدہ پائے گا۔ اللہ کی قسم! ادریس علیہ السلام کی عمر سے کچھ بھی باقی نہیں ہے۔ وہ فرشتہ واپس آیا تو حضرت ادریس علیہ السلام کو فوت شدہ پایا۔ سدی نے کہا: ایک دن حضرت ادریس علیہ السلام سوئے ہوئے تھے تو انہیں سورج کی گرمی بڑی

1۔ تفسیر طبری، جز 15، صفحہ 114

شدید لگی وہ اٹھے تو وہ اس کی وجہ سے تکلیف میں تھے۔ عرض کی: اے اللہ! سورج کے فرشتے سے سورج کی گرمی میں تخفیف کر اور اس کی اس کے بوجھ پر مدد فرما کیونکہ وہ گرم آگ برداشت کرتا ہے سورج کے فرشتے نے صبح کی تو اس کے لیے نور کی ایک کرسی لگائی گئی تھی اور اس کے پاس ستر ہزار فرشتے دائیں طرف اور ستر ہزار فرشتے بائیں طرف اس کی خدمت کرتے تھے اور اس کا حکم اور عمل بجالاتے تھے۔ سورج کے فرشتے نے کہا: یارب! یہ میرے لیے کہاں سے آیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تیرے لیے بنی آدم میں سے ایک نے دعا کی ہے جسے ادریس کہا جاتا ہے۔ پھر کعب کی حدیث کی طرح ذکر کیا ہے فرمایا: سورج کے فرشتے نے حضرت ادریس سے کہا: تیری کیا حاجت ہے؟ حضرت ادریس نے کہا: میری خواہش ہے کہ میں جنت کو دیکھوں۔ فرمایا: اس فرشتے نے آپ کو اپنے پروں پر اٹھایا پھر اڑ گیا جب وہ چوتھے آسمان میں تھا تو اس کی ملاقات ملک الموت سے ہوئی وہ آسمان میں دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔ سورج کے فرشتے نے ملک الموت پر سلام کیا اور کہا: اے ادریس یہ ملک الموت ہے پس تو اس پر سلام کر۔ ملک الموت نے کہا: سبحان اللہ! تو اسے یہاں کس لیے لایا ہے؟ اس نے کہا: میں نے اسے اس لیے بلند کیا ہے تاکہ اسے جنت دکھاؤں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ادریس علیہ السلام کی روح چوتھے آسمان پر قبض کروں۔ میں نے کہا: یارب! ادریس چوتھے آسمان پر کیسے ہوگا؟ پس میں چوتھے آسمان پر اترا تو وہ تمہارے ساتھ تھے پس اس کی روح قبض کی اور جنت کی طرف اسے بلند کیا۔ ملائکہ نے آپ کے جسم کو چوتھے آسمان میں دفن کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَّ رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا کا یہی مفہوم ہے۔ وہب بن منبہ نے کہا: حضرت ادریس علیہ السلام کی ہر روز عبادت میں سے اس کی مثل بلند ہوتا تھا جتنا کہ اہل زمین کے لیے اس زمانہ میں بلند ہوتا تھا۔ ملائکہ نے اس پر تعجب کیا اور ملک الموت کو آپ کی ملاقات کا شوق ہوا۔ ملک الموت نے آپ کی زیارت کے لیے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو اجازت مرحمت فرمائی۔ ملک الموت انسانی شکل میں آپ کے پاس آئے۔ حضرت ادریس علیہ السلام دن کو روزہ رکھتے تھے جب افطار کا وقت ہوتا تھا تو ملک الموت کو کھانے پر بلاتے تھے تو وہ کھانے سے انکار کرتا تھا یہ اس کے ساتھ تین دن کیا پھر ادریس نے عجیب سمجھا اور اس سے پوچھا: تو کون ہے؟ فرمایا: میں ملک الموت ہوں۔ میں نے اپنے رب سے اجازت طلب کی تھی کہ میں آپ سے ملوں تو اس نے مجھے اجازت دی۔ حضرت ادریس نے کہا: مجھے آپ سے ایک کام ہے۔ حضرت ملک الموت نے کہا: وہ کیا ہے؟ فرمایا: تو میری روح قبض کر لے۔ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو وحی فرمائی کہ اس کی روح قبض کر لے۔ ملک الموت نے اس کی روح قبض کر لی۔ ایک لمحہ بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی روح لوٹا دی۔ ملک الموت نے حضرت ادریس سے کہا: تیری روح قبض کرنے میں کیا فائدہ ہوا؟ فرمایا: تاکہ میں موت کی تکلیف چکھ لوں اور میں اس کے لیے زیادہ استعداد حاصل کروں۔ پھر حضرت ادریس نے ملک الموت سے کہا: مجھے تجھ سے ایک اور کام ہے۔ ملک الموت نے کہا: وہ کیا ہے؟ فرمایا تو مجھے آسمان کی طرف بلند کرتا کہ میں جنت اور دوزخ کو دیکھوں۔ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو اذن دیا کہ اسے آسمانوں کی طرف لے جائے۔ حضرت ادریس نے آگ دیکھی تو غشی طاری ہوگئی جب افاقہ ہوا تو کہا: مجھے جنت دکھاؤ۔ وہ اسے جنت میں لے گئے پھر حضرت ادریس سے ملک الموت نے کہا: جنت سے باہر نکلو تاکہ میں تجھے اپنی جگہ پر لوٹا دوں تو حضرت ادریس نے ایک درخت کو پکڑ لیا اور کہا: میں جنت سے نہیں

نکلوں گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان فیصلہ کے لیے ایک فرشتہ بھیجا جس نے فیصلہ کرنا تھا اس فرشتے نے حضرت ادریس سے پوچھا: تم جنت سے کیوں نہیں نکلتے؟ حضرت ادریس نے کہا: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران: 185) (ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے) اور میں موت کا ذائقہ چکھ چکا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا تم میں سے ہر ایک نے دوزخ پر وارد ہونا ہے۔ اور میں اس پر وارد ہو چکا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ۝ (الحجر) وہ اس (جنت) سے نکلنے والے نہیں؟ پھر میں اس سے کیسے نکلوں؟ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت سے فرمایا: میرے اذن سے وہ جنت میں داخل ہوئے تھے اور میرے حکم سے ہی باہر نکلیں گے، پس حضرت ادادریس علیہ السلام جنت میں زندہ ہیں اور وَّ رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ سے یہی مراد ہے۔ النحاس نے کہا: ادریس کا قول: وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس کو یہ سکھایا ہو پھر اس کو قرآن میں نازل کیا ہو۔ وہب بن منبہ نے کہا: حضرت ادریس جنت میں کبھی کھاتے پیتے ہیں اور کبھی ملائکہ کے ساتھ آسمان میں اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۙ وَ مِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۫ وَّ مِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْرَآءِيْلَ ۫ وَ مِمَّنْ هَدَيْنَا وَ اجْتَبَيْنَا ؕ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا ۩ ۝

"یہ وہ (مقدس ہستیاں) ہیں جن پر انعام فرمایا اللہ تعالیٰ نے انبیاء (کرام کے زمرہ) سے یہ آدم کی اولاد سے تھے اور بعض ان کی اولاد جن کو ہم نے سوار کیا تھا (کشتی میں) نوح کے ساتھ اور بعض ابراہیم اور یعقوب کی اولاد سے تھے اور ان میں سے جنہیں ہم نے ہدایت دی اور چن لیا، جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے رحمن کی آیتیں تو وہ گر پڑتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور (زار و قطار) روتے ہوئے"۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ اس سے مراد صرف حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔ وَ مِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ سے مراد صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ وَّ مِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ سے مراد حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں اور (اسرائیل) کی ذریت سے مراد حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہیں۔ حضرت ادریس اور حضرت نوح کو حضرت آدم علیہ السلام سے قرب کا شرف تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے حضرت نوح علیہ السلام سے قرب کا شرف تھا اور حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کو حضرت ابراہیم سے قرب کا شرف تھا۔ وَ مِمَّنْ هَدَيْنَا یعنی جن کو ہم نے اسلام کی طرف ہدایت دی۔ وَ اجْتَبَيْنَا اور ہم نے ایمان کے لیے چن لیا۔ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ، شبل بن عباد کی نے یتلی مذکر کا صیغہ پڑھا ہے کیونکہ فاعل مونث غیر حقیقی ہے اور فعل اور فاعل کے درمیان فاصلہ بھی ہے۔ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا ۝ ان کا وصف بیان فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے خشوع کا اظہار کرنے والے ہیں اور اس کی بارگاہ میں رونے

والے ہیں۔ یہ الفاظ سورۂ سبحان میں گزر چکے ہیں۔ کہا جاتا ہے: بکی یبکی بکاء وبکی وبکیا۔ مگر خلیل نے کہا: جب تھوڑا رونا ہو تو وہ حزن کی مثل ہے یعنی اس کے ساتھ آواز نہ ہو جیسے شاعر نے کہا:

بکت عینی وحُقَّ لھا بکا ھا　　وما یغنی البکاءُ ولا العَوِیلُ

اور سُجَّدًا، پر نصب حال کی وجہ سے ہے اور بُکِیًّا اس پر معطوف ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ رحمٰن کی آیات کا دلوں پر اثر ہے۔ حسن نے کہا: اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِیًّا ﴿۵۸﴾ یعنی نماز میں جب ان پر آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر پڑتے ہیں۔ اصم نے کہا: اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ سے مراد وہ کتب ہیں جو اس کی توحید اور اس کی محبتوں کو متضمن ہیں اور وہ ان کی تلاوت کے وقت سجدہ کرتے تھے اور ان کے ذکر کے وقت روتے تھے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اس سے مراد خاص قرآن ہے اور وہ اس کی تلاوت کے وقت سجدہ کرتے تھے اور روتے تھے۔ الکیا نے کہا: اس آیت میں حضرت ابن عباس کے قول سے اس شخص کے قول کی دلیل ہے جو کہتا ہے کہ قرآن وہ ہے جو تمام انبیاء پر پڑھا جاتا تھا لیکن اگر اس طرح ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے انزال کے ساتھ مختص نہ ہوتے۔

مسئلہ نمبر 3۔ ابوبکر رازی نے اس آیت سے حجت پکڑی ہے کہ قاری اور سننے والے پر قرآن کے سجدے واجب ہیں۔ الکیا نے کہا: یہ بعید ہے کیونکہ یہ وصف تو اللہ تعالیٰ کی تمام آیات کو شامل ہے اور سجود کو بکاء (رونے) کے ساتھ ملایا گیا ہے اور اس سے انبیاء کا طریقہ ظاہر ہوا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اور اس کی آیات کی تعظیم کرتے تھے۔ اس میں مخصوص آیت پڑھتے وقت سجدہ کے وجوب پر کوئی دلالت نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ علماء نے فرمایا: جو سجدہ کی آیت پڑھے وہ آیات کے مطابق اس سجدہ میں دعا مانگے مثلاً اگر سورۃ السجدہ، الم تنزیل آیت سجدہ پڑھے تو یہ دعا مانگے: اللھم أجعلنی من الساجدین لوجھك المسبحین بحمدك وأعوذبك أن أکون من المستکبرین عن أمرك۔ اے اللہ! مجھے اپنی رضا کے لیے سجدہ کرنے والوں، اپنی حمد کے ساتھ تسبیح کرنے والوں سے بنا دے اور میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں تیرے حکم سے تکبر کرنے والوں سے ہو جاؤں۔ اور اگر سورۂ سبحان کی آیت سجدہ پڑھے تو یہ دعا مانگے: اللھم أجعلنی من الباکین إلیك الخاشعین لك۔ اے اللہ! مجھ اپنی بارگاہ میں رونے والوں اور خشوع کرنے والوں سے بنا دے۔ اگر یہ آیت پڑھے تو یہ دعا مانگے: اللھم أجعلنی من عبادك المنعم علیھم المھدین الساجدین لك الباکین عند تلاوۃ آیاتك۔ اے اللہ! مجھے اپنے انعام یافتہ، ہدایت یافتہ اور اپنی بارگاہ میں سجدہ کرنے والے لوگوں سے (اور) آیات کی تلاوت کے وقت رونے والوں سے بنا دے۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا ﴿۵۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓىِٕكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا یُظْلَمُوْنَ شَیْـًٔا ﴿۶۰﴾ جَنّٰتِ عَدْنِ ﹰالَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَیْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِیًّا ﴿۶۱﴾

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۭ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝

''پس جانشین بنے ان کے بعد وہ ناخلف جنہوں نے ضائع کیا نمازوں کو اور پیروی کی خواہشات (نفسانی) کی سو وہ دوچار ہونگے اپنی نافرمانی (کی سزا) سے، مگر جو تائب ہوئے اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا ظلم نہیں کیا جائے گا۔ سدا بہار چمن جن کا وعدہ (خداوند) رحمن نے اپنے بندوں سے غیب میں کیا ہے یقیناً اس کا وعدہ پورا ہو کر رہنے والا ہے۔ نہیں سنیں گے جنت میں کوئی لغو بات بجز سلامت رہو کی دعائیہ صدا اور انہیں ان کا رزق ملے گا وہاں ہر صبح وشام۔ یہ وہ جنت ہے جس کا ہم وارث بنائیں گے اپنے بندں سے (صرف) اس کو جو متقی ہوگا''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ** اس سے مراد بری اولاد ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا: ہمیں حجاج نے بیان کیا انہوں نے ابن جریج سے انہوں نے مجاہد سے روایت کیا ہے فرمایا: یہ قیامت کے قیام کے وقت ہوگا اور اس امت کے نیک لوگوں کے چلے جانے کے وقت ہوگا، لوگ گلیوں میں زنا کریں گے۔ خلف کے متعلق کلام سورۃ الاعراف میں گزر چکی ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ۔ حضرت عبداللہ اور حسن نے أضاعوا الصلوات، پڑھا ہے یہ مذمت ہے۔ اور نص ہے کہ نماز کا ضائع کرنا ان کبائر میں سے ہے جو انسان کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا: جس نے نماز کو ضائع کیا وہ اسکے علاوہ احکام شرع کو زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔ علماء کا اختلاف ہے کہ اس آیت سے کون مراد ہیں؟ مجاہد نے کہا: نصاریٰ مراد ہیں، جو یہود کے بعد آئے۔ محمد بن کعب قرظی اور مجاہد اور عطا نے کہا: اس سے مراد آخر زمانہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے آنے والے لوگ ہیں(1) یعنی اس امت سے ہوں جن کی یہ صفت ہوگی، نصاریٰ مراد نہیں ہیں۔ اور علماء کا نماز کو ضائع کرنے کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ قرظی نے کہا: اس سے مراد نماز کا انکار کرنا ہے۔ قاسم بن مخیمرہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا: اس کو وقت پر ادا نہ کرنا اور اس کے حقوق کو قائم نہ کرنا ہے۔ یہ قول صحیح ہے کیونکہ جب نماز وقت پر ادا نہ کی جائے اور آداب وحقوق سے خالی ہو تو وہ صحیح نہیں ہوتی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو فرمایا جس نے نماز پڑھی اور آیا اور آپ کو سلام پیش کیا: ''واپس جا اور نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی''(2) یہ تین مرتبہ فرمایا۔ اس حدیث کو مسلم نے نقل کیا ہے۔ حضرت حذیفہ نے ایک شخص کو فرمایا جس نے نماز میں کوتاہی کی تھی: تو کتنے عرصہ سے یہ نماز پڑھ رہا ہے؟ اس نے کہا: چالیس سال سے۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا: تو نے نماز نہیں پڑھی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 22

2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، وجوب قرأۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ، جلد 1، صفحہ 170

اگر تو اس طرح نماز پڑھتے ہوئے مر گیا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر نہیں مرے گا، پھر فرمایا: انسان کو نماز مختصر پڑھنی چاہیے مکمل پڑھے اور اچھے انداز میں پڑھے۔ اس حدیث کو بخاری نے نقل کیا ہے اور یہ لفظ نسائی کے ہیں۔ ترمذی میں حضرت ابو مسعود انصاری سے روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ نماز جائز نہیں ہوتی جس میں انسان سیدھا نہیں ہوتا یعنی رکوع اور سجود میں پیٹھ کو سیدھا نہیں کرتا ہے (1)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور اہل علم صحابہ اور تابعین کا اس پر عمل ہے ان کا نظریہ یہ ہے کہ آدمی رکوع و سجود میں اپنی پیٹھ کو سیدھا کرے۔ امام شافعی، امام احمد اور اسحاق نے کہا: جو اپنی پیٹھ رکوع اور سجود میں سیدھی نہیں کرتا اس کی نماز فاسد ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ نماز منافق کی نماز ہے سورج کو تاڑتے ہوئے بیٹھا رہتا ہے حتیٰ کہ جب سورج شیطان کے سینگوں کے درمیان ہو جاتا ہے تو کھڑا ہوتا ہے اور چار ٹھونگیں مارتا ہے وہ نماز میں اللہ کا ذکر نہیں کرتا مگر تھوڑا (2)'' یہ مذمت ہے اس شخص کی جو ایسا کرتا ہے۔ فروہ بن خالد بن سنان نے کہا: ایک دفعہ ضحاک کے ساتھیوں نے نماز عصر میں امیر کا بہت دیر تک انتظار کیا حتیٰ کہ سورج غروب ہونے کے قریب پہنچ گیا۔ ضحاک نے اس وقت یہ آیت پڑھی پھر فرمایا: اللہ کی قسم! نماز کو ترک کرنا میرے نزدیک اسے ضائع کرنے سے بہتر ہے۔ بہر حال اس باب میں حتمی قول یہ ہے کہ جو نماز کا مکمل وضو نہیں کرتا اور رکوع و سجود صحیح نہیں کرتا وہ نماز کی حفاظت کرنے والا نہیں اور جس نے نماز کی حفاظت نہیں کی اس نے اسے ضائع کر دیا اور جس نے نماز کو ضائع کیا وہ دوسرے احکام شرع کو زیادہ ضائع کرنے والا ہو گا۔ حسن نے کہا: نماز کے ضیاع سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے مساجد کو معطل کر دیا اور اپنے دنیا کے کاموں اور اسباب میں مشغول ہو گئے۔ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ یعنی لذات اور معاصی کی پیروی کی۔

مسئلہ نمبر 3۔ ترمذی اور ابو داؤد نے انس بن حکیم ضبی سے روایت کیا ہے (3) کہ وہ مدینہ طیبہ آئے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملے انہوں نے کہا: اے نوجوان! کیا میں تجھے ایسی حدیث بیان نہ کروں شاید اللہ تعالیٰ تجھے اس سے نفع دے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں (ضرور بتائیے) فرمایا: قیامت کے روز لوگوں کے اعمال میں سے جس کا پہلے محاسبہ ہو گا وہ نماز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا حالانکہ وہ زیادہ جانتا ہے: میرے بندے کی نماز دیکھو اس نے اس کو مکمل کیا یا کوتاہی کی اگر وہ نماز مکمل ہو گی تو اس کے لیے مکمل لکھی جائے گی، اگر اس میں کچھ کمی ہو گی تو ارشاد ہو گا: دیکھو کیا میرے بندے کے نوافل ہیں، اگر اس کے نوافل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے بندے کے لیے اس کے نوافل سے اس کے فرائض کو مکمل کر دو پھر اس پر دوسرے اعمال کا مؤاخذہ ہو گا۔ یونس نے کہا: میرا گمان ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے: یہ ابو داؤد کے الفاظ ہیں (4) فرمایا: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں حماد نے بیان

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 124۔ ایضاً حدیث نمبر 729۔ سنن ترمذی حدیث نمبر 245، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، استحباب التبکیر بالعصر، جلد 1، صفحہ 225

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، قول النبی کل صلوٰۃ لایتم صاحبھا، جلد 1، صفحہ 126

4۔ سنن ابی داؤد باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر 733۔ ابن ماجہ، باب ماجاء فی اول مایحاسب بہ العبد، حدیث نمبر 1414، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کیا انہوں نے تمیم داری سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے یہی مفہوم روایت کیا ہے پھر فرمایا: ''زکوۃ بھی اس کی مثل ہے (1) پھر اس کے مطابق اعمال کا مواخذہ ہوگا''۔ اس حدیث کو نسائی نے ہمام سے انہوں نے حسن سے انہوں نے حریث بن قبیصہ سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے نبی پاک ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''قیامت کے روز بندے کا جس چیز کے متعلق محاسبہ کیا جائے گا وہ نماز ہے۔ اگر نماز درست ہوگی تو وہ شخص کامیاب و کامران ہو جائے گا اگر نماز کا معاملہ خراب ہوگا تو وہ خائب و خاسر ہوگا''۔ ہمام نے کہا: میں نہیں جانتا یہ قتادہ کے کلام سے ہے یا روایت سے ہے، اگر اس کے فرائض میں سے کچھ کمی ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: دیکھو کیا میرے بندے کے لیے کوئی نفل ہے پھر فرائض کی کمی نفل سے پوری کی جائے گی پھر تمام اعمال اس کے مطابق ہوں گے۔ ابو العوام نے اس کی مخالفت کی۔ انہوں نے یہ قتادہ سے انہوں نے حسن سے انہوں نے ابو رافع سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے روز بندے کا سب سے پہلے جس چیز کا محاسبہ ہوگا وہ اس کی نماز ہے اگر وہ مکمل پائی جائے گی تو وہ مکمل لکھی جائے گی، اگر اس میں کچھ کمی ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: دیکھو کیا تم اس کے لیے نفل پاتے ہو فرائض نماز میں سے جو کمی ہوگی اس کے نفل سے مکمل کی جائے گی پھر تمام اعمال اس کے مطابق جاری ہوں گے (2)۔ نسائی نے کہا ہمیں اسحاق بن ابراہیم نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں نضر بن شمیل نے بتایا فرمایا ہمیں حماد بن سلمہ نے خبر دی انہوں نے ازرق بن قیس سے انہوں نے یحییٰ بن یعمر سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی پاک ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا: ''قیامت کے روز سب سے پہلے بندے کے جس عمل کا محاسبہ کیا جائے گا وہ اس کی نماز ہے اگر نماز درست ہوگی تو وہ شخص کامیاب و کامران ہو جائے گا اگر نماز کا معاملہ خراب ہو گیا تو وہ خائب و خاسر ہوگا'' (3)۔ ورنہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے بندے کے بارے میں دیکھو کیا اس کے نفل ہیں اگر نفل ہوئے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کے فرائض کی کمی کو پورا کردو۔ ابو عمر بن عبد البر نے کتاب التمہید میں فرمایا: نوافل سے فرائض کا مکمل کرنا اس کے لیے ہوگا جو فرض کو بھول گیا ہوگا اور اسے ادا نہ کیا ہوگا یا اس کا رکوع و سجود بہتر ادا نہ کیا ہوگا اور اسے اس کی قدر معلوم نہ ہوگی لیکن جس نے نماز کو جان بوجھ کر ترک کیا ہوگا یا پہلے بھولا ہوگا پھر اسے یاد آیا ہوگا لیکن جان بوجھ کر پھر ادا نہ کیا ہوگا اور فرض کی ادائیگی کو چھوڑ کر نوافل میں مشغول ہوا ہوگا جبکہ فرض اسے یاد بھی ہوگا تو اس کے لیے نوافل سے فرض کو مکمل نہیں جائے گا۔ اس کے بارے میں شامیین کی حدیث سے ایک منکر حدیث مروی ہے جس کو محمد بن حمیر نے عمرو بن قیس سکونی سے انہوں نے عبد اللہ بن قرط سے انہوں نے نبی پاک ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا: ''جس نے کوئی نماز پڑھی اور اس میں رکوع و سجود مکمل نہ کیا، اس میں اس کی تسبیحات زیادہ کی گئیں حتی کہ نماز مکمل کی جائے گی۔ ابو عمر نے کہا: یہ نبی کریم ﷺ سے محفوظ نہیں ہے مگر اسی طریق سے اور یہ قوی نہیں اور اگر یہ صحیح ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ نماز سے باہر ہو گیا اس نے اپنے خیال میں نماز کو مکمل کیا جبکہ حکم میں مکمل نہ تھی۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، قول الی کل صلوٰۃ لا یتم صاحبھا، جلد 1، صفحہ 126۔ ایضاً حدیث نمبر 733، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن نسائی، کتاب الصلوٰۃ، المحاسبۃ علی الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 82 3۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 81

میں کہتا ہوں: انسان کے لیے مناسب ہے کہ وہ فرض اور نفل اچھے طریقے سے ادا کرے تا کہ اس کے لیے نفل ہوں جو اس کے فرض سے زائد ہوں اور وہ اپنے رب کا ان کے ذریعے قرب حاصل کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتی کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں'' (1) (الحدیث) رہا یہ کہ جب اس کے لیے نفل ہوگا اس کے ساتھ فرض کو پورا کیا جائے گا تو اس کا حکم معنی میں فرض کا حکم ہوگا اور جو فرائض اچھی طرح نہیں پڑھتا وہ نفل بھی اچھی طرح نہیں پڑھے گا یقیناً لوگوں سے نوافل میں زیادہ نقصان اور خلل ہوتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک ان کی زیادہ اہمیت نہیں ہوتی اور اس میں وہ سستی کرتے ہیں حتی کہ گویا اس کو کچھ شمار نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ پایا جاتا ہے اس کے متعلق علم کا گمان کیا جاتا ہے اس کے نفل اسی طرح ہوا کرتے ہیں بلکہ فرض کو بھی مرغ کے دانہ چگنے کی طرح ادا کرتا ہے کیونکہ حدیث کی معرفت نہیں ہوتی پھر جہال کی کیا حالت ہوگی جو کچھ جانتے بھی نہیں؟ علماء نے فرمایا: رکوع و سجود جائز نہیں ہوتا اور رکوع کے بعد وقوف جائز نہیں ہوتا اور دو سجدوں کے درمیان جلوس جائز نہیں ہوتا حتی کہ اعتدال کے ساتھ رکوع کرے، وقوف کرے، سجدہ کرے اور بیٹھے۔ یہ اثر میں صحیح ہے اسی طرح جمہور اور اہل نظر کا نظریہ ہے؛ یہ ابن وہب اور ابو مصعب کی امام مالک سے روایت ہے؛ یہ معنی سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ جب معاملہ اس طرح ہو تو ایسے نوافل کے ساتھ فرض کی کمی کو کیسے پورا کیا جائے گا بلکہ یہ تمام غیر صحیح اور غیر مقبول ہیں کیونکہ یہ غیر مطلوب طریقہ پر واقع ہوا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس ارشاد کے تحت مروی ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے پختہ مکان بنائے، قابل دید سواری پر سوار ہوا اور مشہور اور شہرت والا لباس پہنا۔

میں کہتا ہوں: الشَّهَوٰتِ سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جو انسان کے موافق ہوتی ہیں انسان ان کی خواہش کرتا ہے اور وہ اس کے مناسب ہوتی ہیں اور انسان ان سے نہیں بچتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے: ''جنت کو تکالیف کے ساتھ گھیرا گیا ہے اور دوزخ کو شہوات کے ساتھ گھیرا گیا ہے (2)'' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے وہ اس کا جزء ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ ابن زید نے کہا: غیا سے مراد شر یا گمراہی یا خسارہ ہے۔ شاعر نے کہا ہے:

فمن یلق خیرا یحمد الناس أمرہ　　ومن یغو لایعدم علی الغی لائما

حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا: جہنم میں ایک وادی ہے (3)۔ اہل لغت کے نزدیک تقدیر عبارت اس طرح ہے: فسوف یلقون ھذا الغی۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ (الفرقان) اظہر یہ ہے کہ الغی وادی کا نام ہے، اس کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ گمراہ لوگ اس کی طرف جائیں گے۔ کعب نے کہا: آخر زمانہ میں ایک قوم ظاہر ہو گی ان کے ہاتھوں میں گائے کے دموں کی طرح کوڑے ہوں گے پھر یہ تلاوت کیا: فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا۔ یعنی وہ جہنم میں ہلاکت و گمراہی پائیں گے، ان سے یہی مروی ہے کہ غی جہنم میں ایک وادی ہے جہنم کی سب سے گہری وادی ہے اور انتہائی

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، التواضع، جلد 2، صفحہ 923

2۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، حجبت النار بالشهوات، جلد 2، صفحہ 960　　3۔ تفسیر طبری، جز 15-16، صفحہ 117

گرم وادی ہے اس میں ایک کنواں ہے جس کو الہیم کہا جاتا ہے، جب جہنم بجھتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کنویں کو کھول دیتا ہے پس جہنم اس کے ساتھ بھڑک اٹھتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: غی جہنم میں ایک وادی ہے اور جہنم کی دوسری وادیاں اس کی گرمی سے پناہ مانگتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس وادی کو اس زانی کے لیے تیار کیا ہے جو زنا پر اصرار کرتا ہے اور اس شرابی کے لیے تیار کیا ہے جو ہمیشہ شراب پیتا ہے اور جھوٹ کی گواہی دینے والوں کے لیے تیار کیا ہے اور اس عورت کے لیے تیار کیا ہے جس نے اپنے خاوند پر ایسے بچے کو داخل کیا جو اس سے نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلَّا مَنْ تَابَ، یعنی نماز کے ضائع کرنے اور شہوات کی پیروی کرنے سے جس نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف لوٹ آیا۔ وَاٰمَنَ، اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا۔ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ ابوجعفر، شیبہ، ابن کثیر، ابن محیصن، ابوعمرو، یعقوب اور ابوبکر نے یَدْخُلُوْنَ خاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ وَلَا یُظْلَمُوْنَ شَیْـًٔا ان کے اعمال صالحہ میں سے کچھ کمی نہیں کی جائے گی مگر ان کے لیے ہر نیکی کے بدلے دس سے لیکر سات سو تک نیکیاں لکھی جائیں گی۔ جَنّٰتِ عَدْنِ یہ الجنۃ سے بدل ہے اس لیے منصوب ہے۔ ابو اسحاق زجاج نے کہا: جَنّٰتِ عَدْنٍ مبتدا کی حیثیت سے مرفوع بھی جائز ہے۔ ابوحاتم نے کہا: اگر خط (کتابت) نہ ہوتا تو یہ جنة عدن ہوتا کیونکہ اس سے پہلے یدخلو، الجنۃ ہے۔ الَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَیْبِ، یعنی جس نے رحمٰن کی عبادت کی اور غیب میں کیے گئے عہد کی حفاظت کی۔ بعض نے فرمایا: جنت پر ایمان لائے جبکہ انہوں نے اسے دیکھا نہیں۔ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِیًّا۔ مَاْتِیًّا۔ الاتیان سے مفعول کا صیغہ ہے۔ ہر وہ چیز جو تجھ تک پہنچتی ہے تو اس تک پہنچتا ہے تو کہتا ہے: اَتَتْ علی ستون سنة واُتیت علی ستین سنة۔ مجھ پر ساٹھ سال آئے اور میں ساٹھ سال پر آیا۔ وصل الیّ من فلان خیر وصلت منه الی خیر۔ مجھے فلاں کی طرف سے خیر پہنچی اور اس کی طرف سے خیر کو پہنچا، دونوں کا ایک معنی ہے۔ قتبی نے کہا: مَاْتِیًّا بمعنی آتٍ ہے یہ مفعول بمعنی فاعل ہے اور ماتیا مہموز ہے کیونکہ یہ اتی یاتی سے آیا ہے اور جنہوں نے ہمزہ میں تخفیف کی اس نے اس کو الف بنایا ہے۔ طبری نے کہا: الوعد سے یہاں الموعد مراد ہے اور وہ جنت ہے یعنی جنت میں اس کے اولیاء آئیں گے۔ لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا۔ اور جنت میں لغوبات نہیں سنیں گے۔ اللغو کا معنی باطل اور فحش کلام ہے اور فضول، بے مقصد بات ہے، اسی سے حدیث ہے: "جب تو اپنے ساتھی کو جمعہ کے دن کہے: انصت (خاموش) جبکہ امام خطبہ دے رہا ہو تو تو نے لغوبات کی"(1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی لغت میں یہ لغیت ہے (جبکہ پہلی حدیث میں لغوت ہے معنی دونوں کا ایک ہے واوی اور یائی ہونے میں فرق ہے) جیسا کہ شاعر نے کہا:

وَرَبِّ اَسْرَابِ حَجِیْجٍ كُظَّمِ عَنِ اللَّغَا وَرَفَثِ التَّكَلُّمِ

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللغو ہر وہ بات ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ ہو یعنی جنتیوں کی جنت میں کلام الحمد للہ اور سبحان اللہ ہوگی۔ اِلَّا سَلٰمًا۔ لیکن وہ سلاما سنیں گے، یہ مستثنیٰ منقطع ہے یعنی وہ ایک دوسرے کو سلام کریں

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، الانصات یوم الجمعۃ والامام یخطب، جلد 1، صفحہ 127، 128

گے اور فرشتے کا ان پر سلام ہوگا؛ یہ مقاتل وغیرہ کا قول ہے۔ سلام خیر کا جامع اسم ہے اس کا معنی ہے وہ اس میں نہیں سنیں گے مگر جو وہ پسند کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ﴿۶۲﴾ یعنی ان کے لیے صبح وشام ان کی خواہش کے مطابق کھانے اور مشروبات ہوں گے یعنی ان دونوں وقتوں کی مقدار میں کیونکہ وہاں جنت میں نہ صبح ہوگی نہ شام جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ (سبا: 12) یعنی مہینہ کی مقدار۔ یہ مفہوم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جریج وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے انہیں اہل جنت کے احوال کا اعتدال بتایا ہے۔ اور عربوں کے نزدیک خوشگوار کھانا اور مشروب صبح وشام کا ہے۔ یحییٰ بن ابی کثیر اور قتادہ نے کہا: عربوں میں سے جس کو صبح وشام کھانا میسر ہوتا وہ الناعم (نعمت والا) شمار ہوتا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ جنت میں ان کا رزق منقطع نہ ہوگا جیسا کہ فرمایا: لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾ (الواقعہ) جیسے تو کہتا ہے: أنا أصبح وأمسی فی ذکرك، یعنی میں ہمیشہ تیرا ذکر کرتا رہتا ہوں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ بُكْرَةً سے مراد ان کے لذات سے مشغول ہونے سے پہلے کا وقت ہو اور العشی سے مراد ان کے لذات سے فارغ ہونے کے بعد کا وقت ہے، کیونکہ ان اوقات کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونے کے لیے فترات (وقفہ) حائل ہوتے ہیں۔ یہ قول پہلے قول کی طرف راجع ہے۔ زبیر بن بکار نے اسماعیل بن ابی اُویس سے روایت کیا ہے فرمایا: حضرت مالک بن انس نے فرمایا: مومنین کا کھانا دن میں دو مرتبہ ہوگا، اور پھر یہ تلاوت کی: وَ لَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ﴿۶۲﴾ پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مومنین کو روزوں میں صبح کے کھانے کے عوض سحر کا کھانا دیا تا کہ اپنے رب کی عبادت پر قوت حاصل کریں۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ اس لیے ذکر فرمایا کیونکہ غدا (صبح کا کھانا) کی صفت وہیئت، شام کے کھانے کی صفت اور ہیئت سے مختلف ہوتی ہے اور یہ صرف بادشاہ ہی جانتے ہیں، اسی طرح جنت میں صبح کا کھانا، شام کے کھانے سے مختلف ہوگا انہیں مختلف قسم کی نعمتیں دی جائیں گے تا کہ تنعم اور رشک میں اضافہ ہو۔ حکیم ترمذی نے ''نوادر الاصول'' میں ابان عن الحسن وابی قلابہ کی حدیث سے روایت کیا ہے فرمایا: ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا جنت میں رات ہے؟ آپ نے فرمایا: تجھے اس کے متعلق سوال کرنے پر کس چیز نے ابھارا ہے؟ اس شخص نے کہا: میں نے سنا ہے اللہ تعالیٰ نے کتاب میں ذکر کیا ہے: وَ لَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ﴿۶۲﴾ میں نے سوچا بکرہ اور عشیا کے درمیان رات ہوگی، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنت میں کوئی رات نہیں''۔ جنت میں صرف نور اور روشنی ہے صبح شام پر لوٹے گی اور نمازوں کے اوقات میں جس میں وہ نمازیں پڑھتے تھے ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحائف آئیں گے اور فرشتے انہیں سلام کریں گے یہ اس آیت کے مفہوم کا بیان ہے۔ ہم نے کتاب ''التذکرہ'' میں اس کا ذکر کیا ہے(1)۔ علماء نے فرمایا: جنت میں رات ہے، نہ دن ہے جنتی ہمیشہ نور میں ہوں گے وہ رات کی مقدار پردوں کے لٹکانے سے جانیں گے اور دروازوں کے بند ہونے سے پہچانیں گے اور دن کی مقدار پردوں کے اٹھنے اور دروازوں کے کھلنے سے پہچانیں گے؛ یہ ابو الفرج جوزی اور مہدوی وغیرہما نے ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ یہ جنت جس میں رہنے والوں کے

1۔ کتاب التذکرہ، صفحہ 504-505

احوال ہم نے بیان کیے۔ نُوْرِثُ تخفیف کے ساتھ ہے۔ یعقوب نے نورث واو کے فتحہ اور راء کی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ بہتر تخفیف ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ (فاطر: 32)

مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا۞ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا مطلب ہے جو مجھ سے ڈرا اور میری اطاعت کا عمل کیا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ تقدیم وتاخیر ہے۔ تقدیر اس طرح ہے: نورث من كان تقيا من عبادنا۔ ہم اپنے بندوں میں متقین کو وارث بنائیں گے۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا۞ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۭ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا۞

"اور (جبریل! میرے نبی سے کہو) ہم نہیں اترتے مگر آپ کے رب کے حکم سے اسی کا ہے جو ہمارے سامنے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اور نہیں ہے آپ کا رب بھولنے والا۔ وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سو اس کی عبادت کرو اور ثابت قدم رہو اس کی عبادت پر، کیا تم جانتے ہو کہ اس کا کوئی ہم مثل ہے"۔

ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے کہا: "کیا چیز تجھے اس سے مانع ہے کہ تو ہماری اس سے زیادہ ملاقات کرے جتنی کہ تو (پہلے) کرتا ہے" (1)۔ تو یہ آیت نازل ہوئی: وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ۔ یہ حدیث حسن غریب ہے اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے ہمیں خلاد بن یحییٰ نے بتایا ہمیں عمرو بن ذر نے بتایا انہوں نے کہا میں نے اپنے باپ کو یہ بات کرتے ہوئے سنا انہوں نے سعید بن جبیر سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے کہا: "تمہیں اس سے زیادہ ہماری ملاقات سے کیا مانع ہے (2)؟" تو یہ آیت نازل ہوئی: وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ فرمایا: یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب تھا۔ مجاہد نے کہا: فرشتے (جبریل) نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آنے سے دیر لگادی پھر حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تجھے کس چیز نے دیر کرادی ہے؟ جبریل نے کہا: ہم تمہارے پاس کیسے آئیں جبکہ تم اپنے ناخن نہیں کاٹتے اور اپنی مونچھیں نہیں کاٹتے اور اپنی انگلیوں کے جوڑوں کے درمیان کی جگہ کو صاف نہیں کرتے اور مسواک نہیں کرتے۔ مجاہد نے کہا: یہ آیت اس پر نازل ہوئی۔ مجاہد، قتادہ، عکرمہ، ضحاک، مقاتل اور کلبی کا قول ہے کہ جبریل نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے میں دیر لگادی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے اصحاب کہف، ذی القرنین اور روح کے بارے میں سوال کیا تھا آپ نہیں جانتے تھے کہ انہیں کیا جواب دیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امید تھی کہ جبریل ان کے سوال کا جواب لائیں گے، عکرمہ نے کہا: چالیس دن بعد آپ

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ مریم، جلد 2، صفحہ 145۔ ایضاً حدیث نمبر 3083 ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ مریم، ومانتنزل الا بامر ربك، جلد 2، صفحہ 691

کے پاس جبریل آئے۔ مجاہد نے کہا: بارہ راتوں کے بعد آئے۔ بعض نے کہا: پندرہ دنوں کے بعد آئے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تو نے بہت تاخیر کر دی حتیٰ کہ میرا گمان صحیح نہ رہا اور مجھے تیرا بہت اشتیاق ہوا''۔ جبریل نے کہا: مجھے آپ (کی ملاقات) کا شوق تھا لیکن میں عبد مامور (حکم کا بندہ) ہوں جب مجھے بھیجا جاتا ہے تو حاضر ہوتا ہوں اور جب مجھے روکا جاتا ہے تو رک جاتا ہوں۔ تو یہ آیت نازل ہوئی: وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ۔ اور یہ نازل فرمایا: وَالضُّحٰى ۙ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۙ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۞ (والضحیٰ) یہ ثعلبی، واحدی اور قشیری وغیرہم نے ذکر کیا ہے(1)۔ بعض نے فرمایا: یہ اہل جنت کی طرف سے خبر دی ہے کہ وہ جنت میں داخلہ کے وقت یہ کہیں گے: ہم ان جنتیوں میں نہیں اترے مگر اپنے رب کے حکم سے۔ اس صورت میں آیت کا ماقبل سے تعلق ہوگا۔ اور جو پہلے ہم نے اقوال ذکر کیے ہیں ان کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا: اس کا ماقبل سے تعلق نہیں ہے۔ قرآن سورتوں میں ہے پھر سورتیں جملوں پر مشتمل ہیں ہر جملہ دوسرے جملہ سے جدا ہوتا ہے۔ وَمَا نَتَنَزَّلُ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! تم کہو: وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ۔ یہ دو احتمال رکھتا ہے۔

ا۔ جب ہمیں حکم ہوتا ہے تو ہم آپ پر اترتے ہیں۔ ۲۔ جب تمہارا رب حکم دیتا ہے تو ہم آپ پر اترتے ہیں۔ پہلی صورت پر امر، نزول کی طرف متوجہ ہوگا اور دوسری صورت پر تنزیل کی طرف متوجہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَهٗ، یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا یعنی جو کچھ ہمارے سامنے ہے اس کا اللہ کو علم ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو ان کے درمیان ہے سب کا اس کو علم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن جریج نے فرمایا: اس کا معنی ہے جو کچھ دنیا کے معاملات سے ہمارے سامنے گزر چکا ہے جو بعد میں ہوگا اور آخرت کے امر سے ہے، اس کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے۔ وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ سے مراد برزخ ہے۔ قتادہ اور مقاتل نے کہا: لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا، سے مراد امر آخرت ہے اور خَلْفَنَا سے مراد جو گزر چکا ہے۔ وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ سے مراد دو نفخوں کے درمیان جو ہمارے اور ان کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا۔ اخفش نے کہا: مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا سے مراد ہے جو ہم سے پہلے تخلیق ہو چکا تھا۔ وَمَا خَلْفَنَا جو کچھ ہمارے مرنے کے بعد ہوگا۔ وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ جو کچھ ہماری تخلیق سے لے کر ہمارے مرنے تک ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا: مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا سے مراد ثواب، عقاب اور امور آخرت ہیں اور وَمَا خَلْفَنَا سے مراد دنیا میں جو ہمارے اعمال میں سے ہو چکے۔ وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ وہ اس وقت سے قیامت تک ہوگا۔ اور پانچواں احتمال یہ بھی ہے کہ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا سے مراد آسمان ہے وَمَا خَلْفَنَا سے مراد زمین ہے۔ وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ سے مراد وہ ہے جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا سے مراد دنیا سے زمین تک ہے اور وَمَا خَلْفَنَا سے مراد آسمان ہیں۔ یہ پہلے قول کا برعکس ہے اور وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ سے مراد ہوا ہے۔ پہلا قول ماوردی نے ذکر کیا ہے اور دوسرا قشیری نے ذکر کیا ہے۔ زمخشری نے کہا: بعض علماء نے فرمایا جو ہماری عمروں سے گزر چکا ہے اور وہ حال جس میں ہم ہیں اور مابین ذینلک نہیں فرمایا۔ کیونکہ مابین سے مراد وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے اس کے درمیان جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌ

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 310

بَیْنَ ذٰلِكَ (البقرہ:68) یعنی جو ہم نے ذکر کیا ہے اس کے درمیان۔ وَ مَا كَانَ رَبُّكَ نَسِیًّا ﴿﴾ یعنی آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور ان کا خالق ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کا خالق ہے اور ان کا مالک ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کا مالک ہے جس طرح زمانہ کی تدبیر اس کے سپرد ہے اسی طرح اعیان کی تدبیر بھی اس کے سپرد ہے۔ فَاعْبُدْهُ، اس لیے اسی کی عبادت کر۔ اس میں دلیل ہے کہ خلق کے اکتسابات (کوششیں) اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ہیں جیسا کہ اہل حق کا قول ہے اور یہی تو حق ہے کیونکہ اس جگہ رب کو اس کے معانی پر محمول کرنا ممکن نہیں مگر مالک کے معنی پر۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ آسمان اور زمین کا مالک ہے تو اس میں مخلوق کا اکتساب بھی داخل ہے اور اس کی عبادت واجب ہے۔ جب ثابت ہوا کہ وہ علی الاطلاق مالک ہے اور عبادت کی حقیقت حد درجہ عاجزی کے ساتھ طاعت ہے تو مالک و معبود کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ وَ اصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ یعنی ثابت قدم رہو اس کی طاعت پر اور وحی کی تاخیر سے پریشان نہ ہوں بلکہ اس میں مشغول رہو جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ اصطبر کی اصل اصتبر ہے، تا اور صاد کو ان کے اختلاف کی وجہ سے جمع کرنا ثقیل تھا تو تا کو طا سے بدل دیا گیا جیسے تو کہتا ہے: اصطام، یہ الصوم سے ہے۔

هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِیًّا ﴿﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ کیا تو اس کے لیے کوئی بیٹا یا اس کی کوئی مثال جانتا ہے یا کوئی شبیہ جانتا ہے جو اس کے نام الرحمٰن کی مثل نام کا مستحق ہو (1)۔ یہ مجاہد نے کہا ہے: یہ المساماۃ سے مشتق ہے۔ اسرائیل نے سماک سے انہوں نے عکرمہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: کیا تو کسی کو جانتا ہے جس کو الرحمٰن کہا جاتا ہو؟ نحاس نے کہا: یہ عظیم سند سے جو میں جانتا ہوں جو اس حرف میں مروی ہے یہ صحیح قول ہے۔ الرحمٰن صرف اللہ تعالیٰ کو ہی کہا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ بسم اللہ کی بحث میں وضاحت ہو چکا ہے۔ الحمد للہ۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِیًّا کے تحت سمیا کا معنی مثلا روایت کیا ہے۔ ابن مسیب نے اس کا معنی عدلا روایت کیا ہے۔ قتادہ اور کلبی نے کہا: اس کا مطلب ہے کیا تو کوئی ایسا جانتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اللہ تعالیٰ کہا جاتا ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے؟ هل بمعنی لا ہے یعنی تو نہیں جانتا۔ واللہ اعلم۔

وَ یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَیًّا ﴿﴾ اَوَ لَا یَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ یَكُ شَیْــًٔا ﴿﴾ فَوَ رَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَ الشَّیٰطِیْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِیًّا ﴿﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِیْعَةٍ اَیُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِیًّا ﴿﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِیْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِیًّا ﴿﴾ وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِیًّا ﴿﴾ ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْهَا جِثِیًّا ﴿﴾

1۔ تفسیر طبری، جز 15، صفحہ 123

''اور انسان (از راہ انکار) کہتا ہے کہ کیا جب میں مرجاؤں گا تو مجھے پھر زندہ کر کے نکالا جائے گا۔ کیا یاد نہ رہا انسان کو کہ ہم نے ہی پیدا کیا اسے اس سے پہلے حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔ سو (اے محبوب!) تیرے رب کی قسم ہم جمع کریں گے انہیں بھی اور شیطانوں کو بھی پھر حاضر کریں گے ان سب کو جہنم کے اردگرد کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے۔ پھر ہم (چن چن کر) الگ کریں گے ہر گروہ سے ان لوگوں کو جو (خداوند) رحمٰن کے سخت نافرمان تھے۔ پھر ہم ہی خوب جانتے ہیں ان لوگوں کو جو زیادہ مستحق ہیں اس آگ میں تپائے جانے کے۔ اور تم سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کا گزر دوزخ پر ہوگا یہ آپ کے رب پر لازم ہے (اور اس کا) فیصلہ ہو چکا ہے۔ پھر ہم نجات دیں گے پرہیزگاروں کو اور رہنے دیں گے ظالموں کو دوزخ میں کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيَقُوْلُ الْإِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ انسان سے مراد یہاں ابی بن خلف ہے اس نے پرانی ہڈیاں پائیں پھر انہیں اپنے ہاتھ سے مسل دیا اور کہا: محمد ﷺ کا خیال ہے کہ ہم مرنے کے بعد اٹھائے جائیں گے؛ یہ کلبی کا قول ہے، یہ واحدی، ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ اور مہدوی نے کہا: یہ ولید بن مغیرہ اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ لَسَوْفَ میں لام تاکید کے لیے ہے گویا اسے کہا گیا: جب تو مرے گا تو یقیناً زندہ کر کے اٹھایا جائے گا تو اس نے کہا: کیا جب میں مرجاؤں گا تو مجھے پھر زندہ کر کے نکالا جائے گا؟ یہ اس نے انکار کرتے ہوئے کہا۔ پس لام اس کے جواب میں آیا جیسا کہ پہلے قول میں تھا اگر یہ ابتدائی کلام ہوتی تو اس پر لام داخل نہ ہوتا کیونکہ یہ تاکید اور ایجاب کے لیے ہوتا ہے وہ دوبارہ اٹھنے کا منکر تھا۔ ابن ذکوان نے: اذا مامت پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے استفہام کے ساتھ پڑھا ہے جیسا کہ اس کا ہمزہ میں اصول ہے۔ حسن اور ابوحیوہ نے لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا پڑھا ہے۔ یہ اس نے استہزا کیا تھا کیونکہ وہ دوبارہ اٹھنے پر یقین نہیں کرتا تھا اور یہاں انسان سے مراد کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ یعنی کیا یہ کہنے والے کو یاد نہیں؟ أَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ یعنی اس کے سوال اور اس کے اس قول سے پہلے ہم نے اسے پیدا کیا۔ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾ جبکہ وہ کچھ بھی نہ تھا، اعادہ ابتدا کی طرح ہوتا ہے پس تناقض نہیں۔ عاصم کے سوا اہل کوفہ، اہل مکہ، ابوعمرو اور ابوجعفر نے اولا یذکر پڑھا ہے۔ شیبہ، نافع اور عاصم نے أَوَلَا يَذْكُرُ تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ بہتر تشدید ہے اس کی اصل یتذکر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿٩﴾ (الزمر) اور اس قسم کے دوسرے ارشادات ہیں۔ اور ابی کی قرأت میں اولا یتذکر ہے؛ یہ قرأت تفسیر کی بنا پر ہے کیونکہ مصحف کے خط کے مخالف ہے۔ یتذکر کا معنی یتفکر ہے اور یذکر کا معنی یتنبہ اور یعلم ہے؛ یہ نحاس کا قول ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ حجت قائم کرنے کے بعد اپنی قسم اٹھائی کہ وہ ضرور قبور سے نکل کر محشر کی طرف جمع ہوں گے جس طرح کہ مومنین کو جمع کیا جائے گا۔ وَالشَّيٰطِيْنَ۔ یعنی شیاطین جو ان کے ساتھ ہیں ان کو بھی ہم جمع کریں گے۔ بعض علماء نے فرمایا: ہر کافر شیطان کے ساتھ ایک زنجیر میں جکڑ کر لایا جائے گا جس طرح فرمایا: اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ (الصافات: 22) زمخشری نے کہا: والشیاطین میں واو عطف کے لیے بھی ہو سکتی ہے اور بمعنی مع بھی ہو

سکتی ہے یہ بمعنی مع زیادہ مناسب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انہیں ان کے ان شیاطین ساتھیوں کے ساتھ جمع کیا جائے گا جنہوں نے انہیں اغوا اور گمراہ کیا ہر کافر شیطان کے ساتھ ایک زنجیر میں جکڑا ہوگا۔ اگر تو کہے: یہ مفہوم اس صورت میں ہے جب انسان سے مراد خاص کافر ہی ہوں اگر انسان سے مراد عام انسان ہوں تو پھر انہیں شیاطین کے ساتھ کیسے جمع کیا جائے گا؟ میں کہوں گا: جب سب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو ان میں سے کافر شیاطین کے ساتھ جکڑے ہوں گے وہ شیاطین کے ساتھ جمع کیے جائیں گے جس طرح ان کو کفار کے ساتھ جمع کیا جائے گا۔ اگر تم کہو کہ حشر میں بدبختوں سے سعادت مندوں کو الگ کیوں نہیں کیا گیا ہوگا جس طرح جزا میں وہ ان سے الگ کیے جائیں گے؟ میں کہوں گا: محشر میں ان کے درمیان جدائی نہ ہوگی وہ حاضر کیے جائیں گے جہاں وہ جہنم کے اردگرد گھٹنوں کے بل گرے پڑے ہوں گے اور ان کے ساتھ انہیں آگ میں وارد کیا جائے گا تا کہ وہ سعادت مندوں کے احوال دیکھ لیں اللہ تعالیٰ نے جنہیں نجات دی اور انہیں خلاصی بخشی تا کہ کفار کو شک زیادہ ہو اور اولیاء اللہ کی سعادت اور ان پر سعادت مندوں کی خوشی سے انہیں تکلیف زیادہ ہو۔ اگر تو کہے کہ گھٹنوں کے بل انہیں لانے کا کیا مطلب ہے؟ تو میں کہوں گا: جب انسان سے مراد خاص انسان (کافر) ہوں تو معنی یہ ہوگا کہ انہیں محشر سے جہنم کے کنارے کی طرف مجبور کر کے لے جایا جائے گا ان کی وہی حالت ہوگی جو ان کی موقف میں ہوگی وہ گھٹنوں کے بل چلیں گے قدموں پر نہیں چلیں گے یہ اس طرح ہے کہ اہل موقف کی حثو (گھٹنے کے بل چلنا) کی صفت بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً (الجاثیہ: 28) ہر شخص مواقف میں گفتگو اور نقل ہونے کی مخصوص حالت میں ہوگا کچھ لوگ گھٹنوں کے بل کھڑے ہوں گے کیونکہ اس میں غیر اطمینانی اور پریشانی ہے۔ الجثا کا اطلاق طمانینت کے خلاف پر ہوگا یا انہیں ایسی شدت اور سختی لاحق ہوگی کہ وہ اپنے قدموں پر کھڑے بھی نہ ہو سکیں گے اور گھٹنوں کے بل چلیں گے۔ اور اگر انسان سے مراد عام انسان ہو تو معنی یہ ہوگا کہ وہ جہنم کے کنارے پر پہنچنے کے وقت گھٹنوں کے بل گر جائیں گے، اس پر بنا پر جثیا، حال مقدرہ ہوگا جیسا کہ وہ موقف میں گھٹنوں کے بل تھے کیونکہ یہ حساب کے لیے کھڑے ہونے کے توابع سے ثواب اور عقاب تک پہنچنے سے پہلے ہے۔ کہا جاتا ہے کہ: لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا یعنی وہ اپنے گھٹنوں پر ہوں گے کہ وہ قیام پر قادر نہ ہوں گے۔ حَوْلَ جَهَنَّمَ اس میں یہ بھی جائز ہے کہ اس سے مراد جہنم کا داخل ہو جسے تو کہتا ہے: جلس القوم حول البیت، قوم گھر کے اندر بیٹھی اس کے اردگرد طواف کرتے ہوئے۔ اور حَوْلَ جَهَنَّمَ یہ بھی جائز ہے کہ یہ دخول کے بعد ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ دخول سے پہلے ہو۔ جِثِيًّا جمع ہے جاث کی، کہا جاتا ہے: جثا علی رکبتیه، یجثو ویجثی جثوا وجُثیا، مصدر دونوں میں فعول کے وزن پر ہے۔ اجثاہ غیرہ، قوم جثی، جیسے جلس، جلوسا اور قوم جلوس ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جثیا کا مطلب جماعات ہے۔ مقاتل نے کہا: اس کا معنی ہے جمعاً جمعاً (اکٹھا اکٹھا) اس تاویل پر یہ جُثوۃ جَثوۃ اور جِثوۃ تینوں لغات ہیں۔ یہ جمع شدہ پتھروں اور جمع شدہ مٹی کو کہتے ہیں، شرابی لوگ علیحدہ ہوں گی، زانی علیحدہ ہوں گے اسی طرح سارے مجرم علیحدہ ہوں گے۔ طرفہ نے کہا:

تَرَی جُثْوتین من تُرابٍ علیهما　　صفائحُ صُمٌّ من صفیحٍ مُنَضَّدِ

حسن اور ضحاک نے کہا: گھٹنوں کے بل کھڑا ہونا۔ اس تاویل پر یہ جاثٍ کی جمع ہوگی جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور یہ جگہ کی تنگی کی وجہ سے ہوگا یعنی ان کے لیے مکمل بیٹھنا ممکن نہ ہوگا۔ بعض نے فرمایا: آپس میں جھگڑنے کی وجہ سے گھٹنوں کے بل ہوں گے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ اِنَّكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ عِنۡدَ رَبِّكُمۡ تَخۡتَصِمُوۡنَ۝ (الزمر)

کمیت نے کہا ہے:

هم تركوا سراتهم جثيا وهم دون السراة مقرنينا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ لَنَنۡزِعَنَّ مِنۡ كُلِّ شِيۡعَةٍ، یعنی ہم ہر امت اور ہر اہل دین سے نکالیں گے۔ اَيُّهُمۡ اَشَدُّ عَلَى الرَّحۡمٰنِ عِتِيًّا۝ نحاس نے کہا: یہ آیت ترکیب کے اعتبار سے بہت مشکل ہے کیونکہ تمام قراء ایھم کو رفع کے ساتھ پڑھتے ہیں سوائے ہارون قاری اعور کے۔ سیبویہ نے اس سے اَيُّهُمۡ پر نصب دی ہے کیونکہ اس پر لَنَنۡزِعَنَّ کو واقع کیا ہے۔ ابو اسحاق نے کہا: اَيُّهُمۡ کے رفع میں تین اقوال ہیں۔ خلیل بن احمد نے کہا: یہ سیبویہ نے اس سے حکایت کیا ہے کہ یہ حکایت پر مرفوع ہے اس کا مفہوم یہ ہے: ثم لننزعن من كل شيعة الذي يقال من أجل عتوه أيهم أشد على الرحمٰن عتيا۔ اور خلیل نے بطور دلیل یہ شعر پیش کیا ہے:

ولقد أبيت من الفتاة بمنزلٍ فأبيتُ لا حرج ولا محروم

یعنی فابيت بمنزلة الذي يقال له لا هو حرج ولا محروم۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: میں نے ابو اسحاق کو دیکھا وہ اس قول کو پسند کرتے تھے اور اچھا سمجھتے تھے فرمایا: کیونکہ یہ اہل تفسیر کے قول کا معنی ہے اور یہ کہا ہے کہ ثُمَّ لَنَنۡزِعَنَّ مِنۡ كُلِّ شِيۡعَةٍ کا معنی یہ ہے ثم لننزعن من كل فرقة الأعتى فالأعتى۔ یعنی ہم ہر فرقہ سے جو زیادہ نافرمان ہوگا اسے نکالیں گے پھر جو اس کے بعد نافرمان ہوگا اسے نکالیں گے گو جو سب سے زیادہ نافرمان ہوگا اسے عذاب دیا جائے گا پھر جو اس سے متصل ہوگا۔ یہ اس آیت کے معنی میں ابو اسحاق کے کلام کی نص ہے۔ یونس نے کہا: لَنَنۡزِعَنَّ ان افعال کے قائم مقام ہے جو ملغی ہوتے ہیں اور اَيُّهُمۡ کا رفع مبتدا کی حیثیت سے ہے۔ مہدی نے کہا: وہ فعل جو لننزعن ہے یونس کے نزدیک معلق ہے ابو علی نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ ايهم اشد کی جگہ میں عمل کر رہا ہے ملغی نہیں ہے۔ اور خلیل اور سیبویہ کے نزدیک لننزعن کی مثل فعل معلق نہیں ہوتا افعال شک اور وہ افعال جن کا وقوع متحقق نہیں ہوتا وہ معلق ہوتے ہیں۔ سیبویہ نے کہا: ايهم مبنی بر ضمہ ہے کیونکہ حذف میں اس نے اپنے اخوات کی مخالفت کی ہے کیونکہ اگر تو کہے: رأيت الذي أفضل ومن أفضل تو یہ قبیح ہوگا حتی کہ تو کہے: من هو أفضل، أيهم میں حذف جائز ہے۔ ابو جعفر نے کہا: میں کسی نحوی کو نہیں جانتا مگر اس نے اس میں سیبویہ کو غلط کہا جب میں نے ابو اسحاق کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ سیبویہ کی کتاب میں میرے لیے کوئی غلطی ظاہر نہیں ہوئی مگر دو جگہوں پر ان میں سے ایک یہ ہے فرمایا: ہم جانتے ہیں کہ سیبویہ نے ایا کو اعراب دیا ہے جبکہ یہ مفرد ہے کیونکہ یہ مضاف ہوتا ہے وہ اسے کیسے مبنی بناتا ہے جبکہ یہ مضاف ہوتا ہے؟ ابو اسحاق نے ذکر نہیں کیا مگر یہی تین اقوال۔ ابو علی نے کہا: سیبویہ کے مذہب پر مبنی ہونا واجب ہے کیونکہ جس وجہ سے یہ پہچانا جاتا ہے وہ اس سے حذف کیا گیا ہے اور وہ ضمیر ہے حالانکہ اس کی احتیاج ہے جیسا

کہ: من قبل ومن بعد میں وہ چیز حذف کی گئی ہے جسکے ساتھ پہچانے جاتے ہیں کیونکہ صلہ موصول کی وضاحت کرتا ہے اور اسے خاص کرتا ہے۔ ابوجعفر نے کہا: اس میں ان مذکورہ تین اقوال کے علاوہ چار اقوال ہیں۔ کسائی نے کہا: لننزعن کا معنی ایھم پر واقع نہیں کہ اسے نصب دیتا ہے۔ مہدوی نے یہ زائد کہا ہے کہ اس کے نزدیک فعل، من کل شیعۃ کے محل پر واقع ہے۔ ایھم اشد جملہ مستانفہ ہے اور مبتدا کی حیثیت سے ایھم مرفوع ہے اور سیبویہ الواجب میں من کی زیادتی کے قائل نہیں۔ فراء نے کہا: اس کا معنی ہے ہم ندا کے ذریعے نکالیں گے اور لننزعن کا معنی پر واقع ہے جیسے تو کہتا ہے: لبست من الثیاب واکلت من الطعام اور لننزعن ہے ہم پکاریں گے۔ مہدوی نے کہا: نادیٰ فعل معلق ہوتا ہے جب اس کے بعد جملہ ہوتا ہے جیسا کہ ظننت ہے۔ پس یہ معنی میں عمل کرتا ہے اور لفظ میں عمل نہیں کرتا ہے۔ ابوجعفر نے کہا: ابوبکر بن شقیر نے حکایت کیا ہے کہ بعض کوفیوں نے کہا: ایھم میں شرط وجزا کا معنی ہے اس لیے ماقبل اس میں عمل نہیں کرتا، معنی یہ ہے پھر ہم ہر ایک فرقہ سے نکالیں گے اگر تم گروہ بنو یا نہ بنو جیسے تو کہتا ہے: ضربت القوم أیھم غضب، معنی یہ ہے کہ اگر وہ غصہ میں ہوں یا نہ ہوں میں قوم کو ماروں گا۔ ابوجعفر نے کہا: یہ چھ اقوال ہیں۔ میں نے علی بن سلیمان کو محمد بن یزید سے یہ حکایت کرتے ہوئے سنا کہ ایھم، شیعۃ کے متعلق ہے وہ مبتدا کی حیثیت سے مرفوع ہے معنی یہ ہے پھر ہم ان لوگوں سے نکالیں گے جنہوں نے آپس میں تعاون کیا اور دیکھا کہ کون رحمٰن کا سخت نافرمان ہے؟ یہ حسن کا قول ہے۔ کسائی نے حکایت کیا ہے کہ التشایع کا معنی تعاون کرنا ہے۔ اور عتیکو نصب بیان کی وجہ سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِیْنَ هُمْ اَوْلٰی بِهَا صِلِیًّا۝ یعنی وہ آگ میں داخل ہونے کے زیادہ حقدار ہیں۔ کہا جاتا ہے: صَلَی یَصْلی صُلیا، جیسے مضی یمضی مُضِیا جب کوئی چلا جائے۔ هویٰ یهوی هُوِیا۔ جوہری نے کہا: کہا جاتا ہے صلیت الرجل نارا جب تو کسی کو آگ میں جھونک دے، گویا تو اسے جلانا چاہتا ہے۔ میں کہتا ہوں: اصلیتہ الف کے ساتھ وصلیتہ تصلیۃ بھی آتا ہے۔ ویُصَلّٰی سَعِیْرًا بھی پڑھا گیا ہے۔ اور جنہوں نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے تو وہ عربوں کے اس قول سے ہوگا: صَلِی فلان بالنار لام کے کسرہ کے ساتھ۔ یصلی صُلِیا اس کا معنی ہے جل جانا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: هُمْ اَوْلٰی بِهَا صِلِیًّا۔ عجاج نے کہا:

واللہِ لولا النارُ أن نصلاھا

اسی طرح کہا جاتا ہے: صلِی بالأمر جب گرمی اور شدت سخت ہو جائے۔ طہوی نے کہا:

وَلَا تَبْلَی بَسَالَتُهُمْ وَاِنْ هُمْ صَلُوا بالحرب حِینًا بعد حینِ

وآصطلیت بالنار و تصلیت بها

ابوزبید نے کہا:

وقد تَصلَّیتُ حَرَّحَرْبِهِمْ كما تَصَلَّی الْمَقْرُوْرُ من قَرَسِ

فلانٌ لایُصْطَلَی بنارہ کہا جاتا ہے جب کوئی بہادر شخص ہو اور اس کا مقابلہ نہ کیا جاتا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنْ مِّنْكُمْ یہ قسم ہے اور واؤ قسم کو متضمن ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اس کی تفسیر بیان کرتی ہے۔ لایموت لأحدٍ من المسلمین ثلاثۃ من الولد فتمسہ النار الا تحلۃ القسم۔ جس مسلمان کے تین بچے فوت ہو جاتے ہیں اسے آگ نہیں چھوئے گی مگر قسم پوری ہونے کی مقدار۔ زہری نے کہا: گویا یہ آیت مراد لے رہے ہیں وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا۔ یہ ابوداؤد طیالسی نے ذکر کیا ہے اور حدیث میں الا تحلۃ القسم کا قول تفسیر مسند میں نکلتا ہے، کیونکہ اس حدیث میں جو قسم مذکور ہے اہل علم کے نزدیک اس کا معنی یہ ارشاد ہے: وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا، بعض علماء نے فرمایا: القسم سے مراد یہ ارشاد ہے: وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۝ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۝ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۝ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۝ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۝ وَّ اِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۝ (الذاریات) پہلا قول زیادہ مشہور ہے اور مفہوم قریب ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ الورود کے متعلق علماء کا اختلاف ہے، بعض نے فرمایا: اس سے مراد دخول ہے(1)۔ حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے فرمایا میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ”الورود سے مراد دخول ہے کوئی نیکوکار اور فاجر باقی نہیں ہوگا مگر وہ دوزخ میں داخل ہوگا مومنین پر آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوئی تھی“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۝ ابو عمر نے کتاب ”التمہید“ میں اپنی سند کے ساتھ یہ ذکر کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، خالد بن معدان، ابن جریج وغیرہم کا یہی قول ہے۔ یونس نے حسین سے روایت کیا ہے کہ وہ وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا پڑھتے تو الورود کی تفسیر الدخول سے بیان کرتے۔ بعض راویوں سے اس میں غلطی ہوئی اور انہوں نے الورود، الدخول کے الفاظ کو قرآن کے ساتھ لاحق کر دیا ہے۔ مسند دارمی میں حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لوگ آگ پر وارد ہوں گے پھر وہ اس سے اپنے اعمال کے ساتھ نکلیں گے پہلے لوگ بجلی کی چمک کی طرح تیزی سے نکلیں گے پھر (بعد والے) ہوا کی طرح نکلیں گے پھر (بعد والے) گھوڑے کی تیز رفتاری سے نکلیں گے پھر (بعد والے) اس مسافر کی تیزی سے نکلیں گے جو اپنی سواری کو تیز چلانے والا ہوتا ہے پھر اس شخص کی طرح جو تیز چلتا ہے“(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ میں نافع بن ازرق خارجی سے فرمایا: رہا میں اور تو، تو ضرور ہم وارد ہوں گے۔ رہا میں تو اللہ تعالیٰ مجھے اس سے نجات دے گا اور رہا تو تو میں گمان نہیں کرتا کہ وہ تجھے نکالے گا تیرے جھٹلانے کی وجہ سے۔ اکثر علماء ڈرتے ہیں کیونکہ دوزخ پر ورود تو یقینی ہے لیکن اس سے نکلنا مجہول ہے۔ ہم نے یہ مسئلہ (التذکرہ) میں بیان کر دیا ہے۔ ایک جماعت نے کہا: الورود سے مراد پل صراط سے گزرنا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابن مسعود اور کعب احبار اور سدی سے مروی ہے۔ سدی نے اس کو حضرت

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، فضل من مات ولد فاحتسب، جلد 2، صفحہ 145

2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ مریم، جلد 2، صفحہ 145۔ ایضاً، حدیث نمبر 3084، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ابن مسعود سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ حسن کا بھی یہی قول ہے فرمایا: الورود سے مراد الدخول نہیں ہے تو کہتا ہے: وردت البصرة ولم أدخل۔ میں بصرہ پر وارد ہوا اور داخل نہیں ہوا۔ فرمایا: الورود سے مراد پل صراط سے گزرنا ہے۔ ابوبکر انباری نے کہا: حسن کے مذہب پر اہل لغت کی ایک قوم نے بنیاد رکھی ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے حجت پکڑی ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ (الانبیاء)

یہ علماء فرماتے ہیں: وہ شخص دوزخ میں داخل نہ ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ دوزخ سے دور کرنے کی ضمانت دے گا۔ اور وہ ثم کو ثاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اور پہلے مقالہ والوں نے ان کے خلاف یہ حجت پکڑی ہے کہ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ کا معنی ہے دوزخ میں عذاب سے دور کرنا اور جلانے سے دور کرنا، جو اس میں داخل ہوگا وہ اسے محسوس نہیں کرے گا اور کوئی تکلیف نہیں پائے گا وہ حقیقت میں دوزخ سے دور کیا گیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا سے استدلال کرتے ہیں۔ وہ ثم کو ثاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں: ثم دخول کے بعد نجات پر دلالت کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں: صحیح مسلم میں ہے ''جہنم پر ایک پل لگایا جائے گا اور شفاعت کا در کھلے گا لوگ کہیں گے: سلم سلم سلامتی عطا فرما، سلامتی عطا فرما'' (1)۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم وہ پل کیا ہے؟ فرمایا: ''وہ ایک پھسلن ہے اس میں اچک لینے والے اور نوک دار مڑے ہوئے کنڈے ہیں۔ ان میں سہ شاخے کانٹے ہیں اس کو سعدان کہا جاتا ہے۔ مومنین آنکھ جھپکنے کی طرح گزریں گے اور بجلی کی طرح اور ہوا کی طرح اور پرندوں کی طرح اور عمدہ گھوڑوں کی طرح اور اونٹوں کی طرح کچھ نجات پانے والے سلامتی پانے والے ہوں گے۔ اور کچھ کو خراشیں آئیں گی اور چھوڑ دیے جائیں گے اور کچھ جہنم میں دھکیل دیے جائیں گے''۔

اس سے ان علماء نے حجت پکڑی ہے جو فرماتے ہیں کہ پل صراط سے گزروہ ورود ہے جس کو یہ آیت اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے نہ کہ دوزخ میں داخل ہونا ہے۔ ایک جماعت نے کہا: بلکہ ورود سے مراد جھانکنا، اطلاع اور قرب ہے۔ وہ حساب کی طرح حاضر ہوں گے اور وہ جہنم کے قریب ہوگی پس وہ اس کی طرف حساب کی حالت میں دیکھیں گے پھر اللہ تعالیٰ انہیں اس سے نجات دے گا جو انہوں نے دیکھا پھر انہیں جنت کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ ظالموں کو آگ کی طرف لے جانے کا حکم دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ (القصص: 23) یعنی پانی پر جھانکا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ پانی میں داخل ہوا۔ زہیر نے کہا:

فَلَمَّا وَرَدْنَ الماءَ زُرْقًا جِمَامُهُ　　وَضَعْنَ عِصِيَّ الحَاضِرِ المُتَخَيِّمِ

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کیا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آگ میں اہل بدر اور اہل حدیبیہ میں سے کوئی داخل نہ ہوگا'' (2)۔ فرماتی ہیں: میں نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا کا قول کہاں جائے گا؟ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خاموش، ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۝ '' اس حدیث کو امام

1۔ تفسیر طبری، جز 16، صفحہ 131
2۔ ایضاً، جز 16-15، صفحہ 130

مسلم نے حضرت ام مبشر سے روایت کیا ہے فرماتی ہیں: میں نے نبی پاک ﷺ کو حضرت حفصہ سے یہ فرماتے سنا (الحدیث) زجاج نے اس قول کو اس ارشاد کی وجہ سے ترجیح دی ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى (الانبیاء: 101) مجاہد نے کہا: مومنین کے آگ پر وارد ہونے سے مراد بخار ہے جو مومن کو دنیا میں لاحق ہوتا ہے یہی آگ سے مومن کا حصہ ہے وہ دوزخ کی آگ میں داخل نہ ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ایک مریض کی عیادت کی جس کو بخار تھا نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا: ''تمہیں بشارت ہو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ (بخار) میری آگ ہے جو میں اپنے بندہ مومن پر مسلط کرتا ہوں تاکہ یہ آگ سے اس کا حصہ ہو جائے''۔ ابوعمر نے اسے مسند ذکر کیا ہے فرمایا عبدالوارث بن سفیان نے ہمیں بیان کیا فرمایا ہمیں قاسم بن اصبغ نے بیان کیا فرمایا ہمیں محمد بن اسماعیل صائغ نے بیان کیا فرمایا ہمیں ابواسامہ نے بیان کیا فرمایا ہمیں عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر نے بیان کیا انہوں نے اسماعیل بن عبیداللہ سے انہوں نے ابو صالح اشعری سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے مریض کی عیادت کی پھر یہ حدیث مذکورہ ذکر کی اور حدیث میں ہے ''بخار، مومن کا آگ سے حصہ ہے'' (1)۔ اور ایک جماعت نے کہا: الورود سے مراد قبر میں دوزخ کو دیکھنا ہے پھر کامیاب شخص کو اللہ تعالیٰ نجات دیتا ہے اور جس کی تقدیر میں اس میں داخل ہونا لکھا ہوگا وہ اس میں داخل ہوگا پھر اس سے شفاعت کے ذریعے یا اس کے علاوہ اللہ کی رحمت سے نکلے گا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ان علماء نے حجت پکڑی ہے کہ ''جب تم میں سے کوئی فوت ہو جاتا ہے تو اس پر صبح و شام اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے'' (الحدیث) وکیع نے شعبہ سے انہوں نے عبداللہ بن سائب سے انہوں نے ایک شخص سے اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا کی تفسیر میں فرمایا: یہ خطاب کفار کو ہے۔ ان سے یہ بھی روایت ہے کہ وہ وان منهم پڑھتے تھے وہ ان آیات پر اس کو لوٹاتے تھے جن میں کفار کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَ الشَّیٰطِیْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِیًّا ۟ اسی طرح عکرمہ اور ایک جماعت نے پڑھا ہے، اس قرأت پر کوئی جھگڑا نہیں۔ ایک فرقہ نے کہا: منکم سے مراد کافر ہیں معنی یہ ہے کہ اے پیارے محمد ﷺ ان سے کہو: یہ تاویل آسان ہے اور کاف ضمیر منکم میں لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَ الشَّیٰطِیْنَ میں ھا کی طرف لوٹ رہی ہے۔ پس کاف کا ھاء کی طرف لوٹانا پسندیدہ نہیں یہ اس ارشاد میں بھی معروف ہے۔ وَ سَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ۟ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْیُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۟ (الدہر) اس آیت میں كَانَ لَكُمْ سے مراد کان لهم ہے۔ کاف ضمیر ھاء کی طرف راجع ہے۔ اکثر علماء نے فرمایا: مخاطب تمام عالم ہے اور تمام کا ورود ضروری ہے اس پر ورود میں اختلاف پیدا ہوا ہے۔ ہم نے اس کے متعلق علماء کے اقوال بیان کر دیے ہیں۔ ورود کا ظاہر معنی دخول ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: فتمسه النار۔ المسیس کا معنی لغت میں چھونا ہے۔ مگر وہ آگ مومنین پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی اور وہ اس سے سلامتی کے ساتھ نجات پائیں گے۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب الطب، ماجاء تبرید الحمیٰ، جلد 2، صفحہ 29-28۔ ایضاً، حدیث نمبر 2014، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ایضاً، ابن ماجہ، باب الحمیٰ، حدیث نمبر 3460، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

خالد بن معدان نے کہا: جب اہل جنت، جنت میں داخل ہوں گے تو وہ دیکھیں گے کیا ہمارے رب نے کہا نہیں تھا کہ ہم آگ پر وارد ہوں گے؟ انہیں کہا جائے گا: تم اس میں وارد ہوئے تھے پس تم نے اسے راکھ پایا۔

میں کہتا ہوں: یہ قول مختلف اقوال کا جامع ہے اگر کوئی اس میں وارد ہو اور اسے آگ اپنے شعلے سے اذیت نہ دے تو وہ اس سے دور کیا گیا اور اس سے بچایا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم سے نجات عطا فرمائے، ان لوگوں سے کرے جو اس پر وارد ہوں تو سلامتی کے ساتھ داخل ہوں اور اسے غنیمت کے ساتھ نکلے۔ اگر یہ کہا جائے کہ کیا انبیاء آگ میں داخل ہوں گے؟ ہم کہیں گے: ہم یہ مطلق نہیں کرتے بلکہ ہم کہتے ہیں: ساری مخلوق دوزخ پر وارد ہوگی جیسا کہ حضرت جابر کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے نافرمان اپنے جرائم کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوں گے، اولیاء اور سعادت مندان مجرموں کی شفاعت کے لیے داخل ہوں گے پس ان دونوں دخولوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ ابن انباری نے مصحف عثمان اور قرأت عامہ سے حجت پکڑتے ہوئے کہا: لغت میں جائز ہے کہ غائب سے مخاطب اور مخاطب سے غائب کی طرف التفات ہوتا رہتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ۝ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ (دہر) پہلے غائب کی ضمیریں تھیں پھر مخاطب کی ضمیریں ذکر فرمائیں؛ یہ مفہوم سورۂ یونس میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ نبی کریم ﷺ کے ارشاد میں الا تَحِلَّةَ القسم یہ مستثنیٰ منقطع کا بھی احتمال رکھتا ہے لیکن تَحِلَّةَ القسم یہ کلام عرب میں معروف ہے یعنی اسے آگ بالکل نہ چھوئے گی۔ یہاں کلام مکمل ہوئی پھر نئی کلام فرمائی اَلا تَحِلَّةَ القسم یعنی لکن تَحِلَّةَ القسم (قسم پوری قسم کرنے کے لیے ضروری ہے) جو کہ اس ارشاد میں ہے: وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا اور وہ پل صراط سے گزرنا ہو یا آگ کو دیکھنا یا سلامتی کے ساتھ داخل ہونا ہو پس اس میں کوئی مسیس نہ ہوگا کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "تم میں سے جن کے تین بچے فوت ہو جائیں گے پھر وہ ان پر ثواب کی امید رکھے گا تو وہ اس کے لیے دوزخ سے ڈھال ہوں گے" (1)۔ الجنۃ کا معنی ڈھال اور پردہ ہے۔ اور جو آگ سے بچایا گیا اور اس سے چھپایا گیا اس کو بالکل آگ نہ چھوئے گی اگر آگ اسے چھوتی تو وہ بچایا گیا نہ ہوتا۔

مسئلہ نمبر 4۔ یہ حدیث پہلی حدیث کی تفسیر ہے کیونکہ اس میں الحسبۃ کا ذکر ہے اسی وجہ سے امام مالک نے اپنے اثر کے ساتھ اس کو مفسر فرمایا ہے۔ اس دوسری حدیث کو اس نے مقید کیا ہے جو امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے فرمایا: من مات له ثلاثة من الولد لم يبلغوا الحِنث كان له حجابا من النار أو دخل الجنة (2)۔ پس نبی کریم ﷺ کا ارشاد: لم يبلغوا الحنث، اہل علم کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اس عمر کو نہ پہنچے ہوں کہ ان پر گناہ لازم ہوتا ہو۔ یہ دلیل ہے کہ مسلمانوں کے بچے جنت میں ہوں گے، واللہ اعلم۔ کیونکہ رحمت جب ان کے آباء پر نازل ہوئی تو یہ محال ہے کہ جن کی وجہ سے دوسروں پر رحم کیا گیا ہو وہ خود مرحوم نہ ہوں۔ اس

1۔ مؤطا امام مالک، کتاب الجنائز، صفحہ 218

2۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، أقسموا بالله جهد أيمانهم، جلد 2، صفحہ 985

پر علماء کا اجماع ہے کہ مسلمانوں کے بچے جنت میں ہیں، اس میں مخالفت نہیں کی مگر جبریہ فرقہ نے انہوں نے اس کو مشیئت کے ساتھ خاص کیا ہے۔ یہ ان کا اجماع کی وجہ سے مردود قول ہے جن کی مخالفت جائز نہیں اور نہ ان کی مثل پر غلطی جائز ہے نیز ثقہ عادل لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اخبار آحاد روایت کی ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول: الشقی من شقی فی بطن أمه والسعید من سعد فی بطن أمه وأن الملك ینزل فیكتب أجله وعمله ورزقه (1)۔ بدبخت وہ ہے جو اپنی ماں کے بطن میں بدبخت تھا اور سعید وہ ہے جو اپنی ماں کے بطن میں سعید تھا فرشتہ نازل ہوتا ہے وہ اس کی عمر اس کا عمل اور اس کا رزق لکھتا ہے۔ یہ حدیث مخصوص ہے مسلمانوں کے بچوں میں سے جو اکتساب سے پہلے مر جائے گا وہ وہ ہوگا جو اپنی ماں کے بطن میں سعید تھا اور وہ بدبخت نہیں تھا اس کی دلیل احادیث اور اجماع ہے، اسی طرح حضرت عائشہ کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عائشہ! اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا اور اس کے لیے رہنے والے بھی پیدا کیے جبکہ وہ اپنے آباء کی صلبوں میں تھے''۔ یہ اجماع اور آثار کی وجہ سے ضعیف اور مردود ہے۔ طلحہ بن یحییٰ جس نے اس حدیث کو روایت کیا ہے وہ ضعیف ہے قابل حجت نہیں۔ اس حدیث کے ساتھ وہ منفرد ہے اس لیے قبول نہیں۔ شعبہ عن معاویہ بن قرہ بن ایاس مزنی عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ سے مروی ہے کہ ایک انصاری کا چھوٹا بچہ فوت ہوگیا وہ اس پر بہت افسردہ ہوا اسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تجھے یہ خوشی نہیں کہ تو جنت کے دروازوں میں سے جس دروازے سے آئے تو تو اسے پائے کہ وہ تیرے لیے دروازہ کھولتا ہے'' (2)۔ یہ حدیث ثابت صحیح ہے ان احادیث کے معنی کے ساتھ جو ہم نے ذکر کی ہیں نیز جمہور کا اجماع بھی ہے۔ یہ صحیح حدیث یحییٰ کی حدیث کے معارض ہے اور اسے دور کرتی ہے۔ ابو عمر نے کہا: میرے نزدیک اس حدیث میں اور اس کے مشابہ آثار میں وجہ یہ ہے کہ یہ اس کے لیے ہے جس نے فرائض کی آدیگی کی محافظت کی، کبائر سے اجتناب کیا، مصیبت پر صبر کیا اور ثواب کی امید رکھی۔ خطاب اس زمانہ میں ایسی قوم کو تھا جن کا غالب اسی پر تھا وہ صحابہ کرام تھے۔ نقاش نے بعض علماء سے ذکر کیا ہے کہ: وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا کا قول منسوخ ہے اور اس کی ناسخ یہ آیت ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ (الانبیاء) جس کو آگ نے نہیں چھوا وہی آگ سے دور کیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے ''قیامت کے روز آگ مومن کو کہے گی: ''اے مومن! گزر جا تیرا نور میرے شعلہ کو بجھا رہا ہے'' (3)۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝، الحتم کا معنی ہے فیصلہ کو واجب کرنا یعنی یہ حتمی تھا۔ مَّقْضِيًّا اللہ تعالیٰ نے یہ تم پر فیصلہ فرما دیا تھا۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: یہ قسم واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا، یعنی ہم متقین کو نکالیں گے، وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۝ یہ آیت دلیل ہے کہ ورود سے مراد دخول ہے کیونکہ ندخل الظالمین نہیں فرمایا۔ اس پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ مذہب یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب اگرچہ دوزخ میں داخل ہوگا اسے اس کی بداعمالیوں کی مقدار سزا ملے گی پھر وہ نجات پائے گا۔ فرقہ مرجئہ نے کہا: وہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، فضل من مات له ولد فاحتسب، جلد 1، صفحہ 167

2۔ التمہید جلد 6، صفحہ 349۔351۔ مسند امام احمد حدیث نمبر 24132　3۔ تفسیر طبری

بھی داخل نہ ہوگا۔ وعیدیہ نے کہا: گناہ کبیرہ کا مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ اس کا بیان کئی مقامات پر گزر چکا ہے۔ عاصم جحدری، معاویہ بن مرۃ نے ثم ننجی تخفیف کے ساتھ انجی سے پڑھا ہے؛ یہ حمید، یعقوب اور کسائی کی قرأت ہے اور باقی قراء نے شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن ابی لیلیٰ نے ثمہ پڑھا ہے، یعنی وہاں، ثم ظرف ہے مگر یہ مبنی ہے کیونکہ غیر محصل ہے پس یہ مبنی ہوگا جیسے ذا مبنی ہے اور ھاء یہ بھی جائز ہے کہ یہ حرکت کے بیان کے لیے ہو پس اسے وصل میں حذف کیا جائے گا اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ بقعہ کی تانیث کے لیے ہو پس وصل میں تاء ثابت ہوگی۔

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ نَدِيًّا ۝ وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءْيًا ۝ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَ اِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضْعَفُ جُنْدًا ۝

"اور جب تلاوت کی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں وضاحت سے (تو) کافر کہتے ہیں ایمان والوں سے کہ (یہ تو بتاؤ) ہم دونوں گروہوں میں سے کس کی رہائش گاہ آرام دہ ہے اور کس کی نشست گاہ خوبصورت ہے؟ اور (ان احمقوں نے یہ نہ سوچا) کہ کتنی قومیں ان سے پہلے تھیں جن کو ہم نے برباد کر دیا زیادہ ساز و سامان اور ظاہری سج دھج میں (ان سے) بہتر تھیں۔ آپ فرمایئے: جو گمراہی میں (مگن) ہو تو ڈھیل دیئے رکھتا ہے اسے رحمٰن لمبی ڈھیل یہاں تک کہ جب دیکھیں گے وہ چیز جس کا وعدہ کیا گیا ہے یعنی عذاب یا قیامت تو اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ کون مکان کے لحاظ سے برا اور لشکر کے اعتبار سے کمزور ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ، یعنی ان کفار پر جب ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں جن کا ذکر ءَاِذَا مَامِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ۝ میں گزر چکا ہے اور ان کے بارے میں فرمایا: وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۝ جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو دنیا کی وجہ سے عزت والے بنتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمیں کیا ہے اگر ہم باطل پر ہوئے ہم مال کے اعتبار سے زیادہ ہیں، نفری کے اعتبار سے معزز ہیں؟ ان کا مقصود کمزور لوگوں پر شبہ کو زائل کرنا اور ان کو وہم دلانا تھا کہ جس کا مال زیادہ ہوتا ہے یہ دلیل ہے کہ وہ اپنے دین میں حق پر ہے، گویا انہوں نے کفار میں کوئی فقیر نہیں دیکھا اور مسلمانوں میں کوئی غنی نہیں دیکھا۔ اور یہ انہیں معلوم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو دنیا سے دھوکا کھانے اور کثرت سے اس کی طرف میلان سے دور رکھتا ہے۔ بَيِّنٰتٍ، کا معنی جن کے الفاظ میں ترتیل ہے اور معانی میں تلخیص ہے، مقاصد کو بیان کرنے والی ہیں۔ محکمات ہیں یا متشابہات ہیں محکمات کی وجہ سے ان کا بیان ان کے پیچھے موجود ہے یا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً یا فعلاً بیان کیا ہے، ان کے ظاہر میں اعجاز ہے ان کے ساتھ چیلنج کیا گیا ہے کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا یا یہ حجتیں اور براہین ہیں یہ حال مؤکدہ ہے جیسے اللہ

تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا (البقرہ: 91) کیونکہ آیات ہمیشہ واضح ہوتی ہیں اور حجتیں ہوتی ہیں۔ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اس سے مراد قریش کے مشرک ہیں نضر بن حرث اور اس کے ساتھی۔ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فقراء صحابہ ہیں ان کی حالت بوسیدہ تھی ان کی زندگیوں میں خشونت تھی اور ان کے لباس پھٹے پرانے ہوتے تھے مشرک لوگ اپنے بالوں کو کنگھی کرتے تھے، اپنے سروں پر تیل لگاتے تھے اور عمدہ لباس پہنتے تھے انہوں نے مومنین سے کہا: اَیُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ نَدِيًّا، ابن کثیر، ابن محیصن، حمید اور شبل بن عباد نے مقاماً میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی قیام کی جگہ، اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ الاقامۃ کے معنی میں مصدر میمی ہو اور باقی قراء نے مقاماً کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی منزل اور مسکن۔ بعض علماء نے فرمایا: مقام سے مراد وہ جگہ ہوتی ہے جس میں بڑے بڑے امور طے کیے جاتے ہیں یعنی دونوں فریقوں میں سے زیادہ جاہ وحشمت اور مددگاروں والا کون ہے؟ اَحْسَنُ نَدِيًّا، (1) ندیا سے مراد مجلس ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد منظر ہے لغت میں مجلس کو النادی کہتے ہیں اسی سے دار الندوہ ہے کیونکہ مشرکین اس میں اپنے امور کا مشورہ کرتے تھے۔ ناداہ کا مطلب ہے مجلس میں اس نے اسے بٹھایا۔ شاعر نے کہا: أنادی به آل الولید وجعفرا الندی فعیل کے وزن پر قوم کے بیٹھنے کی جگہ اور گفتگو کی جگہ اسی طرح الندوہ، النادی، المنتدی، المتندی ہے اگر قوم بکھر جائے تو وہ ندی نہیں ہے؛ یہ جوہری نے کہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ، قرن سے مراد امت اور جماعت ہے، هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا زیادہ مال ومتاع مراد ہے۔ شاعر نے کہا:

وفرع یزین المتن أسود فاحم أثیث کقنو النخلة المتعثکل

الاثاث سے مراد گھر کا ساز وسامان ہوتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اثاث جو بچھایا جاتا ہے۔ الخرثی جو پہنا جاتا ہے۔ حسن بن علی طوسی نے یہ شعر کہا ہے:

تقادم العهد من أم الولید بنا دهراً وصار أثاث البیت خُرْثِیا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اثاث سے مراد ہیئت ہے۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد کپڑے ہیں، وَّ رِءْيًا خوبصورت منظر، اس میں پانچ قراتیں ہیں: اہل مدینہ نے وریا بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے۔ اہل کوفہ نے و رئیا ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعقوب نے حکایت کیا ہے کہ طلحہ نے و ریا ایک یا مخففہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور سفیان نے اعمش سے انہوں نے ابوظبیان سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: هم احسن اثاثا وزیا یعنی زاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ چار قراًتیں ہیں۔ ابواسحاق نے کہا: هم احسن اثاثا و ریئا یعنی یا کے بعد ہمزہ کے ساتھ بھی جائز ہے۔ نحاس نے کہا: اہل مدینہ کی قرأت اس میں بہتر ہے اور اس میں دو تقریریں ہیں۔ (ا) یہ رایت سے مشتق ہو پھر ہمزہ میں تخفیف کی گئی ہو اور اسکو یاء سے بدل دیا گیا ہو اور پھر یاء کو یاء میں ادغام کیا گیا ہو۔ یہ بہتر ہے تاکہ آیات کے سرے متفق ہو جائیں کیونکہ وہ غیر مہموز

1۔ تفسیر طبری، جز 16، صفحہ 134

ہیں اس بنا پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: الرئی کا مطلب منظر ہے بس معنی یہ ہے هم احسن اثاثا ولباسا اور دوسری تقریر یہ ہے کہ أن جلودهم مرتویه من النعمة ان کی کھالیں نعمتوں سے سیراب تھیں۔ پس اس بنا پر ہمزہ جائز نہیں اور ورش کی روایت میں نافع اور ابن ذکوان نے ابن عامر سے ریئًا ہمزہ کے ساتھ پہلی وجہ پر ہوگا؛ یہ اہل کوفہ اور ابو عمرو کی قرأت ہے یہ اصل پر رائیت سے مشتق ہوگا۔ طلحہ بن مصرف کی قرأت وریا ایک یاء مخففہ کے ساتھ میں، اس کو غلط خیال کرتا ہوں۔ بعض نحویوں کا خیال ہے کہ اس کی اصل ہمزہ ہے پھر ہمزہ کو یا سے تبدیل کیا گیا پھر ایک یاء کو حذف کیا گیا۔ مہدوی نے کہا: ریئًا ہونا بھی جائز ہے یا کو تبدیل کیا گیا تو وہ ریا ہوگیا۔ پھر ہمزہ کی حرکت یا کی طرف نقل کی گئی اور اسے حذف کیا گیا، بعض نے وریا قلب کی بنا پر پڑھا ہے۔ یہ پانچویں قرأت ہے۔ سیبویہ نے راء بمعنی رأی حکایت کیا ہے۔ جوہری نے کہا: جس نے اس کو ہمزہ دیا ہے اس نے اسے رایت سے مشتق کیا ہے اور اس سے مراد منظر ہے جس کو آنکھ اچھی حالت اور خوبصورت لباس میں دیکھتی ہے۔ ابو عبیدہ نے محمد بن نمیر ثقفی نے کہا:

أشاقتك الظعائن يوم بانوا　بذِی الرِّئِی الجميلِ من الأثاث

اور جنہوں نے اس کو ہمزہ نہیں دیا یا تو وہ ہمزہ کی تخفیف کی بنا پر ہے یا وہ رَوِیت ألوانهم وجلودهم ریا سے مشتق ہوگا، جس کا معنی ہے ان کے رنگ اور کھالیں بھری ہوئی اور خوبصورت تھیں۔ رہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابی بن کعب اور سعید بن جبیر اور اعسم مکی اور یزید بربری کی قرأت وزیا، زاء کے ساتھ اس کا معنی بھی ہیئت اور خوبصورت ہے۔ یہ جائز ہے کہ یہ زویت سے مشتق ہو یعنی جمع کی گئی اس کی اصل زویا ہوگی واو کو یاء سے بدلا گیا ہے اسی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے: زویت لی الأرض(1) زمین میرے لیے لپیٹ دی گئی یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی چیز بھی فائدہ نہ دے گی۔ یہ لوگ جتنا چاہیں زندگی گزاریں پس انہیں موت اور عذاب کی طرف لوٹنا ہے اگرچہ وہ کتنی لمبی عمر پائیں یا جلدی پہنچنے والا عذاب مراد ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ان کی معرفت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ، یہاں ضلالت سے مراد کفر ہے۔ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا یعنی اس کی جہالت اور کفر کی سرکشی میں اسے چھوڑے رکھتا ہے۔ صیغہ امر کا ہے لیکن اس کا معنی خبر ہے یعنی جو گمراہی میں ہوگا اللہ تعالیٰ اسے ڈھیل دے گا حتیٰ کہ اس کا غرور بڑھتا جائے پس وہ اس کے عقاب کو مزید سخت کر دے گا اس کی مثال یہ ہے: اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْۤا اِثْمًا (آل عمران: 178) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۝ (الانعام) اس کی مثالیں بہت سی ہیں یعنی جتنا چاہے زندہ رہے اپنی عمر میں اپنے لیے وسعت کرے۔ اس کا انجام موت اور عقاب ہی ہوگا۔ یہ شدید وعید اور دھمکی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ دعا ہے جس کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے۔ تو کہتا ہے: من سرق مالی فليقطع الله تعالى يده، جو میرا مال چوری کرے گا اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ کاٹے۔ یہ چور کے خلاف بددعا ہے یہ جواب شرط ہے اس بنا پر فليمدد خبر نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ، راوا، فرمایا کیونکہ لفظ مَن واحد اور جمع کی صلاحیت رکھتا ہے اور اذا

1۔ ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب مایکون من الفتن، حدیث نمبر 3941، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ماضی کے ساتھ بھی مستقبل کا معنی دیتا ہے، یعنی حتی کہ وہ دیکھ لیں گے جو ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ العذاب سے یہاں مراد ان کے خلاف مومنین کی مدد کر کے عذاب دینا ہے پس وہ تلوار اور قیدی بنا کر انہیں عذاب دیں گے یا قیامت قائم ہوگی پس اور وہ آگ کی طرف جائیں گے۔ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّأَضْعَفُ جُندًا ۝ اس وقت حقائق منکشف ہوں گے۔ یہ ان کے قول: اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ ۔۔۔ الخ کا رد ہے۔

وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۗ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا ۝

''اور زیادہ کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ لوگوں (کے نور) ہدایت کو، اور باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے اور انہی کا انجام اچھا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى اللہ تعالیٰ مومنین کو ہدایت پر ثابت قدم رکھتا ہے اور ان کی نصرت میں اضافہ کرتا ہے اور ایسی آیات نازل فرماتا ہے جو یقین میں زیادتی کا سبب ہوتی ہیں یہ ان کی جزا کے لیے ہوتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اور ناسخ و منسوخ کی تصدیق کی وجہ سے ان کی ہدایت میں اضافہ کرتا ہے جس کا دوسرے لوگ انکار کرتے ہیں؛ یہ معنی کلبی اور مقاتل نے بیان کیا ہے۔ ایک تیسرا احتمال بھی ہے وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا یعنی ہدایت یافتہ لوگوں کی جنت میں اضافہ کرتا ہے۔ یہ مفہوم پہلے مفہوم کے قریب ہی ہے۔ اعمال کی زیادتی اور ایمان و ہدایت کی زیادتی کا مفہوم سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ اس پر گفتگو سورۃ الکہف میں گزر چکی ہے۔ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا ثوابا سے مراد جزا ہے۔ وَخَيْرٌ مَّرَدًّا ۝ آخرت میں بہتر انجام ہوگا اس سے جس کے ساتھ دنیا میں کفار فخر کرتے تھے۔ المرد مصدر ہے جیسے الرد ہے، یعنی نیکیاں کرنے والے پر بہتر ثواب لوٹایا جائے گا، کہا جاتا ہے: هذا ردّ علیك یعنی میں تجھے نفع دوں گا۔ بعض علماء نے فرمایا: خَيْرٌ مَّرَدًّا ۝ یعنی بہتر مرجع، ہر ایک اپنے اس عمل کی طرف لوٹایا جائے گا جو اس نے عمل کیا۔

أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۝ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۝

''کیا آپ نے دیکھا اس کو جس نے انکار کیا ہماری آیتوں کا اور کہنے لگا کہ مجھے ضرور ضرور دیا جائے گا مال اور اولاد (اس لاف زنی کی وجہ کیا ہے) کیا وہ آگاہ ہو گیا ہے غیب پر یا لے لیا ہے اس نے (خداوند) رحمٰن سے کوئی وعدہ، ہرگز ایسا نہیں، ہم لکھ لیں گے جو یہ کہہ رہا ہے اور لمبا کر دیں گے اس کے لیے عذاب کو خوب لمبا کرنا۔ اور ہم ہی وارث ہوں گے جو وہ کہتا ہے (یعنی اس کے مال و اولاد کے) اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا، آئمہ حدیث نے یہ الفاظ مسلم شریف کے ہیں، حضرت خباب سے

روایت کیا ہے(1) فرمایا: میرا عاص بن وائل پر قرض تھا میں اس سے وہ قرض طلب کرنے کے لیے آیا، تو اس نے مجھے کہا: میں تجھے قرض ادا نہیں کروں گا حتی کہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کرے۔ حضرت خباب نے فرمایا: میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہیں کروں گا حتی کہ تو مرجائے پھر اٹھایا جائے۔ عاص نے کہا میں مرنے کے بعد اٹھایا جاؤں گا؟ تو پھر میں اس وقت تجھے قرضہ ادا کروں گا جب میں اپنے مال اور اولاد کی طرف لوٹوں گا۔ وکیع نے کہا: اعمش نے اسی طرح کہا ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی: اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا۝ ۔۔۔۔ وَ يَاْتِيْنَا فَرْدًا۝۔ ایک روایت میں ہے میں زمانہ جاہلیت میں کاریگر تھا میں نے عاص بن وائل کے لیے کام کیا تو میں نے اس سے رقم کا مطالبہ کیا۔ بخاری نے اس کو نقل کیا ہے۔ کلبی اور مقاتل نے کہا: حضرت خباب کاریگر تھا اس نے عاص کے لیے کوئی زیور بنایا پھر اس سے اجرت کا مطالبہ کیا۔ عاص نے کہا: آج میرے پاس وہ نہیں ہے جو میں تجھے ادا کروں۔ حضرت خباب نے کہا: میں تجھے نہیں چھوڑوں گا حتی کہ تو مجھے میرا قرض ادا کرے۔ عاص نے کہا: اے خباب! تجھے کیا ہوا؟ تو ایسا تو نہیں تھا تو تو بہت اچھے طریقہ سے مطالبہ کرتا تھا۔ حضرت خباب نے کہا: پہلے میں تیرے دین پر تھا آج میں دین اسلام پر ہوں تیرے دین کو چھوڑنے والا ہوں۔ اس نے کہا: کیا تم ہی نہیں کہتے کہ جنت میں سونا، چاندی اور ریشم ہے؟ حضرت خباب نے کہا: کیوں نہیں۔ عاص نے کہا: تو مجھے مہلت دے میں تجھے جنت میں ادا کروں گا۔ اس نے استہزاءً یہ کہا۔ اللہ کی قسم! تو اور تیرے ساتھی جنت کے مجھ سے زیادہ حقدار نہ ہوں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا، یعنی عاص بن وائل۔ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے کیا اس نے لوح محفوظ میں دیکھا ہے؟ مجاہد نے کہا: کیا اس نے غیب جان لیا ہے حتی کہ وہ جانتا ہے کہ کیا وہ جنت میں ہے یا نہیں۔ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا۝ قتادہ اور ثوری نے کہا: یعنی اس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی عمل صالح کیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: عَهْدًا سے مراد توحید ہے۔ بعض نے فرمایا: وعدہ ہے۔ کلبی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس سے عہد کیا ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ كَلَّا یہ اس پر رد ہے یعنی ایسا کچھ بھی نہیں ہے نہ وہ غیب پر مطلع ہے اور نہ اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد لیا ہے۔ كَلَّا پر کلام مکمل ہوئی۔ حسن نے کہا: یہ آیات ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ پہلا قول اصح ہے کیونکہ وہ صحاح میں موجود ہے۔ حمزہ اور کسائی نے وَّ وُلْدًا واؤ کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور باقی لوگوں نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ضمہ اور فتحہ میں دو وجہ سے اختلاف کیا گیا ہے: (1) یہ دونوں لغتیں ہیں اور دونوں کا معنی ایک ہے۔ کہا جاتا ہے: وَلَدٌ، وُلْدٌ جیسے کہا جاتا ہے: عَدَمٌ وعُدْمٌ۔ حرث بن حلزہ نے کہا:

ولقد　رأیتُ　معاشراً　قد　ثمّروا　مالاً　وُولْداً(2)

دوسرے نے کہا:

فلیتَ　فلانًا　کان　فی　بطن　أُمّه　　ولیت　فلانا　کان　وُلْدَحمارِ(3)

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ما جاء فی سورۃ مریم، جلد 2، صفحہ 145

2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 130　　3۔ ایضاً

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ قیس ولد کو واؤ کے ضمہ کے ساتھ جمع بناتے ہیں اور فتحہ کے ساتھ واحد بناتے ہیں۔ ماوردی نے کہا: لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا میں دو وجہیں ہیں: ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طاعت وعبادت پر جنت کا جو وعدہ فرمایا ہے اس کا مزاح کرتے ہوئے اس نے یہ کہا، یہ کلبی کا قول ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس نے دنیا میں ان چیزوں کا ارادہ کیا؛ یہ جمہور کا قول ہے۔ اس میں دو احتمال ہیں۔ (۱) اگر میں اپنے آباء کے دین پر اور اپنے خداؤں کی عبادت پر قائم رہا تو مجھے مال اور اولاد دی جائے گی۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اگر میں باطل پر ہوتا تو مجھے مال اور اولاد نہ دی جاتی۔

میں کہتا ہوں: کلبی کا قول ظاہر احادیث کے زیادہ مناسب ہے بلکہ احادیث کی نص اس پر دلیل ہے۔ مسروق نے کہا: میں نے حضرت خباب بن ارت کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں عاص بن وائل کے پاس آیا تا کہ اس سے اپنے قرض کا مطالبہ کروں اس نے کہا: میں تجھے قرض نہیں دوں گا حتی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرے۔ میں نے کہا: نہیں، حتی کہ تو مرجائے اور پھر اٹھایا جائے۔ عاص نے کہا: میں مروں گا پھر اٹھایا جاؤں گا؟ میں نے کہا: ہاں۔ عاص نے کہا: میرے لیے وہاں مال اور اولاد ہوگی تو میں تجھے قرضہ ادا کردوں گا تو یہ آیت نازل ہوئی: اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے(1)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اس کا الف، الف استفہام ہے کیونکہ اس کے بعد أم آیا ہے اس کا معنی توبیخ ہے۔ اس کی اصل أاطلع ہے۔ پھر دوسرے الف کو حذف کیا گیا کیونکہ الف وصل ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ الف کے بعد مد کو کیوں نہیں لائے اور کہتے: آطلع جس طرح کہا: آٰللّٰهُ خَيْرٌ (النمل: 59) آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ (الانعام: 143) تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیات میں اصل أالله، أالذکرین ہے پس دوسرے الف کو مد سے بدلا تا کہ استفہام اور خبر کے درمیان فرق ہو جائے اگر الله خیر بغیر مد کے کہتے تو استفہام خبر کے ساتھ ملتبس ہو جاتا اور اطلع میں اس مد کی ضرورت محسوس نہ کی کیونکہ الف استفہام میں مفتوح ہے اور خبر کا الف مکسور ہے، اسی وجہ سے تو استفہام میں کہتا ہے: أطلع؟ أفترى؟ أستغفرت؟۔ الف کے فتحہ کے ساتھ اور خبر میں تو کہتا ہے: اِطلع، اِفتری، اِصطفی اِستغفرت لھم۔ یہ تمام ہمزہ مکسورہ کے ساتھ ہیں پس انہوں نے فتحہ اور کسرہ کے درمیان فرق کیا ہے اور دوسرے فرق کی ضرورت محسوس نہ کی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَلَّا قرآن کے نصف اوّل میں کلا کا ذکر نہیں ہے۔ نصف ثانی میں اس کا ذکر آیا ہے۔ اس کے دو معانی ہیں۔ ایک اس کا معنی ہے حقاً اور دوسرا اس کا معنی ہے نہیں۔ جب یہ حقا کے معنی میں ہو تو اس کے ماقبل پر وقف جائز ہے پھر کلا سے آغاز ہوگا اور جب یہ لا کے معنی میں ہوگا تو کلا پر وقف جائز ہوگا جیسا کہ اس آیت میں ہے کیونکہ اس کا معنی ہے نہیں معاملہ اس طرح نہیں ہے اور عہداً پر وقف کرنا اور کلا سے آغاز کرنا بھی جائز ہے یعنی كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا (المومنون: 100) اس میں کلا پر اور ترکت پر وقف جائز ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۞ قَالَ كَلَّا (الشعراء) اس میں وقف کلا پر ہے کیونکہ اس کا معنی ہے نہیں یعنی معاملہ اس طرح نہیں جیسا کہ تم گمان کر رہے ہو۔ فاذھبا تم دونوں جاؤ۔ اس میں حق کے معنی

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورة مريم، حدیث نمبر 3086، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

میں ہونے کی جگہ نہیں۔ فراء نے کہا: کلا، سوف کے قائم مقام ہے کیونکہ یہ صلہ ہے اور یہ حرف رد ہے گویا نعم (ہاں) اور لا (نہیں) ہے اگر تو اسے مابعد کے لیے صلہ بنائے تو اس پر وقف نہیں کرے گا جیسے تیرا قول ہے: کلا و رب الکعبہ، کلا پر وقف نہیں کرے گا کیونکہ یہ ای و رب الکعبہ کے قائم مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ (المدثر) پس کلا پر وقف قبیح ہے کیونکہ یہ الیمین کا صلہ ہے۔ ابو جعفر محمد بن سعدان کلا میں فراء کے قول کی طرح فرماتے تھے۔ اخفش نے کہا: کلا کا معنی جھڑکنا اور روکنا ہے۔ ابوبکر انباری نے کہا: میں نے ابو العباس کو یہ فرماتے ہوئے سنا پورے قرآن میں کلا پر وقف نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ جواب ہے اور اس کا فائدہ مابعد میں واقع ہوتا ہے۔ پہلا قول اہل تفسیر کا قول ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ یعنی ہم اس کے قول کو اس پر محفوظ کرلیں گے اور آخرت میں اس کی وجہ سے اسے سزا دیں گے۔ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ ہم اس کے عذاب پر عذاب کا اضافہ کریں گے۔ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ اور ہم نے جو اسے دنیا میں مال اور اولاد عطا کی ہے وہ ہم چھین لیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ہم اسے ہلاک کرنے کے بعد مال اور اولاد کے وارث بن جائیں گے۔ بعض نے فرمایا: ہم اسے اس خواہش سے آخرت میں محروم کردیں گے جو وہ مال اور اولاد کی رکھتا ہے اور ہم اس کے علاوہ دوسرے مسلمانوں کو دیں گے۔ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾ وہ ہماری بارگاہ میں منفرد آئے گا نہ اس کے لیے مال ہوگا، نہ اولاد اور نہ خاندان جو اس کی مدد کرتا ہوگا۔

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾

''اور انہوں نے بنالیے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا کہ وہ ان کے لیے مددگار بنیں۔ ہرگز نہیں وہ جھوٹے خدا انکار کردیں گے ان کی عبادت کا اور وہ (الٹے) ان کے دشمن ہو جائیں گے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ اس سے مراد مشرکین ہیں۔ عِزًّا اس کا معنی ہے مددگار اور محافظ، یعنی اولاد، العزموسلا دھا بارش کو بھی کہتے ہیں؛ یہ ہروی کا قول ہے۔ کلام کا ظاہر یہ ہے کہ عِزًّا ان بتوں کی طرف راجع ہے جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے۔ اور اس کو واحد ذکر فرمایا کیونکہ یہ مصدر کے معنی میں ہے یعنی تاکہ وہ اس کے ساتھ عزت پائیں اور ان کے ذریعے اللہ کے عذاب سے محفوظ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كَلَّا، معاملہ اس طرح نہیں جس طرح انہوں نے گمان کیا بلکہ وہ ان کی عبادت کا انکار کریں گے یعنی وہ انکار کریں گے کہ انہوں نے بندوں کی عبادت کی تھی یا وہ بت مشرکوں کی عبادت کا انکار کریں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۡ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿٦٣﴾ (القصص) اور یہ بت جمادات ہیں عبادت کا علم نہیں رکھتے۔

وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾، ضد کا معنی ہے انکی خصومت و تکذیب میں ان کے خلاف مددگار ہوں گے۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے وہ ان کے دشمن ہوں گے۔ ابن زید نے کہا: وہ ان پر مصیبت ہوں گے پس ان کے معبودوں کو جمع کیا جائے گا اور ان کو عقل دی جائے گی اور وہ بولیں گے اور کہیں گے: یا رب! ان کو عذاب دے جنہوں نے تجھے چھوڑ کر ہماری عبادت کی۔

کلاّ یہاں یہ احتمال رکھتا ہے کہ یہ لا کے معنی میں ہو اور یہ بھی احتمال رکھتا ہے کہ حقاً کے معنی میں ہو۔ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ ابونہیک نے، کلاً سیکفرون یعنی تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور ان سے اس کے ساتھ کاف کا ضمہ اور فتحہ بھی مروی ہے۔ مہدوی نے کہا: کلاّ زجر وتنبیہ ہے اور یہ پہلی کلام کے رد کے لیے ہوتا ہے اور کبھی مابعد کی تحقیق اور اس پر تنبیہ کے لیے واقع ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝ (العلق) اس معنی پر وقف نہیں کیا جاتا اور پہلے معنی پر اس پر وقف کیا جاتا ہے اگر اس میں دو معانی کی صلاحیت ہو تو اس پر وقف اور ابتدا جائز ہوتی ہے۔ اور جنہوں نے کلا کو تنوین دی ہے اور کاف کو فتحہ بھی دیا ہے تو وہ کل کا مصدر ہے اور اس کو نصب فعل مضمر کی وجہ سے ہے معنی یہ ہے: کل ھذا الرأی والإعتقاد کلاً یعنی ان مورتیوں کو معبود بنانے کا اعتقاد اور نظریہ ہرگز درست نہیں تاکہ وہ ان کے مددگار ہوں۔ پس اس مفہوم پر عزا اور کلاً پر وقف ہوگا؛ اسی طرح جماعت کی قرأت میں ہے کیونکہ یہ ماقبل کے رد اور مابعد کی تحقیق کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور جنہوں نے تنوین کے ساتھ کاف کا ضمہ روایت کیا ہے وہ بھی فعل مضمر کے ساتھ منصوب ہے۔ گویا فرمایا: سیکفرون، كَلًّا سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ، یعنی اپنے بتوں کی عبادت کا انکار کریں گے۔

میں کہتا ہوں: کلاّ میں چار معانی حاصل ہوتے ہیں: (۱) تحقیق یعنی یہ حقا کے معنی میں ہوتا ہے۔ (۲) نفی، (۳) تنبیہ، (۴) قسم کا صلہ۔ صرف پہلی صورت میں اس پر وقف ہوگا۔ کسائی نے کہا: لا صرف نفی کرتا ہے اور کلاّ ایک چیز کی نفی کرتا ہے اور ایک چیز کو ثابت کرتا ہے جب کہا جاتا ہے: اکلت تمرا تو تو کہتا ہے: کلا إنی أکلت عسلا لا تمراً میں نے شہد کھایا، کھجور نہیں کھائی۔ اس کلمہ میں ماقبل کی نفی ہے اور مابعد کی تحقیق ہے۔ الضد کبھی واحد ہوتا ہے اور کبھی جمع ہوتا ہے جیسے العدو اور الرسول واحد اور جمع استعمال ہوتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: الضد مصدر کی جگہ واقع ہے یعنی وہ ان کے علاوہ معاون ہوں گے اسی وجہ سے جمع نہیں ذکر کیا گیا، یہ چونکہ لِيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا کے مقابلہ میں ہے اور العز مصدر ہے پس اسی طرح اس کے مقابلہ میں واقع ہوا ہے۔ پھر علماء نے فرمایا: یہ آیت بتوں کے بچاریوں کے متعلق ہے اور بتوں کو شعور والوں کے قائم مقام رکھا گیا ہے جیسے کہ کفار کا نظریہ تھا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ ان کے بارے ہے جو مسیح علیہ السلام یا ملائکہ یا جن یا شیاطین کی عبادت کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ۝ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ۝ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۝ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ۝ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝

''کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ ہم نے مسلط کر دیا ہے شیطانوں کو کفار پر وہ انہیں (اسلام کے خلاف) ہر وقت اُکساتے رہتے ہیں۔ پس عجلت نہ کیجیے ان پر (نزول عذاب کے لیے) ہم گن رہے ہیں ان کے ایام زندگی کو اچھی طرح۔ وہ دن جب ہم اکٹھا کریں گے پرہیزگاروں کو رحمٰن کے حضور میں (معزز و مکرم مہمان بنا کر) اور

اس روز ہانک کر لائیں گے مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسے جانوروں کی طرح۔ انہیں کوئی اختیار نہ ہوگا شفاعت کا بجز ان کے جنہوں نے خداوند رحمٰن سے کوئی وعدہ لے لیا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ہم نے شیطانوں کو ان پر اغوا کرنے کے لیے مسلط کر دیا ہے یہ اس وقت ہوا جب ابلیس سے کہا تھا: وَ اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ (بنی اسرائیل: 64)

بعض نے فرمایا: اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا کا معنی ہے ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ کہا جاتا ہے: أرسلت البعير میں نے اونٹ کو چھوڑ دیا ہے یعنی ہم نے شیطانوں اور ان کو چھوڑ دیا ہے ہم ان کی شیطانوں کی بات قبول کرنے سے حفاظت نہیں کرتے۔ زجاج نے اَرْسَلْنَا کا معنی قیضنا (ہم نے مسلط کر دیا) کیا ہے۔ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی ہے وہ انہیں طاعت کی جگہ معصیت اور نافرمانی پر اکساتے ہیں۔ ان سے مروی ہے تعزیھم اغراء بالشہ وہ انہیں شر پر ابھارتے ہیں اس میں جاری رہو اس میں جاری رہو، حتیٰ کہ وہ انہیں آگ میں ڈال دیتے ہیں۔ پہلا معنی ثعلبی نے اور دوسرا ماوردی نے حکایت کیا۔ مفہوم ایک ہی ہے۔ ضحاک نے کہا: تغویھم اغواء، وہ انہیں گمراہ کرتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: ابھارتے ہیں۔ اس کا اصل معنی حرکت کرنا اور ابھرنا ہے؛ اسی سے خبر مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قام إلى الصلاة ولجوفه أزيز كأزيز المرجل من البكاء(1) جب نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ کے اندر سے رونے کی وجہ سے ابلنے کی آواز آئی جیسے ہانڈی ابلتی ہے۔ جب ہانڈی ابل رہی ہو تو کہتے ہیں: أتزت القدر أتزازا... الأز، کا معنی اُبھارنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا﴿۸۳﴾ یعنی وہ انہیں گناہوں پر اکساتے ہیں۔ الأز کا معنی الاختلاط بھی ہے قد أزرت الشی اؤزہ ازا میں نے بعض کو بعض سے ملا دیا، یہ جوہری کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَا تَعْجَلْ عَلَیْهِمْ یعنی ان کے لیے جلدی عذاب طلب نہ کرو، اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا، کلبی نے کہا: اس کا معنی ہے ہم ان کے ایام، راتیں، مہینے، سال عذاب کے پہنچنے تک شمار کر رہے ہیں۔ ضحاک نے کہا: اس کا مطلب ہے ہم ان کے سانس گن رہے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم دنیا میں ان کے سانس گن رہے ہیں جس طرح ہم ان کے سال گن رہے ہیں۔ بعض نے فرمایا: ہم ان کے قدم گن رہے ہیں۔ بعض نے فرمایا: ہم ان کی لذات گن رہے ہیں۔ بعض نے فرمایا: لمحات گن رہے ہیں۔ بعض نے فرمایا: آپ ان کے لیے جلدی نہ کریں ہم ان کو مہلت دے رہے ہیں تاکہ یہ گناہ زیادہ کر لیں۔ روایت ہے کہ مامون نے یہ سورت پڑھی اس آیت پر گزرا تو اس نے ابن سماک کی طرف اپنے سر سے اشارہ کیا تاکہ وہ نصیحت پکڑے، اس کے پاس فقہاء کی جماعت بیٹھی تھی اس نے کہا: جب سانس گنے جا رہے ہیں تو پھر ان کے لیے کوئی مدد نہیں ہے اور کتنے جلدی وہ ختم ہونے والے ہیں۔ اسی مفہوم میں شاعر نے کہا:

حیاتُك أنفاسٌ تُعدُّ فكلّما مَضَى نَفَسٌ منك انتقصت به جُزْءا

يميتك ما يحييك فى كل ليلة ويَحْدُوك حَادٍ ما يريد به الهُزءا

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، البکاء فی الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 130، ایضاً حدیث نمبر 769، روایت بالمعنی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کہا جاتا ہے: انسان ایک دن اور رات میں چوبیس ہزار سانس لیتا ہے بارہ ہزار سانس دن میں اور بارہ ہزار رات میں لیتا ہے۔ یہ شمار ہو چکے ہیں ان کی تعداد معلوم ہے، ان کے لیے کوئی لمبائی و مدد نہیں ہے اور یہ کتنے جلدی ختم ہونے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۝ اس کلام میں حذف ہے یعنی رحمٰن کی جنت کی طرف اور اس کے دار کرامت کی طرف متقین کو لے جائیں گے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ۝ (الصافات)

اسی طرح حدیث میں ہے: من کانت هجرته إلى الله ورسوله فهجرته إلى الله ورسوله، (1) جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے۔ الوفد اسم ہے وافدین کا، جیسا کہا جاتا ہے: صوم فطر، وزور، یہ وافد کی جمع ہے جیسے رکب وراکب، صحب وصاحب یہ وفد یفد وفداً ووفوداً ووفادة سے مشتق ہے جب کوئی فتح یا کسی خطیر امر کی صورت میں بادشاہ کی طرف جائے۔ جوہری نے کہا: وفد فلان علی الأمير کہا جاتا ہے یعنی وہ پیغام رساں بن کر آیا، فهو وافدٌ اس کی جمع وفدٌ ہے جیسے صاحب کی جمع صحبٌ ہے وفد کی جمع وفاد اور وفود ہے اور اسم الوفادة ہے: أوفدته أنا إلى الأمير یعنی میں نے اسے امیر کی طرف بھیجا۔ اور تفسیر میں ہے وفداً یعنی وہ اپنی طاعتوں کی سواریوں پر سوار ہو کر حاضر ہوں گے۔ یہ اس لیے ہے کہ عام طور پر آنے والا سفیر سوار ہوتا ہے۔ الوفد سے مراد سوار ہیں۔ اس کو مفرد ذکر کیا گیا ہے کیونکہ یہ مصدر ہے۔ ابن جریج نے کہا: وفداً على النجائب سواری پر سوار ہو کر آئیں گے۔ عمرو بن قیس ملائی نے کہا: مومن جب اپنی قبر سے نکلے گا تو اس کا عمل حسین صورت اور پاکیزہ خوشبو کی صورت میں اس کا استقبال کرے گا، وہ کہے گا: کیا تو مجھے جانتا ہے۔ مومن کہے گا: نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے تیری خوشبو بہت اچھی بنائی اور تیری صورت حسین بنائی ہے۔ وہ کہے گا: میں دنیا میں اسی طرح تھا میں تیرا نیک عمل ہوں، دنیا میں میں تجھ پر سوار رہا آج تو مجھ پر سوار ہو، پھر یہ آیت تلاوت کی: یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا اور کافر کا عمل اس کا استقبال کرے گا وہ انتہائی قبیح صورت اور بدبودار ہوگا، وہ کہے گا: تو مجھے جانتا ہے؟ وہ کہے گا: نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے تیری شکل قبیح بنائی ہے اور بُو بڑی کریہہ ہے۔ وہ کہے گا: میں دنیا میں اسی طرح تھا۔ میں تیرا بُرا عمل ہوں کبھی دنیا میں تو مجھ پر سوار تھا آج میں تجھ پر سوار ہوں گا پھر یہ آیت تلاوت کی: وَهُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ (الانعام: 31) یہ حدیث سند کے اعتبار سے صحیح نہیں، یہ ابن عربی نے سراج المریدین میں کہا ہے اور اس حدیث کو ابو نصر عبد الرحیم بن عبد الکریم قشیری نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جو گھوڑے پر سوار ہونا پسند کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گھوڑے پر سوار ہو کر حاضر ہوگا جو نہ لید کرے گا اور نہ پیشاب کرے گا، اس کی لگام سرخ یاقوت اور سبز زبرجد اور سفید موتیوں سے ہوگی اور اس کی زین سندس اور استبرق (ریشم) کی ہوگی اور جو اونٹ پر سوار ہونا پسند کرتا ہوگا وہ اونٹ پر سوار ہو کر جائے گا جو نہ مینگنیاں کرتا ہوگا اور نہ پیشاب کرتا ہوگا اس کی مہار یاقوت اور زبرجد سے ہوگی اور جو کشتی پر سوار ہونا پسند کرتا ہوگا وہ زبرجد اور یاقوت کی کشتی پر سوار ہوگا وہ غرق ہونے سے امن میں ہوں گے اور پریشانیوں سے امن میں ہوں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت علی

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، نیۃ فی الایمان، جلد 2، صفحہ 910

رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں نے بادشاہ اور ان کے وفود دیکھے ہیں اور میں نے ہر وفد سوار دیکھا ہے پس اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جانے والے کیسے ہوں گے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ نہ اپنے قدموں پر چلائے جائیں گے اور نہ انہیں ہانکا جائے گا بلکہ انہیں جنت کی اونٹنیوں میں سے دی جائیں گی جن کی مثل مخلوق نے پہلے نہ دیکھی ہوگی ان کے پالان سونے کے ہوں گے اور ان کی مہاریں زبرجد کی ہوں گی اور ان پر سوار ہوں گے حتیٰ کہ وہ جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے''(1)۔ حضرت علی شیر خدا سے مروی ثعلبی کے الفاظ اس خبر میں زیادہ واضح ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں نے بادشاہ اور ان کے وفد دیکھے ہیں میں نے کوئی وفد نہیں دیکھا مگر وہ سوار تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے علی! جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لوٹنا ہوگا تو فرشتے مومنین سے ایسی سفید اونٹنیوں کے ساتھ ملیں گے جن کے پالان اور نکیلیں سونے کی ہوں گی ہر سواری پر ایک حلہ ہوگا دنیا جس کے مساوی نہ ہوگی، ہر مومن ایک لباس پہنے گا پھر ان کے ساتھ ان کی سواریاں چلیں گی پھر وہ اونٹنیاں انہیں لیکر چلیں گی حتیٰ کہ وہ انہیں جنت تک پہنچا دیں گی۔ پھر انہیں فرشتے ملیں گے اور کہیں گے: سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِیْنَ ۞ (الزمر)

میں کہتا ہوں: یہ خبر نص ہے کہ وہ نہ سوار ہوں گے اور نہ لباس پہنیں گے مگر موقف سے۔ اور جب قبور سے باہر نکلیں گے پیدل چلتے ہوں گے ننگے پاؤں اور ننگے بدن ہوں گے اور غیر مختون ہوں گے، اسی حالت میں موقف کی طرف جائیں گے۔ اس کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نصیحت کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور کہا: ''اے لوگو! تم اللہ کی بارگاہ میں جمع کیے جاؤ گے جبکہ ننگے پاؤں، برہنہ بدن اور غیر مختون ہو گے''۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے تخریج کیا ہے۔ یہ مکمل سورۃ المومون میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اسی مفہوم کی حضرت عبداللہ بن انیس کی حدیث سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے۔ یہ کوئی بعید نہیں کہ دونوں حالتیں سعداء کی ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث مخصوص ہو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: وفدا یعنی اونٹوں پر سوار ہو کر۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ سوار ہوں گے انہیں جنت کی اونٹنیاں دی جائیں گے ان پر سونے کے کجاوے ہوں گے اور ان کی زینیں اور ان کی مہاریں زبرجد کی ہوں گی پس ان پر سوار کر کے انہیں جمع کیا جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! وہ پیدل جمع نہ کیے جائیں گے بلکہ وہ اونٹنیوں پر سوار ہوں گے جن کے کجاوے سونے کے ہوں گے ان کی زینیں یواقیت کی ہوں گی اگر وہ ارادہ کریں گے تو وہ چل پڑیں گی اور جب وہ انہیں حرکت دیں گے تو وہ اڑ پڑیں گی۔

بعض علماء نے فرمایا: وہ جو پسند کریں گے اس پر سوار ہو کر آئیں گے اونٹ یا گھوڑے یا کشتیاں جیسا کہ پہلے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے گزر چکا ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وفدا کیونکہ وفود کی شان عربوں کے نزدیک یہ ہوتی ہے کہ وہ بشارات کے ساتھ آتے ہیں، وہ انعامات کا انتظار کرتے ہیں پس متقین عطا اور ثواب کا انتظار کریں گے۔ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ وِرْدًا، السوق کا معنی ہے چلنے پر ابھارنا، وردا کا معنی ہے پیاسے؛ یہ حضرت ابن عباس

1۔ تفسیر ابن کثیر، سورۂ مریم، جلد 2، صفحہ 466-465

رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حسن کا قول ہے۔ اخفش، فراء اور ابن اعرابی نے کہا: اس کا مطلب ہے وہ برہنہ پا ہوں گے اور پیدل ہوں گے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے وہ گروہوں کی شکل میں ہوں گے۔ ازہری نے کہا: اس کا معنی ہے وہ پیدل اور پیاسے ہوں گے جیسے اونٹ پانی پر وارد ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے: جاء ورد بنی فلاں (فلاں قبیلہ کے اونٹ پانی پر آئے) اور قشیری نے کہا: وردا کا قول پیاس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ پانی عام طور پر پیاس کے لیے لایا جاتا ہے۔ اور تفسیر میں ہے اس کا معنی ہے وہ پیدل ہوں گے پیاسے ہوں گے تا کہ ان کی گردنیں پیاس کی وجہ سے کٹ جائیں۔ جب مجرموں کو دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا تو متقین کو جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: وردا اس کا معنی ہے الورود جیسے تیرا قول ہے: جئتك اکراما لك یعنی لاکرامك، اس کا معنی ہے نسوقهم لورود النار ہم انہیں آگ پر وارد کرنے کے لیے ہانکیں گے۔

میں کہتا ہوں: ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں۔ انہیں پیاسے، برہنہ پا پیدل گروہوں کی شکل میں ہانکا جائے گا۔ ابن عرفہ نے کہا: الورود سے مراد وہ قوم ہے جو پانی پر وارد ہوتی ہے۔ پیاسوں کو وردا کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ پانی پر ورود طلب کرتے ہیں جیسے تو کہتا ہے: قوم صوم یعنی روزے دار لوگ۔ قوم زور زیارت کرنے والے لوگ۔ یہ مصدر کے لفظ پر اسم ہے اس کا واحد وارد ہے۔ الورد اس جماعت کو بھی کہتے ہیں جو پانی پر وارد ہوتی ہے خواہ وہ پرندے ہوں یا اونٹ ہوں۔ الورد اس پانی کو بھی کہتے ہیں جس کے لیے ورود ہوتا ہے اور یہ کسی چیز سے کسی چیز کے ساتھ اشارہ کرنے کے باب سے ہے۔ الورد قرآن کے جز کو بھی کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: قرأت وردی، الورد بخار کے دن کو کہتے ہیں جب وہ کسی کو مخصوص وقت پر ہوتا ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ لفظ مشترک ہے۔ شاعر نے کہا وہ کنویں کا وصف بیان کرتا ہے:

یَطْموا اذا الوِرْدُ علیه التَکَّا (یعنی وہ لوگ جو پانی پر وارد ہوتے ہیں)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا یَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ، یعنی یہ کفار کسی کے لیے شفاعت کے مالک نہیں۔ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۞ اس سے مراد مسلمان ہیں جو شفاعت کے مالک ہوں گے۔ یہ کسی چیز کا استثناء غیر جنس سے ہے یعنی لیکن وہ جنہوں نے خداوند رحمٰن سے کوئی وعدہ لیا ہے وہ شفاعت کریں گے۔ مَنْ اس بنا پر محل نصب میں ہے۔ بعض نے فرمایا: یملکون کی واو سے بدل کی بنا پر محل رفع میں ہے یعنی کوئی اللہ کی بارگاہ میں شفاعت کا مالک نہیں ہوگا مگر جس نے اللہ کی بارگاہ میں عہد لیا وہ مالک ہوگا اس بنا پر استثنا متصل ہوگا اور نَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ میں الْمُجْرِمِیْنَ سے کفار اور نافرمان سب مراد ہیں۔ پھر خبر دی کہ وہ شفاعت کے مالک نہ ہوں گے مگر گنہگار مومنین وہ شفاعت کے مالک ہوں گے کہ ان کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں شفاعت کرتا رہوں گا حتیٰ کہ میں کہوں گا: یارب! میری شفاعت ان کے حق میں قبول فرما جنہوں نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تمہارے لیے نہیں بلکہ یہ میرے لیے ہے''(1)۔ مسلم نے اس حدیث کا مفہوم نقل کیا ہے۔ یہ پہلے گزر چکی ہے۔ اخبار متفق ہیں کہ اہل علم اور اہل فضل

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، أدنی اهل الجنة منزلة فیها، جلد 1، صفحہ 110

شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ پہلے قول پر کلام ہے، وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اٰلِہَۃً لِّیَکُوۡنُوۡا لَہُمۡ عِزًّا ۝ سے متصل ہوگی۔ قیامت کے روز بتوں کے پجاریوں کی شفاعت کسی کے حق میں قبول نہ ہوگی اور نہ بتوں کی شفاعت کسی کے لیے ہوگی اور نہ وہ کسی کی شفاعت کا اختیار رکھتے ہوں گے یعنی شفاعت انہیں فائدہ نہ دے گی جیسا کہ فرمایا: فَمَا تَنۡفَعُہُمۡ شَفَاعَۃُ الشّٰفِعِیۡنَ ۝ (المدثر)

بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ہم متقین اور مجرمین کو جمع کریں گے کوئی شفاعت کا اختیار نہ رکھتا ہوگا مگر جس نے خداوند رحمٰن سے عہد لیا ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ نے جس کو شفاعت کا اذن دیا ہوگا جیسے فرمایا: مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ (البقرہ: 255) اور یہ وہ عہد ہے جس کے بارے فرمایا: اَمِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَہۡدًا ۝ یہ لفظ ایمان اور ان اعمال صالحہ کا جامع ہے جن کے ذریعے انسان شفاعت کے مفہوم پر پہنچتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: العہد سے مراد لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔ مقاتل اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کوئی شفاعت نہیں کرے گا مگر جس نے لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا اور اپنی ہر قوت وطاقت سے براءت کر کے اللہ تعالیٰ کی قوت وطاقت پر بھروسہ کیا وہ امید نہیں رکھتا مگر اللہ تعالیٰ سے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے صحابہ سے یہ کہتے ہوئے سنا: ''کیا تم میں سے کوئی عاجز ہے کہ وہ ہر صبح و شام اللہ کی بارگاہ سے عہد کر لے'' عرض کی گئی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا ہے فرمایا: ''وہ ہر صبح وشام کہے: اللھم فاطر السموات والأرض عالم الغیب والشھادۃ إنی أعھد إلیك فی ھذہ الحیاۃ الدنیا بأنی أشھد أن لا الہ إلا أنت وحدك لا شریك لك وأن محمداً عبدك ورسولك فلا تکلنی إلی نفسی فإنك إن تکلنی إلی نفسی تباعدنی من الخیر وتقربنی من الشر وأنی لا أثق إلا برحمتك فاجعل لی عندك عھداً توفینیہ یوم القیامۃ إنك لا تخلف المیعاد۔

جب آدمی یہ کہے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر مہر لگا دے گا اور اسے عرش کے نیچے رکھ دے گا جب قیامت کا دن ہوگا تو ندا دینے والا ندا دے گا: کہاں ہیں وہ لوگ جن کے لیے اللہ کی بارگاہ میں عہد ہے؟ پس وہ کھڑا ہوگا اور جنت میں داخل ہوگا(1)۔

وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا ؕ۝ لَقَدۡ جِئۡتُمۡ شَیۡئًا اِدًّا ۙ۝ تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرۡنَ مِنۡہُ وَ تَنۡشَقُّ الۡاَرۡضُ وَ تَخِرُّ الۡجِبَالُ ہَدًّا ۙ۝ اَنۡ دَعَوۡا لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا ۚ۝ وَ مَا یَنۡۢبَغِیۡ لِلرَّحۡمٰنِ اَنۡ یَّتَّخِذَ وَلَدًا ؕ۝ اِنۡ کُلُّ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا ؕ۝ لَقَدۡ اَحۡصٰہُمۡ وَ عَدَّہُمۡ عَدًّا ؕ۝ وَ کُلُّہُمۡ اٰتِیۡہِ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ فَرۡدًا ۝

''اور کفار کہتے ہیں: بنالیا رحمٰن نے (فلاں کو اپنا) بیٹا۔ (اے کافرو!) یقیناً تم نے ایسی بات کی ہے جو سخت معیوب ہے۔ قریب ہے آسمان شق ہو جائیں اس (خرافات) سے اور زمین پھٹ جائے اور پہاڑ گر پڑیں لرزتے ہوئے، کیونکہ وہ کہہ رہے ہیں کہ رحمٰن کا بیٹا ہے۔ اور نہیں جائز رحمٰن کے لیے کہ وہ بنائے کسی کو (اپنا) فرزند۔ کوئی ایسی چیز

1۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذہ

نہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہے مگر وہ حاضر ہوگی رحمٰن کی بارگاہ میں بندہ بن کر۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کا شمار کر رکھا ہے اور انہیں گن لیا ہے اچھی طرح۔ وہ سب پیش ہوں گے اس کے سامنے قیامت کے دن تنہا"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ یعنی یہود و نصاریٰ اور جنہوں نے کہا: ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ یحییٰ، اعمش، حمزہ، کسائی، عاصم اور خلف نے وُلْدًا واؤ کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ چار مقامات پر ایسا ہی پڑھا ہے۔ اس سورہ میں لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا ﴿۷۷﴾ یہ گزر چکا ہے اور یہ ارشاد: اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ اور سورہ نوح میں ماله وولده، سورہ نوح میں ابن کثیر، مجاہد، حمید، ابو عمرو اور یعقوب نے ان کی موافقت کی ہے اور باقی قراء نے تمام جگہ واو اور لام میں فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ دونوں لغتیں ہیں جیسے العَرب والعُرْب، العَجَم والعُجْم۔ شاعر نے کہا:

ولقد　رأیت　معاشرا　قد　ثمّروا　مالا　وَوُلْدًا

دوسرے شاعر نے کہا:

ولیتَ فلانا کان فی بطنِ أمّهِ　　ولیت فلانا کان وُلْد حمار

اس کے مفہوم میں نابغہ نے کہا:

مَهلًا فداءٌ لكَ الأقوامُ كلُّهم　　وما أُثَمِّر من مالٍ ومن وَلَدِ

پس اس نے فتحہ دیا۔ قیس جمع میں واو پر ضمہ اور مفرد میں واو پر فتحہ دیتے ہیں۔ جوہری نے کہا: الوَلَد کبھی واحد ہوتا ہے اور کبھی جمع ہوتا ہے اسی طرح الوُلد ضمہ کے ساتھ ہے۔ بنی اسد کی امثال سے وُلْدُكِ من دَمّٰی عَقِبَيْكِ اور کبھی الوُلد کی جمع الوُلْد ہوتا ہے جیسے اُسْد جمع ہے اَسَد کی اور الوِلد واؤ کے کسرہ کے ساتھ الوُلد میں ایک لغت ہے۔ نحاس نے کہا: ابو عبید نے ان کے درمیان فرق کیا ہے۔ اس نے کہا: الوَلَد اہل کے لیے ہوتا ہے اور الوُلد تمام کے لیے ہوتا ہے۔ ابو جعفر نے کہا: یہ قول مردود ہے، اہل لغت میں سے کوئی اسے نہیں جانتا۔ الوَلد اور الوُلد دونوں آدمی کی اولاد اور اولاد کی اولاد کے لیے ہوتے ہیں۔ وَلَد اکلام عرب میں اکثر ہوتا ہے؛ جیسے شاعر نے کہا:

مَهلًا فداء لَكَ الأقوامُ كلُّهم　　وما أُثَمِّر مِنْ مالٍ ومن وَلَدِ

ابو جعفر نے کہا: میں نے محمد بن ولید کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے وُلْد کا وَلَد کی جمع ہونا جائز ہے، جیسے کہا جاتا ہے: وَثَنٌ و وُثْن۔ اَسَد و اُسْدٌ۔ ولد اور وُلد کا ہم معنی ہونا بھی جائز ہے، جیسے کہا جاتا ہے: عجم و عُجم، عَرَب و عُرْبٌ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ﴿۸۹﴾، ادًّا کا مطلب ہے سخت ممنوع اور قبیح چیز، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد وغیرہما سے مروی ہے۔ جوہری نے کہا: الادّ، الادة الداهية والامر العظيم۔ اس کا معنی ہے ہولناک اور سخت ترین امر ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا اسی طرح الآدّ، مثل فاعل ہے اور الادة کی جمع اِدَدٌ، ہے أدّت فلانا داهيةٌ تؤدُّه أدًّا، فلاں کو سخت شدت نے آلیا۔ الادّ کا معنی غلبہ اور قوت بھی ہے۔ زجاج نے کہا:

نَفُوْنَ عَنِّی شِدَّةً وَاَدًّا مِن بَعْدِ مَاكُنْتُ صُمُلًّا جَلْدًا

ابوعبدالرحمٰن سلمی نے کہا: اَدًّا ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے جب کوئی انتہائی ناپسندیدہ کام کرے۔ راجز نے کہا:

قد لقی الأقران مِنّی نُكْرًا داهِيَةً دهياء إِدًّا إِمْرًا (1)

نحاس کے علاوہ سے مروی ہے ثعلبی نے کہا: اس میں تین لغات ہیں۔ إِدًّا ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ، یہ قرأت عامہ ہے۔ أَدًّا ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ، یہ سلمی کی قرات ہے۔ اور آدٌ مثل مادٍ یہ بعض عربوں کی لغت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابوالعالیہ سے بھی مروی ہے گویا یہ الثقل کے معنی سے ماخوذ ہے۔ کہا جاتا ہے: أدّه الحمل يؤده أوداً، بوجھ نے اسے بوجھل کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یہاں اور سورۃ الشوریٰ میں قرأت عامہ تاء کے ساتھ ہے۔ نافع، یحییٰ اور کسائی کی قرأت يكاد یاء کے ساتھ ہے کیونکہ فعل مقدم ہے۔ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ، یعنی اس سے پھٹ جائیں۔ نافع، ابن کثیر اور حفص وغیرہم نے یا کے بعد تا اور طا کی شد کے ساتھ پڑھا ہے، یہاں بھی اور سورۃ الشوریٰ میں التفطر سے مشتق کیا ہے۔ حمزہ اور ابن عامر نے سورۃ الشوریٰ میں ان کی موافقت کی ہے اور یہاں الإنفطار سے مشتق ينفطرن پڑھا ہے اسی طرح ابوعمرو، ابوبکر اور مفضل نے دونوں سورتوں میں انفطار سے مشتق پڑھا ہے؛ اور یہی ابوعبید کا اختیار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝ (الانفطار) السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ (المزمل: 18) اور اللہ کا ارشاد ہے: وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ یعنی زمین پھٹ جائے گی۔ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے هدما یعنی سخت آواز کے ساتھ پہاڑ گریں گے۔ حدیث شریف میں ہے: اللهم إني أعوذبك من الهد والهدة، اے اللہ! میں هد اور الهدة سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ شمر نے کہا: احمد بن غیاث مروزی نے کہا: الهد کا معنی گرنا ہے اور الهدة کا معنی زمین میں دھنسنا ہے۔ اللیث نے کہا: الهد سے مراد سخت گرنا ہے جیسے دیوار یکبارگی گرتی ہے۔ کہا جاتا ہے: هدني الأمروهد ركني، یعنی اس نے مجھے توڑ دیا اور مجھ پر بہت اثر کیا؛ یہ ہروی کا قول ہے۔ جوہری نے کہا: هد البناء يهده هدا یعنی اس نے دیوار کو توڑ دیا ہلا دیا۔ هدته المصيبة، مصیبت نے اسے کمزور کر دیا، إنهد الجبل پہاڑ ٹوٹ گیا۔ اصمعی نے کہا: الهد کمزور آدمی۔ جب کوئی شخص کسی کو دھمکی دیتا ہے تو کہتا ہے: إني لغيرهد یعنی میں کمزور آدمی نہیں ہوں۔ ابن اعرابی نے کہا: الهد مردوں میں سے سخی آدمی۔ رہا بزدل کمزور آدمی تو اسے الهِدّ (ھاء کے کسرہ کے ساتھ) کہتے ہیں؛ شاعر نے کہا:

لَيْسُوا بِهِدِّينَ فِي الْحُرُوبِ إِذَا تُعْقَدُ فَوقَ الْحَرَاقِفِ النُّطُقُ

الهدة اس آواز کو کہتے ہیں جب دیوار گرتی ہے تو کہتا ہے: هَدَّ يَهِدُّ هَدِيدًا۔ الهاد اس آواز کو کہتے ہیں جس کو اہل ساحل سنتے ہیں جو دریا کی طرف سے آتی ہے اس کی زمین میں آواز ہوتی ہے۔ اسی سے بعض اوقات زلزلہ آتا ہے۔ دويه اس کی آواز۔ نحاس نے کہا: هدا مصدر ہے کیونکہ تخر کا معنی تهد ہے۔ دوسروں نے کہا: یہ حال ہے اور مهدودة کے معنی میں ہے۔ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا، أن فراء کے نزدیک محل نصب میں ہے۔ اس کا معنی ہے لأن دعوا اور من أن دعوا، حرف جر کو حذف

1۔ تفسیر طبری، جز 16، صفحہ 149

کر کے نصب دی گئی ہے۔ فراء اور کسائی نے کہا: یہ محل جر میں ہے اور حرف جر مقدر ہے۔ ابن المبارک نے ذکر کیا ہے کہ ہمیں مسعر نے بتایا انہوں نے واصل سے انہوں نے عون بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے فرمایا حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا: ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ سے کہتا ہے: اے فلاں! کیا آج تیرے پاس سے کوئی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا گزرا ہے۔ اگر وہ ہاں کہتا ہے تو اسے اس سے خوشی ہوتی ہے پھر حضرت عبد اللہ نے یہ آیت پڑھی۔ وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ فرمایا: کیا تو ان پہاڑوں کو دیکھتا ہے کہ یہ جھوٹ کو سنتے ہیں اور خیر کو نہیں سنتے؟ فرمایا: مجھے عوف نے بتایا انہوں نے غالب بن عجرد سے روایت کیا انہوں نے کہا مجھے شام کے شخص نے منیٰ کی مسجد میں بتایا اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جب زمین کو پیدا کیا اور جو کچھ اس میں درخت ہیں انہیں پیدا کیا زمین میں کوئی درخت ایسا نہ تھا بنو آدم جس کے پاس آتے مگر وہ اس درخت سے منفعت پاتے ان کے لیے اس سے منفعت ہوتی زمین اور درخت اسی طرح تھے حتی کہ بنی آدم کے کافروں نے یہ بڑا بول بولا کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنالیا، جب انہوں نے یہ کہا، تو زمین کانپ گئی اور درختوں کے کانٹے نکل آئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: پہاڑ اور تمام درخت کانپ گئے دریا، ان میں رہنے والی مچھلیاں کانپ گئیں اس وجہ سے مچھلیوں میں کانٹے ہو گئے اور درختوں میں کانٹے ہو گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا: اور حضرت کعب نے فرمایا آسمان، زمین، پہاڑ اور تمام مخلوق گھبرا گئی مگر جن وانس نہ ڈرے، قریب تھا کہ آسمان اور زمین زائل ہو جائے۔ فرشتے غصہ میں آئے اور جہنم بھڑک اٹھی اور درختوں کے کانٹے نکل آئے۔ زمین خشک اور بنجر ہو گئی جب لوگوں نے کہا: اتخذ اللہ ولدا۔ محمد بن کعب نے فرمایا: قریب تھا کہ اللہ کے دشمن ہم پر قیامت برپا کر دیتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾، اور ابن عربی نے کہا(1): کعب نے سچ کہا کہ یہ قول ہی بہت بڑا ہے اس کے متعلق قضاء وقدر ہو چکی ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کافر کا کفر کم مرتبہ نہیں کرتا اور کسی مومن کا ایمان اسے بلند نہیں کرتا اور اس کی ملک میں مومن کا ایمان اضافہ نہیں کرتا اسی طرح اس کی ملک سے کسی اعتبار سے کمی نہیں کرتا تو زبانوں پر ایسے کلمات جاری ہی نہ ہوتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ قدوس، حکیم، حلیم ہے اس کے بعد وہ کافروں کے کسی قول کی کوئی پروا نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے بیٹے کی نفی کی کیونکہ بیٹا ہونا جنسیت اور حدوث کا تقاضا کرتا ہے جیسا کہ ہم نے سورۂ بقرہ میں بیان کیا یعنی اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق یہ نہیں اس کے ساتھ اس کا یہ وصف بیان کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کے حق میں یہ جائز ہے کیونکہ بیٹا ہمیشہ والد سے ہوتا ہے پھر اس کا بھی والد اور اصل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور منزہ ہے۔ شاعر نے کہا:

فی رأس خَلْقَاء من عَنْقَاء مُشْرِفَةٍ　　ما ينبغی دونها سَهْلٌ ولا جَبَلُ(2)

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾ اِنْ نافیہ بمعنی ما ہے یعنی آسمانوں اور زمین میں کوئی ایسا

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1253　　2۔ تفسیر طبری، جز 17، صفحہ 151

نہیں ہے مگر وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے لیے عبودیت کا اقرار کرنے والا ہوگا اور اس کی بارگاہ میں عجز و انکساری کرنے والا ہو گا جیسا کہ فرمایا: وَ كُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ۝ (النمل) یعنی تمام اس کی بارگاہ میں عجز و انکساری کا اظہار کرتے ہوئے آئیں گے ساری مخلوق اس کے غلام ہیں پھر اس مخلوق میں سے کون اس کا بیٹا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ بلند و بالا ہے اس سے جو یہ کہتے ہیں اور جو کچھ یہ منکر بیان کرتے ہیں، اٰتِي لکھنے میں یاء کے ساتھ ہے اصل تنوین ہے۔ پس یہ استخفافاً حذف کی گئی ہے اور مضاف کیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ بیٹا والد کے لیے مملوک نہ ہوگا بخلاف اس شخص کے جو کہتا ہے کہ وہ اسے خریدے گا اور مالک ہو جائے گا اور وہ اس پر آزاد نہ ہوگا مگر جب وہ خود اسے آزاد کرے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اولاد ہونے اور ملک ہونے میں منافات ظاہر فرمائی ہے جب باپ بیٹے کا کسی اعتبار سے مالک ہوگا تو وہ اس پر آزاد ہو جائے گا اس دلیل کی وجہ اس آیت سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ولدیت اور عبدیت کو تقابل کی دو طرفوں میں رکھا ہے ایک کی نفی سے دوسری کا اثبات ہوگا اگر دونوں جمع ہوتیں تو اس کے قول کا کوئی فائدہ حاصل نہ ہوتا جس کے ساتھ احتجاج واقع ہوتا۔ صحیح حدیث میں ہے ''کوئی بیٹا اپنے والد کا حق ادا نہیں کر سکتا مگر وہ اسے مملوک پائے پھر اسے خریدے اور اسے آزاد کر دے'' (1)۔ جب باپ اپنے بیٹے کا مالک نہیں ہوتا حالانکہ باپ کو بیٹے پر ایک مرتبہ حاصل ہے تو بیٹا بدرجہ اولیٰ باپ کا مالک نہ ہوگا کیونکہ وہ مرتبہ میں اس سے کم ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اسحاق بن راہویہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: من اعتق شرکاً له فی عبد، سے استدلال کیا ہے اس سے مراد مذکر غلام ہیں عورتیں نہیں ہیں۔ پس اس پر مکمل نہ ہوگا جس نے مؤنث میں سے اپنا حصہ آزاد کیا۔ یہ جمہور علماء سلف کے نظریہ کے خلاف ہے کیونکہ جمہور نے مذکر اور مونث میں فرق نہیں کیا ہے کیونکہ عبد کے لفظ سے جنس مراد ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا۝ یہ ارشاد مذکر، مونث تمام غلاموں کو شامل ہے۔ اور اسحاق نے دلیل پکڑی ہے کہ عبدۃ مونث حکایت کیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ابن آدم نے میری تکذیب کی ہے اسے یہ جائز نہیں تھا اور اس نے مجھے برا کہا حالانکہ یہ اس کو جائز نہ تھا اور رہا اس کا میری تکذیب کرنا تو اس کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دوبارہ پیدا نہیں کرے گا جس طرح پہلے کیا تھا جبکہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا مجھ پر اس کے اعادہ سے آسان نہیں تھا اور اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنالیا ہے حالانکہ میں یکتا ہوں، بے نیاز ہوں نہ اس نے کسی کو جنم دیا ہے اور نہ وہ جنم دیا گیا ہے۔ اور نہ میرا کوئی ہمسر ہے''۔ (2) سورۂ بقرہ میں یہ گزر چکا ہے اس جیسی جگہ میں اس کا اعادہ بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ یعنی ان کی تعداد کا اسے علم ہے۔ وَ عَدَّهُمْ عَدًّا یہ تاکید کے لیے ہے یعنی اس پر ان میں سے کوئی مخفی نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کے اسماء میں المحصی بھی ہے یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں موجود ہے جس کو ترمذی

1۔ مسند احمد، حدیث نمبر 7143
2۔ مشکوۃ المصابیح کتاب الایمان الفصل الاول

نے نقل کیا ہے اس فعل کا اشتقاق بھی اس پر دلالت کر رہا ہے۔ استاذ ابو اسحاق اسفرائینی نے کہا: اسماء الٰہیہ میں سے المحصی بھی ہے اور یہ مختص ہے کہ کثرت اسے غافل نہیں کرتی جیسے نور کی روشنی اور ہوا کا تیز چلنا اور پتوں کا گرنا وغیرہ وہ ہر پتے میں حرکات کے اجزاء کو اس وقت جانتا ہے پھر وہ کیسے نہیں جانتا جبکہ اس نے سب کچھ پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ؕ وَ هُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۱۴﴾ (الملک)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر میں ہے کہ: لَقَدۡ اَحۡصٰىهُمۡ وَ عَدَّهُمۡ عَدًّا کا معنی یہ ہے کہ وہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ اس کی عبودیت کا اقرار کریں اور اس کے لیے ربوبیت کی گواہی دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كُلُّهُمۡ اٰتِیۡهِ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ فَرۡدًا ﴿۹۵﴾ یعنی تنہا آئے گا اس کا کوئی مددگار نہ ہوگا اور نہ اس کے ساتھ مال ہوگا تا کہ وہ اس سے نفع حاصل کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَوۡمَ لَا یَنۡفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوۡنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنۡ اَتَى اللّٰهَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ ﴿۸۹﴾ (الشعراء) پس اسے کوئی چیز نفع نہ دے گی مگر جو اس نے عمل آگے بھیجا ہوگا اور فرمایا: كُلُّهُمۡ اٰتِیۡهِ، یہ لفظ کل کے اعتبار سے ہے اور معنی کے اعتبار سے آتوہ ہے۔ قشیری نے کہا: اس میں اشارہ ہے کہ تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے کہ تم اپنی اولادوں کو غلام بناؤ حالانکہ وہ سب غلام ہیں تو پھر تم اس کے لیے وہ کیسے پسند کرتے ہو جو تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے؟ ان کی اس کی مثل میں رد فرمایا کہ وہ اپنے لیے بیٹیوں کو پسند نہیں کرتے اور وہ کہتے ہیں: فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے اور انہوں نے کہا: مورتیاں اللہ کی بیٹیاں ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمۡ فَلَا یَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ یَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمۡ (الانعام:136)

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾

”بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے پیدا فرمادے گا خدائے مہربان ان کے لیے (دلوں میں) محبت“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا، یعنی جنہوں نے تصدیق کی۔ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ یعنی اپنے بندوں کے دلوں میں محبت پیدا فرمادے گا جیسا کہ امام ترمذی نے حضرت سعد اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو جبریل سے فرماتا ہے میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر“۔ فرمایا: ”پھر آسمان میں ندا دیتا ہے پھر اس کے لیے محبت کو اہل زمین میں اُتارتا ہے“۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے: سَیَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ ”اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو ناپسند فرماتا ہے تو جبریل سے فرماتا ہے میں فلاں کو ناپسند کرتا ہوں پھر آسمان میں منادی کر دی جاتی ہے پھر اس کے لیے نفرت زمین میں اتاری جاتی ہے“۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے(1)۔ امام بخاری اور امام مسلم نے اس کا مفہوم ذکر کیا ہے۔ امام مالک نے مؤطا میں روایت کی ہے اور نوادر الاصول میں بھی مروی ہے، ابوبکر بن سابق اموی نے ہمیں بیان فرمایا انہوں نے کہا ہمیں ابو مالک جنبی نے بیان کیا انہوں نے جویبر سے انہوں نے ضحاک سے انہوں نے حضرت

1۔ جامع ترمذی، سورۂ مریم، جلد 2، صفحہ 145۔ ایضاً، حدیث نمبر 3085، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ مومن کے لیے محبت، ملاحت اور الفت نیک لوگوں کے سینوں میں اور ملائکہ مقربین میں پیدا فرماتا ہے پھر یہ آیت پڑھی: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ علماء کا اختلاف ہے کہ یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ بعض علماء نے فرمایا: یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت براء بن عازب نے روایت کیا ہے فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے علی تم یہ کہو: اللّٰهم اجعل لی عندك عهداً واجعل لی فی قلوب المومنین مودة (1) (اے اللہ! میرے لیے اپنی بارگاہ سے عہد بنادے اور میرے لیے مومنین کے دلوں میں محبت ڈال دے) تو یہ آیت نازل ہوئی؛ یہ ثعلبی نے ذکر فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ عبدالرحمٰن بن عوف کے بارے میں نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بندوں کے دلوں میں محبت ڈال دی ہے انہیں کوئی مومن نہیں ملتا مگر وہ اس کی عزت کرتا تھا اور کوئی مشرک و منافق نہیں ملتا تھا مگر وہ ان کی تعظیم کرتا تھا۔ حرم بن حیان کہتے تھے: جب کوئی شخص اللہ کی بارگاہ میں سچے دل سے آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے دلوں کو اس کی طرف متوجہ کردیتا ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ ان کی محبت و رحمت اسے عطا فرماتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کے لیے مومنین کے دلوں میں اور فرشتوں میں محبت ڈال دے گا۔

میں کہتا ہوں: جب دو نیا میں محبوب تھا تو آخرت میں بھی محبوب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ صرف مومن متقی سے محبت فرماتا ہے اور وہ پسند نہیں فرماتا مگر خالص متقی کو۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں بھی ان نیک لوگوں سے کرے۔ امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر پس جبریل بھی اس سے محبت کرتا ہے پھر وہ آسمان میں منادی کرتا ہے اور کہتا ہے: اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے پس تم اس سے محبت کرو، پس آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں'' (2)۔ فرمایا: ''پھر اس کی قبولیت زمین میں رکھی جاتی ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بغض کرتا ہے تو وہ جبریل کو بلاتا ہے اور کہتا ہے: میں فلاں بندے کو ناپسند کرتا ہوں تو بھی اسے ناپسند کر'' فرمایا ''پھر جبریل اسے ناپسند کرتا ہے۔ پھر وہ آسمان والوں میں منادی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں کو ناپسند کرتا ہے تو بھی اسے ناپسند کر''۔ فرمایا: ''وہ اسے ناپسند کرتے ہیں پھر اس کی نفرت زمین میں رکھی جاتی ہے''۔

فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾

''صرف اس لیے ہم نے آسان کردیا ہے قرآن کو آپ کی زبان میں اُتار کر آپ مژدہ سنائیں اس سے پرہیز گاروں کو اور ڈرائیں اس کے ذریعے اس قوم کو جو بڑی جھگڑالو ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ یعنی ہم نے آپ کی عربی زبان میں قرآن کو بیان کیا اور ہم نے اسے غور و فکر

1۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، کلام الرب مع جبرائیل ونداء اللہ و ملائکۃ، جلد 2، صفحہ 115

2۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، إذا أحب اللہ عبداً أحبه إلى عبادہ، جلد 2، صفحہ 231

کرنے والے پر آسان بنا دیا۔ بعض علماء نے فرمایا: ہم نے اسے تجھ پر عرب کی زبان میں نازل کیا تاکہ ان پر اس کا سمجھنا آسان ہو جائے۔ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ یعنی اس کے ساتھ آپ مومنین کو بشارت دیں۔ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾ اللدجمع ہے الالد کی سخت جھگڑالو آدمی؛ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الدّ الخصام۔ شاعر نے کہا:

أبيت نجيا للهموم كأنني　　أخاصم أقواماً ذوی جدل لدا

ابوعبیدہ نے کہا: الالد اسے کہتے ہیں جو حق کو قبول نہ کرتا ہو اور باطل کا دعویٰ کرتا ہو۔ حسن نے کہا: اللد حق سننے سے بہرا شخص۔ ربیع نے کہا: دلوں کے کان جن کے بہرے ہوں۔ مجاہد نے کہا: اس سے مجاز ہے (1)۔ ضحاک نے کہا: باطل میں جھگڑنے والے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جھگڑے میں سختی کرنے والے۔ بعض نے فرمایا: ظالم وہ ہوتا ہے جو سیدھا نہیں ہوتا۔ سب مفہوم ایک جیسے ہیں۔ یہ لوگ خاص کیے گئے ہیں انذار کے لیے جس کے پاس عناد نہیں ہوتا اس کا مطیع ہونا آسان ہوتا ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ۭ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾

''اور کتنی قومیں تھیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا ان سے پہلے کیا محسوس کرتے ہو ان میں کسی کو یا سنتے ہوں ان کی کوئی آہٹ''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ قرن سے مراد امت ہے اور جماعت ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل مکہ کو ڈرا رہا ہے۔ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾ احد محل نصب میں ہے یعنی هل ترىٰ منهم أحدا أو تجد کیا ان میں سے کسی کو آپ دیکھتے ہیں۔ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا یا ان کے لیے کوئی آواز سنتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے یعنی وہ مر چکے ہیں اور اپنے اعمال پر اجر حاصل کر چکے ہیں۔ بعض نے فرمایا: الرکز وہ آواز یا حرکت جو سمجھی نہ جا سکے یہ یزیدی اور ابوعبیدہ کا قول ہے جیسے رکز الکتیبۃ، لشکر کی آہٹ۔ ابوعبیدہ نے لبید کا شعر بطور استشہاد لکھا ہے:

وَتَوَجَّسَتْ رِكْزَ الأنيس فراعها　　عن ظهر غيب والأنيس سقامها

بعض نے فرمایا: اس سے مراد مخفی آواز ہے، اس سے رکز الرمح بولا جاتا ہے جب نیزے کی ایک طرف زمین میں غیب ہو جائے۔ طرفہ نے کہا:

وَصَادِقَتَا سَمْعِ التَّوَجُّسِ للسُّرَى　　لِرِكْزٍ خَفِيٍّ أو لصوتٍ مُنَدَّدِ

اور ذوالرمۃ ایک بیل کی تعریف کرتا ہے جو شکاری اور کتوں کی آواز سنتا ہے:

إذا توجس رِكْزًا مقفرٌ نَدِسٌ　　بنبأةِ الصوتِ مافى سمعه كذب

یعنی اس کے سننے میں جھوٹ نہیں یعنی وہ سننے میں سچا ہے۔ الندس ماہر کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: ندِس وندُس جیسے کہا جاتا ہے: حذِرٌ وحذُرٌ، ويقِظٌ يقُظٌ، النبأة، آہستہ آواز۔ اسی طرح الرکز ہے اور الرکاز اس مال کو کہتے ہیں جو دفن کیا گیا ہو؛ واللہ اعلم بالصواب۔

1۔ تفسیر طبری، جز 16-15، صفحہ 154

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۂ طٰہٰ

(آیاتہا ۱۳۵) (۲۰ سُوۡرَۃُ طٰہٰ مَکِّیَّۃٌ ۴۵) (رکوعاتہا ۸)

سورۂ طٰہٰ تمام علماء کے نزدیک مکی ہے یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ دارقطنی اپنی سنن میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا (1) فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی تلوار لٹکائے ہوئے نکلے تو انہیں بتایا گیا کہ تمہارا بہنوئی اور تمہاری بہن دین چھوڑ چکے ہیں۔ عمر ان کے پاس آئے ان کے پاس ایک مہاجر شخص تھا☆ جس کو خباب کہا جاتا تھا وہ سورۂ طٰہٰ تلاوت کر رہے تھے۔ عمر نے کہا: وہ کتاب مجھے دو جو تمہارے پاس ہے تاکہ میں اسے پڑھوں۔ عمر کتابیں پڑھتے تھے۔ عمر کو ان کی بہن نے کہا: تو ناپاک ہے اور اس قرآن کو صرف پاک ہی چھو سکتے ہیں تم اٹھو غسل کر دیا وضو کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور وضو کیا قرآن حکیم کو پکڑا اور پڑھا طٰہٰ۔ یہ ابن اسحاق نے تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔ عمر اپنی تلوار لٹکائے ہوئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادے سے نکلے انہیں نعیم بن عبد اللہ ملے، اس نے پوچھا: اے عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟ عمر نے کہا: میں محمد کا ارادہ کر کے جا رہا ہوں جس نے ہمارا دین چھوڑ دیا ہے اور جس نے قریش کی جمعیت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اور قریش کے دانشوروں کو بیوقوف بنایا ہے اور ان کے دین پر عیب لگایا ہے اور ان کے معبودوں کو برا کہا ہے۔ پس میں اسے قتل کروں گا۔ نعیم نے اسے کہا: اللہ کی قسم! اے عمر تجھے تیرے نفس نے دھوکا دیا ہے کیا تجھے بنی عبد مناف زمین پر چلتا رہنے دیں گے جبکہ تو محمد کو قتل کر چکا ہوگا، کیا تو اپنے گھر والوں کی طرف نہیں جاتا تاکہ ان کا معاملہ سیدھا کرے؟ عمر نے پوچھا: میرے گھر والے؟ اس نے کہا: تیرا بہنوئی اور تیرے چچا کا بیٹا سعید بن زید اور تیری بہن فاطمہ بنت خطاب، اللہ کی قسم! دونوں اسلام قبول کر چکے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے پیروکار ہو چکے ہیں تجھے لازم ہے کہ ان کی خبر لو۔ عمر اپنے بہنوئی اور بہن کی طرف لوٹا ان کے پاس حضرت خباب بن ارت بھی تھے ان کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں سورۂ طٰہٰ تھی وہ ان دونوں کو پڑھا رہے تھے جب انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آمد محسوس کی تو حضرت خباب ان کی کوٹھری میں چھپ گئے یا کسی کمرے میں غائب ہو گئے۔ حضرت فاطمہ بنت خطاب نے صحیفہ پکڑا اور اپنی ران کے نیچے کر لیا۔ عمر نے حضرت خباب کی قرأت کو سن لیا جو ان دونوں کو پڑھا رہے تھے جب وہ گھر کے قریب ہوئے تھے جب داخل ہوئے تو پوچھا: جو میں نے مخفی آواز سنی ہے وہ کیسی تھی؟ سعید اور ان کی زوجہ نے کہا: تو نے کچھ نہیں سنا۔ عمر نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے بتایا گیا ہے کہ تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی پیروی شروع کر دی ہے عمر نے اپنے بہنوئی سعید بن زید کو پکڑ لیا۔ حضرت فاطمہ بنت خطاب اٹھی تاکہ اپنے خاوند کو عمر سے بچائیں عمر نے اسے بھی مار کر زخمی کر دیا۔ جب عمر نے ایسا کیا تو عمر کو اس کی بہن اور بہنوئی نے کہا: ہاں، ہم اسلام لا چکے ہیں اور

1۔ سنن دار قطنی، کتاب الطہارۃ، نہی عن المحدث عن مس القرآن، جلد 1، صفحہ 123

☆ جنہوں نے بعد میں ہجرت کی۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکے ہیں جو تیرے جی میں آئے کر۔ جب عمر نے اپنی بہن کا خون دیکھا تو اپنے کیے پر شرمندہ ہوا اور پریشان ہوا اس نے اپنی بہن سے کہا: مجھے وہ صحیفہ دے جس کو پڑھتا ہوا میں نے تجھے سنا ہے میں دیکھوں کہ وہ کیا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں عمر کاتب تھا جب اس نے یہ کہا تو اس کی بہن نے کہا: ہمیں تیرا خوف ہے کہ تو اس کی بحرمتی کرے گا۔ عمر نے کہا: تم خوف نہ کھاؤ، عمر نے اپنے خداؤں کی قسم اٹھائی کہ وہ صحیفہ واپس کر دے گا جب وہ پڑھ لے گا۔ جب عمر نے یہ کہا تو اس کو عمر کے اسلام لانے کی امید ہوگئی، بہن نے عمر سے کہا: اے میرے بھائی! تو اپنے شرک کی بنا پر نجس ہے اور اسے صرف پاک ہی چھو سکتا ہے۔ عمر اٹھا اور غسل کیا۔ بہن نے وہ صحیفہ عمر کو دے دیا اس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ عمر نے اسے پڑھا اور بے ساختہ کہا: یہ کلام کتنا عمدہ اور خوبصورت ہے اور کتنا معتزز ہے! جب حضرت خباب نے یہ سنا تو باہر نکل آئے اور کہا: اے عمر! اللہ کی قسم! میں امید کرتا ہوں اللہ تعالیٰ تجھے اپنے نبی کی دعا کے ساتھ خاص کر دے گا میں نے کل نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا مانگتے سنا ہے: اللهم أيد الاسلام بأبي الحكم بن هشام أو بعمر بن الخطاب (اے اللہ! ابوالحکم بن ہشام یا عمر بن خطاب کے ساتھ اسلام کی تائید اور قوت فرما) اللہ، اللہ اے عمر! اس وقت عمر نے کہا: اے خباب! محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر میری راہنمائی کرتا کہ میں ان کے پاس جا کر اسلام قبول کرلوں۔

مسئلہ: دارمی ابو محمد نے اپنی مسند میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے سورۂ طٰہٰ اور سورۂ یٰسین آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے پڑھی، جب ملائکہ نے قرآن سنا تو کہا: مبارک ہو اس امت کو جس پر یہ قرآن نازل ہوگا اور مبارک ہو ان سینوں کو جو اسے یاد رکھیں گے، مبارک ہو ان زبانوں کو جو اس کی تلاوت کریں گی''۔ ابن فورک نے کہا: اللہ تعالیٰ کے پڑھنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت فرشتوں میں سے جن کو اپنا کلام سمجھایا، سنایا اور ظاہر کیا۔ عرب کہتے ہیں: قرأت الشئ جب تو اس میں غور و فکر کرے اور عرب کہتے ہیں: ما قرأت هذه الناقة في رحمها سلى قط، یعنی اس اونٹنی کے رحم میں کبھی بچہ ظاہر نہیں ہوا۔ اس بنا پر کلام آسان ہوگا۔ قرات سے مراد عبارات کا سمجھنا اور سنانا ہے جس کو تخلیق فرمایا اور لکھوانا ہے جس کو بیان فرمایا ہے۔ ہمارے قول: قرأنا كلام الله کا یہی مفہوم ہے۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (المزمل: 20) اور فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ (المزمل: 20) کا یہی معنی ہے۔ ہمارے اصحاب میں سے بعض نے کہا کہ قرء کا معنی ہے تکلم بہ اور یہ مجاز ہے جیسے ان کا قول ہے: ذقت هذا القول ذواقا، اس کا معنی ہے میں نے اس کو آزمایا، اسی سے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ (النحل) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کے ساتھ آزمایا۔ اس کو ذواق کہا گیا۔ خوف حقیقت میں چکھا نہیں جاتا کیونکہ ذوق حقیقت میں منہ کے ساتھ ہوتا ہے، دوسرے جوارح سے نہیں ہوتا۔ ابن فورک نے کہا: جو ہم نے پہلے کہا وہ اس خبر کی تاویل میں اصح ہے کیونکہ اللہ کا کلام ازلی ہے، قدیم ہے، جملہ حوادث سے پہلے ہے۔ اس نے اپنی مخلوق میں سے جس کو جس وقت چاہا سنایا اور سمجھایا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے کلام کا عین مدت اور زمانہ کے ساتھ متعلق ہوتا ہے۔

طٰهٰ ﴿۱﴾ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ﴿۲﴾ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۳﴾ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ

خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۝

''طا۔ ھا۔ نہیں اُتارا ہم نے آپ پر یہ قرآن کہ آپ مشقت میں پڑیں۔ بلکہ یہ نصیحت ہے اس کے واسطے جو (اپنے رب سے) ڈرتا ہے۔ یہ اُتارا گیا ہے اس ذات کی طرف سے جس نے پیدا فرمایا زمین کو اور بلند آسمانوں کو۔ وہ بے حد مہربان (کائنات کی فرمانروائی کے) تخت پر متمکن ہوا، اُسی کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور جو کچھ گیلی مٹی کے نیچے ہے۔ اور تو بلند آواز سے بات کرے (تو تیری مرضی) وہ تو بلاشبہ جانتا ہے رازوں کو بھی اور بھیدوں کو بھی۔ اللہ (وہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے اس کے لیے بڑے خوبصورت نام ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: طٰہٰ ۝ اس کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ اسرار میں سے ہے؛ غزنوی نے یہ ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی ہے یا رجل (اے شخص) یہ بیہقی نے ذکر کیا ہے۔ بعض نے فرمایا: عکل قبیلہ کی معروف لغت ہے۔ بعض نے فرمایا: عک قبیلہ کی لغت ہے۔ کلبی نے کہا: اگر عک قبیلہ کے کسی شخص کو یا رجل کہے گا تو جواب نہیں دے گا حتیٰ کہ تو طہ کہے۔ طبری نے اس کے متعلق ایک شعر لکھا ہے:

دعوت بطٰهَ في القتال فلم يُجِبْ فخفتُ عليه أن يكون مُوَائِلا (1)

اس شعر میں موئلا کی جگہ مزایلا بھی مروی ہے۔ عبد اللہ بن عمرو نے کہا: عک قبیلہ کی لغت میں اس کا معنی ہے یا حبیبی، اے میرے حبیب!۔ یہ قول غزنوی نے ذکر کیا ہے۔ قطرب نے کہا: یہ طی قبیلہ کی لغت ہے۔ یزید بن مہلہل نے کہا:

إنّ السَّفاهةَ طٰهَ من شمائلكم لابارك الله في القوم المَلَاعِين

اسی طرح حسن نے کہا کہ طہ کا معنی یا رجل ہے؛ یہی عکرمہ کا قول ہے۔ سریانی زبان میں بھی اسی طرح ہے؛ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ یہ ماوردی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد سے حکایت کیا ہے۔ طبری نے حکایت کیا ہے کہ نبطی زبان میں اس کا معنی یا رجل ہے، یہ سدی، سعید بن جبیر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

إن السفاهة طه من خلائقكم لاقدس الله أرواح الملاعين(2)

عکرمہ نے بھی یہ کہا ہے کہ حبشی زبان میں یا رجل کی طرح ہے؛ یہ قول ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اگرچہ دوسری لغات میں بھی یہ لفظ ہے لیکن یہ عربی لغت سے بھی ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے، یہ عک، طی اور عکل میں یمنی لغت ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور قسم ہے۔ اس کے ساتھ قسم اٹھائی گئی ہے؛ یہ بھی حضرت ابن

1۔ تفسیر طبری، جز 16، صفحہ 158
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 3، صفحہ 392

عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کا یہ نام رکھا ہے جس طرح کہ محمد نام بھی اس نے رکھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "میرے رب کی بارگاہ میں دس اسماء ہیں" ان میں طٰہٰ اور یٰسین کا ذکر کیا ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ سورت کا نام ہے اور اس کے لیے چابی ہے۔ بعض نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کلام سے اختصار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم علیہ السلام کو اس کے علم کے ساتھ خاص فرمایا ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ حروف مقطعات ہیں ہر لفظ ایک خاص معنی پر دلالت کرتا ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: طا سے مراد شجرہ طوبیٰ ہے اور ھا سے مراد النار الهاوية ہے۔ عرب کسی چیز کو اس کے جز سے تعبیر کر دیتے ہیں گویا جنت اور دوزخ کی قسم اٹھائی۔ سعید بن جبیر نے کہا: طا اللہ تعالیٰ کے اسم طاہر اور طلب کا اعادہ ہے اور ھا اللہ تعالیٰ کے اسم ھادی کا آغاز ہے۔ بعض نے فرمایا: طا سے مراد ہے اے امت کی شفاعت کے حریص! ھا سے ھادی الخلق الی اللہ کا معنی مراد ہے۔ بعض نے فرمایا: طا طہارت سے ہے اور ھا ہدایت سے ہے۔ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا: یاطاهرًا من الذنوب یاهادی الخلق إلى علام الغيوب (اے گناہوں سے مبرا! اے مخلوق کی علام الغیوب کی طرف راہنمائی کرنے والے) بعض نے فرمایا: طا سے مراد طبل جنگ ہے اور ھا سے مراد ان کی ہیبت ہے جو کافروں کے دلوں میں ڈالی جاتی ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے: سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ (آل عمران: 181) اور فرمایا: وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ (الاحزاب: 26) بعض نے فرمایا: طا سے مراد اہل جنت کا جنت میں خوش ہونا ہے اور ھا سے مراد یہ ہے کہ دوزخی دوزخ میں ذلیل ہوں گے۔ چھٹا قول یہ ہے کہ طٰہٰ کا معنی ہے مبارک ہے اس کو جس نے ہدایت پائی یہ مجاہد اور محمد بن حنفیہ کا قول ہے۔ ساتواں قول یہ ہے کہ طٰہٰ سے مراد طاء الأرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشقت برداشت کرتے تھے حتیٰ کہ پاؤں مبارک سوج جاتے تھے اور پاؤں متورم ہو جاتے تھے اور اپنے قدموں کے درمیان آرام کرنے کی احتیاج محسوس ہوتی تو آپ کو کہا گیا: طاء الارض یعنی آپ تھکیں نہیں کہ آپ کو آرام کی حاجت ہو، یہ انباری نے حکایت کیا ہے۔ قاضی عیاض نے "الشفاء" میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ربیع بن انس نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو ایک پاؤں پر کھڑے ہوتے اور دوسرا اٹھا لیتے تو اللہ تعالیٰ نے طٰہٰ نازل فرمایا۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر دوسرا پاؤں بھی رکھو۔ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى، زمخشری نے کہا: حسن سے مروی ہے طٰہٰ اور اس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ الوطاء سے امر کا صیغہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد میں ایک پاؤں پر کھڑے ہوتے تھے تو آپ کو حکم دیا گیا کہ دونوں پاؤں اکٹھے زمین پر رکھو یہ اصل میں طأتها ہمزہ کو ھ سے بدل دیا گیا جیسا کہ یطائیں الف سے بدل دیا گیا۔ یہ اس کے بارے میں ہے جس نے کہا: لاهناك المرتع پھر اس پر یہ امر بنایا گیا اور ھاء سکت کے لیے ہے۔ مجاہد نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رات کے وقت قیام کے لمبا ہونے کی وجہ سے نماز میں اپنے سینوں میں رسیاں باندھتے تھے پھر فرضی نماز کے ساتھ اس کو منسوخ کر دیا گیا، پس یہ آیت نازل ہوئی۔ کلبی نے کہا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں وحی نازل ہوئی تو آپ نے عبادت میں بہت زیادہ کوشش کی اور عبادت میں شدت کی اور ساری رات قیام فرماتے تھے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے نفس پر تخفیف کرنے کا حکم دیا پھر آپ نماز بھی پڑھتے تھے اور آرام بھی

کرتے تھے۔ پھر اس آیت نے رات کے قیام کو منسوخ کر دیا اس آیت کے بعد آپ نوافل بھی پڑھتے تھے اور سوتے بھی تھے۔ مقاتل اور ضحاک نے کہا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو کفار قریش کہتے: یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن اس لیے نازل ہوا ہے تا کہ آپ کو مشقت میں ڈالے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ فرمایا: طٰهٰ ۚ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ۙ یعنی ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ تھکیں، جیسا کہ آگے آئے گا۔ اس بناء پر طٰہٰ اصل میں طاھا ہوگا یعنی طا الأرض ضمیر کا مرجع الارض ہوگا یعنی اپنی نمازوں میں اپنے دونوں پاؤں زمین پر رکھو۔ ہمزہ میں تخفیف کی گئی اور وہ الف ساکن ہوگا۔ ایک جماعت نے طَهْ پڑھا ہے۔ اس کی اصل طأْ ہے اس کا معنی طأْ الأرض ہے۔ ہمزہ کو حذف کیا گیا اور ھاء السکت داخل کی گئی۔ زر بن جیش نے کہا: ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن مسعود پر طَهْ پڑھا تو حضرت عبد اللہ نے اسے فرمایا: طِهِ ہے۔ فرمایا: اے ابوعبد الرحمٰن! کیا یہ حکم نہیں دیا گیا کہ زمین کو اپنے دونوں پاؤں کے ساتھ روندو۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا: طِهِ، مجھے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح پڑھایا تھا۔ ابوعمر، ابواسحاق نے ھا کے امالہ کے ساتھ پڑھا ہے اور طا کو فتحہ دیا ہے۔ ابوبکر، حمزہ، کسائی اور اعمش نے دونوں میں امالہ کیا ہے۔ ابوجعفر، شیبہ اور نافع نے دونوں کو دونوں لفظوں کے بین بین پڑھا ہے۔ ابوعبیدہ نے اس کو اختیار کیا ہے اور باقی قراء نے تفخیم کے ساتھ پڑھا ہے۔ ثعلبی نے کہا: یہ تمام لغات صحیح اور فصیح ہیں۔ نحاس نے کہا: اکثر اہل عرب کے نزدیک دو وجوہ کی بنا پر امالہ کی کوئی وجہ نہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے یہاں نہ یا ہے اور نہ کسرہ تا کہ امالہ ہوتا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ طا ان حروف میں سے ہے جو امالہ کے مانع ہیں۔ یہ دونوں علتیں واضح ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ۙ یہ مانُزِّلَ علیك القرآن لتشقی بھی پڑھا گیا ہے۔ نحاس نے کہا: بعض نحویوں نے کہا یہ لام نفی ہے۔ بعض نے کہا: لام جحود ہے۔ ابوجعفر نے کہا: میں نے ابوالحسن بن کیسان کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لام جارہ ہے اس کا معنی ہے: ما انزلنا علیك القرآن للشقاء، الشقاء مد اور قصر کے ساتھ ہے یہ واوی ہے، الشقاء کا لغوی معنی تھکن اور مشقت ہے یعنی آپ کی مشقت کے لیے تو ہم نے آپ پر قرآن نازل نہیں کیا۔ شاعر نے کہا:

ذوالعقل یشقی فی النعیم بعقله وأخو الجهالة فی الشقاوة ینعم

پس لِتَشۡقٰٓى کا معنی ہے تا کہ آپ تھکیں ان پر فرط تاسف کی بنا پر کہ وہ ایمان لے آئیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمۡ (الکہف: 6)

یعنی آپ کے ذمہ صرف تبلیغ کرنا اور نصیحت کرنا ہے اور ان کا ایمان لانا آپ پر فرض نہیں کیا گیا اس کے بعد کہ آپ نے رسالت اور موعظہ حسنہ کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہ کی۔ روایت ہے کہ ابوجہل (لعنۃ اللہ علیہ) اور نضر بن حارث نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ آپ شقی ہیں کیونکہ آپ نے اپنے آباء کا دین ترک کر دیا ہے پس اس کا رد کیا گیا ہے کہ دین اسلام اور یہ قرآن تو ہر کامیابی کا زینہ ہے اور ہر سعادت کے حصول کا سبب ہے اور جس نظریہ پر کفار ہیں وہ نری شقاوت ہے۔ مذکورہ اقوال کی بنا پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نوافل پڑھتے تھے حتی کہ آپ کے پاؤں مبارک سوج جاتے تھے۔ جبریل نے کہا: حضور! اپنے نفس

پر شفقت کریں بیشک اس کا بھی آپ پر حق ہے یعنی ہم نے آپ پر قرآن نازل نہیں کیا تا کہ آپ کا نفس عبادت میں تھک جائے اور تکلیف ومشقت میں آپ اسے مبتلا کریں آپ کو تو آسان شریعت کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ ابو اسحاق زجاج نے کہا: یہ تشقی سے بدل ہے یعنی ما انزلناہ الا تذکرۃ اور نحاس نے کہا: یہ وجہ بہت بعید ہے۔ ابو علی نے اس کا انکار کیا ہے کیونکہ تذکرۃ، شقاءنہیں ہے۔ یہ مصدر کی بناء پر منصوب ہے یعنی أنزلناہ لتذکر بہ تذکرۃ یا مفعولہ لاجلہ کی بنا پر منصوب ہے یعنی مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى ۝ ما أنزلناہ إلا للتذکرۃ۔ حسین بن فضل نے کہا: اس میں تقدیم وتاخیر ہے، یعنی ما أنزلنا علیك القرآن إلا تذکرۃ لمن یخشیٰ ولئلا تشقی اور تنزیلا مصدر ہے یعنی نزلناہ تنزیلاً، بعض نے فرمایا: یہ تذکرۃ کے قول سے بدل ہے۔ ابو حیوہ شامی نے تنزیل مرفوع پڑھا ہے۔ اس معنی کی بناء پر ھذا تنزیلٌ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝، العلاء سے مراد بلند وبالا ہے یہ العلیا کی جمع ہے جیسے کبریٰ وصغریٰ، کُبَرٌ، صُغَرٌ اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد میں اپنی عظمت وجبروت اور جلال کی خبر دی ہے۔ پھر فرمایا: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى اس پر مدح کی بنا پر نصب جائز ہے۔ ابو اسحاق نے کہا: بدل کی بنا پر جر ہے۔ سعید بن مسعدہ نے کہا: رفع ھو الرحمٰن کے معنی کی بنا پر ہے۔ نحاس نے کہا: رفع مبتدا کی حیثیت سے ہے اور اس کی خبر لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ہے۔ پس استویٰ پر وقف نہ ہوگا اور خلق میں جو ضمیر مضمر ہے اس سے بدل کی بنا پر مرفوع ہو تو اس صورت میں استویٰ پر وقف جائز ہوگا اسی طرح جب مبتدا محذوف کی خبر کی بنا پر مرفوع ہوگا تو العلاء پر وقف نہ ہوگا۔ الاستویٰ کے معنی پر گفتگو سورۃ الاعراف میں گزر چکی ہے۔ شیخ ابو الحسن وغیرہ کا نظریہ یہ ہے کہ وہ بغیر حد وکیف کے اپنے عرش پر مستوی ہے جیسا کہ مخلوق کا استوا ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے پیدا کیا جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے اور جو کچھ قیامت کے بعد ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝، تَحْتَ الثَّرٰى سے مراد یہ ہے کہ اس چٹان کے نیچے جو کچھ ہے جس کے نیچے والی چیزوں کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ محمد بن کعب نے کہا: اس سے مراد ساتویں زمین ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: زمین مچھلی پر ہے اور مچھلی پانی پر ہے اور اس مچھلی کی دونوں طرفیں سر اور دُم عرش کے نیچے ملتی ہیں اور سمندر سبز چٹان پر ہے اور آسمان کا سبزہ اس وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اس کے متعلق ارشاد ہے: فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ (لقمان: 16) اور وہ چٹان بیل کے سینگ پر ہے اور وہ بیل الثریٰ پر ہے۔ اور ثریٰ کے نیچے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا☆۔ وہب بن منبہ نے کہا: سطح زمین پر سات سمندر ہیں اور زمینیں سات ہیں اور ہر دو زمینوں کے درمیان ایک سمندر ہے اور نیچے والا سمندر جہنم کے کنارے سے ملا ہوا ہے۔ اگر سمندر کی بڑائی،

☆ علامہ سید محمود آلوسی رقم طراز ہیں میرے نزدیک اس قسم کی روایات کا موضوع ہونا اقویٰ ہے۔ ابن قیم نے المنار المنیف جلد 1 صفحہ 78 میں لکھا ہے اس قسم کی فضول مرویات کے نقل کرنے والوں پر تعجب ہوتا ہے۔

پانی کی کثرت اور اس کی ٹھنڈک نہ ہوتی تو جہنم ہر اُس چیز کو جلا دیتی جو کچھ اس کے اوپر ہے۔ فرمایا: جہنم ہوا کے متن پر ہے اور ہوا کا متن تاریکی کے پردے پر ہے اس کی موٹائی کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ حجاب الثریٰ پر ہے اور الثریٰ تک خلائق کے علم کی انتہا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰى۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: السر سے کہتے ہیں جو انسان آہستہ طور پر بیان کرتا ہے اور اخفی سے مراد وہ ہے جو انسان دل میں چھپائے ہوئے ہوتا ہے اور اسے دوسرے کے سامنے بیان نہیں کرتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ السر سے مراد دل کی بات ہے اور اخفی سے مراد وہ ہے جسے تیرا نفس بیان کرتا ہے جو ابھی موجود نہیں ہے جبکہ وہ بعد میں ہوگا اور تو اسے جانتا ہے تو اپنے نفس سے آج بیان کرتا ہے اور کل کے متعلق جو بیان کرتا ہے اسے تو نہیں جانتا اور اللہ تعالیٰ اسے بھی جانتا ہے جو تو آج آہستہ سے سوچتا ہے اور جو تو کل سوچے گا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رازوں اور بھیدوں کو جانتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: السر سے مراد وہ ہے جو ابن آدم اپنے دل میں آہستہ سے کہتا ہے اور اخفی سے مراد وہ ہے جو ابن آدم پر مخفی ہوتا ہے جو ہونے والا ہوتا ہے لیکن انسان اسے نہیں جانتا۔ اور اللہ تعالیٰ یہ سب کچھ جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم ماضی اور مستقبل کے بارے میں برابر ہے اس کے علم میں تمام مخلوق ایک نفس کی طرح ہے۔ قتادہ وغیرہ نے کہا: السر سے مراد وہ ہے جو انسان اپنے نفس میں چھپائے ہوئے ہوتا ہے اور اخفی وہ ہوتا ہے جو نہ ہوتا ہے اور نہ اسے کوئی چھپائے ہوئے ہوتا ہے۔ ابن زید نے کہا: السر سے مراد خلائق کے راز ہیں اور اخفی سے مراد اللہ تعالیٰ کا راز ہے۔ طبری نے اس کا انکار کیا ہے (1) فرمایا: اخفی وہ ہے جو انسان کے راز میں نہیں ہے وہ آئندہ اس کے نفس میں آئے گا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۝ اللہ اسم جلالت پر رفع مبتدا کی حیثیت سے ہے یا مبتدا کے اضمار کی وجہ سے ہے یا یَعْلَمُ میں جو ضمیر ہے اس سے بدل کی بنا پر ہے۔ اس نے اپنی توحید خود بیان فرمائی ہے یہ اس طرح ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف دعوت دی تو انہیں یہ گراں گزری۔ ابوجہل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو الرحمٰن کا ذکر کرتے ہوئے سنا تو اس نے ولید بن مغیرہ کو کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں تو اللہ کے ساتھ دوسرے خدا کو پکارنے سے منع کرتا ہے اور خود وہ اللہ تعالیٰ اور الرحمٰن کو پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى اور یہ نازل فرمایا: قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (بنی اسرائیل: 110) اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس کے اسماء کثیر ہیں۔ پھر فرمایا: اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۝ سورۃ الاعراف میں اسماء حسنیٰ پر تنبیہ گزر چکی ہے۔

• وَ هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ مُوْسٰى ۝ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰى ؕ ۝ اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ؕ ۝ وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ

1۔ تفسیر طبری، جز 16-15، صفحہ 162

فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی ﴿۱۳﴾ اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ﴿۱۴﴾ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰی ﴿۱۵﴾ فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰی ﴿۱۶﴾

''اور (اے حبیب!) کیا پہنچی ہے آپ کو اطلاع موسیٰ کے قصہ کی۔ جب (مدین سے واپسی پر تاریک رات میں) آپ نے آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں کو کہا: تم (ذرا یہاں) ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں لے آؤں تمہارے لیے اس سے کوئی چنگاری یا مجھے مل جائے آگ کے پاس کوئی راہ دکھانیوالا۔ پس جب آپ وہاں پہنچے تو ندا کی گئی: اے موسیٰ! بلاشبہ میں تیرا پروردگار ہوں پس تو اُتار دے اپنے جوتے بیشک تو طویٰ کی مقدس وادی میں ہے۔ اور میں نے پسند کرلیا ہے تجھے (رسالت کے لیے) سو خوب کان لگا کر سن جو وحی کیا جاتا ہے۔ یقیناً میں ہی اللہ ہوں، نہیں ہے کوئی معبود میرے سوا پس تو میری عبادت کیا کر اور ادا کیا کر نماز مجھے یاد کرنے کے لیے۔ بیشک وہ گھڑی (قیامت) آنے والی ہے میں اسے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تا کہ بدلہ دیا جائے ہر شخص کو اس کام کا جس کے لیے وہ کوشاں ہے۔ پس ہرگز نہ روکے تجھے اس (کو ماننے) سے وہ شخص جو نہیں ایمان رکھتا اس پر اور پیروی کرتا ہے اپنی خواہش کی ورنہ تم بھی ہلاک ہو جاؤ گے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ مُوْسٰی ﴿۹﴾ اہل معانی نے کہا: یہ استفہام اثبات و ایجاد ہے اس کا معنی ہے ألیس قد أتاك؟ کیا تیرے پاس نہیں آئی موسیٰ کے واقعہ کی اطلاع؟ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے قد أتاك (آچکی ہے تیرے پاس)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: اس کا معنی ہے ابھی تک موسیٰ کے واقعہ کی اطلاع نہیں آئی۔ پھر اس کے متعلق خود خبر دی۔ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَی النَّارِ هُدًی ﴿۱۰﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے کہا: یہ اس وقت ہوا جب آپ کی خدمت کرنے کی مدت پوری ہوئی اور آپ اپنی اہلیہ کو لے کر چلے۔ آپ مدین سے مصر کی طرف آ رہے تھے اور آپ راستہ بھول گئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک غیور شخص تھے رات کے وقت لوگوں کے ساتھ چلتے تھے اور دن کے وقت غیرت کی وجہ سے جدا ہو جاتے تھے تا کہ لوگ آپ کی زوجہ کو نہ دیکھیں پس آپ ساتھیوں سے جدا ہو کر راستہ بھول گئے؛ کیونکہ علم الٰہی میں ایسا فیصلہ ہو چکا تھا رات تاریک تھی۔ مقاتل نے کہا: جمعہ کی رات تھی سردیوں کا موسم تھا۔ وہب بن منبہ نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام سے اپنی والدہ کی طرف واپس جانے کی اجازت طلب کی تو انہیں اجازت دی گئی۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے گھر والوں اور اپنی بکریوں کے ساتھ چل پڑے۔ ٹھنڈی رات میں راستہ میں آپ کا بچہ پیدا ہوا جبکہ آپ راستہ سے ہٹ چکے تھے اور ان کی بکریاں بھی بکھر چکی تھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ جلائی لیکن آگ نہ جلی پس آپ نے راستہ کی بائیں جانب دور سے آگ دیکھی تو آپ نے اپنے گھر والوں سے کہا: تم یہاں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب آپ آگ کی طرف متوجہ ہوئے تو آپ نے عناب کے درخت میں آگ دیکھی اس روشنی کی

خوبصورتی سے تعجب کرتے ہوئے آپ ٹھہر گئے اس درخت کے سبزہ کی شدت اتنی تھی کہ آگ کی گرمی کی شدت اس درخت کی سبزی کے حسن کو تبدیل نہ کرسکے اور درخت کے پانی کی کثرت اور سبزہ کی شادابی نے آگ کی روشنی کے حسن کو تبدیل نہیں کیا تھا؛ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ کو دیکھا، جیسا کہ روایت میں ہے: ''یہ علیق (وہ گھاس جو درخت پر لپٹتی ہے اور اس کا پھل شہتوت کی طرح ہوتا ہے) کا درخت تھا آپ نے اس کا قصد کیا تو وہ آپ سے پیچھے ہو گیا پس آپ لوٹ آئے اور اپنے اندر خوف محسوس کیا پھر وہ درخت قریب ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس درخت سے کلام فرمائی''۔ ماوردی نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک آگ تھی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور تھا(1)۔ حمزہ نے لاھلہ امکثوا، ھاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، اسی طرح سورۃ القصص میں پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ اس کی لغت پر ہے جس نے کہا: مررت بھُو یارجل، وہ اصل پر لایا یہ جائز ہے مگر حمزہ نے دونوں جگہ اس کی اصل کی مخالفت کی۔ امکثوا فرمایا اقیموا نہیں فرمایا کیونکہ اقامۃ دوام کا تقاضا کرتا ہے، المکث ایسا نہیں ہے۔ آنست کا معنی ہے ابصرت؛ یہ ابن اعرابی کا قول ہے؛ اسی سے یہ ارشاد ہے: فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا (النساء: 6)

آنست الصوت میں نے آواز کو سنا۔ القبس آگ کا شعلہ، اسی طرح المقباس ہے۔ کہا جاتا ہے: قبست منه ناراً، واقتبست منه علماً، یعنی میں نے اس سے استفادہ کیا۔ یزیدی نے کہا: اقبست الرجل علما و قبستہ ناراً میں نے اس سے علم حاصل کیا اور میں نے اس سے آگ حاصل کی۔ اگر تو اس کے لیے آگ طلب کرے تو تو کہے گا: اقبستہ کسائی نے کہا: اقبستہ ناراً و علماً برابر ہے۔ قبستہ دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ هُدًى سے مراد ھادیا (راہنما) ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَمَّآ اَتٰىهَا جب آپ اس آگ کے پاس آئے نُوْدِيَ تو درخت سے آواز دی گئی جیسا کہ سورۃ القصص میں ہے یعنی اس کی جہت سے آواز آئی جیسا کہ آگے آئے گا۔ يٰمُوْسٰى ۞ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ بلاشبہ میں تیرا پروردگار ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۞ اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ترمذی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے انہوں نے نبی پاک ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا: ''جس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمائی اس دن موسیٰ علیہ السلام پر صوف کا کمبل تھا صوف (اون) کا جبہ تھا اور صوف کی ٹوپی تھی اور صوف کی شلوار تھی اور آپ کے جوتے مردار گدھے کے چمڑے کے تھے''(2)۔ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صرف حمید الاعرج کے طریق سے جانتے ہیں۔ حمید یہ علی کوفی کا بیٹا ہے۔ اور یہ منکر الحدیث ہے اور حمید بن قیس الاعرج المکی جو مجاہد کا ساتھی ہے وہ ثقہ ہے۔ الکمۃ، چھوٹی ٹوپی کو کہتے ہیں۔ عام قراء نے انی کو ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ أی نودی فقیل لہ یاموسی انی؛ ابو عبیدہ نے اس کو اختیار کیا ہے۔ ابو عمرو، ابن کثیر، ابن محیصن اور حمید نے انی نداء کے اعمال کی وجہ سے ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ علماء کا اختلاف ہے کہ جوتے اتارنے کے حکم کا سبب کیا تھا۔ الخلع کا معنی ہے اُتارنا۔ النعل اس چیز کو کہتے ہیں جو زمین سے پاؤں کو بچانے کے لیے بنائی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 3، صفحہ 395

2۔ جامع ترمذی، باب ماجاء فی لبس الصوف، حدیث نمبر 1656، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

جاتی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: جوتے اتارنے کا حکم اس لیے دیا کیونکہ وہ ناپاک تھے، غیر مذبوح جلد سے بنے ہوئے تھے؛ یہ کعب، عکرمہ اور قتادہ کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: اس لیے یہ حکم دیا تا کہ مقدس وادی کی برکت کو حاصل کریں اور آپ کے قدم وادی کی مٹی کو مس کریں؛ یہ حضرت علی بن ابی طالب، حسن اور ابن جریج کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: اللہ کی بارگاہ میں تواضع اور خشوع کا اظہار کرنے کے لیے جوتے اُتارنے کا حکم دیا اسی طرح سلف صالحین کرتے ہیں جب وہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں۔ بعض نے فرمایا: اس جگہ کی تعظیم کرنے کے لیے یہ حکم دیا جیسا کہ حرم کی تعظیم کے لیے جوتوں کے ساتھ داخل نہیں ہوا جاتا عرف یہ ہے کہ بادشاہوں کی بارگاہ میں حاضری کے وقت جوتے اُتارے جاتے ہیں اور انسان حد درجہ تواضع کا اظہار کرتا ہے۔ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسی وجہ سے یہ حکم دیا گیا اس کا کوئی اعتبار نہیں کہ وہ مردار کے چمڑے سے بنے ہوئے تھے یا کسی اور چیز سے بنے ہوئے تھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مدینہ طیبہ میں سوار نہیں ہوتے تھے وہ اس مٹی کا احترام کرتے تھے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم اقدس موجود تھا اس معنی (تعظیم) کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بشیر بن خصاصیہ کو فرمایا تھا جبکہ وہ جوتوں کے ساتھ قبور کے درمیان چل رہے تھے: ''جب تو ایسی جگہ پر ہو تو اپنے جوتے اتار دے'' (1)۔ حضرت بشیر فرماتے ہیں: میں نے جوتے اتار دیے۔ پانچواں قول یہ ہے: یہ اہل، اولاد سے دل کو فارغ کرنے کے لیے فرمایا گیا ہے۔ کبھی اہل کو نعل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ خواب کی تعبیر میں یہ اس طرح ہے جو خواب دیکھے کہ وہ جوتے پہننے والا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کی شادی ہونے والی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے نور اور ہدایت کی بساط بچھائی تھی تو رب العالمین کی بساط کو جوتوں کے ساتھ روندنا مناسب نہیں تھا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جوتے اُتارنے کا حکم دیا گیا ہو۔ یہ ان پر پہلا فرض تھا جیسا کہ سب سے پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہا گیا: قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ (المدثر) حقیقی مراد اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ خبر میں ہے: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جوتے اتارے اور انہیں وادی کے پیچھے پھینک دیا''۔ ابو الاحوص نے کہا: حضرت عبد اللہ، حضرت ابو موسیٰ سے ان کے گھر میں ملے تو نماز کا وقت ہو گیا۔ حضرت ابو موسیٰ نے تکبیر کہی اور حضرت ابو موسیٰ نے حضرت عبد اللہ سے کہا: آگے بڑھو (اور امامت کراؤ) حضرت عبد اللہ نے کہا: تم آگے بڑھو تم اپنے گھر میں ہو۔ تو حضرت ابو موسیٰ آگے بڑھے اور اپنے جوڑے اتار دیے۔ حضرت عبد اللہ نے کہا: کیا تم وادی مقدس میں ہو (کہ تم نے جوتے اُتار دیے ہیں) صحیح مسلم میں سعید بن یزید سے مروی ہے فرمایا: میں نے حضرت انس سے کہا: کیا نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نعلین میں نماز پڑھتے تھے۔ انہوں نے کہا: ہاں (2)۔ اس حدیث کو امام نسائی نے حضرت عبد اللہ بن سائب سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اپنے جوڑے اپنی بائیں طرف رکھ دیے۔ ابو داؤد نے حضرت ابو سعید کی حدیث سے

1۔ تفسیر طبری، جز 16-15، صفحہ 167

2۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، جواز الصلوٰۃ فی النعلین، جلد 1، صفحہ 208

سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ باب الصلوٰۃ فی النعل، حدیث نمبر 553، معنی کے اعتبار سے، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

روایت کیا ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو نماز پڑھائی جب کہ آپ نے اپنے جوڑے اتار دیے تھے اور انہیں اپنی بائیں جانب رکھا تھا جب لوگوں نے یہ دیکھا تو اپنے جوتے اتار دیے، جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مکمل فرمائی تو فرمایا: ''تمہیں کس چیز نے جوتے پھینکنے پر ابھارا ہے؟'' صحابہ نے عرض کی: ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے اپنے جوتے اتار دیے ہیں تو ہم نے اپنے جوتے اتار دیے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جبریل میرے پاس آئے اور مجھے بتایا کہ ان میں غلاظت لگی ہوئی ہے'' فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو اسے دیکھنا چاہیے جب اپنے جوتے میں کوئی غلاظت وغیرہ دیکھے تو اسے صاف کر دینا چاہیے اور پھر ان میں نماز پڑھنی چاہیے'' (1)۔ ابومحمد عبدالحق نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے کہ یہ حدیث دونوں قسم کی احادیث کو جمع کرتی ہے اور ان کے درمیان تعارض کو اٹھا دیتی ہے۔ علماء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ نماز نعلین میں جائز ہے جب وہ ہر قسم کی غلاظت سے پاک ہوں حتیٰ کہ بعض علماء نے فرمایا: جوتوں میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد: خُذُوۡا زِیۡنَتَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ (الاعراف: 31) کا یہی مفہوم ہے یہ پہلے گزر چکا ہے۔ ابراہیم نخعی نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا جو جوتے اتارتے ہیں: میں خواہش کرتا ہوں کہ کوئی محتاج آئے اور ان کو اٹھا کر لے جائے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اگر تو جوتوں کو اتارے تو اپنے قدموں کے درمیان اتار کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو وہ اپنے قدموں کے درمیان جوتے اُتارے'' (2)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مقبری سے کہا: اپنے جوتے اپنے قدموں کے درمیان اُتار دے اور ان کے ساتھ کسی مسلمان کو اذیت نہ دے۔ حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جوتے بائیں جانب اتارے کیونکہ آپ امام تھے۔ جب تو امام ہو یا اکیلا ہو تو ایسا کر لے اگر تو چاہے اور اگر تو صف میں مقتدی ہو تو اپنے جوتوں کے ساتھ اپنی بائیں طرف والوں کو اذیت نہ دے اور نہ انہیں اپنے سامنے رکھ تا کہ وہ تجھے اپنی طرف مشغول رکھیں گے لیکن اپنے قدموں کے آگے رکھ۔ جبیر بن مطعم سے مروی ہے فرمایا: انسان کا اپنے قدموں کے درمیان جوتے رکھنا بدعت ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اگر جوتوں میں ایسی نجاست لگی ہوئی ہو جس کی ناپاکی پر علماء کا اجماع ہے جیسے خون اور غلاظت مثلاً بنی آدم کا پیشاب وغیرہ تو انہیں پانی کے ساتھ دھونا ہی پاک کرے گا؛ یہ امام شافعی اور اکثر علماء کی رائے ہے۔ اگر نجاست ایسی ہو جس میں اختلاف ہے جیسے جانوروں کا پیشاب اور تر گوبر تو اس میں اختلاف ہے کہ جوتے اور موزے کو مٹی پر رگڑنا اسے پاک کر دے گا یا نہیں۔ ہمارے نزدیک دو قول ہیں: امام اوزاعی اور ابوثور نے بغیر کسی تفصیل کے اسے مٹی پر رگڑنے کو جائز قرار دیا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: جب وہ خشک ہو تو اسے کھرچ دینا اور رگڑ دینا بھی زائل کر دے گا اور جب وہ تر ہوگی تو اسے دھونا ہی زائل کرے گا سوائے پیشاب کے۔ ان کے نزدیک اس میں دھونا ہی ضروری ہوگا۔ امام شافعی نے فرمایا: ان میں سے کسی چیز کو پاک نہیں کرے گا مگر پانی۔ صحیح قول اس کا ہے جس نے کہا ہے: رگڑنا جوتے اور موزے کو پاک کر دے گا

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، الصلوٰۃ فی النعال، جلد 1، صفحہ 95

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، المصلی اذا خلع نعلیه أین یضعهما، جلد 1، صفحہ 96

کیونکہ حضرت ابو سعید کی حدیث ہے کہ اگر نعل اور خف مردار کی جلد سے بنے ہوئے ہوں اگر وہ غیر مدبوغ ہوگی تو وہ بالاتفاق نجس (ناپاک) ہے سوائے اس قول کے جس کی طرف زہری کا رجحان ہے اور لیث کا خیال ہے جیسا کہ سورۃ النحل میں گزر چکا ہے۔ اور نجاست کے زائل کرنے کا قول سورۂ برأت میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ المقدس سے مراد مطہر ہے، القدس کا معنی طہارت ہے۔ الأرض المقدسہ سے مراد پاک زمین ہے۔ اس کو مقدس اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں سے کافروں کو نکال دیا تھا اور مومنین کو آباد کیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے بعض مقامات کو بعض پر فضیلت دی ہے جس طرح کہ بعض اوقات کو بعض پر فضیلت دی ہے اسی طرح بعض حیوانوں کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو زیبا ہے کہ جسے چاہے فضیلت دے دے۔ اس بنا پر کافروں کے نکالنے اور مومنین کے ٹھہرانے کی وجہ سے مقدس ہونے کا اعتبار نہ ہوگا دوسری وجہ بھی اس میں شریک ہے۔ طُوًى حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد وغیرہ سے مروی ہے کہ یہ وادی کا نام ہے (1)۔ ضحاک نے کہا: یہ عمیق گہری، گول وادی ہے جیسے کوئی لپٹی ہوئی چیز ہوتی ہے۔ عکرمہ نے اسے طوى پڑھا ہے باقی قراء نے طوىً پڑھا ہے۔ جوہری نے کہا: طوی شام میں ایک جگہ کا نام ہے۔ طا کو کسرہ اور ضمہ دیا جاتا ہے۔ منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ جنہوں نے اسے منصرف بنایا ہے انہوں نے اسے وادی کا اسم اور اسے نکرہ بنایا ہے اور جنہوں نے اسے غیر منصرف بنایا ہے انہوں نے اسے بلدہ اور بقعہ بنایا ہے اور اسے معرفہ بنایا ہے۔ بعض نے فرمایا: طُوى، طِوىً کی مثل ہے۔ لپٹی ہوئی چیز، انہوں نے الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ کے بارے میں کہا: وہ دو مرتبہ پاک کی گئی۔ حسن نے کہا: اس میں دو مرتبہ برکت اور تقدیس رکھی گئی۔ مہدوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کو طوی اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس وادی کو رات کے وقت طے کیا تھا۔ یہ مصدر ہے اس میں وہ عامل ہے جو اس کے لفظ سے نہیں گویا یوں کہا: إنك بالوادی المقدس الذی طویتہ طوی، یعنی آپ نے اپنے چلنے کے ساتھ اس کو طے کیا۔ حسن نے کہا اس کو دو مرتبہ پاک کیا گیا۔ یہ طویتہ طوی سے مصدر بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ یعنی میں نے تجھے رسالت کے لیے چن لیا۔ اہل مدینہ ابو عمرو، عاصم اور کسائی نے وأنا اخترتك پڑھا ہے اور حمزہ نے انا اخترناك پڑھا ہے، دونوں کا معنی ایک ہے لیکن یہاں أنا اخترتك دو اعتبار سے اولیٰ ہے ایک یہ کہ خط کے اعتبار سے یہ مناسب ہے، دوسرا یہ کہ نسق کلام کے اعتبار سے یہ اولیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰمُوْسٰى ۝ اِنِّيْۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ، اس نسق کے اعتبار سے متکلم کا صیغہ آئے گا: یہ نحاس کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ۝ اس میں ایک مسئلہ ہے۔ ابن عطیہ نے کہا (2): مجھے میرے والد صاحب نے بتایا فرمایا میں نے ابو الفضل جوہری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا گیا: فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى تو آپ پتھر پر ٹھہر گئے اور ایک پتھر کے ساتھ ٹیک لگائی اور اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا اور اپنی ٹھوڑی اپنے سینے پر رکھی اور ٹھہر کر

1۔ تفسیر طبری، جز 16-15، صفحہ 170　　2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 39

سننے لگے اور آپ کا لباس اون کا تھا۔

میں کہتا ہوں: حسن استماع واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مدح فرمائی فرمایا: الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ (الزمر: 18)

اور اس وصف کے خلاف کی مذمت کی ہے فرمایا: نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَسْتَمِعُوْنَ بِهٖۤ (بنی اسرائیل: 47)

حضور عقل کے ساتھ کلام کو سننے کے لیے خاموش رہنے والے کی مدد فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ادب سکھانے کے لیے اس کا حکم دیا ہے۔ فرمایا: وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۞ (الاعراف) اور یہاں فرمایا: فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰى ۞ کیونکہ اس طرح اللہ کی طرف سے سمجھ ملتی ہے۔ وہب بن منبہ سے مروی ہے فرمایا: سننے کے آداب میں سے یہ ہے کہ اعضاء میں سکون ہو آنکھیں جھکی ہوئی ہوں اور توجہ سے سننا اور عقل کا حاضر ہونا اور عمل کرنے کا عزم کرنا۔ وہ استماع جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے وہ یہ ہے کہ بندہ اپنے جوارح کو روکے کسی دوسری چیز میں مشغول نہ ہو کہ اس کا دل اس سے غافل ہو جائے جسے وہ سن رہا ہے اور اپنی نگاہ کو جھکا کر رکھے اور دل کو کسی نظر آنے والی چیز سے غافل نہ کرے اور اپنے عمل کو حاضر رکھے اور جو سن رہا ہے اس کے سوا کسی چیز کو دل میں نہ لائے۔ سمجھنے کا عزم کرے اور جو سمجھے اس پر عمل کرنے کا ارادہ کرے۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: علم کا آغاز غور سے سننا ہے، پھر سمجھنا پھر یاد کرنا ہے، پھر عمل کرنا اور پھر آگے پھیلانا ہے جب انسان کتاب اللہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو سچی نیت سے اس طرح سنتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور اس کے لیے اس کے دل میں نور پیدا کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ۞ اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ لِذِكْرِیْ کی تاویل میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ احتمال ہے کہ یہ مراد ہو کہ تو مجھے نماز میں ذکر کرے یا مراد ہے کہ میں اس نماز کی وجہ سے علیین میں مدح کے ساتھ تیرا ذکر کروں۔ اس بنا پر مصدر فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہونے کا احتمال رکھتا ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے توحید کے بعد نماز پر استقامت اختیار کر۔ یہ نماز کی قدر کی عظمت پر تنبیہ ہے کیونکہ نماز اللہ کی بارگاہ میں تضرع ہے اور اس کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ اس بنا پر نماز ہی ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نماز کو ذکر کا نام دیا ہے جب تو بھول جائے پھر تجھے یاد آئے تو نماز پڑھ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: فلیصلها اذا ذکرھا تو نماز پڑھ جب تجھے یاد آئے یعنی بھولنے کی وجہ سے نماز کو ساقط نہ کر۔

مسئلہ نمبر 2۔ امام مالک وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو نماز سے سو جائے یا بھول جائے تو جب اسے نماز یاد آئے تو اسے ادا کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ'' ابو محمد عبد الغنی بن سعید نے حجاج بن حجاج کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ پہلا حجاج ... ہے جس سے یزید بن زریع نے روایت کیا ہے فرمایا ہمیں قتادہ نے بتایا انہوں نے حضرت انس بن مالک سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے

پوچھا گیا جو نماز کے وقت میں سویا رہا اور اس سے غافل ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس نماز کو ادا کرے جب اسے یاد آئے" (1)۔ ابراہیم بن طہمان نے حجاج سے روایت کرنے میں اس کی متابعت کی ہے، اسی طرح ہمام بن یحییٰ نے قتادہ سے روایت کیا ہے۔ دارقطنی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا فرمایا: جو نماز بھول جائے تو اس کا وقت وہ ہے جب اسے یاد آئے" (2)۔ پس فلیصلھا اذا ذکرھا کا قول دلیل ہے کہ سو جانے والے اور غافل پر قضا واجب ہے خواہ نمازیں (جو قضاء ہوئیں) زیادہ ہوں یا کم ہوں۔ یہ عام علماء کا مذہب ہے اور ایک شاذ قول غیر معتد بہ اس کے مخالف بھی حکایت کیا گیا ہے کیونکہ یہ حدیث کی نص کے مخالف ہے وہ یہ ہے کہ بعض علماء سے مروی ہے کہ پانچ نمازوں سے زائد ہو جائیں تو قضاء لازم نہیں۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے نماز کو قائم کرنے کا حکم دیا ہے اور اوقات معینہ پر نص موجود ہے فرمایا: اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ (بنی اسرائیل: 78) اس کے علاوہ بھی نصوص موجود ہیں اور جس نے دن کی نماز کو رات کے وقت ادا کیا یا رات کی نماز کو دن کے وقت ادا کیا تو اس کا فعل اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نہ ہو گا اور نہ اسے اس فعل پر ثواب ملے گا بلکہ وہ گنہگار ہو گا۔ اس تعریف پر جو نماز فوت ہو جائے اس کی قضا واجب نہیں اگر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہ ہوتا: من نام عن صلاۃ أو نسیھا فلیصلھا اذا ذکرھا تو کوئی شخص اپنی اس نماز سے نفع حاصل کرنے والا نہ ہوتا جو غیر وقت میں ادا کی جاتی اس اعتبار سے وہ قضا ہو گی ادا نہ ہو گی کیونکہ قضا نئے حکم کے ساتھ ہے نہ کہ پہلے امر کے ساتھ۔

مسئلہ نمبر 3۔ جس نے جان بوجھ کر نماز کو ترک کر دیا اس کے متعلق جمہور کا نظریہ یہ ہے کہ اس پر قضا کرنا واجب ہے اگرچہ وہ گنہگار ہو گا مگر داؤد کا قول اس کے مخالف ہے۔ ابو عبد الرحمن اشعری شافعی نے داؤد کی موافقت کی ہے اس سے یہ قول ابن القصار نے حکایت کیا ہے اور جان بوجھ کر نماز ترک کرنے والے، بھولنے والے اور سونے والے کے درمیان فرق گناہ کا نہ ہونا ہے جان بوجھ کر ترک کرنے والا گنہگار ہو گا لیکن تمام قضا کریں گے۔ اور جمہور علماء کے قول کی حجت یہ ارشاد ہے: وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (البقرہ: 43) اس میں کوئی تفریق نہیں وہ وقت میں ہو یا وقت کے بعد ہو یہ امر کا صیغہ ہے جو وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔ اس طرح سونے والے اور بھولنے والے کی قضا کا امر ثابت ہے لیکن وہ گنہگار ہو گا پس جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والے کے لیے نماز کا قضا کرنا زیادہ ضروری ہے۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من نام عن صلاۃ أو نسیھا اس میں نسیان بمعنی ترک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ (التوبہ: 67) نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ (الحشر: 19)

خواہ یہ نسیان ذہول سے ہو یا بغیر ذہول کے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ بھولنے سے پاک ہے اس لیے اس کا معنی ہے اس نے انہیں چھوڑ دیا۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا (البقرہ: 106) اس آیت میں بھی ننسھا کا معنی نترکھا ہے اسی طرح ذکر نسیان اور اس کے علاوہ صورت کے بعد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: من ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی، جس نے مجھے اپنے

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، قضاء الفائتۃ، جلد 1، صفحہ 241۔ ابن ماجہ، باب من نام عن الصلاۃ او نسیھا، حدیث نمبر 686، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن دارقطنی، کتاب الصلوٰۃ، وقت الصلوٰۃ المنسیۃ، جلد 1، صفحہ 423

دل میں یاد کیا میں نے اسے یاد کیا۔ اللہ تعالیٰ نسیان سے پاک ہے اس لیے اس کا یاد کرنا نسیان کے بعد نہیں ہوتا اس کا معنی ہے علمت، پس اذا ذکرھا کا معنی ہوگا جب وہ اسے جان لے۔ نیز انسان کا وہ قرض جو وقت کے متعلق ہوتا ہے پھر وہ وقت آ جاتا ہے تو اس کے وجوب کے بعد اس کی قضا ساقط نہیں ہوتی (جب وہ ادا نہ کرلے) اور ابرا (بری کرنا) ہی ان کو ساقط کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے قرض میں بھی یہی ہوگا کہ ان میں ابرا صحیح نہیں ہوگا اور ان کی قضا ساقط نہ ہوگی مگر اس کے اذن سے۔ نیز جہاں تک ہمارا تعلق ہے کہ اگر کوئی شخص رمضان کا ایک روزہ ترک کردے اور جان بوجھ کر بغیر عذر کے ترک کردے تو اس کی قضا واجب ہے، اسی طرح نماز کی قضا بھی واجب ہوگی۔ اگر یہ کہا جائے کہ امام مالک سے مروی ہے: جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی وہ کبھی اسے قضا نہیں کرسکے گا۔ یہ اشارہ ہے کہ گذشتہ نماز کا اعادہ نہیں کرسکے گا یا یہ بطور سختی کلام فرمائی ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے جان بوجھ کر رمضان کا روزہ افطار کیا پوری زندگی کے روزے بھی اس کا کفارہ نہ ہوں گے اگرچہ وہ روزہ رکھ بھی لے۔ اس کے ساتھ ساتھ ادا کے قائم مقام قضا کے ذریعے حکم کو پورا کرنا اور توبہ بھی کرنا ضروری ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ جو چاہے گا کرے گا۔ ابوالمطوس نے اپنے باپ سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''جس نے ایک دن رمضان کا روزہ جان بوجھ کر ترک کیا پوری زندگی کے روزے اس کو پورا نہیں کریں گے، اگرچہ وہ اسے رکھ بھی لے'' (1)۔ یہ بھی احتمال رکھتا ہے کہ اس کا معنی تغلیظ ہو (اگر یہ حدیث صحیح ہو) یہ حدیث ضعیف ہے۔ ابوداؤد نے اس کو تخریج کیا ہے۔ احادیث صحیح میں کفارہ کا ذکر موجود ہے اور بعض میں اس دن کی قضا کا ذکر ہے۔ والحمد للہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 4۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: **من نام عن صلاۃ أو نسیھا** (2)، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: **رفع القلم عن ثلاثۃ عن النائم حتی یستیقظ** (3) کے عموم کی تخصیص کرتا ہے اور یہاں رفع سے مراد گناہ کا اٹھنا ہے نہ کہ فرض کا اٹھنا یہ اس قول سے نہیں ہے۔ **عن الصبی حتی یحتلم** بچے مکلف نہیں ہے حتی کہ بالغ ہوجائے۔ اگرچہ یہ دونوں حکم ایک حدیث میں آئے ہیں پس اس اصل پر آگاہی حاصل کر۔

مسئلہ نمبر 5۔ اس معنی میں علماء کا اختلاف ہے جسے فوت شدہ نماز یاد آئے جبکہ وہ نماز کے آخری وقت میں ہو یا وہ نماز میں ہو۔ امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ جسے نماز یاد آئے جبکہ دوسری نماز کا وقت ہوچکا ہو تو پہلے وہ نماز پڑھے جو وہ بھول گیا تھا۔ قضا شدہ نمازیں پانچ ہوں یا اس سے کم ہوں اگرچہ اس نماز کا وقت فوت بھی ہوجائے اور اگر پانچ نمازوں سے زیادہ ہوں تو پہلے وقتی نماز کو پڑھے۔ امام ابوحنیفہ، ثوری اور لیث کا مذہب بھی یہی ہے مگر امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں: ہمارے نزدیک ایک دن اور ایک رات کی نمازوں میں ترتیب واجب ہے جب فوت شدہ نماز اور وقتی نماز کے لیے وقت میں

1۔ ترمذی، باب ماجاء فی الافطار متعمدا، حدیث نمبر 655، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، الحث علی ذکر اللہ تعالیٰ، جلد 2، صفحہ 341

3۔ ابوداؤد، باب فی المجنون یسرق او یصیبہ الحد، حدیث نمبر 3822، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

وسعت ہو اور اگر وقتی نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو پہلے وقتی نماز ادا کرے اور اگر پانچ نمازوں سے زیادہ نمازیں قضا ہو جائیں تو ان کے نزدیک ترتیب واجب نہیں ہوتی۔ ثوری سے ترتیب کا وجوب مروی ہے انہوں نے قلیل اور کثیر میں کوئی فرق نہیں کیا۔ یہ امام شافعی کے مذہب کا حاصل ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: فوت شدہ کو پہلے پڑھے جب تک وقتی نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو اگر وہ ایسا نہ کرے اور وقتی نماز پہلے پڑھ لے تو بھی انہوں نے جائز قرار دیا ہے۔ اثرم نے ذکر کیا ہے کہ امام احمد کے نزدیک ساٹھ سال کی نمازوں اور اس سے زائد نمازوں میں بھی ترتیب واجب ہے انہوں نے فرمایا: کسی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ نماز پڑھے جبکہ اسے اس سے پہلے والی فوت شدہ نماز یاد ہو کیونکہ یہ نماز اس پر فاسد ہوگی۔ دارقطنی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی اپنی فوت شدہ نماز کو یاد کرلے جبکہ وہ نماز میں ہو تو اس سے آغاز کرے جس میں وہ مشغول تھا جب اس سے فارغ ہو جائے تو وہ نماز پڑھے جو بھول گیا تھا"۔ اس کی سند میں عمر بن ابی عمر مجہول ہے۔ میں کہتا ہوں: اگر یہ صحیح ہوتی تو امام شافعی کے قول کے لیے حجت ہوتی کہ وقتی نماز کو پہلے پڑھے۔ صحیح وہ ہے جو اہل صحیح نے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنگ خندق کے دن کفار قریش کو برا بھلا کہنے لگے اور عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کی قسم! میں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی حتیٰ کہ سورج غروب ہونے کے قریب پہنچ گیا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کی قسم! میں نے بھی نماز عصر نہیں پڑھی ہے"۔ پھر ہم بطحان کے مقام پر اترے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور ہم نے بھی وضو کیا۔ پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کے غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھی پھر مغرب کی نماز پڑھی۔ یہ نص ہے کہ پہلے فوت شدہ نماز پڑھے پھر وقتی نماز پڑھے، خصوصاً مغرب کی نماز اس کا وقت تنگ ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک مشہور مذہب میں اس کا وقت ممتد نہیں ہوتا۔ امام شافعی کے نزدیک بھی یہی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ امام ترمذی نے ابو عبیدہ بن عبداللہ بن مسعود سے انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ مشرکین نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خندق کے روز چار نمازوں سے مشغول کیا حتیٰ کہ رات کا کچھ حصہ گزر گیا جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو اذان دینے کا حکم دیا۔ حضرت بلال اٹھے اور آذان دی پھر اقامت کہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھی پھر اقامت ہوئی اور عصر کی نماز پڑھی پھر اقامت ہوئی اور مغرب کی نماز پڑھی پھر اقامت ہوئی اور عشاء کی نماز پڑھی (1)۔ اس سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ جس کی بہت سی نمازیں فوت ہو جائیں وہ اسی ترتیب سے قضا کرے جس طرح فوت ہوئی تھیں جب اسی ایک وقت میں یاد آ جائیں۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے جب فوت شدہ نماز اس وقت یاد آ جائے جبکہ وقتی نماز کا وقت تنگ ہو۔ علماء کے تین اقوال ہیں۔ (۱) پہلے فوت شدہ نماز ادا کرے اگرچہ وقتی نماز کا وقت نکل بھی جائے، یہ امام مالک، لیث اور زہری وغیرہم کا قول ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ (۲) پہلے وقتی نماز پڑھے یہ حسن، شافعی اور اصحاب الحدیث کے فقہاء، محاسبی، ابن وہب مالکی کا قول ہے۔ (۳) اسے اختیار ہے جو چاہے پہلے پڑھ لے؛ یہ اشہب کا قول ہے۔ پہلی وجہ نماز کی کثرت ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ زیادہ نمازیں ہوں تو وقتی نماز کو پہلے پڑھے؛ یہ قاضی

1۔ ترمذی، کتاب الصلاۃ باب ما جاء فی الرجل تفوتہ الصلاۃ، حدیث نمبر 164، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

عیاض کا قول ہے۔ اور تھوڑی مقدار میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک سے مروی ہے کہ وہ پانچ اور اس سے کم ہیں۔ بعض نے فرمایا: چار اور اس سے کم ہیں۔ یہ حضرت جابر کی حدیث کی وجہ سے ہے اور چھ کے کثیر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

مسئلہ نمبر 6۔ رہا وہ شخص جس کو نماز یاد آجائے جبکہ وہ نماز میں ہو اگر وہ امام کے پیچھے ہو تو جو ترتیب کے وجوب کا قول کرتے ہیں اور جو وجوب ترتیب کا قول نہیں کرتے سب کے نزدیک یہ ہے کہ وہ امام کے ساتھ نماز جاری رکھے حتی کہ اپنی نماز مکمل کر لے۔ اس میں اصل وہ حدیث ہے جو امام مالک اور دار قطنی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے فرمایا: جو تم میں سے کوئی نماز بھول جائے اور اسے یاد نہ آئے مگر جب وہ امام کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہو تو وہ امام کے ساتھ نماز پڑھے جب اس نماز سے فارغ ہو تو وہ نماز پڑھے جو وہ بھول چکا تھا پھر دوبارہ وہ نماز پڑھے جو اس نے امام کے ساتھ پڑھی تھی۔ دار قطنی کا لفظ ہے۔ موسیٰ بن ہارون نے کہا ہمیں ابو ابراہیم ترجمانی نے بیان کیا فرمایا ہمیں سعید نے یہ حدیث بیان کی اور انہوں نے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا اور مرفوع روایت میں ان کا وہم ہے۔ اگر انہوں نے اس کے رفع سے رجوع کر لیا ہے تو اس نے صواب کی موافقت کی ہے۔ پھر علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل نے کہا: پہلے فوت شدہ نماز پڑھے پھر وہ نماز پڑھے جو امام کے ساتھ پڑھی مگر یہ کہ ان دونوں نمازوں کے درمیان پانچ نمازوں سے زیادہ ہوں جیسا کہ کوفیوں سے پہلے روایت کیا گیا ہے۔ یہ امام مالک کے مدنی اصحاب کا مذہب ہے۔ خرقی نے امام احمد بن حنبل سے روایت کیا ہے فرمایا: جسے فوت شدہ نماز یاد آئے جبکہ وہ دوسری نماز میں ہو تو وہ اسے مکمل کر لے اور پھر یاد آنے والی نماز قضا کر لے اور پھر اس کا اعادہ کرے جس میں پہلے تھا جبکہ وقت میں وسعت ہو اگر اسے وقت کے نکلنے کا اندیشہ ہو اور وہ نماز میں یہ اعتقاد رکھے کہ وہ اس کا اعادہ نہیں کرے گا تو اس کی وہ نماز جائز ہو جائے گی تو پھر وہ قضا نماز ادا کرے۔ امام مالک نے فرمایا: جس کو نماز یاد آئے جبکہ وہ نماز میں ہو اور دو رکعتیں پڑھ چکا ہو تو دو رکعتوں پر سلام پھیر دے۔ اگر وہ امام ہو تو اس کی اور مقتدیوں کی نماز باطل ہو جائے گی؛ یہ امام مالک کا ظاہر مذہب ہے لیکن امام مالک کے اصحاب میں سے اہل نظر کا نظریہ اس طرح نہیں ہے کیونکہ ان کا قول اس شخص کے بارے میں جسے نماز میں فوت شدہ نماز یاد آئی جبکہ وہ ایک رکعت پڑھ چکا تھا تو اس کے ساتھ دوسری رکعت ملا لے اور سلام پھیر دے وہ نماز نفل ہو جائے گی فاسد نہ ہو گی۔ اگر وہ نماز ٹوٹ جاتی اور باطل ہو جاتی تو اسے دوسری رکعت ملانے کا حکم نہ دیا جاتا جیسا کہ اگر ایک رکعت میں حدث لاحق ہو جائے تو دوسری رکعت اس کے ساتھ نہیں ملائے گا۔

مسئلہ نمبر 7۔ امام مسلم نے ابو قتادہ سے روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطاب فرمایا حدیث المیضاۃ طویل ذکر کی اس میں فرمایا: أما لکم فیّ اسوۃ، کیا تمہارے لیے میری ذات میں اُسوہ نہیں ہے۔ پھر فرمایا: ''سونے کی صورت میں تفریط (کوتاہی) نہیں ہے کوتاہی تو اس پر ہے جس نے نماز نہ پڑھی حتی کہ دوسری نماز کا وقت آگیا جس نے ایسا کیا وہ نماز پڑھے جب بیدار ہو جب دوسرا دن ہو جائے تو اس کو اس کے وقت میں ادا کرے''۔ اس حدیث کو دار قطنی نے ذکر کیا ہے اسی طرح مسلم کے الفاظ کے برابر ہے۔ پس اس کا ظاہر دو مرتبہ اعادہ کا تقاضا کرتا ہے۔ اس کی یاد کے وقت اور آنے والے وقت میں اس کی مثل نماز کی ادائیگی کے وقت۔ اس کی تائید وہ حدیث بھی کرتی ہے جو ابو داؤد نے عمران بن حصین کی حدیث سے

نقل کی ہے اور انہوں نے واقعہ ذکر کیا ہے اور اس کے آخر میں ہے: ''تم میں سے جو دوسرے دن صبح کی نماز کو پائے تو وہ اس کے ساتھ اس کی مثل ادا کرے'' (1)۔

میں کہتا ہوں: یہ اپنے ظاہر پر نہیں ہے ایک مرتبہ اعادہ کیا جائے گا کیونکہ دار قطنی نے عمران بن حصین سے روایت کیا ہے فرمایا: ہم ایک غزوہ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے جب سحری کا وقت تھا تو ہم نے پڑاؤ کیا ہم بیدار نہ ہوئے حتی کہ سورج کی دھوپ نے ہمیں بیدار کیا ہم میں ایک شخص گھبرا کر اٹھا جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو ہمیں وہاں سے چلنے کا حکم دیا پھر ہم چلتے رہے حتی کہ سورج بلند ہو گیا لوگوں نے قضاء حاجت کی پھر حضرت بلال کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان دینے کا حکم دیا انہوں نے اذان دی پھر ہم نے دو رکعتیں ادا کیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو اقامت کہنے کا حکم دیا پھر ہم نے صبح کی نماز پڑھی ہم نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! کیا ہم کل ان دو رکعتوں کو ان کے وقت میں ادا نہیں کریں گے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ تمہیں ربا (سود) سے منع کرتا ہے اور تم سے وہ (سود) قبول کرے گا۔ خطابی نے کہا: میں کسی کو نہیں جانتا جس نے وجوبی طور پر یہ کہا ہو مناسب یہی ہے کہ یہ امر استحباب کے لیے ہوتا کہ قضا میں وقت کی فضیلت کا خیال رکھا جائے۔ صحیح یہ ہے کہ اس پر عمل متروک ہے کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ تمہیں سود سے منع کرتا ہے تم سے وہ قبول کرے گا'' (2)۔ صحاح کے طرق جو عمران بن حصین کی حدیث کے ہیں ان میں اس زیادتی میں سے کچھ بھی نہیں ہے مگر جو ابو قتادہ کی حدیث سے ذکر کیا گیا ہے وہ محتمل ہے جیسا کہ ہم نے اس کو بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: الکیا طبری نے (احکام القرآن) میں ذکر کیا ہے کہ سلف میں سے ایسے بھی ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: من نسی صلاۃ فلیصلها إذا ذکرها لا کفارة لها إلا ذالك، کی مخالفت کی ہے انہوں نے کہا: اس کے وقت کی مثل تک صبر کرے پھر نماز پڑھے اور جب صبح کی نماز فوت ہو جائے تو اسے دوسرے دن صبح ادا کرے، یہ شاذ قول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰی ۝ یہ مشکل آیت ہے۔ سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ انہوں نے اکاد اخفیها ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ فرمایا: اس کا معنی ہے ظاہر کرنا۔ لِتُجْزٰی جزا کے لیے اظہار کرنا۔ اس کو ابو عبید نے کسائی سے روایت کیا ہے انہوں نے محمد بن سہل سے انہوں نے ورقاء بن ایاس سے انہوں نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے۔ نحاس نے کہا: اس حدیث کا اس طریق کے علاوہ کوئی طریق نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: ابو بکر انباری نے کتاب الرد میں روایت کیا ہے: حدثنی ابی حدثنا محمد بن الجهم الفراء حدثنا الکسائی، حدثنا عبداللہ بن ناجیه حدثنا یوسف حدثنا یحییٰ الحمانی حدثنا محمد بن سھل، نحاس نے کہا: اس سند سے عمدہ وہ ہے جو یحییٰ القطان نے ثوری سے انہوں نے سائب سے انہوں نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: اُکاد اُخفیها ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہے۔

میں کہتا ہوں: ابن جبیر کی قرأت، اَخفیها ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ مذکورہ سند کے ساتھ ہے۔ ابو بکر انباری نے کہا: فراء نے

1۔ ابوداؤد، باب فی من نام عن الصلاۃ او نسیها، حدیث نمبر 372، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ معالم السنن جلد 1، صفحہ 139

کہا اس کا معنی ہے اظھرھا یہ خفیت الشیٔ أخفیہ سے مشتق ہے جب تو اس کو ظاہر کردے۔ فراء نے بطور دلیل امرء القیس کا یہ شعر پڑھا ہے:

فإن تدفنوا الداءَ لانَخفِهِ وإنْ تبعثو الحرب لانَقعُد

شاعر کی لانخفہ سے مراد لانظھرہ (ہم ظاہر نہیں کریں گے) ہے بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ اخفیھا ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ بھی جائز ہے اس کا معنی ہے اظھرھا کیونکہ کہا جاتا ہے: خفیت الشی واخفیتہ جب اسے ظاہر کردے۔ فاخفیتہ اضداد کے حروف میں سے ہے پوشیدہ کرنا اور ظاہر کرنا دونوں معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا: خفیت واخفیت دونوں کا ایک معنی ہے۔ نحاس نے کہا: یہ عمدہ ہے یہ ابوالخطاب سے اس نے روایت کیا ہے یہ اہل لغت کے رؤساء میں سے ایک تھا اس کے صدق میں شک نہیں کیا جاتا۔ سیبویہ نے اس سے روایت کیا ہے۔ شاعر نے کہا:

وإن تکتُموا الداءَ لانُخفِهِ وإنْ تبعثوا الحربَ لانَقعُد

اسی طرح ابوعبیدہ نے ابوالخطاب سے نون کے ضمہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

امرء القیس نے کہا:

خَفَاهنّ من أنفاقِهِنّ کأنّما خفاهنّ وَدْقٌ عن عَشِیٍّ مُجَلِّبِ

خفاھن کا معنی اظھرھن ہے۔ عشی مجلب کی جگہ من سحاب مرکب بھی مروی ہے۔ ابوبکر انباری نے کہا: ایک دوسری تفسیر بھی کی گئی ہے۔ إِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ، اکاد پر کلام ختم ہوئی اور اس کے بعد کلام مضمر ہے أکاد آتی بھا اور ابتدا أُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ سے ہے ضابی برجمی نے کہا:

هَمَمْتُ ولم أفعلْ وکِدتُ ولیتَنِي ترکتُ علی عثمانَ تَبکِي حَلَائِلُهُ

اس سے مراد وکدت أفعل ہے کدت کے ساتھ فعل مضمر ہے جیسے قرآن میں اس کے ساتھ فعل مضمر ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ نحاس نے اختیار کیا ہے اور اس سے پہلے قول کو صحیح نہیں سمجھا اس نے کہا: کہا جاتا ہے: خفی الشیٔ یخفیہ جب وہ ظاہر کرے۔ اور اس نے یہ بھی حکایت کیا ہے کہ کہا جاتا ہے: أخفاہ جب وہ کسی چیز کو ظاہر کرے اور یہ معروف نہیں ہے۔ انہوں نے کہا: میں نے علی بن سلیمان کو دیکھا جب اس پر اخفیھا کا معنی بیان کرنا مشکل ہوا تو اس نے اس قول کی طرف عدول کیا اور کہا: اس کا معنی وأخفیھا کے معنی کی طرح ہے۔ نحاس نے کہا: یہ اظھرھا کے معنی پر نہیں ہے، خصوصاً اخفیھا شاذ قرأت ہے پس قرأت صحیحہ کو شاذ قرأت کی طرف کیسے پھیرا جاتا ہے؟ مضمر کے معانی اولیٰ ہیں۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی: ان الساعۃ آتیہ اکاد آتی بھا، آتیہ پر آتی بھا دلالت کرتا ہے پھر فرمایا: اخفیھا سے نئی کلام ہے۔ یہ معنی صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کو مخفی رکھا اور الساعۃ جس میں انسان مرتا ہے اس کو بھی مخفی رکھا تاکہ انسان اچھے اعمال کرتا رہے اس سے اس معاملہ کو مخفی رکھا تاکہ وہ توبہ کو مؤخر نہ کرے۔

میں کہتا ہوں: اس قول کی بنا پر لتجزی میں جو لام ہے وہ أخفیھا کے متعلق ہوگا۔ ابوعلی نے کہا: یہ سلب کے باب سے

ہے۔ اضداد کے باب سے نہیں ہے۔ اخفیھا کا معنی ہے اس سے خفا کو زائل کیا اور وہ اس کا ڈھانپنا ہے، جیسے خفاء الأخفیه اس سے مراد چادریں ہیں اور اس کا واحد خِفاء خاء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ جس کو اوپر لپیٹا جائے۔ (چادر) اور جب اس سے پردہ زائل کر دیا تو وہ ظاہر ہوگئی یہ عربوں کے اس قول سے ہے: أشکیته میں نے اس کی تکلیف دور کی۔ أعدیته میں نے اس کی جانب سے مدد طلب کرنے کو قبول کیا اور اسے اس کے اعادہ کا موقع نہ دیا۔ ابو حاتم نے اخفش سے حکایت کیا ہے کہ کاد زائدہ مؤکدہ ہے۔ اور فرمایا: اس کی مثال اِذَآ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَا (النور: 40) ہے، کیونکہ وہ ظلمات جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے ان میں سے بعض ناظر اور منظور الیہ کے درمیان حائل ہو جاتی ہیں؛ یہ معنی ابن جبیر سے مروی ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے: إن الساعة آتیه أخفیها کل نفس بما تسعی، شاعر نے کہا:

سریعٌ إلی الهیجاءِ شاكٍ سِلاحُهُ فما إنْ یَکادُ قِرْنُهُ یَتَنَفَّسُ

شاعر نے فما یتنفّس کا معنی مراد لیا ہے۔ ایک اور شاعر نے کہا:

وألاّ ألومَ النفسَ فیما أصابنی وألاّ أكاد بالذی نِلتُ أنْجَحُ

اس کا معنی ہے ألا أنجح بالذی نلته، پس أكاد کلام کی توکید کے لیے ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: أكاد أخفیھا کا معنی ہے میں اس کو قریب کروں گا، کیونکہ جب تو کہتا ہے: کاد زیدٌ یقوم یہ دونوں صورتوں میں جائز ہے، خواہ زید کھڑا ہو یا کھڑا نہ ہو۔ اس پر دلیل یہ ہے اس نے اس کو مخفی کیا اس جواب پر اس کے علاوہ کی دلالت کی وجہ سے۔ لغوی علماء نے کہا: كدت أفعل کا معنی عربوں کے نزدیک یہ ہے کہ میں فعل کے قریب تھا اور میں نے وہ فعل کیا نہیں اور ما كدت افعل کا معنی ہے میں نے تاخیر کے بعد وہ کام کیا۔ اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: فَذَبَحُوْهَا وَ مَا كَادُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝ (البقرہ) اس کا مطلب ہے انہوں نے تاخیر کے بعد یہ کام کیا کیونکہ ان پر گائے کا پانا مشکل ہو گیا تھا۔ کبھی ما كدت أفعل کا معنی ہوتا ہے مافعلت ولا قاربت جب کلام کو أكاد کے ساتھ موکد کیا جائے۔ بعض علماء نے فرمایا: أكاد أخفیھا کا معنی ہے میں اس کو چھپانا چاہتا ہوں۔ انباری نے کہا: اس کی دلیل یہ شعر ہے:

كادتْ وكِدتُ وتِلكَ خیرُ إرادةٍ لوعادَ من لَهْوِ الصَّبابةِ مامَضَی

اس کا معنی ہے أرادت وأردت، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر مفسرین نے کہا جیسا کہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے کہ اس کا معنی ہے اکاد اخفیھا من نفسی اسی طرح حضرت ابی کے مصحف میں تھا اور حضرت ابن مسعود کے مصحف میں اس طرح تھا: أكاد اخفیھا من نفسی فکیف یعلمها مخلوق۔ اور بعض قرأتوں میں ہے فکیف أظهرها لکم یہ اس پر محمول ہے جو عربوں کی عادت ہے کہ جب کوئی کسی چیز کو چھپانے میں مبالغہ کرے تو کہتا ہے: كدت أخفیه من نفسی اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے؛ یہ معنی قطرب وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ شاعر نے کہا:

أیامَ تَصحبنی هند وأخبرُهَا ما أكتمُ النفسَ من حَاجِی وأسْرَارِی

پس وہ کیسے اسے اس کی خبر دیتا ہے جو اس نے اپنے نفس سے چھپایا ہوا ہے۔

اسی باب سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: رجل تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فأخفاها حتی لا تعلم شماله ما تنفق یمینه،

شخص جو صدقہ کرے اور اتنا خفیہ طریقہ سے کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو جو اس کے دائیں ہاتھ نے خرچ کیا ہے۔
بعض علماء نے کہا: اس کا معنی ہے أكاد أخفيها من نفسي،(1) اس محذوف پر کلام میں کوئی دلیل نہیں ہے اور ایسا محذوف جس پر دلیل نہ ہو وہ مطروح ہے اور جنہوں نے یہ معنی بیان کیا ہے انہوں نے حضرت ابی بن کعب کے مصحف کی عبارت کی وجہ سے یہ کہا اس میں ہے أكاد أخفيها من نفسي اور بعض مصاحف میں ہے أكاد أخفيها من نفسي فكيف أظهركم عليها۔

میں کہتا ہوں بعض علماء نے کہا: جنہوں نے أكاد أخفيها من نفسي کہا ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اخفا میری طرف سے تھا کسی غیر کی طرف سے نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مروی ہے أكاد اخفيها من نفسي اور طلحہ بن عمرو نے عطا سے یہ روایت کیا ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے فرمایا: میں اس پر کسی کو ظاہر نہیں کروں گا۔ سعید بن جبیر سے مروی ہے فرمایا: قد أخفاها یہ اس بنا پر ہے کہ کاد زائدہ ہے یعنی قیامت آنے والی ہے جس کو میں نے پوشیدہ رکھا ہے اور پوشیدہ رکھنے کا فائدہ تخویف (ڈرانا) اور تہویل (ہولناکی بیان کرنا) ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: لِتُجْزٰی کا تعلق وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ سے ہے۔ پس کلام میں تقدیم و تاخیر ہے؛ یعنی أقم الصلاة لتذكرني۔

لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰی ۞، یعنی بسعیها اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا، والله اعلم۔ بعض علماء نے فرمایا: لتجزی، آتیة کے متعلق ہے یعنی ان الساعة آتیة لتجزی، فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا یعنی اس پر ایمان لانے سے اور اس کی تصدیق کرنے سے تجھے نہ پھیرے۔ مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰی، فتردیٰ کا معنی فتهلك ہے یہ نہی کے جواب میں ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔

وَ مَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ یٰمُوْسٰی ۞ قَالَ هِیَ عَصَایَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَیْهَا وَ اَهُشُّ بِهَا عَلٰی غَنَمِیْ وَ لِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی ۞

"اور (ندا آئی) یہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ! عرض کی: (میرے رب) یہ میرا عصا ہے، میں ٹیک لگاتا ہوں اس پر اور میں پتے جھاڑتا ہوں اس سے اپنی بکریوں کے لیے اور میرے لیے اس میں کئی اور فائدے بھی ہیں"۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ، بعض علماء نے فرمایا: یہ خطاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کیا گیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی ۞ (غور سے سنو جو وحی کیا گیا ہے) اور نبی کی ذات میں ایک معجزہ کا ہونا ضروری ہے جس کے ساتھ وہ اپنی نبوت کی صحت کو جان لے۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا میں اور اپنی ذات میں معجزہ کی صورت دکھائی۔ یہ بھی جائز ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے درخت میں معجزہ دکھایا تھا وہ ان کی ذات کے لیے کافی ہو پھر ہاتھ اور عصا زیادہ تاکید کے لیے ہوں اور بطور دلیل اپنی قوم کو یہ پیش کیے ہوں۔ مَا تِلْكَ

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 9665

میں جو ما ہے اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ زجاج اور فراء نے کہا: یہ اسم ناقص ہے بیمینک کے ساتھ ملایا گیا ہے، یعنی ما التی بیمینک؛ فراء نے یہی کہا ہے سوال کا مقصود امر کا ثبوت ہے تا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہیں یہ میرا عصا ہے تا کہ حجت اعتراف کے بعد ان پر ثابت ہو جائے، ورنہ اللہ تعالیٰ تو ازل سے جانتا ہے کہ وہ کیا ہے۔ ابن جوہری نے کہا: بعض آثار میں ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عتاب فرمایا کہ انہوں نے عصا کی نسبت اپنی طرف کر دی تو انہیں کہا گیا اپنا عصا ڈالو تا کہ اس سے تم تعجب دیکھ لو اور تم جان لو کہ تمہاری اس پر ملکیت نہیں ہے اور تمہاری طرف منسوب نہیں ہے۔ ابن ابی اسحاق نے عصیّ پڑھا ہے۔ یہ لغت ہذیل کی بنا پر ہے اس کی مثل یا بشریٰ اور محیای پہلے گزر چکا ہے۔ حسن نے عصای التقاء ساکنین کی وجہ سے یا کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کی مثل حمزہ کی قرأت ہے۔ وَمَآ اَنۡتُمۡ بِمُصۡرِخِيَّ (ابراہیم: 22) ابن ابی اسحاق نے یا کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ ایک سوال کے بہت سے جواب دیے جا سکتے ہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے پوچھا: وَمَا تِلۡكَ بِيَمِيۡنِكَ يٰمُوۡسٰى ۝ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چار چیزیں ذکر کیں۔ عصا کی نسبت اپنی طرف کی، حق تو یہ تھا کہ صرف عصا کہتے۔ التوکو (سہارا لینا) الھش (پتے جھاڑنا) اور مارب اخریٰ (دوسرے فائدے) کا ذکر کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا کے بڑے بڑے اور عمدہ فوائد کا ذکر فرمایا۔ حدیث شریف میں ہے نبی کریم ﷺ سے سمندر کے پانی کے بارے پوچھا گیا فرمایا: ''اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے'' (1)۔ ایک عورت نے چھوٹے بچے کے متعلق پوچھا جب وہ آپ کے پاس لے آئی تھی اس نے پوچھا (حضور!) کیا اس پر حج ہے؟ فرمایا ''ہاں اور تیرے لیے اجر ہے''۔ اس کی مثالیں حدیث میں کثرت سے ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَتَوَكَّؤُا عَلَيۡهَا یعنی چلنے اور ٹھہرنے میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں۔ اسی سے الاتکاء ہے۔ وَاَهُشُّ بِهَا اور اَهِشُّ بھی ہے؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے یہ نخعی کی قرأت ہے یعنی میں اس کے ساتھ پتے جھاڑتا ہوں یعنی درختوں کی ٹہنیوں کو مارتا ہوں تا کہ اس کے پتے گریں تا کہ میری بکریوں پر ان کا کھانا آسان ہو جائے۔ راجز نے کہا:

أَهُشُّ بالعَصَا على أَغْنَامِي من ناعِمِ الأَرَاكِ والبَشَامِ

کہا جاتا ہے: هَشَّ على غنمه يَهُشُّ۔ هاء کے ضمہ کے ساتھ۔ هَشَّ إلى الرجل يَهَشُّ، هاء کے فتحہ کے ساتھ۔ اسی طرح هَشَّ يَهَشُّ وهَشِشْتُ انا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: هَشِشْتُ يوماً فقبلت وأنا صائم (2)۔ شمر نے کہا: اس کا معنی ہے میں خوش ہوا اور شوق پورا کیا۔ فرمایا: هاش بمعنی هش بھی جائز ہے۔ شاعر نے کہا:

فكبّر للرؤيا وهاش فؤاده وبشّر نفسا كان قبل يلومها

یعنی اس کا دل خوش ہوا۔ هش کا لغوی معنی رخاوۃ ہے۔ کہا جاتا ہے: رجل هش وزوج هش۔ عکرمہ نے اسے أَهُسُّ پڑھا ہے، یعنی سین کے ساتھ پڑھا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: ان دونوں لغتوں کا ایک معنی ہے۔ بعض نے فرمایا: ان دونوں کا

1۔ موطا امام مالک، الطهور للوضوء کتاب الطهارة
2۔ ابوداؤد، باب القبلة لصائم، حدیث نمبر 2037

معنی مختلف ہے۔ الھش کا معنی درختوں کے پتے جھاڑنا ہے اور الھس کا معنی بکریوں کو جھڑکنا ہے، یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح زمخشری نے ذکر کیا ہے۔ عکرمہ سے أھس یعنی سین کے ساتھ مروی ہے، یعنی میں اس کے ساتھ بکریوں کو زجر کرتا ہوں۔ الھس کا معنی بکریوں کو جھڑکنا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِیَ فِیۡهَا مَاٰرِبُ اُخۡرٰی ۞ مَاٰرِبُ سے مراد ضروریات ہیں۔ اس کا واحد مأربة اور مأرُبة اور مأرِبة ہے۔ اور اخریٰ واحد کا صیغہ ذکر فرمایا کیونکہ مآرب جماعت کے معنی میں ہے، لیکن تو ابع میں واضح طریقہ یہ ہے کہ غیر ذوی العقول کی جمع مفرد ہو اور اس کے لیے بھی کنایہ ہو کیونکہ وہ واحد مونث کے قائم مقام ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِلّٰهِ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی فَادۡعُوۡهُ بِهَا (الاعراف: 180) اور ارشاد ہے: یٰجِبَالُ اَوِّبِیۡ مَعَهٗ (سباء: 10) یہ سورہ اعراف میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ ایک قوم نے عصا کے منافع کو شمار کیا ہے ان میں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی ہیں فرمایا: جب میں کنویں پر پہنچتا ہوں اور اس کی رسی چھوٹی ہوتی ہے تو اس کو عصا کے ساتھ باندھ دیتا ہوں جب مجھے سورج کی گرمی لگتی ہے تو اسے زمین میں گاڑ دیتا ہوں اور اس پر کوئی چیز ڈال دیتا ہوں جو مجھ پر سایہ کرتی ہے۔ جب مجھے زمین کے کیڑے مکوڑوں کا خوف ہوتا ہے تو میں انہیں عصا کے ساتھ مار دیتا ہوں اور جب چلتا ہوں تو اسے کندھے پر رکھ لیتا ہوں اور اس پر اپنی کمان، ترکش اور جھولا لٹکا دیتا ہوں اور اس کے ذریعے بکریوں سے درندوں کو دور کرتا ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے میمون بن مہران نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: عصا رکھنا انبیاء کی سنت ہے اور مومن کی علامت ہے۔ حسن بصری نے کہا اس میں چھ خصائل ہیں۔ (1) انبیاء کی سنت ہے۔ صلحاء کی زینت ہے۔ دشمنوں کی خاطر یہ ہتھیار ہے۔ کمزوروں کے لیے مدد کا باعث ہے۔ منافقین کے لیے غم کا باعث ہے اور طاعات میں زیادتی کا باعث ہے۔ کہا جاتا ہے: جب مومن کے ساتھ عصا ہوتا ہے تو اس سے شیطان بھاگتا ہے اور اس سے منافق اور فاجر ڈرتا ہے۔ جب نماز پڑھتا ہے تو وہ اس کے قبلہ (کی طرف سترہ) ہوتا ہے اور جب مومن کمزور ہوتا ہے تو یہ اس کے لیے قوت کا سبب ہوتا ہے۔ حجاج ایک اعرابی کو ملا اور پوچھا: تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ اس نے کہا: میرا عصا ہے، اسے میں نماز کے لیے زمین میں گاڑھتا ہوں، میں اسے اپنے دشمنوں کے لیے تیار رکھتا ہوں، اس کے ساتھ اپنے جانور ہانکتا ہوں، سفر میں اس کے ساتھ قوت حاصل کرتا ہوں، چلتے وقت اس پر سہارا لیتا ہوں تا کہ لمبے قدموں سے چلوں اور اس کے ساتھ نہر عبور کرتا ہو، یہ مجھے ٹھوکر لگنے سے محفوظ رکھتا ہے، اس پر کپڑے ڈالتا ہوں جو مجھے گرمی سے بچاتا ہے اور ٹھنڈک سے بچاتا ہے۔ اور اس کے ذریعے اس چیز کو قریب کرتا ہوں جو مجھ سے دور ہوتی ہے۔ یہ میرے دسترخوان کا محمل ہے اور میرے دوسرے سامان کو لٹکانے کا ذریعہ ہے۔ لڑائی کے وقت اس کے ساتھ لڑائی کرتا ہوں، اس کے ساتھ دروازوں کو کھٹکھٹاتا ہوں، اس کے ساتھ کتوں کے کاٹنے سے بچتا ہوں، ہم عصروں کے مقابلہ کے لیے تیر اور تلوار کا کام دیتا ہے، یہ میرے باپ کا ورثہ ہے اور یہ میں اپنے بیٹے کو ورثہ میں دوں گا، اس کے ساتھ اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لیے اور بھی لاتعداد منافع ہیں۔

میں کہتا ہوں: عصا کے منافع کثیر ہیں۔ بعض مقامات میں شرعی اعتبار سے اس کا دخل ہوتا ہے مثلاً صحراء میں قبلہ بنایا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی کھونٹی تھی جس کو گاڑھا جاتا تھا اور آپ ﷺ اس کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے۔ جب عید کے دن آپ نکلتے تھے تو کھونٹی گاڑھنے کا حکم دیتے تھے وہ آپ کے سامنے گاڑھی جاتی تھی اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ اور یہ صحیح میں ثابت ہے۔ الحربة، العنزة، النيزك، والآلة یہ تمام ایک مسمی کھونٹی کے نام ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی ایک کھونٹی تھی جس کے ساتھ آپ حجر اسود کی طرف اشارہ کرتے تھے جب اس کو بوسہ دینے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ یہ بھی صحیح میں ثابت ہے۔ موطا میں سائب بن یزید سے مروی ہے فرمایا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں قاری سو سو آیات والی سورتیں پڑھتا تھا حتی کہ ہم قیام کے لمبا ہونے کی وجہ سے اپنے عصا پر سہارا لیتے تھے اور ہم مسجد سے صبح کے طلوع ہونے سے کچھ پہلے واپس گھر آتے تھے۔ صحیحین میں ہے: نبی کریم ﷺ کی کھونٹی تھی، اس پر اجماع ہے کہ خطیب تلوار یا عصا پر سہارا لے کر خطبہ دے۔ عصا کا ثبوت اصل کریم اور معدن شریف سے ہے۔ اس کا انکار صرف جاہل ہی کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عصا میں بہت سے معجزات جمع فرمائے تھے۔ اس کی وجہ سے معاندین جادوگر بھی آپ پر ایمان لے آئے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خطبہ دینے، وعظ و نصیحت کرنے اور نماز کی طوالت کے لیے عصا بنایا تھا۔ حضرت ابن مسعود نے نبی کریم ﷺ کے عصا اور کھونٹی بردار تھے اور وہ چھڑی پکڑ کر خطبہ دیتے تھے۔ پس عصا کے شرف پر یہ فضیلت کافی ہے۔ خلفاء، کبراء، خطباء کا عمل اسی پر ہے۔ فصحاء عرب کی عادت بھی عصا اور کھونٹی پکڑنا اور کلام کرتے وقت اس پر سہارا لینا ہے۔ محافل اور خطبوں میں بھی وہ اس پہ سہارا لیتے تھے۔ شعوبیہ فرقہ خطباء عرب پر اعتراض کرتا ہے کہ وہ کھونٹی پکڑتے ہیں اور اس کے ساتھ معانی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ شعوبیہ فرقہ عربوں سے بغض کرتا ہے اور عجمیوں کو فضیلت دیتا ہے۔ امام مالک نے فرمایا: عطاء بن سائب کھونٹی ہاتھ میں پکڑتے تھے اور اس سے مدد حاصل کرتے تھے۔ امام مالک نے فرمایا: آدمی جب بوڑھا ہو جاتا ہے تو وہ جوانی کی مثل نہیں ہوتا۔ آدمی اٹھتے وقت اس سے قوت حاصل کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کے بارے میں ایک شاعر نے کہا:

قد كنتُ أمشي على رجلين معتمدًا　　فصرتُ أمشي على أخرى من الخشبِ

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: لوگ عصا لے کر نکلتے ہیں جب بارش آتی ہے اور ان پر سہارا لیتے ہیں حتی کہ نوجوان بھی اپنے اپنے عصا لیتے ہیں۔ بعض دفعہ اپنے ہم مجلسوں میں عصا لیتے تھے تاکہ اس کے سہارے کھڑے ہوں۔ عصا کے منافع میں سے یہ بھی ہے کہ اصلاح کی خاطر آدمی اپنی بیویوں کو مارتا ہے اس کے ساتھ اپنی اور اپنے گھر والوں کی اصلاح کرتا ہے۔ اسی سے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''ابو جہم وہ تو اپنے کندھے سے عصا رکھتا ہی نہیں ہے''۔ ایک روایت میں ہے ایک شخص کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: ''اپنے اہل سے لاٹھی نہ اٹھا اللہ کی ذات کے بارے میں انہیں ڈرا'' (1)۔ حضرت عبادہ بن

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 22075

صامت سے امام نسائی نے اس کو روایت کیا ہے۔ اس مفہوم سے نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے "تو اپنے عصا کو وہاں لٹکا جہاں سے تیرے گھر والے اسے دیکھ سکیں" (1)۔ سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔ اس کے فوائد میں سے ہے کہ اس دنیا سے منتقل ہونے پر تنبیہ ہے جیسا کہ کسی زاہد شخص سے کہا گیا: تجھے کیا ہے کہ تو عصا پر چلتا ہے جبکہ تو نہ بوڑھا ہے اور نہ مریض ہے؟ اس نے کہا: میں جانتا ہوں میں مسافر ہوں یہ دنیا فانی ہے اور عصا سفر کا آلہ ہے۔ بعض شعراء نے کہا:

حملتُ العصا لا الضَّعف أوجب حملَها		علیّ ولا أنّی تحنَّیتُ من کِبَرْ

ولکنّنی ألزمتُ نفسی حَمْلَها		لأعلمها أنّ المقیمَ علی سَفَرْ

قَالَ اَلْقِهَا یٰمُوْسٰی ۝ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰی ۝ قَالَ خُذْهَا وَ لَا تَخَفْ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی ۝ وَ اضْمُمْ یَدَكَ اِلٰی جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ اٰیَةً اُخْرٰی ۝ لِنُرِیَكَ مِنْ اٰیٰتِنَا الْكُبْرٰی ۝

"حکم ہوا: ڈال دے اسے زمین پر اے موسیٰ۔ تو آپ نے اسے زمین پر ڈال دیا پس اچانک وہ سانپ بن کر (اِدھر اُدھر) دوڑنے لگا۔ حکم ہوا: اسے پکڑلو اور مت ڈرو ہم لوٹا دیں گے اسے اپنی حالت پر۔ اور (حکم ملا) دبالو اپنا ہاتھ اپنے بازو کے نیچے یہ نکلے گا جب سپید ہو کر بغیر کسی بیماری کے یہ دوسرا معجزہ (ہم نے تمہیں دیا) ہے، تاکہ ہم دکھائیں تمہیں اپنی بڑی بڑی نشانیاں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ اَلْقِهَا یٰمُوْسٰی ۝ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے حصول اور اس کی تکلیف برداشت کرنے کی تدریب کرلیں تو عصا ڈالنے کا حکم دیا۔ فَاَلْقٰىهَا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اوصاف اور اغراض تبدیل کر ڈالے وہ عصا دو شاخوں والا ہے تو اس کی وہ دو شاخیں اس کا منہ بن گئیں اور وہ سانپ بن گیا جو دوڑ رہا تھا اور پتھروں کو نگل رہا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے دیکھا تو تعجب سے دیکھا اور وَلّٰی مُدْبِرًا وَّ لَمْ یُعَقِّبْ (النمل: 10) اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: اسے پکڑلو اور مت ڈرو۔ یہ اس لیے فرمایا کیونکہ انہوں نے اپنے دل میں بتقاضائے بشریت خوف محسوس کیا۔ روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اپنے جبے کی آستین کے ساتھ پکڑا تو انہیں اس طرح پکڑنے سے منع کیا گیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اپنے ہاتھ سے پکڑا تو وہ عصا بن گیا جس طرح کہ پہلے تھا۔ یہ اس کی پہلی حالت تھی۔ اس نشانی کو ان کے لیے اس لیے ظاہر فرمایا تاکہ آپ اس سے خوفزدہ نہ ہوں جب اسے آپ فرعون کے پاس زمین پر ڈالیں۔ کہا جاتا ہے کہ عصا اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ چلتا تھا اور باتیں کرتا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پر سامان لٹکاتے تھے اور رات کے وقت اس کی شاخیں ڈول کی طرح ہو جاتی تھی اور جب آپ پانی نکالنا چاہتے تھے تو وہ شاخیں ڈول کی طرح ہو جاتی تھیں اور جب آپ کو پھل کھانے کا شوق ہوتا تو اسے زمین پر گاڑھ دیتے تھے اور اس پر پھل لگ جاتا تھا۔ بعض نے فرمایا: یہ ڈنڈا جنت کے آس

مصنف عبدالرزاق، حدیث نمبر 17963

کے درخت کا تھا۔ بعض نے فرمایا: اسے جبریل لے کر آئے تھے۔ بعض نے فرمایا: کوئی اور فرشتہ لے کر آیا تھا۔ بعض نے فرمایا: حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا اس گھر سے ایک چھڑی لے لو تو وہ چھڑی آپ کے ہاتھ میں عصا بن گئی۔ حضرت آدم علیہ السلام کا عصا جنت سے آپ کے ساتھ اُترا تھا؛ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى۝ نحاس نے کہا: حیۃ بھی جائز ہے۔ کہا جاتا ہے: خرجت فاذا زید جالس و جالسا۔ حیہ پر وقف ھا کے ساتھ ہے۔ السعی کا معنی جلدی اور پھرتی سے چلنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: وہ عصا بڑا سانپ بن گیا تھا وہ پتھروں اور درختوں کو نگل لیتا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ تو ہر چیز کو نگل رہا ہے تو وہ اس سے خوفزدہ ہوئے اور اس سے دور ہوئے۔ بعض سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سے اس لیے خوفزدہ ہوئے کیونکہ آپ کو معلوم تھا جو اس ڈنڈے کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام نے برداشت کیا تھا۔ بعض نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا تَخَفْ (ڈرو نہیں) تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف ختم ہو گیا اور دل مطمئن ہو گیا۔ آپ نے اس کے منہ میں اپنا ہاتھ داخل کیا اور اس کے جبڑوں سے پکڑ لیا۔ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى میں نے علی بن سلیمان کو یہ کہتے سنا ہے۔ تقدیر عبارت الی سیرتھا ہے جیسے اخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ (الاعراف:155) (میں حرف جر کو حذف کیا گیا ہے)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ، غیر قرآن میں ضُمَّ میم کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ جائز ہے، کیونکہ التقائے ساکنین پایا گیا ہے۔ اور فتحہ عمدہ ہے کیونکہ وہ خفیف ہے اور کسرہ اصل کی بنا پر ہے اور ضمہ اتباع کی بنا ہے۔ یدٌ اصل میں یدیٌ فعل کے وزن پر ہے اس پر دلیل جمع ایدٍ ہے اور تصغیر یُدیّۃ ہے۔ الجناح سے مراد بازو ہے؛ مجاہد نے یہ کہا ہے اور فرمایا: الی بمعنی تحت ہے۔ قطرب نے کہا: جناحك سے مراد الی جیبك ہے۔ اسی سے زاجز کا قول ہے:

أَضُمُّهُ للصدرِ والجناحِ

بعض نے فرمایا: الی جنبك کو الی جناحك سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ وہ جناح کے محل میں مائل ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا مطلب الی عندك ہے۔ مقاتل نے کہا: الی بمعنی مع ہے یعنی مع جناحك، تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ یعنی بغیر برص کے چھانے والے نور کے ساتھ نکلے گا، دن اور رات کو سورج اور چاند کی طرح چمکے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے یعنی وہ اس طرح چمکدار تھا کہ آپ کی رنگت کے مخالف تھا۔ بَيْضَآءَ حال کی بنا پر منصوب ہے اور یہ غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں دو الف تانیث ہیں، یہ اس سے زائل نہیں ہوتے گویا ان دونوں کا لزوم دوسری علت ہے نکرہ میں غیر منصرف ہے۔ یہ دونوں الف ھاء کے مخالف ہیں کیونکہ ھا اسم سے جدا ہوتی ہے۔ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ، مِنْ، بیضا کے متعلق ہے جیسے تو کہتا ہے: ابیضت من غیر سوئٍ، اٰيَةً اُخْرٰى، یعنی عصا کے معجزہ کے علاوہ یہ معجزہ ہے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کرتہ جبہ سے اپنا ہاتھ نکالا تو اس کی سورج کی شعاع کی طرح روشنی تھی جو آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی۔ اور آیۃ، بیضاء سے بدل کی بنا پر منصوب ہے؛ یہ اخفش کا قول ہے۔ نحاس نے کہا: یہ قول حسن ہے۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے ہم نے تجھے دوسرا معجزہ دیا یا دوسرا معجزہ دیں گے کیونکہ فرمایا: تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ یہ دلیل ہے کہ آپ کے پاس دوسرا معجزہ آیا۔ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى، کبریٰ سے

مراد بڑا ہے۔ حق یہ تھا کہ الکبیرۃ ہوتا لیکن الکبریٰ فرمایا تا کہ آیات کے قافیے مل جائیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس میں اضمار ہے اس کا معنی ہے، لنریك من آیاتنا الایة الکبری یعنی ہم تجھے اپنی آیات میں سے بڑی نشانی دکھائیں گے۔ اس کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: ید موسیٰ اکبر آیاتہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ اللہ کی بڑی آیات میں سے تھا۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿۲۵﴾ وَ يَسِّرْ لِيْۤ اَمْرِيْ ﴿۲۶﴾ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿۲۷﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿۲۸﴾ وَ اجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِي ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِيْ ﴿۳۱﴾ وَ اَشْرِكْهُ فِيْۤ اَمْرِيْ ﴿۳۲﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَّ نَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿۳۵﴾

"(اب) جائیے فرعون کے پاس وہ سرکش بن گیا ہے۔ آپ نے دعا مانگی: اے میرے پروردگار! کشادہ فرما دے میرے لیے میرا سینہ اور آسان فرما دے میرے لیے میرا یہ (کٹھن) کام اور کھول دے گرہ میری زبان کی تا کہ اچھی طرح سمجھ سکیں وہ لوگ میری بات۔ اور مقرر فرما میرا وزیر خاندان سے یعنی ہارون کو جو میرا بھائی ہے۔ مضبوط فرما دے اس سے میری کمر۔ اور شریک کر دے اسے میری (اس) مہم میں، تا کہ ہم دونوں کثرت سے تیری پاکی بیان کریں اور ہم کثرت سے تیرا ذکر کریں۔ بیشک تو ہمارے (ظاہر و باطن کو) خوب دیکھنے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۲۴﴾ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید سے مانوس کر دیا اور اسے معجزات دکھا دیئے جو ان کے رسول ہونے پر دلیل تھے تو انہیں فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا کہ اسے دعوت دیں۔ طَغٰى کا معنی ہے اس نے نافرمانی کی، تکبر کیا، کفر کیا، جبر کیا اور حد سے بڑھا۔ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿۲۵﴾ وَ يَسِّرْ لِيْۤ اَمْرِيْ ﴿۲۶﴾ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿۲۷﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿۲۸﴾ وَ اجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِي ﴿۳۰﴾ رسالت کی تبلیغ کے لیے اعانت طلب کی۔ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتا دیا تھا کہ اس نے فرعون کے دل پر مہر لگا دی ہے وہ ایمان نہیں لائے گا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: یا رب! تو مجھے کیسے حکم دیتا ہے کہ میں اس کے پاس جاؤں جبکہ تو نے اس کے دل پر مہر لگا دی ہے؟ تو ہوا کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ آیا اور کہا: اے موسیٰ! اس کی طرف چلو جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ یعنی میرا سینہ کشادہ فرما اور ایمان اور نبوت سے منور کر دے۔ وَ يَسِّرْ لِيْۤ اَمْرِيْ اور فرعون کو تبلیغ کرنے کا جو تو نے مجھے حکم دیا ہے اسے میرے لیے آسان فرما۔ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ عقدہ سے مراد وہ گرہ ہے جو اس انگارے کی وجہ سے بن گئی تھی جو آپ نے بچپن میں منہ میں ڈال لیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آپ کی زبان میں لکنت تھی یہ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک دن فرعون کی گود میں تھے تو آپ نے فرعون کو طمانچہ مارا اور اس کی داڑھی سے پکڑ کر اسے نوچا۔ فرعون نے آسیہ سے کہا: یہ میرا دشمن ہے۔ ذبح کرنے والوں کو بلا۔ آسیہ نے کہا: ٹھہر جا، یہ معصوم بچہ ہے چیزوں میں تفریق بھی نہیں کر

سکتا۔ پھر آسیہ دو تھال لے آئی ایک میں اس نے انگارے رکھے اور دوسرے میں جواہر رکھے۔ حضرت جبریل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ پکڑا اور اسے آگ پر رکھ دیا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انگارہ اٹھایا اور اسے اپنے منہ میں زبان پر رکھ دیا اس کی وجہ سے آپ تتلاتے تھے۔

روایت ہے کہ آپ کا ہاتھ جل گیا تھا۔ فرعون نے اس کے علاج کی کوشش کی تھی لیکن وہ ٹھیک نہ ہوا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت دی تو اس نے کہا: تو مجھے کونسے رب کی طرف بلاتا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اس رب کی طرف جس نے میرے ہاتھ کو ٹھیک کیا تھا جبکہ تو اس کے علاج سے عاجز ہو گیا تھا۔ بعض علماء سے مروی ہے کہ آپ کا ہاتھ اس لیے ٹھیک نہ ہوا تھا تا کہ آپ کا ہاتھ فرعون کے ساتھ ایک پلیٹ میں داخل نہ ہو اور ان کے درمیان اکٹھا کھانے کی حرمت منعقد رہے۔ پھر علماء کا اختلاف ہے کہ آپ کا وہ تتلا پن ختم ہو گیا تھا۔ بعض علماء نے فرمایا: زائل ہو گیا تھا اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰی بعض نے فرمایا: یہ تتلا پن قائم رہا تھا، اس کی دلیل فرعون کا یہ قول ہے: وَّ لَا یَكَادُ یُبِیْنُ ﴿۵۲﴾ (الزخرف) اور آپ نے یہ دعا نہیں کی: أحلل كل لسانی، یہ دلیل ہے کہ آگ کو چھونے کی وجہ سے گرہ ان کی زبان میں تھی۔ بعض نے فرمایا: کلیۃً یہ تکلیف زائل ہو گئی تھی، اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ، فرعون نے کہا: وَّ لَا یَكَادُ یُبِیْنُ ﴿۵۲﴾ کیونکہ تربیت کے دوران آپ کی گرہ کا اسے علم تھا اور اس تکلیف کے دور ہونے کا اس کے پاس ثبوت نہیں تھا۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو فرعون وَّ لَا یَكَادُ یُبِیْنُ ﴿۵۲﴾ نہ کہتا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فصیح زبان سے کلام کی ہوتی؛ واللہ اعلم۔

بعض علماء نے فرمایا: یہ گرہ اپنے رب سے مناجات کرتے وقت پڑی تھی حتیٰ کہ آپ اللہ کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے سے کلام نہیں کر سکتے تھے۔ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ تا کہ وہ اسے جان لیں جو میں کہوں اور اسے سمجھ لیں۔ کلام عرب میں الفقه کا معنی فہم (سمجھنا) ہے۔ اعرابی نے عیسیٰ بن عمر کو کہا: شهدت علیك بالفقه؛ اسی سے ہے فَقِهَ الرجل (بکسر عین کلمہ) فلان لا یفقه ولا ینقه، أفقهتك الشئی۔ پھر علم شریعت کے لیے خاص ہوا۔ شریعت کا جاننے والا فقیہ ہوتا ہے۔ فَقُهَ (عین کلمہ کے ضم کے ساتھ) فقاهة وفقهه الله جب اللہ تعالیٰ کسی کو سمجھ عطا فرمائے اور وہ سمجھ جائے۔ فاقهته جب تو نے علم میں بحث کی۔ یہ جوہری کا قول ہے، الوزیر، الموازر، جیسے الأكيل المواكل ہے کیونکہ وہ سلطان سے اس کا بوجھ اتار دیتا ہے۔

کتاب النسائی میں ہے قاسم بن محمد سے مروی ہے میں نے اپنی پھپھو کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو تم میں سے کسی منصب پر فائز کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا تو اس کے لیے نیک وزیر بنا دیتا ہے اگر وہ بھولتا ہے تو وہ وزیر اسے یاد دلاتا ہے اگر اسے بات یاد ہوتی ہے تو اس کی معاونت کرتا ہے'' (1)۔ اسی مفہوم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی مبعوث نہیں فرمایا اور کوئی خلیفہ نہیں بنایا مگر اس کے دو مشیر ہوتے ہیں ایک اسے نیکی کا حکم دیتا ہے اور اسے نیکی پر ابھارتا ہے اور ایک مشیر اسے شر کا حکم دیتا ہے اور شر پر برانگیختہ کرتا ہے۔ محفوظ وہی ہے جسے اللہ

1۔ ابو داؤد، کتاب الفرائض، باب فی اتخاذ الوزیر، حدیث نمبر 2543، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

تعالیٰ نے محفوظ کر لیا"۔ اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ اس کا وزیر بنا دے مگر انہوں نے یہ ارادہ نہ کیا کہ وہ وزارت پر مقصور ہوتا کہ وہ نبوت میں اس کا شریک نہ ہو۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بغیر سوال کے اس کا وزیر بنانا جائز ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے متعین فرمایا اور کہا: ھارون، ھارون پر نصب وزیراً سے بدل کی بنا پر ہے یا یہ اِجْعَلْ کی وجہ سے منصوب ہے یہ تقدیم و تاخیر کی بنا پر ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ اجعل لی ھارون اخی وزیراً۔ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک سال بڑے تھے بعض نے کہا: تین سال بڑے تھے۔

اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ ﴿﴾ یعنی میری پیٹھ کو مضبوط کر دے۔ الازر کا معنی ازار باندھنے کی جگہ ہے مراد یہ ہے کہ اس کے ساتھ میرا نفس مضبوط ہو جائے۔ الازر کا معنی قوت ہے۔ آزرہ کا معنی ہے اس نے اسے قوت بخشی۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ (الفتح: 29) ابو طالب نے کہا:

أليس أبونا هاشم شدّ أزره وأوصى بنيه بالطِّعانِ وبالضَّربِ

بعض نے کہا: الازر کا معنی مدد ہے، یعنی وہ مدد بنا دے جس کے ساتھ میرا معاملہ سیدھا ہو۔ شاعر نے کہا:

شَدَدتُ به أزرى وأيقنتُ أنَّهُ أخو الفقر مَن ضاقت عليه مذاهبُه

حضرت ہارون، حضرت موسیٰ علیہما السلام سے زیادہ پر گوشت تھے اور زیادہ قد آور تھے اور ان کا جسم زیادہ سفید تھا اور زیادہ فصیح تھے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین سال پہلے وصال فرما گئے تھے۔ حضرت ہارون کے چہرے میں علامت تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ناک کی بنی پر علامت تھی اور زبان کی ایک طرف پر علامت تھی نہ آپ سے پہلے کسی کی یہ علامت تھی اور نہ آپ کے بعد کسی کی ایسی علامت ہوگی۔ بعض نے فرمایا: یہ ان کی زبان میں گرہ کا سبب تھی؛ واللہ اعلم۔

وَ اَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ ﴿﴾ یعنی نبوت اور تبلیغ رسالت میں اسے شریک کر دے۔ مفسرین نے فرمایا: حضرت ہارون علیہ السلام مصر میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہارون کے پاس آنے کا حکم دیا اور حضرت ہارون علیہ السلام کو مصر میں وحی فرمائی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کریں تو ایک منزل پر ان کی ملاقات ہوئی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے اس کے متعلق بتایا جو ان کی طرف وحی کی گئی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا ہے میں نے اپنے رب تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ تجھے میرے ساتھ رسول بنا دے۔ عام قراء نے أخی اشدد ہمزہ وصلی کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور أشرکه کو دعا کی بنا پر ہمزہ قطعی کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی أشدِد یا رب أزری و أشرکه معی فی أمری۔ ابن عامر، یحییٰ بن حرث، ابو حیوہ، حسن اور عبداللہ بن ابی اسحاق نے اشدد کو ہمزہ قطعی کے ساتھ اور أشرکه کو ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی میں ایسا کروں گا اور میں اس کے ساتھ اپنے آپ کو مضبوط کروں گا۔ اور اسے یا رب میں اپنے معاملہ میں شریک کروں گا۔ نحاس نے کہا: دونوں فعل اجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا کے قول کی وجہ سے محل جزم میں ہیں۔ یہ قرأت شاذ اور بعید ہے کیونکہ اس کی مثل کا جواب شرط اور جزا کے معنی میں ہوتا ہے۔ پھر معنی ہوگا اگر تو میرے لیے میرے خاندان سے وزیر بنائے گا تو میں اس کے ذریعے مضبوط ہوں گا اور میں اسے اپنے معاملہ میں شریک کروں گا۔ اور حضرت

موسیٰ علیہ السلام کا امر نبوت اور رسالت تھی۔ یہ آپ کی طرف نہ تھا کہ آپ اس کے متعلق خبر دیتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کے ساتھ نبوت میں شریک کریں۔ ابن کثیر اور ابوعمرو نے اخی کو یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

کَیۡ نُسَبِّحَکَ کَثِیۡرًا ﴿۳۳﴾ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہم تیرے لیے کثرت سے نماز پڑھیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ تسبیح باللسان مراد ہو یعنی ہم تیری ہر اس چیز سے پاکیزگی بیان کرتے ہیں جو تیری شان جلال کے موافق و مطابق نہ ہو، کَثِیۡرًا مصدر محذوف کی صفت ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ وقت کی صفت ہو۔ اور ادغام عمدہ ہے۔ نذکرک کثیراً بھی اسی طرح ہے اِنَّکَ کُنۡتَ بِنَا بَصِیۡرًا، خطابی نے کہا: البصیر بمعنی المبصر ہے۔ البصیر وہ عالم جو مخفی امور کو جاننے والا ہو معنی ہے ہمیں جاننے والا۔ اور ہمارے بچپن میں ہمیں نعمتیں بہم پہنچانے والا۔ پس تو نے پہلے بھی ہم پر احسان کیا پس اب بھی ہم پر احسان فرما اے ہمارے رب!۔

قَالَ قَدۡ اُوۡتِیۡتَ سُؤۡلَکَ یٰمُوۡسٰی ﴿۳۶﴾ وَ لَقَدۡ مَنَنَّا عَلَیۡکَ مَرَّۃً اُخۡرٰۤی ﴿۳۷﴾ اِذۡ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّکَ مَا یُوۡحٰۤی ﴿۳۸﴾ اَنِ اقۡذِفِیۡہِ فِی التَّابُوۡتِ فَاقۡذِفِیۡہِ فِی الۡیَمِّ فَلۡیُلۡقِہِ الۡیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاۡخُذۡہُ عَدُوٌّ لِّیۡ وَ عَدُوٌّ لَّہٗ ؕ وَ اَلۡقَیۡتُ عَلَیۡکَ مَحَبَّۃً مِّنِّیۡ ۬ۚ وَ لِتُصۡنَعَ عَلٰی عَیۡنِیۡ ﴿۳۹﴾ اِذۡ تَمۡشِیۡۤ اُخۡتُکَ فَتَقُوۡلُ هَلۡ اَدُلُّکُمۡ عَلٰی مَنۡ یَّکۡفُلُہٗ ؕ فَرَجَعۡنٰکَ اِلٰۤی اُمِّکَ کَیۡ تَقَرَّ عَیۡنُهَا وَ لَا تَحۡزَنَ ۬ؕ وَ قَتَلۡتَ نَفۡسًا فَنَجَّیۡنٰکَ مِنَ الۡغَمِّ وَ فَتَنّٰکَ فُتُوۡنًا ۬۟ فَلَبِثۡتَ سِنِیۡنَ فِیۡۤ اَهۡلِ مَدۡیَنَ ۬ۙ ثُمَّ جِئۡتَ عَلٰی قَدَرٍ یّٰمُوۡسٰی ﴿۴۰﴾ وَ اصۡطَنَعۡتُکَ لِنَفۡسِیۡ ﴿ۚ۴۱﴾ اِذۡهَبۡ اَنۡتَ وَ اَخُوۡکَ بِاٰیٰتِیۡ وَ لَا تَنِیَا فِیۡ ذِکۡرِیۡ ﴿ۚ۴۲﴾

''جواب ملا: منظور کر لی گئی ہے آپ کی درخواست اے موسیٰ۔ اور ہم نے احسان فرمایا تھا تم پر ایک بار پہلے بھی، جب ہم نے وہ بات الہام کی تمہاری ماں کو جو الہام ہی کیے جانے کے قابل تھی۔ یہ کہ رکھ دو اس معصوم بچے کو صندوق میں پھر ڈال دو اس صندوق کو دریا میں پھینک دے گا اسے دریا ساحل پر پھر پکڑے گا وہ شخص جو میرا بھی دشمن ہے اور اس بچے کا بھی دشمن ہے اور (اے موسیٰ!) میں نے پرتو ڈالا تجھ پر محبت کا اپنی جناب سے (تاکہ جو دیکھے فریفتہ ہو جائے) اور (اس تدبیر کا منشا یہ تھا) کہ آپ کی پرورش کی جائے میری چشم (کرم) کے سامنے۔ یاد کرو جب چلتے چلتے آئی آپ کی بہن اور کہنے لگی (فرعون کے اہل خانہ سے): کیا میں بتاؤں تمہیں وہ آدمی جو اس کی پرورش کر سکے پس (یوں) ہم نے آپ کو لوٹا دیا آپ کی ماں کی طرف تاکہ (آپ کو دیکھ کر) اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرے اور غمناک نہ ہو اور (تمہیں یاد ہے جب) تو نے مار ڈالا تھا ایک شخص کو پس ہم نے نجات دی تھی تمہیں غم و اندوہ سے اور ہم نے تمہیں اچھی طرح جانچ لیا تھا پھر تم ٹھہرے رہے کئی سال اہل مدین میں پھر

تم آ گئے ایک مقررہ وعدہ پر اے موسیٰ۔ اور میں نے مخصوص کر لیا ہے تمہیں اپنی ذات کے لیے۔ اب جایئے آپ اور آپ کا بھائی میری نشانیاں لے کر اور نہ سستی کرنا میری یاد میں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰی ⊙ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے شرح صدر اور معاملہ کی تیسیر کا سوال کیا تو جواباً اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا اور انہیں ان کی طلب اور مرغوب چیز عطا فرما دی۔ سؤل سے مراد طلب ہے یہ فُعل بمعنی مفعول ہے، خبز بمعنی مخبوز اور اکل بمعنی ماکول ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْكَ مَرَّةً اُخْرٰۤی ⊙ یعنی اس سے پہلے بھی تم پر ہم نے احسان فرمایا۔ اور وہ احسان دشمنوں کے شر سے آپ کی حفاظت ہے اور یہ ذبح کے وقت تھا؛ واللہ اعلم۔ المنّ کا مطلب احسان کرنا اور مہربانی کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤی اُمِّكَ مَا یُوْحٰۤی ⊙ بعض علماء نے فرمایا: اوحینا کا معنی ہے ہم نے الہام کیا ہے۔ بعض نے فرمایا: حضرت موسیٰ کی والدہ کو خواب میں وحی کی گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسی طرح وحی کی گئی جس طرح انبیاء کو وحی کی گئی تھی۔ اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ، مقاتل نے کہا: مومن آل فرعون سے تھا جس نے تابوت بنایا تھا اور اسے تیار کیا تھا اس کا نام حزقیل تھا۔ اور تابوت جمیز کی لکڑی کا تھا۔ فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ یعنی اسے دریا میں پھینک دے یعنی دریائے نیل میں ڈال دے۔ فَلْیُلْقِهِ، فراء نے کہا: فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ امر کا صیغہ ہے اور اس میں مجازات کا معنی ہے یعنی اقذفیہ یلقہ الیم، اسی طرح یہ ارشاد ہے: اتَّبِعُوْا سَبِیْلَنَا وَ لْنَحْمِلْ خَطٰیٰكُمْ (العنکبوت: 12)

یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَ عَدُوٌّ لَّهٗ یعنی فرعون۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے تابوت بنایا اور اس میں چمڑے کے ٹکڑے لگا دیے اور اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رکھ دیا۔ اس تابوت کو تارکول لگا دی اور اس کی دراڑیں بند کر دیں پھر اسے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ دریائے نیل سے ایک نہر فرعون کے گھر میں جاتی تھی اللہ تعالیٰ نے اس تابوت کو فرعون کے گھر کی طرف اس نہر میں چلایا۔ یہ بھی روایت ہے کہ اس تابوت میں دھنی ہوئی روئی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس میں رکھا اور اس کو تارکول لگا دی اور سیسہ پھیر دیا پھر اسے دریا میں ڈال دیا۔ اس دریا سے ایک بڑی نہر فرعون کے باغ کو جاتی تھی۔ فرعون اپنی بیوی آسیہ کے ساتھ تالاب کے اوپر بیٹھا تھا کہ اچانک تابوت نظر آیا اس نے تابوت نکالنے کا حکم دیا تو تابوت نکال دیا گیا جب اسے کھولا گیا تو اس میں بچہ تھا جو انتہائی خوبصورت تھا، دشمن خدا اس بچے سے شدید محبت کرنے لگا اور وہ اس کے بغیر صبر نہیں کر سکتا تھا۔ قرآن کا ظاہر یہ ہے کہ دریا نے اسے ساحل پر ڈال دیا تھا۔ فرعون نے وہ تابوت ساحل پر دیکھا تھا اور اس نے اسے اٹھانے کا حکم دیا تھا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ دریا نے ساحل کی اس جگہ پر ڈالا ہو جہاں فرعون کی نہر کا منہ ہو پھر اس نہر کے ذریعے تالاب میں پہنچا ہو۔ بعض علماء نے فرمایا: فرعون کی بیٹی نے اس بچے کو پایا اس بچی کو برص کا مرض تھا جب اس نے تابوت کھولا تو اسے شفا مل گئی۔ روایت ہے کہ جب انہوں نے وہ تابوت اٹھایا اور اس کو کھولنے کی کوشش کی تو وہ اس پر قادر نہ ہوئے انہوں نے اسے توڑنے کی کوشش کی تو وہ بھی عاجز آ گئے۔ آسیہ قریب ہوئی اور اس نے تابوت میں نور دیکھا اس نے کوشش کی تو اس نے کھول لیا اس میں ایک بچہ تھا جس کی آنکھوں کے درمیان کی جگہ روشن

تھی اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے انگوٹھے سے دودھ چوس رہے تھے وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے محبت کرنے لگے۔ فرعون کی بیٹی کو برص کا مرض تھا۔ اطباء نے اسے کہا تھا کہ یہ ٹھیک نہ ہوگی مگر دریا کی طرف سے۔ دریا میں ایک انسان کے مشابہ ایک چیز پائی جاتی ہے۔ اس کا علاج اس کا لعاب ہے اس لڑکی نے اپنی برص پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لعاب ملا تو وہ ٹھیک ہوگئی۔ بعض علماء نے فرمایا: جب اس لڑکی نے موسیٰ علیہ السلام کے چہرہ کو دیکھا تو صحت یاب ہوگئی۔ واللہ اعلم۔

بعض علماء نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تابوت کو فرعون کی بیوی کی پڑوسن نے پایا تھا جب فرعون نے اس کو دیکھا تو اس نے تمام لوگوں سے اسے خوبصوت پایا۔ فرعون اس سے محبت کرنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے محبت فرمائی اور ساری مخلوق کا محبوب بنا دیا۔ ابن عطیہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے پرتو حسن ان پر ڈال دیا تھا جو دیکھ لیتا صبر نہیں کر سکتا تھا۔ قتادہ نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں میں ملاحت تھی جو دیکھتا محبت وعشق کرنے لگتا تھا۔ عکرمہ نے کہا: اس کا معنی ہے تجھ میں میں نے ملاحت و حسن رکھ دیا جو تجھے دیکھے گا تجھ سے محبت کرے گا۔ طبری نے کہا: اس کا مطلب ہے میں نے تجھ پر اپنی رحمت ڈال دی۔ ابن زید نے کہا: اس کا مطلب ہے میں نے تجھے ایسا بنا دیا کہ جو تجھے دیکھے گا تجھ سے محبت کرے گا حتیٰ کہ فرعون نے بھی تجھ سے محبت کی اور میں نے اس کے شر سے تجھے بچا لیا۔ آسیہ بنت مزاحم نے تجھ سے محبت کی اور تجھے اپنا بیٹا بنا لیا۔ وَ لِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا مطلب ہے کہ یہ میرے سامنے ہوا اس طرح کہ تجھے تابوت میں رکھا گیا اور پھر تابوت کو دریا میں ڈالا گیا اور پھر فرعون کی بیوی کی لونڈی نے تجھے اٹھایا اور انہوں نے تابوت کو کھولنے کا ارادہ کیا تاکہ جو کچھ اس میں ہے اسے دیکھیں، ان میں سے ایک نے کہا: تم اسے مت کھولو حتیٰ کہ تمہاری سردار آجائے وہ اس کے زیادہ لائق ہے تاکہ وہ تم پر تہمت نہ لگائے کہ تم نے اس میں جو کچھ پایا وہ تم نے اپنے لیے اٹھا لیا ہے۔ فرعون کی بیوی پانی نہیں پیتی تھی حتیٰ کہ وہ لونڈیاں اسے پلاتی تھیں وہ تابوت کو بند کر کے اپنی مالکن آسیہ کے پاس لے گئیں جب اس نے اس تابوت کو کھولا تو اس میں ایک ایسا بچہ دیکھا جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اس پر محبت ڈال دی گئی اس نے بچہ اٹھا لیا اور اسے فرعون کے پاس لے گئی اور اسے کہا: یہ میرے لیے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ فرعون نے اسے کہا: ہاں۔ تیری تو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے میرے لیے نہیں۔ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر فرعون کہتا کہ ہاں وہ میرے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے تو وہ ایمان لے آتا اور تصدیق کرتا''۔ آسیہ نے کہا: یہ مجھے ہبہ کر دے اور اسے قتل نہ کر۔ فرعون نے اسے ہبہ کر دیا(1)۔ بعض علماء نے فرمایا: وَ لِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ کا مطلب ہے تو میرے سامنے پروان چڑھے اور غذا دیا جائے، یہ قتادہ کا قول ہے۔ نحاس نے کہا: یہ لغت میں معروف ہے، کہا جاتا ہے: صنعت الفرس واصنعتہ جب تو گھوڑے کی اچھی دیکھ بھال کرے۔ اس کا معنی ہے وَ لِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ میں نے یہ کیا۔ بعض نے فرمایا: اللام ما بعد کلام اِذْ تَمْشِیْۤ اُخْتُكَ کے متعلق ہے اور تقدیم وتاخیر کی بنا پر ہے۔ اذ، لِتُصْنَعَ کی ظرف ہے۔ بعض نے فرمایا: وَ لِتُصْنَعَ میں واؤ زائدہ ہے۔ ابن

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذہ

القعقاع نے کہا: وَلْتُصْنَعَ امر کی بنا پر لام کے سکون کے ساتھ ہے۔ اس کا ظاہر مخاطب ہے اور مامور غائب ہے۔ ابونہیک نے ولتصنع، تا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہے تاکہ آپ کا حرکت کرنا اور تصرف کرنا میری مشیت سے ہو اور میرے سامنے ہو؛ یہ مہدوی نے قول ذکر کیا ہے۔ اِذْ تَمْشِیْۤ اُخْتُكَ، اِذْ تَمْشِیْۤ میں عامل القیت یا تصنع ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اِذْ اَوْحَیْنَاۤ سے بدل ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا نام مریم تھا۔ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ یَّكْفُلُهٗ یہ اس طرح ہوا کہ وہ اس کی خبر کی تلاش میں نکلی فرعون نے اپنی بیوی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام ہبہ کر دیا تو اس کی بیوی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے دودھ پلانے والیاں طلب کیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی عورت کا دودھ نہیں پیتے تھے حتیٰ کہ ان کی بہن آ گئی اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اٹھایا اور اپنی گود میں لیا اور پستان منہ میں دیا تو دودھ پینے لگ گئے اور وہ خوش ہو گئے۔ فرعون کے گھر والوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کہا: تو ہمارے پاس ٹھہرے گی؟ اس نے کہا: میرا دودھ نہیں ہے لیکن میں تمہیں ایسے گھر کے متعلق آگاہ کرتی ہوں جو اس کی کفالت کرے گا اور وہ لوگ اس کے لیے نہایت مخلص ہوں گے۔ انہوں نے پوچھا: وہ کون ہیں؟ اس نے کہا: میری والدہ۔ انہوں نے پوچھا: کیا اس کا دودھ ہے؟ اس نے کہا میرے بھائی ہارون کا دودھ۔ حضرت ہارون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک سال بڑے تھے۔ بعض نے کہا: تین سال۔ بعض نے کہا: چار سال بڑے تھے۔ یہ اس لیے ہو کہ فرعون نے بنی اسرائیل پر رحم کیا اور چار سال ان کے بچوں کو قتل کرنا چھوڑ دیا تھا اسی دوران حضرت ہارون پیدا ہوئے تھے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔ حضرت موسیٰ کی والدہ آئی تو انہوں نے ان کا دودھ قبول کر لیا۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اشارہ کرتا ہے: فَرَجَعْنٰكَ اِلٰۤى اُمِّكَ، حضرت ابی کے مصحف میں فرددناك ہے۔ عبدالمجید نے ابن عامر سے روایت کیا ہے کی تقر عینها قاف کے کسرہ کے ساتھ۔ جوہری نے کہا: وقررت به عینا وقررت به قرة وقرورا فیهما، رجلٌ قریر العین، وقد قرت عینه، تَقِرُّ وتَقَرُّ یہ گرم ہونے کی نقیض ہے۔ اقر الله عینه یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمایا حتیٰ کہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہوئی۔ پس اپنے سے اوپر والے کو مت دیکھو۔ کہا جاتا ہے: حتی تبرد ولا تسخن حتیٰ کہ ٹھنڈا ہو گیا اور گرم نہ رہا۔ خوشی کے آنسو ٹھنڈے ہوتے ہیں اور پریشانی کے آنسو گرم ہوتے ہیں۔ یہ مفہوم سورۂ مریم میں گزر چکا ہے۔ وَلَا تَحْزَنَ یعنی اپنے مفقود ہونے پر پریشان نہ ہو۔ وَقَتَلْتَ نَفْسًا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس کو آپ نے قتل کیا وہ قبطی کافر تھا۔ کعب نے کہا: وہ اس وقت بارہ سال کا تھا۔ صحیح مسلم میں ہے: ''اس کا قتل کرنا خطا تھا'' جیسا کہ آگے آئے گا۔ فَنَجَّیْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ یعنی ہم نے تجھے خوف قتل اور جس سے امن دیا۔ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا یعنی ہم نے تجھے آزمایا حتیٰ کہ آپ رسالت کے لیے تیار ہو گئے۔ قتادہ نے کہا: اس کا مطلب ہے ہم نے تمہیں آزمائش میں ڈالا۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے ہم نے تجھے خالص کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم نے رسالت سے پہلے کئی چیزوں کے ساتھ آزمایا۔ اس سال والدہ نے انہیں بطن میں اٹھایا جس سال میں فرعون بچوں کو قتل کرتا تھا۔ پھر انہیں دریا میں ڈالنا، پھر اپنی والدہ کے علاوہ کسی عورت کا دودھ پینے سے روک دینا پھر فرعون کی داڑھی پکڑ کر کھینچنا، پھر موتی کے بدلے انگارے کو پکڑنا، پھر فرعون کے قتل سے نجات دینا، پھر قبطی کو قتل کرنا، پھر خائف ہو کر نکل جانا پھر بکریاں چرانا تاکہ مخلوق کی

رعایت کرنے کی مشق کرلیں۔ کہا جاتا ہے: بکری کا ایک بچہ بھاگ گیا تو آپ دن کا اکثر حصہ اس کے پیچھے لگے رہے اس نے آپ کو تھکا دیا پھر اسے پکڑا تو اسے بوسہ دیا اور اپنے سینے سے لگایا اور کہا: تو نے مجھے بھی تھکا دیا اور خود بھی تھک گیا اور آپ اس پر ناراض نہ ہوئے۔ وہب بن منبہ نے کہا: اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو کلیم بنایا۔ سورۂ نساء میں یہ مسئلہ گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ آپ نے لمبی مدت دس سال پوری کی۔ وہب نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت شعیب کے پاس اٹھائیس سال رہے ان میں سے دس سال ان کی بیوی صفورا بنت شعیب کا مہر تھا۔ اور اٹھارہ سال آپ ویسے حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس ٹھہرے یہاں کہ ان کے ہاں ان کی اولاد ہوگئی۔ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور عبدالرحمن نے کہا: اس کا مطلب ہے نبوت ورسالت کے لیے موافق ہوگئے، کیونکہ انبیاء کرام چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیے جاتے ہیں۔ مجاہد اور مقاتل نے کہا: عَلٰى قَدَرٍ کا معنی ہے وعدہ پر۔ محمد بن کعب نے کہا: پھر تو اس مقدار پر ہوگیا جو تیری لیے مقدر کی گئی تھی کہ تو اس میں آئے۔ مفہوم دونوں اقوال کا ایک ہی ہے، یعنی آپ اس وقت آئے جس میں ہم نے تجھے بھیجنے کا ارادہ کیا تھا۔ شاعر نے کہا تھا:

نال الخلافة أو كانت له قَدَراً كما أتَى ربّه موسىٰ على قَدَر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ہم نے اپنی وحی اور رسالت کے لیے تمہیں چن لیا ہے۔ بعض نے فرمایا: اِصْطَنَعْتُكَ کا معنی ہے میں نے تجھے پیدا کیا۔ یہ الصنعة سے ماخوذ ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے میں نے تجھے قوت دی اور علم سکھایا تاکہ آپ میرا حکم اور میری نہی میرے بندوں تک پہنچائیں۔ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد نو آیات ہیں جو آپ پر نازل کی گئیں۔ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: امر رسالت میں کمزور نہ ہونا؛ اور یہ قتادہ کا بھی قول ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا مطلب ہے سست نہ ہونا۔ شاعر نے کہا:

فما وَنَى محمدٌ مُذ ان غَفَر له الإلهُ مامَضَى وما غَبَر

الونی کا مطلب کمزوری اور سستی ہے اور تھک جانا اور عاجز آجانا ہے۔ اس آیت میں یہ سب معانی مراد ہوسکتے ہیں۔ امرء القیس نے کہا:

مِسَحٍّ إذا ماالسابحاتُ على الوَنَى أَثَرن غُبَاراً بالكَدِيدِ المرَكَّلِ

کہا جاتا ہے: ونيت في الأمر وَنَى وونياً جس کا معنی ہے کمزور ہونا، فأنا وانٍ وناقةٌ وانية (کمزور اونٹنی) أونيتها أنا میں نے اونٹنی کو تھکا دیا اور کمزور کردیا۔ فلان لا يني كذا یعنی فلاں ہمیشہ رہتا ہے۔ اس کے ساتھ ابان نے آیت کے معنی کی تفسیر بیان کی ہے اور طرفہ کے قول سے استشہاد کیا ہے:

كان القُدُورَ الراسياتِ أَمَامَهُمْ قبابٌ بَنَوْها لاتَنِي أبداً تَغْلِي

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے: لا تبطئا (سست نہ ہونا) حضرت ابن مسعود کی قرأت میں ہے: ولا تهنا في

ذکری یعنی میری حمد بیان کرنے، میری بزرگی بیان کرنے اور میرے پیغام کو پہنچانے میں کوتاہی وسستی نہ کرنا۔

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿٤٣﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿٤٤﴾

''آپ دونوں جائیں فرعون کے پاس وہ سرکش بنا بیٹھا ہے۔ اور گفتگو کریں اس کے ساتھ نرم انداز سے شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذْهَبَآ، آیت کے آغاز میں فرمایا: اِذْهَبْ اَنْتَ وَ اَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ اور یہاں فرمایا: اِذْهَبَآ۔ بعض نے فرمایا: الله تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کو دعوت پہنچانے کا حکم دیا پہلے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علیحدہ خطاب فرمایا ان کو شرف بخشنے کے لیے پھر تاکید کے لیے مکرر فرمایا۔ بعض نے فرمایا: اس سے واضح کیا کہ ایک کا جانا کافی نہیں ہے۔ بعض نے فرمایا: پہلا تمام لوگوں کی طرف جانے کا حکم تھا اور دوسرا حکم فرعون کی طرف جانے کا تھا۔

مسئلہ نمبر 2۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے جواز کی دلیل ہے۔ اور اس شخص سے نرمی سے بات ہونی چاہیے جو قوت و مرتبہ والا ہو اور اس کے لیے عصمت ہو۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ الله تعالیٰ نے فرمایا: فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا اور فرمایا: لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَ اَرٰى ﴿٤٦﴾ جب حضرت موسیٰ کلیم اور حضرت ہارون علیہما السلام کی یہ حالت ہے تو ہماری کیا کیفیت ہوگی، ہم اس کیفیت سے تبلیغ کرنے کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس وقت امر ونہی کا فریضہ مرغوب انداز میں ہوگا اور مطلوب حاصل ہوگا۔ یہ واضح ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ لَّيِّنًا کے قول میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے کہا جس میں کلبی اور عکرمہ بھی ہیں کہ اس کا معنی ہے اس کو کنیت سے بلاؤ؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور سدی کا قول ہے۔ پھر بعض علماء نے فرمایا: فرعون کی کنیت ابوالعباس تھی۔ بعض نے فرمایا: ابوالولید تھی۔ بعض نے فرمایا: ابومرۃ تھی، اس قول کی بنا پر کافر سے کنایۃً بات کرنا جائز ہے جب کہ وہ وجیہ اور شرف والا ہو اور اسکے اسلام قبول کرنے کی امید ہو۔ اور یہ جائز ہے جبکہ اس کے اسلام قبول کرنے کی امید نہ بھی ہو کیونکہ طمع اور امید اس عمل کو ثابت نہیں کرتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تمہارے پاس کسی قوم کا کریم (معزز) شخص آئے تو اس کا احترام کرو'' (1)۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس کے اسلام قبول کرنے کی امید ہو۔ اور اس کے اکرام میں سے یہ بھی ہے کہ اس کی کنیت ذکر کی جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ سے کہا: انزل ابا وھب، اے ابووہب! نیچے اترو۔ حضرت سعد کو عبدالله بن ابی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: الم تسمع ما یقوله أبوحباب، ابوحباب، عبدالله بن ابی کی کنیت ہے۔ اسرائیلیات میں مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک سال فرعون کے دروازے پر کھڑے رہے انہوں نے کوئی پیغام رساں نہ پایا جو ان کی کلام فرعون تک پہنچاتا حتیٰ کہ خود فرعون باہر نکلا تو پھر یہ سارا واقعہ پیش آیا۔ یہ بعد میں آنے

1۔ ابن ماجہ، کتاب الادب، باب اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ، حدیث نمبر 3701، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

والے کے لیے تسلی ہے جن کا معاملہ ظالموں کے ساتھ ہو تمہارا رب ہدایت یافتہ لوگوں کو زیادہ جانتا ہے۔ بعض نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا: تو ایمان لے آ اس پر جو میں لے کر آیا ہوں اور تو رب العالمین کی عبادت کر، اس پر کہ تیرے لیے ایسی جوانی ہوگی جو موت تک بوڑھا نہیں کرے گی اور ایسی ملکیت پر جو تجھ سے موت تک چھینی نہیں جائے گی۔ اور تیرے عمر میں چار سو سال اضافہ ہو جائے گا اور جب تو مرے گا تو جنت میں داخل ہوگا۔ یہ قول لین ہے، حضرت ابن مسعود نے فرمایا: القول اللین سے مراد یہ ارشاد ہے: فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰۤى اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَ اَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿۱۹﴾ (النازعات) بعض نے فرمایا: قول لین سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ہے: اے فرعون! ہم تیرے پروردگار، تمام جہانوں کے پروردگار کے پیغام رساں ہیں۔ آپ نے اس کا یہ نام لیا کیونکہ باقی اسماء میں سے یہ نام اسے زیادہ پسند تھا جس طرح ہمارے ہاں الملک (بادشاہ) کو نام دیا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: القول اللین سے مراد وہ قول ہے جس میں خشونت نہ ہو۔ کہا جاتا ہے: یلین لینا، شیٔ لیّ ولین مخفف ہے اور اس کی جمع الیناء ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نرم لہجہ میں بات کرنے کا حکم دیا گیا تو جو ان سے کم مرتبہ ہیں ان کے لیے بدرجہ اولیٰ یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے خطاب میں اس معاملہ کی اقتدا کرے اور کلام میں نرمی کا مظاہرہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (البقرہ:83) اس کا بیان سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ الحمد للہ۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ اس کا معنی ہے تمہاری امید اور تمہاری رجا پر۔ اس میں توقع جہت بشر کی طرف راجع ہے؛ بڑے بڑے نحوی علماء اور سیبویہ وغیرہ نے یہ کہا ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ مفہوم گزر چکا ہے۔ زجاج نے کہا: لعل لفظ طمع اور ترجی ہے، پس اس کے ساتھ عقلمندوں کو خطاب کیا جاتا ہے۔ بعض نے کہا: لعل یہاں استفہام کے معنی میں ہے۔ اس کا معنی ہے: فانظر هل یتذکر، یعنی دیکھ کیا وہ نصیحت حاصل کرتا ہے۔ بعض نے کہا: یہ کئی کے معنی میں ہے۔ بعض نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہے جو حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا شاید وہ نصیحت حاصل کرے اور ڈرنے لگے؛ یہ حسن کا قول ہے۔ بعض نے کہا: لعلّ اور عسیٰ تمام قرآن میں اس معنی کے لیے آئے ہیں جو واقع ہو چکا ہو۔ فرعون نے اس وقت نصیحت حاصل کی جب وہ غرق ہونے لگا اور اس وقت ڈرا اور کہا: اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِيْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ (یونس) لیکن اس وقت کے ایمان نے اسے نفع نہیں دیا؛ یہ ابوبکر وراق وغیرہ کا قول ہے۔ یحییٰ بن معاذ نے اس آیت میں فرمایا: یہ تیری اس پر مہربانی ہے جو کہتا ہے: میں الٰہ ہوں، پھر اس پر تیری کتنی بندہ نوازی ہوگی جو کہتا ہے: تو الٰہ ہے۔ بعض نے فرمایا: فرعون، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کی طرف مائل ہوا جب آپ نے اسے دعوت دی اور اپنی بیوی سے مشورہ کیا وہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی اور ایمان لانے کا مشورہ دیا پھر اس نے ھامان سے مشورہ کیا تو اس نے کہا: تو ایسا نہ کر تو بادشاہ ہونے کے بعد غلام بن جائے گا، تو رب ہونے کے بعد مربوب ہو جائے گا اور اسے کہا: میں تجھے جوانی کی طرف لوٹاؤں گا۔ اس نے اس کی داڑھی میں سیاہ خضاب لگایا اور یہ پہلا شخص تھا جس نے سیاہ خضاب لگایا تھا۔

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۝

"دونوں نے عرض کی: اے ہمارے رب! ہمیں یہ خوف ہے کہ وہ دست درازی کرے گا ہم پر یا سرکشی سے پیش آئے گا"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۝ ضحاک نے کہا: یفرط کا معنی تجاوز کرنا ہے۔ نحاس نے کہا: یفرط علینا منہ امرٌ ہمیں اندیشہ ہے کہ اس کی طرف سے ہم پر تجاوز ہوگا۔ فراء نے کہا: اس کی طرف سے امر جلدی ہوگا۔ فراء نے کہا: افرط کا معنی اسرع (جلدی کرنا) ہے اور فرمایا: فرط کا معنی چھوڑ دینا ہے اور جمہور کی قرأت یفرط یاء کے فتحہ اور راء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ اس کا معنی ہے ہمیں سزا دینے میں وہ جلدی کرے گا۔ کہا جاتا ہے: فرط منی امرٌ جلدی ہوا۔ اسی سے الفارط الی الماء ہے، وہ شخص جو پانی تک لوگوں سے پہلے پہنچ جاتا ہے یعنی وہ ہمیں گناہ میں سبقت لے جانے والے کے عذاب کی طرح عذاب دے گا؛ یہ مبرد کا قول ہے۔ اور ایک گروہ نے یفرط یاء اور راء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ان میں ابن محیصن بھی ہے۔ مہدوی نے کہا: شاید یہ بھی ایک لغت ہو ان سے یاء کے ضمہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ بھی مروی ہے۔ اس کا معنی ہے اسے ہم پر جلدی کرنے پر ابھارنے والا ابھارے گا۔ ایک گروہ نے یفرط یاء کے ضمہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ اور ابن محیصن نے بھی اسی طرح پڑھا ہے۔ اس کا معنی ہے وہ ہمیں اذیت دینے میں زیادتی کرے گا۔ راجز نے کہا:

قد أفرطَ العِلجُ علینا وعجل

قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ۝

"ارشاد ہوا: ڈرو نہیں میں یقیناً تمہارے ساتھ ہوں (ہر بات) سن رہا ہوں اور (ہر چیز) دیکھ رہا ہوں"۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ علماء نے فرمایا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو تقاضائے بشریت اپنے نفسوں پر خوف لاحق ہوا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ فرمایا کہ فرعون ان تک اور ان کی قوم تک نہیں پہنچے گا۔ یہ آیت اس کے قول کا رد کرتی ہے جو کہتا ہے: وہ نہیں ڈرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی انبیاء و اولیاء میں سنت ہے کہ انہیں دشمنوں کا خوف ہوتا ہے حالانکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر وثوق اور یقین ہوتا ہے۔ بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا جب عامر بن عبداللہ کے متعلق خبر دینے والے کو کہا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ شام کے راستے پر پانی پر اترا ہے اور ان کے درمیان اور پانی کے درمیان ایک شیر حائل ہو گیا ہے۔ عامر پانی کی طرف آیا اور اس سے اپنی حاجت پوری کی۔ عامر کو کہا گیا: کیا تو نے اپنے اندر خطرہ محسوس کیا؟ تو عامر نے کہا: میرے پیٹ میں نیزے لگیں تو میرے نزدیک اس سے زیادہ محبوب ہے کہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ میں اس کے سوا کسی چیز سے ڈرتا ہوں، جبکہ وہ بھی تقاضائے بشریت ڈرے تھے جو عامر سے بہتر تھے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام جب ان سے ایک شخص نے کہا تھا: اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ فَخَرَجَ

مِنْهَا خَآىِٕفًا يَّتَرَقَّبُ ٘ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (القصص) اور فرمایا: فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآىِٕفًا يَّتَرَقَّبُ (القصص) اور جب جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینکی تو فرمایا: فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ۝ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝۔

میں کہتا ہوں: اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے اردگرد خندق کھودی تا کہ مسلمان اور ان کے اموال محفوظ ہو جائیں جبکہ آپ اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل اور وثوق میں ایسے مقام پر فائز تھے جس پر کبھی کوئی پہنچا ہی نہیں پھر آپ کے صحابہ کرام جن سے کوئی ناواقف نہیں کہ وہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر ایک مرتبہ حبشہ کی طرف گئے اور پھر مدینہ طیبہ کی طرف گئے کیونکہ انہیں مشرکین مکہ سے اپنی جانوں کا خطرہ تھا اور اس لیے چلے گئے تھے کیونکہ انہیں اندیشہ تھا کہ انہیں عذاب دے کر انہیں دین کے سلسلہ میں فتنہ میں مبتلا کر دیں گے۔ اسماء بنت عمیس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا جب انہوں نے اسے کہا تھا: ہم تم سے ہجرت میں سبقت لے گئے ہیں اس لیے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تم سے زیادہ حقدار ہیں۔ اسماء نے کہا: اے عمر! تو نے غلط کہا ہے ہرگز نہیں اللہ کی قسم! تم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے وہ تمہارے بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے، تمہارے جاہلوں کو وعظ کرتے تھے اور ہم دور والی زمین میں تھے جس میں دین اسلام سے نفرت کی جاتی تھی یعنی ہم حبشہ میں تھے اور یہ سب کچھ ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضا کے لیے برداشت کیا۔ اللہ کی قسم! میں نہ کھانا کھاؤں گی اور نہ پانی پیوؤں گی حتیٰ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ عرض کرلوں جو تو نے کہا ہے، ہم اذیت دیئے جاتے تھے اور ہم ڈرتے تھے۔ یہ طویل حدیث ہے۔ اس کو مسلم نے نقل کیا ہے۔ علماء نے فرمایا: اپنی ذات کے متعلق خبر دینے والا جھوٹا ہے سوائے ان باتوں کے جو اللہ تعالیٰ نے نفوس کے اندر پیدا کر دی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں رکھ دیا ہے کہ وہ تکلیف دینے والی، اذیت دینے والی اور تلف کرنے والی چیزوں سے ڈرتا ہے۔ علماء نے فرمایا: درندے سے بڑا ضرر نہیں ہے جو انسان پر جنگل میں حملہ کرنے والا ہے اور اس کے پاس اپنی جان کی حفاظت کے لیے تلوار، نیزہ، تیر وغیرہ بھی نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ یعنی فرعون کے خلاف میں تمہاری مدد اور نصرت کروں گا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ہم کہتے ہیں: الامیر مع فلان جب امیر اس کی حفاظت کرنے والا ہو۔ اَسْمَعُ وَ اَرٰى ۝ یہ اس ادراک سے عبارت ہے جس کے ساتھ کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی۔ اللہ رب العالمین کی ذات بڑی بابرکت ہے۔

فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَ لَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَ السَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ۝ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝

''پس (بے خوف وخطر) اس کے پاس جاؤ اور اسے بتاؤ: ہم دونوں تیرے رب کے فرستادہ ہیں پس بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو اور انہیں (اب مزید) عذاب نہ دے، ہم لے آئے ہیں تیرے پاس ایک نشانی تیرے رب کے پاس سے، اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ بیشک وحی کی گئی ہے ہماری طرف کہ عذاب (خداوندی) اس پر آئے گا جو جھٹلاتا ہے (کلام الٰہی کو) اور روگردانی کرتا ہے۔ فرعون نے پوچھا: موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے؟ فرمایا: ہمارا رب وہ ہے جس نے عطا کی ہر چیز کو (موزوں) صورت پھر (مقصد تخلیق کی طرف) ہر چیز کی راہنمائی کی''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَأْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ اس کلام میں حذف ہے معنی یہ ہے کہ وہ فرعون کے پاس آئے اور اسے یہ کہا: فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ یعنی ان کو چھوڑ دے۔ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ محنت ومشقت اور کام میں تھکانے کے ساتھ۔ بنو اسرائیل فرعون کے پاس سخت عذاب میں تھے وہ ان کے لڑکوں کو ذبح کر دیتا تھا اور ان کی عورتوں سے خدمت لیتا تھا۔ اور مٹی اور اینٹیں بنانے اور شہر تعمیر کرنے کی تکلیف مالا یطاق دیتا تھا۔ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت سے مراد عصا اور ہاتھ ہے۔ بعض نے فرمایا: فرعون نے پوچھا وہ نشانی کیا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اپنی قمیص کے گریبان میں داخل کیا پھر اسے سفید نکالا اس کی سورج کی شعاع کی طرح شعاع تھی اس ہاتھ کا نور سورج کے نور پر غالب آ گیا۔ اور اس سے اس نے تعجب کیا اور عصا کا معجزہ نہیں دکھایا مگر میلہ کے دن۔ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝ زجاج نے کہا: جس نے ہدایت کی اتباع کی وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے عذاب سے بچ گیا۔ اور فرمایا: یہ سلام نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ ملاقات کی ابتدا نہیں ہے اور خطاب نہیں ہے۔ فراء نے کہا: وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝ اور لمن اتبع الھدی برابر نہیں۔ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ یعنی دنیا میں ہلاکت و بربادی اور آخرت میں جہنم میں ہمیشہ رہنا۔ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ اس پر ہے جس نے انبیاء کرام کو جھٹلایا۔ تَوَلّٰى اور ایمان سے اعراض کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت موحدین کے لیے امید افزا ہے کیونکہ انہوں نے نہ جھٹلایا اور نہ اعراض کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا حضرت ہارون علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا تاکہ آیات کے سرے مل جائیں۔ بعض نے فرمایا: ذکر کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خاص فرمایا کیونکہ وہ رسالت اور کلام اور معجزہ والے تھے۔ بعض نے فرمایا: دونوں نے پیغام پہنچایا اگرچہ حضرت ہارون علیہ السلام خاموش تھے، کیونکہ کلام کے وقت ایک شخص بات کرتا ہے۔ جب ایک کلام ختم کرتا ہے تو دوسرا اس کی تائید کرتا ہے اور اسے تقویت دیتا ہے۔ پس اس بنا میں ہمارے لیے ایک علمی فائدہ ہے کہ دو شخصوں کو کوئی کام سپرد کیا جائے اور پھر ایک ادا کر دے جبکہ دوسرا وہاں موجود ہو اس وقت وہ اس سے مستغنی ہو تو وہ کام دونوں کا ادا کرنا شمار ہوگا اور دونوں عوض اور بدل کے مستحق ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اور پھر فرمایا: اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ اور فرمایا: فَقُوْلَا لَهٗ دونوں کو جانے اور بات کرنے کا حکم دیا۔ پھر فَمَنْ رَّبُّكُمَا کے قول سے خطاب نے ہمیں بتایا کہ حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ موجود تھے۔ قَالَ، حضرت

موسیٰ علیہ السلام نے کہا: رَبُّنَا الَّذِیۡۤ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ یعنی وہ اپنی صفات کے ساتھ پہچانا جاتا ہے۔ اس کا کوئی اسم علم نہیں حتیٰ کہ کہا جائے کہ وہ فلاں ہے بلکہ وہ عالم کا خالق ہے اس نے ہر مخلوق کو اپنی ہیئت اور صورت کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اگر خطاب دونوں کے ساتھ ہوتا تو تو کلام یوں ہوتی: قالا ربنا اور خلقه، اعطی کا مفعول اوّل ہے یعنی اس نے ہر مخلوق کو ہر وہ چیز دی جس کے وہ محتاج تھے اور جس کی انہیں ضرورت تھی یا یہ مفعول ثانی ہے یعنی اس نے ہر چیز کو اس کی وہ صورت اور شکل دی جو اس منفعت کے مطابق تھی جو اس کے متعلق تھی جیسا کہ ضحاک کا قول ہے جو آگے آرہا ہے۔ ثُمَّ هَدٰی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر اور سدی نے کہا: اس کا مطلب ہے اس نے ہر چیز کو اس کی جنس سے اس کا جوڑا دیا پھر اس کی نکاح کرنے، کھانے پینے اور رہنے کی طرف راہنمائی کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: پھر اس کی الفت، اجتماع اور مناکحت کی طرف راہنمائی کی۔ حسن اور قتادہ نے کہا: ہر چیز کو اس کی اصلاح دی اور جو اس کے لیے مناسب تھا اس کی طرف راہنمائی کی۔ مجاہد نے کہا: اس نے ہر چیز کو صورت دی اور انسان کی صورت، حیوانوں کی تخلیق پر نہیں بنائی اور نہ حیوانوں کی تخلیق انسانوں کی تخلیق پر بنائی لیکن اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور ایک مخصوص انداز ے سے بنایا۔ شاعر نے کہا:

وله فی کلِ شئ خِلْقَهٗ　　وکذاك الله ماشاء فَعَلْ

یعنی جس صورت پر تخلیق کرنا چاہا کر دیا؛ یہ عطیہ اور مقاتل کا قول ہے۔ ضحاک نے کہا: اس نے ہر چیز کو اس منفعت کے ساتھ پیدا کیا جو اس کے متعلق تھی اور اس کے مطابق تھی یعنی ہاتھ کو پکڑنے کے لیے، پاؤں کو چلنے کے لیے، زبان کو بولنے کے لیے، آنکھ کو دیکھنے کے لیے، کان کو سننے کے لیے پیدا کیا۔ بعض علماء نے فرمایا: ہر چیز کو علم یا صنعت الہام کی۔ فراء نے کہا: مرد کو عورت کے لیے تخلیق کیا اور ہر مذکر کے لیے اس کے موافق مونث پیدا کی۔ ہر مذکر کو عورت کے لیے راہنمائی کی اس تقدیر پر مطلب ہوگا: أعطی کل شئ مثل خلقه ہر چیز کو اس کی تخلیق کی مثل عطا کی۔

میں کہتا ہوں: یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا معنی ہے۔ آیت کریمہ عام ہے۔ زائدہ نے اعمش سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اَلَّذِیۡۤ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقَهٗ یعنی لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے؛ یہ ابن ابی اسحق کی قرأت ہے۔ اور نصیر نے کسائی وغیرہ سے یہ روایت کیا ہے یعنی بنی آدم کو ہر چیز عطا کی وہ اس نے پیدا کی جس کے وہ محتاج تھے۔ دونوں قرأتیں معنی میں متفق ہیں۔

قَالَ فَمَا بَالُ الۡقُرُوۡنِ الۡاُوۡلٰی ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلۡمُهَا عِنۡدَ رَبِّیۡ فِیۡ کِتٰبٍ ۚ لَا یَضِلُّ رَبِّیۡ وَ لَا یَنۡسَی ﴿۫۵۲﴾

''اس نے کہا: (اچھا یہ بتاؤ) کیا حال ہوا پہلی قوموں کا۔ فرمایا: ان کا علم میرے رب کے پاس ہے جو کتاب میں (مرقوم) ہے نہ بھٹکتا ہے میرا رب اور نہ (کسی چیز کو) بھولتا ہے''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ فَمَا بَالُ، البال سے مراد حالت ہے یعنی کیا حال ہوا اور کیا شان ہوئی، تو

بتایا کہ اس کا علم تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، یعنی یہ علم غیب سے ہے جس کے متعلق تو نے سوال کیا ہے۔ اور یہ وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کیا ہے اس کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور میں نہیں ہوں مگر تیری مثل بندہ، میں نہیں جانتا مگر جس کے متعلق مجھے وہ علام الغیوب خبر دے، گزشتہ قوموں کے احوال کا علم اللہ کی بارگاہ میں لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے پہلی قوموں کا کیا حال ہوا جنہوں نے توحید و رسالت کا اقرار نہیں کیا یعنی ان کا کیا حال ہوا جو گزر گئے اور انہوں نے تیرے رب کے علاوہ معبودوں کی عبادت کی۔ بعض نے فرمایا: اس نے پہلی قوموں کے اعمال کے متعلق پوچھا تو بتایا کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں شمار کیے گئے ہیں اور اس کے پاس کتاب میں محفوظ ہیں، یعنی وہ اعمال لکھے ہوئے ہیں وہ انہیں عذاب اور جزا دے گا۔ یہاں الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ بعض نے فرمایا: وہ کتاب ہے جو ملائکہ کے پاس ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ آیت اور اس کی مثل دوسری آیات جو گزر چکی ہیں اور جو آگے آئیں گی علوم کو مدون کرنے اور ان کو لکھنے پر دلالت کرتی ہیں تاکہ علوم بھول نہ جائیں کیونکہ کبھی حفظ کو غلطی اور نسیان جیسی آفات لاحق ہو جاتی ہیں اور کبھی انسان اسے یاد نہیں رکھتا جو وہ سنتا ہے تاکہ وہ اسے مقید کرے تاکہ ضائع نہ ہو جائے۔ ہم نے قتادہ سے متصل سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا: کیا ہم تیرے جیسے لوگوں سے جو سنیں اسے لکھ لیں؟ اس نے کہا: تمہیں لکھنے سے کیا مانع ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جو لطیف و خبیر ہے اس نے خود خبر دی ہے کہ وہ لکھتا ہے فرمایا: **قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى** اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کا فیصلہ فرمایا تو کتاب میں اپنے اوپر لکھا اور وہ اس کے پاس رکھا ہوا ہے کہ میری رحمت، میرے غضب پر غالب ہے''۔

خطیب ابو بکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا: ایک انصاری شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھتا تھا وہ حدیث غور سے سنتا تھا اور وہ اسے پسند کرتا تھا اور اسے یاد نہیں کر سکتا تھا اس نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شکایت کی عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ سے حدیث سنتا ہوں اور وہ مجھے اچھی لگتی ہے لیکن میں یاد نہیں کر سکتا۔ اسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے دائیں ہاتھ سے مدد طلب کرو'' (1) اور آپ نے لکھنے کی طرف اشارہ فرمایا۔ یہ نص ہے اور علم کے لکھنے اور اس کی تدوین کے جواز پر جمہور صحابہ اور تابعین کا جواز بنے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو شاہ کے لیے وہ خطبہ لکھنے کا حکم دیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقعہ پر دیا تھا۔ ابو شاہ یمن کا ایک شخص تھا اس نے وہ خطبہ لکھ کر دینے کا سوال کیا تھا۔ اس حدیث کو مسلم نے تخریج کیا ہے۔ عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے انہوں نے ان کے دادا سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''علم کو لکھنے کے ساتھ قید کرو'' (2)۔ معاویہ بن قرہ نے کہا: جو علم لکھتا نہیں اس کا علم، علم شمار نہیں ہوتا۔

بعض علماء علم کو لکھنے سے منع کرتے ہیں۔ ابو نضرہ نے روایت کیا ہے فرمایا: ابو سعید سے پوچھا گیا: کیا ہم تمہاری یہ حدیث لکھیں۔ اس نے کہا: اس کو قرآن نہ بناؤ لیکن یاد کرو جس طرح ہم نے یاد کیا ہے۔ اور جو نہیں لکھتے تھے ان میں شعبی، یونس بن عبید اور خالد حذاء ہیں۔ خالد نے کہا: میں نے کبھی کوئی حدیث نہیں لکھی سوائے ایک حدیث کے جب وہ میں نے یاد کر لی تو وہ

1۔ ترمذی، باب ما جاء فی الرخصۃ فیہ، حدیث نمبر 2590، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ خطیب تقیید العلم، صفحہ 109

میں نے مٹادی۔ ان علماء میں ابن عون اور زہری بھی ہیں۔ بعض لکھتے تھے جب یاد کر لیتے تھے تو اسے مٹادیتے تھے ان میں سے محمد بن سیرین اور عاصم بن ضمرہ ہیں۔ ہشام بن حسان نے کہا: میں نے کبھی کوئی حدیث نہیں لکھی سوائے حدیث الاعماق کے جب میں نے وہ یاد کر لی تو میں نے اسے مٹادیا۔

میں کہتا ہوں: ہم نے خالد حذاء سے اس کی مثل ذکر کیا ہے۔ حدیث اعماق کو مسلم نے کتاب کے آخر میں ذکر کیا ہے۔ ''قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ رومی اعماق یا دابق میں اتریں گے''۔ اس کو کتاب الفتن میں ذکر کیا ہے۔ بعض علماء پہلے حدیث یاد کرتے تھے پھر اسے لکھتے تھے ان میں اعمش، عبداللہ بن ادریس اور ہشیم وغیرہم ہیں۔ یہ حفظ پر احتیاط ہے۔ بہر حال لکھنا بہتر ہے۔ اس کے متعلق آیات اور احادیث وارد ہیں اور یہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور بڑے بڑے تابعین سے مروی ہے جیسے حسن، عطا، طاؤس، عروہ بن زبیر اور ان کے بعد والے اہل علم سے بھی یہ مروی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (الاعراف: 145) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ (الانبیاء) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً (الاعراف: 156) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَ كُلُّ صَغِيْرٍ وَّ كَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ (القمر) اور فرمایا: عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ان کے علاوہ بھی آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ نیز علم کتابت کے ذریعے محفوظ ہوتا ہے، پھر مقابلہ، تکرار، تحفظ، تعہد، مذاکرہ، سوال، ناقلین سے جستجو کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ جن علماء نے ابتدائی دور میں لکھنے کو ناپسند کیا تھا وہ عہد کے قرب کی وجہ سے تھا اور اسناد کے قرب کی وجہ سے تھا تا کہ کاتب لکھنے پر اعتماد نہ کرے اور سلسلہ سند اور حفظ اور عمل کو چھوڑ دے اب جبکہ زمانہ بہت دور ہو گیا ہے اسناد غیر متقارب ہیں، طرق مختلف ہو گئے ہیں، نقل کرنے والے متشابہ ہو گئے ہیں، نسیان کی آفت لاحق ہو چکی ہے، وہم سے بھی امن نہیں ہے پس لکھنے کے ساتھ علم کو مقید کرنا اولیٰ اور بہتر ہے اور اس کے وجوب پر دلیل زیادہ قوی ہے۔ اگر کوئی حضرت ابو سعید کی حدیث سے حجت پکڑے جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھ سے نہ لکھو، جس نے قرآن کے علاوہ کچھ لکھا ہے وہ اسے مٹادے''(1)۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث متقدم ہے اور کتابت کے امر کے ساتھ منسوخ ہے۔ ابو شاہ کے لیے لکھنے کی اباحت کے ساتھ منسوخ ہے نیز یہ اس لیے فرمایا تھا تا کہ قرآن کے ساتھ کوئی ایسی چیز نہ مل جائے جو قرآن سے نہ ہو۔ اسی طرح حضرت ابو سعید سے بھی مروی ہے: ہم نے خواہش کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں لکھنے کی اجازت دیں تو آپ نے ان کا رد کیا، اگر یہ محفوظ ہے تو یہ ہجرت سے پہلے کی ہے جب کہ قرآن کو چھوڑ کر حدیث سے مشغول ہونے کا اندیشہ تھا۔

مسئلہ نمبر 3۔ ابو بکر خطیب نے کہا: مناسب ہے کہ حدیث کالی سیاہی سے لکھی جائے پھر حِبر (روشنائی) خاص ہے مداد (سیاہی) نہیں کیونکہ سواد شوخ رنگ ہے اور حبر اسے کافی زمانہ باقی رکھتی ہے۔ سیاہی صاحب علم لوگوں کا آلہ ہے اور اہل

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 11158، 11085

معرفت کا ہتھیار ہے۔ عبداللہ بن احمد بن حنبل نے ذکر کیا ہے کہ مجھے میرے باپ نے بتایا کہ مجھے امام شافعی نے دیکھا کہ میں ان کی مجلس میں تھا اور میری قمیص پر سیاہی لگی ہوئی تھی اور میں اسے چھپا رہا تھا۔ امام شافعی نے فرمایا: تو اسے کیوں چھپا رہا ہے؟ کپڑے پر سیاہی مروءت سے ہے کیونکہ اس کی صورت آنکھوں میں سیاہی ہے اور بصائر میں سفیدی ہے۔ حضرت خالد بن ولید نے کہا: صاحب حدیث کے کپڑے میں سیاہی اس طرح ہے جیسے دلہن کے لباس پر خوشبو ہوتی ہے۔ ابوعبداللہ بلوی نے یہی مفہوم اس طرح بیان کیا ہے:

مِدادَ التحابر طِیبُ الرجال وطِیب النساء من الزعفرانْ

فهذا یَلیق بأثواب ذا و هذا یلیقُ بثوب الحَصانْ(1)

ماوردی نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سلیمان جیسا کہ حکایت کیا گیا ہے نے اپنے کپڑوں پر زردی کا اثر دیکھا اس نے دوات سے کچھ سیاہی لی اور اس پر اسے مل دیا پھر فرمایا: ہمارے لیے سیاہ زعفران سے زیادہ خوبصورت ہے؛ اور شعر کہا:

إنما الزعفرانُ عِطْرُ العَذَارَى ومِدادُ الدَوِيّ عِطْرُ الرِّجالِ

مسئلہ نمبر 4۔ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَ لَا یَنْسَی ﴿﴾ اس کے مفہوم میں علماء کے پانچ اقوال ہیں:

(۱) یہ نئی کلام ہے اور ان دونوں صفتوں سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کی گئی ہے اور کلام فِیْ کِتٰبٍ میں مکمل ہو چکی ہے؛ اسی طرح زجاج نے کہا ہے۔ اور لَا یَضِلُّ کا معنی ہے وہ ہلاک نہیں ہوتا یہ اس قول سے ہے، ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ (السجدۃ: 10) کیا جب ہم زمین میں ہلاک ہو جائیں گے۔ وَ لَا یَنْسَی ﴿﴾ وہ کوئی چیز بھولتا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہلاکت اور نسیان سے تنزیہہ بیان کی گئی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ لَا یَضِلُّ کا معنی ہے وہ خطا نہیں کرتا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ یعنی وہ تدبیر میں خطا نہیں کرتا جس کو اس نے مہلت دی وہ بھی اس نے کسی حکمت کے تحت مہلت دی اور جس کو جلدی پکڑ لیا تو یہ بھی اس کی حکمت کا تقاضا تھا۔ تیسرا قول یہ ہے لَا یَضِلُّ وہ غائب نہیں ہوتا؛ ابن الاعرابی نے کہا: الضلال کی اصل الغیبوبۃ ہے۔ کہا جاتا ہے: ضلّ الناسی جب کسی سے کسی چیز کا یاد کرنا غائب ہو جائے۔ فرمایا: اس جملہ کا معنی ہے میرے رب سے کوئی چیز غائب نہیں ہوتی اور نہ وہ کسی چیز سے غائب ہوتا ہے۔ چوتھا قول یہ ہے یہ بھی زجاج نے کہا اور نحاس نے کہا: یہ معنی میں اس کے مشابہ ہے، اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ کتاب کا محتاج نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کا علم اور معرفت اس سے غائب نہیں ہوتی اور جو وہ علم رکھتا ہے اسے بھولتا نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ قول ابن الاعرابی کے قول کے مفہوم کی طرف راجع ہے۔ پانچواں قول یہ ہے کہ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَ لَا یَنْسَی ﴿﴾ کتاب کی صفت ہے یعنی وہ کتاب اللہ تعالیٰ سے غائب نہیں ہونے والی۔ وَ لَا یَنْسَی یعنی وہ بھولنے والا نہیں۔ یہ دونوں کتاب کی صفت ہیں۔ اس بنا پر کلام متصل ہوگی اور کتاب پر وقف نہ ہوگا۔ عرب کہتے ہیں: ضلّنی الشی جب کوئی چیز نہ پائے۔ أضللتہ أنا جب میں ایسی جگہ کسی چیز کو چھوڑ دوں کہ پھر میں اسے نہ پاؤں۔ حسن، قتادہ، عیسیٰ بن عمر، ابن محیصن، عاصم

1۔ الخطیب، فی الجامع لاخلاق الراوی، جلد 1، صفحہ 386

جحدری اور ابن کثیر نے جو شبل نے اس سے روایت کیا ہے۔ لایفضل، یاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرا رب نہ اسے ضائع کرے گا اور نہ اسے بھولے گا۔ ابن عرفہ نے کہا: عربوں کے نزدیک الضلالہ کا معنی ٹیڑھے راستہ پر چلنا ہے۔ کہا جاتا ہے: ضل عن الطریق وأضل الشیٔ جب کسی چیز کو ضائع کردے اسی سے ہے جنہوں نے لایُضل ربی پڑھا ہے جس کا معنی ہے وہ ضائع نہیں کرے گا؛ یہ عربوں کا مذہب ہے۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ سَلَكَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ۝ كُلُوْا وَ ارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى ۝ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝

''وہ ذات جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور بنادیے تمہارے فائدے کے لیے اس میں راستے اور اُتارا آسمان سے پانی، پھر ہم نے نکالے پانی کے ذریعے (شکم زمین سے) جوڑے گوناں گوں نباتات کے۔ خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ، بیشک اس میں (ہماری قدرت وحکمت کی) نشانیاں ہیں دانشوروں کے لیے۔ اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور (روز حشر) اسی سے ہم تمہیں نکالیں گے ایک بار پھر''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا، الَّذِیْ، ربی کی نعت کی وجہ سے محل رفع میں ہے۔ یعنی لایضل ربی الذی جعل، اور یہ بھی جائز ہے کہ الَّذِیْ مبتدا محذوف کی خبر ہو یعنی ہوالذی اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ اعنی کے اضمار کے ساتھ منصوب ہو کوفیوں نے یہاں اور سورۃ الزخرف میں مَهْدًا میم کے فتحہ اور ھاء کے اسکان کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے مھادا پڑھا ہے۔ ابوعبید اور ابوحاتم نے اس کو اختیار کیا ہے کیونکہ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝ (النباء) کی قرأت پر قراء کا اتفاق ہے۔ نحاس نے کہا: جمع اولیٰ ہے کیونکہ مھد المصدر ہے اور یہ مصدر کی جگہ نہیں بنتی مگر حذف کی تقدیر پر، یعنی ذات مھد۔ مہدوی نے کہا: جس نے مھدا پڑھا ہے جائز ہے۔ کہ یہ مصدر ہو جیسے الفرش یعنی مھد لکم الأرض مھدا اور یہ بھی جائز ہے کہ مضاف کے حذف کی تقدیر پر ہو یعنی ذات مھد اور جنہوں نے مھادا پڑھا ہے جائز ہے کہ الفراش کی طرح مفرد ہو اور جائز ہے کہ یہ مھد کی جمع ہو اسماء کے استعمال کی طرح استعمال کیا گیا ہو اور پھر جمع مکسر بنائی گئی ہو اور مھادا کا معنی فراشا اور قرارا ہے جس پر وہ ٹھہرتے ہیں۔ وَّ سَلَكَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا یعنی طرقا اس کی مثال یہ آیت ہے، وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۝ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝ (نوح)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (الزخرف)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً اس کا مفہوم پہلے گزر چکا ہے یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام کا آخر ہے۔ پھر فرمایا: فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ بعض نے فرمایا: یہ تمام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام سے ہے۔ فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ کا مطلب ہے ہم نے کھیتی باڑی اور محنت کے ذریعے نکالا، کیونکہ آسمان سے نازل ہونے والا پانی نباتات کے خروج کا سبب ہے۔ اَزْوَاجًا

کا معنی اقسام ہے، یعنی مختلف قسموں اور رنگوں میں کئی نباتات نکالیں۔ اخفش نے کہا: تقدیر یہ ہے ازواجاً شتی من نبات، فرمایا: کبھی نباتات کی نعت بنانا بھی جائز ہے اور شتی یہ شت الشئ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے جدا جدا ہونا۔ کہا جاتا ہے: أمرشت متفرق امر، شت الأمرشتا وشتاتا متفرق ہونا۔ اشتتَّ کا بھی یہی معنی ہے اسی طرح التشتت ہے، شتته، تشتیتا اس نے اس کو متفرق کر دیا۔ أشت بی قومی یعنی میرے معاملہ کو متفرق کر دیا۔ الشتیت کا معنی ہے المتفرق۔ رؤبۃ نے اونٹوں کا وصف بیان کیا ہے:

جَاءتْ مَعًا واطْرَقتْ شَتِيتَا ھی تُثِيرُ السَّاطِعُ السِّخْتِيتَا

ثغرٌ شتیتٌ یعنی کھلا۔ قوم شتی وأشیاء شتی تو کہتا ہے: جاءوا اشتاتاً، وہ متفرق طور پر آئے۔ اس کا واحد ہے، یہ جوہری کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ امر اباحت کے لیے ہے۔ وَارْعَوْا یہ رعت الماشية الكلاء رعاها صاحبها رعاية سے مشتق ہے یعنی مالک نے جانور کو چرایا۔ یہ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى، اولی النهی سے مراد عقلمند لوگ ہیں۔ اس کا واحد نهية ہے۔ ان کو یہ نام اس لیے دیا جاتا ہے کیونکہ یہ اپنی رائے تک رو کے جاتے ہیں۔ بعض نے فرمایا: کیونکہ وہ اپنے نفس کو قبائح سے روکتے ہیں۔ یہ تمام کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے خلاف حجت پیش کرنا ہے کہ صانع موجود ہے جبکہ فرعون نے کہا تھا: فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۞ اور بیان کیا کہ صانع پر اس کے افعال سے دلیل پکڑی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ، یعنی حضرت آدم علیہ السلام کیونکہ انہیں زمین سے پیدا کیا گیا تھا۔ ابو اسحاق زجاج وغیرہ کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: ہر نطفہ مٹی سے تیار کیا جاتا ہے اس پر قرآن کا ظاہر دلالت کر رہا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا مگر اس پر اس کی قبر کی مٹی سے مٹی ڈالی جاتی ہے"۔ ابو نعیم الحافظ نے ابن سیرین کے باب میں روایت کی ہے اور فرمایا: یہ حدیث غریب ہے حدیث عون سے، ہم نے اس کو نہیں لکھا مگر ابو عاصم نبیل کی حدیث سے۔ یہ اہل بصرہ سے ثقہ اور عظیم لوگوں میں سے ہے۔ یہ مفہوم سورۃ الانعام میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے واضح طور پر گزر چکا ہے۔ عطا خراسانی نے کہا: جب رحم میں نطفہ واقع ہوتا ہے تو رحم پر متعین فرشتہ جاتا ہے اور اس مکان سے مٹی لیتا ہے جہاں اس نے دفن ہونا ہوتا ہے اور پھر اس نطفہ پر ڈالتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس نطفہ اور مٹی سے اس کو تخلیق فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس پر دلالت کرتا ہے: مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۞ حضرت براء کی حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بندہ مومن کی روح جب نکلتی ہے تو ملائکہ اسے اوپر لے جاتے ہیں وہ فرشتوں کے جس گروہ سے اس کو گزارتے ہیں وہ کہتے ہیں: یہ کس کی پاکیزہ روح ہے؟ وہ فرشتے کہتے ہیں: فلاں بن فلاں، وہ اس کا خوبصورت نام لیتے ہیں جس کے ساتھ دنیا میں لوگ اسے پکارتے تھے۔ پس وہ اس کے لیے آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں تو دروازہ کھول دیا جاتا ہے پھر ہر آسمان سے مقربین فرشتے اسے اوپر والے آسمان تک الوداع کہتے ہیں حتی کہ وہ فرشتے اسے ساتویں آسمان تک پہنچا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے کے لیے علیین میں

کتاب لکھوا اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو میں نے انہیں زمین سے پیدا کیا ہے اور اس میں انہیں لوٹاؤں گا اور دوبارہ انہیں اس سے نکالوں گا پھر اس کی روح اس کے جسم کی طرف لوٹا دی جاتی ہے"(1) اور حدیث ذکر کی۔ ہم نے یہ حدیث مکمل اپنی کتاب "التذکرہ" میں ذکر کی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے اس کو ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ وَ فِيهَا نُعِيدُكُمْ یعنی موت کے بعد تمہیں لوٹائیں گے۔ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ بعث اور حساب کے لیے زمین سے تمہیں نکالیں گے۔ تَارَةً أُخْرَىٰ یہ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ کی طرف راجع ہے۔ نُعِيدُكُمْ کی طرف راجع نہیں ہے۔ یہ تیرے اس قول کی طرح ہے: اشتريت ناقة ودارا وناقة اخرى مطلب یہ ہے کہ زمین سے ہم نے تمہیں نکالا اور موت کے بعد زمین سے ایک بار پھر نکالیں گے۔

وَ لَقَدْ أَرَيْنَٰهُ ءَايَٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَأَبَىٰ ﴿٥٦﴾ قَالَ أَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ أَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يَٰمُوسَىٰ ﴿٥٧﴾ فَلَنَأْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهِۦ فَٱجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهُۥ نَحْنُ وَلَآ أَنتَ مَكَانًا سُوًى ﴿٥٨﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ ٱلزِّينَةِ وَأَن يُحْشَرَ ٱلنَّاسُ ضُحًى ﴿٥٩﴾ فَتَوَلَّىٰ فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهُۥ ثُمَّ أَتَىٰ ﴿٦٠﴾ قَالَ لَهُم مُّوسَىٰ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُم بِعَذَابٍ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنِ ٱفْتَرَىٰ ﴿٦١﴾

"اور ہم نے دکھلا دیں فرعون کو اپنی ساری نشانیاں پھر بھی اس نے جھٹلایا اور ماننے سے انکار کر دیا۔ کہنے لگا: موسیٰ! کیا تم اس لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ نکال دو ہمیں اپنے ملک سے اپنے جادو کی طاقت سے۔ سو ہم بھی لائیں گے تیرے مقابلہ میں جادو ویسا ہی پس (اب) مقرر کر دو ہمارے اور اپنے درمیان مقابلے کا دن نہ ہم پھریں اس سے اور نہ ہی تو پھرے جمع ہونے کی جگہ ہموار اور کھلی ہو۔ آپ نے فرمایا: (تمہارا چیلنج منظور ہے) جس کا دن تمہارے لیے مقرر کرتا ہوں اور یہ خیال رہے کہ سارے لوگ چاشت کے وقت جمع ہو جائیں۔ پھر فرعون واپس مڑا اور اکٹھا کیا اپنے فریب کاروں کو پھر خود آیا۔ فرمایا ان فرعونیوں کو موسیٰ نے: کم بختو! نہ بہتان باندھو اللہ تعالیٰ پر جھوٹے ورنہ وہ تمہارا نام ونشان مٹا دے گا کسی عذاب سے اور (اس کا یہ اٹل قانون ہے) کہ ہمیشہ نامراد رہتا ہے جو افتراء بازی کرتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَقَدْ أَرَيْنَٰهُ ءَايَٰتِنَا كُلَّهَا، یعنی وہ معجزات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر دلالت کرتے تھے۔ بعض نے فرمایا: وہ آیات مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلالت کرتی تھیں۔ فَكَذَّبَ وَأَبَىٰ ﴿٥٦﴾ یعنی ایمان نہ لایا۔ یہ دلیل ہے کہ اس نے عناد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر کفر کیا کیونکہ اس نے آیات (معجزات) اپنی آنکھوں سے دیکھ لیے تھے سنے سنائے نہ تھے۔ اس کی مثال یہ آیت ہے، وَجَحَدُوا۟ بِهَا وَٱسْتَيْقَنَتْهَآ أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا (النمل: 14)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ أَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ أَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يَٰمُوسَىٰ ﴿٥٧﴾ وہ آیات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام لے

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 18534

کرآئے اور اس نے انہیں دیکھا تو کہنے لگا: یہ جادو ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تو اس لیے آیا ہے تا کہ لوگوں کو وہم میں ڈالے تو ایسی نشانی لے آیا جو تیری اتباع اور تجھ پر ایمان لانے کا موجب ہے تا کہ تو ہماری زمین پر اور ہم پر غالب آجائے۔ **فَلَنَأْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهِ** ہم اس کی مثل کے ساتھ تیرا مقابلہ کریں گے جو تو لے کر آیا تا کہ لوگوں پر واضح ہو جائے کہ جو تو لے کر آیا ہے وہ الله تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے۔ **فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا**، **مَوْعِدًا** مصدر ہے یعنی وعداً۔ بعض نے فرمایا: الموعد وعدہ کی جگہ کا اسم ہے، جیسے الله تعالیٰ نے فرمایا: **وَ إِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ** (الحجر) پس الموعد سے یہاں مکان مراد ہے۔ بعض نے فرمایا: وعدہ کے زمانہ کا اسم ہے، جیسے الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ** (ہود: 81) مطلب یہ ہے کہ ہمارے لیے ایک دن متعین کر دو یا مخصوص جگہ کا تعین کرو۔ قشیری نے کہا: اظہر یہ ہے کہ یہ مصدر ہے اسی وجہ سے فرمایا: **لَّا نُخْلِفُهُ** یعنی ہم اس وعدہ سے نہیں پھریں گے۔ الاخلاف کا مطلب ہے کسی سے کام کا وعدہ کرنا اور پھر اسے پورا نہ کرنا۔ جوہری نے کہا: المیعاد کا مطلب الموعدۃ، الوقت اور الموضع ہے، اسی طرح الموعد ہے۔ ابوجعفر ابن قعقاع، شیبہ اور اعرج نے لانخلفه، اجعل جواب کی وجہ سے جزم کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور جنہوں نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے تو انہوں نے موعد کی صفت بنایا ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: موعوداً غیر مخلف۔

مَكَانًا سُوًى ابن عامر، عاصم اور حمزہ نے **سُوًى** سین کے ضمہ کے ساتھ اور باقی قراء نے سین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جیسے عُداً وعِداً طُویً وطِویً۔ ابوعبید اور ابوحاتم نے سین کے کسرہ کے ساتھ اختیار کیا ہے کیونکہ یہ لغت عالیہ فصیحہ ہے۔ نحاس نے کہا: کسرہ زیادہ معروف ومشہور ہے۔ تمام نے واؤ کو تنوین دی ہے۔ حسن سے مروی ہے اور ان سے سین کے ضمہ اور بغیر تنوین کے پڑھنے میں اختلاف مروی ہے۔ اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: وہ مکان برابر ہو؛ یہ کلبی کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: ایسا ہموار مکان جس میں وہ سب کچھ واضح نظر آئے جو ہم بیان کریں، یہ ابن زید کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا معنی نصف بیان کیا ہے۔ مجاہد نے منصف بیان کیا ہے۔ مجاہد اور قتادہ سے اس کا معنی عدلاً بیننا وبینك بھی مروی ہے۔ نحاس نے کہا: اہل تفسیر نے سوی کا معنی نصف اور عدل بیان کیا ہے؛ یہ حسن قول ہے۔ سیبویہ نے کہا: کہا جاتا ہے: سِوی وسُوی، یعنی عدل (مساوی) یعنی اسی جگہ جو دونوں اطراف کا نصف بنتی ہو۔ اس کی اصل تیرے اس قول سے ہے: جلس فی سواء الدار، وہ گھر کے وسط میں بیٹھا۔ اور ہر چیز کا وسط اس کا نصف ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے **وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا** (البقرہ: 143) کی تفسیر میں عدلاً مروی ہے (1)۔ زہیر نے کہا:

أَرُونَا خُطَّةً لَا ضَيْمَ فِيهَا يُسَوِّي بَيْنَنَا فِيهَا السَّوَاءُ

ابوعبیدہ اور قتبی نے کہا: دونوں فریقوں کے درمیان کی جگہ۔ ابوعبیدہ نے موسیٰ بن جابر حنفی کے لیے یہ شعر کہا:

وَإِنَّ أَبَانَا كَانَ حَلَّ بِبَلْدَةٍ سِوًى بَيْنَ قَيْسٍ قَيْسِ عَيْلَانَ وَالْفِزْرِ

الفزر سے مراد سعد بن زید مناۃ بن تمیم ہے۔ اخفش نے کہا: سوی جب بمعنی غیر یا بمعنی عدل ہو تو اس میں تین لغات

1۔ ترمذی، باب ومن سورۃ البقرہ، حدیث نمبر 2886

ہوتی ہیں۔ اگر سین کو ضمہ دیا جائے یا کسرہ دیا جائے تو دونوں صورتوں میں قصر کے ساتھ ہوگا اگر سین کو فتحہ دیا جائے تو مد کے ساتھ پڑھا جائے گا تو کہتا ہے: مکان سوی و سوی و سواء یعنی دونوں فریقوں کی درمیانی جگہ۔ موسیٰ بن جابر نے کہا:

وجدنا أبانا كان حلّ ببلدة

بعض نے فرمایا: مکاناً سُوی سے مراد ہموار جگہ ہے۔ اس قول والے نے یہ شعر پڑھا ہے:

لو تَمنَّتْ حَبِيبَتِي ماعَدَتْنِي وتَمَنَّيتُ ماعَدوتُ سِواها

اور تو کہتا ہے: مررت برجل سواك وسُواك وسوائك یعنی غیرك (تیرے سوا) دونوں اس امر میں برابر ہیں۔ اگر تو چاہے تو سواء ان کہے اور جمع کے لیے سواء اور هم اسواء وهم سواسة جیسے ثمانية بغیر قیاس کے آتا ہے۔ مَكَانًا پر نصب جعل کے مفعول ثانی کی وجہ سے ہے۔ موعد کی وجہ سے اس کو نصب دینا درست نہیں کیونکہ وہ مفعول ہے یا ظرف ہے کیونکہ الموعد سے وصف بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ اسماء جو افعال کے عمل کی طرح عمل کرتے ہیں جب ان کا وصف ذکر کیا جائے یا تصغیر بنائی جائے تو ان کا عمل کرنا مناسب نہیں کیونکہ وہ شبہ فعل سے نکل گئے ہیں اور اس کو اس پر محمول کرنا بہتر نہیں کہ ظرف مفعول ثانی کی جگہ واقع ہوئی ہے، کیونکہ موعد کے بعد جب ظرف واقع ہو تو عرب ظروف کے ساتھ مصادر کے قائم مقام نہیں کرتے بلکہ وہ اس میں وسعت کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ (ہود: 81) مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ۔ یوم الزینۃ کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: وہ عید کا دن تھا اس میں وہ زینت اختیار کرتے تھے اور جمع ہوتے تھے؛ یہ قتادہ اور سدی وغیرہما کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعد بن جبیر نے فرمایا: یہ عاشوراء کا دن تھا۔ سعید بن مسیب نے کہا: بازار کا دن مراد ہے جس میں وہ زیب و زینت کرتے تھے؛ یہ بھی قتادہ کا قول ہے۔ ضحاک نے کہا: یہ ہفتہ کا دن ہے۔ بعض نے کہا: نیروز کا دن ہے؛ یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ بعض نے کہا: یہ وہ دن ہے جس میں خلیج ٹوٹتی تھی یہ اس لیے کہ اس میں وہ باہر نکلتے تھے اور سیر و سیاحت کرتے تھے۔ اس وقت نیل کی طرف سے مصر کے شہر امن میں ہوتے تھے۔ حسن، اعمش، عیسیٰ ثقفی، سلمی اور ہبیرہ نے حفص سے یومَ الزینة پڑھنا روایت کیا ہے۔ یوم الزینة نصب کے ساتھ ہے۔ ابو عمرو سے روایت کیا گیا ہے کہ زینت کے دن میں ہمارے وعدہ کو پورا ہونا ہے۔ باقی قراء نے مبتدا کی خبر کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے۔ اَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى یعنی لوگوں کا جمع ہونا چاشت کے وقت ہوگا۔ انْ، ان لوگوں کی قرات پر محل رفع ہوگا جنہوں نے یوم کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ اَنْ يُّحْشَرَ کا عطف رفع کی قرأت کو تقویت دیتا ہے، کیونکہ اَن ظرف نہیں ہوتا اگرچہ مصدر صریح ظرف ہوتا ہے، جیسے مقدم الحاج کیونکہ جنہوں نے کہا: آتیك مقدم الحاج اس نے آتیك أن یقدم الحاج نہیں کہا۔ نحاس نے کہا: اس سے بہتر یہ ہے کہ الزینة پر عطف کی بناء پر محل جر میں ہو۔ الضحا مؤنث ہے عرب بغیر ھا کے اس کی تصغیر کرتے ہیں تا کہ اس کی تصغیر ضحوۃ کی تصغیر کے مشابہ نہ ہو جائے؛ یہ نحاس کا قول ہے۔ جوہری نے کہا: ضحوة النهار، سورج کے طلوع ہونے کے بعد کا وقت ہے پھر اس کے بعد الضحا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب سورج چمکتا ہے۔ مقصود ہے مؤنث اور مذکر استعمال ہوتا ہے۔ اور جنہوں نے اس کو مؤنث بنایا ہے ان کا خیال ہے کہ یہ ضحوة

کی جمع ہے اور جنہوں نے اسے مذکر بنایا ہے ان کا خیال ہے کہ یہ فُعَلٌ کے وزن پر اسم ہے جیسے صُرَدٌ اور نُغَرٌ یہ سحر کی طرح ظرف غیر متمکن اسم ہے۔ تو کہتا ہے: لقیتہ ضحاً وضُحا۔ تو، ضحا سے مراد پورا دن لے گا تو اس کو مؤنث نہیں بنائے گا۔ پھر اس کے بعد الضحاء کو ممدود مذکر ذکر کیا ہے۔ اور یہ سورج کا اچھی طرح بلند ہونے کا وقت ہے۔ الضحاء کو خاص کیا ہے کیونکہ یہ دن کا آغاز ہوگا۔ اگر معاملہ ان کے درمیان ہو تو دن میں وسعت ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور جحدری وغیرہما سے مروی ہے: وَ اَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع کرے گا۔ بعض قراء سے مروی ہے: وان تحشر الناس، اس کا معنی ہوگا اے فرعون! تو لوگوں کو جمع کرے گا۔ جحدری سے مروی ہے: وان نحشر نون کے ساتھ، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے اس دن کا وعدہ کیا تا کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو اور اس کے دین کا ظہور ہو اور کافر نامراد ہو اور اس پر عام باطل بھاگ جائے۔ اور پھر مجمع میں باطل کی رسوائی ہوتا کہ حق میں رغبت کرنے والے کی رغبت میں تقویت ہو اور باطل گروہ عاجز آجائے اور اس امر کو ہر دیہات اور شہروں میں بیان کرنے والے زیادہ ہوں اور تمام لوگوں میں حق پھیل جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ، کید سے مراد حیلہ اور جادو ہے مراد جادوگروں کو جمع کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بہتر جادوگر تھے اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ رسیاں اور لاٹھیاں تھیں۔ بعض نے کہا: وہ چار سو تھے۔ بعض نے کہا: وہ بارہ ہزار تھے۔ بعض نے کہا: وہ چودہ ہزار تھے۔ ابن المنکدر نے کہا: وہ اسی ہزار تھے۔ بعض نے کہا: وہ ایک رئیس کے ماتحت تھے جس کو شمعون کہا جاتا تھا۔ بعض نے کہا: اس کا نام یوحنا تھا اس کے ساتھ بارہ نقیب تھے ہر نقیب کے ساتھ بیس عریف (رہبر) تھے اور ہر عریف کے ساتھ ہزار جادوگر تھے۔ بعض نے کہا: وہ تین لاکھ جادوگر فیوم سے تھے تین لاکھ صعید سے تھے اور تین لاکھ ریف سے تھے وہ کل نو لاکھ تھے اور ان کا رئیس اندھا تھا۔ ثُمَّ اَتٰى ۝ یعنی وقت مقررہ پر آیا۔ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور جادوگروں سے کہا: وَيْلَكُمْ یہ ان پر ہلاکت کی بددعا ہے۔ یہ بمعنی مصدر ہے ابو اسحاق زجاج نے کہا: یہ منصوب ہے بمعنی الزمھم اللہ ویلاً اللہ ان پر ہلاکت کو لازم کرے۔ فرمایا: یہ بھی جائز ہے کہ یہ ندا ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا (یٰسین: 52)

لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا یعنی تم اس پر جھوٹ مت گھڑو اور اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ اور معجزات کو جادو نہ کہو۔ فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ورنہ وہ تمہیں ہلاک کر کے نیست و نابود کر دے گا۔ کہا جاتا ہے: سحت، أسحت دونوں کا معنی ایک ہے اس کی اصل بالوں کو مونڈ دینا ہے۔ کوفیوں نے فیسحتکم، أسحت سے مشتق کر کے پڑھا ہے۔ باقی قراء نے سحت سے مشتق کر کے فیسحتکم پڑھا ہے۔ یہ اہل حجاز کی لغت ہے اور پہلی بنی تمیم کی لغت ہے۔ اور نصب نہی کے جواب کی بنا پر ہے۔

فرزدق نے کہا:

عَضُّ زمانٍ یابنَ مَرْوانَ لم یَدَعْ　　من المالِ اِلَّا مُسْحَتًا اومُجَلَّفُ

زمخشری نے کہا: یہ وہ بیت ہے ہمیشہ قافلہ علماء اس کے اعراب کے درست کرنے میں گھٹنے رگڑتا رہا۔

وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ۝ یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں ایسا دعویٰ کیا ہے جس کی اس نے اجازت

نہیں دی وہ رحمت اور ثواب سے خسارے میں ہے۔

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَ اَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَ يَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَ قَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿۶۴﴾

''پس وہ جھگڑنے لگے اس کام کے متعلق آپس میں اور چھپ چھپ کر مشورے کرنے لگے۔ وہ ایک دوسرے کو کہنے لگے: بلاشبہ یہ دو جادوگر ہیں یہ چاہتے ہیں کہ نکال دیں تمہیں تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے اور مٹا دیں تمہاری (تہذیب وثقافت کے) مثالی طریقوں کو۔ پس یکجا کر لو اپنی حیلہ سازیوں کو پھر آؤ پرے باندھے ہوئے اور کامیاب ہوگا آج وہ گروہ جو (اس مقابلہ میں) غالب رہا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ یعنی جادوگروں نے آپس میں مشورہ کیا۔ وَ اَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾ چھپ چھپ کر مشورہ کرنے لگے۔ قَالُوْٓا انہوں نے کہا: اگر وہ جو لے کر آئے ہیں جادو ہوگا تو ہم غالب آجائیں گے اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام ہوگا تو اس کا امر غالب آجائے گا یہ انہوں نے سرگوشی کی تھی۔ بعض نے کہا: انہوں نے یہ سرگوشی کی تھی اگر وہ ہم پر غالب آ گیا تو ہم اس کی اتباع کریں گے، یہ کلبی کا قول ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ نیکوکاروں کا معاملہ ہی بالآخر غالب آتا ہے۔ بعض نے کہا: ان کا سرگوشی کرنا یہ تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا: وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا تو انہوں نے کہا: یہ جادوگر کا قول نہیں ہے۔ النجویٰ سرگوشی کرنا یہ اسم اور مصدر ہوتا ہے۔ سورۃ النساء میں اس کا بیان آچکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ ابو عمرو نے انّ ھذین لساحران پڑھا ہے۔ حضرت عثمان، حضرت عائشہ وغیرہما رضی اللہ عنہم صحابہ سے یہ مروی ہے۔ اسی طرح حسن، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی وغیرہم نے بھی پڑھا ہے۔ قراء میں سے عیسیٰ بن عمر، عاصم جحدری نے اسی طرح پڑھا ہے جیسا کہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ یہ قرأت اعراب کے موافق ہے اور مصحف کے مخالف ہے۔ زہری، خلیل بن احمد، مفضل، ابان، ابن محیصن، ابن کثیر اور عاصم نے ایک روایت میں پڑھا ہے: حفص نے بھی اِن ھذان ان کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن کثیر ھذان کی نون کو شد سے پڑھتے تھے۔ یہ قرأت مصحف کی مخالفت سے سلامت ہے اور اعراب کے فساد سے سلامت ہے۔ اس کا معنی ہے ما ھذان الا ساحران۔ مدنی اور کوفی قراء نے انّ ھذان، انّ کو شد کے ساتھ اور لساحران پڑھا ہے۔ انہوں نے مصحف کی موافقت کی اور اعراب کی مخالفت کی۔ نحاس نے کہا: یہ تین قرأتیں ہیں۔ ائمہ کی ایک جماعت نے ان کو روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ انہوں نے انْ ھذان الا ساحران پڑھا ہے۔ کسائی نے حضرت عبداللہ کی قرأت میں ان ھذان ساحران بغیر لام کے کہا ہے۔ فراء نے حضرت ابی کی قرأت میں اِن ذان الا ساحران کہا ہے۔ یہ مزید تین قرأتیں ہیں۔ یہ تفسیر پر محمول ہوں گی ان کے ساتھ قرآن کی مخالفت کرنا جائز نہیں۔

میں کہتا ہوں: اہل مدینہ اور کوفہ کی قرأت میں، مہدوی نے اپنی تفسیر میں اور ان کے علاوہ علماء نے ان کے کلام کے بعض کو بعض میں داخل کر دیا اور ایک قوم نے اس میں خطا کی حتیٰ کہ ابو عمر نے کہا: میں اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتا ہوں کہ میں ان ھذان

پڑھوں، عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ان سے لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ (النساء: 162) کے متعلق پوچھا گیا پھر المقیمین اور سورہ مائدہ میں اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ (المائدہ: 69) کے متعلق پوچھا اور اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ کے متعلق پوچھا گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے میرے بھانجے! یہ کاتب کی خطا ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے کہا: مصحف میں غلطی ہے۔ عرب اپنی زبان کے ساتھ اس کو ٹھیک کرلیں گے☆۔ حضرت ابان ابن عثمان نے کہا: میں نے یہ آیت اپنے باپ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے سامنے تلاوت کی تو انہوں نے فرمایا یہ لحن اور خطا ہے۔ کسی نے ان سے کہا: کیا تم لوگ اسے تبدیل نہیں کرو گے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کو چھوڑ دو کیونکہ یہ نہ حلال کو حرام کرتا ہے اور نہ حرام کو حلال کرتا ہے۔ پہلا قول چھ اقوال میں سے ہے یہ بنی حرب بن کعب، زبیر بن خثعم کی لغت ہے اور کنانہ بن زید تثنیہ کا رفع، نصب اور حرف الف کے ساتھ پڑھتے ہیں کہتے ہیں۔ جاء الزیدان، رأیت الزیدان، مررت بالزیدان، اسی سے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ (یونس: 16) جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ فراء نے بنی اسد کے ایک شخص کا شعر پڑھا اور کہا: میں نے اس سے افصح نہیں دیکھا:

فأطرقَ إطراقَ الشُّجاعِ لو يرىٰ مَساغاً لِنَاباهُ الشُّجاعُ لَصَمَّمَا

اور وہ کہتے ہیں: کسرت یداہ و رکبت علاہ بمعنی یدیہ وعلیہ، ان کے شاعر نے کہا:

تَزَوَّدَ مِنّا بين أُذْنَاهُ ضَرْبَةً دعته إلى هابي التُّرابِ عَقِيم

محل استدلال "بین اذناہ" ہے۔ ایک اور شاعر نے کہا:

إنّ أَبَاهَا وَأَبَا أَبَاهَا قد بَلَغَا في المجدِ غايتاها

یعنی ان اباابیھا دغایتیھا۔ ابوجعفر نحاس نے کہا: یہ قول ان تمام اقوال سے عمدہ ہے جن پر آیت کو محمول کیا گیا ہے جب کہ یہ لغت معروف ہے اس کو اس نے حکایت کیا ہے جن کے علم اور امانت کو پسند کیا گیا ہے۔ ان میں سے ابوزید انصاری ہے وہ کہتا ہے: جب سیبویہ کہے: حدثنی من أثق بہ تو اس سے مراد میری ذات ہوتی ہے۔ ابوالخطاب اخفش یہ لغت کے ائمہ کا سردار ہے، کسائی اور فراء تمام کہتے ہیں کہ یہ بنی حرث بن کعب کی لغت ہے۔ ابوعبیدہ نے ابوالخطاب سے حکایت کیا ہے کہ یہ بنی کنانہ کی لغت ہے۔ مہدوی نے کہا: ان کے علاوہ نے حکایت کیا ہے کہ یہ خثعم قبیلہ کی لغت ہے۔ نحاس نے کہا: یہ جو کچھ سیبویہ کے قول میں کہا گیا اس میں سے واضح ہے جان لے کہ جب تو واحد کا تثنیہ بنائے گا تو تو اس پر دو چیزیں زائد کرے گا ایک یہ کہ حرف مد اور لین اور وہ اعراب کا حرف ہے۔ ابوجعفر نے کہا: سیبویہ کا قول کہ وہ اعراب کا حرف ہے یہ ثابت کرتا ہے کہ اصل تبدیل نہیں ہوتی۔ پس ان ھذان اپنی اصل پر آیا ہے تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ یہ اصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ (المجادلہ: 19) استحاذ نہیں فرمایا یہ اس طرح اس لیے آیا ہے تاکہ اصل پر دلالت کرے اسی

☆ اس قسم کے اقوال کا جلیل القدر صحابہ کرام کی طرف منسوب ہونا محل نظر ہے۔ جن جلیل القدر صحابہ کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی وہ لغت میں مہارت تامہ رکھتے تھے حضرت مفسر نے کئی مقامات پر اس پر گفتگو کی ہے اور ایسی روایات کو قابل اعتنا نہیں سمجھا امام قشیری نے فرمایا ایسا مسلک اپنانا باطل ہے۔

طرح ان ھذان جو اس لغت کا انکار کرے اس کے انکار میں غور نہیں کیا جائے گا کیونکہ آئمہ نحو نے اس کو روایت کیا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں انّ بمعنی نعم (ہاں) ہے جیسا کہ کسائی نے عاصم سے روایت کیا ہے، فرمایا: عرب انّ بمعنی نعم ذکر کرتے ہیں۔ سیبویہ نے حکایت کیا ہے کہ انّ بمعنی اجل بھی آتا ہے۔ اس قول کا نظریہ محمد بن یزید اور اسماعیل بن اسحاق قاضی کا ہے۔ نحاس نے کہا میں نے ابو اسحاق زجاج اور علی بن سلیمان کو یہ قول کرتے ہوئے سنا۔ ابو اسحاق نحاس نے اس پر تعجب کیا۔ علی بن سلیمان نے ہمیں بیان کیا اور انہوں نے کہا ہمیں عبداللہ بن احمد بن عبدالسلام نیشاپوری نے ہمیں بیان کیا پھر میں عبداللہ بن احمد سے ملا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ مجھے عمیر بن متوکل نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں محمد بن موسیٰ نوفلی نے بتایا جو حرث بن عبداللہ کی اولاد سے تھے فرمایا ہمیں عمر بن جمعی کوفی نے جعفر بن محمد سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے علی سے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے اپنے باپ حضرت علی سے روایت کیا ہے فرمایا: میں شمار ہی نہیں کر سکتا کہ میں نے کتنی مرتبہ منبر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اِن الحمدُ للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ پھر فرماتے: میں تمام قریش سے زیادہ فصیح ہوں اور میرے بعد ابان بن سعید بن عاص افصح ہوگا۔ ابو محمد خفاف نے کہا: عمیر نے کہا اس کا اعراب اہل لغت کے نزدیک اِن الحمد للّٰہ نصب کے ساتھ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ کیا نعم الحمد للّٰہ۔ یہ اس طرح ہے کہ عرب اپنے خطبات نعم کے معنی استعمال کر کے آغاز کرتے تھے۔ شاعر نے نعم کے معنی میں اس کو استعمال کیا ہے:

قالوا غَدَرْتَ فقلتُ اِنّ و رُبَّمَا　　نَالَ العُلَا وَشَفَى الغَلِيلَ الغَادِرُ

محل استدلال انّ و ربما ہے۔ عبداللہ بن قیس نے کہا:

بَكَرَ العواذلُ فی الصِّبا　ح يَلُمْنَنِي　و أَلُومُهُنَّهْ

ويَقُلْنَ شَيْبٌ قد عَلَا　كَ وقد كَبِرْتَ فقلتُ إِنَّهْ

محل استدلال ''انه'' ہے۔ اس بناء پر اِنْ ھٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ میں انّ بمعنی نعم جائز ہے۔ اور اس پر نصب نہیں دی۔ نحاس نے کہا: داؤد بن ہشیم نے شعر پڑھا اور ثعلب نے مجھے یہ شعر سنایا:

ليت شعري هل للمحبّ شفاء　　من جَوَى حبهن إنّ اللقاءُ

محل استدلال ''ان اللقاء'' ہے۔ نحاس نے کہا: یہ قول عمدہ ہے مگر اس میں کچھ کمزوری ہے کیونکہ کہا جاتا ہے: نعم زید خارج یہاں اللام واقع نہیں ہوتا اگرچہ نحویوں نے اس کے بارے کلام کی ہے اور انہوں نے کہا: اللام سے تقدیم کی نیت کی گئی ہے، جیسے کہا جاتا ہے:

خالِي لأنتَ ومَنْ جريرٌ خالُه　　يَنَلِ العَلاءَ ويكْرِمِ الأ خوالا

ایک اور شاعر نے کہا:

أُمُّ الحُلَيْسِ لَعَجُوزٌ شَهْرَبَهْ　　تَرْضَى من الشَّاةِ بِعَظْمِ الرَّقَبَةْ

یعنی لخالی ولام الحلیس؛ زجاج نے کہا: مطلب یہ ہے کہ آیت میں معنی یہ ہے ان ھذان لھما ساحران پھر مبتدا کو حذف کیا گیا۔ مہدوی نے کہا: ابوعلی اور ابوالفتح جنی نے اس کا انکار کیا ہے۔ ابوالفتح نے کہا: ھما حذف نہیں کیا جاتا مگر معروف ہونے کے بعد۔ جب معروف ہو تو اس کی معرفت کی وجہ سے لام کے ساتھ تاکید ذکر نہیں کی جاتی اور یہ قبیح ہے کہ موکد کو حذف کیا جائے اور موکد کو باقی رکھا جائے۔

تیسرا قول بھی فراء کا ہے کہتے ہیں: الف ستون ہے فعل کا لام کلمہ نہیں ہے میں نے اس پر نون زیادہ کیا ہے اور میں نے اس پر تبدیلی نہیں کی جیسے تو کہتا ہے: الذی پھر تو اس پر نون زیادہ کرتا ہے اور تو کہتا ہے: جاءنی الذین عندك و رأیت الذین عندك و مررت بالذین عندك۔

چوتھا قول یہ ہے جو بعض کوفیوں نے کہا ہے انہوں نے کہا: ھذان میں الف یفعلان میں الف کے مشابہ ہے پس تبدیل نہیں ہوا۔

پانچواں قول ابواسحاق کا ہے انہوں نے کہا: قدماء نحوی کہتے ہیں یہاں ھاء مضمرہ ہے معنی یہ ہے انه ھذان لساحران۔ ابن انباری نے کہا: ھاء مضمرہ ہے جو منصوب ہے اور ھذان، ان کی خبر ہے اور ساحران کو رفع ھما مضمر کی وجہ سے ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے انه ھذان لھما ساحران۔ اس جواب والوں کے نزدیک اثبت یہ ہے کہ ھاء ان کا اسم ہو اور ھذان مبتدا ہو اور اس کا مابعد خبر ہو۔

چھٹا قول یہ ہے ابوجعفر نحاس نے کہا: میں نے ابوالحسن بن کیسان سے اس آیت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا اگر تو چاہے تو میں تجھے نحویوں کے جواب کے ساتھ جواب دوں اگر تو چاہے تو میں تجھے اپنے قول کے ساتھ جواب دوں۔ میں نے کہا: اپنے قول کے ساتھ جواب دو، انہوں نے کہا: اسماعیل بن اسحاق نے مجھ سے اس کے متعلق پوچھا تو میں نے کہا: میرے نزدیک قول یہ ہے کہ جب کہا جاتا ہے: ھذا محل رفع، نصب اور جر میں ایک حالت پر ہوتا ہے اور تثنیہ میں واجب ہے کہ اس کا واحد تبدیل نہ ہو تثنیہ واحد کے قائم مقام ہو اور فرمایا: کیا اچھا ہوتا کہ تجھ سے پہلے کسی نے یہ قول کیا ہوتا تاکہ اس سے مانوس ہوا جاتا۔ ابن کیسان نے کہا: میں نے اسے کہا قاضی نے کہا ہے حتیٰ کہ اس کو پسند کیا گیا ہے تو انہوں نے تبسم فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یُرِیْدٰنِ اَنْ یُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَ یَذْهَبَا بِطَرِیْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾ یہ فرعون کے جادوگروں کو کہا یعنی ان دونوں حضرات کی غرض تمہارے اس دین کو خراب کرنا ہے جس پر تم ہو جیسا کہ فرعون نے کہا: اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَكُمْ اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾ (غافر) کہا جاتا ہے: فلان حسن الطریقه یعنی فلاں عمدہ مذہب والا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: طریقة القوم سے مراد افضل القول ہے۔ یہ وہ ہے کہ مناسب ہے کہ وہ اس کے طریقوں پر چلیں اور اس کی اقتدا کریں معنی یہ ہے کہ وہ تمہارے سرداروں اور تمہارے رؤسا کو مائل کرتے ہوئے لے جائیں یا معنی ہو کہ وہ بنی اسرائیل کو لے جائیں ان سے مراد اماثل ہیں اگرچہ وہ تمہارے نوکر تھے، کیونکہ ان کا شجرہ نسب انبیاء کی طرف لوٹتا تھا یا یہ معنی کہ وہ یذھبا باھل طریقتکم یعنی اہل مضاف محذوف ہے۔ المثلی یہ الامثل کی تانیث ہے، جیسے کہا جاتا

ہے: الافضل والفضلی، طریقة کو لفظ کی بنا پر مونث ذکر کیا گیا ہے اگرچہ اس سے مراد مرد ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ تانیث، جماعت کے معنی کی بنا پر ہو۔ کسائی نے کہا: بِطَرِيْقَتِكُمُ سے مراد تمہاری سنت اور تمہارا چال چلن ہے۔ الْمُثْلٰى ⊙ لغت ہے جیسے تیرا قول ہے: امرأة کبری، عرب کہتے ہیں: فلان علی الطریقة المثلی، یعنی وہ ہدایت مستقیم پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ الاجماع کا معنی کسی چیز کا پختہ عزم کرنا ہے تو کہتا ہے: أجمعت الخروج یعنی تو نے نکل جانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ تمام علماء کی قرأت فأجمعوا ہے سوائے ابوعمرو کے انہوں نے فاجمعوا ہمزہ وصلی کے ساتھ میم کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد: فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ⊙ سے حجت پکڑی ہے۔ نحاس نے کہا: میرے لیے محمد بن یزید سے حکایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا: ابوعمرو پر واجب ہے کہ وہ اپنی اس قرأت کے خلاف پڑھیں اور وہ وہ قراءت ہے جس پر اکثر لوگوں کا اتفاق ہے۔ فرمایا: انہوں نے فجمع سے حجت پکڑی ہے یہ تو ثابت ہے پس اس کے بعد فاجمعوا ہونا بعید ہے۔ اور اس کے بعد اجمعوا ہونا قریب ہے، یعنی عزم کرو اور سنجیدگی اختیار کرو۔ جو کچھ پہلے گزر چکا ہے واجب ہے کہ یہ اس کے معنی کے خلاف ہو۔ کہا جاتا ہے: امر مجمع و مجمع علیه۔ اس پر اجماع کیا گیا ہے۔ نحاس نے کہا: ابوعمرو کی قرات فاجمعوا صحیح ہے، یعنی اجمعوا کل کید لکم وکل حیلة فضموه مع أخیه۔ یہ قول ابواسحاق کا ہے۔ ثعلبی نے کہا: ہمزہ قطعی اور میم کے کسرہ کی قرأت کی دو وجہیں ہیں۔ (۱) بمعنی الجمع تو کہتا ہے: أجمعت الشئ وجمعته دونوں ہم معنی ہیں۔ صحاح میں ہے: أجمعت الشئ تو نے کسی چیز کو جمع کر دیا۔ ابوذؤیب اپنے گدھوں کی تعریف کرتا ہے:

فكأنها بالجِزْعِ بَيْنَ نُبَايِعٍ وأولاتِ ذی العَرْجاءِ نَهْبٌ مُجْمَعُ

اس شعر میں مجمع بمعنی مجموع ہے۔ اور اس کا دوسرا معنی عزم اور احکام ہے، شاعر نے کہا:

یالیت شِعرِی والمُنَی لاتَنفعُ هل أغدُوَن یوماً وأمرِی مُجمَعُ

اس شعر میں مجمع بمعنی محکم ہے۔ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا مقاتل اور کلبی نے صفا کا معنی جمیعا کیا ہے۔ بعض نے صفوفا کہا ہے تاکہ تمہاری ہیبت شدید ہو۔ صفا ابوعبیدہ کے قول پر اس لیے منصوب ہے کہ اس پر فعل واقع ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے: أتیت الصف بمعنی میں مسجد میں آیا۔ ابوعبیدہ کے نزدیک اس کا مطلب ہے تم ایسی جگہ پر آؤ جہاں عید کے دن جمع ہوتے ہو۔ بعض فصحاء عرب سے حکایت ہے: ماقدرت أن آتی الصف (مجھے مسجد میں آنے کی قدرت نہ ہوئی) زجاج نے کہا: یہ معنی بھی جائز ہے پھر تم آؤ جبکہ لوگ صفوں میں ہوں۔ اس صورت میں صفا مصدر حال واقع ہو رہا ہوگا اسی وجہ سے اس کی جمع نہیں بنائی گئی۔ ثم ایتوا صفا بھی پڑھا گیا ہے۔ میم کے کسرہ اور یاء کے ساتھ۔ اور جس نے ہمزہ کو ترک کیا تو اس نے ہمزہ سے الف بنا دیا۔

وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ⊙ یعنی غالب آیا۔ یہ تمام گفتگو جادوگروں نے ایک دوسرے کے ساتھ کی۔ بعض نے کہا: یہ فرعون نے جادوگروں سے کہا تھا۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ⊙۶۵ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ⊙۶۶ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً

مُوْسٰى ۝ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝ وَ اَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ؕ وَ لَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى ۝ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّ لَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ؗ وَ لَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّ اَبْقٰى ۝

"جادوگر بولے: اے موسیٰ! کیا پہلے آپ پھینکیں گے یا ہم ہی ہو جائیں پہلے پھینکنے والے۔ آپ نے فرمایا: نہیں تم ہی پہلے پھینکو، پھر کیا تھا یکایک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں آپ کو یوں دکھائی دینے لگیں ان کے جادو کے اثر سے جیسے وہ دوڑ رہی ہوں۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا۔ ہم نے فرمایا: (اے کلیم!) مت ڈرو یقیناً تم ہی غالب رہو گے۔ اور زمین پر پھینک دو جو (عصا) تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے یہ نگل جائے گا جو انہوں نے کاریگری کی ہے، انہوں نے جو کاریگری کی ہے وہ فقط جادوگر کا فریب ہے اور نہیں فلاح پاتا جادوگر جہاں بھی جائے۔ پس گرا دیئے گئے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے، انہوں نے (برملا) کہہ دیا: (اے لوگو! سن لو) ہم ایمان لے آئے ہیں ہارون اور موسیٰ کے رب پر۔ فرعون (گویا را ئے ضبط نہ رہا) بولا تم تو ایمان لا چکے تھے اس پر اس سے پہلے کہ میں نے تمہیں (مقابلہ کی) اجازت دی وہ تو تمہارا بڑا (گرو) ہے جس نے تمہیں سکھایا ہے جادو (کافن) تو میں قسم کھاتا ہوں کہ میں کاٹ ڈالوں گا تمہارے ہاتھ پاؤں یعنی ایک طرف کا ہاتھ ایک طرف کا پاؤں اور سولی چڑھاؤں گا تمہیں کھجور کے تنوں پر اور تم خوب جان لو گے کہ ہم میں سے کس کا عذاب شدید اور دیر پا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اس سے مراد جادوگر ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی۔ اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِيَ یعنی تم اپنا عصا پھینکو گے جو تمہارے ہاتھ میں ہے۔ وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ۝ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جادوگروں نے ادب کا مظاہرہ کیا یہی ان کا ادب واحترام ان کے ایمان کا سبب بنا۔ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ کلام میں حذف ہے یعنی فالقوا (انہوں نے ڈالا) حذف ہے اس پر معنی دلالت کر رہا ہے۔ حسن نے عصیهم کو عین کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ہارون قاری نے کہا: بنی تمیم کی لغت عُصیهم ہے۔ حسن اس کے مطابق پڑھتے تھے۔ باقی قراء نے صاد کے کسرہ کی اتباع کی وجہ سے عین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اسی طرح دُلِی و دِلِی اور قُسِی و قِسِی ہے۔

يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابوحیوہ، ابن ذکوان اور روح نے یعقوب سے روایت کر کے تُخَیَّل تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ انہوں نے ضمیر عصی اور الحبال کی طرف لوٹائی ہے چونکہ وہ مونث ہیں اس لیے مونث کا صیغہ پڑھا ہے، کیونکہ انہوں نے لاٹھیوں کو پارہ کے ساتھ لت پت کیا ہوا تھا۔ جب انہیں سورج کی دھوپ لگی تو وہ

حرکت کرنے لگیں۔ کلبی نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خیال کیا کہ زمین سانپوں والی ہے وہ اس کے بطن میں دوڑ رہے ہیں اور تخیل بمعنی تتخیل بھی پڑھا ہے۔ اس کا طریق بھی تخیل والا طریق ہے۔ اور جنہوں نے یخیل یاء کے ساتھ پڑھا ہے انہوں نے اس کا مرجع الکید کو بنایا ہے۔ نخیل نون کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ آزمائش اور محنت کے لیے خیال پیدا کرنے والا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا فاعل اَنَّهَا تَسْعٰى ہے اور ان محل رفع میں ہے یعنی یخیل الیه سعیها۔ یہ زجاج کا قول ہے۔ فراء کا خیال ہے کہ ان محل نصب میں ہے یعنی بأنها پھر با کو حذف کیا گیا۔ پہلی صورت میں معنی ہوگا ان کے جادو اور مکر کی وجہ سے انہیں اشتباہ ہو گیا حتی کہ انہوں نے گمان کیا وہ دوڑ رہی ہیں۔ زجاج نے کہا: جس نے تا کے ساتھ پڑھا ہے انہوں نے انّ کو محل نصب میں بنایا یعنی تخیل الیه ذات سعی انہیں دوڑنے والی چیز معلوم ہوئی۔ فرمایا: یہ بھی جائز ہے کہ تخیل میں جو ضمیر ہے اس پر انّ بدل ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہو، جو ضمیر الحبال اور العصی کی طرف لوٹ رہی ہے، اس صورت میں بدل اشتمال ہوگا۔ تسعیٰ بمعنی تمشی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾، اوجس بمعنی أضمر ہے دل میں محسوس کیا۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی پانا ہے۔ بعض نے کہا: اس کا معنی محسوس کرنا ہے، یعنی سانپوں سے کچھ خوف محسوس کیا یہ وہی ہے جو طبع بشری کو خوف لاحق ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ بعض نے کہا: آپ کو یہ خوف لاحق ہوا کہ آپ کے عصا پھینکنے سے پہلے لوگ فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ بعض نے کہا: آپ کو خوف ہوا جب عصا ڈالنے کی وحی میں تاخیر ہوئی کہ لوگ اس سے پہلے جدا ہو جائیں گے اور فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔ بعض اہل الحقائق نے کہا: اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جادوگروں سے ملے اور آپ نے انہیں فرمایا: (کمبختو! نہ بہتان باندھو اللہ تعالیٰ پر جھوٹے ورنہ وہ تمہارا نام و نشان مٹا دے گا کسی عذاب سے) حضرت موسیٰ علیہ السلام متوجہ ہوئے تو جبریل آپ کی دائیں طرف کھڑے تھے تو جبریل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے موسیٰ! اللہ کے دوستوں کے ساتھ نرمی کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے جبریل! یہ جادوگر ہیں بڑا جادو لے کر آئے ہیں تاکہ معجزہ کو باطل کریں اور فرعون کے دین کی مدد کریں اور اللہ کے دین کا رد کریں۔ آپ کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے نرمی کرو، جبریل نے کہا: یہ اس وقت سے لے کر عصر تک تمہارے پاس ہیں عصر کے بعد یہ جنت میں ہوں گے جب جبریل نے یہ کہا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خوف محسوس ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطرہ لاحق ہوا کہ میرے بارے میں اللہ کا جو علم ہے اس کا مجھے علم نہیں شاید میں اب ایک حالت میں ہوں اور اللہ تعالیٰ کا علم میرے بارے میں اس حالت کے خلاف ہو جیسا کہ یہ لوگ تھے، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خوف کو جان لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی: لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ یعنی تم ہی دنیا میں ان پر غالب ہو گے اور جنت میں بلند درجات پر ہو گے۔ اس نبوت و اصطفا کے مقام کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا۔ خیفة کی اصل خِوْفَة ہے۔ خا کے کسرہ کی وجہ سے واؤ یا سے بدل گئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا یہ نہیں فرمایا کہ اپنا عصا ڈالو، یہ جائز ہے انکی رسیوں کی

حقارت کے لیے ہو یعنی ان کی رسیوں اور لاٹھیوں کی پروانہ کرو۔ تم وہ ایک چھوٹی سی لکڑی ڈالو جو تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ ایک ان تمام کو نگل جائے گی، وہ چھوٹی سی لکڑی ان تمام بڑی لکڑیوں کو کھا جائے گی۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ ان کی تعظیم کے لیے ہو یعنی ان بڑے بڑے جسموں والی لکڑیوں کی پروانہ کرو کیونکہ جو چیز تمہارے ہاتھ میں ہے وہ ان تمام سے بڑی ہے۔ یہ کثرت کے باوجود اس کے سامنے کم ہیں۔ پس آپ اسے ڈالیں اللہ کے اذن سے تمام کو نگل جائے گا اور منادے گا۔ تَلْقَفْ جواب امر کی وجہ سے مجزوم ہے گویا فرمایا: اگر تو اسے پھینکے گا تو وہ انہیں نگل جائے گا۔ سلمی اور حفص نے تلقف لام کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ لقف یلقف لقفاً سے مشتق ہے۔ ابن ذکوان، ابو حیوہ شامی، یحییٰ بن حرث نے تلقف تا کے حذف اور فاء کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ بایں معنی کہ فانھا تتلقف۔ خطاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہے۔ بعض نے کہا: عصا کے لیے ہے۔ اللقف کا معنی تیزی سے پکڑ لینا ہے۔ کہا جاتا ہے: لقفت الشیٔ، قاف کے کسرہ کے ساتھ۔ لقفه لقفا، تلقفته، یعنی جلدی کے ساتھ اس نے اسے پکڑ لیا۔ یعقوب سے مروی ہے کہا جاتا ہے: رجل لقف ثقف، یعنی چالاک اور دانشمند آدمی۔ اللقف حرکت کے ساتھ دیوار کا گرنا۔ لقد لقف الحوض لقفاً یعنی نیچے سے کھل گیا۔ تلقف وتلقم وتلهم تمام کا معنی ایک ہی ہے؛ یہ سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے۔ لقمت اللقمة لقماً وتلقمتها اس کا معنی ہے لقمہ کو آسانی سے نگل لیا۔ اسی طرح لهمه (ھاء کے کسرہ کے ساتھ) اس کا معنی نگل جانا ہے۔ مَا صَنَعُوْا یعنی جو انہوں نے کیا اسی طرح اِنَّمَا صَنَعُوْا یعنی إن الذی صنعوہ، کید رفع کے ساتھ ہے (سحر) سین کے کسرہ اور حاء کے سکون کے ساتھ۔ یہ عصام کے سوا کوفیوں کی قرأت ہے۔ اس میں دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ کید، السحر کی طرف مضاف ہو، اتباع کی بنا پر حذف کی تقدیر کے بغیر۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کلام میں حذف ہو یعنی کید ذی سحر، باقی قراء نے کیدَ، نصب کے ساتھ اس پر صنعٔ کے وقوع کے ساتھ۔ ما کافہ ہے۔ ساحر میں اضافت کی وجہ سے ضمیر مضمر نہ ہوگی۔ الکید اس قرأت پر حقیقت میں ساحر کے لیے مضاف ہے سحر کے لیے نہیں۔ ان کا فتحہ جائز ہے اس معنی پر لانّ ماصنعوا کید ساحر کہ جو انہوں نے کیا وہ جادوگر کا مکر و فریب ہے۔ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰی یعنی زمین کی کسی جہت سے آئے جادوگر کامیاب نہیں ہوتا۔ بعض نے کہا: جہاں حیلہ کرتا ہے۔ سورۂ بقرہ میں ساحر کا حکم اور سحر کا معنی گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا، جب انہوں نے عصا میں عظیم امر اور خارق لاعادت امر دیکھا تو وہ سجدہ میں گر گئے اس عصا نے رسیوں اور لاٹھیوں کے ذریعے جو مکر و فریب کیا تھا سب کو نگل لیا۔ وہ بوجھ جو رسیوں اور لاٹھیوں کا تھا تین سو اونٹ کا تھا، پھر ایک عصا رہ گیا۔ کوئی شخص نہیں جانتا تھا کہ رسیاں اور لاٹھیاں کہاں ہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ یہ مفہوم اور عصا کا مسئلہ سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے۔ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى ۝ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ، له بمعنی به ہے۔ کہا جاتا ہے: آمن له وآمن به، اسی سے یہ ارشاد ہے: فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ (العنکبوت: 26) اور سورۃ الاعراف آیت 123 میں ہے: قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ، فرعون کی طرف سے جادوگروں پر انکار ہے یعنی تم نے تجاوز کیا اور تم نے وہ کیا جس کا میں نے حکم نہیں دیا ہے۔ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ یعنی تعلیم میں جو تمہارا رئیس ہے۔ وہ تم پر غالب آگیا کیونکہ وہ

جادوگری میں تم سے زیادہ ماہر تھا۔ فرعون نے اپنے اس قول سے یہ ارادہ کیا کہ لوگوں میں اشتباہ پیدا کر دے تا کہ لوگ ان کی اتباع نہ کریں اور ان کی طرح لوگ بھی ایمان نہ لے آئیں ورنہ فرعون جان چکا تھا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کچھ نہیں سیکھا ہے بلکہ وہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آنے اور ان کی ولادت ہونے سے پہلے جادو جانتے تھے۔ **فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیۡدِیَكُمۡ وَ اَرۡجُلَكُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ وَّ لَاُوصَلِّبَنَّكُمۡ فِیۡ جُذُوۡعِ النَّخۡلِ** یعنی علی جذوع النخل، سوید بن ابی کاہل نے کہا:

هُمْ صَلَبُوا العبدیّ فی جذع نخلة　　فلا عَطَستْ شیبانُ إلّا بأجْدَعَا

پس ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے اور سولی پر چڑھائے گئے حتیٰ کہ وہ وصال کر گئے۔ پس اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ ابن محیصن نے یہاں اور سورۃ الاعراف میں فلاقطعن ولاصلبنکم کو الف کے فتحہ کے ساتھ اور تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ قطع اور صلب سے مشتق کیا ہے۔ **وَلَتَعۡلَمُنَّ اَیُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّ اَبۡقٰی** یعنی میں یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رب؟۔

قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡثِرَكَ عَلٰی مَا جَآءَنَا مِنَ الۡبَیِّنٰتِ وَ الَّذِیۡ فَطَرَنَا فَاقۡضِ مَاۤ اَنۡتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقۡضِیۡ هٰذِهِ الۡحَیٰوةَ الدُّنۡیَا ؕ﴿۷۲﴾ اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغۡفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا وَ مَاۤ اَكۡرَهۡتَنَا عَلَیۡهِ مِنَ السِّحۡرِ ؕ وَ اللّٰهُ خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی ﴿۷۳﴾ اِنَّهٗ مَنۡ یَّاۡتِ رَبَّهٗ مُجۡرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا یَمُوۡتُ فِیۡهَا وَ لَا یَحۡیٰی ﴿۷۴﴾ وَ مَنۡ یَّاۡتِهٖ مُؤۡمِنًا قَدۡ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الۡعُلٰی ﴿۷۵﴾

''انہوں نے کہا: (اے فرعون!) ہمیں اس کی قسم جس نے ہمیں پیدا کیا ہم ہرگز ترجیح نہیں دیں گے تجھے ان روشن دلیلوں پر جو ہمارے پاس آئی ہیں پس (ہمارے بارے میں) جو فیصلہ تو کرنا چاہتا ہے کر دے (ہمیں ذرا پروا نہیں) تو صرف اس (فانی) دنیوی زندگی کے بارے میں ہی فیصلہ کر سکتا ہے۔ یقیناً ہم ایمان لائیں گے اپنے رب پر تا کہ وہ بخش دے ہمارے لیے ہماری خطاؤں کو اور اس قصور کو اور اس قصور کو بھی جس پر تم نے مجبور کیا تھا یعنی فن سحر اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔ بیشک جو شخص بارگاہ الٰہی میں مجرم بن کر آئے تو اس کے لیے جہنم (کا شعلہ زار) ہے نہ وہ مر ہی سکے گا اس میں اور نہ وہ زندہ ہوگا۔ اور جو شخص حاضر ہوگا بارگاہ الٰہی میں مومن بن کر اس حال میں کہ اس نے عمل بھی نیک کیے ہوں تو یہ (سعادت مند) ہیں جن کے لیے بلند درجات ہیں، یعنی سدا بہار باغات رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ (خوش نصیب) ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ ہے جزا ان کی جنہوں نے (اپنا دامن ہر آلائش سے) پاک رکھا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **قَالُوۡا** جادوگروں نے کہا: **لَنۡ نُّؤۡثِرَكَ** ہم تجھے اختیار نہیں کریں گے۔ **عَلٰی مَا جَآءَنَا مِنَ الۡبَیِّنٰتِ** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: البینات سے مراد یقین اور علم ہے۔ عکرمہ وغیرہ نے کہا: جب انہوں نے سجدہ کیا تو سجدہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی جنت میں منازل دکھائیں اسی وجہ سے انہوں نے کہا: ہم تجھے ترجیح نہیں دیں گے۔ **فَاقۡضِ مَاۤ**

اَنْتَ قَاضٍ تقدیر عبارت اس طرح ہے، ما انت قاضیه اور یہاں ما جو فعل کو ملاتا ہے مصدر کے قائم مقام نہیں ہے کیونکہ وہ افعال کو ملاتا ہے اور یہ مبتدا اور خبر کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا مطلب ہے تو کر لے جو تو کرنے والا ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے تو فیصلہ کر جو تو کرنے والا ہے یعنی ہاتھ پاؤں کاٹنے اور سولی چڑھانا چاہتا ہے۔ یا کو قاضی سے حذف کیا گیا ہے کیونکہ یا ساکن ہے اور دوسرا تنوین کا سکون ہے۔ سیبویہ نے وقف میں یا کے اثبات کو اختیار کیا ہے، کیونکہ اس صورت میں التقاء ساکنین کی علت زائل ہو جاتی ہے۔

اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ تیرا امر صرف اس دنیاوی زندگی پر نافذ ہوگا۔ یہ ظرف کی بنا پر منصوب ہے مطلب یہ ہے تو اس دنیا کے مال و متاع میں فیصلہ کرتا ہے یا اس دنیا کے وقت میں فیصلہ کرتا ہے پس مفعول کا حذف مقدر ہے۔ پس یہ تقدیر عبارت بھی جائز ہے انما تقضی أمور هذه الحياة الدنيا اس صورت میں نصب بھی مفعول کی نصب کی طرح ہوگی اور ما، اِنَّ کے عمل کو روکنے والا ہے۔ فراء نے رفع کو جائز قرار دیا ہے اس بنا پر کہ ما بمعنی الذی ہو اور تَقْضِيْ سے ضمیر کو حذف کیا گیا ہو اور هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا کو رفع دیا جائے۔ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا یعنی ہم اللہ وحدہ لاشریک پر اور جو حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا اس سے مراد وہ شرک ہے جس پر پہلے وہ تھے۔

وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ما محل نصب میں ہے اور الخطایا پر معطوف ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا کوئی محل نہیں ہے اور یا نافیہ ہے یعنی لیغفر لنا خطایانا من السحر وما اکرهتنا علیه۔ نحاس نے کہا: پہلا قول اولیٰ ہے۔ مہدوی نے کہا: اس میں بُعد ہے کیونکہ ان کا قول ہے: اِنَّ لنا لاجراً ان كُنّا نحن الغالبين، یہ مکرهین (مجبور) کا قول نہیں ہوسکتا ہے۔ اور اکراہ کی صورت میں گناہ نہیں ہوتا اگرچہ یہ ہوسکتا ہے کہ بچپن میں انہیں جادو سیکھنے پر مجبور کیا گیا ہو۔ حسن نے کہا: وہ چھوٹے بچوں کو جادو سکھاتے تھے پھر بعد میں خود اس پر اپنی مرضی سے عمل کرتے تھے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ما مبتدا کی حیثیت سے محل رفع میں ہو اور خبر مضمر ہو۔ تقدیر عبارت یہ ہو: وما اکرهتنا علیه من السحر موضوع عنا اور من ساحر اس قول پر اور پہلے قول کی بنا پر اکرهتنا کے متعلق ہوگا۔ اور ما کو نافیہ بنانے کی صورت میں خطایانا کے متعلق ہوگا۔ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى یعنی اس کا ثواب بہتر ہے اور دیرپا ہے، مضاف کو حذف کیا گیا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہمارے لیے تجھ سے بہتر ہے اور وہ جو ہمیں عذاب دے گا تیرے عذاب دینے کی نسبت زیادہ دیرپا ہے۔ یہ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى کا جواب ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ ہمارے لیے بہتر ہے اگر ہم اس کی اطاعت کریں اور ہم اس کی نافرمانی کریں تو وہ تجھ سے زیادہ ہمیں عذاب دینے والا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا بعض علماء نے فرمایا: یہ ان جادوگروں کا قول ہے جب وہ ایمان لائے تھے۔ بعض نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا آغاز ہے۔ اور انه کی ضمیر کا مرجع الامر اور الشان ہے۔ اور ان من یات بھی جائز ہے:

إنّ من يَدخلِ الكنيسةَ يوماً يلْقَ فيها جآذِراً وظِباءَ

اس میں مراد انه من يدخل ہے یعنی اِنّ الأمر هذا المجرم دوزخ میں داخل ہوگا اور مومن جنت میں داخل ہوگا۔ مجرم سے

تبعه و أتبعه، لحقه اور الحقة کا ایک معنی ہے ملنا اور بِجُنُوْدِهٖ حال واقع ہو رہا ہے گویا فرمایا: فاتبعهم سائقاً جنوده یعنی اپنے لشکر کو چلاتے ہوئے ان کا پیچھا کیا۔ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ، یعنی سمندر کی موجیں لاحق ہوئیں جنہوں نے انہیں غرق کر دیا۔ تعظیم اور امر کی معرفت کی وجہ سے فعل کو مکرر ذکر کیا۔ وَ اَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَ مَا هَدٰى یعنی رشد سے فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور خیر اور نجات کی طرف ان کی راہنمائی نہیں کی، کیونکہ اس نے اندازہ لگایا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی اس سے بچ نہیں سکیں گے کیونکہ ان کے آگے سمندر ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر عصا مارا تو اس میں بارہ راستے بن گئے اور راستوں سے پانی پہاڑوں کی مثل رک گیا اور سورہ شعراء میں ہے: فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾ (الشعراء) یعنی بہت بڑا پہاڑ۔ ہر قبیلہ نے راستہ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پانی کے پہاڑوں کو حکم دیا کہ وہ جال کی طرح ہو جائیں تو وہ جالوں کی طرح ہو گئے۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھتے تھے اور ایک دوسرے کی کلام سنتے تھے۔ یہ عظیم معجزات میں سے تھا اور بڑی نشانیوں میں سے تھا۔ جب فرعون آیا اور سمندر میں راستے دیکھے اور پانی کو ٹھہرا ہوا دیکھا تو اس نے اپنے ساتھیوں کو کہا: اس کی ہیبت کی وجہ سے سمندر پارہ پارہ ہو گیا ہے۔ پس فرعون اور اس کے ساتھی داخل ہو گئے تو سمندر ان پر مل گیا۔ بعض علماء نے کہا: وَ مَا هَدٰى اس کے ان کو گمراہ کرنے کی تاکید کے لیے ہے۔ بعض نے کہا: یہ فرعون کے قول: مَاۤ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَاۤ اَرٰى وَ مَاۤ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾ (غافر) کا جواب ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس کی تکذیب کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وَ مَا هَدٰى یعنی اس نے اپنے آپ کو راہ ہدایت نہ دکھائی بلکہ اپنے آپ کو اور اپنی قوم کو ہلاک کر دیا۔

يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَ وٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى ﴿۸۰﴾ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ لَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَ مَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾ وَ اِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾

"اے بنی اسرائیل! (دیکھو) ہم نے بچا لیا تمہیں تمہارے دشمن سے اور ہم نے تم سے وعدہ کیا (کوہ) طور کی دائیں جانب کا اور ہم نے اُتارا تم پر من و سلویٰ۔ کھاؤ ان پاک چیزوں سے جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں اور اس میں حد سے تجاوز نہ کرنا ورنہ اترے گا تم پر میرا عذاب، اور وہ (بدنصیب) اترتا ہے جس پر میرا غضب تو یقیناً وہ گر کر رہتا ہے۔ اور میں بلاشبہ بہت بخشنے والا ہوں اسے جو توبہ کرتا ہے اور ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے بعد ازاں ہدایت پر مستحکم رہتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دی تو یہ فرمایا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ وَ وٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ، جَانِبَ پر نصب، واعدنا کے مفعول ثانی کی بنا پر ہے اور اسے ظرف کی بنا پر نصب دینا بہتر نہیں کیونکہ یہ ظرف مکان محض غیر مبہم ہے اور افعال اور مصادر ظروف مکان

کی طرف بغیر حروف جر کے متعدی ہوتے ہیں جبکہ وہ ظروف مبہم ہوں۔ کسی نے کہا: یہ اصل ہے اس میں اختلاف نہیں ہے۔ آیت کی تقدیر یہ ہے: وواعدناکم اتیان جانب الطور، پھر مضاف کو حذف کیا گیا۔ نحاس نے کہا: اس کا مطلب ہے ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ تمہیں اپنے ساتھ نکلنے کا حکم دیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے تمہاری موجودگی میں کلام کریں اور تم بھی اس کلام کو سن لو۔ بعض نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرعون کے غرق ہونے کے بعد طور کی جانب آنے کا وعدہ لیا تاکہ انہیں تورات عطا کریں پس وعدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھا لیکن خطاب انہیں کیا گیا کیونکہ وعدہ ان کے لیے تھا۔ ابو عمرو نے ووعدناکم بغیر الف کے پڑھا ہے۔ ابو عبید نے بھی اس کو اختیار کیا ہے کیونکہ وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھا اور المواعدۃ صرف دو افراد کی طرف سے ہوتا ہے۔ یہ مفہوم سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ الایمن کو نصب دی گئی ہے کیونکہ یہ جانب کی صفت ہے اور پہاڑ کے لیے کوئی دایاں بایاں نہیں ہوتا جب کہا جاتا ہے: خذ عن یمین الجبل تو اس کا معنی ہوتا ہے تم اپنی دائیں جانب پر پہاڑ کو پکڑو۔ اس وقت پہاڑ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دائیں جانب پر تھا جب وہ وہاں آئے تھے۔ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى یعنی تیہ کے صحرا میں ہم نے تم پر من وسلویٰ اُتارا۔ اس پر کلام گزر چکی ہے۔ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ یعنی لذیذ رزق سے۔ بعض نے کہا: طیب سے مراد حلال رزق ہے جبکہ آدمی کا اس میں کوئی دخل نہیں ورنہ اس میں شبہ داخل ہو جاتا۔ وَ لَا تَطْغَوْا فِيْهِ یعنی خوشحالی اور عافیت تمہیں نافرمانی پر نہ اُبھارے، کیونکہ الطغیان کا معنی ہوتا ہے ناجائز چیز کی طرف تجاوز کرنا۔ بعض نے کہا: اس کا معنی ہے نعمت کا انکار نہ کرو اور نعمتوں کے شکر کو نہ بھولو اور منعم کے شکر کو نہ بھولو جس نے تم پر انعام کیا۔ بعض نے کہا: اس کا مطلب ہے ان کے بدلے دوسری چیزیں طلب نہ کرو جیسا کہ فرمایا: اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ (البقرہ: 61) بعض نے کہا: ایک دن اور ایک رات سے زائد کے لیے اس میں سے ذخیرہ نہ کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا مطلب ہے جو وہ ذخیرہ کریں ان میں کیڑے پیدا کر دیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کبھی کسی کھانے میں کیڑا پیدا نہ ہوتا۔ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ یعنی تم پر میرا غضب لازم ہوگا اور غضب اترے گا یہ فا کے ساتھ جواب نہی میں منصوب ہے نہی سے مراد وَ لَا تَطْغَوْا ہے۔ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَ مَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى، اعمش، یحییٰ بن وثاب اور کسائی نے فیحل میں حاء کے ضمہ کے ساتھ اور من یحلل میں پہلے لام کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور باقی قراء نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ دو لغتیں ہیں۔ ابو عبیدہ وغیرہ نے حکایت کیا ہے: حَلَّ يَحِلُّ کہا جاتا ہے: جب واجب ہو اور حل يَحُلُّ کہا جاتا ہے جب اترے۔ اسی طرح فراء نے کہا: الحلول سے یحل حاء کے ضمہ کے ساتھ وقوع کے معنی میں ہوتا ہے اور یحل حاء کے کسرہ کے ساتھ وجوب کے معنی میں ہوتا ہے دونوں معانی متقارب ہیں لیکن کسرہ اولیٰ ہے کیونکہ قراء کا وَ يَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝ (الزمر) پر اجماع ہے۔ غضب اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا عقاب، انتقام اور عذاب ہے۔ فَقَدْ هَوٰى زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے وہ ہلاک ہوا یعنی وہ ہاویہ کی طرف چلا۔ ہاویہ سے مراد دوزخ کی گہرائی ہے۔ یہ ھوی یھوی ھویا سے ہے جس کا معنی ہے اوپر سے نیچے کی طرف گرنا۔ ھوی فلان یعنی فلاں مر گیا۔ ابن المبارک نے ذکر کیا ہے کہ ہمیں اسماعیل بن عیاش نے بتایا انہوں نے فرمایا: ہمیں

ثعلبہ بن مسلم نے بیان کیا انہوں نے ایوب بن بشر سے انہوں نے شفی اصبحی سے روایت کیا ہے فرمایا: ''جہنم میں ایک پہاڑ ہے اسے صعود کہا جاتا ہے، کافر اس پر چڑھنے سے پہلے چالیس سال چلے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا (مدثر) جہنم میں ایک محل ہے جس کو ھویٰ کہا جاتا ہے کافر کو اس کے اوپر سے پھینکا جائے گا پس وہ اس کی تہہ تک پہنچنے سے پہلے چالیس سال گرتا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ مَنْ یَّحْلِلْ عَلَیْهِ غَضَبِیْ فَقَدْ هَوٰی حدیث ذکر فرمائی جو ہم نے ''التذکرہ'' کتاب میں ذکر کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ یعنی جس نے شرک سے توبہ کی۔ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی یعنی ایمان پر قائم رہا حتی کہ ایمان پر ہی وصال ہوا، یہ سفیان ثوری اور قتادہ وغیرہما کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یعنی ایمان میں شک نہ ہوا، یہ ماوردی اور مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ سہل بن عبداللہ تستری اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی قول ہے کہ جو سنت و جماعت پر قائم رہا، یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ حضرت انس نے کہا: اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو مضبوطی سے پکڑا، یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے اور یہ ماوردی نے حضرت ربیع بن انس سے روایت کیا ہے۔ پانچواں قول یہ ہے کہ درست عمل کیا، یہ حضرت ابن زید کا قول ہے۔ حضرت ابن زید سے یہ بھی مروی ہے کہ اس نے علم حاصل کیا تاکہ ہدایت پائے کہ کیسے عمل کرے؟ پہلا قول مہدوی نے ذکر کیا اور دوسرا قول ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ ثعلبی، مقاتل اور کلبی نے کہا: اس نے جان لیا کہ اس کے لیے ثواب اور عقاب ہے، یہ فراء کا قول ہے۔ آٹھواں قول ثُمَّ اهْتَدٰی پھر اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولایت میں ہدایت پائی؛ یہ ثابت بنانی کا قول ہے۔ پہلا قول تمام اقوال سے احسن ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ تمام اقوال کا مرجع وہی ہے۔ وکیع نے سفیان سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں سنتے ہیں وَ اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ یعنی جس نے شرک سے توبہ کی اٰمَنَ یعنی شرک کے بعد ایمان لایا وَ عَمِلَ صَالِحًا نماز پڑھی اور روزہ رکھا ثُمَّ اهْتَدٰی پھر اسی پر فوت ہوا۔

وَ مَاۤ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ یٰمُوْسٰی ﴿۸۳﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰۤی اَثَرِیْ وَ عَجِلْتُ اِلَیْكَ رَبِّ لِتَرْضٰی ﴿۸۴﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ ﴿۸۵﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰۤی اِلٰی قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ۬ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَمْ یَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ؕ۬ اَفَطَالَ عَلَیْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ یَّحِلَّ عَلَیْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا مَاۤ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَ لٰكِنَّا حُمِّلْنَاۤ اَوْزَارًا مِّنْ زِیْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَی السَّامِرِیُّ ﴿۸۷﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَاۤ اِلٰهُكُمْ وَ اِلٰهُ مُوْسٰی ۬ فَنَسِیَ ﴿۸۸﴾ اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا ۙ۬ وَّ لَا یَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾

''اور کس وجہ سے تم جلدی آ گئے اپنی قوم سے اے موسیٰ! عرض کی: وہ یہ ہیں میرے پیچھے اور میں جلدی جلدی

تیری بارگاہ میں اس لیے حاضر ہوا ہوں میرے رب کہ تو راضی ہو جائے۔ ارشاد ہوا کہ ہم نے تو آزمائش میں مبتلا کر دیا تمہاری قوم کو تمہارے (چلے آنے کے) بعد اور گمراہ کر دیا ہے انہیں سامری نے۔ (یہ سنتے ہی) لوٹے موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف غضبناک اور افسردہ خاطر ہو کر، فرمایا: اے میری قوم! کیا وعدہ نہیں کیا تھا تم سے تمہارے رب نے بہت عمدہ وعدہ تو کیا طویل مدت گزر گئی ہے اس وعدہ پر (اور تم اس کے ایفاء سے مایوس ہو گئے) یا تم چاہتے ہو کہ اترے تم پر غضب تمہارے رب کی طرف سے اس لیے تم نے توڑ ڈالا میرے ساتھ کیا ہوا وعدہ۔ کہنے لگے: نہیں توڑا ہم نے آپ سے کیا ہوا وعدہ اپنے اختیار سے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم پر لاد دیئے گئے تھے بوجھ قوم (فرعون) کے زیورات سے سو ہم نے (سامری کے کہنے پر) انہیں پھینک دیا اسی طرح سامری نے بھی (اپنے حصہ کے زیور) پھینک دیئے۔ پھر سامری نے بنا نکالا ان کے لیے بچھڑے کا ڈھانچہ جو گائے کی طرح ڈکارتا تھا پھر سامری اور اس کے چیلوں نے کہا: (اے فرزندان یعقوب) یہ ہے تمہارا خدا اور موسیٰ کا خدا پس موسیٰ بھول گئے۔ کیا ان احمقوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ یہ بچھڑا ان کی کسی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ اختیار رکھتا ہے ان کے کسی ضرر کا اور نہ نفع کا"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ۝ تجھے کس چیز نے ابھارا کہ تم اپنی قوم سے پہلے آ گئے؟ بعض علماء نے فرمایا: قوم سے مراد تمام بنی اسرائیل ہیں اس وجہ سے بعض علماء نے فرمایا: حضرت ہارون کو بنی اسرائیل پر خلیفہ بنایا تھا اور خود ستر آدمیوں کے ہمراہ چل رہے تھے اور آپ کی طرف متوجہ تھے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ میرے قریب میری واپسی کے منتظر ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: نہیں بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنے پیچھے بنی اسرائیل کو لانے کا حکم دیا اور ان سے ملنے کا حکم دیا۔ بعض علماء نے فرمایا: قوم سے مراد وہ ستر افراد ہیں جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے منتخب فرمایا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب طور کے قریب تھے تو کلام الٰہی کے سننے کے شوق میں سبقت لے گئے۔ بعض نے کہا: جب طور سینا کی طرف چلے تو اپنے رب کا اشتیاق ہوا اور شوق الٰہی میں مسافت لمبی ہو گئی اور معاملہ انتہائی تنگ ہو گیا حتیٰ کہ آپ نے اپنی قمیص پھاڑ دی پھر آپ صبر نہ کر سکے حتیٰ کہ قوم کو پیچھے چھوڑ گئے اور اکیلے چلے گئے جب اپنے مقام پر کھڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ۝ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام حیرانگی کے عالم میں کوئی جواب نہ دے سکے چونکہ سچے شوق سے استقبال کیا تھا تو جواب سے اعراض کیا اور کنایۃً کہا: هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ۔ ما کے کلمہ کے ساتھ جلدی آنے کا سبب پوچھا تو انہوں نے پیچھے آنے کی خبر دی پھر عرض کی: وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۝ شوق کے ذکر سے کنایہ فرمایا اور رضا کی طلب کی طرف کلام کو پھیرا۔ عبدالرزاق نے معمر سے انہوں نے قتادہ سے وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۝ کے تحت روایت کیا کہ تیرا شوق مجھے جلدی لے آیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب اپنے بستر پر آتی تھیں تو کہتی تھیں: مجید (عزت والے) کو لے آؤ پس پر قرآن کریم لایا جاتا وہ اسے اپنے سینے سے لگاتیں اور اس سے تسلی لیتی ہوئے سو جاتی تھیں، سفیان نے مسعر سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ جب بارش ہوتی تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑے

اتار دیتے تھے تا کہ جسم پر بارش لگے اور فرماتے تھے: انہٗ حدیث عہد بربی (1) (یہ میرے رب کا قریبی عہد ہے) یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور آپ کے بعد والوں کی طرف سے شوق ومحبت کی وجہ سے تھا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے جو مروی ہے اس میں فرمایا: ''میری ملاقات کا شوق نیکوکاروں کے لیے طویل ہوا اور میں ان کی ملاقات کا شوق رکھتا ہوں'' (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جانتا ہے لیکن پھر فرمایا: مَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ تو یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحمت ہے اس قول سے انہیں عزت بخشنا اور ان کے دل کو تسلی دینا اور ان پر شفقت کرنا مقصود تھا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کو جواب دیتے ہوئے کہا: هُمْ اُولَآءِ عَلٰۤى اَثَرِيْ۔ ابو حاتم نے کہا: عیسیٰ نے کہا بنو تمیم کہتے ہیں: ھم اولی یعنی مقصورہ مرسلہ پڑھتے ہیں اور اہل حجاز اولاء مد کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ فراء نے: هُمْ اُولَآءِ عَلٰۤى اَثَرِيْ حکایت کیا ہے۔ ابو اسحاق زجاج نے کہا: اس کی کوئی وجہ نہیں۔ نحاس نے کہا: یہ اسی طرح ہے جس طرح زجاج نے کہا ہے کیونکہ یہ ان اسماء سے نہیں جو مضاف ہوتے ہیں تا کہ یہ ھدی کی طرح ہو، یہ دو جہتوں میں سے ایک سے خالی نہیں یا یہ اسم مبہم ہوگا تو اس کی اضافت محال ہے یا یہ الذین کے معنی میں ہوگا تو یہ بھی مضاف نہیں ہوتا کیونکہ اس کے بعد صلہ ہوتا ہے اور اس سے یہ معرفہ بن جاتا ہے۔ ابن ابی اسحاق، نصر، رویس نے یعقوب سے روایت کیا ہے: علی اِثری، ہمزہ کے کسرہ اور ثاء کے سکون کے ساتھ یہ بمعنی اثر ہے یہ دونوں لغتیں ہیں۔ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۞ یعنی میں نے اس جگہ کی طرف جلدی کی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا تا کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے۔ کہا جاتا ہے: رَجلٌ عَجِلٌ وعَجُلٌ وعَجُولٌ وعَجْلَانُ بیِّن العَجلة اور سستی کی ضد عجلة ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ ہم نے انہیں آزمائش میں ڈالا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر استدلال کریں۔ وَ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۞ سامری نے انہیں گمراہی کی طرف بلایا یا سامری ان کی گمراہی کا سبب تھا۔ بعض نے فرمایا: فتناھم کا مطلب ہے ہم نے انہیں فتنہ میں ڈالا یعنی ہم نے ان کے بچھڑے کی عبادت کو مزین کر دیا۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا: اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ (الاعراف: 155) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سامری اس قوم سے تھا جو گائے کی پوجا کرتے تھے پس وہ مصر میں آیا تو وہ بظاہر بنی اسرائیل کے دین میں داخل ہو گیا اور اس کے دل میں گائے کی عبادت کا عقیدہ موجود تھا۔ بعض علماء نے کہا: وہ قبطی تھا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پڑوسی تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا تھا اور آپ کے ساتھ نکلا تھا۔ بعض نے کہا: وہ بنی اسرائیل کے عظماء میں سے ایک عظیم شخص تھا اس قبیلہ سے تھا جو سامرہ کے نام سے مشہور تھا وہ شام میں معروف تھا۔ سعید بن جبیر نے کہا: وہ اہل کرمان سے تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَرَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا سورۃ الاعراف میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ جب وہ اس کی اطاعت پر قائم رہیں گے تو انہیں جنت ملے گی اور ان سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان پر تورات میں اپنا کلام سنائے گا تا کہ وہ اس پر عمل کریں جو کچھ تورات میں موجود ہے اور وہ اپنے عمل کے ثواب کے مستحق ہو جائیں۔ بعض علماء نے فرمایا: ان سے نصرت وکامیابی کا وعدہ فرمایا تھا۔ بعض نے کہا: یہ

1۔ مسند احمد، حدیث نمبر 12365
2۔ فردوس دیلمی، حدیث نمبر 8067

وعدہ تھا، وَ اِنِّیۡ لَغَفَّارٌ لِّمَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ، اَفَطَالَ عَلَیۡکُمُ الۡعَہۡدُ یعنی کیا تم اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو بھول گئے۔ کہا جاتا ہے: زمانہ کے لمبا ہو جانے کی وجہ سے چیز بھول جاتی ہے۔ اَمۡ اَرَدۡتُّمۡ اَنۡ یَّحِلَّ عَلَیۡکُمۡ غَضَبٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ، یحل کا معنی یجب اور ینزل (ثابت ہونا اور اترنا) ہے الغضب سے مراد عقوبت و نقمت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کیا تم چاہتے ہو کہ تم ایسا فعل کرو جو تم پر اللہ کے غضب کے نزول کا سبب ہو کیونکہ کوئی شخص اللہ کا غضب طلب نہیں کرتا بلکہ وہ ایسا فعل کرتا ہے جو غضب کا سبب ہوتا ہے۔

فَاَخۡلَفۡتُمۡ مَّوۡعِدِیۡ تم نے میرے عہد کو توڑا کیونکہ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اللہ کی اطاعت پر قائم رہیں گے حتیٰ کہ وہ طور سے ہو کر ان کے پاس واپس آجائیں۔ بعض علماء نے فرمایا: انہوں نے اپنے پیچھے رہنے کا ان سے وعدہ لیا تھا پس وہ ٹھہرے رہے۔ قَالُوۡا مَاۤ اَخۡلَفۡنَا مَوۡعِدَکَ بِمَلۡکِنَا، بملکنا میم کے فتحہ کے ساتھ ہے یہ نافع، عاصم اور عیسیٰ بن عمر کی قرأت ہے۔ مجاہد اور سدی نے کہا: اس کا معنی ہے بطاقتنا (اپنی طاقت سے) ابن زید نے کہا: اس کا مطلب ہے ہمیں اپنے نفسوں پر ضبط نہ تھا ہم مجبور تھے۔ ابن کثیر، ابو عمرو اور ابن عامر نے بملکنا میم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابو عبید اور ابو حاتم نے اس کو اختیار کیا ہے کیونکہ یہ لغت عالیہ ہے۔ یہ ملکت الشئ أملکه ملکاً کا مصدر ہے۔ اور مصدر فاعل کی طرف مضاف ہے اور مفعول محذوف ہے گویا فرمایا: بملکنا الصواب بل اخطأنا، یہ ان کی طرف سے خطا کا اعتراف ہے۔ حمزہ، کسائی نے بملکنا میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی بسلطاننا ہمارے پاس ملک نہ تھا پس ہم نے تیرے وعدہ کی خلاف ورزی کی پھر کہا گیا کہ قالوا عام ہے اور مراد خاص ہے یعنی ان لوگوں نے کہا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور سے لوٹنے تک اطاعت پر ثابت رہے تھے۔ اَخۡلَفۡنَا مَوۡعِدَکَ بِمَلۡکِنَا یہ بارہ ہزار تھے اور تمام بنی اسرائیل چھ لاکھ تھے۔ وَ لٰکِنَّا حُمِّلۡنَاۤ حاء کے ضمہ اور میم کے مکسورہ مشددہ کے ساتھ۔ نافع، ابن کثیر، حفص اور رویس نے اس طرح پڑھا ہے۔ باقی قراء نے دونوں حروف کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے اس کو اختیار کیا ہے کیونکہ انہوں نے خود قوم کے زیورات اُٹھائے تھے اور انہوں نے یہ مجبوراً نہیں اٹھائے تھے۔ اَوۡزَارًا یعنی بوجھ، مِّنۡ زِیۡنَۃِ الۡقَوۡمِ یعنی ان کے زیوروں سے وہ انہوں نے عاریۃً لیے تھے جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکلنے کا ارادہ کیا تھا اور قوم والوں کو یہ وہم دلایا کہ وہ اپنی عید یا ولیمہ کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ وہ زیورات تھے جو انہوں نے آل فرعون سے لیے تھے جب دریا نے انہیں ساحل پر پھینک دیا تھا ان کو اوزار اس لیے کہا کیونکہ وہ گناہ کا سبب تھے یعنی ان کے لیے ان کا اٹھانا جائز نہیں تھا اور نہ ان کے لیے غنائم حلال تھے اور لغت میں اوزار کا معنی بوجھ بھی ہے۔

فَقَذَفۡنٰہَا ہم پر ان زیورات کا اٹھانا بوجھ بن گیا تھا جو ہمارے ساتھ تھے تو ہم نے انہیں آگ میں ڈال دیا تاکہ وہ پگھل جائیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ہم نے سامری کی طرف انہیں پھینک دیا تاکہ آپ واپس آئیں اور اپنی رائے کا اظہار کریں۔ قتادہ نے کہا: سامری نے انہیں کہا تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کے پاس نہ پہنچے کہ وہ تم سے اس وجہ سے رک گئے ہیں کیونکہ تمہارے پاس زیورات ہیں، پس انہوں نے زیورات کو جمع کیا اور سامری کو دے دیئے اس نے انہیں آگ میں پھینک دیا اور پھر اس سے ان کے لیے ایک بچھڑا بنایا پھر اس پر جبریل کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے جو مٹی اٹھائی تھی

وہ اس پر ڈال دی جب اس نے وہ مٹی ڈالی تو وہ بچھڑے کا جسم بن گیا جو ڈکارتا تھا۔ الخوار گائے کی آواز کو کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب وہ زیور آگ میں ڈالے گئے تو سامری آیا اور حضرت ہارون علیہ السلام سے کہا: اے اللہ کے نبی! کیا میں ڈالوں جو میرے ہاتھ میں ہے۔ وہ گمان کررہا تھا کہ وہ زیورات میں سے ہے جو دوسرے لے کر آئے ہیں۔ پس اس نے اس میں مٹی ڈالی اور کہا: بچھڑا بن جا جس کے لیے ڈکارنے کی آواز ہو جیسا کہ فرمایا کہ یہ فتنہ اور آزمائش کے لیے تھا۔ پس وہ ایک مرتبہ ڈکارتا تھا پھر اس کی مثل نہیں ڈکارتا تھا (1)۔ بعض نے کہا: اس کی آواز ہوا کی وجہ سے تھی کیونکہ اس میں سوراخ بنائے گئے تھے جب اس کے اندر ہوا داخل ہوتی تو اس میں آواز پیدا ہوتی۔ حقیقۃً اس میں زندگی نہیں تھی؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ پہلے قول کی بنا پر وہ بچھڑا گوشت اور خون کا تھا؛ یہ حسن، قتادہ اور سدی کا قول ہے۔ حماد نے سماک سے انہوں نے سعید بن جبیر سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: حضرت ہارون سامری کے پاس سے گزرے وہ بچھڑا بنا رہا تھا حضرت ہارون نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ نفع دے گا نقصان نہیں دے گا۔ حضرت ہارون نے دُعا کی: یا اللہ! اسے وہ عطا کر جو یہ تجھ سے آپ کے بارے سوال کرے تو سامری نے یہ دعا کی: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ یہ گائے کی طرح آواز نکالے۔ وہ جب ڈکارتا تھا تو لوگ سجدہ میں گر جاتے تھے اور اس کا ڈکارنا حضرت ہارون کی دعا کے سبب تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اس طرح ڈکارتا تھا جس طرح زندہ بچھڑا ڈکارتا ہے۔ روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: یارب! اس سامری نے ان کے لیے ایک جسم والا بچھڑا نکالا ہے جس کے لیے ڈکارنا ہے اور وہ اس نے ان کے زیورات سے بنایا ہے یہ جسم اور ڈکارنا کس نے بنایا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: تیری عزت، تیرے جلال، تیرے ارتفاع، تیرے علو اور تیری سلطنت کی قسم! تیرے سوا کسی نے ان کے حق میں گمراہی کو مقدر نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے حکیم الحکماء! تو نے سچ کہا ہے۔ یہ تمام سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے۔

فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَ اِلٰهُ مُوْسٰى سامری اور اس کے ساتھیوں نے یہ کہا وہ تشبیہ کے عقیدہ کی طرف مائل تھے کیونکہ انہوں نے کہا: اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ (الاعراف: 138) ہمارے لیے ایسا الٰہ بنا جس طرح ان کے لیے الٰہ ہیں۔ فَنَسِیَ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام گم ہو گئے۔ وہ اپنے رب کو تلاش کرنے کے لیے گئے تو وہ اس کا مقام نہ جان سکے اور راستہ جو رب کی طرف جانے والا تھا اسے بھول گئے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے وہاں چھوڑا اور اسے تلاش کرنے کے لیے نکلے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے الٰہ کو یہاں چھوڑا۔ اسرائیل نے سماک سے انہوں نے عکرمہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: اس کا مطلب ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہارے لیے یہ ذکر کرنا بھول گئے کہ یہ خدا ہے۔ بعض نے کہا: خطاب سامری کے متعلق خبر ہے یعنی سامری نے اس ایمان کو چھوڑا جس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے حکم دیا تھا۔ پس وہ گمراہ ہو گیا؛ یہ ابن الاعرابی کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر حجت قائم کرتے ہوئے فرمایا: اَفَلَا يَرَوْنَ یعنی وہ اس میں غور و فکر نہیں کرتے کہ وہ ان کی طرف بات کو نہیں لوٹاتا یعنی ان سے

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذہ

کلام نہیں کرتا۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ دوبارہ آواز نہیں نکالتا۔ وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾ اور وہ ان کے نقصان اور نفع کا مالک نہیں پھر وہ کیسے خدا ہو سکتا ہے۔ اور وہ ذات جس کی حضرت موسیٰ علیہ السلام عبادت کرتے ہیں وہ نقصان بھی دیتا ہے اور نفع بھی دیتا ہے، بدلہ بھی دیتا ہے، عطا بھی کرتا ہے اور منع بھی کرتا ہے۔ اَلَّا يَرْجِعُ اس کی تقدیر یہ ہے کہ: انه لا یرجع اسی وجہ سے فعل مرفوع ہے ان کو مخففہ بنایا گیا اور ضمیر کو حذف کیا گیا۔ رویت، علم اور ظن میں یہی اختیار ہے۔ شاعر نے کہا:

فی فتیۃ من سیوف الهند قد علموا　　أنْ هالكٌ كلُّ من يَحْفَى وينْتَعِلُ

فلو كنتَ ضَبِّيًا عرفتَ قَرابتي　　ولكنَّ زنجيٌّ عظيمُ المشافِرِ

یعنی لکنتک تھا۔

وَ لَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَ اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَ اَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾

''اور بیشک کہا تھا انہیں ہارون نے (موسیٰ کی واپسی سے پہلے) اے میری قوم! تم فتنہ میں مبتلا ہو گئے اس سے اور بلاشبہ تمہارا رب تو وہ ہے جو بے حد مہربان ہے پس تم میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو۔ قوم نے کہا: ہم تو اسی عبادت پر جمے رہیں گے یہاں تک لوٹ آئیں ہماری طرف موسیٰ (موسیٰ علیہ السلام) موسیٰ نے (آ کر غصہ سے) کہا: اے ہارون! کس چیز نے تجھے روکا کہ جب تو نے انہیں گمراہ ہوتے دیکھا، تو (انہیں چھوڑ کر) میرے پیچھے نہ چلا آیا کیا تو نے بھی میرے حکم کی عدولی کی''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی سے پہلے حضرت ہارون نے انہیں کہا: يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ اس کے ذریعے تم آزمائش میں ڈالے گئے ہو اور تم اسی وجہ سے گمراہ ہو گئے ہو۔ بہ کی ضمیر کا مرجع بچھڑا ہے۔ وَ اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ بیشک تمہارا رب رحمٰن ہے، بچھڑا نہیں۔ فَاتَّبِعُوْنِيْ اس کی عبادت کرنے میں میری اتباع کرو۔ وَ اَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾ اور میرے حکم کی اطاعت کرو نہ کہ سامری کے حکم کی۔ یا یہ مطلب ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف چلنے میں میری اتباع کرو اور بچھڑے کو چھوڑ دو، لیکن انہوں نے نافرمانی کی۔ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ یعنی ہم بچھڑے کی عبادت پر جمے رہیں گے۔ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ہم دیکھیں گے کہ کیا وہ اس کی عبادت کرتے ہیں جس طرح ہم کرتے ہیں؟ ان کا خیال تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بچھڑے کی عبادت کریں گے۔ حضرت ہارون نے ان بارہ ہزار کو علیحدہ کر لیا جنہوں نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی تھی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے اور شور و غل سنا وہ لوگ اس بچھڑے کے اردگرد ناچتے تھے۔ آپ نے اپنے ستر ساتھیوں سے کہا: یہ فتنہ کی آواز ہے۔ جب حضرت ہارون کو دیکھا تو

دائیں ہاتھ سے غصہ کی حالت میں ان کے سر کے بال پکڑ لیے اور بائیں ہاتھ سے داڑھی کے بال پکڑ لیے (1) اور کہا: قَالَ یٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَیْتَهُمْ ضَلُّوْۤا کہا اے ہارون! تجھے کس چیز نے روکا جب تو نے انہیں دیکھا کہ گمراہ ہو گئے ہیں حق کے راستے سے بھٹک گئے ہیں اور کفر کیا ہے۔ اَلَّا تَتَّبِعَنِ کہ تم میرے پیچھے آجاتے۔ لا زائدہ ہے یعنی تم میرے امر اور میری وصیت کی پیروی کرتے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ان پر انکار کرنے سے اور میری اتباع سے تجھے کونسی بات مانع تھی۔ بعض علماء نے کہا: اس کا معنی ہے تم نے ان سے جنگ کیوں نہیں کی جبکہ تجھے معلوم تھا کہ اگر میں ان کے درمیان ہوتا تو میں ان کے کفر پر ان سے جنگ کرتا۔ بعض علماء نے کہا: جب یہ فتنہ میں مبتلا ہو گئے تو تجھے مجھ سے ملنے سے کیا چیز مانع تھی۔ اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ اس سے مراد یہ ہے کہ تیرے ان کے درمیان ٹھہرنا جبکہ یہ غیر اللہ کی عبادت کر رہے تھے تیری طرف سے میری نافرمانی ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ بعض علماء نے کہا: اس کا معنی ہے تو ان سے جدا کیوں نہیں ہوا تا کہ تیرا ان سے جدا ہونا ان کو زجر و توبیخ کے لیے ہوتا اور اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ کا معنی بعض علماء نے فرمایا: امری سے مراد جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سے حکایت تھا۔ وَقَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۴۲﴾ (الاعراف) جب حضرت ہارون علیہ السلام ان کے ساتھ ٹھہرے رہے اور انہیں روکنے میں مبالغہ نہ کیا اور ان پر انکار نہ کیا تو عصیان اور مخالفت امر کی نسبت ان کی طرف کر دی۔

مسئلہ: یہ امر بالمعروف اور نہی المنکر میں اصل ہے، اس کو تبدیل کرنا اور برائی کرنے والوں سے جدا ہو جانا ان کے درمیان ٹھہرنے والا الخصوصاً جبکہ وہ راضی ہو تو اس کا حکم ان کے حکم کی طرح ہوگا۔ یہ مفہوم سورۂ آل عمران، النساء، مائدہ، الانعام، الاعراف اور الانفال میں گزر چکا ہے۔ امام ابو بکر طرطوشی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: ہمارے سردار فقیہ مذہب صوفیاء میں کیا کہتے ہیں؟ ایک جماعت جمع ہوتی ہے وہ کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں پھر وہ ڈھول بجاتے ہیں، بعض رقص کرنے لگتے ہیں اور وجد میں آجاتے ہیں حتی کہ بے ہوش ہو جاتے ہیں پھر مل کر کھانا کھاتے ہیں کیا ان کے ساتھ حاضر ہونا جائز ہے یا نہیں؟ فتویٰ عنایت فرما کر اجر حاصل کریں۔ اللہ تم پر رحم فرمائے۔ یہ اشعار ہیں جو صوفیاء پڑھتے ہیں:

یا شیخُ کُفَّ عن الذُّنوبْ قبلَ التَّفرُّقِ والزَّلَلْ
واعمَلْ لنفسكَ صالحاً مادام ينفعك العَمَلْ
أمّا الشبابُ فقد مَضَى ومَشيبُ رأسِكَ قد نَزَلْ

جواب یہ ہے کہ صوفیاء کا مذہب باطل، جہالت اور گمراہی ہے۔ اسلام تو صرف کتاب اللہ اور رسول اللہ کی سنت کا نام ہے۔ رہا رقص اور وجد تو یہ سب سے پہلے سامری کے ساتھیوں نے کیا تھا جب اس نے ان کے لیے بچھڑے کا ڈھانچہ بنایا تھا اور اس میں سے آواز نکلتی تھی وہ اس کے اردگرد رقص کرتے تھے اور وجد کرتے تھے۔ یہ کفار کا دین ہے اور بچھڑے کی پوجا کرنے والوں کا دین ہے اور رہا ڈھول بجانا تو یہ زنادقہ نے سب سے پہلے ایجاد کیا تھا تا کہ اس کے ذریعے مسلمانوں کو کتاب

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذہ

اللہ سے دور کریں۔ نبی کریم ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھتے تھے تو وقار و تعظیم کی یہ کیفیت ہوتی تھی گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں (1) پس سلطان اور اس کے قائم مقام لوگوں کو چاہیے کہ ایسے لوگوں کو مساجد میں حاضر ہونے سے روکیں جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے ان کے ساتھ حاضر ہونا جائز نہیں اور وہ باطل پر ان کی معاونت نہ کرے؛ یہ امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل وغیرہم ائمۃ المسلمین کا مذہب ہے۔

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي ۚ إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَآءِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي ۝ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَسَامِرِيُّ ۝ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَٰلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي ۝ قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَوٰةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ ۖ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهُ ۖ وَانْظُرْ إِلَىٰ إِلَٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۖ لَّنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝ إِنَّمَا إِلَٰهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝

''ہارون نے کہا: اے میرے ماں جائے (بھائی) نہ پکڑو میری داڑھی کو اور نہ میرے سر (کے بالوں) کو۔ میں نے اس خوف سے (ان پر سختی نہ کی) کہ کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ تو نے پھوٹ ڈال دی بنی اسرائیل کے درمیان اور میرے حکم کا انتظار نہ کیا۔ آپ نے پوچھا: اے سامری! (اس فتنہ انگیزی) سے تیری غرض کیا تھی؛ اس نے کہا: میں نے دیکھی ایسی چیز جو لوگوں نے نہ دیکھی پس میں نے مٹھی بھر لی رسول کی سواری کے نشان قدم کی خاک سے پھر اسے ڈال دیا (اس ڈھانچہ میں) اور اس طرح آراستہ کر دی میری لیے میرے نفس نے یہ بات۔ آپ نے (غصہ سے) فرمایا: جا چلا جا پس تیرے لیے اس زندگی میں تو یہ (سزا) ہے کہ تو کہتا پھرے گا کہ مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے اور بیشک تیرے لیے ایک اور وعدہ (عذاب) بھی ہے جس کی خلاف ورزی نہیں ہوگی اور (ذرا) دیکھ اپنے اس خدا کی طرف جس پر تو جم کر بیٹھا رہا (اس کا کیا حشر ہوتا ہے) ہم اسے جلا ڈالیں گے پھر ہم بکھیر کر بہا دیں گے اس سمندر میں اس (کی راکھ) کو۔ تمہارا معبود تو صرف اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں گھیر رکھا ہے اس نے ہر چیز کو (اپنے) علم سے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: دائیں ہاتھ سے سر کے بال پکڑے اور بائیں ہاتھ سے داڑھی کو پکڑا کیونکہ اللہ کی رضا کے لیے غیرت ان پر غالب آ چکی تھی یعنی ایسا نہ کرو کہ لوگ خیال کریں گے کہ یہ آپ کی طرف سے استخفاف اور سزا ہے۔ بعض علماء نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بغیر استخفاف اور عقوبت کے کیا تھا جیسا کہ انسان اپنی داڑھی کو پکڑ لیتا ہے۔ یہ واقعہ سورۂ اعراف میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی

1۔ ابوداؤد، کتاب الطب، باب فی الرجل یتداوی، حدیث نمبر 3357، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مراد کو بہتر جانتا ہے۔

اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ یعنی مجھے اندیشہ ہے کہ میں نکلوں گا اور انہیں چھوڑ جاؤں گا حالانکہ آپ نے مجھے حکم دیا تھا میں ان کے ساتھ نکلوں اگر میں خود نکلتا تو قوم میری اتباع نہ کرتی اور قوم بچھڑے کے ساتھ پیچھے رہتی۔ بعض اوقات معاملہ خونریزی تک جا پہنچتا اور مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں انہیں جھڑکوں گا تو جنگ واقع ہوگی اور پھر آپ مجھے ملامت کریں گے۔ یہ حضرت ہارون کا جواب ہے حضرت موسیٰ علیہما السلام کو جب انہوں نے کہا تھا: اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ سورۃ الاعراف میں ہے: اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَ كَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ﳲ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ (الاعراف: 150)

کیونکہ آپ نے حکم دیا تھا کہ میں ان کے ساتھ رہوں۔ اس مفہوم پر پہلے گفتگو ہو چکی ہے۔ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ اس کا معنی ہے تو نے ان کی حفاظت کے بارے میں میری وصیت پر عمل نہیں کیا کیونکہ آپ نے مجھے ان کے ساتھ رہنے کا حکم دیا تھا یہ مقاتل کا قول ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: میرے عہد اور میرے آنے کا انتظار نہیں کیا پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو چھوڑ دیا پھر سامری کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا: فَمَا خَطْبُكَ یٰسَامِرِیُّ اے سامری! تیری غرض کیا تھی کس چیز نے تجھے اس پر ابھارا ہے؟ قتادہ نے کہا: سامری بنی اسرائیل میں ایک عظیم شخص تھا اس کا تعلق اس قبیلہ سے تھا جسے سامرہ کہا جاتا ہے، لیکن اس اللہ کے دشمن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سمندر پار کرنے کے بعد منافقت کی۔ جب بنی اسرائیل عمالقہ کے پاس سے گزرے جبکہ وہ اپنے بتوں پر بیٹھے تھے تو بنی اسرائیل نے کہا: اے حضرت موسیٰ! ہمارے لیے ایک خدا بنا دو جیسا کہ ان کے خدا ہیں پس سامری نے موقع کو غنیمت جانا اور اس نے جان لیا کہ وہ بچھڑے کی عبادت کی طرف مائل ہیں تو اس نے بچھڑا بنا دیا۔ پس سامری نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیتے ہوئے کہا: بَصُرْتُ بِمَا لَمْ یَبْصُرُوْا بِهٖ میں نے ایسی چیز دیکھی جو انہوں نے نہیں دیکھی تھی یعنی میں نے وہ چیز دیکھی جو انہوں نے نہیں دیکھی میں نے جبریل کو حیاۃ کے گھوڑے پر دیکھا پس میرے دل میں خیال آیا کہ میں اس کے نشان قدم سے ایک مٹھی بھر لوں پس میں نے اس کو کسی چیز پر نہیں ڈالا مگر اس کے لیے روح، گوشت اور خون بن گیا جب انہوں نے آپ سے سوال کیا کہ آپ ان کے لیے خدا بنا دیں تو میرے نفس نے میرے لیے یہ آراستہ کر دیا۔ حضرت علی بنی‌تھ نے فرمایا: جب جبریل اترے تا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف لے جائیں تو سامری نے لوگوں کے درمیان سے اسے دیکھا اور گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے مٹھی بھر لی۔ بعض نے کہا: سامری نے کہا: میں نے جبریل کو گھوڑے پر دیکھا وہ حد نظر پر قدم رکھتا تھا پس میرے دل میں خیال آیا کہ میں اس کے نشان سے مٹھی بھر لوں۔ پس میں نے کسی چیز پر اسے نہیں ڈالا مگر اس کے لیے روح اور خون بن گیا۔ بعض نے کہا: اس نے جبریل کو نر گھوڑے پر نزول کے دن دیکھا۔ فرعون کا گھوڑا دریا میں داخل ہونے کے لیے آگے بڑھا۔ کہا جاتا ہے: سامری کی ماں نے سامری کی پیدائش کے دن اسے ایک غار میں رکھا اس خوف سے کہ کہیں فرعون اسے قتل نہ کر دے۔ پس حضرت جبریل امین اس کے پاس آئے اور سامری کی ہتھیلی کو سامری کے منہ میں رکھ دیا پس وہ شہد اور دودھ اس سے پیتا رہا۔ حضرت جبریل اس کے پاس آتے جاتے تھے تو سامری نے اسے اس وقت سے پہچان لیا تھا۔ یہ معنی سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ سامری نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام سنا جہاں انہوں نے موم یم ڈھانچے بنائے تھے ایک ڈھانچہ بیل کا تھا اور دوسرا گھوڑے کا تھا۔ پھر دونوں کو دریائے نیل میں ڈال دیا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کو تلاش کرنے کے لیے ایسا کیا تھا وہ پتھر کے تابوت میں دریائے نیل میں تھے تو بیل اس تابوت کو اپنے سینگ پر اٹھا لایا۔ پس سامری نے وہ کلام پڑھی جو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سنی تھی پس سامری نے وہ مٹھی بھر مٹی بچھڑے کے پیٹ میں ڈالی تو وہ ڈکارنے لگا۔ حمزہ، کسائی، اعمش اور خلف نے بمالم تبصروا پڑھا ہے اور باقی قراء نے یاء کے ساتھ خبر کی بناء پر پڑھا ہے۔ حضرت ابی بن کعب، حضرت ابن مسعود، الحسن اور قتادہ نے فقبصت قبصۃ صاد کے ساتھ پڑھا ہے۔ حسن سے قاف کے ضمہ کے ساتھ قبصۃ سے پڑھا ہے، یعنی صاد بغیر نقطہ کے۔ باقی قراء نے قبضت قبضۃ ضاد کے ساتھ پڑھا ہے۔ ان کے درمیان فرق یہ ہے کہ القبض پوری ہتھیلی کو کہتے ہیں اور القبص انگلیوں کے اطراف کو کہتے ہیں ان کی طرح الخضم والقضم ہے القبضۃ قاف کے ضمہ کے ساتھ مقبوض مقدار کو کہتے ہیں؛ مہدوی نے اس کو ذکر کیا ہے۔ جوہری نے قبصۃ قاف کے ضمہ اور صاد کے ساتھ ذکر نہیں۔ انہوں نے القبضۃ قاف کے ضمہ اور ضاد کے ساتھ کیا ہے جو تو مٹھی میں پکڑتا ہے۔ کہا جاتا ہے: أعطاہ قبضۃ من سویق أو تمر یعنی میں نے اسے مٹھی بھر ستو یا کھجور دی۔ کبھی قاف کے فتحہ کے ساتھ بھی آتا ہے اور فرمایا: القبص قاف کے کسرہ اور صاد کے ساتھ اس کا معنی ہے لوگوں کی کثیر تعداد۔ کمیت نے کہا:

لکم مسجدا اللہ المزوران والحصیٰ لکم قِبْصُهُ من بین أثْرَیٰ وأقْتَرَیٰ

فَنَبَذْتُهَا یعنی میں نے اسے بچھڑے میں ڈالا۔ وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ میرے لیے میرے نفس نے اسی طرح آراستہ کر دیا؛ یہ اخفش کا قول ہے۔ ابن زید نے کہا: حدثنی نفسی میرے نفس نے بیان کیا۔ دونوں قریب المعنی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ فَاذْهَبْ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ہمارے درمیان سے چلا جا۔ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ زندگی بھر تو یہی کہتا رہے گا کہ مجھے کوئی نہ چھوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اپنی قوم سے نکال دیا۔ اور بنی اسرائل کو حکم دیا کہ اس کے ساتھ نہ ملیں اور نہ اس کے قریب جائیں اور نہ اس سے کلام کریں۔ یہ اس کے لیے بطور سزا تھا۔ شاعر نے کہا:

تَمِيمٌ كرهط السامری وقوله ألا لا يريدُ السامری مِساسًا

حسن نے کہا: اللہ تعالیٰ نے سامری کی سزا یہ بنائی کہ لوگوں کو وہ نہ چھوئے اور نہ لوگ اسے چھوئیں، یہ اس کے لیے اور جو اس میں سے قیامت تک ہوگا سب کے لیے سزا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس پر محنت سخت کر دی کہ اسے ایسا بنا دیا کہ وہ کسی کو نہ چھوئے اور کسی کے لیے اس کو چھونا ممکن نہ تھا۔ یہ اس کے لیے دنیا میں سزا تھی۔ کہا جاتا ہے: وہ وسواس میں مبتلا کیا گیا۔ وسواس کی اصل اس وقت سے ہے۔ قتادہ نے کہا: ان کے بقیہ لوگ آج بھی ہیں جو کہتے ہیں: لا مساس اگر کوئی دوسرا ان میں سے کسی کو چھولے تو دونوں اسی وقت بخار میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسے قتل نہ کر دیہ سخی ہے۔ کہا جاتا ہے: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے کہا: فَاذْهَبْ فَاِنَّ

لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ تو وہ بھاگ گیا پس وہ جنگلوں میں درندوں کے ساتھ گھومتا رہتا تھا وہ لوگوں میں سے کوئی ایسا نہیں پاتا تھا جو اسے چھوتا حتی کہ وہ اس کہنے والے کی طرح ہو گیا جو ہر وقت کہتا: لَا مِسَاسَ کیونکہ وہ لوگوں سے دور تھا اور لوگ اس سے دور تھے، جیسا کہ شاعر نے کہا:

حَمَّالُ رایاتٍ بها قنعاسا　　حتی تقولَ الأزدُ لامسابسا

یہ اہل بدعت، نافرمانوں کو نکالنے اور دور کرنے کی اصل ہے اور ان سے اختلاط نہ کرنے کی اصل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن مالک اور پیچھے رہ جانے والے صحابہ کے متعلق ایسا کیا تھا۔ جو شخص حرم میں پناہ لے اور اس پر قتل ہو تو بعض فقہاء کے نزدیک اسے قتل نہیں کیا جائے لیکن اس کے ساتھ معاملہ نہیں کیا جائے نہ بیع کی جائے گی۔ یہ اس کو حرم سے نکلنے پر مجبور کرنا ہے۔ اس قبیل سے زنا کی حد میں جلاوطن کرنا ہے۔ یہ تمام مسائل اپنے اپنے مقام پر گزر چکے ہیں، اعادہ کی ضرورت نہیں۔ الحمدللہ وحدہ۔

ہارون القاری نے کہا: عرب کی لغت میں لَا مِسَاسَ سین کے کسرہ اور میم کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ نحویوں نے اس میں کلام کی ہے۔ سیبویہ نے کہا: یہ مبنی بر کسرہ ہے جیسے کہا جاتا ہے: اضرب الرجل۔ ابو اسحاق نے کہا: لَا مِسَاسَ نفی ہے سین کو کسرہ دیا گیا ہے کیونکہ کسرہ تانیث کی علامت ہے تو کہتا ہے: فعلتِ یا امرأۃ۔ نحاس نے کہا: میں نے علی بن سلیمان کو کہتے ہوئے سنا انہوں نے کہا میں نے محمد بن یزید کو یہ کہتے ہوئے سنا: جب کسی اسم میں تین علتیں ہوں تو اس کا مبنی ہونا واجب ہے جس میں دو علتیں ہو تو اس کا غیر منصرف ہونا واجب ہے کیونکہ حرف کے ترک کے بعد مبنی ہونا ہی باقی رہتا ہے۔ پس مساس اور دراك میں تین جہات سے علت ہے۔ ایک یہ کہ یہ معدول ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ مونث ہے۔ تیسرا یہ کہ یہ معرفہ ہے۔ جب اس میں بنا واجب ہے اور سین سے پہلے الف ساکن ہے تو التقاء ساکنین کی وجہ سے سین کو کسرہ دیا گیا جیسے تو کہتا ہے: اضرب الرجل۔ میں نے ابو اسحاق کو دیکھا کہ وہ اس قول کی طرف جانا خطا ہے۔ اور ابو اسحاق نے ابو عباس کو الزام دیا ہے کہ جب کسی عورت کا نام فرعون رکھا جائے اسے بھی مبنی ہونا چاہیے جبکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ جوہری نے الصحاح میں کہا: رہا عربوں کا قول: لَا مِسَاسَ یہ فطام کی مثل ہے یہ مبنی بر کسرہ ہے کیونکہ یہ مصدر سے معدول ہے اور وہ المس ہے۔ ابو حیوہ نے لامساس پڑھا ہے۔ وَ اِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ یعنی قیامت کے دن۔ الموعد مصدر ہے یعنی تیرے لیے عذاب کا وعدہ ہے۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے تخلفہ لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کے دو معانی ہیں (۱) تو اس کے پاس آئے گا اور تو اسے وعدہ خلافی کرنے والا نہ پائے گا، جیسے تو کہتا ہے: احمدتہ میں نے اسے محمود پایا۔ (۲) دوسرا معنی تہدید کی بنا پر ہے یعنی تیرے لیے ضروری ہے کہ تو اس کی طرف جائے۔ باقی قراء نے لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے کیے ہوئے وعدہ میں وعدہ خلافی نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ یعنی تو اس پر قائم ہے۔ عاکفا، ملازما۔ اس کی اصل ظللت ہے۔ شاعر نے کہا:

خَلَا أنَّ العِتاقَ من المطایا　　أَحَسْنَ به فهنّ إليه شوسُ

یعنی أحسَسْنَ اسی طرح اعمش نے اصل پر دو لاموں کے ساتھ پڑھا ہے اور حضرت ابن مسعود کی قرأت میں ظلت ظاء کے کسرہ کے ساتھ ہے کہا جاتا ہے: ظلت أفعل کذا إذا فعلته نهارا و ظَلت وظِلت جب کوئی دن کے وقت کام کرے اور جنہوں نے ظَلت کہا پہلا لام تخفیفاً حذف کر دیا ہے اور جنہوں نے ظِلت کہا اس نے لام کی حرکت ظا کو دے دی۔ لَنُحَرِّقَنَّهٗ نون کے فتحہ اور راء کے ضمہ اور تخفیف کے ساتھ۔ یہ حرقت الشئ أحرقه حرقا کسی چیز کو ایک دوسرے سے بالکل مل دینا، پیش دینا؛ اسی سے عربوں کا قول ہے: حَرَقَ نابه یحرِقه یعنی اس نے اسے پیس ڈالا حتی کہ اس کی آواز سنی گئی۔ اس قرأت کا معنی ہے ہم انہیں آئرن کیا اور کوٹ دیا۔ المبرد کوٹنے کا آلہ۔ اور پہلی دو قرأتوں کا معنی ہے آگ کے ساتھ اس طرح خون بہا جس طرح عام بچھڑے کو ذبح کرنے سے خون بہتا ہے۔ پھر ہتھوڑے کے ساتھ اس کی ہڈیوں کو توڑا اور پھر جلا دیا۔ حضرت ابن مسعود کی قرأت میں لنذبحنه ثم لنحرقنه ہے گوشت اور خون جب جل جاتے ہیں تو راکھ بن جاتے ہیں پھر اسے دریا میں بکھیرنا ممکن ہوتا ہے۔ رہا سونا تو وہ راکھ نہیں بنتا۔ بعض علماء نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے جس کے ساتھ سونا راکھ بن جاتا ہے۔ یہ ان کی آیات میں سے تھا۔ لَنَنْسِفَنَّهٗ کا معنی ہے ہم اسے اڑا دیں گے۔ ابو رجاء نے لننسفنه سین ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ النسف کا معنی ہے کسی چیز کو جھاڑنا تاکہ ہوا اس کو اڑا لے جائے۔ اس کو التذرية کہتے ہیں۔ المنسف جس کے ساتھ دانے صاف کیے جاتے ہیں، وہ چیز جس کا آگے والا حصہ اُٹھا ہوا ہو۔ النسافة جو اس سے نیچے گرے۔ کہا جاتا ہے: اعزل النُسافة وکل من الخالص چھان کو دور کر اور خالص کو کھا۔ کہا جاتا ہے: اتانا فلان کان لحيته منسفٌ ہمارے پاس فلاں آیا گویا اس کی داڑھی چھاننی ہے۔ ابو نصر نے یہ حکایت کیا ہے: المنسفة اس آلہ کو کہتے ہیں جس کے ساتھ کوئی عمارت اکھیڑی جاتی ہے۔ نسفت البناء نسفاً میں نے عمارت کو اکھیڑ دیا، نسف البعير الكلاء ينسفه سین کے کسرہ کے ساتھ۔ جب اونٹ گھاس کو جڑ سے اکھیڑ دے۔ انتسفت الشئ کا معنی ہے میں نے چیز کو اکھیڑ دیا ہے یہ ابو زید سے مروی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا یعنی بچھڑا معبود نہیں ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو وسیع ہے وہ ہر فعل اپنے علم سے کرتا ہے۔ علمًا پر نصب تفسیر کی بناء پر ہے۔ مجاہد اور قتادہ نے وسّع كل شئ علماء پڑھا ہے۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۝ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَاۗءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۝ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ۝ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۝

”یوں ہم بیان کرتے ہیں آپ سے خبریں ان لوگوں کی جو پہلے گزر چکے اور ہم نے مرحمت فرمایا ہے آپ کو اپنی

جناب سے ایک پند نامہ۔ جو شخص روگردانی کرے گا اس سے وہ اٹھائے گا قیامت کے دن ایک بوجھ، یہ لوگ ہمیشہ اس بوجھ تلے دبے رہیں گے اور بہت تکلیف دہ ہوگا ان کے لیے روز قیامت یہ بوجھ۔ جس روز پھونکا جائے گا صور میں اور ہم جمع کریں گے مجرموں کو اس دن اس حال میں کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی، چپکے چپکے آپس میں کہیں گے کہ نہیں رہے تم دنیا میں مگر صرف دس دن۔ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہیں گے جبکہ ان میں سب سے زیادہ زیرک کہے گا کہ نہیں ٹھہرے ہو تم مگر صرف ایک دن"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَذٰلِكَ کاف محل نصب میں ہے یہ مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی کما قصصنا علیك خبر موسیٰ جس طرح ہم نے آپ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خبر بیان کی اسی طرح ہم سابقہ واقعات کو بیان کریں گے تاکہ آپ کے لیے باعث تسلی ہوں اور آپ کی صداقت پر دلیل ہوں۔ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾ ذکر سے مراد قرآن ہے۔ قرآن کو ذکر اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں نصیحت ہے اور الرسول کو بھی ذکر کہا جاتا ہے کیونکہ ذکر (نصیحت) اس پر اتاری جاتی ہے۔ بعض علماء نے کہا: اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا یعنی ذکر سے مراد شرف ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ (الزخرف: 44) یعنی تیرے اسم کے ساتھ شرف اور عزت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ یعنی جس نے قرآن سے اعراض کیا اور قرآن پر ایمان نہ لایا اور جو احکام اس میں ہیں ان پر عمل نہ کیا۔ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ وزراً سے مراد بڑا گناہ اور بڑا بوجھ ہے۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ، وہ اس بوجھ تلے ہمیشہ رہیں گے یعنی اس جزا میں اور اس کی جزا جہنم ہے۔ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ برا ہے وہ بوجھ جو وہ قیامت کے روز اٹھائیں گے۔ داؤد بن رفیع نے فانہ یُحمل پڑھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ یہ اکثر کی قرأت ہے۔ ینفخ یاء کے ضمہ کے ساتھ فعل مجہول کی بناء پر۔ ابو عمر، ابن ابی اسحاق نے معروف کا صیغہ نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عمرو نے ونحشر سے استدلال کیا ہے۔ ابن ہرمز سے ینفخ یاء کے فتحہ کے ساتھ مروی ہے، یعنی اسرافیل پھونکے گا۔ سورۂ انعام میں اس پر بحث گزر چکی ہے۔ اور کتاب التذکرہ میں بھی اس کی بحث ہے۔ طلحہ بن مصرف نے ویحشر یاء کے ضمہ کے ساتھ اور المجرمون کو حالت رفعی میں پڑھا ہے۔ یہ مصحف کے خلاف ہے۔ اور باقی قراء نے ونحشر المجرمین پڑھا ہے۔ المجرمین سے مراد مشرک ہیں۔ زُرْقًا، یہ المجرمین سے حال ہے۔ الزرق سیاہی کا متضاد ہے۔ عرب نیلی آنکھوں کو ناپسند کرتے ہیں اور اس کی مذمت کرتے ہیں۔ ان کی آنکھوں کے نیلا ہونے اور چہروں کے سیاہ ہونے کی وجہ سے ان کی خلقت ناپسندیدہ ہوگی۔ کلبی اور فراء نے زرقا کا معنی اندھا بیان کیا ہے۔ ازہری نے کہا: پیاسے ان کی شدت پیاس کی وجہ سے آنکھیں نیلی ہوں گی؛ یہ زجاج کا قول ہے، انہوں نے کہا: پیاس کی وجہ سے آنکھیں نیلی ہو جاتی ہیں اور سیاہی بدل جاتی ہے۔ بعض نے کہا: یہ جھوٹی امید ہے جب اس کے پیچھے خسارہ ہوگا۔ کہا جاتا ہے: طویل انتظار کی وجہ سے میری آنکھیں سفید ہو گئیں۔ پانچواں قول یہ ہے کہ شدت خوف سے ان کی آنکھیں کھلی کھلی ہوں گی۔ شاعر نے کہا:

لقد زَرِقت عیناك یابنَ مُكَعْبَرٍ　　كما كُلُّ ضَبِّيٍّ من اللؤم أَزْرَقُ

کہا جاتا ہے: رجل ازرق العین، المرأة زرقاء بینة الزرق، اسم الزرقة زرقت عینة۔ راء کے کسرہ کے ساتھ ازرقت عینہ ازرقاقاً وازراقت عینة ازریقاقاً سعید بن جبیر نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وَ نَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا کے متعلق پوچھا گیا اور دوسری جگہ فرمایا: وَ نَحْشُرُهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْیًا وَّ بُكْمًا وَّ صُمًّا (الاسراء: 97) فرمایا: قیامت کے دن کے لیے مختلف حالات ہوں گے ایک حالت میں ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور ایک حالت میں اندھے ہوں گے۔

یَّتَخَافَتُوْنَ بَیْنَهُمْ، الخفت کی اصل لغت میں سکون ہے پھر اس کے لیے بھی بولا جاتا ہے جو اپنی آواز کو پست کرتا ہے اور خفیہ بات کرتا ہے۔ آیت کا مطلب ہے وہ سرگوشی کرتے ہیں؛ یہ مجاہد کا قول ہے یعنی وہ حشر کے میدان میں ایک دوسرے سے رازداری سے چپکے چپکے بات کریں گے۔ اِنْ لَّبِثْتُمْ یعنی دنیا میں نہیں ٹھہرے۔ بعض نے کہا قبور میں نہیں ٹھہرے۔ اِلَّا عَشْرًا مراد دس راتیں ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد دو نفخوں کے درمیان کا عرصہ ہے اور وہ چالیس سال ہے اس مدت میں کفار سے عذاب بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اٹھالیا جائے گا تو وہ اس مدت کو کم خیال کریں گے یا قیامت کے دن کی ہولناکیوں کی شدت کی وجہ سے دنیا میں رہنے کی مدت کو کم خیال کریں گے اور ان میں سے جو زیادہ دانشمند اور سیانا ہوگا اور علم والا ہوگا اسے یوں محسوس ہوگا کہ وہ نہیں ٹھہرے مگر ایک دن یعنی دنیا میں ان کا قیام ایک دن تھا؛ یہ قتادہ سے مروی ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی: الا مثل یوم بعض علماء نے فرمایا: وہ قیامت کی ہولناکیوں کو دیکھ کر وہ دنیا کی نعمتوں کو بھول جائیں گے حتی کہ وہ انہیں ایک دن کی طرح دیکھیں گے۔ بعض علماء نے فرمایا: ایک دن سے مراد نفخوں کے درمیان ٹھہرنا ہے۔ یا قبور میں ٹھہرنا مراد ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔ عشراً اور یوماً، لبثم کی وجہ سے منصوب ہیں۔

وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَیَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِیْهَا عِوَجًا وَّ لَاۤ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ یَوْمَىِٕذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَ خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾ یَوْمَىِٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِیَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾

''اور وہ آپ سے پہاڑوں کے انجام کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرمایئے: میرا رب انہیں جڑوں سے اکھیڑ کر پھینک دے گا، پس بنا چھوڑے گا اس پہاڑی علاقہ کو کھلا ہموار میدان، نہ نظر آئے گا تجھے اس میں کوئی موڑ اور نہ کوئی ٹیلا۔ اس روز سب لوگ پیروی کریں گے پکارنے والے کی کوئی روگردانی نہیں کر سکے گا اس سے اور خاموش ہو جائیں گی سب آوازیں رحمٰن کے خوف سے پس تو نہ سنے گا (اس روز) مگر مدہم سی آہٹ۔ اس دن نہیں نفع دے گی کوئی سفارش سوائے اس شخص کی شفاعت کے جسے رحمٰن نے اجازت دی اور پسند فرمایا ہو اس

کے قول کو۔ وہ جانتا ہے لوگوں کے آنے والے حالات کو اور ان کے گزرے ہوئے واقعات کو اور لوگ نہیں احاطہ کر سکتے اس کا اپنے علم سے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ یعنی لوگ قیامت کے دن پہاڑوں کی حالت کے متعلق پوچھتے ہیں فَقُلْ یہاں فا کے ساتھ آیا ہے ہر سوال جو قرآن میں آیا ہے اس کے جواب میں قل بغیر فاء کے آیا ہے سوائے اس ایک مقام کے، کیونکہ اس کا معنی ہے اگر وہ آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کریں تو آپ کہیں۔ تو کلام کے ضمن میں شرط کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ لوگ پہاڑوں کے متعلق سوال کریں گے پس سوال سے پہلے انہیں جواب دیا۔ یہ سوالات جو پہلے گزر چکے ہیں لوگوں نے ان کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تو سوال کے بعد جواب دیا اسی وجہ سے جواب بغیر فاء کے آیا اور یہ سوال ابھی تک انہوں نے پوچھا نہیں تھا۔ يَنْسِفُهَا وہ اسے اڑاتا ہے۔ نَسْفًا ابن اعرابی وغیرہ نے کہا: اس کا مطلب ہے وہ اسے جڑ سے اکھیڑے گا پھر اسے ریت کی طرح پیس ڈالے گا۔ اور پھر اسے دھنی ہوئی روئی کے گالوں کی طرح کر دے گا جنہیں ہوائیں ادھر ادھر اڑائیں گی۔ اور فرمایا: العھن رنگی ہوئی اون کو کہتے ہیں۔ پھر بکھرے ہوئے ذرات کی طرح ہو جائیں گے۔ فَيَذَرُهَا یعنی انہیں چٹیل میدان بنا دے گا۔ قَاعًا صَفْصَفًا، القاع اس زمین کو کہتے ہیں جو چٹیل ہو پس کوئی چیز نہ اگتی ہو؛ یہ ابن اعرابی کا قول ہے۔ جوہری نے کہا: ہموار زمین کو القاع کہتے ہیں۔ اس کی جمع اقوع واقواع وقیعان آتی ہے واو بعد کسرہ کے یاء ہوگی۔ فراء نے کہا: القاع سے مراد وہ زمین ہے جس میں پانی جمع ہوتا ہو اور الصفصف سے مراد وہ زمین ہے جس پر کوئی گھاس وغیرہ نہ ہو۔ کلبی نے کہا: وہ زمین جس پر کوئی گھاس نہ ہو۔ بعض نے کہا: ہموار زمین گویا برابری میں ایک صف کی طرح ہیں؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ القاع اور الصفصف کا ایک معنی ہے۔ القاع کھلی زمین الصفصف ہموار چٹیل زمین۔ سیبویہ نے یہ شعر بطور استشہاد پڑھا ہے:

وَكَمْ دُوْنَ بَيْنِكَ مِنْ صَفْصَفٍ وَدَكْدَاكِ رَمْلٍ وَاَعْقَادِهَا

قَاعًا کو نصب حال کی بنا پر ہے۔ لَا تَرٰى محل نعت میں ہے۔ فِيهَا عِوَجًا ابن الاعرابی نے کہا: العوج راستے میں ٹیڑھا پن ہونا۔ الامت سے مراد ٹیلا ہے۔ ابو عمرو نے کہا: الامت سے مراد چھوٹے چھوٹے ٹیلے ہیں۔ ہموار زمین جس میں نشیب و فراز نہ ہو۔ تو کہتا ہے: امتلاء فما به امت وملأت القربة ملئا لا امت فيه یعنی اس میں ڈھیلا پن نہیں۔ لغت میں الامت سے مراد بلند جگہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عِوَجًا کا معنی میلاً ہے۔ فرمایا: الامت تسمہ کی مثل اثر، ان سے یہ بھی مروی ہے کہ عوجاً سے مراد وادی ہے اور امتاً سے مراد ٹیلا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ العوج سے مراد پستی ہے اور الامت سے مراد بلند جگہ ہے۔ قتادہ نے کہا: عوجاً سے مراد پھٹن ہے اور امتا سے مراد ٹیلا ہے۔ یمان نے کہا: الامت سے مراد زمین میں دراڑیں ہیں۔ بعض نے کہا: الامت ہموار زمین میں سے یا پہاڑ میں سے نئی جگہ کا سخت ہونا اور کسی جگہ کا نرم ہونا؛ یہ صولی نے حکایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس آیت کے ساتھ مکوڑیوں کا دم کیا جاتا ہے جس کو ہمارے ہاں البواریق کہتے ہیں۔ اس کا واحد بروقة

ہے یہ جسم پر ظاہر ہوتی ہیں خصوصاً ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہیں جو کی تین لکڑیاں لے لو ہر لکڑی کی طرف میں گرہ ہو ہر گرہ کو ان مکوڑیوں کے اوپر سے گزارو اور ایک مرتبہ یہ آیت پڑھو پھر ان لکڑیوں کو کسی تر جگہ میں دفن کر دو وہ لکڑیاں جیسے ختم ہوں گی وہ مکوڑیاں بھی ختم ہوتی جائیں گی اور کوئی اثر بھی باقی نہ رہے گا۔ میں نے یہ اپنے اوپر بھی تجربہ کیا ہے اور دوسروں پر بھی میں نے اس کو نفع مند پایا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یَوْمَئِذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ، داعی سے مراد اسرافیل علیہ السلام ہیں جب وہ صور میں پھونکیں گے۔ لَا عِوَجَ لَهٗ وہ ان کے پکارنے سے انحراف و اعراض نہیں کریں گے بلکہ اس کی طرف جلدی کریں گے اور اس سے ادھر ادھر نہ ہوں گے؛ یہ اکثر علماء کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: لَا عِوَجَ لَهٗ یعنی اس کی پکار میں کوئی کجی نہ ہوگی۔ بعض علماء نے کہا: اس کا مطلب ہے وہ پکارنے والے کی پوری اتباع کریں گے اس میں کجی نہ ہوگی۔ مصدر مضمر ہے معنی یہ ہے کہ وہ محشر کے لیے پکارنے والے کی آواز کی اتباع کریں گے۔ اس کی مثل یہ آیت ہے: وَ اسْتَمِعْ یَوْمَ یُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِیْبٍ۝ (ق) آگے آئے گا وَ خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ آواز پست اور خاموش ہو جائیں گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: جب حضرت زبیر کی خبر آئی تو مدینہ طیبہ کی دیواریں اور پہاڑ پست ہو گئے۔ اور ہیبت کی وجہ سے ہر زبان ساکت ہوگی۔ لِلرَّحْمٰنِ رحمٰن کی وجہ سے فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا۝، الهمس پست آواز کو کہتے ہیں؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے الحس الخفی پست آواز، حسن اور ابن جریج نے کہا: قدموں کی آہٹ کو الهمس کہتے ہیں۔ وہ آواز جو محشر کی طرف جاتے وقت قدموں کے ایک دوسرے پر لگنے کی وجہ سے پیدا ہوگی۔ زجاج کا قول ہے وهُنَّ یَمْشِینَ بِنا هَمِیسًا۔ اونٹوں کے چلنے کی آواز۔ شیر کو الهموس کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ تاریکی میں آہستہ آہستہ چلتا ہے۔ رؤبہ کا شعر ہے:

لَیثٌ یَدُقُّ الأسدَ الهَمُوسَا والأَقْهَبَینِ الفیلَ والجَامُوسَ

همس الطعام طعام کو چبانا۔ فوہ منضم ملا ہوا منہ۔ راجز نے کہا:

لقد رأیتُ عجبًا مُذْ أَمْسَا عجائزًا مثلَ السَّعالِی خَمْسَا

یأكُلْنَ ما أصنعُ هَمْسًا هَمْسَا

بعض علماء نے فرمایا: الهمس کا معنی ہونٹوں اور زبان کو حرکت دینا ہے۔ حضرت ابی بن کعب نے فلا ینطقون الا همساً پڑھا ہے۔ دونوں کا معنی قریب ہے یعنی ان کی آواز، کلام اور قدموں کی آواز نہیں سنی جائے گی۔ (ھ، م، س) کی بناء کا اصل معنی خفاء ہے جیسا بھی اس میں تصرف ہو اسی سے حروف مہموسہ ہیں۔ یہ دس حروف ہیں جن کا مجموعہ یہ ہے (حثه شخص فسكت) ان کو حروف مہموسہ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ مخرج میں اعتماد کمزور ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کے ساتھ سانس جاری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ، مَنْ محل نصب میں ہے پہلے سے استثناء خارج کی بنا پر یعنی لاتنفع الشفاعة احداً الاشفاعة من اذن له الرحمن یعنی کسی کو شفاعت نفع نہ دے گی مگر اس کی شفاعت جس کو رحمٰن اذن شفاعت فرمائے گا۔ وَ رَضِیَ لَهٗ قَوْلًا یعنی اللہ تعالیٰ جس کی شفاعت پر راضی ہوگا۔ بعض نے فرمایا:

اس کا مطلب ہے شفاعت اسے نفع دے گی جسے رحمن شفاعت کرنے کی اجازت دے گا اور اس کے لیے ایسا قول ہوگا جو پسندیدہ ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قول سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ یعنی قیامت کے امر سے وَمَا خَلْفَهُمْ امر دنیا ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ جانتا ہے جس ثواب اور عقاب کی طرف لوٹیں گے۔ وَمَا خَلْفَهُمْ جو انہوں نے دنیا میں پیچھے چھوڑا پھر بعض نے فرمایا: یہ آیت تمام لوگوں کو شامل ہے۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے داعی کی اتباع کی۔ والحمدللہ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿١١٠﴾ بہ میں ضمیر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، یعنی کوئی اس کے علم کا احاطہ نہیں کرسکتا، کیونکہ احاطہ حد کا شعور دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ حد سے پاک ہے۔ بعض نے فرمایا: ضمیر کا مرجع علم ہے یعنی کوئی اس علم کا احاطہ نہیں کرتا جس کو اللہ جانتا ہے۔ طبری نے کہا: اَيْدِيْهِمْ اور خَلْفَهُمْ اور يُحِيْطُوْنَ میں ضمائر کا مرجع ملائکہ ہیں۔ اللہ زیادہ جانتا ہے۔ جو فرشتوں کی عبادت کرتا ہے وہ نہیں جانتے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے۔

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿١١٢﴾

''اور (فرط نیاز سے) جھک جائیں گے سب (لوگوں کے) چہرے حی وقیوم کے سامنے اور نامراد ہوا جس نے لادا اپنے (سر) پر ظلم (کا بارِ گراں)۔ اور جو شخص کرتا ہے نیک اعمال اور وہ ایمان دار بھی ہو تو اسے اندیشہ نہ ہوگا کسی ظلم کا یا حق تلفی کا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ یعنی چہرے جھک جائیں گے؛ یہ ابن الاعرابی وغیرہ کا قول ہے۔ اسی سے قیدی کو عان کہا جاتا ہے۔ امیہ بن ابی الصلت نے کہا:

ملِيكٌ على عرش السَّماءِ مُهَيمِنٌ لعزّتِهِ تَعْنُو الوجوهُ وتَسجدُ

اور شاعر نے کہا:

وعَنَا له وَجْهِي وخَلْقِي كلُّه فی الساجدين لوجهه مَشْكُوْرًا

جوہری نے کہا: عنا یعنو جھک گیا اور مطیع ہوا۔ اور دوسرے نے اسے جھکا دیا۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ کہا جاتا ہے: عنا فیھم فلان اسیرا یعنی فلاں ان میں قیدی ہو کر رہا۔ عناہ غیرہ تعنیۃ کا معنی ہے اس نے اس کو روک لیا۔ العانی قیدی کو کہتے ہیں۔ وقوم عناۃ ونسوۃ عوان وعنت بہ امور نزلت قیدی قوم، قیدی عورتیں۔ اس کے ذریعے امور آسان ہو گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عنت کا معنی ہے جھک گئے۔ مجاہد نے کہا: عنت کا معنی ہے خشعت۔ ذل اور خشوع میں فرق ہے اگرچہ قریب المعنی ہیں۔ ذل کا مطلب ہے ذلیل النفس ہونا۔ الخشوع کا مطلب ہے صاحب طاعت کے لیے مطیع ہونا۔ کلبی نے کہا: عنت کا معنی ہے عملت کام کیا۔ عطیہ عوفی نے کہا: اس کا معنی ہے تسلیم کرنا۔ طلق بن حبیب نے کہا: اس کا مطلب ہے زمین پر سجدہ میں پیشانی اور ناک کو رکھنا۔ نحاس نے کہا: عنت الوجوہ

کے دو معانی ہیں ایک یہ کہ آخرت میں چہرے جھکے ہوں گے۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ فرمایا اس سے مراد رکوع و سجود کرنا اور عنت کا معنی لغت میں قہر اور غلبہ ہے۔ اسی سے ہے: فتحت البلاد عنوة۔ شاعر نے کہا:

فما أخذوها عَنْوَةً عن مودة ولكنْ بضربِ المَشْرَفِي استقالَها

بعض علماء نے فرمایا: یہ العناء سے مشتق ہے جس کا معنی تھکنا ہے لوگوں کی جگہ چہروں کا ذکر فرمایا۔ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ، القیوم میں تین تاویلات ہیں۔ وہ مخلوق کی تدبیر کو قائم کرتا ہے۔ ہر نفس نے جو کچھ کیا اس پر وہ قائم ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے نہ وہ زائل ہوگا نہ ہلاک ہوگا۔ یہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا یعنی جس نے شرک کو اٹھایا وہ خسارے میں گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ایمان کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ مِنَ الصّٰلِحٰتِ میں من تبعیض کے لیے ہے یعنی شیئا من الصالحت۔ بعض نے کہا: جنس کے لیے ہے۔ فَلَا يَخٰفُ ابن کثیر، مجاہد، ابن محیصن نے یخف، من یعمل کے جواب کی حیثیت سے جزم کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے یخاف پڑھا ہے۔ خبر کی بنا پر مرفوع پڑھا ہے، یعنی فھو لایخاف یافانه لایخاف، ظُلْمًا اس کی طاعت کے ثواب میں کمی نہ ہوگی اور اس کی سیئات میں اس پر اضافہ کیا جائے گے۔ وَلَا هَضْمًا کے حق میں کمی کر کے حق تلفی نہیں کی جائے، یعنی میں نے اس کے حق کو گرا دیا اور اسے چھوڑ دیا۔ هذا یهضم الطعام یعنی وہ کھانے کے بوجھ کو کم کرتا ہے۔ امرأة ضیم الکشح ایسی عورت جس کا پیٹ پتلا ہو۔ ماوردی نے کہا: ظلم اور هضم کے درمیان فرق یہ ہے کہ ظلم کا معنی تمام حق سے روکنا ہے اور الهضم بعض حق سے محروم کرنا ہے۔ الهضم بھی ظلم ہے۔ ایک اعتبار سے فرق ہے۔ متوکل لیثی نے کہا:

إنَّ الأذلةَ واللئامَ لَمَعْشَرٌ مَوْلاهُم المتهضم والمظلومُ

جوہری نے کہا: رجل هضیم و مهتضم یعنی مظلوم آدمی، تهضمه یعنی اس نے اس پر ظلم کیا۔ اهتضمته جب کوئی کسی پر ظلم کرے اور اس کے حق کو توڑ دے۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾

"اور اسی طرح ہم نے اتارا اس کتاب کو قرآن عربی میں اور طرح طرح سے بیان کیں اس میں گناہوں کی سزائیں تاکہ وہ پرہیزگار بن جائیں یا پیدا کر دے یہ قرآن ان کے دلوں میں یہ سمجھ۔ پس اعلیٰ و ارفع ہے اللہ تعالیٰ جو سچا بادشاہ ہے اور نہ عجلت کیجئے قرآن کے پڑھنے میں اس سے پہلے کہ پوری ہو جائے آپ کی طرف اس کی وحی اور دعا مانگا کیجئے میرے رب (اور) زیادہ کر میرے علم کو"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكَذٰلِكَ یعنی جس طرح ہم نے آپ کے لیے اس سورت میں بیان کیا فکذالک جعلناہ قرآنا

عربیا یعنی لغت عرب میں بنایا۔ وَ صَرَّفْنَا فِیْهِ مِنَ الْوَعِیْدِ ہم نے تخویف، تہدید، ثواب اور عقاب بیان کیا۔ لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ یعنی وہ اللہ سے ڈریں اور گناہوں سے اجتناب کریں اور اس کے عذاب سے بچنے والے ہو جائیں۔ اَوْ یُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا، ذکر سے مراد نصیحت ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد احتیاط اور تقوی ہے۔ بعض نے فرمایا: ذِكْرًا سے مراد شرف ہے۔ یہاں ذکر بمعنی شرف ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ (الزخرف: 44) بعض نے فرمایا: تا کہ وہ اس عذاب سے نصیحت حال کریں جس کی انہیں وعید سنائی گئی ہے۔ حسن نے اونحدث نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ ان سے ثاء کے رفع اور جزم کے ساتھ مروی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ جب بندوں کو اپنی عظیم نعمت کا تعارف کرانا اور قرآن کے نازل کرنے کے متعلق بتایا تو اولاد اور ند (مدمقابل) سے اپنی ذات کو پاک فرمایا۔ فَتَعٰلَى اللّٰهُ یعنی اللہ بلند و بالا ہے۔ الْمَلِكُ الْحَقُّ حق والا ہے۔ وَ لَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰۤى اِلَیْكَ وَحْیُهٗ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بتایا کہ کیسے قرآن کو حاصل کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جبریل کے ساتھ جلدی کرتے تھے اور جبریل کے وحی سے فارغ ہونے سے پہلے اسے پڑھتے تھے یہ آپ کا وحی کی حفاظت پر شوق تھا اور قرآن کے بھولنے کے خوف کی وجہ سے تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے منع فرمایا اور وَ لَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ نازل فرمایا۔ یہ اس قول کی طرح ہے: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ (القیامۃ) جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے فرمایا: اس کا مطلب ہے آپ اس کو پوری طرح ہمارے واضح کرنے سے پہلے تلاوت نہ کریں۔ بعض نے فرمایا: وَ لَا تَعْجَلْ کا معنی ہے اس کے انزال کا سوال نہ کر اس سے پہلے کہ آپ کے پاس وحی آجائے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے ان کی تاویل کے بیان سے پہلے لوگوں پر نہ پڑھیں۔ حسن نے کہا: یہ ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس نے اپنی بیوی کو طمانچہ مارا اور وہ عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں قصاص کا مطالبہ لے کر آئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے قصاص کا فیصلہ کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ (النساء: 34) اسی وجہ سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا کہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کا حکم فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا انکار کیا(1)۔ حضرت ابن مسعود وغیرہ نے من قبل ان نقضی نون کے ساتھ اور ضاد کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور وحیہ کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَ لَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝۱۱۵

''ہم نے حکم دیا تھا آدم کو اس سے پہلے (کہ وہ درخت کے قریب نہ جائے) سو وہ بھول گیا اور نہ پایا ہم نے (اس لغزش میں) اس کا کوئی قصد''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ اعمش نے اس سے مختلف پڑھا ہے۔ فنسی یا کے اسکان کے ساتھ۔ اس کے دو معانی ہیں۔ چھوڑ دینا یعنی امر اور عہد کو ترک کر دیا؛ یہ مجاہد کا قول ہے، اکثر مفسرین کا قول ہے اسی سے یہ

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 145

قول ہے: نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ (التوبہ: 67) دوسرا معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہاں سہو اور نسیان سے ہے۔ انسان سے اس نے عہد لیا اور وہ بھول گیا۔ ابن زید نے کہا: جو اس سے عہد لیا تھا وہ بھول گیا اگر اس کے لیے عزم ہوتا۔ تو اپنے دشمن ابلیس کی اطاعت نہ کرتا اس قول کی بنا پر یہ احتمال ہے کہ اس وقت میں حضرت آدم علیہ السلام کا بھول پر مواخذہ کیا گیا تھا اگرچہ اب ہم سے بھول کو معاف کیا گیا ہے۔ مِنْ قَبْلُ یعنی درخت سے کھانے سے پہلے کیونکہ انہیں اس سے منع کیا گیا تھا۔ مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے یعنی بنی آدم کا شیطان کی اطاعت کرنا امر قدیم ہے۔ یعنی اگر انہوں نے عہد کو توڑا ہے تو حضرت آدم علیہ السلام نے ہم سے عہد لیا تو وہ بھول گئے؛ یہ قشیری نے حکایت کیا ہے۔ اسی طرح طبری نے بیان کیا ہے: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم یہ کفار میری آیات سے اعراض کرتے ہیں اور میرے رسولوں کی مخالفت کرتے ہیں اور ابلیس کی اطاعت کرتے ہیں پہلے ان کے باپ حضرت آدم نے بھی ایسا کیا تھا۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ تاویل ضعیف ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کا منکرین کفار کی مثل ہونا درست نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے تاویل کی وجہ سے معصیت ہوئی تھی۔ اس قول میں نبی کی گستاخی اور نقص ہے آیت میں ظاہر یا تو یہ ہے کہ ایک واقعہ کی ابتدا ہے اس کا ماقبل سے کوئی تعلق نہیں ہے یا اس کا ماقبل سے تعلق ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد لیا تھا کہ وہ قرآن کو پڑھنے میں جلدی نہ کریں تو آپ کے لیے آپ سے پہلے ایک نبی کی مثال بیان کی گئی جس کے ساتھ عہد کیا گیا تھا پس وہ بھول گیا تو انہیں عتاب کیا گیا تاکہ تحذیر سخت ہو جائے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد میں مبالغہ ہو جائے۔ یہاں عہد بمعنی وصیت ہے اور نسی بمعنی ترک (چھوڑ دینا) ہے یہاں نسیان کا معنی ممکن نہیں کیونکہ بھولنے والے کو سزا نہیں دی جاتی۔ العزم کا معنی ہے کسی بھی چیز میں اپنے اعتقاد پر قائم رہنا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ درخت ممنوعہ سے نہیں کھائیں گے لیکن جب ابلیس نے آپ کو وسوسہ ڈالا تو آپ کا قصد و ارادہ موجود نہ تھا اور حضرت آدم علیہ السلام سے جو عہد لیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ وہ اس درخت سے نہیں کھائیں گے اور اس کے ساتھ انہیں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ ابلیس آپ کا دشمن ہے۔ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے فرمایا: ہم نے اسے درخت کے کھانے سے صبر کرنے والا نہ پایا اور حکم کے التزام پر مواظبت کرنے والا نہ پایا۔ نحاس نے کہا: اسی طرح لغت میں ہے کہا جاتا ہے: لفلان عزم یعنی گناہوں سے محفوظ ہونے پر صبر اور ثبات ہے حتیٰ کہ وہ ان سے محفوظ ہے اسی سے یہ ارشاد ہے: فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (الاحقاف: 35)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطیہ عوفی سے مروی ہے کہ جو انہیں حکم دیا گیا تھا اس کی حفاظت کرنے والا نہ پایا یعنی جس چیز سے اسے منع کیا گیا تھا اس کی حفاظت نہ کی حتیٰ کہ بھول گئے۔ استدلال کے ترک کی وجہ سے اس کا علم نہ رہا۔ یہ اس طرح ہوا کہ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا: اگر آپ یہ درخت کھائیں گے تو ہمیشہ جنت میں رہیں گے یعنی اس نے اس درخت کو متعین کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی بات نہ مانی پھر اس نے اس درخت کی مثل کی طرف بلایا جو نہی کے عموم میں داخل تھا، حضرت آدم علیہ السلام پر واجب تھا کہ وہ اس پر استدلال کرتے اور ایسا نہ کرتے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے گمان کیا کہ یہ نہی میں داخل نہیں ہے پس آپ نے تاویل کی بنا پر کھالیا۔ وہ بھول والا شمار نہیں ہوتا جو جانتا ہو کہ یہ معصیت

ہے۔ ابن زید نے کہا: عزماً کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے امر کی محافظت کرنا۔ ضحاک نے کہا: امر کی عزیمت۔ ابن کیسان نے کہا: اصرار کرنا، گناہ کی طرف لوٹنے کو پوشیدہ نہ رکھنا۔ قشیری نے کہا: پہلا قول کلام کی تاویل کے زیادہ قریب ہے۔ اسی وجہ سے ایک قوم نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام اولوالعزم رسولوں میں سے نہ تھے اور کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا معظم نے کہا: تمام رسل اولوالعزم تھے۔ حدیث میں ہے: ''کوئی نبی نہیں تھا مگر اس نے خطا کی، خطا کا خیال گزرا سوائے یحییٰ بن زکریا کے''(1)۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام اپنی خطا کے سبب اولی العزم سے نکل جاتے تو حضرت یحییٰ کے سوا تمام انبیاء نکل جاتے۔ ابو امامہ نے کہا: اگر بنی آدم کے حلم کو جمع کیا جائے جب سے اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے اور قیامت تک (جتنی پیدا ہوگی) سب کے حلم کو میزان کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور دوسرے پلڑے میں حضرت آدم کے حلم کو رکھا جائے تو حضرت آدم علیہ السلام کا حلم بھاری ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝۔

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ۝ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ لِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۝ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَ لَا تَعْرٰى ۝ۙ وَ اَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَ لَا تَضْحٰى ۝

''اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب نے سجدہ کیا (سوائے ابلیس کے) اس نے (حکم بجا لانے سے) انکار کیا۔ اور ہم نے فرمادیا: اے آدم! بیشک یہ تیرا دشمن ہے اور تیری زوجہ کا بھی سو (ایسا نہ ہو) کہ وہ نکال دے تمہیں جنت سے اور تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ بیشک تمہارے لیے یہ ہے کہ تمہیں نہ بھوک لگے گی یہاں اور نہ تم ننگے ہو گے، اور تمہیں نہ پیاس لگے گی یہاں اور نہ دھوپ ستائے گی''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ۝، سورۂ بقرہ میں اس پر تفصیلاً گفتگو گزر چکی ہے۔ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ لِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا یہ نہی ہے مطلب یہ اس کی بات نہ ماننا ورنہ تمہارے جنت سے خروج کا سبب بن جائے گا۔ فَتَشْقٰى یعنی آپ اور آپ کی بیوی دونوں علت کے برابر ہونے میں ایک ہیں۔ فتشقیا نہیں فرمایا کیونکہ معنی معروف ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام مخاطب ہیں اور وہی مقصود ہیں نیز حضرت آدم علیہ السلام حضرت حواء کے لیے محنت کرنے والے تھے اور اس کے لیے کمانے والے تھے تو شقا میں وہ خاص کیے گئے۔ بعض نے فرمایا: اخراج دونوں پر واقع ہوگا اور شقا صرف حضرت آدم پر ہوگا۔ اس سے مراد شقاوۃ البدن ہے۔ بدن کا تھکنا۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ بعد میں فرمایا: اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَ لَا تَعْرٰى یعنی جنت میں نہ تجھے بھوک لگے گی نہ تم ننگے ہو گے۔ وَ اَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَ لَا تَضْحٰى آپ اس میں نہ پیاسے ہوں گے نہ دھوپ لگے گی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو آگاہ کیا کہ یہ سب کچھ ان کے لیے جنت میں ہوگا لباس، طعام، شراب، مسکن اور اگر آپ نے وصیت ضائع کر دی اور دشمن کی اطاعت کی تو وہ تمہیں جنت سے نکال دے گا اور آپ تھکاوٹ اور اذیت برداشت کریں گے یعنی آپ بھوکے ننگے ہوں گے

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 2294

اور پیاسے ہوں گے اور تجھے دھوپ بھی لگے گی تم زمین کی طرف لوٹائے جاؤ گے جب جنت سے نکالے جاؤ گے۔ شقاء کے ذکر میں حضرت آدم کو خاص فرمایا: فتشقیان نہیں فرمایا، اس میں تعلیم دی کہ بیوی کا نفقہ خاوند پر ہے پس اس دن سے عورتوں کا نفقہ مردوں پر ہے۔ جب حضرت حواء کا نفقہ حضرت آدم علیہ السلام پر تھا تو اسی طرح زوجیت کے حق کی وجہ سے حواء کی بیٹیوں کا نفقہ حضرت آدم کے بیٹوں پر ہوگا۔ اس آیت میں ہمیں بتایا کہ وہ نفقہ جو عورت کے لیے خاوند پر واجب ہوتا ہے وہ چار چیزیں ہیں۔ طعام، مشروب، لباس اور مسکن۔ جب مرد عورت کو یہ چار چیز مہیا کرے تو وہ اس کے نفقہ سے عہدہ برا سمجھا جائے گا۔ اگر اس کے بعد اس پر کوئی مہربانی کرتا ہے تو وہ ماجور ہوگا یہ چار چیزیں تو عورت کے لیے ضروری ہیں کیونکہ اس کے ساتھ زندگی کا قیام ہے۔ حسن نے فتشقیٰ سے مراد دنیا کی تکلیف ہے۔ ابن آدم نہیں دیکھا جاتا مگر تھکا ہوا۔ فراء نے کہا: وہ اپنے ہاتھ کی محنت سے کھاتا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سرخ اونٹ اتارا گیا وہ اس پر کھیتی باڑی کرتے تھے اور اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے تھے۔ یہ وہ شقاء ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے اتارا گیا تو یہ پہلی شقاء تھی۔ حضرت جبریل نے حضرت آدم علیہ السلام پر جنت سے دانے اتارے تھے اور کہا تھا: اے آدم! اس کو کاشت کرو اور زراعت کر پھر حضرت آدم علیہ السلام نے کھیتی باڑی کی فصل کو پھر کاٹا، پھر اسے گاھا پھر صاف کیا پھر اسے پیسا پھر گوندھا پھر روٹی پکائی، پھر تھکن کے بعد کھایا پھر ان کے ہاتھ سے روٹی گر گئی حتیٰ کہ وہ پہاڑ کے نیچے چلی گئی حضرت آدم علیہ السلام اس کے پیچھے چلتے گئے حتیٰ کہ تھک گئے اور پیشانی پر پسینہ آگیا اور کہا: اے آدم! تیرا رزق تھکاوٹ اور مشقت کے ساتھ ہوگا اور تیری اولاد کا رزق بھی دنیا میں تیرے بعد اسی طرح ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَ لَا تَعْرٰى ۙ وَ اَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَ لَا تَضْحٰى ۝ اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا ھا ضمیر سے مراد جنت ہے۔ لاتظمأ کا معنی ہے پیاسا نہ ہوگا۔ الظمأ سے مراد پیاس ہے۔ وَ لَا تَضْحٰى ۝ تم سورج کے سامنے نہ آؤ گے کہ تمہیں اس کی گرمی لگے کیونکہ جنت میں سورج نہیں ہے۔ وہ لمبے لمبے سائے ہیں جس طرح فجر کے طلوع ہونے سے لے کر سورج کے طلوع ہونے تک کا وقت ہوتا ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: جنت کا دن اسی طرح ہے اور نماز فجر پڑھنے والوں کے لیے وقت کی طرف اشارہ کیا۔ ابو زید نے کہا: ضحا الطریق یضحو ضُحوا اس کا مطلب ہے راستہ ظاہر ہوگیا۔ وضَحِیت وضحیت ضَحاً (پسینہ آیا) ضَحیت للشمس ضَحاء (ممدود) کا مطلب ہے ظاہر ہوا۔ ضحیت حاء کے فتحہ کے ساتھ۔ دونوں لغتوں میں اضحی مضارع کا صیغہ آتا ہے۔ عمر بن ابی ربیعہ نے کہا:

رَأَتْ رَجُلاً أَيْمَا إِذَا الشَّمْسُ عَارَضَتْ　　فَيَضْحَى وَأَمَّا بِالْعَشِيِّ فَيَخْصَرُ

حدیث میں ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سائے میں ایک شخص کو دیکھا تو آپ نے اسے فرمایا: جس کے لیے احرام باندھا ہے اس کی خاطر دھوپ میں آ۔ اسی طرح محدثین نے أضح ہمزہ کے فتحہ اور حاء کے کسرہ کے ساتھ أضحیت سے مشتق ذکر کیا ہے، کیونکہ آپ نے اسے دھوپ میں آنے کا حکم دیا ہے اسی سے یہ ارشاد ہے: وَ اَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَ لَا تَضْحٰى اور بطور

استشہاد یہ شعر پڑھا ہے:

ضَحِيتُ له كَيْ أَستظِلَّ بظِلِّهِ إِذا الظلُّ أَضْحى في القيامة قَالِصَا

ابوعمرو اور کوفیوں نے سوائے عاصم کے ابوبکر کی روایت میں وانك ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ الا تجوع پر عطف کرتے ہوئے پڑھا ہے۔ اور مرفوع ہونا بھی جائز ہے اس وقت موضع پر عطف ہوگا معنی یہ ہے کہ لك أنك لا تظمأ فيها۔ باقی علماء نے استثناء کی بنا پر کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یا ان لك پر عطف کی بنا پر کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾

''پس شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا اس نے کہا: اے آدم! کیا میں آگاہ کروں تمہیں ہمیشگی کے درخت پر اور ایسی بادشاہی جو کبھی زائل نہ ہو۔ سو (اس کے پھسلانے سے) دونوں نے کھالیا اس درخت سے تو (فوراً) برہنہ ہوگئیں ان پر ان کی شرمگاہیں اور وہ چپکانے لگ گئے اپنے (جسم) پر جنت (کے درختوں) کے پتے اور حکم عدولی ہوگئی آدم سے اپنے رب کی سو وہ بامراد نہ ہوا۔ پھر (اپنے قرب کے لیے) چن لیا انہیں اپنے رب نے اور (عفو و رحمت سے) توجہ فرمائی ان پر اور ہدایت بخشی''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ سورۂ اعراف میں یہ گزر چکا ہے۔ قَالَ یعنی شیطان نے کہا: يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى یہ کلام بالمشافہ پر دلیل ہے۔ شیطان جنت میں سانپ کے منہ میں داخل ہوا تھا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ اور درخت کے تعیین کی بحث بھی گزر چکی ہے۔ اور علماء کے جو اقوال ہیں وہ بھی گزر چکے ہیں، اعادہ کی ضرورت نہیں۔ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ۔ یہ بھی سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے۔ فراء نے کہا: طفقا کا عربی میں معنی ہے متوجہ ہوئے۔ فرمایا: بعض علماء نے کہا: وہ انجیر کے پتے اپنے اوپر چپکانے لگے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى اس میں چھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَعَصٰٓى سورۂ بقرہ میں انبیاء کے ذنوب کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ ہمارے بعض متاخرین علماء نے فرمایا: یہ کہنا مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض سے ذنب کے وقوع کی خبر دی اور ذنوب کو ان کی طرف منسوب کیا اور انہیں اس پر عتاب بھی کیا اور خود انبیاء کرام نے اپنے بارے میں اس کی خبر بھی دی، وہ اس پر پریشان بھی ہوئے ان سے توبہ و استغفار بھی کیا یہ تمام چیزیں بہت سے مقامات پر موجود ہیں۔ یہ امور جو ان سے واقع ہوئے جہت عذر پر ہیں اور جہت خطا اور نسیان پر ہیں یا کسی تاویل کی بنا پر ہیں جو اس کی داعی تھی یہ کام غیر کی نسبت سے نیکیاں تھے اور ان کے حق میں سیئات تھے کیونکہ ان کے مناصب و مراتب بہت بلند تھے اور ان کی اقدار بہت بلند تھیں ایک کام پر وزیر کا مواخذہ ہوتا ہے

اور کوتو ال کو بدلہ دیا جاتا ہے اسی وجہ سے وہ قیامت کے موقف میں خوف کھائیں گے حالانکہ انہیں امن وامان اور سلامتی کامل ہے۔ فرمایا: یہی حق ہے کیا خوب کہا ہے حضرت جنید نے: حسنات الأبرا سیئات المقربین ابرار کی نیکیاں مقربین کی سیئات شمار ہوتی ہیں۔ انبیاء کرام سے ذنوب کے وقوع پر اگرچہ نصوص قائم ہیں لیکن ان کے مناصب ومراتب میں اس سے کمی واقع نہیں ہوتی اور نہ ان کے رتبہ میں قدح کا باعث ہیں بلکہ خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی تلافی فرمائی اور انہیں مقام اجتبا دعطا فرمایا، ہدایت کا راستہ دکھایا، ان کی مدح کی، ان کا تزکیہ کیا، انہیں مقام اصطفاء سے نوازا۔ صلوات اللہ علیہم وسلامہ۔

مسئلہ نمبر 2۔ قاضی ابو بکر بن عربی نے فرمایا: آج ہم میں سے کسی کے لیے جائز نہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے ایسی بات کریں مگر یہ کہ جب انکا ذکر کریں تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے تحت کلام کریں۔ اپنی طرف سے ان کی شان میں کچھ کہنا قطعاً جائز نہیں۔ ہمارے جو قریبی آباء گزرے ہیں جو ہماری مثل ہیں ان کے بارے ہتک آمیز یا تنقیص شان والا جملہ کہنا درست نہیں تو اپنے عظیم المرتبہ نبی مکرم ومقدم باپ کے بارے میں ایسا کلام کیسے جائز ہوگا جن کا اللہ تعالیٰ نے خود عذر بیان کیا ہے اور ان کی توبہ قبول فرمائی ہے اور ان کی بخشش فرمائی ہے۔

میں کہتا ہوں: جب یہ مخلوق کے بارے میں جائز نہیں تو اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں خبر دینا، ہاتھ، انگلی، پہلو، نزول وغیرہ کا بھی ذکر بدرجہ اولیٰ منع ہوگا۔ ابتداً اپنی طرف سے کچھ کہنا جائز نہیں ہے مگر کتاب اللہ کی قرابت اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ذکر کرنا جائز ہے۔ اسی وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں کوئی ایسا وصف بیان کیا جیسا کہ اس کا ارشاد ہے: وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللهِ مَغْلُولَةٌ (المائدہ: 64) پس اس نے اپنے ہاتھ سے گردن کی طرف اشارہ کیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اسی طرح سمع وبصر کی طرف اشارہ کیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات کے ساتھ تشبیہ دی ہے (1)۔

مسئلہ نمبر 3۔ آئمہ نے یہ حدیث روایت کی ہے اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”آدم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کا مناظرہ ہوا، موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے آدم! تو ہمارا باپ ہے تو نے ہمیں نامراد کیا اور تو نے ہمیں جنت سے نکالا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا اے حضرت موسیٰ! اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنے کلام سے مشرف کرنے کے لیے چنا اور تیرے لیے اپنے ہاتھ سے خط کھینچا۔ اے موسیٰ! کیا تو مجھے ایسے امر پر ملامت کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری تخلیق سے چالیس سال پہلے مجھ پر مقدر کر دیا تھا۔ پس آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے“ (2)۔ یہ جملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا۔ مہلب نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے کا مطلب یہ حجت کے ذریعے غالب آ گئے۔ لیث بن سعد نے کہا: اس واقعہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حجت صحیح تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی خطا کو معاف کیا اور ان کی توبہ قبول فرمائی۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے زیبا نہیں تھا کہ وہ انہیں اس خطا کی وجہ سے عار دلاتے جس کو

1۔ التمہید، جلد 7، صفحہ 145
2۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 7387

اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا تھا۔" اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام نے کہا تو وہ موسیٰ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تورات عطا کی اور اس میں ہر چیز کا علم ہے اور تو نے اس میں پایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر معصیت کو مقدر کیا ہے اور یہ بھی کہ اس سے توبہ کو مقدر کیا ہے پس اس نے اس وجہ سے مجھ سے ملامت کو ساقط کر دیا کیا تو مجھے ملامت کرتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ مجھے ملامت نہیں کرتا"۔ اس کی مثل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس شخص پر حجت قائم کی تھی جس نے کہا تھا: عثمان جنگ اُحد میں بھاگ گئے تھے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اس کا کوئی گناہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا فرمایا: وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ (آل عمران: 155) بعض نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام آب (باپ) تھے۔ ان کو ان کی نیکی کی وجہ سے عار دلانا جائز نہیں۔ اگر کسی دوسرے کو اس کے ساتھ عار دلانا جائز بھی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کافر والدین کے بارے میں فرمایا: وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا (لقمان: 15) اسی وجہ سے حضرت ابراہیم کو ان کے اب یعنی چچا نے کہا تھا جو کافر تھا:

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ (مریم)

جب ایک کافر کو نازیبا کلمہ کہنا جائز نہیں تو پھر وہ باپ جو نبی بھی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مقام انبیاء پر فائز فرمایا ہے ان کی توبہ قبول کی ہے اور راہ ہدایت دی ہے۔ (اس کی شان میں نازیبا کلمہ کہنا کیسے جائز ہوگا)۔

مسئلہ نمبر 4۔ جس نے کوئی خطا کی اور اس کو مغفرت کا مژدہ نہیں ملا تو علماء کا اجماع ہے کہ اسے حضرت آدم علیہ السلام کی حجت کی طرح حجت نہیں پکڑنی چاہیے کہ وہ کہے: تو مجھے ملامت کرتا ہے کہ میں نے قتل کیا ہے یا زنا کیا یا چوری کی جبکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ مقدر کیا تھا۔ اور امت کا اجماع ہے کہ نیکی کرنے والے کی نیکی کی تعریف کی جائے اور برائی کرنے والے کو برائی پر ملامت کی جائے اور اس کے گناہوں کو شمار کیا جائے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَغَوٰى اس کا معنی ہے اس نے اپنی زندگی کو خراب کر دیا؛ یہ نقاش نے حکایت کیا ہے اور قشیری نے اس کو پسند کیا ہے میں نے اپنے شیخ استاذ المقری ابو جعفر قرطبی کو یہ کہتے ہوئے سنا: فَغَوٰى دنیا کی طرف اترنے کے ساتھ اپنی زندگی کو خراب کر دیا۔ الغی کا معنی فساد ہے۔ یہ اچھی تاویل ہے اور جنہوں نے غوی کا معنی ضل کیا ہے۔ ان کی تاویل سے یہ تاویل اولیٰ ہے۔ ضل معنی کرنے والوں نے اسے الغی سے مشتق کیا ہے جس کا معنی رشد کی ضد ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے اپنے رشد کی جگہ سے ناواقف رہا، یعنی آپ کو معلوم نہ ہوا کہ یہ درخت بھی ان درختوں سے ہے جن سے منع کیا گیا ہے۔ الغی کا معنی الجهل ہے۔ بعض سے مروی ہے: فَغَوٰى کا معنی ہے کثرت اکل سے بدہضمی ہوئی۔ زمخشری نے کہا: یہ ان کی لغت پر صحیح ہے جو یاء ماقبل مکسور کو الف سے بدل دیتے ہیں۔ فنیِ اور بقِیَ میں فنیٰ اور بقیٰ کہتے ہیں یہ بنو طے کی لغت ہے۔ یہ تفسیر خبیث ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ قشیری ابو نصر نے کہا: ایک قوم نے کہا: کہا جاتا ہے عصی آدم وغوی عاص اور غاو نہیں کہا جاتا جیسا کہ جو ایک مرتبہ کپڑا سیے تو کہا جاتا ہے: خاطا (اس نے سیا) اسے خیاط نہیں کہا جاتا جب تک بار بار خیاطت کا عمل نہ کرے۔ بعض نے کہا: سردار کے لیے اپنے غلام کو معصیت کے وقت کہنا جائز ہوتا ہے غیر کے لیے اسے وہ کہنا جائز نہیں ہوتا۔

یہ تکلف ہے اور جو انبیاء کرام کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ یا تو صغائر ہیں یا ترک اولیٰ ہے یا نبوت سے پہلے کے اعمال ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ بہتر ہے۔ امام ابو بکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام سے یہ کام نبوت سے پہلے ہوا تھا اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ هَدٰى، اجتباء اور ھدایت، عصیان کے بعد تھے۔ جب یہ نبوت سے پہلے تھا تو ان پر ایک وجہ سے ذنوب بھی جائز ہیں کیونکہ نبوت سے پہلے ہم پر ان کی تصدیق میں کوئی حکم نہیں جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی مخلوق کی طرف بھیجا جبکہ وہ پیغام کی ادائیگی میں مامون تھے اور معصوم تھے تو پہلے ذنوب نے انہیں کوئی نقصان نہ دیا۔ یہ عمدہ بحث ہے۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَ لَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْۤ اَعْمٰى وَ قَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَ كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَ لَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَ اَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾

”حکم ملا: دونوں اتر جاؤ یہاں سے اکٹھے تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے پس اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی تو وہ نہ بھٹکے گا اور نہ بدنصیب ہو گا۔ اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کے لیے زندگی (کا جامہ) تنگ کر دیا جائے گا اور ہم اسے اٹھائیں گے قیامت کے دن اندھا کر کے۔ وہ کہے گا: اے میرے رب! کیوں اٹھایا ہے تو نے مجھے نابینا کر کے میں تو (پہلے بالکل) بینا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسی طرح آئی تھیں تیرے پاس ہماری آیتیں سو تو نے انہیں بھلا دیا اسی طرح آج تجھے فراموش کر دیا جائے گا۔ اور یونہی ہم بدلہ دیں گے ہر اس شخص کو جس نے حد سے تجاوز کیا اور ایمان نہ لایا اپنے رب کی آیتوں پر، اور (سن لو) آخرت کا عذاب بڑا سخت اور بہت دیر پا ہے“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا حضرت آدم و ابلیس کو خطاب فرمایا۔ مِنْهَا جنت سے۔ ابلیس کو فرمایا: اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا (الاعراف: 18) شاید اسے جنت سے آسمان کی کسی جگہ پر نکلنے کا حکم دیا پھر اسے زمین کی طرف اتارا۔ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ یہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ یعنی تو سانپ اور ابلیس کا دشمن ہو گا اور وہ تیرے دشمن ہوں گے۔ یہ دلیل ہے کہ اھبطا آدم و حواء کو خطاب نہیں ہے کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن نہ تھے۔ حضرت آدم کا اترنا حضرت حواء کے اُترنے کے ضمن میں ہے۔ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى رشد اور سچی بات مراد ہے سورۂ بقرہ میں یہ بھی گزر چکا ہے۔ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ یعنی جس نے رسل اور کتب کی پیروی کی۔ فَلَا يَضِلُّ وَ لَا يَشْقٰى، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ضمانت دی ہے جو قرآن پڑھے گا اور اس کے احکام پر عمل کرے وہ دنیا میں گمراہ نہ ہو گا اور آخرت

میں بدبخت نہ ہوگا۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے فرمایا: جس نے قرآن پڑھا اور اس میں موجود احکام کی اتباع کی تو اللہ تعالیٰ اسے گمراہی سے ہدایت دے گا اور قیامت کے روز برے حساب سے اسے بچالے گا پھر یہ آیت پڑھی: وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ یعنی میرے دین سے میری کتاب کی تلاوت سے اور اس کے احکام پر عمل سے اعراض کیا۔ بعض نے فرمایا: ذِكْرِيْ سے مراد وہ دلائل ہیں جو اتارے گئے ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ذکر سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں کیونکہ آپ کی طرف سے نصیحت ہے۔ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا تنگ زندگی۔ کہا جاتا ہے: منزل ضنك وعیش ضنك اس میں واحد، تثنیہ، مذکر، مونث جمع برابر ہے۔ عنترہ نے کہا:

إِنْ يُلحقوا أَكْرُرْ وإِنْ يستلحمُوا أَشْدُدْ وإِنْ يُلْفَوْا بضَنْك أَنزِلِ

شاعر نے کہا:

إن المنيةَ لو تُمثِّل مُثِّلت مثلی إذا نزلُوا بضَنكِ المنزلِ

اور ضنکی بھی پڑھا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ نے دین کے ساتھ تسلیم، قناعت، اس پر توکل اور اس کی تقسیم پر راضی ہونا عطا کیا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق سے سخاوت وسہولت کے ساتھ خرچ کرتا ہے وہ بلند زندگی گزارتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (النحل: 97) جو شخص دین سے اعراض کرتا ہے اس پر حرص غالب آجاتی ہے جس کی وجہ سے ہمیشہ دنیا کی زیادتی کا لالچ کرتا رہتا ہے اس پر بخل کو مسلط کیا جاتا ہے جو اس کو خرچ کرنے سے روکتا ہے پس اس کی زندگی تنگ ہوتی ہے اور اس کا حال تاریک ہوتا ہے، جیسا کہ بعض نے فرمایا: اپنے رب کے ذکر سے اعراض نہیں کرتا مگر جس پر وقت تاریک ہوتا ہے اور رزق کے بارے میں پریشان ہوتا ہے اس کی زندگی تنگ ہوتی ہے۔ عکرمہ نے کہا: ضَنْكًا سے مراد حرام کمائی ہے۔ حسن نے کہا: اس سے مراد کانٹے اور جھاڑی اور زقوم کا درخت ہے۔ چوتھا قول یہ ہے جو کہ صحیح ہے کہ اس سے مراد عذاب قبر ہے۔ ابو سعید خدری اور حضرت عبداللہ بن مسعود کا یہ قول ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً اس قول کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ ہم نے اپنی کتاب التذکرہ میں ذکر کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کافر پر اس کی قبر تنگ ہوتی ہے حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ادھر کی ادھر ہوجاتی ہیں۔ یہ معیشة ضنکا ہے۔

وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى بعض علماء نے فرمایا: ایک حال میں اندھا ہوگا اور ایک حال میں بینا ہوگا۔ سورۂ سبحان کے آخر میں یہ گزر چکا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے وہ حجت پیش کرنے سے اندھا ہوگا؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: وہ خیر کی جہات سے اندھا ہوگا کسی خیر کی طرف ہدایت نہ پائے گا۔ بعض نے فرمایا: اپنے آپ سے عذاب دور کرنے کے حیلہ سے اندھا ہوگا جیسے وہ اندھا بے بس ہوتا ہے جسے کچھ نظر نہیں آتا۔

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْۤ اَعْمٰى یعنی کس گناہ کی وجہ سے مجھے اندھا ہونے کی سزا دی؟ وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا دنیا میں میں بینا تھا۔ گویا اس کا گمان ہوگا کہ اس کا کوئی گناہ نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: اس کا مطلب ہے مجھے حجت سے کیوں اندھا کر کے اٹھایا حالانکہ میں دنیا میں حجت کو جاننے والا تھا۔ قشیری نے کہا: یہ بعید ہے کیونکہ کافر کے لیے دنیا میں

کوئی حجت نہیں۔ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا یعنی اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا: ہماری وحدانیت اور قدرت پر ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں۔ فَنَسِيْتَهَا تو نے انہیں چھوڑ دیا اور تو نے ان کی طرف نہیں دیکھا اور تو نے ان سے اعراض کیا۔ وَ كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى تو عذاب میں آج چھوڑا گیا ہے مراد جہنم ہے۔ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ جس طرح ہم نے قرآن سے اعراض کرنے والے اور مصنوعات میں غور و فکر نہ کرنے والے اور معصیت میں حد سے تجاوز کرنے والے کو جزا دی، وَ لَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ اپنے رب کی آیات کی تصدیق نہیں کی۔ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ آخرت کا عذاب معیشت ضنک اور عذاب قبر سے زیادہ خوفناک ہے۔ وَ اَبْقٰى دائمی عذاب ہے کیونکہ وہ ختم نہیں ہوگا۔

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَ مِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾

''کیا: (یہ بات) انہیں راہ راست نہ دکھا سکی کہ کتنی قومیں تھیں جن کو ہم نے (بداعمالیوں کے باعث) ان سے پہلے برباد کر دیا چلتے پھرتے ہیں یہ لوگ جن کے (اجڑے ہوئے) مکانوں میں اس میں (ہماری قدرت) کی نشانیاں ہیں دانش مندوں کے لیے۔ اور اگر ان کے (انجام کے) متعلق آپ کے رب کا فیصلہ پہلے نہ ہو چکا ہوتا اور ان کے لیے ایک وقت مقرر نہ کر دیا گیا ہوتا تو ابھی ان پر عذاب نازل ہو جاتا۔ پس (اے حبیب!) صبر فرمایئے ان کی (دل دکھانے والی) باتوں پر اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اور رات کے لمحوں میں اس کی پاکی بیان کرو اور دن کے اطراف میں بھی تاکہ آپ خوش رہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ اس سے مراد اہل مکہ ہیں یعنی کیا ان کے لیے ان کی خبر واضح نہیں ہوئی جن کو ہم نے تباہ کر دیا ہے۔ یہ ان کے مکانوں کے درمیان چلتے ہیں جب طلب معاش میں تجارت کے لیے سفر کرتے ہیں اور گزشتہ قوموں کے شہروں کو دیکھتے ہیں اور چھتوں کے بل گری پڑی بستیوں کو دیکھتے ہیں یعنی کیا وہ نہیں ڈرتے اس عذاب سے کہ ان پر بھی ویسا عذاب اترے جو ان سے پہلے کفار پر اترا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اسلمی وغیرہما نے نھد لھم نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ زیادہ واضح ہے۔ یھد یاء کے ساتھ فاعل کی وجہ سے مشکل ہے۔ کوفیوں نے کہا: کم فاعل ہے۔ نحاس نے کہا: یہ خطا ہے کیونکہ کم استفہامیہ میں اس کا ماقبل اس میں عمل نہیں کرتا۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے جن کو ہم نے ہلاک کیا ان کی ہلاکت کا امر ان کے لیے واضح نہیں ہوا۔ یھد کی حقیقت ہدایت پر دلالت کرتی ہے اور فاعل الھدیٰ ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی: افلم یھد الھدی لھم۔ زجاج نے کہا: کم محل نصب میں ہے اور اس کا ناصب أھلکنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَوْ لَا

كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی تیرے رب کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور وقت مقرر نہ ہوتا تو ان پر عذاب لازم ہو جاتا۔ قتادہ کا قول ہے: اللزام کا مطلب ملازمت ہے یعنی انہیں عذاب لازم ہوتا۔ کان کا اسم مضمر ہے۔ زجاج نے فرمایا: وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾، اس کا عطف کلمہ پر ہے۔ قتادہ نے کہا: مراد قیامت ہے۔ یہ قتبی کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد ان کا بدر کے دن تک مؤخر کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ ان کی باتوں پر صبر کا حکم دیا ہے۔ وہ کبھی کہتے: جادوگر ہے، کبھی کہتے: کاہن ہے، کبھی کہتے: کذاب ہے۔ معنی یہ ہے کہ آپ ان کی پرواہ نہ کریں کیونکہ ان کے لیے عذاب کا وقت مقرر ہے وہ نہ مقدم ہوگا نہ مؤخر ہوگا۔ پھر بعض نے فرمایا: یہ آیت، آیت قتال سے منسوخ ہے بعض نے فرمایا: منسوخ نہیں ہے کیونکہ آیت قتال کے بعد کفار کو جڑ سے ختم نہیں کیا گیا بلکہ ان میں بڑے بڑے بچ بھی گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ پانچ نمازوں کی طرف اشارہ ہے۔ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ سے مراد صبح کی نماز ہے۔ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا سے مراد عصر کی نماز ہے۔ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ سے مراد عشاء کی نماز ہے۔ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ سے مراد مغرب اور ظہر کی نماز ہے کیونکہ ظہر دن کے پہلے حصہ کے آخر میں، دوسرے حصہ کی ابتدا میں ہوتی ہے یہ دن کی دونوں طرفوں میں ہے۔ تیسری طرف سورج کا غروب ہے اور وہ مغرب کا وقت ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: دن دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ زوال ان میں حد فاصل ہے ہر حصہ کی دو طرفیں ہیں زوال کے وقت دو طرفیں ہیں۔ پہلے حصہ سے آخری حصہ اور دوسرے حصہ سے پہلا حصہ۔ طرفین کی جگہ اطراف ذکر فرمایا جیسا کہ فرمایا: فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا (التحریم: 4) اس کی طرف ابن فورک نے المشکل میں اشارہ کیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: النہار جنس کے لیے ہے ہر دن کی ایک طرف ہے اور وہ جمع کے معنی میں ہے کیونکہ وہ ہر دن کی طرف راجع ہے۔ اٰنَآئِ الَّيْلِ رات کی گھڑیاں۔ الاناء کا واحد انٰی، اِنْیٌ، اَنْیٌ۔ ایک فرقہ نے کہا: اس آیت سے مراد نفلی نماز ہے؛ یہ حسن کا قول ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾، تا کے فتحہ کے ساتھ تا کہ آپ کو ان پسندیدہ اعمال پر ثواب دیا جائے۔ کسائی اور ابوبکر نے عاصم سے روایت کر کے ترضٰی تا کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ تجھے وہ عطا کیا جائے جو تجھے خوش کرے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾

''اور آپ مشتاق نگاہوں سے نہ دیکھیے ان چیزوں کی طرف جن سے ہم نے لطف اندوز کیا ہے کافروں کے چند گروہوں کو یہ محض زیب و زینت ہے دنیوی زندگی کی (اور انہیں اس لیے دی ہیں) تاکہ ہم آزمائیں انہیں ان سے اور آپ کے رب کی عطا بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ اور حکم دیجیے اپنے گھر والوں کو نماز کا اور خود بھی پابند رہیے اس پر، نہیں سوال کرتے ہم آپ سے روزی کا (بلکہ) ہم ہی روزی دیتے ہیں آپ کو، اور اچھا انجام

پرہیزگاری کا ہی ہوتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اس کا معنی سورۃ الحجر میں گزر چکا ہے۔ ازواجاً، متعنا کا مفعول ہے۔ زھرۃ حال کی بنا پر منصوب ہے۔ زجاج نے کہا: زھرۃ، متعنا کے معنی کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ اس کا معنی ہے، جعلنالهم الحیاۃ الدنیا زھرۃ یا فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے اور وہ جعلنا فعل ہے یعنی جلعنا لهم زھرۃ الحیاۃ الدنیا۔ زجاج سے بھی یہ مروی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ بہٖ کی ضمیر کے مقام سے بدل ہے جیسے کہ تو کہتا ہے: مررت بہ اخاك۔ فراء نے حال کی بنا پر منصوب ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس میں عامل متعنا ہے۔ فرمایا: تو کہتا ہے: مررت بہ السکین اور اس کی تقدیر یہ ہے، متعنا هم بہ زھرۃ فی الحیاۃ الدنیا وزینۃ فیها اور صنع اللہ کی طرح مصدر کی بنا پر منصوب ہونا بھی جائز ہے۔ اسی طرح وعد اللہ ہے۔ اس ترکیب میں نظر ہے۔ بہتر یہ ہے کہ حال کی بنا پر نصب ہو۔ اور تنوین کے سکون اور الحیاۃ کے لام کی سکون کی وجہ سے حذف ہو جیسے: وَ لَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ (یٰسین: 40) پڑھا ہے۔ نہار پر نصب سابق کی وجہ سے اس تقدیر پر کہ اس کے سکون اور لام کے سکون کی وجہ سے تنوین حذف ہے۔ اور الحیاۃ ما سے بدل ہونے کی وجہ سے مجرور ہوگی۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: ولا تمدن عینیك الی الحیاۃ الدنیا زھرۃً یعنی فی حال زھرتها اور زھرۃ کو ما سے بدل بنانا اچھا نہیں کیونکہ لنفتنهم، متعنا کے متعلق ہے اور زھرۃ الحیاۃ الدنیا سے مراد نباتات کے ساتھ اس کی زینت ہے۔ الزھرۃ ھاء اور زاء کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی کلیاں ہیں۔ اور الزھرۃ زاء کے ضمہ اور ھاء کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ستارہ ہے اور بنو زہرہ ھاء کے سکون کے ساتھ ہے؛ یہ ابن عزیز کا قول ہے۔ عیسیٰ بن عمر نے زھرۃ ھا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، جیسے نھر اور نھَر اور کہا جاتا ہے: سراج زاھر یعنی اس کے لیے چمک ہے۔ زھر الاشجار۔ درختوں کے رنگ جو چمکتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ازھر اللون تھے، یعنی چمکدار رنگ والے تھے۔ ہر روشن چیز ہے یعنی زہرا ہے اور یہ خوبصورت ترین رنگ ہے۔ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ یعنی ہم انہیں آزمائیں گے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہم اس کو ان کے لیے فتنہ بنا دیں گے۔ آیت کا معنی ہے اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی چمک کو آپ کافی اہمیت نہ دیں کیونکہ اس کے لیے کوئی بقا نہیں ہے۔ وَ لَا تَمُدَّنَّ یہ لاتنظرن سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ جو نظر کو لمبا کرتا ہے اسے اس پر حرص ابھارتی ہے جو اس کے ساتھ متصل ہے اور جو صرف دیکھتا ہے کبھی اس کے ساتھ حرص متصل نہیں ہوتی۔

مسئلہ: بعض لوگوں نے کہا: اس آیت کے نزول کا سبب وہ روایت ہے جو حضرت ابو رافع نے روایت کی ہے جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے انہوں نے فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مہمان آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک یہودی کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ اسے کہنا: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم تجھے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک مہمان آیا ہے اور ہمارے پاس اس کی خوراک کے لیے کچھ نہیں ہے تو مجھے اتنا آٹا بیچ دے'' یا فرمایا: ''رجب کے چاند تک ادھار دے دے''۔ یہودی نے کہا: نہیں مگر رھن کے ساتھ دوں گا۔ حضرت ابو رافع نے کہا: میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ کر آیا تو میں نے آپ کو اس کی بات بتائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں آسمان میں امین ہوں، زمین میں امین ہوں اگر وہ مجھے ادھار دے یا بیچ دے تو میں

اسے ادا کر دوں گا تو میری اس کے پاس یہ زرہ لے جا" (اور رہن رکھ دے) تو اللہ نے اپنے محبوب کو دنیا کے نہ ہونے پر تسلی دینے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ سبب ہونے پر اعتراض ہے کیونکہ یہ سورۂ مکی ہے اور یہ واقعہ مدنی ہے جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخر میں پیش آیا کیونکہ آپ کا وصال ہوا تو اس واقعہ کی وجہ سے آپ کی زرہ ابھی اس یہودی کے پاس رہن تھی (1)۔ ظاہر یہ ہے کہ آیت کا ماقبل کے ساتھ اتصال ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ امتوں سے عبرت حاصل نہ کرنے پر کفار کو زجر و توبیخ فرمائی پھر انہیں موجل عذاب کی دھمکی دی پھر اپنے نبی کو ان کی حیثیت کو حقارت سے دیکھنے کا حکم دیا اور ان کی اذیت ناک باتوں پر صبر کرنے کا حکم دیا اور ان کے اموال سے اعراض کرنے اور جو کچھ ان کے پاس ہے اس سے منہ پھیرنے کا حکم دیا کیونکہ یہ تمام چیزیں ان سے ختم ہونے والی ہیں، رسوائی کی طرف لے جانے والی ہیں۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح جو روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنی المصطلق کے اونٹوں کے پاس سے گزرے تو موٹاپے کی وجہ سے ان کے دودھ اور مینگنیاں ان کی رانوں پر خشک ہو چکی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کپڑے سے پردہ کر لیا اور آگے گزر گئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی، وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰى یعنی صبر پر اور دنیا کی طرف کم توجہ پر اللہ تعالیٰ کا ثواب اولیٰ ہے کیونکہ وہ ثواب باقی رہنے والا ہے اور دنیا فنا ہونے والی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس رزق سے مراد وہ شہر اور اموال غنیمت ہیں جو اللہ تعالیٰ مومنین کو فتح کی صورت میں عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں کہ وہ نماز پر دوام اور ملازمت اختیار کریں۔ یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور اس کے عموم میں تمام امت داخل ہے اور آپ کے اہل بیت بالخصوص داخل ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نزول کے بعد ہر صبح حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے گھر جاتے تھے اور کہتے تھے: الصلوۃ (2) (یعنی نماز کے لیے انہیں جگاتے تھے اور نماز کا حکم دیتے تھے) روایت ہے کہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جب سلاطین کی اخبار میں کوئی چیز دیکھتے تھے تو فوراً اپنے گھر میں داخل ہو جاتے تھے اور یہ پڑھتے تھے: وَ لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ﳔ لِنَفْتِنَهُمْ فِیْهِ ؕ وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰى ۝ پھر نماز کے لیے اس طرح ندا دیتے تھے: الصلوۃ یرحمکم اللہ اور نماز پڑھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں کو نماز تہجد کے لیے جگاتے تھے اور خود نماز پڑھتے تھے اور اس آیت پر عمل کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا نَسْــٴَـلُكَ رِزْقًا یعنی ہم تجھ سے سوال نہیں کرتے کہ تو اپنے آپ کو اور انہیں رزق دو اور رزق کے سبب نماز سے غافل ہو جاؤ بلکہ تمہارے اور ان کے رزق کے ہم کفیل ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں ہوتے تو نماز کا حکم دینے میں سختی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۝ مَاۤ اُرِیْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ

1۔ ترمذی، باب ما جاء فی الرخصۃ فی الشراء، حدیث نمبر 1136، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ جامع ترمذی، باب و من سورۃ احزاب، حدیث نمبر 3130، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ (الذاریات)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝ یعنی اہل تقویٰ کے لیے جنت ہے، یعنی اچھا انجام۔ کبھی تقویٰ اختیار نہ کرنے والوں کے لیے انجام ہوتا ہے لیکن وہ مذموم ہوتا ہے، یہ معدوم کی طرح ہوتا ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ۝ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ۝

"اور کفار کہتے ہیں کہ (یہ نبی) کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس کوئی نشانی اپنے رب کے پاس سے (ان سے پوچھو) کیا نہیں آ گیا ان کے پاس واضح بیان جو پہلی نازل شدہ کتابوں میں ہے۔ اور اگر ہم انہیں ہلاک کر دیتے کسی عذاب سے اس سے پہلے تو کہتے: اے ہمارے رب! کیوں نہ بھیجا تو نے ہماری طرف کوئی رسول تاکہ ہم پیروی کرتے تیری آیتوں کی اس سے پہلے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہوئے (اے حبیب!) آپ انہیں فرمایئے ہر شخص (انجام کا) منتظر ہے سو تم بھی انتظار کرو تم عنقریب جان لو گے کون ہیں سیدھی راہ (پر چلنے) والے اور کون ہدایت یافتہ ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ یہ کفار مکہ نے کہا: یعنی ہمارے پاس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیوں کوئی ایسی نشانی نہیں لے آیا جو علم ضروری کو ثابت کرتی یا کوئی ایسی آیت جو ظاہر ہوتی جیسے ثمود کی اونٹنی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا یا کیوں نہ ایسی نشانیاں لے آیا جو ہم تجویز کرتے ہیں جس طرح ان سے پہلے انبیاء لے کر آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ صحف اولیٰ سے مراد تورات، انجیل اور پہلی کتب ہیں۔ یہ بہت بڑی دلیل ہے کیونکہ جو کچھ ان میں ہے ان کی آپ نے خبر دی۔ الصحف کو تخفیف کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے کیا ان کے پاس وہ نشانی نہیں آئی جو آپ کی نبوت پر دلالت کرتی ہے جس کو انہوں نے سابقہ کتب میں بشارت کے طور پر پایا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے کیا ان کے پاس سابقہ امتوں کے کفار کو ہمارا ہلاک کرنا پہنچ نہیں چکا جو آیات تجویز کرتے تھے کونسی چیز انہیں امن دینے والی ہے کہ ان کے پاس اگر آیات آئیں تو ان کا حال ان کفار کی حالت جیسا نہ ہوگا۔ ابو جعفر، شیبہ، نافع، ابو عمرو، یعقوب، ابن اسحاق اور حفص نے أولم تاتھم تاء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ بینۃ مونث ہے باقی قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے فعل کے مقدم ہونے کی وجہ سے۔ نیز بینۃ سے مراد بیان اور برہان ہے پس انہوں نے اس کو معنی کی طرف لوٹایا۔ ابو عبید اور حاتم نے اس کو اختیار کیا ہے۔ کسائی نے حکایت کیا ہے: اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةٌ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى اور کہا: بَيِّنَةٌ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى اس بنا پر جائز ہے۔ نحاس نے کہا: جب تو بینۃ کو تنوین دے اور رفع دے گا تو ما

کو اس سے بدل بنائے گا اور جب تو اسے نصب دے گا تو حال کی بنا پر ہوگا مطلب یہ ہوگا: اولم یاتہم مافی الصحف الاولی مبیناً کیا نہیں آچکا جو پہلے صحیفوں میں ہے جبکہ وہ بیان کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور قرآن کے نزول سے پہلے۔ لَقَالُوْا قیامت کے روز کہیں گے۔ رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا یعنی کیوں نہ ہماری طرف رسول بھیجا۔ فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ نَخْزٰی، اس کو نُذل و نُخزی مجہول کے صیغے بھی پڑھے گئے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری نے روایت کیا ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''زمانہ فترہ میں ہلاک ہونے والے، پاگل کہے گا میرے پاس نہ کتاب آئی اور نہ رسول آیا پھر یہ تلاوت کی۔ وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا... الخ، اور پاگل کہے گا: اے میرے پروردگار! تو نے میرے لیے عقل ہی نہیں بنائی جس کے ساتھ میں خیر و شر کو سمجھتا اور مولود (بچہ) کہے گا: اے میرے رب! میں نے عمل کا زمانہ پایا ہی نہیں۔ پس ان کے لیے آگ بلند کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا: اس میں اتر و اور داخل ہو جاؤ''۔ فرمایا: ''جو علم الٰہی میں سعید ہوگا اگر وہ عمل کو پاتا وہ اس میں داخل ہو جائے گا اور جو علم الٰہی میں شقی ہوگا اگر وہ عمل کو پاتا وہ رک جائے گا''۔ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے میری نافرمانی کی پھر اگر میرے رسول تیرے پاس آتے تو تم کیسے اتباع کرتے'' (1)۔ حضرت ابوسعید سے موقوف بھی مروی ہے۔ اس میں نظر ہے۔ ہم نے اس کو کتاب التذکرہ میں بیان کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ ان علماء نے حجت پکڑی ہے جو کہتے ہیں کہ بچے اور دوسرے لوگ آخرت میں آزمائے جائیں گے۔ فَنَتَّبِعَ کو نصب تخصیص کے جواب کے ساتھ ہے۔ اٰیٰتِكَ سے مراد وہ آیات ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ عذاب میں ذلیل ہونے سے پہلے۔ وَنَخْزٰی اور جہنم میں رسوا ہونے سے پہلے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ دنیا میں عذاب میں ذلیل ہونے سے پہلے۔ وَنَخْزٰی آخرت میں اس کے عذاب میں رسوا ہونے سے پہلے۔ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمایئے ہر ایک منتظر ہے یعنی مومنین اور کفار گردش زمانہ کے منتظر ہیں۔ اور ہر شخص اس کا منتظر ہے کہ کامیابی کس کے لیے ہوتی ہے؟

فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِیِّ وَ مَنِ اهْتَدٰی ۝ اس سے مراد دین مستقیم اور ہدایت ہے مطلب یہ ہے کہ تم نصرت کے ساتھ جان لو گے کہ کون دین حق کی طرف جانے والا ہے؟ بعض علماء نے فرمایا: تم قیامت کے روز جان لو گے کون جنت کے راستہ کا ہدایت یافتہ تھا؟ اس میں وعید، تخویف اور تہدید کی ایک صورت ہے اس کے ساتھ سورت کا اختتام کیا۔ فسوف تعلمون بھی پڑھا گیا ہے۔ حضرت ابورافع نے کہا: میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو یاد کیا تھا؛ یہ زمخشری نے ذکر کیا ہے۔ من زجاج کے نزدیک محل رفع میں ہے اور فراء نے کہا: محل نصب میں ہونا بھی جائز ہے، جیسے وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ (البقرہ: 220) ابواسحاق نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ استفہام میں اس کا ماقبل عمل نہیں کرتا اور من یہاں استفہامیہ ہے اور مبتدا کی حیثیت سے محل رفع میں ہے معنی یہ ہے تم سیدھے راستہ والوں کو جان لو گے ہم یا تم؟ نحاس

1۔ التمہید ابن عبد البر، جلد 18، صفحہ 127۔ ابن عبد البر آخر میں کہتے ہیں ان روایات کی اسناد ضعیف ہیں۔

نے کہا: فراء اس مفہوم کی طرف گئے ہیں من اصحاب الصراط السوی من لم یضل یعنی کون سیدھے راستے والے ہیں جو گمراہ نہیں ہوئے اور مَنِ اهْتَدٰى جو گمراہ ہوا پھر ہدایت پائی۔ یحییٰ بن یعمر، عاصم جحدری نے فسیعلمون من أصحاب الصراط السوّٰی پڑھا ہے، یعنی واو کی تشدید کے ساتھ اور اس کے بعد الف تانیث فعلی کے وزن پر بغیر ہمزہ کے۔ الصراط کی تانیث شاذ اور قلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ (الفاتحہ) اس آیت میں اور دوسری کئی آیات میں صراط مذکر آیا ہے۔ ابو حاتم نے اس کا رد کیا ہے فرمایا: اگر یہ السوء سے ہے تو السّوءی کہنا واجب ہے اگر یہ السواء سے ہو تو السِّیا سین کے کسرہ کے ساتھ، اس کی اصل السِّویا ہے۔ زمخشری نے کہا: السّواءِ بمعنی وسط اور عدل یا المستوی پڑھا گیا ہے۔ نحاس نے کہا: یحییٰ بن یعمر اور جحدری کی قرأت کا جواز یہ ہے کہ اصل السوءی ہو اور ساکن مانع نہیں گویا ہمزہ کو ضمہ سے بدلا گیا پھر ضمہ کو واو سے بدلا گیا جس طرح واو کو الف سے بدلا جاتا ہے جب اس کا ماقبل فتحہ ہو۔ والحمد للہ وحدہٗ۔

سورۃ الانبیاء

آیاتھا ۱۱۲ ۲۱ سورۃ الانبیاء مکیۃ ۷۳ رکوعاتھا ۷

تمام علماء کے نزدیک یہ مکی سورت ہے اس کی ایک سو بارہ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَ هُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۙ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝

''قریب آ گیا ہے لوگوں کے لیے ان کے (اعمال کے) حساب کا وقت اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ نہیں آتی ان کے پاس کوئی (تازہ) نصیحت ان کے رب کی طرف سے مگر یہ کہ وہ سنتے ہیں اس حال میں کہ وہ (لہو) لعب میں مگن ہوتے ہیں، غافل ہوتے ہیں ان کے دل اور (آپ کے خلاف) سرگوشیاں کرتے ہیں ظالم (وہ کہتے ہیں) کیا ہے یہ مگر ایک بشر تمہاری مانند تو کیا تم پیروی کرنے لگے ہو جادو کی حالانکہ تم دیکھ رہے ہو (کہ یہ تمہاری طرح بشر ہے)''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: سورۃ الکہف، مریم، طٰہٰ اور انبیاء پہلی سورتوں میں سے ہیں اور یہ میری پہلی یاد کی ہوئی سورتیں ہیں یعنی پہلے پہل یہ سورتیں حاصل کیں اور قرآن کو یاد کیا جیسے پرانا مال ہوتا ہے۔ روایت ہے کہ ایک شخص جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تھا وہ دیوار بناتا تھا اس سورت کے نزول کے دن اس کے پاس سے ایک اور شخص گزرا جو دیوار بنا رہا تھا اس نے پوچھا آج قرآن میں سے کیا نازل ہوا ہے؟ دوسرے نے کہا: یہ نازل ہوا ہے اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝ تو اس شخص نے اپنے ہاتھ سے اپنی عمارت کو توڑ دیا اور کہا: اللہ کی قسم! میں کبھی تعمیر نہیں کروں گا جبکہ حساب کا وقت قریب آ گیا ہے (1)۔ اِقْتَرَبَ یعنی وہ وقت قریب آ گیا ہے جس میں لوگوں کے اعمال کا حساب ہوگا۔ لِلنَّاسِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد مشرکین ہیں اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۙ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ بعض علماء نے فرمایا: الناس عام ہے اگرچہ اس وقت اس کا مشار الیہ کفار

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 73

قریش تھے۔ اس پر بعد والی آیات دلالت کرتی ہیں جس کو قیامت کے قرب کا علم ہو گیا اس کی امیدیں مختصر ہو گئیں اور توبہ کے ساتھ اس کا نفس پاک رہا۔ اور وہ دنیا کی طرف مائل نہ ہوا گویا جو موجود تھا جب وہ چلا گیا تو وہ تھا ہی نہیں۔ ہر آنے والا امر قریب ہے۔ موت لامحالہ آنے والی ہے۔ اور ہر انسان کی موت اس کے لیے قیامت کا قیام ہے اور قیامت قریب ہے۔ گزشتہ زمانہ کی نسبت سے جو زمانہ باقی ہے وہ گزرے ہوئے زمانہ سے کم ہے۔ ضحاک نے کہا: اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ کا معنی ہے عذابھم یعنی کفار مکہ کے عذاب کا وقت قریب آ گیا ہے کیونکہ انہوں نے عذاب کے وعدہ کی تکذیب کرتے ہوئے اسے دیر سے آنے والا سمجھا۔ ان کا قتل بدر کے دن تھا۔ نحاس نے کہا: کلام میں اقترب حسابھم للناس جائز نہیں تاکہ مظہر پر مضمر مقدم نہ ہو اور اس کے ساتھ تاخیر کی نیت کرنا بھی جائز نہیں۔

وَ هُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ۝ یہ مبتدا اور خبر ہیں۔ غیر قرآن میں حال کی بنا پر نصب بھی جائز ہے۔ اس میں دو وجہیں ہیں: (۱) وَ هُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ یعنی دنیا کی طرف متوجہ ہیں آخرت سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ (۲) حساب کے لیے تیار ہونے سے غافل ہیں اور اس سے غافل ہیں جو حضرت محمد ﷺ لے آئے ہیں۔ یہ واو سیبویہ کے نزدیک اذ کے معنی میں ہے اس کو نحوی واو حالیہ کہتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَّغْشٰى طَآىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَ طَآىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ (آل عمران:154)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ، محدث ذکر کی صفت ہے۔ کسائی اور فراء نے محدثاً بھی جائز قرار دیا ہے، بمعنی ما یاتیھم محدثاً نصب حال کی بنا پر ہے کیونکہ اگر تو مِنْ کو حذف کرے گا تو ذکر کو رفع دے گا یعنی مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ مراد نزول ہے اور جبرائیل کا حضرت محمد ﷺ پر تلاوت کرنا ہے، کیونکہ قرآن کی سورت کے بعد سورت اور آیت کے بعد آیت نازل ہوتی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ ایک وقت کے بعد دوسرے وقت میں اسے نازل کرتا تھا نہ کہ قرآن مخلوق ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: الذکر سے مراد وہ ہے جس کے ساتھ نبی پاک ﷺ انہیں نصیحت کرتے تھے اور وعظ کرتے تھے۔ اور فرمایا: مِّنْ رَّبِّهِمْ کیونکہ نبی کریم ﷺ صرف وحی کے ساتھ بولتے تھے پس نبی پاک ﷺ نے وعظ فرمایا اور آپ کا ڈرانا ذکر تھا اور وہ محدث تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ۝ (الغاشیہ) کہا جاتا ہے: فلان فی مجلس الذکر۔ یعنی وعظ کی مجلس میں ہے۔ بعض نے کہا: ذکر سے مراد نبی پاک ﷺ کی ذات گرامی ہے یہ حسین بن فضل کا قول ہے اور دلیل کلام کا سیاق ہے۔ هَلْ هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اگر ذکر سے مراد قرآن ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا: هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۝ (الانعام) اس تاویل کی دلیل یہ بھی ہے: يَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ۝ وَ مَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ۝ (القلم) ان دونوں آیتوں میں مراد محمد ﷺ کی ذات ہے۔ فرمایا: قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًاۙ۝ رَّسُوْلًا (الطلاق) اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ یعنی محمد ﷺ کو سنتے ہیں یا محمد ﷺ سے قرآن سنتے ہیں یا آپ کی امت سے قرآن سنتے ہیں۔ وَ هُمْ يَلْعَبُوْنَ واو حالیہ ہے اس پر دلیل لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ہے یلعبون کا معنی یلھون ہے بعض نے فرمایا: یشتغلون ہے اگر تاویل کو لہو پر محمول کیا جائے تو جس کے ساتھ وہ لہو کرتے تھے اس کے دو احتمال ہیں۔ (۱) اپنی لذات کے

ساتھ۔ (۲) جوان پر تلاوت کیا جاتا تھا ان کے سماع کے ساتھ۔ اگر اس کی تاویل کو الشغل پر محمول کیا جائے تو جس کے ساتھ وہ مشغول ہوتے تھے اس کے دو احتمال ہیں۔ (۱) دنیا کے ساتھ مشغول ہوتے تھے کیونکہ وہ لہو ولعب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ (محمد: 36) دنیوی زندگی لعب ولہو ہے۔ (۲) وہ اس پر اعتراض کرنے کے ساتھ مشغول ہوتے تھے۔ حسن نے کہا: جب ان کے لیے نیا ذکر آتا تو وہ اس میں غور فکر نہ کرتے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ قرآن کو استہزاء کرتے ہوئے سنتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ یعنی ان کے دل غافل ہوتے ہیں ذکر الٰہی سے اعراض کیے ہوئے ہوتے ہیں غور و تامل نہیں کرتے یہ عربوں کے قول لهيت عن ذكر الشئ سے مشتق ہے۔ جب تو کسی چیز کو ترک کر دے اور اس سے اعراض کرے۔ أَلْهَى لهيًا ولِهيَانًا، لَاهِيَةً۔ نعت ہے اسم سے مقدم ہے اور نعت کا حق یہ ہوتا ہے کہ تمام اعراب میں موصوف کے تابع ہو جب نعت اسم سے پہلے آجاتی ہے تو منصوب ہوتی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: خاشعة ابصارهم۔ وَ دَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا (الدہر: 14) لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ۔ شاعر نے کہا:

لِعَزَّةَ　مُوحِشًا　طَلَلٌ　يَلُوحُ　كَأَنَّهُ　خَلَلُ

مراد طلل موحش ہے۔ کسائی اور فراء نے لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ رفع کے ساتھ بھی جائز قرار دیا ہے، بمعنی قلوبهم لاهية۔ ان کے علاوہ علماء نے خبر کے بعد ہونے کی بنا پر رفع جائز قرار دیا ہے۔ اور مبتدا مضمر کی بنا پر رفع کو جائز قرار دیا ہے۔ کسائی نے کہا: یہ معنی بھی جائز ہے الا استمعوہ لاهية قلوبهم مگر وہ اسے سنتے ہیں جبکہ ان کے دل غافل ہوتے ہیں۔ وَ اَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وہ آپس میں اس کی تکذیب کے ساتھ سرگوشیاں کرتے ہیں پھر بیان فرمایا کہ وہ کون ہیں فرمایا: الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا جنہوں نے شرک کیا۔ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا، اَسَرُّوا کی واو سے بدل ہے جو الناس کی طرف راجع ہے، جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اس قول کی بنا پر النجوىٰ پر وقف جائز نہیں۔ مبرد نے کہا: یہ تیرے اس قول کی طرح ہے: ان الذين في الدار انطلقوا بنو عبد الله۔ بنو بدل ہے انطلقوا کی واو سے۔ بعض نے فرمایا: مذمت کی بنا پر مرفوع ہے یعنی هم الذين ظلموا بعض نے فرمایا: قول کے حذف کی بنا پر مرفوع ہے۔ تقدیر یوں ہے: يقول الذين ظلموا قول کو حذف کیا گیا جیسے: اَلْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ (الرعد) اس قول کو نحاس نے اختیار کیا ہے۔ فرمایا: اس جواب کی صحت پر دلیل اس کے بعد والی کلام هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ یہ اعنی مضمر کی بنا پر منصوب ہے اعني الذين ظلموا۔ فراء نے اس کا مجرور ہونا بھی جائز قرار دیا ہے۔ اس معنی کی بناء پر اقترب للناس الذين ظلموا حسابهم اس ترکیب کی بنا پر النجوىٰ پر وقف جائز نہ ہوگا اور اس سے پہلے تین صورتوں میں وقف جائز ہوگا۔ یہ پانچ اقوال ہیں۔ اخفش نے، اكلوني البراغيث کہنے والوں کی لغت پر رفع کو جائز قرار دیا ہے۔ یہ حسن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ عَمُوْا وَ صَمُّوْا كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ (المائدہ: 71) اسی طرح شاعر نے کہا:

بك نال النِّضالُ دون المساعي　فاهتدَيْنَ　النِّبالُ　للأغراض

ایک اور نے کہا:

ولکن دیافِیّ أبوہ وأمُّہ بحوران یَعصِرنَ السَّلِیطَ أقارِبُہ

کسائی نے کہا: اس میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اس کا مجاز یہ ہے: والذین ظلموا اسروا النجوی۔ ابوعبیدہ نے کہا: اسروا یہاں اضداد میں سے ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے اپنی کلام کو مخفی کیا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے کلام کو ظاہر کیا ہو اور اعلانیہ کہا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ انہوں نے آپس میں سرگوشی کی۔ کہنے لگے: یہ ذکر جو رسول ہے یا یہ جو تم کو بلاتا ہے نہیں ہے مگر تمہاری مثل بشر، وہ تم سے کسی چیز میں ممتاز نہیں ہے وہ کھانا کھاتا ہے، بازاروں میں چلتا ہے جیسا تم کرتے ہو اور انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ان کی طرف بشر کے علاوہ بھیجنا جائز ہی نہیں ہے تا کہ وہ اس کی بات کو سمجھ سکیں اور وہ انہیں تعلیم دے۔ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ یعنی جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں وہ جادو ہے پھر تم کیوں اس کے پاس آتے ہو اور اس کی پیروی کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سرگوشیوں پر اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کر دیا۔ السحر لغت میں ہر بناوٹی چیز کو سحر کہتے ہیں جس کی حقیقت واضح نہ ہو۔ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ بعض علماء نے اس کا معنی کیا ہے کہ تم دیکھ رہے ہو کہ وہ تمہاری مثل انسان ہے۔ وانتم تعقلون اس کی مثال ہے کیونکہ عقل اشیاء کو دیکھنا ہے۔ بعض نے کہا: اس کا معنی ہے کیا تم جادو کو قبول کرتے ہو جبکہ تم جانتے ہو کہ یہ جادو ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے کیا تم باطل کی طرف لوٹتے ہو جبکہ تم حق کو پہچانتے ہو۔ کلام کے معنی میں توبیخ ہے۔

قٰلَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ٘ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلْیَاْتِنَا بِاٰیَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ یُؤْمِنُوْنَ ۝

"(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا: میرا رب جانتا ہے جو بات کہی جاتی ہے آسمان اور زمین میں اور وہی ہر بات سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ وہ کہتے ہیں: بلکہ یہ پریشان خواب ہیں (نہیں) بلکہ اس نے خود گھڑا ہے اسے (نہیں) بلکہ وہ شاعر ہے (اگر وہ سچا نبی ہے) تو لے آئے ہمارے پاس کوئی نشانی جس طرح بھیجے گئے تھے پہلے انبیاء۔ نہیں ایمان لائی ان سے پہلے کوئی بستی جسے ہم نے تباہ کیا تھا تو کیا اب یہ لوگ ایمان نہیں لے آئیں گے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قٰلَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ یعنی آسمان اور زمین میں جو بات کہی جاتی ہے اس پر مخفی نہیں ہوتی۔ اہل کوفہ کے مصاحف میں قال رب یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: میرا رب قول کو جانتا ہے یعنی وہ جانتا ہے جو تم سرگوشیاں کرتے ہو۔ بعض علماء نے کہا: پہلی قرأت قٰلَ رَبِّیْ اولیٰ ہے کیونکہ انہوں نے اپنی بات کو چھپایا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے نبی پر ظاہر کر دیا اور اسے کہنے کو کہا۔ نحاس نے کہا: دونوں قرأتیں صحیح ہیں اور یہ دو آیتوں کے قائم مقام ہیں ان میں فائدہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ، زجاج نے کہا: انہوں نے کہا جو آپ لائے ہیں وہ پریشان خواب ہیں۔ اور دوسرے علماء نے کہا: انہوں نے کہا وہ ملی جلی باتیں ہیں جیسے پریشان خواب ہوتے ہیں، یعنی ڈراونی چیزیں جو آپ خواب میں دیکھتے ہیں؛ یہ معانی مجاہد اور قتادہ نے بیان کیے ہیں، اسی طرح شاعر کا قول ہے:

كَضِغْثِ حُلْمٍ غُرَّ مِنْهُ حَالِمُهُ

قتبی نے کہا: اس سے مراد جھوٹے خواب ہیں؛ شاعر کا قول ہے:

أحاديثُ طسْم أو سرابٌ بفدفدٍ ترقرقُ للسّاري وأضغاثُ حالمِ

یزیدی نے کہا: الاضغاث اس خواب کو کہتے ہیں جس کی کوئی تعبیر نہ ہو؛ یہ مفہوم سورۂ یوسف میں گزر چکا ہے۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ معاملہ اس طرح کا نہیں ہے جس طرح انہوں نے کہا ہے تو وہ اس بات کو چھوڑ کر کہنے لگے: بَلِ افْتَرٰىهُ بلکہ انہوں نے خود گھڑا ہے، پھر اس کو چھوڑ کر کہنے لگے: بَلْ هُوَ شَاعِرٌ بلکہ نہیں وہ تو شاعر ہے یعنی وہ متحیر ہیں کسی ایک بات پر ٹھہرتے نہیں، کبھی کہا: جادو ہے، کبھی کہا: یہ پریشان خواب ہیں، کبھی کہا: یہ خود گھڑا ہے۔ ایک فریق نے کہا: یہ شاعر ہے۔ الافتراء کا معنی گھڑنا ہے۔ اس کا مفہوم پہلے گزر چکا ہے۔ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ۝ یعنی تم بھی اسی طرح کوئی نشانی لاؤ جیسی پہلے رسول لائے تھے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام عصا وغیرہ معجزات لائے تھے اور جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی۔ اور وہ جانتے تھے کہ قرآن جادو نہیں ہے اور نہ خواب ہے لیکن انہوں نے کہا: مناسب ہے کہ وہ ایسی نشانی لے آئیں جو تم تجویز کرو جبکہ ایک آیت دیکھنے کے بعد ان کے لیے تجویز نہ تھی نیز وہ آیت پر ایمان نہیں لائے تھے یہ اس کی جنس سے تھی جس کو وہ لوگوں سے زیادہ جانتے تھے اور اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہ تھی تو پھر وہ کسی دوسری نشانی پر کیسے ایمان لے آئیں گے؟ اگر وہ مادرزاد اندھے کو بینا کر دے اور کوڑھی کے مریض کو درست کر دے تو کہیں گے: یہ باب الطب سے ہے یہ ہماری شان نہیں کہ ان کی ہر بات کو پورا کرتے رہیں۔ ان کا سوال ہٹ دھرمی اور تعصب کی بنا پر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی نشانیاں دکھائی تھیں جن میں کفایت ہے اور اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اگر وہ ایمان لے آتے تو جو وہ سوال کرتے ہم انہیں عطا فرماتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۝ (الانفال)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہے اور فرعون کی قوم ہے۔ اَهْلَكْنٰهَا یعنی ہمارے علم میں ان کی ہلاکت تھی۔ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ۝ وہ تصدیق کرتے ہیں یعنی وہ آیات پر ایمان نہ لائے تو انہیں جڑ سے اکھیڑ دیا گیا اگر یہ بھی آیات دیکھ لیں گے جو یہ تجویز کرتے ہیں پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ ان کے متعلق فیصلہ ہو چکا ہے کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ان کے عقاب کو موخر کیا کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ ان کی صلبوں میں ایمان والے ہیں اور مِّنْ قَرْيَةٍ میں من زائدہ ہے جیسے اس ارشاد میں زائدہ ہے، فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ۝ (الحاقہ)

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا

تَعْلَمُوْنَ ۝ وَ مَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ مَا كَانُوْا خٰلِدِیْنَ ۝ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَیْنٰهُمْ وَ مَنْ نَّشَآءُ وَ اَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِیْنَ ۝ لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

''اور نہیں رسول بنا کر بھیجا ہم نے (اے حبیب!) آپ سے پہلے مگر مردوں کو ہم نے وحی بھیجی ان کی طرف پس (اے منکرو!) پوچھو اہل علم سے اگر تم (خود حقیقت حال کو) نہیں جانتے۔ اور نہیں بنائے ہم نے انبیاء کے (ایسے) جسم کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ ہی وہ (اس دنیا میں) ہمیشہ رہنے والے تھے۔ پھر ہم نے سچا کر دکھایا انہیں (جو) وعدہ (ہم نے ان سے کیا تھا) پس ہم نے نجات دی انہیں اور ان لوگوں کو جن کو ہم نے (بچانا) چاہا اور ہم نے ہلاک کر دیا حد سے بڑھنے والوں کو۔ بیشک ہم نے اُتاری تمہاری طرف کتاب جس میں تمہارے لیے نصیحت ہے، کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ یہ ان پر رد ہے جو انہوں نے کہا تھا: هَلْ هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اپنے نبی کو تسلی دی یعنی ہم نے آپ سے پہلے رسول بنا کر نہیں بھیجا مگر مردوں کو۔ فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اس سے مراد اہل تورات اور انجیل ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے؛ یہ سفیان کا قول ہے۔ اس کو اہل ذکر کہا ہے کیونکہ وہ انبیاء کی خبروں کا ذکر کرتے تھے جن کو عرب نہیں جانتے تھے کفار قریش حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ کو اہل کتاب کی طرف لوٹاتے تھے۔ ابن زید نے کہا: الذکر سے مراد قرآن ہے، یعنی اہل قرآن میں سے جاننے والے مومنین سے پوچھو۔ جابر جعفی نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اہل ذکر ہیں۔ تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ رسل، بشر ہی تھے معنی یہ ہے انکار کے ساتھ اور اپنے قول کہ مناسب ہے کہ رسول ملائکہ سے ہوتے آغاز نہ کرو بلکہ تم مومنین سے مناظرہ کرو تا کہ وہ تمہیں بیان کریں کہ انسانوں سے رسول ہونا جائز ہے۔ فرشتے کو رجلا نہیں کہا جاتا کیونکہ رجل کا لفظ اس پر واقع ہوتا ہے جس کی لفظ سے ضد ہو جیسے تو کہتا ہے: رجل وامراۃ۔ رجل وصبی۔ اِلَّا رِجَالًا کا قول کہ بنی آدم سے مرد تھے۔ حفص اور کسائی نے نُوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ پڑھا ہے۔

مسئلہ: علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ عام لوگوں پر لازم ہے کہ وہ علماء کی تقلید کریں اور فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ سے علماء مراد ہیں۔ اور علماء کا اجماع ہے کہ نابینا شخص اس کی تقلید کرے جس پر وثوق ہو قبلہ کی تمیز کرنے میں جب اس پر قبلہ تلاش کرنا مشکل ہو جائے۔ اسی طرح وہ شخص جس کو علم نہیں تو وہ علماء کی تقلید کرے۔ اسی طرح علماء کا اختلاف نہیں ہے کہ عام لوگوں کو فتویٰ دینا جائز نہیں کیونکہ وہ ان معانی سے ناواقف ہوتے ہیں جن سے حرمت وحلت جائز ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ ھم ضمیر کا مرجع انبیاء ہیں یعنی ہم نے آپ سے پہلے ایسے رسل نہیں بنائے جو بشری طبائع سے خارج ہوں اور وہ کھانے، پینے کے محتاج نہ ہوں۔ وَ مَا كَانُوْا خٰلِدِیْنَ ۝ وہ فوت نہ ہوں گے۔ یہ ان کے قول کا جواب ہے: هَلْ هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اور ان کے اس قول کا جواب ہے جو انہوں نے کہا: مَالِ

هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ (الفرقان: 7)۔ جَسَدًا، اسم جنس ہے اسی لیے اجساد نہیں فرمایا۔ بعض علماء نے فرمایا: اجساداً نہیں فرمایا کیونکہ وماجعلنا کل واحدٍ منهم جسد أمرادلیا ہے۔ الجسد بدن کو کہتے ہیں؛ اسی سے ہے تجسد جس طرح توجسم سے تجسم کہتا ہے۔ الجسد، زعفران اور اس جیسے رنگ کو بھی کہتے ہیں، خون کو بھی کہتے ہیں: نابغہ نے کہا:

وما هُرِيقَ على الأنصاب من جَسَدٍ

کلبی نے کہا: الجسد سے مراد وہ جسد والا ہے جس میں روح ہو، کھاتا پیتا ہو، اس قول کی بنا پر جو کھاتا پیتا نہ ہو وہ جسم ہوگا۔ مجاہد نے کہا: جسد سے مراد وہ ہے جو نہ کھاتا ہو نہ پیتا ہو اس قول کی بنا پر جو کھاتا پیتا ہو وہ نفس ہوگا؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ هم ضمیر کا مرجع انبیاء ہیں یعنی ہم نے ان کو نجات دینے، ان کی مدد کرنے اور ان کو جھٹلانے والوں کو ہلاک کرنے کا وعدہ سچا کیا۔ وَ مَنْ نَّشَآءُ یعنی جنہوں نے انبیاء کی تصدیق کی۔ وَ اَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝ ہم نے مشرکوں کو ہلاک کردیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا یعنی قرآن ہم نے تمہاری طرف نازل کیا۔ فِيْهِ ذِكْرُكُمْ متبدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ جملہ محل نصب میں ہے کیونکہ کتاب کی نعت ہے۔ یہاں ذکر سے مراد شرف ہے یعنی تمہارے لیے قرآن میں شرف ہے جیسے: وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ (الزخرف: 44) پھر اس استفہام کے ذریعے انہیں متنبہ کیا جن کا معنی توقیف ہے فرمایا: اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ بعض علماء نے فرمایا: فِيْهِ ذِكْرُكُمْ کا مطلب ہے تمہارے دین کے امر کا ذکر ہے تمہاری شریعت کے اس میں احکام ہیں اور اس میں ثواب اور عقاب کا ذکر ہے جس کی طرف تم نے لوٹنا ہے کیا تم غور نہیں کرتے ان چیزوں میں جو ہم نے ذکر کی ہیں۔ مجاہد نے کہا: فِيْهِ ذِكْرُكُمْ کا مطلب ہے اس میں تمہاری بات ہے۔ بعض نے فرمایا: تمہارے مکارم اخلاق کا ذکر ہے تمہارے اعمال کے محاسن کا ذکر ہے۔ سہل بن عبد اللہ نے کہا: اس میں وہ عمل ہے جس میں تمہاری زندگی ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ تمام اقوال ہم معنی ہیں۔ پہلا قول عام ہے کیونکہ یہ سراپا شرف ہے یہ کتاب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شرف ہے کیونکہ یہ آپ کا معجزہ ہے، یہ ہمارے لیے شرف ہے اگر ہم اس کے احکام کے مطابق عمل کریں اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: القرآن حجة لك اوعليك۔ قرآن تیرے لیے حجت ہے یا تیرے خلاف حجت ہے۔

وَ كَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّ اَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ فَلَمَّاۤ اَحَسُّوْا بَاْسَنَاۤ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۝ لَا تَرْكُضُوْا وَ ارْجِعُوْۤا اِلٰى مَاۤ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَ مَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ۝

''اور کتنی بستیاں ہم نے برباد کردیں (کیونکہ) وہ ظالم تھیں اور ہم نے پیدا فرمادی ان (کی بربادی) کے بعد ایک دوسری قوم۔ پس جب انہوں نے محسوس کیا ہمارا عذاب تو فوراً انہوں نے وہاں سے بھاگنا شروع کردیا۔

اب مت بھاگو اور واپس لوٹو ان آسائشوں کی طرف جو تمہیں دی گئی تھیں اور (لوٹو) اپنے مکانوں کی طرف تا کہ تم سے باز پرس کی جائے۔ کہنے لگے: وائے شومیٔ قسمت! ہم ہی ظالم تھے۔ پس یونہی شور و پکار کرتے رہے یہاں تک کہ ہم نے انہیں کٹے ہوئے کھیت (اور) بجھے ہوئے (انگاروں) کی طرح کر دیا"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً قریۃ سے مراد وہ شہر ہیں جو یمن میں تھے۔ اہل تفسیر اور مؤرخین نے کہا: اس سے مراد اہل حضور ہیں۔ یہ قوم وہ تھی جن کی طرف ایک نبی کو مبعوث کیا گیا تھا جس کا نام شعیب بن ذی مہدم تھا اور اس شعیب نبی کی قبر یمن میں ایک پہاڑ کے پاس ہے جس کو ضنن کہا جاتا ہے اس میں کثیر نمک ہے۔ یہ شعیب صاحب مدین نہیں ہیں کیونکہ حضور کا قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدت سے پہلے کا ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی مدت سے دو سو سال بعد ہوا ہے۔ ان لوگوں نے اپنے نبی کو قتل کیا تھا اور اصحاب الرس نے اسی تاریخ میں اپنے نبی کو قتل کیا تھا ان کا نام حنظلہ بن صفوان تھا۔ حضور شہر حجاز کی زمین شام کی طرف میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارمیا کی طرف وحی کی کہ بخت نصر کے پاس جاؤ اور اسے بتاؤ کہ میں نے اسے عرب کی زمین پر تسلط بخشا ہے اور میں تیرے ذریعے ان سے انتقام لینے والا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارمیان کی طرف وحی کی کہ معد بن عدنان کو براق پر سوار کر کے عراق کی زمین کی طرف بھیج تا کہ اسے ان کے ساتھ عذاب اور مصیبت نہ پہنچے کیونکہ میں اس کی صلب سے نبی آخر الزماں کو نکالنے والا ہوں جس کا نام محمد ہے۔ معد کو ارمیا نے سوار کیا جبکہ وہ بارہ سال کا تھا۔ معد، بنی اسرائیل کے ساتھ رہا یہاں تک کہ وہ بڑا ہوا اور ایک عورت سے نکاح کیا جس کا نام عانہ تھا۔ پھر بخت نصر لشکروں کو لے کر گیا اور عربوں کے لیے کمین گاہیں بنائیں یہ پہلا شخص تھا جس نے کمین گاہیں بنائی تھیں۔ پھر اس نے اہل حضور پر کئی حملے کیے انہیں قتل کیا اور بعض کو قیدی بنایا اور آبادیوں کو خراب کیا اس نے حضور شہر کا نام و نشان مٹا دیا پھر وہ السواد ا کی طرف لوٹا۔ كَمْ، قَصَمْنَا کی وجہ سے منصوب ہے۔ القصم کا معنی توڑ پھوڑ کرنا ہے، کہا جاتا ہے: قصمت ظهر فلان۔ فلاں کی پیٹھ میں نے توڑ دی۔ انقصمت سنة اس کا دانت ٹوٹ گیا۔ یہاں القصم کا معنی ہلاک کرنا ہے۔ الفصم (فاء) کسی چیز میں ایسی پھٹن جو واضح نہ ہو۔ شاعر نے کہا:

كأنه دُمْلُجٌ من فِضَّةٍ نَبَهٌ ... فی مَلْعَبٍ من عَذَارَى الحيّ مَفْصُومُ

اسی سے حدیث ہے: فيفصم عنه وإن جبينه ليتفصد عرقاً (1) جب آپ سے وحی ختم ہوئی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہہ نکلتا تھا۔

كَانَتْ ظَالِمَةً یعنی اس شہر والے کافر تھے۔ الظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے مقام پر نہ رکھنا۔ انہوں نے کفر کو ایمان کی جگہ رکھا۔ وَّ اَنْشَاْنَا یعنی ہم نے ان کو ہلاک کرنے کے بعد قَوْمًا اٰخَرِيْنَ۝ دوسری قوم کو پیدا کیا۔ فَلَمَّاۤ اَحَسُّوْا جب انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کیا۔ کہا جاتا ہے: أحسست منه ضعفاً۔ میں نے اس سے کمزوری محسوس کی۔ اخفش نے کہا: اَحَسُّوْا کا معنی ہے خافوا وتوقعوا خوف کھایا اور توقع کی۔ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ۝ یعنی وہ بھاگ رہے تھے۔ الرکض کا

1۔ مسند امام احمد حدیث نمبر 26198۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، حدیث عائشہ 2

معنی ہے تیزی سے دوڑنا۔ الرکض کا معنی ہے پاؤں کو حرکت دینا، اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ (ص: 42) رکضت الفرس برجلی یعنی میں نے گھوڑے کو دوڑنے پر ابھارا۔ پھر یہ کثرت سے استعمال ہونے لگا حتیٰ کہ بعض نے کہا: رکض الفرس جب گھوڑا دوڑتا۔ یہ اصل نہیں ہے درست یہ ہے کہ رُکض الفرس ہو گھوڑا دوڑایا گیا۔ فھو مرکوض۔ لَا تَرْكُضُوْا یعنی نہ بھاگو۔

وَارْجِعُوْۤا اِلٰى مَاۤ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ یعنی تم ان نعمتوں کی طرف لوٹو جو تمہارے تکبر و غرور کا سبب تھیں۔ المترف جس پر انعام کیا گیا ہو۔ کہا جاتا ہے: اترف علی فلان یعنی معیشت میں اسے خوشحالی دی گی ہے۔ انما اترفھم اللہ عزوجل۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں خوشحالی دی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (المومنون: 33) ہم نے دنیوی زندگی میں انہیں خوشحالی دی۔ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ۝ تاکہ تم سے دنیا کی کسی چیز کا سوال کیا جائے: یہ ان سے استہزاء کیا گیا؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ کس وجہ سے تمہیں یہ سزا دی گئی پھر تم اس کے متعلق خبر دو؟ بعض نے فرمایا: لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ۝ تاکہ تم سے ایمان لانے کا سوال کیا جائے جیسا کہ تم پر عذاب کے نزول سے پہلے یہ سوال کیا گیا تھا ان کو یہ استہزاء، تقریع اور توبیخ کے لیے کہا جائے گا۔ قَالُوْا يٰوَيْلَنَاۤ جب ملائکہ نے انہیں کہا: بھاگو مت اور کہا: انبیاء کا بدلہ ہے۔ انہوں نے کلام کرتے ہوئے کوئی شخص نہ دیکھا (جبکہ یہ آواز آرہی تھی) تو وہ جان گئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے دشمن کو مسلط کر دیا ہے کیونکہ انہوں نے انبیاء کو قتل کیا ہے جو ان کی طرف مبعوث کیے گئے تھے۔ اس وقت ان لوگوں نے کہا: يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ انہوں نے ظالم ہونے کا اعتراف اس وقت کیا جب ان کا اعتراف نفع بخش نہ تھا۔ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ وہ ہمیشہ یہ کہتے رہے: يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ شومیٔ قسمت! ہم ہی ظالم تھے۔ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا تلواروں کے ساتھ انہیں اس طرح کاٹ دیا جس طرح کھیتی درانتی کے ساتھ کاٹی جاتی ہے، یہ مجاہد کا قول ہے۔ حسن نے کہا: عذاب کے ساتھ ہم نے انہیں کاٹ دیا۔ خٰمِدِيْنَ ۝ مردہ تھے۔ الخمود کا معنی ہے آگ کی طرح بجھ جانا۔ زندگی کے بجھ جانے کو آگ کے بجھ جانے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جیسے کہا جاتا ہے جو مر جاتا ہے: قد طفیٔ آگ کے بجھ جانے کیساتھ تشبیہ دیا گیا ہے۔

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ لَوْ اَرَدْنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّا تَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّاۤ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ وَ لَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ۝

''اور نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے دل لگی کرتے ہوئے۔ اگر ہمیں یہی منظور ہوتا کہ ہم (اس کائنات کو) کھیل تماشا بنائیں تو ہم بنا لیتے اسے خود بخود (ہمیں کون روک سکتا تھا) مگر ہم ایسا کرنے والے نہیں ہیں۔ بلکہ ہم تو چوٹ لگاتے ہیں حق سے باطل پر بس وہ اسے کچل دیتا ہے اور وہ یکایک ناپید ہو جاتا ہے اور (اے باطل پرستو!) تمہارے لیے ہلاکت ہے ان (نازیبا) باتوں کے باعث جو تم بیان کرتے ہو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ یعنی ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو

کچھ ان کے اندر ہے اسے عبث اور باطل نہیں بنایا بلکہ اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے کہ ان کا خالق اور قادر ہے جس کے امر کی پیروی لازم ہے وہ مجرم اور نیک کام کرنے والے کو بدلہ دے گا یعنی ہم نے آسمان اور زمین کو پیدا اس لیے نہیں کیا کہ لوگ ایک دوسرے پر ظلم کریں اور انکار کریں اور جو انہیں حکم دیا گیا ہے اس کی مخالفت کریں پھر مر جائیں اور انہیں جزا نہ دی جائے اور وہ دنیا میں نیکی کا حکم نہ دیں اور بری چیز سے منع نہ کریں۔ یہ لعب ہے جس سے حکیم کی نفی کی گئی ہے اور اس کی ضد حکمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَوْ اَرَدْنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا جب ایک قوم نے یہ عقیدہ رکھا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَرَدْنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا، اللهو سے مراد یمنی لغت میں عورت ہے، یہ قتادہ کا قول ہے۔ عقبہ بن ابی جسرہ نے کہا: طاؤس، عطا اور مجاہد ان سے لَوْ اَرَدْنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا کے متعلق پوچھنے کے لیے آئے تو انہوں نے فرمایا: اللهو سے مراد زوجہ ہے؛ یہ حسن کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللهو سے مراد بچے ہیں؛ حسن کا یہ بھی قول ہے۔ جوہری نے کہا: اللهو جماع سے کنایہ ہے۔

میں کہتا ہوں امرء القیس کا قول ہے:

أَلَا زَعمتْ بَسْبَاسَةُ اليومَ أَنَّنِي كَبِرتُ وَأَلَّا يُحْسِنَ اللَّهْوَ أَمثالِي

جماع کو لہو کہا جاتا ہے کیونکہ یہ دل کو غافل کرنے کا عمل ہے، جیسے شاعر نے کہا:

فِيهِنَّ مَلْهًى لِلصَّدِيقِ وَمَنْظَرُ

جوہری نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَوْ اَرَدْنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا سے مراد عورت ہے۔ کہا جاتا ہے: ولداً یعنی بچہ۔ لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّاۤ یعنی ہم اپنی طرف سے نہ کہ تمہاری طرف سے۔ ابن جریج نے کہا: اہل سماء کی طرف سے نہ اہل زمین کی طرف سے۔ بعض نے فرمایا: یہ ان کا رد ہے جنہوں نے کہا کہ بت اللہ کی بیٹیاں ہیں یعنی تمہارا گھڑا ہوا بت ہماری اولاد کیسے ہو سکتا ہے۔ ابن قتیبہ نے کہا: یہ آیت نصاریٰ کا رد ہے۔ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ۝ قتادہ، مقاتل، ابن جریج اور حسن نے کہا: اس کا معنی ہے ہم ایسا کرنے والے نہیں جیسے: اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ۝ (فاطر) یعنی تو نہیں ہے مگر ڈرانے والا۔ اِنْ نفی کے معنی میں ہے۔ لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّاۤ پر کلام مکمل ہوئی۔ بعض نے فرمایا: یہ شرط کے معنی پر ہے یعنی اگر ہم ایسا کرنے والے ہوتے لیکن ہم ایسا کرنے والے نہیں کیونکہ ہمارے لیے اولاد ہونا محال ہے کیونکہ اگر یہ ہوتا تو ہم جنت، دوزخ، موت، بعث، حساب پیدا نہ کرتے۔ بعض علماء نے فرمایا: اگر ہم کسی کو متبنیٰ بناتے تو ہم ملائکہ میں سے بناتے۔ اس کی طرف ایک قوم کا رجحان ہے کیونکہ ارادہ متبنیٰ کے ساتھ متعلق ہے رہا اولاد بنانا تو یہ محال ہے۔ ارادہ مستحیل کے متعلق نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ، القذف کا معنی ہے پھینکنا، یعنی ہم حق کو باطل پر مارتے ہیں۔ فَيَدْمَغُهٗ تو وہ اسے ہلاک کر دیتا ہے۔ الدمغ سر کے زخم کو کہتے ہیں۔ یہاں الحق سے مراد قرآن ہے اور باطل سے مراد شیطان ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: باطل وہ جو اللہ تعالیٰ کی صفات کے علاوہ صفات کرتے تھے۔ (مثلاً یہ کہ) اس کا بیٹا تو ان کی اللہ تعالیٰ نے تکذیب کی۔ بعض نے فرمایا: الحق سے مراد حجت ہے۔ باطل سے مراد ان کے شبہات ہیں۔ بعض نے فرمایا:

الحق سے مراد مواعظ ہیں۔ باطل سے مراد معاصی ہیں۔ یہ معانی قریب قریب ہیں۔ قرآن حجت اور مواعظ کو متضمن ہے۔ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ یعنی باطل ہلاک ہونے والا ہے اور تلف ہونے والا ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ وَلَكُمُ الْوَيْلُ یعنی تمہارے لیے آخرت میں عذاب ہے کیونکہ تم نے رب کے لیے ایسی صفات بیان کیں جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الْوَيْلُ جہنم میں ایک وادی ہے، یہ پہلے گزر چکا ہے۔ مِمَّا تَصِفُوْنَ ۞ جو وہ جھوٹ بولتے ہیں؛ یہ قتادہ اور مجاہد سے مروی ہے۔ اس کی مثال: سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ (الانعام: 139) یعنی اس کے جھوٹ کی انہیں جزا دے گا۔ بعض نے فرمایا: وہ اللہ کی ایسی صفات بیان کرتے ہیں جو محال ہیں، مثلاً ان کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنایا ہے۔

وَ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ مَنْ عِنْدَهٗ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ لَا یَسْتَحْسِرُوْنَ ۞ یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ ۞ اَمِ اتَّخَذُوْۤا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ یُنْشِرُوْنَ ۞

''اور اس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو (فرشتے) اس کے نزدیک ہیں وہ ذرا سرکشی نہیں کرتے اس کی عبادت سے اور نہ ہی وہ تھکتے ہیں۔ وہ (اس کی) پاکی بیان کرتے رہتے ہیں رات، دن اور وہ اکتاتے نہیں۔ کیا بنالیے ہیں انہوں نے خدا (اہل) زمین سے جو مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ہر چیز اس کی ملک اور تخلیق ہے پھر جو اس کا عبد اور خلق ہے اس کا غیر ہونا کیسے جائز ہے۔ وَ مَنْ عِنْدَهٗ یعنی وہ ملائکہ جن کا تم ذکر کرتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ وہ سرکشی نہیں کرتے اس کی اطاعت سے۔ وَ لَا یَسْتَحْسِرُوْنَ ۞ نہ وہ تھکتے ہیں؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ یہ الحسیر سے ماخوذ ہے وہ اونٹ جو تھکنے کی وجہ سے جدا ہو جائے۔ کہا جاتا ہے: حسر البعیر یحسر حسوراً اونٹ تھک گیا۔ استحسر اور تحسر ہم مثل ہیں حسرته أنا حسراً کبھی متعدی ہوتا ہے اور کبھی متعدی نہیں ہوتا۔ أحسرته ایضا فهو حسیر۔ ابن زید نے کہا: اس کا معنی ہے وہ اکتاتے نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ عار نہیں سمجھتے۔ ابو زید نے کہا: وہ تھکتے نہیں۔ بعض نے فرمایا: وہ کمزور نہیں ہوتے؛ یہ ابن اعرابی نے ذکر کیا ہے۔ تمام کا مفہوم ایک ہی ہے۔ یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ یعنی وہ ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں اور اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ لَا یَفْتُرُوْنَ یعنی وہ کمزور نہیں پڑتے اور اکتاتے نہیں انہیں تسبیح و تقدیس الہام کی جاتی ہے جس طرح نفس الہام کیے جاتے ہیں۔ عبد اللہ بن حرث نے کہا: میں نے کعب سے پوچھا میں نے کہا: کیا کبھی تسبیح سے انکا اعراض بھی ہوتا ہے؟ کسی اور چیز میں بھی مشغول ہوتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: یہ کون ہے؟ میں نے کہا: بنی عبد المطلب سے ہوں۔ تو انہوں نے مجھے گلے لگالیا اور کہا: اے میرے بھتیجے! کیا سانس سے کبھی تجھے کوئی چیز غافل کرتی ہے؟ تسبیح ان کے لیے سانس کی طرح ہے۔ اس آیت سے ان علماء نے استدلال کیا ہے جنہوں نے کہا ہے کہ ملائکہ، بنی آدم سے افضل ہیں۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ الحمد للہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَمِ اتَّخَذُوْۤا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ یُنْشِرُوْنَ ۞ مفضل نے کہا: اس استفہام سے مقصود انکار

ہے یعنی انہوں نے اہل زمین سے ایسے خدا نہیں بنائے جو زندہ کرنے پر قادر ہوں۔ بعض علماء نے فرمایا: اَمْ بمعنی ھل ہے یعنی کیا ان مشرکوں نے اہل زمین سے ایسے خدا بنالیے ہیں جو مردوں کو زندہ کرتے ہیں۔ اَمْ یہاں بل کے معنی میں نہ ہوگا کیونکہ یہ ان کے لیے مردوں کو پیدا کرنے کا موجب ہے مگر یہ کہ اَمْ کو استفہام کے ساتھ مقدر کیا جائے۔ پس اَمْ منقطعہ ہوگا، پس یہ معنی صحیح ہوگا؛ یہ مبرد کا قول ہے۔ بعض نے کہا: اَمْ معنی پر معطوف ہے یعنی کیا ہم نے زمین اور آسمان کو کھیل بنایا یا یہ جو انہوں نے ہماری طرف منسوب کیا ہے ان کے لیے کوئی شبہ کا مقام ہے یا کیا جو اہل زمین سے خدا بنائے ہیں مردوں کو زندہ کرتے ہیں کیا انہیں کوئی شبہ ہے؟ بعض علماء نے فرمایا: لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۠ پھر معاتبہ کے ساتھ اس پر عطف کیا ہے۔ ان دونوں تاویلوں پر اَمْ متصل ہوگا۔ جمہور نے یُنْشِرُوْنَ یا کے ضمہ اور شین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ أنشر الله الميت، فنشر سے مشتق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کیا تو وہ زندہ ہوگیا۔ حسن نے یا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی وہ زندہ ہوتے ہیں اور مرتے نہیں۔

لَوْ كَانَ فِیْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْـَٔلُوْنَ ۝ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ وَ ذِكْرُ مَنْ قَبْلِیْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝

''اگر ہوتے زمین و آسمان میں کوئی اور خدا سوائے اللہ تعالیٰ کے تو یہ دونوں برباد ہو جاتے پس پاک ہے اللہ تعالیٰ جو عرش کا رب ہے ان تمام نازیبا باتوں سے جو وہ کرتے ہیں۔ نہیں پرسش کی جاسکتی اس کام کے متعلق جو وہ کرتا ہے اور ان (تمام سے) باز پرس ہوگی۔ کیا انہوں نے بنالیے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود، (اے حبیب!) آپ (انہیں) فرمایئے: پیش کرو اپنی دلیل یہ قرآن جو نصیحت ہے میرے ساتھ والوں کے لیے اور دوسری کتب جو نصیحت ہیں میرے پیشرووں کے لیے (سب موجود ہیں ان کا کوئی حوالہ دو) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر حق کو نہیں جانتے اس لیے وہ (اس سے) منہ پھیرے ہوئے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَوْ كَانَ فِیْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا اللہ تعالیٰ کے سوا آسمانوں اور زمین میں اور معبود ہوتے تو یہ دونوں برباد ہو جاتے۔ کسائی اور سیبویہ نے کہا: الا بمعنی غیر ہے جب الا بمعنی غیر ہوتا ہے تو اس کے بعد والے اسم کو غیر کے اعراب کے ساتھ اعراب دیا جاتا ہے، جیسا شاعر کا قول ہے:

وكلُّ　أخٍ　مفارقُه　أخوهُ　لعَمْرُ　أبيكَ　إلّا　الفَرْقدانِ

سیبویہ نے حکایت کیا ہے: لوكان معنا رجل إلّا زيد لهلكنا۔ فراء نے کہا: یہاں الا بمعنی سویٰ ہے مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کے سوا خدا ہوتے تو ان کے رہنے والے تباہ ہو جاتے۔ دوسرے علماء نے کہا: اگر ان میں دو خدا ہوتے تو تدبیر خراب ہو جاتی کیونکہ اگر ایک ایک چیز کا ارادہ کرتا اور دوسرا دوسری چیز کا ارادہ کرتا تو ایک ضرور عاجز آتا۔ بعض علماء نے فرمایا: لَفَسَدَتَا

کا معنی ہے دونوں خراب ہو جاتے اور شرکاء کے درمیان واقع کے اختلاف کے ساتھ تنازع کے وقوع کی وجہ سے ان میں جو کچھ ہے ہلاک ہو جاتے۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۞ اپنی پاکیزگی بیان فرمائی اور بندوں کو حکم دیا کہ اس کی شریک یا بیٹے سے پاکیزگی بیان کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْـَٔلُوْنَ ۞ یہ قدریہ وغیرہ کا رد ہے۔ ابن جریج نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ مخلوق اس سے اس کے فیصلہ کے متعلق نہیں پوچھ سکتی جو وہ اپنی مخلوق کے بارے میں فرماتا ہے لیکن وہ مخلوق سے ان کے اعمال کے بارے پوچھے گا کیونکہ وہ اس کے بندے ہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ کل جن سے ان کے اعمال کے متعلق مواخذہ ہوگا جیسے مسیح اور ملائکہ تو وہ خدا ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کے افعال کا مواخذہ نہ ہوگا جبکہ لوگوں کا مواخذہ ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آپ سے کہا: اے امیر المومنین! کیا ہمارا رب پسند کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی کی جائے؟ حضرت علی نے فرمایا: کیا ہمارے رب کی جبراً نافرمانی کی جائے گی؟ اس شخص نے کہا: آپ بتائیں اگر اس نے مجھے ہدایت سے روکا اور مجھے ہلاکت دی تو کیا اس نے مجھ سے احسان کیا یا برا کیا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تو وہ تجھے تیرے حق سے منع کرے گا تو تیرے ساتھ اچھا نہیں کرے گا اور اگر اپنا فضل تجھ سے روک لے گا تو وہ اس کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْـَٔلُوْنَ ۞ ۔(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور ان سے کلام فرمائی اور ان پر تورات نازل کی تو انہوں نے عرض کی: اے اللہ! تو عظیم رب ہے اگر تو چاہے کہ تیری اطاعت کی جائے تو تیری اطاعت کی جائے گی، اگر تو چاہے کہ تیری نافرمانی کی جائے تو تیری نافرمانی کی جائے گی تو پسند کرتا ہے کہ تیری اطاعت کی جائے جبکہ اس میں تیری نافرمانی نہیں کی جاتی ہے۔ یا رب! یہ کیسے ہے؟ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی: جو میں کرتا ہوں اس پر مجھ سے باز پرس نہیں کی جا سکتی اور لوگوں سے باز پرس کی جائے گی (2)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے معبود بنانے میں توبیخ میں مبالغہ کے لیے تعجب کا اعادہ کیا، یعنی ان کی صفت انشاء و احیاء میں ایسی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ پس ام بمعنی ھل ہوگا جیسا کہ گزر چکا ہے۔ تم اس پر دلیل لاؤ۔ بعض علماء نے فرمایا: پہلا احتجاج معقول کی حیثیت سے ہے کیونکہ فرمایا: هُمْ یُنْشِرُوْنَ وہ مردوں کو زندہ کرتے ہیں۔ یہ تو بہت دور ہے۔ اور دوسرا احتجاج منقول کے ساتھ ہے یعنی اس جہت سے دلیل لاؤ کونسی کتاب میں یہ نازل ہوا ہے؟ قرآن میں یا دوسری کتب میں جو دوسرے انبیاء پر اُتریں؟۔ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ قرآن میں توحید کے اخلاص کا ذکر ہے۔ وَ ذِكْرُ مَنْ قَبْلِیْ تورات اور انجیل میں اور جو کتابیں نازل ہوئیں سب میں توحید کے اخلاص کا ذکر ہے۔ دیکھو کیا منزل شدہ کتب میں سے کسی کتاب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا کسی کو خدا بنانے کا حکم دیا ہے؟ شرائع جو توحید کے متعلق ہیں مختلف نہیں ہیں۔ صرف اوامر و نواہی میں اختلاف ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ قرآن کی طرف اشارہ ہے۔ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ جو

1۔ التمہید، ابن عبد البر، جلد 6، صفحہ 65،64
2۔ طبرانی، الکبیر، 10606

حلال اور حرام میں سے ان کو لازم ہوا یہ میرے ساتھیوں کے لیے ہے۔ وَ ذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ مجھ سے پہلی امتوں کے لیے نصیحت ہے جو ایمان کے ساتھ نجات پا گئے اور شرک کر کے ہلاک ہو گئے۔ بعض علماء نے فرمایا: ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ یعنی ایمان پر ثواب اور کفر پر عقاب جو ان کے لیے ہے۔ وَ ذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ پہلی امتوں کے ساتھ جو دنیا میں کیا گیا اور جو آخرت میں ان کے ساتھ کیا جائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کلام کا معنی وعید اور تہدید ہے یعنی جو چاہو تم کرو، عنقریب پردہ اٹھ جائے گا۔ ابو حاتم نے حکایت کیا ہے کہ یحییٰ بن یعمر اور طلحہ بن مصرف نے هٰذَا ذِكْرٌ مَّنْ مَّعِيَ وَ ذِكْرٌ مَّنْ قَبْلِيْ پڑھا ہے تنوین کے ساتھ اور میم کے کسرہ کے ساتھ۔ ابو حاتم نے کہا: اس کی کوئی وجہ نہیں۔ ابو اسحاق زجاج نے اس قرات کے بارے میں کہا: اس کا معنی ہے یہ نصیحت ہے اس میں سے جو میری طرف نازل کیا گیا اور اس میں سے جو میرے پاس ہے اور جو مجھ سے پہلے تھا۔ بعض نے فرمایا: اس کا مطلب ہے جو میں لے کر آیا ہوں یہ وہی ہے جو مجھ سے پہلے انبیاء لے کر آئے تھے۔

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ ابن محیصن اور حسن نے الحقُ پڑھا ہے بمعنی ھو الحق۔ اور ھذا ھو الحق۔ اس بنا پر لَا يَعْلَمُوْنَ پر وقف ہوگا اور نصب کی قرأت کی صورت میں اس پر وقف نہ ہوگا۔ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ یعنی وہ حق سے منہ پھیرے ہوئے ہیں اور وہ حق قرآن ہے پس وہ توحید کی حجت میں غور و فکر ہی نہیں کرتے۔

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْۤ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝

"اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْۤ اِلَيْهِ حفص، حمزہ اور کسائی نے نُوْحِيْۤ اِلَيْهِ نون کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ پہلے اَرْسَلْنَا آیا ہے۔ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝ ہم نے سب کو کہا: لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عقلی دلائل شاہد ہیں کہ اس کا کوئی شریک نہیں اور تمام انبیاء سے نقل بھی موجود ہے۔ دلیل کی دو ہی صورتیں ہوتیں ہیں عقلی یا نقلی۔ قتادہ نے کہا: ہر نبی توحید کے پیغام کے ساتھ بھیجا گیا جبکہ تورات، انجیل اور قرآن میں شرائع مختلف تھے یہ تمام اخلاص اور توحید پر مشتمل ہیں۔

وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَ هُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝ وَ مَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝

"وہ کہتے ہیں: بنا لیا ہے رحمن نے (اپنے لیے) بیٹا سبحان اللہ (یہ کیونکر ہو سکتا ہے) وہ تو (اس کے) معزز بندے ہیں۔ نہیں سبقت کرتے اس سے بات کرنے میں اور وہ اسی کے حکم پر کاربند ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو

کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے گزر چکا ہے۔ اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کے لیے جسے وہ پسند فرمائے اور وہ (اس کی بے نیازی کے باعث) اس کے خوف سے ڈر رہے ہیں۔ اور جو ان میں سے یہ کہے کہ میں خدا ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا تو اسے ہم سزا دیں گے جہنم کی، یونہی ہم سزا دیا کرتے ہیں ظالموں کو"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ یہ خزاعہ قبیلہ کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ انہوں نے کہا: فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور وہ اس امید سے ان کی عبادت کرتے ہیں کہ وہ ان کی سفارش کریں گے۔ معمر نے قتادہ سے روایت کیا ہے فرمایا: یہودیوں نے کہا معمر نے اپنی روایت میں کہا لوگوں میں سے ایک طائفہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے جنوں سے رشتہ جوڑا اور ملائکہ جنوں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سُبْحٰنَهٗ وہ اس سے پاک ہے۔ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بلکہ ملائکہ تو اس کے معزز بندے ہیں ایسا نہیں جیسا کہ کفار نے کہا ہے۔ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ کو زجاج کے نزدیک منصوب پڑھنا بھی جائز ہے۔ اس معنی پر بل اتخذ عبادا مکرمین، الولد کا لفظ یہاں جمع کے لیے ہے کبھی واحد اور جمع کے لیے ولدا استعمال ہوتا ہے یہ بھی جائز ہے کہ الولد کا لفظ جنس کے لیے ہو جیسا کہ کہا جاتا ہے: لفلان مال، لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ یعنی وہ نہیں کہتے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اور وہ نہیں بولتے مگر جس کے ساتھ بولنے کا اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے۔ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ وہ اس کی طاعت و اوامر کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ یعنی وہ اسے بھی جانتا ہے جو انہوں نے عمل پہلے کیا اور اسے بھی جانتا ہے جو یہ کر رہے ہیں، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ کا معنی ہے جو آخرت میں ہوگا۔ وَمَا خَلْفَهُمْ جو دنیا میں تھا؛ پہلا قول ثعلبی نے ذکر کیا ہے، دوسرا قشیری نے ذکر کیا ہے۔ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت دینے والے ہیں۔ مجاہد نے کہا: ہر وہ شخص مراد ہے جس سے اللہ راضی ہوگا۔ ملائکہ قیامت کے روز شفاعت کریں گے جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ میں ہے اور دنیا میں بھی فرشتے مومنین کے لیے اور اہل زمین کے لیے استغفار کرتے ہیں جیسا کہ قرآن کی نص موجود ہے: وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ فرشتے اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے ڈرتے رہتے ہیں وہ اس کے عذاب سے امن میں نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ قتادہ اور ضحاک وغیرہما نے کہا: اس آیت سے مراد ابلیس ہے جس نے شرکت کا دعویٰ کیا تھا اس نے اپنی عبادت کی طرف بلایا جبکہ وہ ملائکہ میں سے تھا۔ اس کے علاوہ ملائکہ میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ میں خدا ہوں۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ تمام ملائکہ کی طرف اشارہ ہے۔ جو ایسا کہے گا نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ہم اسے جہنم کی سزا دیں گے۔ یہ دلیل ہے کہ اگرچہ وہ عصمت کے ساتھ عزت دیے گئے ہیں پھر بھی وہ عبادت کرتے ہیں وہ عبادت پر مجبور نہیں ہیں جیسا کہ بعض جہلاء کا خیال ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اہل آسمان سے افضل ہیں۔ یہ سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ یعنی جس طرح اس کو ہم نے آگ کے ساتھ جزا دی اسی طرح ہم ان ظالموں کو جزا دیں گے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کے لیے الوہیت اور عبادت کا قول وضع کرتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا

مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَ جَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۪ وَ جَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّ هُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ وَ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝

''کیا کبھی غور نہیں کیا کفر وانکار کرنے والوں نے کہ آسمان اور زمین آپس میں ملے ہوئے تھے پھر ہم نے الگ الگ کر دیا انہیں اور ہم نے پیدا فرمائی پانی سے ہر زندہ چیز، کیا وہ اب بھی ایمان نہیں لاتے۔ اور ہم نے بنا دیئے زمین میں بڑے بڑے پہاڑ تا کہ زمین لرزتی نہ رہے ان کے ساتھ اور بنا دیں ہم نے ان پہاڑوں میں کشادہ راہیں تا کہ وہ (اپنی منزل مقصود کا) راستہ پا سکیں۔ اور ہم نے بنایا آسمان کو ایک چھت جو (شکست و ریخت سے) محفوظ ہے اور وہ لوگ (اب بھی) اس کی نشانیوں سے روگردانی کیے ہوئے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے پیدا فرمایا لیل ونہار کو اور مہر و ماہ کو سب (اپنے اپنے) مدار میں تیر رہے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اکثر کی قرأت أولم یرو، واؤ کے ساتھ ہے۔ ابن کثیر، ابن محیصن، حمید، شبل بن عباد نے الم یر، بغیر واو کے پڑھا ہے اسی طرح مکہ کے مصحف میں ہے، اَوَلَمْ يَرَ بمعنی یعلم ہے۔ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا، كَانَتَا یہ دو قسمیں ہیں جیسے عرب کہتے ہیں: هما لقاحان اسودان جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا (فاطر: 41) ابو اسحاق نے کہا: السماوات کو لفظ سماء سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ السماوات ایک سماء تھے۔ اسی طرح الأرضون ہے۔ رتقا فرمایا رتقین نہیں فرمایا کیونکہ یہ مصدر ہے، معنی یہ ہے کانتا ذواتی رتق۔ حسن نے رتقا، تاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ عیسیٰ بن عمر نے کہا: یہ درست ہے یہ ایک لغت ہے۔ الرتق کا معنی سد (بند) ہے اور یہ الفتق (پھٹنا) کی ضد ہے۔ رَتَقْتُ الْفَتْقَ أَرْتُقُهُ فارتق میں نے پھٹن کو ملایا تو وہ جڑ گئی۔ اسی سے الرتقاء ہے وہ عورت جس کی فرج ملی ہوئی ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن، عطا، ضحاک اور قتادہ نے فرمایا: یہ ایک چیز تھے، ملے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے ہوا کے ذریعے ان کے درمیان فاصلہ کیا، اسی طرح کعب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا یہ ایک دوسرے کے اوپر تھے پھر اس کے وسط میں ہوا پیدا کی تو ہوا کے ذریعے ان کو جدا جدا کر دیا اور آسمان سات بنائے زمینیں بھی سات بنائیں؛ یہ قتبی نے عیون الاخبار میں اسماعیل بن ابی خالد سے اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا الخ کے تحت حکایت کیا ہے فرمایا: آسمان ایک مخلوق تھی اور زمین ایک مخلوق تھی پھر ایک آسمان سے سات آسمان بنائے اور اس ایک زمین سے سات زمینیں بنائیں۔ اوپر والی زمین بنائی تو اس کے رہائشی جن وانس بنائے اس میں نہریں نکالیں اور اس میں پھل اگائے اس میں دریا بنائے اور اس کو رعا، نام دیا اس کا عرض پانچ سو سال ہے پھر دوسری زمین کو تخلیق کیا تو اس کا عرض اور موٹائی بھی پہلی زمین کی طرح تھا اس میں کئی قومیں بنائیں، ان کے منہ کتوں کے مونہوں کی طرح

ہیں، ہاتھ انسانوں کی طرح ہیں، کان گائیوں کے کانوں کی طرح ہیں، ان کے بال بکریوں کے بالوں کی طرح ہیں۔ جب قیامت قریب آئے گی تو زمین انہیں یاجوج وماجوج پر پھینک دے گی اس زمین کا نام الدکماء ہے۔ پھر تیسری زمین کو پیدا کیا اس کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ اس سے ہوا زمین کی طرف آتی ہے۔ چوتھی زمین میں تاریکی اور ان بچھوؤں کو پیدا کیا جو دوزخیوں کے لیے ہیں وہ کالے خچروں کی طرح ہیں ان کے دم گھوڑوں کے دموں کی مثل لمبے ہیں وہ ایک دوسرے کو کھاتے ہیں پس وہ بنی آدم پر مسلط کیے جاتے ہیں۔ پھر اللہ نے پانچویں زمین کو پیدا فرمایا جو موٹائی اور طول وعرض میں پہلی کی مثل ہے اس میں زنجیریں، بیڑیاں اور قیود ہیں جو دوزخیوں کے لیے ہیں۔ پھر چھٹی زمین کو پیدا فرمایا اس کا نام ماد ہے اس میں کالے پتھر ہیں اس سے حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی تیار کی گئی۔ قیامت کے روز ان پتھروں کو نکالا جائے گا ان میں سے ہر پتھر بڑے پہاڑ کی مانند ہوگا یہ کبریت سے کفار کے گلے میں لٹکائے جائیں گے پھر وہ بھڑکائے جائیں گے حتی کہ وہ ان کے چہروں اور ہاتھوں کو جلادیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (البقرہ: 24) پھر اللہ تعالیٰ نے ساتویں زمین کو پیدا کیا اس کا نام عریبۃ ہے اس میں جہنم ہے۔ اس میں دو دروازے ہیں ایک کا نام سجین ہے اور دوسرے کا نام الفلق ہے، سجین کھلا ہوا ہے کفار کا نامہ اعمال اس تک پہنچتا ہے، اس پر اصحاب مائدہ اور قوم فرعون پیش کیے جاتے ہیں۔ رہا الفلق دروازہ تو وہ بند ہے قیامت تک نہیں کھولا جائے گا۔ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے کہ سات زمینیں ہیں ہر دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ اس کا مزید بیان سورۃ الطلاق کے آخر میں آئے گا۔ تیسرا قول عکرمہ، عطیہ، ابن زید اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی ہے جو مہدوی نے ذکر کیا ہے کہ آسمان ملے ہوئے تھے بارش نہیں برساتے تھے اور زمین ملی ہوئی تھی اس پر کچھ نہیں اگتا تھا۔ پس آسمان کو بارش کے ساتھ پھاڑا اور زمین کو نبات کے ساتھ کھولا اس کی مثال یہ آیت ہے: وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۙ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۙ (الطارق) اس قول کو طبری نے اختیار کیا ہے کیونکہ اس کے بعد ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۔

میں کہتا ہوں: اس کے ساتھ از روئے مشاہدہ اور معاینہ کے اعتبار سے واقع ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کے متعلق دوسری آیات میں خبر دی تاکہ اس کے کمال قدرت اور جزا پر دلالت کرے۔ شاعر نے کہا:

يهونُ عليهم إذا يغضبو ن سخط العداة وإرغامُها

ورتق الفتوق وفتق الرتو ق ونقض الأمور وإبرامُها

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ اس میں تین تاویلات ہیں: (۱) ہر چیز کو پانی سے پیدا کیا، یہ قتادہ کا قول ہے۔ (۲) ہر چیز کی زندگی کی حفاظت پانی کے ذریعے کی۔ (۳) صلب کے پانی سے ہر زندہ چیز کو بنایا، یہ قطرب کا قول ہے (1)۔ وَجَعَلْنَا بمعنی خلقنا ہے۔ ابو حاتم بستی نے اپنی مسند الصحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے فرمایا: میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! جب میں آپ کو دیکھتا ہوں تو میرا دل خوش ہوتا ہے، میری آنکھیں ٹھنڈی ہوتی

1۔ النکت والعیون، جلد 3، صفحہ 444

ہیں مجھے ہر چیز کے متعلق بتایئے۔ فرمایا: ''ہر چیز پانی سے پیدا کی گئی ہے''۔ ابوحاتم نے کہا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول: انبئنی عن کل شئ (مجھے ہر چیز کے متعلق بتایئے) اس سے ہر وہ چیز مراد ہے جو پانی سے پیدا کی گئی ہے۔ اس کی صحت پر حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب ہے کہ آپ نے فرمایا: ''ہر چیز پانی سے پیدا کی گئی ہے''۔ اگرچہ مخلوق نہ تھی۔ یہ آسمانوں اور زمین کے رتقا ہونے کے علاوہ یہ دوسری حجت ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: الکل یذکر بمعنی البعض ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ (النمل: 23) اور ارشاد ہے: تُدَمِّرُ كُلَّ شَیْءٍۢ (الاحقاف: 25) الصحیح عموم ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کل شئ خلق من الماء ہر چیز پانی سے پیدا کی گئی ہے۔ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ۝ یعنی کیا وہ جو مشاہدہ کرتے ہیں اس کی وجہ سے تصدیق نہیں کرتے یہ سب کچھ خود بخود تو نہیں ہوا بلکہ کسی بنانے والے کے بنانے سے ہوا اور کسی مدبر کی تدبیر سے سب کچھ ہوا اور اس مکون کا حادث ہونا جائز نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ جَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ یعنی ثابت و قائم پہاڑ۔ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ یعنی تاکہ ان کے ساتھ لرزتی نہ رہے اور حرکت نہ کرتی رہے تاکہ اس پر قرار مکمل ہو؛ یہ کوفیوں کا قول ہے۔ بصریوں نے کہا: معنی ہے کراہیۃ۔ اَنْ تَمِیْدَ یعنی حرکت کرنے کی کراہیت کی وجہ سے۔ المید کا معنی حرکت کرنا اور گردش کرنا ہے۔ کہا جاتا ہے: ماد راسہ یعنی اس کا سر چکرایا اس پر تفصیلی گفتگو سورۃ النحل میں گزر چکی ہے۔ وَ جَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا یعنی ان پہاڑوں میں راستے بنائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے الفجاج راستے۔ الفج دو پہاڑوں کے درمیان کھلا راستہ۔ بعض علماء نے فرمایا: ہم نے زمین میں راستے بنائے، یہ طبری کا اختیار ہے کیونکہ فرمایا: لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ۝ زمین میں چلنے کی طرف ہدایت پائیں۔ سُبُلًا، الفجاج کی تفسیر ہے کیونکہ افج کبھی نافذ راستہ کو کہتے ہیں اور کبھی ایسا نہیں ہوتا۔ بعض نے فرمایا: تاکہ ان کے ذریعے اپنے دین کی طرف راہنمائی حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا یعنی گرنے اور زمین پر سقوط سے محفوظ کیا، اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: وَ یُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (الحج: 65) بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ستاروں کے ذریعے، شیطانوں سے اس کو محفوظ کیا؛ یہ فراء کا قول ہے اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: وَ حَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ۝ (الحجر: 17) بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے ٹوٹنے پھوٹنے سے محفوظ بنایا اور اس سے محفوظ کیا کہ کوئی حیلہ کے ساتھ اس تک پہنچ سکے۔ بعض نے فرمایا: ایسا محفوظ بنایا کہ ستون کا محتاج نہیں۔ مجاہد نے محفوظ کا معنی مرفوعاً (بلند کیا گیا) بیان کیا ہے۔ بعض نے فرمایا: شرک اور معاصی سے محفوظ کیا۔ وَّ هُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ۝ یعنی کفار اس کی نشانیوں سے اعراض کرتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: نشانیوں سے مراد سورج اور چاند ہیں۔ آیات کی اضافت آسمان کی طرف کی کیونکہ وہ نشانیاں آسمان میں بنائی گئی ہیں۔ جبکہ کئی مقامات پر آیات کی نسبت اپنی طرف بھی کی کیونکہ وہی انکا فاعل حقیقی ہے۔ فرمایا: مشرکین آسمانوں میں اور ان کی نشانیوں میں، رات اور دن میں، شمس و قمر میں، آسمانوں کے افلاک میں، ان کی ہواؤں میں اور ان کے بادلوں میں اور ان میں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر ہیں ان میں غور و فکر کرنے سے غافل ہیں اگر وہ غور و فکر کرتے تو جان لیتے کہ ان کا

کوئی صانع ہے، قادر ہے اور وہ واحد ہے۔ اس کا شریک ہونا محال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ انہیں ایک اور نعمت یاد دلائی ان کے لیے رات بنائی تا کہ اس میں آرام کریں، دن بنایا تا کہ اس میں اپنی معاش کے لیے تصرف کریں۔ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ سورج کو دن کی نشانی بنایا اور چاند کو رات کی نشانی بنایا تا کہ مہینے، سال اور حساب معلوم ہو جیسا کہ سورۂ سبحان میں گزر چکا ہے۔ كُلٌّ یعنی سورج، چاند، ستارے، کواکب، لیل ونہار میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار میں تیر رہا ہے۔ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ۝ تیزی کے ساتھ چلتے ہیں جیسے پانی میں تیرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور وہ اصدق القائلین ہے: وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا۝ (النازعات) وہ گھوڑا جو لمبا پاؤں رکھتا ہے دوڑنے میں اسے سابح کہتے ہیں۔ یسبحن اور لا تسبح نہیں فرمایا۔ سیبویہ کا مذہب یہ ہے کہ جب ان کے متعلق ذوی العقول کے فعل کے ساتھ خبر دی تو طاعت میں بھی انہیں ذوی العقول کے قائم مقام رکھا۔ ان کے متعلق واو اور نون کے ساتھ خبر دی۔ اسی طرح فراء نے کہا۔ یہ مفہوم سورۂ یوسف میں میں گزر چکا ہے۔ کسائی نے کہا: يَسْبَحُونَ فرمایا کیونکہ یہ آیت کا سرا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ۝ (القمر) منتصرون نہیں فرمایا۔ بعض نے کہا: چلنا فلک کے لیے ہے۔ پس اس کی طرف نسبت کر دی گئی۔ اصح یہ ہے کہ سیارہ فلک میں چلتا ہے۔ آسمانوں کے علاوہ سات افلاک ہیں۔ اور وہ آسمان فرشتوں کی جولانگاہ ہیں اور ملکوت کے اسباب ہیں اور چاند نچلے فلک میں ہے اور پھر عطارد، پھر زہرہ، پھر سورج، پھر مریخ پھر مشتری پھر زحل ہے اور آٹھواں بروج کا فلک اور نواں الفلك الاعظم ہے۔ فلک، نجوم کے افلاک کا واحد ہے۔ ابو عمرو نے کہا: اس کی جمع فُعُل پر جائز ہے جیسے أَسد وأُسد، خَشب وخُشب۔ فلک کا اصل معنی گردش کرنا ہے۔ اسی سے فلكة المغزل چرخے کا پرتہ جو گھومتا ہے: اسی سے کہا جاتا ہے: فلك ثدي المرأة تفليكا عورت کے پستان کا گول ہونا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: تركت فرسي كانه يدور في فلك، (1) میں نے گھوڑے کو چھوڑا گویا وہ فلک میں گردش کر رہا ہے۔ اس کی گردش کی وجہ سے آسمان کے فلک کے ساتھ تشبیہ دی جس پر ستارے گھومتے ہیں۔ ابن زید نے کہا: الافلاك ستاروں، سورج اور چاند کی گزرگاہیں ہیں۔ فرمایا: آسمان اور زمین کے درمیان ہیں۔ قتادہ نے کہا: الفلك آسمان میں گردش ہے۔ آسمان کے ثبوت کے ساتھ ستاروں کے ساتھ گھومتا ہے۔ مجاہد نے کہا: فلک، چکی کے قطب کی طرح ہے۔ ضحاک نے کہا: فلک سے مراد ان کا گزرنا اور تیزی سے چلنا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: فلک ایک موج ہے جو روکی گئی ہے، اس میں چاند اور سورج کی گزرگاہ ہے۔ واللہ اعلم۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۭ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ۝

''اور نہیں مقدر کیا ہم نے کسی انسان کے لیے جو آپ سے پہلے گزرا (اس دنیا میں) ہمیشہ رہنا تو اگر آپ انتقال فرما جائیں تو کیا یہ لوگ (یہاں) ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ ہر نفس موت (کا مزہ) چکھنے والا ہے، اور ہم خوب آزماتے ہیں تمہیں برے اور اچھے حالات سے دوچار کر کے اور (آخر کار) تم سب کو ہماری طرف ہی لوٹ آنا ہے''۔

1۔ غریب الحدیث، ابو عبید، جلد 4، صفحہ 96

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ دنیا میں ہمیشہ باقی رہنا۔ کفار نے کہا: ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر گردش زمانہ کا انتظار کرتے ہیں۔ مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے: یہ شاعر ہے ہم ان پر گردش زمانہ (موت) کا انتظار کرتے ہیں شاید یہ فوت ہو جائے گا جیسا کہ بنی فلاں کا شاعر فوت ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ سے پہلے انبیاء کا وصال ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خود حفاظت کرتا ہے اسی طرح ہم آپ کے دین اور شریعت کی حفاظت کریں گے۔ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۝ اُھم یعنی کیا وہ ہمیشہ رہیں گے؛ شاعر نے کہا:

رَفَوْنِي وقالوا يا خُوَيلِدُ لاتُرَعْ　　فقلتُ وأنكرتُ الوجوهَ هُمُ هُمُ

یعنی أھم۔ یہ استفہام انکاری ہے۔ فراء نے کہا: یہ فاء کے ساتھ آیا ہے تاکہ شرط پر دلالت کرے یہ ان کے قول: سَيَمُوتُ (وہ فوت ہو جائے گا) کا جواب ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ فاء کے ساتھ لایا گیا کیونکہ اس کی تقدیر یوں ہے: أفھم الخالدون إن مت۔ فراء نے کہا: فاء کا حذف اور اسکا اضمار دونوں جائز ہیں، کیونکہ ھم میں اعراب ظاہر نہیں ہوتا، یعنی إن مت فھم یموتون ایضاً اگر آپ کا انتقال ہوگا تو یہ بھی مریں گے۔ پس آپ کے وصال پر خوشی نہیں کرنی چاہیے۔ مِتَّ اور مُتَّ میم کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ یہ سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً، فِتْنَةً غیر لفظ پر مصدر ہے یعنی ہم شدت، رخوت، حلال اور حرام کے ساتھ تمہیں آزمائیں گے پھر دیکھیں گے تم کیسے شکر و صبر کرتے ہو؟ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ اعمال کی جزا کے لیے ہماری طرف لوٹنا ہے۔

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝

"اور جب دیکھتے ہیں آپ کو وہ جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے تو آپ سے بس تمسخر کرنے لگتے ہیں (کہتے ہیں) کیا یہی وہ صاحب ہیں جو (برائی سے) ذکر کیا کرتے ہیں تمہارے خداؤں کا حالانکہ وہ (کفار) رحمٰن کے ذکر سے خود (یکسر) انکاری ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا اس آیت میں ان نافیہ ہے۔ الھزء کا معنی مزاق کرنا ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ استہزاء کرنے والے وہی ہیں جن کا ذکر سورۂ الحجر میں اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝ (الحجر) کے تحت گزر چکا ہے۔ وہ اس کو مبعوث سمجھتے تھے جو ان کے بتوں کے الہ ہونے کا انکار کرتا تھا اور خود رحمٰن کی الوہیت کا انکار کرتے تھے۔ یہ انتہائی جہالت ہے۔ اَهٰذَا الَّذِيْ یعنی وہ کہتے ہیں: کیا یہ ہے وہ؟ قول کو مضمر کیا گیا ہے اور وہ اذا کا جواب ہے۔ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا، اِذَا اور اس کے جواب کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ یعنی برائی اور عیب کے ساتھ تمہارے خداؤں کا ذکر کرتا ہے؛ عنترہ کا قول ہے:

لا تذكُرِي مُهري وما أطعمتُه　　فيكون جلدُكِ مثلَ جِلْدِ الأجربِ

یعنی میرے مہر کو عیب نہ لگا۔

وَ هُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ یعنی وہ قرآن کا انکار کرتے ہیں۔ هُمْ كٰفِرُوْنَ۝ دوسرا هُمْ ان کے کفر کی تاکید ہے، یعنی وہ ہی انکار کرنے والے ہیں۔ ان کے وصف کفر میں مبالغہ کیا۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِیْكُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ۝ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۝ لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا حِیْنَ لَا یَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَ لَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ۝ بَلْ تَاْتِیْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ رَدَّهَا وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ۝

''انسان کی سرشت میں ہی جلد بازی ہے میں عنقریب تمہیں (خود ہی) اپنی نشانیاں دکھاؤں گا سو تم مجھ سے جلدی کا مطالبہ نہ کرو۔ اور وہ کہتے ہیں: کب پورا ہوگا یہ (قیامت کا) وعدہ؟ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو۔ کاش! جانتے کفار (اس وقت کو) جب وہ نہ روک سکیں گے اپنے چہروں سے آگ (کے شعلوں) کو اور نہ اپنی پشتوں سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی، بلکہ وہ آئے گی ان کے پاس ناگہانی سو انہیں بدحواس کر دے گی پھر وہ نہ اسے رد کر سکیں گے اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ یعنی عجلت پر مرکب کیا گیا ہے۔ اس کی فطرت میں تیزی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ (الروم: 54) یعنی انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے کہا جاتا ہے: خُلِقَ الانسانُ مِنَ الشَّرِّ یعنی شریر پیدا کیا گیا ہے۔ جب کسی کے وصف شر میں مبالغہ کرنا ہو تو اس طرح کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: أنت ذهاب و مجیٔ یعنی تو آنے، جانے والا ہے، یعنی انسان کی طبع میں عجلت رکھی گئی ہے۔ بہت سی اشیاء کے لیے جلدی کرتا ہے اگرچہ وہ اس کے لیے مضر بھی ہوں پھر بعض علماء نے فرمایا: انسان سے حضرت مراد آدم علیہ السلام ہیں۔ سعید بن جبیر اور سدی نے کہا: جب روح حضرت آدم علیہ السلام کی آنکھوں میں داخل ہوئی تو انہوں نے جنت کے پھلوں کو دیکھا جب روح پیٹ میں داخل ہوئی تو کھانے کا شوق کیا، ٹانگوں میں روح کے پہنچنے سے پہلے جنت کے پھلوں کی طرف جلدی کی اللہ تعالیٰ کے ارشاد: خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ سے یہی مراد ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن آخری وقت میں پیدا کیا گیا جب اللہ تعالیٰ نے ان کے سر کو زندہ کیا تو انہوں نے جلدی کی اور سورج کے غروب ہونے سے پہلے اس میں روح کے پھونکنے کی تکمیل طلب کی؛ یہ کلبی اور مجاہد وغیرہ کا قول ہے۔ ابوعبیدہ اور بہت سے اہل معانی نے کہا: حمیر قبیلہ کی لغت میں العجل مٹی کو کہتے ہیں اور بطور استشہاد یہ شعر پڑھا:

والنخلُ یَنبتُ بین الماءِ والعَجَل

بعض علماء نے فرمایا: انسان سے مراد تمام انسان ہیں۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد نضر بن حرث بن علقمہ بن کلدہ بن عبد الدار ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر میں ہے جو حقیر مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی آیات اور

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے استہزاء مناسب نہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ مقلوب ہے یعنی خلق العجل من الانسان: یہ ابوعبیدہ کا مذہب ہے۔ نحاس نے کہا: یہ قول ایسا ہے کہ کتاب اللہ میں اس کے ساتھ جواب دینا مناسب نہیں کیونکہ قلب اشعار میں اضطراری طور پر واقع ہوتا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

کان　الزنا　فریضۃ　الرجم

زنا (رجم کا فریضہ ہے) اس کی مثال یہ آیت ہے: خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ یہ سورۂ سبحان میں گزر چکا ہے۔ سَاُورِیْكُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ۝ یہ پہلے کی تائید کرتا ہے۔ طبع انسان میں عجلت ہے اس کی ایسی تخلیق کی گئی ہے کہ یہ برداشت نہیں کرتا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ سورۂ سبحان میں گزر چکا ہے۔ اور آیات سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں۔ وہ محمود انجام ہے جو اپنے محبوب کے لیے بنایا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: آیات سے مراد وہ عذاب ہے جو انہوں نے طلب کیا تھا اور انہوں نے استعجال کا ارادہ کیا تھا انہوں نے کہا: مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ انہیں معلوم نہیں تھا کہ ہر چیز کے لیے ایک مقرر وقت ہوتا ہے یہ نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور انہوں نے جب کہا: اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ (الانفال:32) (اگر یہ حق ہے) اخفش سعید نے کہا: خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ اس کا معنی ہے اس کو کہا گیا: کن (ہو جا) فکان (تو وہ ہو گیا) فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ اس قول کی بناء پر کہ جو کسی چیز کو کن کہتا ہے تو وہ ہو جاتی ہے۔ وہ بات جس کے لیے وہ جلدی کر رہے ہیں اس کا اظہار کرنا اس کو عاجز نہیں کرتا۔ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ یعنی اس کا وعدہ کیا گیا ہے جیسے کہا جاتا ہے: اللہ رجاء نا بمعنی مرجونا۔ بعض نے فرمایا: الوعید یہاں بمعنی وعید ہے یعنی جس عذاب کا وہ ہم سے وعدہ کرتا ہے۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد قیامت ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۝ اے مومنین کے گروہ! اگر تم سچے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یہاں علم بمعنی معرفت ہے جو مفعول ثانی کا تقاضا نہیں کرتا جیسے: لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ یَعْلَمُهُمْ (الانفال:60) اور لو کا جواب محذوف ہے، یعنی اگر وہ اس وقت کو جان لیتے جس میں وہ اپنے چہروں سے اور اپنی پیٹھوں سے آگ کے شعلوں کو نہ روک سکیں گے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی اگر وہ اسکو جان لیتے تو وعید کے لیے جلدی نہ کرتے۔ زجاج نے کہا: اگر وہ جان لیتے تو وعدہ کی سچائی کو جان لیتے۔ بعض نے فرمایا: اگر وہ اسے جان لیتے تو وہ کفر پر قائم نہ رہتے اور ایمان لے آتے۔ کسائی نے کہا: یہ قیامت کے وقوع کے تحقق پر تنبیہ ہے، یعنی اگر وہ علم یقین سے جان لیتے تو جان لیتے کہ قیامت آنے والی ہے اور اس پر دلیل بَلْ تَاْتِیْهِمْ بَغْتَةً ہے یعنی قیامت ان کے پاس آئے گی۔ بغتۃ سے مراد قیامت ہے۔ بعض نے کہا: عقوبت ہے۔ بعض نے فرمایا: وہ آگ ہے جس سے بچاؤ کے کسی حیلہ پر قادر نہ ہوں گے۔ فَتَبْهَتُهُمْ جوہری نے کہا: بهته بهتا اس کا معنی اچانک پکڑ لینا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بَلْ تَاْتِیْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ۔ فراء نے کہا: اس کا معنی ہے وہ انہیں حیران و ششدر کر دے گی۔ کہا جاتا ہے: بهته یبهته جب کوئی کسی چیز کے سامنے آئے اور وہ اسے حیران کر دے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ ان کے پاس اچانک آئے گی۔ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ رَدَّهَا وہ اپنی پیٹھوں سے اسے دور نہیں کر سکیں گے۔ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ۝ انہیں توبہ کرنے اور عذر پیش کرنے کی مہلت نہیں دی جائے گی۔

وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۝

"پس نازل ہوا ان لوگوں پر جو تمسخر کیا کرتے تھے ان میں سے وہ عذاب جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور تعزیت کے لیے ہے۔ فرمایا: اگر انہوں نے آپ کا مذاق اڑایا ہے تو آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا پس آپ صبر کا مظاہرہ کریں جس طرح انہوں نے صبر کیا تھا۔ پھر نصرت کا وعدہ فرمایا۔ فَحَاقَ گھیر لیا۔ بِالَّذِيْنَ جنہوں نے کفر کیا اور مذاق اڑایا۔ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۝ یعنی ان کے استہزاء کی جزا نے۔

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ۝ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَ لَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ۝ بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ۝

"آپ پوچھیے: (اے منکرو!) کون ہے جو نگہبانی کر سکتا ہے تمہاری رات بھر اور دن بھر خدائے رحمٰن سے (اگر وہ تمہیں عذاب دینا چاہے) مگر (ان سے کیا پوچھنا) یہ تو اپنے رب کے ذکر سے ہی روگرداں ہیں۔ کیا ان کے اور خدا ہیں جو بچا سکتے ہیں انہیں (عذاب سے) ہمارے سوا وہ جھوٹے معبود تو خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے اور نہ انہیں ہماری تائید میسر ہوگی۔ بلکہ ہم نے (عیش و آرام کا) سامان دیا انہیں اور ان کے آباء و اجداد کو حتی کہ (اسی عیش و آرام میں) ان پر لمبا عرصہ گزر گیا (اور وہ سرکش ہو گئے) کیا وہ ملاحظہ نہیں کر رہے کہ ہم زمین (کی وسعتوں) کو گھٹائے چلے جا رہے ہیں اس کی (چاروں) سمتوں سے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ، يَكْلَؤُ کا معنی حفاظت کرنا اور نگرانی کرنا۔ الکلاء کا معنی حفاظت کرنا ہے۔ کلاہ اللہ کلاءۃ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی۔ کہا جاتا ہے: اذھب فی کلاءۃ اللہ و اکتلاٗت منھم یعنی حفاظت کی۔

شاعر نے کہا::

إنّ سليمى وَاللهُ يَكلؤُهَا ضَنّت بشئ ما كان يرزؤُها

دوسرے شاعر نے کہا:

أَنَخْتُ بَعِيرِي وَاكتَلاَتُ بِعَينِهِ

کسائی نے اور فراء نے حکایت کیا ہے: قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ لام کے فتح اور واو کے سکون کے ساتھ۔ ان دونوں نے مَنْ یکلا کم کو دونوں صورتوں میں ہمزہ کی تخفیف کے ساتھ حکایت کیا ہے۔ اور معروف ہمزہ کی تحقیق ہے یہ اکثر کی قرات ہے اور

رہا یکلا کم دو اعتبار سے خطا ہے؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ (1) ہمزہ کا بدل شعر میں ہوتا ہے۔ (۲) دونوں ماضی میں کلیتہ کہتے ہیں۔ معنی بدل جاتا ہے کیونکہ کلیتہ کا معنی ہے أوجعت کلیتہ میں نے اسے گردے میں تکلیف پہنچائی اور جو کسی کو کہتا ہے: کلاٗک اللہ تو وہ اسے بدُعا دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے گردے کی تکلیف پہنچائے۔ پھر کہا گیا ہے کہ لفظ کا مخرج، استفہام کا مخرج ہے اس سے مراد نفی ہے۔ تقدیر کلام اس طرح ہوگی: قل لاحافظ لکم تمہارا کوئی محافظ نہیں۔ بِالَّيۡلِ جب تم سوتے ہو۔ وَالنَّهَارِ جب تم اٹھتے ہو اور اپنے امور میں تصرف کرتے ہو۔ مِنَ الرَّحۡمٰنِ یعنی رحمٰن کے عذاب سے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنۡ يَّنۡصُرُنِيۡ مِنَ اللّٰهِ (ہود: 63) یعنی اللہ کے عذاب سے۔ یہ خطاب ان میں سے اسے ہے جو صانع کا اعتراف کرتا ہے۔ یعنی جب تم اقرار کرتے ہو کہ وہ خالق ہے تو پھر وہ اس عذاب کے اُتارنے پر بھی قادر ہے جس کے لیے تم جلدی مچا رہے ہو۔ بَلۡ هُمۡ عَنۡ ذِكۡرِ رَبِّهِمۡ ذکر سے مراد قرآن ہے۔ بعض نے کہا: مواعظ ہیں۔ بعض نے کہا: معرفت ہے۔ مُّعۡرِضُوۡنَ غافل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَمۡ لَهُمۡ اٰلِهَةٌ، اَمۡ لَهُمۡ کا معنی ألهم ہے۔ میم صلہ (زائدہ) ہے۔ تَمۡنَعُهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِنَا، یعنی من عذابنا ہمارے عذاب سے۔ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ یعنی یہ کفار جو کہتے ہیں کہ وہ ان کی مدد کریں گے جو اپنی مدد نہیں کر سکتے وہ ان کی مدد کیسے کریں گے؟ وَلَا هُمۡ مِّنَّا يُصۡحَبُوۡنَ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یصحبون کا معنی یمنعون یعنی وہ ہم سے بچائے نہیں جائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی یجارون بھی مروی ہے یعنی وہ پناہ نہیں دیے جائیں گے؛ یہ طبری کا مختار ہے۔ عرب کہتے ہیں: انالك جار و صاحب من فلان؛ شاعر نے کہا:

يُنَادِي بأعلى صوته متعوِّذًا　لِيُصحَبَ منها والرِّماحُ دَوَانِي

معمر نے ابن ابی نجیح سے انہوں نے مجاہد سے روایت کیا ہے فرمایا: ینصرون یعنی وہ حفاظت نہیں کیے جائیں گے۔ قتادہ نے کہا: اس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کو ان کا ساتھی نہیں بنائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَلۡ مَتَّعۡنَا هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمۡ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد اہل مکہ ہیں یعنی ہم نے ان کے لیے اور ان کے آباء کے لیے اپنی نعمتوں کو پھیلایا۔ طَالَ عَلَيۡهِمُ الۡعُمُرُ اور ان نعمتوں میں عرصہ دراز گزر گیا انہوں نے سمجھا کہ یہ نعمتیں ان سے زائل نہیں ہوں گی پس وہ فریب میں مبتلا ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حجج کی تدبیر سے اعراض کیا۔ اَفَلَا يَرَوۡنَ اَنَّا نَاۡتِى الۡاَرۡضَ نَـنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم ایک علاقہ کے بعد دوسرے علاقہ پر غلبہ اور ایک شہر کے بعد دوسرے شہر کی فتح تمہیں عطا کر کے زمین کو سمیٹ رہے ہیں؛ یہ اس کا معنی حسن وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ بعض نے فرمایا: قتل اور قیدی بنا کر؛ یہ معنی کلبی نے بیان کیا ہے۔ دونوں کا مفہوم ایک ہے اس پر تفصیلی کلام سورۃ الرعد میں گزر چکی ہے۔ اَفَهُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ۝ یعنی ان کی اطراف کو سمیٹنے کے بعد کفار مکہ ہی کیا غالب ہیں بلکہ آپ ان پر غالب ہیں اور آپ کو ان پر فتح نصیب ہوگی۔

قُلۡ اِنَّمَاۤ اُنۡذِرُكُمۡ بِالۡوَحۡيِ ۖ وَلَا يَسۡمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنۡذَرُوۡنَ۝ وَلَئِنۡ مَّسَّتۡهُمۡ نَفۡحَةٌ مِّنۡ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوۡلُنَّ يٰوَيۡلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ۝

''آپ فرمائیے: میں تمہیں ڈراتا ہوں صرف وحی سے اور نہیں سنا کرتے بہرے پکارنے کو جب انہیں (عذاب الٰہی سے) ڈرایا جاتا ہے۔ اور اگر (صرف) چھو جائے انہیں ایک جھونکا تیرے رب کے عذاب کا تو (سارا نشہ دور ہو جائے) یوں کہنے لگیں: صد حیف! بیشک ہم ہی ظالم تھے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ یعنی میں تمہیں قرآن کے ذریعے ڈراتا ہوں۔ وَ لَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ یعنی اللہ تعالیٰ جن کے دل کو بہرہ کر دیتا ہے اور جن کے کانوں پر مہر لگا دیتا ہے اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیتا ہے وہ آیات کو سمجھنے اور حق کو سننے سے اندھے اور بہرے ہو جاتے ہیں۔ ابو عبدالرحمٰن سلمی اور محمد بن سمیقع نے يُسْمَعُ یاء مضمومہ اور میم کے فتحہ کے ساتھ مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ الصم کو مرفوع پڑھا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ انہیں نہیں سناتا۔ ابن عامر اور سلمی، ابو حیوہ اور یحییٰ بن حرث نے لا تسمع تاء مضمومہ اور میم کے کسرہ کے ساتھ اور الصم کو منصوب پڑھا ہے۔ یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ بہروں کو آواز نہیں سناتے۔ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ اس قرات کو بعض اہل لغت نے رد کیا ہے اور کہا: پھر یہ کہنا واجب تھا اذا ماتنذرھم۔ نحاس نے کہا: یہ جائز ہے کیونکہ معنی معروف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نفحۃ سے مراد طرف ہے۔ قتادہ نے کہا: عقوبت ہے۔ ابن کیسان نے کہا: تھوڑی اور ادنیٰ شی مراد ہے یہ نفح المسک سے ماخوذ ہے۔ شاعر نے کہا:

وعَمْرَة من سَرَوَاتِ النِّساء تَنفَحُ بالمسكِ أَرْدَانُها

ابن جریج نے کہا: اس سے مراد حصہ ہے جیسے کہا جاتا ہے: نفح فلان لفلان من عطائه جب کوئی کسی کو مال کا ایک حصہ عطا کرے۔ شاعر نے کہا:

لَمَّا أتيتك أرجو فَضْل نَائِلِكُمْ نفختنی نَفْحةً طابتْ لها العَرَبُ

یعنی اس کا نفس خوش ہوا۔ لغت میں النفحه کا معنی دفعة یسیرة ہے یعنی اگر انہیں عذاب کا ایک جھونکا بھی چھو لے۔ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ یعنی ہم ہی حد سے تجاوز کرنے والے تھے۔ وہ اس وقت اعتراف کریں گے جب ان کا اعتراف نفع بخش نہ ہوگا۔

وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ

''اور ہم رکھ دیں گے صحیح تولنے والے ترازو قیامت کے دن پس ظلم نہ کیا جائے گا کسی پر ذرہ بھر اور اگر (کسی کا کوئی عمل) رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اسے بھی لا حاضر کریں گے اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا۔ الْمَوَازِيْنَ جمع ہے میزان کی۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ بظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہر مکلف کے لیے ایک میزان ہوگا جس کے ذریعے اس کے اعمال کا وزن کیا جائے گا پس نیکیوں کو ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اور برائیوں کو ایک پلڑے میں رکھا جائے گا۔ بعض نے فرمایا: یہ

بھی جائز ہے کہ وہاں ایک عامل کے لیے بہت سے میزان ہوں ان میں سے ہر میزان کے ساتھ اس کے اعمال کی ایک قسم کا وزن کیا جائے گا جیسا کہ شاعر نے کہا:

مَلِكٌ تقومُ الحادثاتُ لعَدْلِه فلكلِّ حادثةٍ لها ميزانُ

اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک میزان ہوا سے جمع کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہو۔ الکائی حافظ ابوالقاسم نے اپنی سنن میں حضرت انس سے روایت کیا ہے اور حضرت انس نے اسے مرفوع ذکر کیا ہے کہ ''ایک فرشتہ میزان پر مقرر ہو گا۔ ابن آدم کو لایا جائے گا تو اسے میزان کے دونوں پلڑوں کے درمیان روکا جائے گا اگر اس کا نیکیوں والا پلڑا بھاری ہو گا تو وہ فرشتہ بلند آواز سے ندا دے گا جسے ساری مخلوق سن لے گی: سعد فلان سعادۃ لایشقی بعدھا أبدا فلاں ایسی سعادت سے مشرف ہوا کہ اس کے بعد کبھی بد بخت نہ ہو گا اور اگر اس کا نیکیوں والا پلڑا ہلکا ہوا تو فرشتہ ندا دے گا فلاں ایسی شقاوت کے ساتھ شقی ہوا کہ اس کے بعد کبھی سعادت مند نہ ہو گا'' (1)۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: ''قیامت کے روز صاحب میزان جبریل ہو گا''۔ بعض علماء نے فرمایا: میزان کے دو پلڑے ہوں گے دھاگے ہوں گے ایک اس کی زبان ہو گی اور ترازو کا عمود ہو گا۔ ان کی وجہ سے میزان کو جمع ذکر کیا گیا ہے۔ مجاہد، قتادہ اور ضحاک نے کہا: میزان کا ذکر ایک مثال ہے وہاں کوئی میزان نہ ہو گا مراد عدل ہے اور جس پر اخبار وارد ہیں اور جو سواد اعظم کا نظریہ ہے وہ پہلا قول ہے۔ اس کا بیان سورہ اعراف اور سورۂ کہف میں گزر چکا ہے۔ ہم نے کتاب التذکرہ میں تفصیلاً اس پر گفتگو کی ہے۔ القسط کا معنی عدل ہے یعنی وہ کمی اور ظلم نہ ہو گا جس طرح دنیا کے وزن میں ہوتا ہے۔ القسط موازین کی صفت ہے مفرد اس لیے ہے کیونکہ یہ مصدر ہے کہا جاتا ہے: میزان قسط، میزانان قسط، موازین قسط، جیسے رجال عدل و رضاً۔ ایک جماعت نے القصط پڑھا ہے۔ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ یعنی اہل قیامت کے لیے۔ بعض نے فرمایا: فی یوم القیامۃ قیامت کے دن میں۔ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا محسن کے احسان میں سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور کسی مجرم کے جرم میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ نافع، شیبہ اور ابوجعفر نے مثقال حبۃ یہاں رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور سورۂ لقمان میں اس معنی پر کہ اگر واقع ہو یا حاضر ہو۔ پس اس صورت میں کان تامہ ہو گا اور خبر کا محتاج نہیں ہے۔ باقی قراء نے مثقال کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس معنی پر کہ ان کان العمل أو ذالك الشئ مثقال۔ مثقال الشئ اس کی مثل کا میزان۔ اَتَيْنَا بِهَا الف مقصورہ جمہور کی قرأت ہے یعنی ہم انہیں حاضر کریں گے اور ہم انہیں جزا دینے کے لیے یا سزا دینے کے لیے لے آئیں گے۔ ھا ضمیر سے مراد حبۃ ہے۔ اگر بہ ہوتا تو بھی جائز ہوتا۔ بعض علماء نے فرمایا: مثقال الحبۃ، حبۃ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے فرمایا: اَتَيْنَا بِهَا مجاہد اور عکرمہ نے آتینا مد کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا معنی ہے جازینا بھا ہم اس کے ساتھ انہیں جزا دیں گے۔ کہا جاتا ہے: آتی یواتی مواتاۃ۔ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ خیر و شر میں سے جو انہوں نے آگے بھیجا اس پر جزا دینے والے۔ بعض علماء نے فرمایا: حٰسِبِيْنَ یعنی کوئی ہم سے زیادہ جلدی حساب لینے والا نہیں۔ الحساب کا معنی شمار کرنا ہے۔ ترمذی نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ ایک

1۔ الحلیۃ ابونعیم، جلد 6، صفحہ 174

شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھا اور عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میرے غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں اور مجھ سے خیانت کرتے ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں، میں انہیں گالیاں دیتا ہوں اور انہیں سزا دیتا ہوں میں ان میں سے کیسا ہوں؟ فرمایا: ''جو وہ خیانت کرتے ہیں، نافرمانی کرتے ہیں اور تجھ سے جھوٹ بولتے ہیں اب سب کا ان سے محاسبہ ہوگا اور تیرا انہیں سزا دینا اگر تو ان کے جرم کے مطابق ہے تو یہ برابر ہوگا نہ تیرے حق میں ہوگا نہ تیرے خلاف ہوگا اور اگر تیری سزا ان کے جرم سے کم ہوگی تو تیرے لیے فضل ہوگا اگر تیری سزا ان کے جرم سے زیادہ ہوگی تو زیادتی کا تجھ سے بدلہ لیا جائے گا''۔ فرمایا: وہ شخص پیچھے ہٹا اور زور زور سے رونے لگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تو کتاب اللہ پڑھتا ہے۔ وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا۔ اس شخص نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے لیے اور ان کے لیے ان کو جدا کرنے سے بہتر کوئی چیز نہیں دیکھتا میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ تمام آزاد ہیں (1)۔ یہ حدیث غریب ہے۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَ ضِيَآءً وَّ ذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَ هُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۚ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾

''اور یقیناً ہم نے عطا فرمایا موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کو فرقان اور روشنی اور ذکر پرہیزگاروں کے لیے جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے نیز وہ قیامت سے بھی ترساں رہتے ہیں۔ اور یہ قرآن نصیحت ہے بڑی بابرکت ہم نے (ہی) اسے اُتارا ہے تو کیا تم اس کو ماننے سے انکار کرتے ہو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَ ضِيَآءً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ نے الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً حال کی بناء بغیر واو کے پڑھا ہے۔ فراء کا خیال ہے کہ واو حذف کرنا اور نہ کرنا ایک جیسا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِۨالْكَوَاكِبِ ۙ وَ حِفْظًا (الصافات: 6) یعنی حفظاً اس قول کا زجاج نے رد کیا ہے انہوں نے فرمایا: واو ایک معنی کے لیے ہوتی ہے پس اسے زیادہ نہیں کیا جائے گا۔ فرمایا: الْفُرْقَانَ سے مراد تورات ہے کیونکہ ان میں حرام اور حلال کے درمیان فرق ہے۔ فرمایا: وَضِيَآءً، فیہ ھدی ونور کی مثل ہے۔ ابن زید نے کہا: فرقان سے مراد دشمنوں پر مدد ہے، اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ (الانفال: 41) یعنی بدر کے دن۔ ثعلبی نے کہا: یہ قول ظاہر آیت کے زیادہ مشابہ ہے، الضیاء میں واو کے دخول کی وجہ سے۔ پس آیت کا معنی یہ ہوگا ہم نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو نصرت اور تورات عطا کی جو روشنی اور نصیحت ہے۔ لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ یعنی غائبین کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا بلکہ انہوں نے نظر و استدلال کے ذریعے پہچانا کہ ان کے لیے رب ہے جو قادر ہے اعمال پر جزا دے گا وہ اپنے دل میں اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور خلوتوں میں بھی خشیت ظاہر رہتی

1۔ جامع ترمذی، باب ومن سورۃ الانبیاء، حدیث نمبر 3089، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے جہاں وہ لوگوں سے اوجھل ہوتے ہیں۔ وَ هُمْ مِّنَ السَّاعَةِ تو بہ سے پہلے قیام قیامت سے۔ مُشْفِقُوْنَ۝ ڈرتے رہتے ہیں۔ وَ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اس سے مراد قرآن ہے۔ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ اے معشر عرب مُنْكِرُوْنَ۝ تم انکار کرتے ہو کہ قرآن معجزہ ہے اس کی مثل لانے پر تم قادر نہیں ہو۔ فراء نے کہا: وَ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ بمعنی انزلنا مبارکاً ہے، ہم نے اسے برکت والا نازل کیا۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْۤ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ۝ قَالُوْا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ۝ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَ اَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ۝

''اور یقیناً ہم نے مرحمت فرمائی تھی ابراہیم کو ان کی دانائی اس سے پہلے اور ہم ان کو خوب جانتے تھے۔ یاد کرو جب آپ نے کہا اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہ یہ کیا مورتیاں ہیں جن کی پوجا پاٹ پر تم جمے بیٹھے ہو۔ وہ بولے: پایا ہم نے اپنے باپ (دادوں) کو کہ وہ ان کے پجاری تھے۔ آپ نے فرمایا: بلاشبہ مبتلا رہے ہو تم بھی اور تمہارے باپ دادا بھی کھلی ہوئی گمراہی میں۔ انہوں نے پوچھا: کیا تم ہمارے پاس کوئی سچی بات لے کر آئے ہو یا (صرف) دل لگی کر رہے ہو؟ آپ نے فرمایا: (دل لگی نہیں کر رہا) بلکہ تمہارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے ان سب کو پیدا فرمایا ہے اور میں اس (صداقت) پر گواہی دینے والوں سے ہوں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ فراء نے کہا: ہم نے ابراہیم کو اپنی ہدایت عطا کی۔ مِنْ قَبْلُ نبوت سے پہلے یعنی ہم نے اسے غور وفکر کرنے کی توفیق بخشی جب اس پر رات تاریک ہوئی تو انہوں نے چاند، سورج اور ستارے کو دیکھا۔ بعض نے فرمایا: مِنْ قَبْلُ سے مراد حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون سے پہلے۔ نبوت پر دانشمندی۔ پہلا قول اکثر مفسرین کا ہے جس طرح یحییٰ کو فرمایا: وَ اٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا۝ (مریم) قرطبی نے کہا: رُشْدَهٗ سے مراد اس کی اصلاح ہے۔ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ۝ یعنی ہم جانتے تھے کہ وہ رشد کے عطا کرنے کے اہل تھے اور نبوت کی صلاحیت رکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ بعض علماء نے فرمایا: یعنی تو یاد کر جب اس نے اپنے باپ کو کہا۔ پس کلام وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ پر مکمل ہوگی۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہم جانتے تھے جب انہوں نے کہا۔ اس مفہوم پر کلام متصل ہوگی اور عالمین پر وقف نہ ہوگا لِاَبِيْهِ سے مراد آزر ہے۔ قَوْمِهٖ نمرود اور اس کے پیروکار۔ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ اس سے مراد مورتیاں ہیں۔ التَّمَاثِيْلُ ہر اس شی کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے مشابہ بنائی گئی ہو۔ کہا جاتا ہے: مثلت الشئ بالشئ میں نے ایک چیز کو دوسری چیز سے مشابہت دی۔ اس مثل کا اسم تماثل ہے۔ الَّتِيْۤ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ۝ یعنی تم ان کی عبادت پر قائم

ہو۔ قَالُوْا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ ﴿۵۳﴾ ہم اپنے اسلام کی تقلید میں ان کی عبادت کرتے ہیں۔ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵۴﴾ ان کی عبادت کی وجہ سے گمراہی میں ہیں، کیونکہ یہ جمادات ہیں جو نہ نفع دیتے ہیں نہ نقصان اور نہ کچھ جانتے ہیں۔ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ یعنی کیا تو حق کو لانے والا ہے اپنی بات میں؟ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ ﴿۵۵﴾ یا تو مزاح کرنے والا ہے۔ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ میں مزاح کرنے والا نہیں ہوں بلکہ تمہارا پروردگار اور تمہاری تدبیر کو قائم کرنے والا آسمانوں اور زمین کا خالق ہے۔ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ جس نے انہیں پیدا کیا۔ وَ اَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۵۶﴾ میں گواہ ہوں کہ وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ شاہد حکم کو بیان کرتا ہے؛ اسی سے ہے شَهِدَ اللّٰهُ (آل عمران: 18) اللہ نے بیان کیا معنی یہ ہے کہ میں جو کہتا ہوں دلیل ہے، بیان کرتا ہوں۔

وَ تَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾

''اور بخدا! میں بندوبست کروں گا تمہارے بتوں کا جب تم چلے جاؤ گے پیٹھ پھیرتے ہوئے۔ پس آپ نے انہیں ریزہ ریزہ کر ڈالا مگر ان کے بڑے کو کچھ نہ کہا تاکہ وہ لوگ (اس افتاد کے بارے میں) اس کی طرف رجوع کریں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ تَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بتایا کہ حضرت ابراہیم نے زبانی حجت پر اکتفا نہ کیا بلکہ ان کے بتوں کو توڑا آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر وثوق تھا اور دین کے دفاع میں تکلیف برداشت کرنے پر نفس مطمئن تھا۔ تَاللّٰهِ میں تاء اللہ تعالیٰ کے اسم کے ساتھ قسم اٹھانے میں مختص ہے واؤ ہر ظاہر اسم کے ساتھ مختص ہے اور باء ظاہر و ضمیر کے ساتھ استعمال ہوتی ہے۔ شاعر نے کہا:

تاللہ یبقی علی الأیام ذوحید　بمشمخر بہ الظیان و الآس

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ کی حرمت کی قسم! میں تمہارے بتوں کا بندوبست کروں گا۔ میں ان کے ساتھ ضرور مکر کروں گا۔ الکید کا معنی مکر ہے۔ کادہ یکیدہ کیدا و مکیدۃ اسی طرح المکایدۃ ہے جنگ کو کید کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے: غزا فلان فلاں نے جنگ کی لیکن لڑائی کو نہ پایا۔ ہر وہ چیز جس کا تو برا ارادہ کرے تو اس کے لیے کہا جاتا ہے: أنت تکیدہ۔ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۷﴾ یعنی تمہارے چلے جانے کے بعد۔ ان کی ہر سال عید ہوتی تھی جس میں وہ جمع ہوتے تھے انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: اگر تو ہمارے ساتھ ہماری عید کی طرف نکلے تو تو ہمارے دین کو پسند کرے گا: یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جیسا کہ اس کا بیان سورۃ الصافات میں آئے گا۔ حضرت ابراہیم نے دل میں کہا: تَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ میں تمہارے بتوں کا بندوبست کروں گا۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا: یہ حضرت ابراہیم نے اپنی قوم سے چھپا کر کہا تھا اس کو صرف ایک آدمی نے سنا تھا اور اسی نے آپ کا یہ راز افشا کیا تھا۔ ایک کی خبر کو جمع کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے جب دوسرے لوگ اس کی خبر پر راضی ہوں، جیسے اس آیت میں ہے: یَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ

الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (المنافقون: 8) بعض علماء نے فرمایا: یہ آپ نے قوم کے نکلنے کے بعد کہا تھا۔ اور ان میں سے صرف وہ کمزور لوگ باقی تھے جنہوں نے آپ کی بات کو سنا تھا۔ حضرت ابراہیم نے ان سے پیچھے رہنے کا حیلہ کیا فرمایا: اِنِّیْ سَقِیْمٌ ﴿۸۹﴾ (الصافات) یعنی میں حرکت کرنے میں کمزور ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ الجذ و الجذاذ جو توڑا گیا ہو۔ ضمہ، کسرہ سے افصح ہے؛ یہ جوہری کا قول ہے۔ کسائی نے کہا: سونے کے پتھروں کو جذاذ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ٹوٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ کسائی، اعمش اور ابن محیصن نے جذاذ جیم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ جذیذ کی جمع ہے۔ ریزہ ریزہ جیسے خفیف کی جمع خفاف اور ظریف کی جمع ظراف آتی ہے۔ شاعر نے کہا:

جَذَذ الأصنام فی مِحرابِها　ذاك فی الله العلیّ المقتدر

باقی قراء نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے اس کو اختیار کیا ہے جیسے الحُطام اور الرُفات وغیرہ یہ جذاذة کی جمع ہے یہ وہ کید ہے جس کی آپ نے قسم اٹھائی تھی کہ آپ ضرور ایسا کریں گے۔ فرمایا: فَجَعَلَهُمْ کیونکہ قوم کا اپنے بتوں کے بارے الہ (خدا) ہونے کا عقیدہ تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابو نہیک اور ابو السمال نے جذاذ جیم کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے فتح اور کسرہ دونوں لغتیں ہیں، جیسے الحَصاد اور الحِصاد۔ ابو حاتم نے کہا: فتحہ، کسرہ اور ضمہ ہم معنی ہیں؛ یہ قطرب نے حکایت کیا ہے۔ اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ جسم میں بڑا خدا۔ حضرت ابراہیم نے بڑے بت کو نہیں توڑا تھا۔ سدی اور مجاہد نے کہا: آپ نے بڑے بت کو چھوڑ دیا اور اس ہتھوڑے کو اس کی گردن میں لٹکا دیا جس کے ساتھ دوسرے بتوں کو توڑا تھا تاکہ اس کے ذریعے ان پر حجت قائم کریں۔ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ شاید حضرت ابراہیم اور اس کے دین کی طرف یَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ لوٹیں جب ان پر حجت قائم ہو جائے۔ بعض نے کہا: اِلَیْهِ کی ضمیر کا مرجع بڑا بت ہے۔ یَرْجِعُوْنَ ان کے توڑنے میں۔

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى یَّذْكُرُهُمْ یُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِیْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْیُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾

"وہ بولے: کس نے یہ حال کیا ہے ہمارے بتوں کا بیشک وہ ظالموں میں سے ہے۔ (چند آدمیوں نے کہا) ہم نے ایک نوجوان کو سنا ہے کہ وہ ان کا ذکر (برائی سے) کیا کرتا ہے اسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔ کہنے لگے: تو پھر (پکڑ کر) لاؤ اسے سب لوگوں کے روبرو شاید وہ اس کے متعلق کوئی شہادت دیں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۹﴾ جب وہ اپنے میلے سے لوٹ کر آئے اور ان کے بتوں کا جو حشر ہو چکا تھا اسے دیکھا تو بحث و انکار کی جہت سے یہ کہا: مَنْ فَعَلَ۔۔۔ الخ بعض نے فرمایا: مَنْ استفہامیہ نہیں بلکہ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ہے یعنی ایسا کرنے والا ظالم ہے۔ پہلا قول اصح ہے کیونکہ ارشاد ہے: سَمِعْنَا فَتًى یَّذْكُرُهُمْ یہ مَنْ فَعَلَ هٰذَا کا جواب ہے۔ قَالُوْا میں ضمیر ان کمزور لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے حضرت ابراہیم کی بات سنی تھی یا وہ ایک شخص ہے جس نے آپ کا جملہ سنا تھا۔ یَذْكُرُهُمْ کا معنی ہے وہ انہیں عیب لگاتا ہے اور انہیں برا بھلا کہتا ہے۔ شاید اس نے یہ کیا ہو۔ ابراہیم پر رفع کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ زجاج نے کہا: یُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِیْمُ ﴿۶۰﴾

کے معنی پر مرفوع ہے اس صورت میں مبتدا محذوف کی خبر ہوگا اور جملہ محکیہ ہوگا اور یہ بھی جائز ہے کہ ندا کی بنا پر مرفوع ہو اور ضمہ مبنی ہونے کی بنا پر ہو اور نائب الفاعل کے قائم مقام ہو۔ اور بعض نے کہا: اس کو رفع نائب الفاعل کی بنا پر ہے اس بنا پر ابراہیم مخصوص شخص پر دلالت کرنے والا نہ بنایا جائے بلکہ اس کے ساتھ بولنا اس لفظ کی بنا پر دلالت کرنے کے لیے ہو یعنی اس کے لیے یہ قول اور یہ لفظ بولا جاتا ہے جیسا کہ تو کہتا ہے: زید فعل کے وزن پر ہے یا زید تین حرف ہیں۔ اور یہ کسی وجہ سے شخص پر دلالت نہیں کرتا بلکہ تو نے اس کے بولنے کے ساتھ لفظ کے نفس پر دلالت کی ہے۔ اس طریقہ پر تو کہتا ہے: میں نے ابراہیم بولا۔ اور یہ مفعول صحیح ہوگا تو نے اسے قول اور کلام کے قائم مقام رکھا اس کے بعد فعل کو مجہول بنانے میں کوئی مشکل نہیں ہے۔
یہ رفع میں ابن عطیہ کا اختیار ہے۔ استاذ ابوالحجاج اشبیلی اعلم نے کہا: یہ اہمال کی بنا پر رفع ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: جب اس نے رفع کی وجوہ دیکھیں تو گویا وہ معنی واضح نہیں کرتیں جن کا انہوں نے قصد کیا ہے تو انہوں نے بغیر کسی چیز کے اس کو رفع دیا جیسا کہ عوامل سے خالی ہونے کی وجہ سے مبتدا کو رفع دیا جاتا ہے۔ الفتی کا معنی نوجوان ہے اور الفتاۃ کا معنی جوان لڑکی ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی نہیں بھیجا مگر نوجوان (1) پھر یہ آیت پڑھی: سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْيُنِ النَّاسِ۔

اس میں ایک مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ جب نمرود اور اس کے حواریوں کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے بغیر دلیل کے حضرت ابراہیم کو پکڑنا ناپسند کیا انہوں نے کہا: اسے لوگوں کے سامنے لے آؤ تا کہ اسے دیکھیں۔ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ تا کہ وہ اس کے خلاف گواہی دیں جو اس نے کہا ہے، تا کہ اس پر حجت قائم ہو جائے۔ بعض علماء نے فرمایا: لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ تا کہ اس کی سزا کا مشاہدہ کریں تا کہ اس کے بعد اس جیسا کوئی اقدام نہ کرے یا یہ مطلب ہے کہ تا کہ لوگ گواہی دیں کہ انہوں نے یہ ان کے بتوں کو برا بھلا کہا ہے تا کہ وہ جان لیں کہ یہ سزا کا مستحق ہے۔
میں کہتا ہوں: اس میں دلیل ہے کہ کسی سے صرف کسی کے دعویٰ کی بنا پر مواخذہ نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ ہماری شریعت میں بھی یہی عمل ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾

"(ابراہیم پکڑ کر لائے گئے تو) لوگوں نے پوچھا: اے ابراہیم! کیا تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے۔ فرمایا: بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ حرکت کی ہوگی ان سے پوچھو اگر یہ گفتگو کی سکت رکھتے ہوں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ جب سماع عام نہ تھا اور شہادت ثابت نہ تھی تو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا:

1۔ تفسیر ابن کثیر اس آیت کے تحت

کیا انہوں نے یہ کیا ہے یا نہیں؟ اس کلام میں حذف ہے یعنی ابراہیم آئے جب انہیں لایا گیا تو انہوں نے پوچھا: کیا تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کیا ہے؟ حضرت ابراہیم نے ان پر حجت قائم کرنے کے لیے یہ کہا: بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا یہ دھوکا اور غضب ہے کہ اس کی اور اس کے ساتھ چھوٹے بتوں کی عبادت کی جائے پھر اس نے ان کے ساتھ یہ کیا ہو اگر یہ بولتے ہیں تو ان سے پوچھو۔ بڑے بت کے فعل کو دوسروں کے بولنے کے ساتھ معلق کیا ہے انہیں ان کے بد عقیدہ پر تنبیہ کرتے ہوئے یہ کہا ہے گویا فرمایا: بلکہ یہ اس بڑے نے کیا ہے اگر یہ بولتے ہیں۔ اس تاویل پر کلام میں تقدیم ہے۔ فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ۝ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ بلکہ بڑے نے کیا ہوگا اگر یہ بولتے ہیں یہ بیان کیا کہ جو بولتے نہیں ہیں اور کچھ جانتے بھی نہیں ہیں وہ عبادت کے مستحق نہیں ہیں۔ اس کا یہ قول تعریض تھا اور معاریض[*] جھوٹ سے بچنے کے لیے ہوتی ہیں یعنی ان سے پوچھے۔ اگر یہ بولتے ہیں تو وہ سچے ہیں اگر یہ نہیں بولتے تو وہ ایسا کرنے والا نہیں۔ اس کلام کے ضمن میں اعتراف ہے کہ وہ ایسا کرنے والا ہے۔ یہ صحیح ہے کیونکہ انہوں نے اپنے نفس پر اس کو شمار کیا۔ پس یہ دلیل ہے کہ آپ نے یہ کلام تعریض کی حیثیت سے ذکر کی ہے۔ یہ اس لیے کہ وہ لوگ ان کی عبادت کرتے تھے اللہ کو چھوڑ کر انہیں معبود بناتے تھے جیسا کہ حضرت ابراہیم نے اپنے اب سے کہا تھا: يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَ لَا يُبْصِرُ (مریم: 42) حضرت ابراہیم نے فرمایا: بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا تاکہ وہ اپنی زبان سے اعتراف کریں کہ یہ بولتے نہیں یہ نہ نفع دیتے ہیں اور نہ نقصان دیتے ہیں۔ پس پھر انہیں آپ کہیں کہ تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو اور ان پر حجت قائم ہو جائے۔ اسی وجہ سے امت کے نزدیک خصم کے ساتھ باطل کا فرض کرنا جائز ہے تاکہ خصم خود ہی حق کی طرف لوٹ آئے کیونکہ یہ چیز حجت کے زیادہ قریب ہوتی ہے اور شبہ کو ختم کرنے والی ہوتی ہے جیسا کہ آپ نے اپنی قوم سے کہا: هٰذَا رَبِّیْ (الانعام: 77) ھذہ اختی، اِنِّیْ سَقِیْمٌ۝ (الصافات) بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا، ابن سمیقع نے بَلْ فَعَلَّهٗ لام کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ شاید ایسا کرنے والا ان کا بڑا ہو۔ کسائی نے کہا: بَلْ فَعَلَهٗ پر وقف ہوگا یعنی اس نے کیا جس نے کیا پھر كَبِيْرُهُمْ هٰذَا سے نئی کلام ہوگی۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ان کے بڑے نے ایسا کیا ہے اس کا کیوں انکار کرتے ہیں۔ یہ خبر کے لفظ کے ساتھ الزام ہے یعنی جو ان کی عبادت کا اعتقاد رکھتا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ ان کے لیے فعل کا بھی اثبات کرے۔ مطلب یہ ہے کہ جو چیز تمہیں لازم ہے اس کے اعتبار سے تو ان کے بڑے نے یہ عمل کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ بخاری، مسلم اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حضرت ابراہیم نے کبھی (بظاہر) بھی جھوٹ نہیں بولا مگر (بظاہر) تین مواقع پر۔ آپ نے کہا: اِنِّیْ سَقِیْمٌ۝ (الصافات) اور حضرت سارہ کے متعلق کہا یہ میری بہن ہے اور فرمایا: بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ'' (1) یہ ترمذی کے الفاظ ہیں۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں واقعہ معراج میں ہے فرمایا: ''ستارے کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: هٰذَا رَبِّیْ (الانعام: 77) اس بنا پر کذبات کی تعداد چار ہوگی لیکن نبی

1۔ ترمذی، باب ومن سورۃ الانبیاء، حدیث 3090، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

[*] اشارۃً بات کرنا

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نفی کی فرمایا: ''ابراہیم علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہیں بولا مگر بظاہر تین مواقع پر دو مواقع پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تھا۔ فرمایا: اِنِّیۡ سَقِیۡمٌ (الصافات) اور بَلۡ فَعَلَهٗ کَبِیۡرُهُمۡ اور ایک سارہ کے بارے میں تھا''۔ یہ الفاظ مسلم کی حدیث کے ہیں۔ ستارے کے بارے میں جو کہا تھا: هٰذَا رَبِّیۡ (الانعام: 77) یہ بھی کذب میں داخل ہے لیکن اس کو کذب شمار نہیں کیا کیونکہ آپ نے یہ بچپن میں کیا تھا جب کہ آپ مکلف نہ تھے یا آپ نے توبیخ وانکار کی بنا پر ان سے سوالیہ انداز میں یہ کہا اور ہمزہ استفہام حذف کیا گیا یا اپنی قوم پر حجت قائم کرنے کے لیے کہا۔ اس بات پر تنبیہ کرتے ہوئے کہ جو متغیر ہوتا ہے وہ رب ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ یہ تمام وجوہ سورۃ الانعام میں واضح طور پر گزر چکی ہیں۔ الحمد للہ۔

مسئلہ نمبر 3۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: اس حدیث میں ایک عظیم نکتہ ہے جو پیٹھ کو توڑ دیتا ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حضرت ابراہیم نے جھوٹ نہیں بولا مگر بظاہر تین صورتوں میں دو ایسی صورتیں تھیں جن سے انہوں نے اپنے دین کا دفاع کیا وہ یہ تھیں آپ نے فرمایا: اِنِّیۡ سَقِیۡمٌ (الصافات) اور فرمایا: بَلۡ فَعَلَهٗ کَبِیۡرُهُمۡ'' اور ھذہ اختی (سارہ میری بہن ہے) کو ذات الٰہی میں شمار نہیں کیا اگرچہ انہیں آپ نے مجبور ہونے کی صورت میں جابر بادشاہ کے پاس بھیجا تھا لیکن اس میں چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنی فراش کی حفاظت اور اپنے گھر والوں کی حمایت کا کچھ حصہ تھا تو اسے اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے نہیں بنایا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے صرف وہ عمل ہوتا ہے جو خالصۃً اللہ کی رضا کے لیے ہو اور دنیا کے ثواب سے پاک ہو اور وہ معاریض (ایسی کلام جس کو سننے والا اور مفہوم میں سمجھے اور متکلم کا ارادہ کچھ اور ہو) جو نفس کی طرف لوٹتی ہیں جب وہ خالص دین کے لیے ہوں تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَا لِلّٰهِ الدِّیۡنُ الۡخَالِصُ (الزمر: 3) یہ اگر ہماری طرف سے صادر ہوں تب بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں لیکن حضرت ابراہیم کا مقام بلند اسی بات کا مقتضی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ ہمارے علماء نے فرمایا: کذب (جھوٹ) کا مطلب ہے کسی چیز کے بارے میں ایسی خبر دینا جو اس کی حقیقت کے خلاف ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول تعریض اور توریہ تھا۔ معاریض، حسنات اور حجج اور دلالات جائز ہوتی ہیں لیکن مرتبہ کی کمی میں موثر ہوتی ہیں اور محمود مرتبہ سے کم کر دیتی ہیں اور ان کا قائل ان سے حیا کرتا ہے جیسا کہ حدیث شفاعت میں وارد ہے انبیاء کرام ایسی باتوں سے ڈرتے ہیں جن سے دوسرے لوگ نہیں ڈرتے (1)۔ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے کیونکہ وہ ذات جو نبوت اور خلت کے مرتبہ پر فائز ہے وہ حق کو واضح کرے اور امر کا صراحۃً بیان کرے جیسا بھی ہو لیکن انہیں رخصت دی گئی تھی تو انہوں نے رخصت کو قبول کر لیا تھا پس ان کے قصہ میں یہی ہوا تھا اسی وجہ سے حدیث شفاعت میں ہے: انما اتخذت خلیلاً من وراءَ وراءَ، وراءَ مبنی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جیسے خمسۃ عشر ہے اور جس طرح عرب کہتے ہیں: جاری بیت بیت اور مسلم کے بعض نسخوں میں من وراءُ مِن وراءُ، من کے اعادہ کے ساتھ ہے اس صورت میں مبنی برفتحہ جائز نہیں ان میں سے ایک مبنی بر ضمہ ہوگا کیونکہ مقطوع الاضافہ ہے اور مضاف کی نیت کی گئی ہے جیسے: قبل و بعد میں ہوتا ہے اور اگر مضاف کی نیت نہ ہو تو معرب ہوتا ہے اور منون ہوتا ہے لیکن وراء غیر منصرف

1۔ مسند امام محمد، حدیث نمبر 12153

ہے کیونکہ اس کی الف تانیث کے لیے ہے کیونکہ عرب اس کی تصغیر میں دُرَیۃٌ کہتے ہیں۔ جوہری نے کہا: یہ شاذ ہے اس بنا پر من کے موجود ہونے کے ساتھ ہی دونوں میں فتحہ صحیح ہوگا۔ معنی یہ ہے کہ میں خلیل تھا جو دوسروں سے پیچھے تھا۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ خلت اپنے کمال کے ساتھ صحیح نہیں ہے مگر اس کے لیے جس کے لیے اس دن مقام محمود پر فائز ہونا صحیح ہوگا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، وہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

فَرَجَعُوْۤا اِلٰۤی اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْۤا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰی رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ یَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكُمْ شَیْـًٔا وَّ لَا یَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَ لِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

"(لاجواب ہو کر) اپنے دلوں میں غور کرنے لگے پھر بولے بلاشبہ تم ہی زیاں کار ستمگار ہو۔ پھر وہ اوندھے ہو کر (اپنی سابقہ گمراہی کی طرف) پلٹ گئے اور کہنے لگے: تم خوب جانتے ہو کہ یہ بولتے نہیں۔ آپ نے فرمایا: (نادانو!) کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان (بے بس بتوں) کی جو نہ تمہیں کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمہیں ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ تف ہے تم پر نیز ان بتوں پر جن کو تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَرَجَعُوْۤا اِلٰۤی اَنْفُسِهِمْ یعنی وہ ایک دوسرے کی طرف اس طرح لوٹے جس طرح وہ شخص رجوع کرتا ہے جس کے پاس دلیل باقی نہیں رہتی اور اپنے مقابل کی حجت کی صحت کو سمجھ لیتا ہے۔ پس انہوں نے کہا: تم ہی ظالم ہو یعنی ایسی مورتیوں کی عبادت کر کے تم ظلم کرتے ہو جو ایک لفظ بول نہیں سکتی ہیں۔ اور ایک لمحہ کے لیے اپنے آپ کی مالک نہیں ہیں۔ وہ اپنے عبادت گزاروں کو کیسے نفع دیں گے اور ان سے تکلیف کو کیسے دور کریں گی جو اپنے سر سے ہتھوڑے کے وار کو دور نہ کیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰی رُءُوْسِهِمْ یعنی وہ اپنی جہالت اور عناد کی طرف لوٹ گئے انہوں نے کہا: لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ یَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ تو حضرت ابراہیم نے ان کے بکواسات کو توڑتے ہوئے اور ان کی غلط باتوں کا قلع قمع کرتے ہوئے کہا: اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكُمْ شَیْـًٔا وَّ لَا یَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ، تف ہے تمہارے لیے۔ وَ لِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ بعض علماء نے فرمایا: ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰی رُءُوْسِهِمْ کا معنی ہے حضرت ابراہیم کے سامنے شرمندگی اور خجالت کی وجہ سے انہوں نے سر جھکا دیئے۔ اس میں نظر ہے کیونکہ اگر یہ معنی ہوتا تو عبارت یوں ہوتی نکسوا رؤسھم کاف کے فتحہ کے ساتھ بلکہ یہاں کاف کے کسرہ کے ساتھ ہے تو اس کا مطلب ہے وہ اپنے پہلے امر کی طرف لوٹ گئے۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان کو شقاوت نے گھیر لیا اور وہ اپنے کفر کی طرف لوٹ گئے۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَ انْصُرُوْۤا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْنَا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ ﴿۶۹﴾

"(سب یک زبان ہوکر) بولے جلا ڈالو اس کو اور مدد کرو اپنے خداؤں کی اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو (جب آپ کو آتش کدہ میں پھینکا گیا تو) ہم نے حکم دیا: اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی کا باعث بن جا ابراہیم کے لیے"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَالُوْا حَرِّقُوْهُ جب اس کی حجت اور دلیل ختم ہو گئی تو انہیں گناہ کی غیرت نے آلیا۔ وہ ظلم، غلبہ کے طریقہ کی طرف لوٹے اور کہا: اسے جلا دو۔ روایت ہے کہ یہ بات کرنے والا فارس کے بدوؤں میں سے تھا اور اکراد قبیلہ سے تھا؛ یہ ابن عمر، مجاہد اور ابن جریج کا قول ہے۔ کہا جاتا ہے: اس کا نام ہیزر تھا، اسے اللہ تعالیٰ نے زمین میں غرق کر دیا اور قیامت تک وہ نیچے چلا جائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے بادشاہ نمرود نے یہ کہا تھا: انْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ یعنی ابراہیم کو جلا کر اپنے خداؤں کی مدد کرو کیونکہ ابراہیم انہیں گالیاں دیتا ہے اور ان پر عیب لگاتا ہے۔ خبر میں آیا ہے کہ نمرود نے ایک محل بنایا تھا جس کا طول اسی ہاتھ تھا اور عرض چالیس ہاتھ تھا۔ ابن اسحاق نے کہا: انہوں نے ایک مہینہ لکڑیاں جمع کیں پھر انہیں جلایا وہ اچھی طرح جل گئیں اور شعلے نکلنے لگے حتی کہ پرندہ قریب سے گزرتا تو اس کی تپش کی شدت سے جل جاتا تھا۔ پھر انہوں نے ابراہیم کو باندھ دیا اور انہیں منجنیق میں رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس دن ابلیس نے ان کے لیے منجنیق بنائی۔ آسمان، زمین اور ان میں رہنے والے فرشتوں اور ساری مخلوق نے ایک آواز دی سوا جنوں اور انسانوں کے: اے ہمارے رب! صرف ابراہیم ہی زمین میں تیری عبادت کرتا ہے اسے تیری وجہ سے جلایا جا رہا ہے۔ ہمیں اس کی مدد کرنے کی اجازت دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم میں سے کسی چیز سے وہ مدد مانگتا ہے یا کسی کو وہ بلاتا ہے تو وہ اس کی مدد کرے میں نے اسے اجازت دی ہے اور اگر وہ میرے علاوہ کسی کو نہ پکارے اور میں اس کو جانتا: دں اور میں اس کا والی ہوں پس جب انہوں نے حضرت ابراہیم کو آگ میں پھینکنے کا ارادہ کیا تو پانی کے فرشتے حضرت ابراہیم کے پاس آئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت ہوا میں تھے۔ انہوں نے کہا: اے ابرہیم! اگر تو چاہے تو ہم آگ کو پانی کے ساتھ بجھا دیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پانی کے فرشتوں کو کہا مجھے تمہاری حاجت نہیں ہے۔ پھر ہوا کا فرشتہ آیا اس نے کہا: اگر آپ چاہیں تو میں آگ کو اڑا دوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: نہیں۔ پھر آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کہا: اے اللہ! تو آسمان میں ایک ہے اور میں زمین میں ایک ہوں، میرے سوا کوئی تیری عبادت نہیں کرتا میرے لیے اللہ کافی ہے اور اللہ بہتر کارساز ہے۔ حضرت ابی بن کعب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب انہوں نے آگ میں پھینکنے کے لیے باندھا تو آپ نے کہا: لا إله إلا أنت سبحانك رب العالمين لك الحمد ولك الملك لا شريك لك" پھر فرمایا: "انہوں نے آپ کو ایک جوڑے کپڑے میں رکھ کر پھینکا۔ آپ کو جبریل امین ملے اور کہا: اے ابراہیم! آپ کو کوئی حاجت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: أما إليك فلا تجھ سے تو نہیں۔ جبریل نے کہا: اپنے رب سے سوال کرو۔ آپ نے فرمایا: میرے سوال کی نسبت میرے متعلق اس کا علم مجھے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور وہ سب سے زیادہ سچا ہے: يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس آگ میں ایسی ٹھنڈک پیدا کی جس نے اس کی گرمی کو دور کر دیا پس حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سلامتی والی ہو گئی۔ ابو العالیہ نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ بَرْدًا وَّسَلٰمًا نہ کہتے تو اس کی ٹھنڈک اس کی گرمی

سے زیادہ تکلیف دہ ہوتی اور اگر عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ نہ فرماتے تو ہمیشہ اس کی ٹھنڈک باقی رہتی۔ بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جنت سے ایک قالین اتارا اور اسے جحیم میں بھیجا اور اللہ تعالیٰ نے جبریل، میکائیل، ٹھنڈک کا فرشتہ اور سلامتی کا فرشتہ اتارا۔ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر بَرْدًا کے بعد سَلٰمًا نہ ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی ٹھنڈک کی وجہ سے فوت ہو جاتے اور اس دن ہر آگ بجھ گئی تھی۔ ہر آگ نے سمجھا کہ اسے ارشاد ہوا ہے۔ سدی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے درخت کی ہر ٹہنی کو حکم دیا کہ وہ اپنے درخت کی طرف لوٹ جائے اور پھل پھینکے۔ حضرت کعب اور قتادہ نے کہا: حضرت ابراہیم کو آگ نے نہیں جلایا تھا مگر آپ کی رسی کو جلا دیا تھا جس سے آپ باندھے ہوئے تھے۔ آپ سات دن آگ میں رہے اور کوئی آدمی آگ کے قریب نہیں جا سکتا تھا پھر وہ آئے تو حضرت ابراہیم کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ منہال بن عمرو نے کہا: جب حضرت ابراہیم نے کہا میں اتنا کبھی انعام یافتہ نہ ہوا جتنا کہ میں ان ایام میں تھا جن میں میں آگ میں تھا۔ کعب، قتادہ اور زہری نے کہا: ہر جانور آگ کو بجھانے والا تھا سوائے چھپکلی کے یہ آگ کو پھونکے مارتی تھی اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کو فویسقہ کہا(1)۔ شعیب حمانی نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آپ کی عمر سولہ برس تھی۔ ابن جریج نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلا کو آگ میں ڈالا گیا تو آپ کی عمر چھبیس برس تھی۔ پہلا قول ثعلبی نے اور دوسرا قول ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ کلبی نے کہا: زمین کی ہر آگ بجھ گئی تھی اور کوئی گوشت بھونا نہیں گیا تھا۔ نمرود نے اپنے محل سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ ایک پلنگ پر بیٹھے ہیں۔ ایک فرشتہ آپ سے الفت کا اظہار کر رہا تھا۔ کہنے لگا: تیرا رب کتنا اچھا رب ہے میں اس کے لیے چار ہزار گائے قربان کروں گا اور وہ اس سے رک گیا۔

وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَیْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِیْنَ ۚ وَ نَجَّیْنٰهُ وَ لُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا لِلْعٰلَمِیْنَ ۞ وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَ یَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِیْنَ ۞ وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ ۞

"انہوں نے تو ابراہیم کو گزند پہنچانے کا ارادہ کیا لیکن ہم نے ان کو ناکام بنا دیا۔ اور ہم نے نجات دی آپ کو اور لوط کو اس سرزمین کی طرف (ہجرت کا حکم دیا) جسے ہم نے بابرکت بنایا تھا تمام جہان والوں کے لیے۔ اور ہم نے عطا فرمایا انہیں اسحاق (جیسا فرزند) اور یعقوب (جیسا) پوتا اور سب کو ہم نے صالح بنا دیا۔ اور ہم نے بنا دیا انہیں پیشوا (لوگوں کے لیے) وہ راہ دکھاتے تھے ہمارے حکم سے اور ہم نے وحی بھیجی ان کی طرف کہ وہ نیک کام کریں اور نماز ادا کریں اور زکوٰۃ دیا کریں اور وہ سب ہمارے عبادت گزار تھے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَیْدًا نمرود اور اس کے ساتھیوں نے حضرت ابراہیم کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کیا۔

1۔ مصنف عبدالرزاق، جلد 2، صفحہ 25۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذہ

فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ۝ پس ہم نے انہیں اعمال میں گھاٹا پانے والے بنا دیا اور ہم نے ان کے مکر کو ان پر لوٹا دیا یہ ہم نے ان پر اپنی مخلوق میں سے کمزور ترین مخلوق کو ان پر مسلط کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان پر مچھر کو مسلط کیا۔ نمرود باقی رہا حتی کہ اس نے اپنے ساتھیوں اور گھوڑوں کی ہڈیاں دیکھیں۔ وہ ان کے گوشت کھاتے اور ان کے خون پیتے اور ایک مچھر اس کے ناک میں داخل ہو گیا وہ اسے کھاتے کھاتے اس کے دماغ تک پہنچ گیا اور جو نمرود کے نزدیک معزز شخص تھا وہ اس کے سر پر لوہے کا گرز مارتا تھا وہ اسی کیفیت میں چار سو سال رہا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ۝ الارض سے مراد شام کی زمین ہے پہلے حضرت ابراہیم اور حضرت لوط عراق میں تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت لوط کے چچا تھے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور شام کی زمین کو برکت والی زمین کہا گیا کیونکہ اس کی شادابی اس کے پھل اور اس کی نہریں کثیر ہیں، نیز وہ انبیاء کی آرام گاہ ہے برکت کا مطلب خیر کا ثبوت ہے۔ اسی سے ہے: برکت البعیر جب اونٹ اپنی جگہ پر بیٹھا رہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول ہے کہ اس سے مراد مکہ ہے۔ بعض نے کہا: بیت المقدس ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ نے اکثر انبیاء کو مبعوث فرمایا۔ یہ بھی کثیر شادابی والی ہے اور بڑھوتری والی ہے اس کا پانی میٹھا ہے اور اور پانی اسی سے بکھرتا ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: ہر میٹھا پانی آسمان سے اس چٹان پر اترتا ہے جو بیت المقدس میں ہے پھر زمین میں وہ پانی بکھر جاتا ہے۔ اسی طرح کعب احبار سے مروی ہے۔ بعض نے فرمایا: الارض المبارکہ سے مراد مصر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً، نافلہ کا معنی زیادہ ہے۔ اسحاق کے لیے آپ نے دعا مانگی تھی اور یعقوب بغیر دعا کے عطا فرمایا تھا، پس یہ نافلہ ہو گا یعنی جو مانگا تھا اس سے زائد تھا کیونکہ آپ نے دعا مانگی: رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝ (الصافات) پوتے کو نافلہ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ والد پر زیادتی ہوتا ہے۔ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ۝ یعنی ابراہیم، اسحاق اور یعقوب میں سے ہر ایک کو صالح اللہ کی طاعت کے مطابق عمل کرنے والا بنایا اور انہیں صالح بنایا ان کے لیے طاعت اور صلاح کو تخلیق کر کے اور طاعت پر قدرت تخلیق کر کے صالحیت کو متحقق فرمایا۔ پھر بندہ جو کوشش کرتا ہے بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا یعنی ہم نے انہیں سردار بنایا ہے خیر اور اعمال صالحہ میں ان کی اقتدا کی جاتی ہے۔ امرنا کا معنی ہے جو ہم نے ان پر وحی کی، امر، نہی نازل کیا اس کے مطابق راہنمائی کرتے ہیں گویا فرمایا: وہ ہماری کتاب کے ساتھ ہدایت دیتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہم نے انہیں مخلوق کی راہنمائی کرنے کا حکم دیا ہے اس کے ساتھ ہمارے دین کی طرف لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں اور لوگوں کو توحید کی طرف بلانے کا حکم دیا ہے وہ اس کی وجہ سے توحید کی طرف بلاتے ہیں۔

وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ ہم نے انہیں وحی کی کہ وہ طاعت کو بجا لائیں، نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں اور وہ سب ہمارے عبادت گزار تھے۔

وَ لُوۡطًا اٰتَیۡنٰهُ حُکۡمًا وَّ عِلۡمًا وَّ نَجَّیۡنٰهُ مِنَ الۡقَرۡیَةِ الَّتِیۡ کَانَتۡ تَّعۡمَلُ الۡخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمۡ کَانُوۡا قَوۡمَ سَوۡءٍ فٰسِقِیۡنَ ﴿ۙ۷۴﴾ وَ اَدۡخَلۡنٰهُ فِیۡ رَحۡمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۷۵﴾

''اور لوط کو ہم نے حکومت اور علم عطا فرمایا اور نجات دی اسے اس گاؤں سے جس کے باشندے بہت رزیل کام کیا کرتے تھے بیشک وہ لوگ بڑے نابکار (اور) نافرمان تھے۔ اور ہم نے اسے داخل کر لیا ہے (حریم) رحمت میں بیشک وہ نیکوکاروں میں سے تھا''۔

الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لُوۡطًا اٰتَیۡنٰهُ حُکۡمًا وَّ عِلۡمًا لوط فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے جس پر بعد والا فعل دلالت کر رہا ہے۔ یعنی و آتینا لوطاً آتیناہ۔ بعض علماء نے فرمایا: اصل میں اذکر لوطاً ہے۔ الحکم سے مراد نبوت ہے۔ العلم سے مراد امر دین کی معرفت ہے اور وہ علم ہے جس کے ذریعے جھگڑنے والوں کے درمیان فیصلہ کیا جاتا ہے۔ بعض نے فرمایا: علماً سے مراد فہم ہے۔ مفہوم تمام اقوال کا ایک ہی ہے۔ وَ نَجَّیۡنٰهُ مِنَ الۡقَرۡیَةِ الَّتِیۡ کَانَتۡ تَّعۡمَلُ الۡخَبٰٓئِثَ قریۃ سے مراد سدوم کا شہر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ سات شہر ہیں۔ چھ شہروں کو حضرت جبریل نے الٹ دیا تھا اور ایک شہر کو حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کے عیال کی وجہ سے باقی چھوڑا تھا۔ یہ بہت سے شہر تھے جن میں پھل تھے یہ فلسطین کے ضلع سے شراۃ پہاڑ کی حد تک تھے۔ اس میں بحر حجاز کی حد تک بہت سے شہر تھے۔ وہ خبائث جو وہ کرتے تھے ان کے متعلق دو قول ہیں: (۱) لواطت کا عمل جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ (۲) باآواز بلند ہوا خارج کرنا وہ اپنی مجالس میں ہوا خارج کرتے تھے۔ بعض نے کہا: باآواز بلند ہوا خارج کرنا اور کنکریاں پھینکنا۔

اِنَّهُمۡ کَانُوۡا قَوۡمَ سَوۡءٍ فٰسِقِیۡنَ ﴿۷۴﴾ یعنی الله تعالیٰ کی طاعت سے نکلنے والے تھے۔ الفسوق کا معنی نکلنا ہے۔ وَ اَدۡخَلۡنٰهُ فِیۡ رَحۡمَتِنَا رحمت سے مراد نبوت ہے۔ بعض نے کہا: اسلام ہے۔ بعض نے کہا: جنت ہے۔ بعض نے کہا: اپنی قوم سے نجات ہے۔

وَ نُوۡحًا اِذۡ نَادٰی مِنۡ قَبۡلُ فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ فَنَجَّیۡنٰهُ وَ اَهۡلَهٗ مِنَ الۡکَرۡبِ الۡعَظِیۡمِ ﴿ۚ۷۶﴾ وَ نَصَرۡنٰهُ مِنَ الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمۡ کَانُوۡا قَوۡمَ سَوۡءٍ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۷۷﴾

''اور یاد کرو نوح (علیہ السلام) کو جب انہوں نے (ہمیں) پکارا پیش ازیں تو ہم نے قبول فرمایا ان کی دعا کو اور بچایا انہیں اور ان کے گھر والوں کو سخت مصیبت سے۔ اور ہم نے حمایت کی اس قوم کے مقابلہ میں جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا بیشک وہ بڑے نابکار لوگ تھے، پس ہم نے غرق کر دیا ان سب کو''۔

الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ نُوۡحًا اِذۡ نَادٰی مِنۡ قَبۡلُ نوح سے پہلے اذکر فعل محذوف ہے نَادٰی کا معنی ہے پکارا۔ مِنۡ قَبۡلُ ابراہیم اور لوط سے پہلے ان کی دعا یہ تھی: رَّبِّ لَا تَذَرۡ عَلَی الۡاَرۡضِ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ دَیَّارًا ﴿۲۶﴾ (نوح) اور جب انہوں نے آپ کو جھٹلایا تو آپ نے کہا: اَنِّیۡ مَغۡلُوۡبٌ فَانۡتَصِرۡ ﴿۱۰﴾ (القمر) فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ فَنَجَّیۡنٰهُ وَ اَهۡلَهٗ مِنَ الۡکَرۡبِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۷۶﴾،

الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ سے مراد غرق ہونا اور الْكَرْبِ کا معنی شدید غم بھی ہے۔ اَهْلَهٗ سے مراد ان میں سے جو ایمان لانے والے ہیں۔ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ابوعبیدہ نے کہا: من بمعنی علی ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہم نے انتقام لیا اس قوم سے جو ہماری آیتوں کو جھٹلانے والی تھی۔ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ۝ ان میں سے چھوٹے، بڑے کو غرق کر دیا۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ۝ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۡ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ؕ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ۝

''اور یاد کرو داؤد و سلیمان (علیہما السلام) کو جب وہ فیصلہ کر رہے تھے ایک کھیتی کے جھگڑے کا جب رات کے وقت چھوٹ گئیں اس میں ایک قوم کی بکریاں اور ہم ان کے فیصلہ کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ سو ہم نے سمجھا دیا وہ معاملہ سلیمان کو اور ان سب کو ہم نے بخشا تھا حکم اور علم اور ہم نے فرمانبردار بنا دیا داؤد کا پہاڑوں اور پرندوں کو وہ سب ان کے ساتھ مل کر تسبیح کیا کرتے اور (یہ شان) ہم دینے والے تھے''۔

ان آیات میں چھبیس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ یعنی ان دونوں کو یاد کرو جب وہ فیصلہ کر رہے تھے۔ اِذْ يَحْكُمٰنِ سے مراد اکٹھا فیصلہ کرنا مراد نہیں ہے اگرچہ دونوں کو ایک صیغہ کے ساتھ جمع کیا ہے کیونکہ ایک حکم پر دو حکم جائز نہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا فیصلہ علیحدہ تھا۔ حضرت سلیمان اللہ تعالیٰ کے سمجھانے کی وجہ سے فیصلہ کو سمجھنے والے تھے۔ فِي الْحَرْثِ اس میں دو قول ہیں: بعض نے کہا: وہ کھیتی تھی؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ بعض نے کہا: وہ انگوروں کی بیلیں تھیں جن پر انگور لگ چکے تھے؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور شریح کا قول ہے۔ الحرث کا لفظ دونوں کے لیے بولا جاتا ہے اور کھیتی میں استعارہ سے بعید ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ یعنی اس کھیتی میں رات کے وقت بکریاں چر گئیں۔ النفش کا معنی ہے رات کے وقت چرنا کہا جاتا ہے: نَفَشَتْ بالليل وهَمَلَتْ بالنهار رات کے وقت چر گئیں اور دن کے وقت چر گئیں۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب بغیر چرواہے کے چر جائیں اور اَنْفَشَها صَاحِبُها اور ابلٌ نفاش بولا جاتا ہے، مالک نے انہیں چرایا اور چرنے والے اونٹ۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث میں ہے: الحبة فی الجنة مثل کرش البعیر یبیت نافشاً، یعنی بعیر راعی کے رات گزارتا ہے؛ یہ ہروی نے حکایت کیا ہے۔ ابن سیدہ نے کہا: الهمل بکریوں کے لیے نہیں بولا جاتا بلکہ یہ اونٹوں کے لیے بولا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ۝ یہ دلیل ہے کہ جمع کا کم از کم فرد دو ہے۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد فیصلہ کرنے والے اور تیسرا المحکوم علیہ ہے۔ اسی وجہ سے لِحُكْمِهِمْ فرمایا۔

مسئلہ نمبر 4۔ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ہم نے سلیمان کو قضیہ سمجھا دیا۔ صرف ضمیر ذکر فرمایا کیونکہ پہلی کلام فیصلہ پر دلیل ہے۔ حضرت سلیمان کے فیصلہ کو ان کے باپ کے فیصلہ پر فضیلت اس لیے ہے کیونکہ آپ نے ہر شخص کی اپنے مال پر ملکیت محفوظ رکھی ہے اور ہر ایک کا نفس اس پر خوش تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ فرمایا تھا کہ بکریاں کھیتی والے کو دے دی جائیں۔ ایک فرقہ نے کہا: آپ نے کہا تھا بکریاں کھیتی والے کو اور کھیتی بکریوں والے کو دی جائیں۔ ابن عطیہ نے کہا: ایک قول کے مطابق آپ نے خیال کیا کہ بکریاں کھیتی کا بدل ہیں جو خراب ہوئی ہے دوسرے قول کے مطابق آپ نے خیال کیا کہ بکریاں کھیت اور غلہ کے مقابل ہیں۔ جب دونوں جھگڑنے والے حضرت سلیمان کے پاس سے گزرے تو وہ اس دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے جہاں سے جھگڑنے والے نکلتے تھے۔ وہ حضرت داؤد علیہ السلام پر دوسرے دروازے سے داخل ہوئے تھے۔ حضرت سلیمان نے پوچھا: اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام نے کیسے فیصلہ کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ آپ نے بکریوں کا فیصلہ کھیت والے کے لیے کر دیا ہے۔ حضرت سلیمان نے فرمایا: شاید فیصلہ اس کے علاوہ ہے تم دونوں میرے ساتھ واپس چلو۔ حضرت سلیمان اپنے باپ کے پاس آئے اور عرض کی: اے اللہ کے نبی! آپ نے ایسا فیصلہ فرمایا ہے اور میں ایک فیصلہ کی صورت دیکھتا ہوں جو تمام کے لیے بہتر ہے۔ آپ نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ حضرت سلیمان نے کہا: بکریاں کھیت والے کو دینی چاہئیں وہ ان کے دودھ، گھی اور اون سے نفع حاصل کرے اور کھیت بکریوں والے کے حوالے کیا جائے تاکہ وہ اس کی دیکھ بھال کرے جب کھیتی آئندہ سال اسی حالت پر آ جائے جس حالت پر اسے بکریوں نے چرا تھا تو ہر ایک کا مال اس کو واپس کر دیا جائے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے بیٹے! تجھے توفیق بخشی گئی ہے اللہ تعالیٰ تیرے فہم کو ہمیشہ رکھے تو آپ نے حضرت سلیمان کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، مجاہد وغیرہما نے اس کا مفہوم بیان کیا ہے (1)۔ کلبی نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے بکریوں اور ان انگوروں کی قیمت جن کو بکریوں نے خراب کیا تھا دونوں کی قیمت برابر تھی پس آپ نے بکریاں کھیت والے کو دے دیں۔ نحاس نے اسی طرح کہا ہے۔ فرمایا: بکریوں کا فیصلہ کھیت والے کے لیے کر دیا کیونکہ بکریوں کی قیمت اس کھیت کی قیمت کے قریب تھی۔ رہا حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ تو کہا گیا ہے کہ جو بکریوں سے کھیت والے نے نفع اٹھایا اس کی قیمت اور بکریوں نے جو کھیت خراب کیا تھا اس کی قیمت بھی برابر تھی۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا ایک قوم نے یہ تاویل کی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس واقعہ میں خطا نہیں کی تھی بلکہ انہیں بھی حکم اور علم عطا کیا گیا تھا انہوں نے فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ کو حضرت سلیمان کی فضیلت پر محمول کیا ہے اور ان کی فضیلت حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے۔ والد کو بیٹے کی فضیلت زیادہ خوش کرتی ہے۔ ایک جماعت نے کہا: بلکہ حضرت داؤد علیہ السلام اس واقعہ میں مطلوب فیصلہ نہ پا سکے اور اللہ تعالیٰ نے جو آپ کی مدح فرمائی ہے کہ ان کے لیے حکم اور علم تھا تو یہ دوسرے واقعات کی طرف راجع ہے۔ رہا یہ کہ اس فیصلہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام صحیح فیصلہ پر پہنچے اور حضرت داؤد علیہ السلام صحیح فیصلہ پر نہ پہنچے اور انبیاء سے غلطی اور خطا کا وجود مانع نہیں جس طرح

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذہ

دوسروں سے اس کا وجود مانع نہیں لیکن انبیاء کرام غلطی اور خطا پر قائم نہیں رہتے اور دوسرے برقرار رہتے ہیں (1)۔ جب ولید نے دمشق کا کنیسہ (عیسائیوں کا عبادت خانہ) گرایا تو روم کے بادشاہ نے اس کی طرف خط لکھا کہ تو نے وہ کنیسہ گرا دیا ہے جس کو تیرے باپ نے دیکھا تھا تو چھوڑ دیا تھا اگر تو نے صحیح کیا ہے تو تیرے باپ نے غلطی کی تھی اگر تیرے باپ نے درست کیا تھا تو تو نے غلطی کی ہے۔ ولید نے اسے جواب دیا: وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۝ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ایک قوم نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام دونوں نبی تھے اس وحی کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے جو ان کی طرف بھیجی جاتی تھی پس حضرت داؤد علیہ السلام نے وحی کے مطابق فیصلہ کیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ بھی وحی کے مطابق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کو منسوخ کر دیا۔ اس بنا پر فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ اس وحی کے ساتھ ہوگا جس نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف کی گئی وحی کو منسوخ کر دیا اور حضرت سلیمان کو یہ حضرت داؤد علیہ السلام تک پہنچانے کا حکم دیا اسی لیے فرمایا: وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا یہ ایک جماعت کا قول ہے ان میں سے ابن فورک بھی ہے۔ جمہور علماء فرماتے ہیں: ان دونوں کا فیصلہ اجتہاد کی بنا پر تھا۔

مسئلہ نمبر 6۔ علماء کا انبیاء کے اجتہاد کے جواز پر اختلاف ہے ایک قوم نے اس سے منع کیا ہے اور محققین نے انبیاء کے اجتہاد کے جواز کا قول کیا ہے۔ اس میں کوئی استحالہ عقلیہ نہیں کیونکہ یہ دلیل شرعی ہے پس انبیاء کا اس سے استدلال کرنا کوئی محال نہیں جیسا کہ رب تعالیٰ نے آپ کو فرمایا: جب تیرے گمان پر اس طرح غالب آ جائے تو اپنے غالب گمان پر فیصلہ کر دے وہ میرا فیصلہ ہے اور وہ امت کو پہنچا دے یہ عقلاً غیر محال ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اجتہاد اس وقت دلیل ہوتا ہے جب نص موجود نہ ہو اور ان سے نص معدوم نہیں ہوتی، ہم کہیں گے: جب فرشتہ وحی لے کر نازل نہ ہوا تو نص نہ پائی گئی تو وہ بھی بحث میں نصوص کے معانی میں دوسرے مجتہدین کی طرح ہو گئے۔ انبیاء کرام اور دوسرے مجتہدین کے درمیان فرق یہ ہے کہ انبیاء کرام خطا اور غلطی سے اور اجتہاد میں کوتاہی سے معصوم ہوتے ہیں جبکہ دوسرے مجتہدین غلطی اور خطا سے معصوم نہیں ہوتے جیسا کہ جمہور علماء کا خیال ہے کہ تمام انبیاء اپنے اجتہاد میں غلطی اور خطا سے معصوم ہوتے ہیں اور ابو علی بن ابی ہریرہ ☆ جو اصحاب شافعی میں سے تھے ان کا خیال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، انبیاء سے خطا میں جواز میں سے خارج تھے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کرام کے درمیان فرق یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نہیں جو آپ کی غلطی کا تدارک کرے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو غلطی سے محفوظ فرمایا اور دوسرے انبیاء کے بعد چونکہ انبیاء مبعوث ہوتے رہے جو ان کی غلطی کا تدارک کرتے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ تمام انبیاء میں عام ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء خطا کے جواز میں برابر ہیں مگر انبیاء کرام خطا پر باقی نہیں رہتے پس بعد والے انبیاء کرام کا استدراک کا اعتبار نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک عورت نے عدت کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: ''تو جہاں چاہے عدت گزار'' پھر اسے فرمایا: ''تو اپنے گھر میں ٹھہری

1۔ النکت والعیون، جلد 3، صفحہ 457　☆ الحسن بن حسین بغدادی قاضی وفات 345ھ

رہتی کہ تیری عدت پوری ہوجائے" (1)۔ ایک شخص نے آپ سے کہا: بتایئے اگر مجھے باندھ کر قتل کیا جائے جبکہ میں ثواب کی امید رکھتا ہوں تو کیا مجھے جنت سے کوئی چیز روکے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں"۔ پھر اسے بلایا اور کہا: "سوائے قرض کے مجھے اسی طرح جبریل نے خبر دی ہے" (2)۔

مسئلہ نمبر 7۔ حسن نے کہا: اگر یہ آیت نہ ہوتی تو تو دیکھتا کہ فیصلہ کرنے والے ہلاک ہو گئے ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی صواب کی وجہ سے تعریف فرمائی اور حضرت داؤد علیہ السلام کا اجتہاد کی وجہ سے عذر قبول کیا۔ مجتہدین جو فروع میں اختلاف کرتے ہیں اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے کہا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک حق ایک طرف میں ہوتا ہے اس نے ادلہ قائم کی ہیں اور مجتہدین کو ان کے متعلق بحث کرنے اور ان میں غور و فکر کرنے پر ابھارا ہے۔ پس جس نے مسئلہ میں صحیح سمت کو پالیا وہ علی الاطلاق مصیب ہے اور اس کے لیے دو اجر ہیں ایک اجتہاد میں اجر اور ایک درست سمت پانے میں اجر اور جس نے درست سمت کو نہیں پایا وہ اپنے اجتہاد میں مصیب ہے اور اس اعتبار سے مخطی ہے کہ اس نے حقیقت کو نہیں پایا اس کے لیے اجر ہے اور وہ معذور نہیں ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مطلوب جہت کو پالیا وہ وہی تھی جو انہیں سمجھائی گئی تھی۔ ایک فرقہ نے کہا: عالم جو اجتہاد میں غلطی کرتا ہے اس پر خطا میں گناہ نہیں ہوتا اگرچہ غیر معذور ہوتا ہے۔ ایک فرقہ نے کہا: حق ایک طرف میں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس پر دلائل قائم نہیں کیے ہوتے بلکہ معاملہ مجتہدین کی نظر کے سپرد کیا گیا ہے جو صحیح سمت کو پہنچے گا وہ مصیب ہوگا اور جو غلطی کھا جائے گا وہ بھی معذور و ماجور ہوگا۔ صحیح سمت کو پانے کا اس نے ہمیں مکلف نہیں بنایا بلکہ ہمیں صرف اجتہاد کرنے کا مکلف کیا گیا ہے۔ جمہور اہل سنت نے کہا اور یہی امام مالک اور ان کے اصحاب سے محفوظ ہے کہ فروعی مسائل میں حق دونوں طرفوں میں ہوتا ہے ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے اور مطلوب وہ ہوتا ہے جو اس کے گمان میں افضل ہوتا ہے۔ ہر مجتہد کی نظر اس کے گمان میں افضل کی طرف پہنچی ہوتی ہے اس مقالہ پر دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام اور ان کے بعد تابعین بہت سے مسائل میں ایک دوسرے کے خلاف ثابت کرتے رہے اور ان میں سے کسی نے بھی اپنے قول پر عمل کرنے کو لازم نہیں کیا۔ اسی سے امام مالک کا قول ہے کہ آپ نے منصور ابی جعفر کو موطا پر مجبوراً عمل کرانے سے روکا۔ جب کوئی عالم کسی معاملہ میں حلت کا قول کرے تو وہ اس میں حق ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس عالم کے ساتھ مختص ہے اور جو اس عالم کے قول پر عمل کرنے والے ہیں اسی طرح اس کا برعکس بھی ہے۔ علماء نے فرمایا: حضرت سلیمان نے اگرچہ فیصلہ کو سمجھا اور وہ ارجح تھا لیکن پہلا بھی خطا نہیں تھا۔ اس بنا پر لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: اذا اجتهد العالم فاخطأ کو اس پر محمول کرتے ہیں کہ اس نے افضل میں خطا کی (3)۔

مسئلہ نمبر 8۔ مسلم وغیرہ نے حضرت عمرو بن عاص سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب حاکم فیصلہ کرے اور اجتہاد کرے پھر صحیح جہت کو پالے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور فیصلہ کرے اور اجتہاد

1۔ ابوداؤد، کتاب الطلاق فی المتوفی عنها تنتقل، حدیث 1957، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 22542   3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 92،91

کرے پھر غلطی کر جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔ امام مسلم کی کتاب میں حدیث کے لفظ اس طرح ہیں: اذا حکم فاجتھد، (1) اجتہاد سے پہلے حکم کا ذکر کیا جبکہ معاملہ برعکس ہے فیصلہ پر اجتہاد مقدم ہوتا ہے پس بالاجماع اجتہاد سے پہلے فیصلہ جائز نہیں۔ حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب فیصلہ کرنے کا ارادہ کرے جیسا کہ فرمایا: فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ (النحل: 98) تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا جب واقعہ میں اجتہاد کرنے کا ارادہ کرے۔ یہ اصولیوں کے قول کی صحت کو مفید ہے۔ مجتہد پر واقعہ کے وقوع کے وقت نئے سرے سے غور وفکر کرنا واجب ہے وہ اپنے پہلے اجتہاد پر اعتماد نہ کرے کیونکہ ممکن ہے کہ دوبارہ غور وفکر کرنے کے وقت پہلے اجتہاد کے خلاف ظاہر ہو جائے مگر یہ کہ وہ اپنے اجتہاد کے ارکان کو یاد کرنیوالا ہو اس کی طرف مائل ہو اور دوسری نشانی میں نئے غور وفکر کا محتاج نہ ہو۔

مسئلہ نمبر 9۔ اس حاکم کے لیے اجر ہوتا ہے جو خطا کر جائے جبکہ وہ اجتہاد، سنن اور قیاس کو جاننے والا ہو اور گزشتہ لوگوں کے فیصلوں کو جاننے والا ہو کیونکہ اس کا اجتہاد کرنا عبادت ہے خطا پر اجر نہیں دیا جائیگا بلکہ اس سے صرف گناہ ساقط ہو گا۔ اور وہ شخص جو اجتہاد کی صلاحیت نہ رکھتا ہو وہ متکلف ہوگا حکم میں خطا کی صورت میں معذور نہ ہوگا بلکہ اس پر بڑے گناہ کا خوف ہے۔ اس پر دلیل دوسری حدیث ہے، ابوداؤد نے اس کو روایت کیا ہے: القضاۃ ثلاثۃ (2) (الحدیث) ابن منذر نے کہا: صواب کی طلب میں اس کے اجتہاد پر اسے اجر دیا جائے گا نہ کہ خطا پر اجر دیا جائے گا اس کی تائید اس ارشاد سے ہوتی ہے: فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ، حسن نے کہا: حضرت سلیمان کی تعریف کی اور حضرت داؤد علیہ السلام کی مذمت نہیں کی۔

مسئلہ نمبر 10۔ ابو التمام مالکی نے ذکر کیا ہے کہ امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ مجتہدین کے اقوال میں سے ایک میں حق ہوگا، تمام مختلف اقاویل میں حق نہیں ہوگا، اکثر فقہاء نے یہی کہا ہے۔ ابن قاسم نے حکایت کیا ہے کہ انہوں نے امام مالک سے صحابہ کے اختلاف کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: مخطی ومصیب (یعنی خطا کرنے والا یا درست جہت کو پہنچنے والا) ہوگا۔ تمام اقوال میں حق نہیں یہ قول امام مالک سے مشہور ہے، محمد بن حسین کا بھی یہی نظریہ ہے جنہوں نے یہ کہا ہے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث سے حجت پکڑی ہے انہوں نے کہا: یہ نص ہے کہ مجتہدین اور فیصلہ کرنے والوں میں خطا کرنے والے اور صحیح سمت پہنچنے والے ہیں انہوں نے کہا: یہ قول کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے یہ قول اس مسئلہ تک پہنچاتا ہے کہ کوئی چیز حلال، حرام ہو جائے واجب، مستحب ہو جائے۔ پہلے قول والوں نے حضرت ابن عمر کی حدیث سے حجت پکڑی ہے، فرمایا: جنگ احزاب سے واپسی کے دن رسول اللہ ﷺ نے ندا دی: ''خبردار! کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ میں (اس سفر میں) لوگوں کو نماز کے وقت کے فوت ہونے کا اندیشہ ہوا تو بعض نے بنی قریظہ پہنچنے سے پہلے نماز پڑھ لی۔ دوسرے صحابہ نے کہا: ہم نماز نہیں پڑھیں گے مگر جہاں ہمیں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اگرچہ وقت

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 17774

2۔ ابوداؤد، کتاب الاقضیۃ، باب فی القاضی یخطئ، حدیث 3102۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ابن ماجہ، کتاب الاحکام، باب الحاکم یجتھد، حدیث 2305۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز

فوت بھی ہو جائے''۔ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فریق پر سختی نہ فرمائی انہوں نے کہا: اگر ایک فریق خطا کرنے والا ہوتا تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے معین فرماتے۔ یہ کہنا بھی ممکن ہے شاید خطا کرنے والوں کی تعیین اس لیے نہ فرمائی ہو کیونکہ وہ گنہگار نہیں تھے بلکہ ماجور تھے۔ پس کسی کی تعیین نہیں فرمائی۔ واللہ اعلم۔ اجتہاد کا مسئلہ طویل اور بہت سی جہتوں کو رکھتا ہے یہ چیدہ چیدہ گفتگو کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق دینے والا ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ اس آیت سے ایک اور فصل بھی متعلق ہے وہ یہ ہے کہ حاکم اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرنے کے بعد دوسرے اجتہاد کی طرف رجوع کرے جو پہلے اجتہاد سے ارجح ہو۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایسا کیا تھا اس کے متعلق ہمارے علماء کا اختلاف ہے۔ عبد الملک اور مطرف نے (الواضحہ) میں کہا ہے یہ اس کے لیے جائز ہے جب تک وہ اپنی ولایت میں ہو۔ جب دوسری ولایت ہو تو اس کے لیے جائز نہیں وہ دوسرے قضاۃ کی طرح ہوگا؛ یہ المدونہ میں امام مالک کے قول کا ظاہر ہے۔ سحنون نے کہا: قاضی کا اپنے اجتہاد والے قول سے دوسرے قول کی طرف رجوع کرنا جس کو وہ صائب دیکھتا ہے جائز نہیں؛ یہ ابن عبد الحکم کا قول ہے۔ ان دونوں نے فرمایا: جو اس کے نزدیک قوی ہے اس کے ساتھ نیا فیصلہ صادر کرے۔ سحنون نے کہا: مگر یہ کہ اس وقت اس کو قوی قول بھول جائے یا اسے وہم ہو تو پھر اس نے اس کے علاوہ کے ساتھ فیصلہ کر دیا ہو تو اس کے لیے اس فیصلہ کو توڑنا جائز ہے۔ اگر اس نے اس حکم کے ساتھ فیصلہ کیا جو اس وقت اس کے نزدیک قوی تھا پھر اس کے بعد اس کے نزدیک کوئی دوسرا فیصلہ قوی ہو گیا تو پہلے فیصلہ کو توڑنا جائز نہیں؛ یہ سحنون نے اپنے بیٹے کی کتاب میں کہا ہے۔ اشہب نے ابن المواز کی کتاب میں کہا: اگر اس کا رجوع مال میں اصوب کی طرف ہے تو اسے پہلے فیصلہ کو توڑنا جائز ہے اگر فیصلہ طلاق یا نکاح یا آزادی کا تھا تو اسے پہلے فیصلہ کو توڑنا جائز نہیں۔

میں کہتا ہوں: قاضی کا اپنے فیصلہ سے رجوع کرنا اولیٰ ہے جب اس کے لیے واضح ہو جائے کہ حق دوسرے قول میں ہے جبکہ وہ اپنی ولایت میں ہو۔ حضرت عمر نے حضرت ابو موسیٰ کو جو خط لکھا تھا اس میں اسی طرح ہے اس کو دار قطنی نے روایت کیا ہے اور ہم نے سورۃ الاعراف میں اس کا ذکر کیا ہے اور تفصیلی نہیں ہے۔ یہ امام مالک کے قول کے ظاہر کے لیے حجت ہے اور علماء کا اختلاف نہیں ہے کہ قاضی نے جب تجوزاً اور اہل علم کے خلاف فیصلہ کیا تو وہ مردود ہوگا اگرچہ وہ اجتہاد کے ساتھ کیا ہو اور قاضی کا دوسرے قاضی کے حکم کو توڑنا جائز نہیں کیونکہ احکام کو توڑنے کی جہت سے اور حلال کو حرام سے تبدیل کرنے، قوانین اسلام ضبط نہ کرنے کی صورت پیش آ جائے گی۔ علماء میں سے کسی نے دوسرے کے فیصلہ کو توڑنے کا قول نہیں کیا وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے جو اس کے لیے ظاہر ہو۔

مسئلہ نمبر 12۔ بعض علماء نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے ابھی حکم نافذ نہیں کیا تھا اور ان کے لیے وہ ظاہر ہوا جو دوسرے نے کہا تھا۔ دوسرے علماء نے فرمایا: وہ فیصلہ نہیں تھا بلکہ فتویٰ تھا۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو روایت کیا ہے اس کی بھی اسی طرح تاویل کی جاتی ہے انہوں نے فرمایا: دو عورتیں تھیں اور ان کے ساتھ اپنا اپنا بیٹا تھا ایک بھیڑیا آیا اور ایک کا بیٹا لے گیا جس کا بیٹا بھیڑیا لے گیا تھا اس نے اپنی ساتھی

عورت سے کہا: بھیڑیا تمہارا بچہ لے گیا ہے۔ دوسری نے کہا: تیرا بیٹا لے گیا ہے۔ فیصلہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس لے گئیں حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ بڑی عورت کے حق میں کر دیا وہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے پاس آئیں اور انہیں اپنا مسئلہ بتایا حضرت سلیمان نے فرمایا: میرے پاس چھری لے آؤ میں اس بچہ کو تمہارے درمیان دو ٹکڑے کر دیتا ہوں چھوٹی عورت نے کہا: ایسا نہ کرو اللہ تجھ پر رحم فرمائے یہ اس کا بیٹا ہے(1)۔ تو حضرت سلیمان نے فیصلہ چھوٹی عورت کے حق میں کر دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اس سے پہلے السکین (چھری) کا لفظ کبھی نہیں سنا تھا ہم چھری کو المدیة کہتے تھے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے نقل کیا ہے اور رہا یہ قول کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف سے فتویٰ تھا ضعیف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِذْ یَحْكُمٰنِ فِی الْحَرْثِ یہ واضح کرتا ہے کہ ہر ایک نے فیصلہ دیا تھا اسی طرح حدیث میں فقضی به الکبریٰ آپ نے بڑی کے لیے اس کا فیصلہ کیا۔ یہ قضاء کے انفاذ اور انجاز پر دلیل ہے اور جنہوں نے یہ کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی شریعت میں بڑی کے لیے فیصلہ ہوتا تھا اس حیثیت سے کہ وہ بڑی ہے۔ یہ قول بہت بعید ہے کیونکہ بڑا ہونا چھوٹا ہونا دعاوی میں مطرود ہوتا ہے جیسے لمبا ہونا، چھوٹا ہونا، کالا ہونا اور سفید ہونا کسی چیز کا اعتبار نہیں ہوتا یہ دونوں جھگڑنے والوں میں سے ایک کو ترجیح دینے کا موجب نہیں حتیٰ کہ اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے یا اس وجہ سے اس کے خلاف فیصلہ کیا جائے۔ شرائع سے جو بات سمجھی جاتی ہے یہ قطعی ہے یہ کہنا چاہیے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سبب سے بڑی کے لیے فیصلہ کیا جس کی وجہ سے ان کے نزدیک بڑی کا قول راجح تھا۔ حدیث میں اس کی تعیین کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اس کی حاجت نہیں تھی ممکن ہے، بچہ اس کے قبضہ میں ہو اور دوسری کا دلیل قائم کرنے سے عاجز ہونا آپ کے نزدیک ثابت ہو گیا ہو پس آپ نے موجود صورت کو برقرار رکھتے ہوئے فیصلہ کر دیا ہو۔ اس حدیث کی تاویل میں جو کہا گیا ہے سب سے بہتر یہی قول ہے یہ وہ فیصلہ ہے جس کے لیے ان دعاوی شرعیہ کا قاعدہ تائید کرتا ہے جو شرائع کے اختلاف کو دور کرتا ہے۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ اگر حضرت داؤد علیہ السلام نے سبب شرعی کے ساتھ فیصلہ کیا تھا تو پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ان کے فیصلہ کو توڑنا کیسے جائز تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے باپ کے فیصلہ کو توڑنے سے تعرض نہیں کیا انہوں نے تو ایک لطیف حیلہ کیا جس کی وجہ سے ان کے لیے چھوٹی کی سچائی ظاہر ہوئی۔ وہ حیلہ یہ تھا کہ جب آپ نے فرمایا: چھری لے آؤ میں اسے تمہارے درمیان دو ٹکڑے کر دوں تو چھوٹی نے کہا: ایسا نہ کرو، تو آپ کے لیے چھوٹی میں شفقت کا قرینہ ظاہر ہوا اور بڑی میں یہ نہیں تھا اس کے ساتھ ساتھ دوسرے قرائن بھی آپ کو مل گئے جن کی بنا پر آپ نے اس کے لیے فیصلہ کر دیا شاید آپ ان لوگوں میں سے ہوں جن کے لیے اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنا جائز قرار دیا گیا ہو۔ نسائی نے اس حدیث کا یہ عنوان باندھا ہے حکم الحاکم بعلمه (حاکم کا اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنا اور یہ بھی عنوان باندھا ہے) السعة للحاکم أن یقول للشیٔ الذی لا یفعل افعل یستبین الحق اور یہ عنوان بھی باندھا ہے نقض الحاکم لا یحکم به غیرہ فمن ھو مثله أو أجل منه شاید بڑی عورت نے اعتراف کر لیا ہو بچہ چھوٹی کا ہے جب حضرت سلیمان کا اس نے دو ٹکڑے کرنے میں عزم اور یقین دیکھا

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 8280

ہو پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے فیصلہ چھوٹی کے لیے کر دیا یہ اس طرح ہو گا جس طرح حاکم قسم کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے۔ جب وہ قسم اٹھانے کے لیے تیار ہوتا ہے تو وہ شخص آ جاتا ہے جو منکر سے ایسی بات نکالتا ہے جو اس کے اقرار کو واجب کرتی ہے پس وہ اس کے خلاف ان کے اقرار کے ساتھ قسم سے پہلے اور قسم کے بعد فیصلہ کر دیتا ہے یہ پہلے حکم کے توڑنے کے باب سے نہیں ہو گا بلکہ یہ اسباب کے تبدیل ہونے کے مطابق احکام کے تبدیل ہونے کے باب سے ہو گا۔ واللہ اعلم۔ اس حدیث سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ انبیاء کے لیے اجتہاد کے ساتھ فیصلہ کرنا جائز ہے۔ یہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اس سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ حکام کے لیے ان حیلوں کا استعمال جائز ہے جن کے ذریعے حقوق ظاہر کیے جاتے ہیں اور یہ ذکاوت وفطانت اور قوت سے ہوتا ہے اور مخلوق کے احوال کی مہارت سے ہوتا ہے۔ اور کبھی اہل تقویٰ کے لیے فراست دینیہ ہوتی ہے اور نوری علامات ہوتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اس میں یہ کہنے والے کے لیے حجت ہے کہ ماں کی طرف اس کو لاحق کیا جائے۔ یہ امام مالک کا مشہور مذہب نہیں ہے اور نہ یہ اس مسئلہ کو ذکر کرنے کا مقام ہے۔ بہر حال حضرت سلیمان کا اس واقعہ میں ایسا فیصلہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح بیان فرمائی: فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ۔

مسئلہ نمبر 13۔ کھیتی کے بارے میں قول اور ہماری شریعت میں اس واقعہ کا حکم گزر چکا ہے کہ باغوں والے اور کھیتوں والے دن کے وقت اپنے باغات کی حفاظت کریں گے پھر مثل چیزوں میں ضمانت مثلی چیزوں کے ساتھ ہو گی اور ذوات القیم میں قیمت کے ساتھ ہو گی۔ اس مسئلہ میں اصل ہماری شریعت میں وہ فیصلہ ہے جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، جو حضرت براء بن عازب کی اونٹنی کے بارے میں تھا جس کو امام مالک نے ابن شہاب سے انہوں نے حرام بن سعد بن محیصہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت براء کی اونٹنی ایک شخص کے باغ میں داخل ہو گئی اور اس نے اس کو خراب کر دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ ''باغ والوں پر دن کے وقت ان کی حفاظت کرنا ہے مویشی جو رات کے وقت کھیت خراب کر دیں تو ان کے مالکوں پر اس کی ضمانت ہو گی'' (1)۔ اسی طرح تمام رواۃ نے مرسلاً روایت کی ہے اسی طرح ابن شہاب کے شاگردوں نے ابن شہاب سے روایت کی ہے مگر ابن عیینہ نے زہری سے انہوں نے سعید اور حرام بن سعد بن محیصہ سے روایت کیا ہے کہ اونٹنی الخ انہوں نے اس کی مثل حدیث بیان کی۔ اس حدیث کو ابن ابی ذئب نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ انہیں خبر پہنچی ہے کہ حضرت براء کی اونٹنی ایک قوم کے باغ میں داخل ہو گئی۔ امام مالک کی حدیث کی مثل بیان کی مگر انہوں نے حرام بن سعید بن محیصہ وغیرہ کا ذکر نہیں کیا۔ ابو عمر نے کہا ابن ابی ذئب نے کچھ بھی نہیں کہا مگر انہوں نے اس کی سند کو خراب کر دیا۔ عبدالرزاق نے معمر سے انہوں نے زہری سے انہوں نے حرام بن محیصہ سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ عبدالرزاق کا کوئی متابع نہیں ہے اور عن ابیہ کے قول پر بعض علماء نے انکار کیا ہے۔ ابن جریج نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے فرمایا مجھے ابو امامہ بن سہل بن حنیف نے بتایا کہ اونٹنی ایک قوم کے باغ میں داخل ہو گئی اور اس نے اسے خراب کر دیا۔ پس ابن شہاب کی حدیث کو حضرت ابو امامہ سے روایت کیا ہے اور حضرت

1۔ ابوداؤد، باب المواشی الخ، حدیث 3099۔ ابن ماجہ، کتاب الاحکام، باب الحکم فی ما افسدت المواشی، حدیث 2322، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

براء کے لیے اونٹنی کا ذکر نہیں کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ حدیث ابن شہاب عن ابن محیصہ سے روایت ہو اور سعید بن مسیب نے روایت کی ہو اور حضرت ابوامامہ سے مروی ہے اور جس سے چاہا روایت کیا اور جو لوگ موجود تھے انہوں نے انہیں بیان کیا اور تمام ثقہ ہیں۔ ابوعمر نے کہا: یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے یہ حدیث مشہور ہے ائمہ حدیث نے اسے مرسل بنایا ہے اور ثقات نے اس کو بیان کیا ہے۔ فقہاء حجاز نے اس کو استعمال کیا ہے اور قبولیت کے ساتھ لیا ہے۔ اور مدینہ طیبہ میں اس پر عمل جاری ہوا ہے۔ تیرے لیے اہل مدینہ اور اہل حجاز کا اس حدیث کو استعمال کرنا کافی ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ مالک اور جمہور ائمہ نے حدیث براء کو لیا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور کوفیوں کی ایک جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے۔ جانور جب کھیتی کو خراب کردیں خواہ دن ہو یا رات ہو تو جانور والے پر کچھ لازم نہ ہوگا اور ان ائمہ نے اس کے فساد کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "جانور کا زخمی کرنا رائیگاں ہے" (یعنی اس کی ضمانت نہ ہوگی جانور جس کو زخمی کردے گا) کے عموم میں داخل کیا ہے۔ اور جانوروں کے تمام اعمال کو ان کے زخمی کرنے پر قیاس کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ سے پہلے کسی نے یہ قول نہیں کیا ہے۔ العجماء والی حدیث میں نہ ان کی حجت ہے اور نہ ان کے متبعین کے لیے حجت ہے اور حدیث براء کے لیے نہ ناسخ ہے اور نہ اس کی معارض ہے کیونکہ نسخ کی شروط نہیں پائی جاتیں اور تعارض وہاں ہوتا ہے جب ایک کے استعمال سے دوسری کی نفی لازم آتی ہو اور العجماء جرحها جبار (جانور کا زخمی کرنا رائیگاں ہے) میں عموم متفق علیہ ہے پھر اس سے کھیتی اور باغ کو حدیث البراء کے ذریعے خاص کیا گیا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث میں یہ آیا العجماء جرحها جبار نهاراً لا ليلاً وفي الزرع والحوائط والحرث پھر بھی یہ قول محال نہ تھا پھر یہ کہنا کیسے جائز ہے کہ یہ متعارض ہے؟ یہ عموم اور خصوص کے باب سے ہے جیسا کہ یہ اصول میں مذکور ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ اگر کہا جائے کہ رات اور دن کے درمیان تفریق کرنے میں کیا حکمت ہے؟ لیث بن سعد نے کہا: رات اور دن کے وقت مویشی اگر نقصان کر جائیں تو مویشیوں والے ضامن ہوں گے ہر اس مال کے جس کو وہ خراب کردیں گے لیکن مویشی کی قیمت سے زیادہ ضمانت نہ ہوگی؟ ہم نے کہا: ان کے درمیان فرق واضح ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ مویشیوں والوں کو دن کے وقت مویشیوں کو چرانے کے لیے چھوڑنا ہوتا ہے ان کے نزدیک اغلب یہ ہے کہ جس کے پاس کھیتی ہو وہ دن کے وقت اس کا خیال کرتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے پس دن کے وقت کھیتی کی حفاظت کھیت والوں پر رکھی کیونکہ یہ معاش میں تصرف کا وقت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿۱۱﴾ (النبا) اور جب رات ہوتی ہے تو ہر چیز اپنی جگہ اور مسکن کی طرف لوٹ جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ (القصص: 72) اور فرمایا: وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا (الانعام: 86)

رات کے وقت مویشیوں والے اپنے مویشی اپنی جگہ پر لوٹاتے ہیں تاکہ ان کی حفاظت کریں جب مویشی والا اس کو گھر لوٹانے میں کوتاہی کرے گا یا رات کے وقت اس کو اچھی طرح باندھنے میں کوتاہی کرے گا حتی کہ وہ کسی چیز کو تلف کردے گا تو مالک پر ضمانت ہوگی پس حکم آسان طریقہ پر جاری ہوگا اس میں دونوں فریقوں کے لیے آسانی ہے اور دونوں فریقوں کے

لیے سہولت ہے اور دونوں کے اموال کے لیے زیادہ حفاظت ہے۔ صاحب نظر کے لیے مسئلہ واضح ہے لیکن جو آنکھوں سے محروم ہے اس کے لیے نہیں رہے۔ لیث کا قول کہ جانور کی قیمت سے زیادہ ضمانت نہ ہوگی۔ ابو عمر نے کہا: میں نہیں جانتا کہ لیث بن سعد نے یہ قول کہاں سے لیا ہے مگر یہ کہ جرم کرنے والے غلام پر اسے قیاس کیا ہو تو اس کی قیمت سے زیادہ نہیں دیا جاتا اور جنایت کی صورت میں اس کے مالک پر اس کی قیمت سے زیادہ لازم نہیں ہوتا۔ یہ وجہ ضعیف ہے اسی طرح التمہید میں کہا اور الاستذکار میں فرمایا انہوں نے العجماء جرحها جبار کی مخالفت کی اور ناقۃ البراء والی حدیث کی مخالفت کی ان سے پہلے بھی چند علماء کا یہ قول ہے جن میں سے عطا بھی ہے۔ ابن جریج نے کہا: میں نے عطا سے کہا کھیتی میں جانور اگر رات یا دن کے وقت پڑ جائے تو کیا حکم ہے تو انہوں نے کہا: مالک اس کی چٹی دے گا۔ میں نے کہا: خواہ اس پر اسے روکنا ہو یا نہ ہو۔ عطا نے کہا: ہاں وہ ہر صورت میں چٹی دے گا۔ میں نے کہا: کیا چٹی دے گا؟ عطا نے کہا: جو گدھے، جانور اور ماشیہ نے کھایا اس کی چٹی دے گا۔ معمر نے ابن شبرمہ سے روایت کیا ہے: کھیتی جس حالت میں تھی اس کی دراہم کے اعتبار سے قیمت لگائی جائے گی۔ حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما سے غیر صحیح طرق سے مروی ہے کہ رب الماشیہ (جانور کا مالک) ہر صورت میں ضامن ہوگا خواہ رات ہو یا دن ہو۔

مسئلہ نمبر 16۔ امام مالک نے فرمایا: کھیتی جس کو رات کے وقت مویشیوں نے خراب کیا اس کی رجا اور خوف پر قیمت لگائی جائے گی۔ فرمایا: وہ باغات جن کی حفاظت کی جاتی ہے اور جن کی حفاظت نہیں کی جاتی ہے اور جن سے روکا جاتا ہے اور جن سے روکا نہیں جاتا برابر ہے۔ ہر صورت میں مویشیوں کے مالکوں کو ضمانت دینی ہوگی جب رات کے وقت ان کے مویشی نقصان کریں گے خواہ وہ نقصان کہاں تک پہنچ جائے اگرچہ وہ مویشیوں کی قیمت سے زائد بھی ہو۔ فرمایا: جب ایک جانور رات کے وقت کھل جائے اور وہ کسی سوئے ہوئے آدمی کو لتاڑ دے تو اس کا مالک کسی چیز کا ضامن نہ ہوگا یہ حکم باغ، زرع اور حرث میں ہے ابن عبدالحکم نے امام مالک سے یہ روایت کیا ہے۔ ابن القاسم نے کہا: رات کے وقت جانور جو نقصان کرے گا وہ اس جانور کے مالک کے مال میں ہوگا اگرچہ وہ نقصان اس جانور کی قیمت سے کئی گنا زیادہ بھی ہو کیونکہ جنایت اس کی طرف سے ہے جب اس نے جانور کو صحیح نہیں باندھا۔ جانور، غلام کی طرح نہیں ہے؛ یہ سحنون اور اصبغ نے ابن القاسم سے روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 17۔ کھیتی کے اگنے یا نہ اگنے کا انتظار نہیں کیا جائے گا جیسا کہ چھوٹے بچے کی عمر میں کیا جاتا ہے: عیسیٰ نے ابن قاسم سے روایت کیا ہے کہ اس کی قیمت لگائی جائے گی جبکہ وہ اتنی ہو چکی ہو کہ اس کی بیع حلال ہو۔ اشہب اور ابن نافع نے المجموعۃ میں کہا: اگرچہ اس کی منفعت ظاہر نہ بھی ہوئی ہو۔ ابن عربی نے کہا: پہلا قول قوی ہے کیونکہ یہ اس کی صفت ہے پس اس کی قیمت لگائی جائے گی جس طرح ہر تلف شدہ مال کی اس کی صفت پر قیمت لگائی جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر 18۔ اگر اس کے لیے کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا جس کی کھیتی خراب ہوئی ہے حتی کہ اس کی کھیتی پھر اگ آئی اور اس کی کمی پوری ہوگئی اگر تو اس میں اس سے پہلے چرنے کی یا کوئی اور منفعت تھی تو اس منفعت کا ضامن ہوگا اگر اس میں کوئی منفعت نہ تھی تو کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ اصبغ نے کہا: وہ ضامن ہوگا کیونکہ تلف ہونا متحقق ہو چکا ہے اور پھر کھیتی کا تیار ہونا اس کی

طرف سے نہیں ہے۔ پس اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

مسئلہ نمبر 19۔ ابن سحنون کی کتاب میں واقع ہے کہ یہ حدیث ان شہروں کے بارے میں ہے جو چاردیواری کے ساتھ گھیرے گئے ہوتے ہیں۔ رہے وہ شہر جن کی کھیتیاں متصل ہوتی ہیں اور ان کے اردگرد باڑ وغیرہ نہیں ہوتی اور باغات بھی اسی طرح کھلے ہوتے ہیں تو بکریوں والے اس کے ضامن ہوں گے جو وہ خراب کریں گے خواہ وہ رات ہو یا دن ہو گویا ان کا خیال ہے کہ ایسے شہروں میں حیوانوں کو کھلا چھوڑنا ضرور خرابی کا باعث ہوگا؛ یہ لیث کے قول کی طرف میلان ہے۔

مسئلہ نمبر 20۔ اصبغ نے مدینہ میں کہا: مویشیوں والوں کے لیے دیہاتوں کی طرف بغیر چرواہوں کے نکالنا جائز نہیں۔ علماء نے اس بنا پر کہا کہ کوئی جگہ کھیت کے ٹکڑے یا چراگاہ کے ٹکڑے سے خالی نہیں ہوتی۔ اگر کھیت کا ٹکڑا ہو تو جانور اس میں داخل نہ ہوگا مگر وہ جس کی حاجت ہوگی اس کے مالکوں پر اس کی حفاظت لازم ہے اور جو وہ خراب کرے گا اس کا مالک ضامن ہوگا خواہ دن ہو یا رات ہو اور اگر چراگاہ کا ٹکڑا ہو تو کھیت والے کو اپنی حفاظت خود کرنی ہے، مویشیوں والوں پر کچھ نہ ہوگا۔

مسئلہ نمبر 21۔ مویشیوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو کھلے پھرتے ہیں ایک وہ جو باڑوں میں بند کیے جاتے ہیں۔ امام مالک نے ان کی یہی تقسیم کی ہے۔ وہ جو کھیتوں اور پھلوں کے عادی ہوتے ہیں تو امام مالک نے فرمایا: انہیں ایسے شہروں میں نکالا اور بیچا جائے گا جہاں کھیت نہیں ہوتے اور ابن القاسم نے الکتاب وغیرہ میں اس کو روایت کیا ہے۔ ابن حبیب نے کہا: اگرچہ اس کا مالک اسے ناپسند بھی کرے۔ اسی طرح امام مالک نے اس جانور کے بارے میں کہا ہے جو کھیتی کو خراب کرنے کا عادی ہو اسے نکالا جائے گا اور بیچا جائے گا۔ رہے وہ جانور جس سے حفاظت کی جاسکتی ہے تو اس کے مالک کو اسے نکالنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 22۔ اصبغ نے کہا: شہد کی مکھی، کبوتر، مرغی، جانور کی طرح ہے ان کے رکھنے سے اس کے مالک کو منع نہیں کیا جائے گا اگرچہ وہ نقصان کرتی بھی ہوں۔ دیہات والوں پر کھیتوں کی حفاظت کرنا ہوگا۔ ابن عربی نے کہا: یہ روایت ضعیف ہے اس کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی جو ایسی چیز رکھنے کا ارادہ کرے گا جس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اور وہ دوسروں کو نقصان نہیں پہنچاتی تو اسے رکھنے کی اجازت دی جائے گی لیکن جس چیز سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی وہ دوسروں کے نقصان کا باعث ہے تو پھر اسے اجازت نہیں ہوگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لاضرر ولا ضرار نہ نقصان اٹھایا جائے گا اور نہ نقصان پہنچایا جائے گا۔ یہ نقصان پہنچانے والے جانور ہیں۔ ابن القاسم کی روایت ہے کہ ان کے مالکوں پر تاوان نہیں ہے مگر یہ کہ وہ انہیں خود نقصان کرنے کے لیے بڑھائیں۔ ابن عربی نے کہا: ان پر تاوان ہوگا تقدم سے پہلے بھی جب وہ نقصان کرنے والے ہوں۔

مسئلہ نمبر 23۔ عبدالرزاق نے معمر سے انہوں نے قتادہ سے انہوں نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ ان کی بکری جولاہے کی تانی میں داخل ہوگئی (اس نے اس کے دھاگے توڑ دیے) تو وہ جھگڑا قاضی شریح کے پاس لے آئے۔ شعبی نے کہا: اس کو دیکھو وہ ان سے سوال کریں گے کہ وہ دن کے وقت واقع ہوئی یا رات کے وقت داخل ہوئی پس قاضی شریح نے ایسا ہی

کیا پھر کہا: اگر رات کو ایسا ہوا ہے تو بکری کا مالک ضامن ہوگا اور اگر دن کے وقت ایسا ہوا ہے تو ضامن نہ ہوگا پھر شریح نے یہ آیت پڑھی: اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ فرمایا: النفش کا معنی رات کو چرنا ہے اور الھمل کا معنی دن کو چرنا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس باب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: العجماء جرحها جبار جانور کا زخمی کرنا رائیگان ہے یعنی اس کا تاوان نہیں ہوگا۔ ابن شہاب نے کہا: الجبار کا معنی رائیگان ہونا ہے۔ العجماء سے مراد جانور ہے۔ ہمارے علماء نے فرمایا: اس قول کا ظاہر یہ ہے کہ اکیلا جانور نقصان کر دے تو اس میں کچھ نہیں ہے یہ مجمع علیہ ہے اور اگر اس کے ساتھ مہار پکڑنے والا ہو یا پیچھے سے ہانکنے والا ہو یا اس پر سوار ہو پھر مالک نے اسے کسی چیز کو روندنے کے لیے ابھارا اور اس نے کسی چیز کو تلف کر دیا تو تلف کرنے والے کا حکم اس پر لاگو ہوگا اگر اس نے ایسی جنایت کر دی جس میں قصاص ہے اور اس کا اس پر چڑھانا عمداً تھا تو اس میں قصاص ہوگا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ جانور آلہ (قتل) کی طرح ہے اگر بلا ارادہ ایسا ہوا ہے تو اس میں عاقلہ پر دیت ہوگی اور مال کے تلف کرنے کی صورت میں مجرم کے مال میں چٹی ہوگی۔

مسئلہ نمبر 24۔ علماء کا اس کے بارے اختلاف ہے جس کو جانور نے پاؤں یا دم کے ساتھ نقصان پہنچایا۔ امام مالک، لیث اور اوزاعی اس کے مالک پر ضمانت نہیں لگاتے جبکہ امام شافعی، ابن ابی لیلی اور ابن شبرمہ اس پر ضمانت لگاتے ہیں۔ نقصان کرنے والے جانور جمہور کے نزدیک دوسرے جانوروں کی طرح ہیں۔ امام مالک اور بعض ان کے اصحاب اس کو ضمانت لگاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 25۔ سفیان بن حسین نے زہری سے انہوں نے سعید بن مسیب سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پاؤں سے جانور جنایت کرے تو رائیگاں ہے''(1)۔ دارقطنی نے کہا: سفیان بن حسین کے علاوہ کسی نے اس کو روایت نہیں کیا اور اس کا کوئی متابع بھی نہیں۔ زہری سے روایت کرنے میں حفاظ حدیث نے اس کی مخالفت کی ہے۔ ان میں سے امام مالک، ابن عیینہ، یونس، معمر، ابن جریج، زبیدی، عُقیل، لیث بن سعد وغیرہم ہیں، تمام زہری سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا: العجماء جبار والبئر جبار والمعدن جبار، جانور کسی کو نقصان پہنچا دے تو وہ رائیگاں ہے، کنویں میں کوئی گر کر مرجائے تو رائیگاں ہے، کان میں کوئی مرجائے تو رائیگاں ہے۔ ان تمام نے (پاؤں سے جانور نقصان پہنچائے تو رائیگاں ہے) کو ذکر نہیں کیا اور یہی درست ہے اسی طرح اس کو ابو صالح سمان، عبدالرحمن اعرج، محمد بن سیرین، محمد بن زیاد وغیرہم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے بھی الرجل جبار کے الفاظ ذکر نہیں کیے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہی محفوظ ہے۔

مسئلہ نمبر 26۔ البئر جبار اس کی جگہ النار جبار بھی مروی ہے۔ دارقطنی نے کہا ہمیں حمزہ بن قاسم ہاشمی نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں حنبل بن اسحاق نے بتایا انہوں نے کہا میں نے ابو عبداللہ احمد بن حنبل کو عبدالرزاق کی حدیث میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث والنار جبار کچھ نہیں ہے اور یہ صحیح نہیں ہے۔ ہمیں مخلد نے بتایا انہوں

1۔ ابوداؤد، باب فی الدابۃ تنفح برجلها، حدیث 3976

نے کہا ہمیں ابو اسحاق ابراہیم بن معانی نے بتایا فرمایا میں نے احمد بن حنبل کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اہل یمن النار کو النیر لکھتے ہیں اور اس کی مثل البیر لکھتے ہیں۔ عبدالرزاق نے النار جبار کی تلقین کی (1)۔ رمادی نے کہا: عبدالرزاق نے کہا معمر نے کہا: میرا خیال ہے یہ وہم ہے۔ ابو عمر نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے معمر کی حدیث جو انہوں نے ہمام بن منبہ سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: النار جبار، یحییٰ بن معین نے کہا: اس کی اصل البئر جبار تھا معمر نے اس میں تصحیف کی ہے۔ ابو عمر نے کہا: ابن معین نے اپنے اس قول پر دلیل پیش نہیں کی۔ ثقات کی حدیث کو اس طرح رد نہیں کیا جاتا۔ وکیع نے عبدالعزیز بن حصین سے انہوں نے یحییٰ بن یحییٰ غسانی سے ذکر کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے کھیت کے تنکے جلائے تو آگ کی ایک چنگاری اڑی اور اس نے پڑوسی کے کھیت کا کچھ حصہ جلا دیا۔ فرمایا: انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اس کے متعلق لکھا تو انہوں نے مجھے لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: العجماء جبار، اور میرا خیال ہے ان النار جبار اور العجماء کی جگہ السائمۃ جبار بھی مروی ہے۔ اس حدیث کے الفاظ میں یہ وارد ہے اور ہر معنی کے لیے لفظ صحیح مذکور ہے۔ شرح حدیث میں اور کتب فقہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ**، وہب نے کہا داؤد علیہ السلام پہاڑوں کے پاس تسبیح کرتے ہوئے گزرتے تو پہاڑ انہیں تسبیح کے ساتھ جواب دیتے۔ اسی طرح پرندے بھی آپ کے ساتھ تسبیح کرتے۔ بعض علماء نے فرمایا: جب حضرت داؤد علیہ السلام کمزوری محسوس کرتے تو پہاڑوں کو حکم دیتے تو وہ تسبیح کرتے حتیٰ کہ آپ کا اشتیاق بڑھ جاتا اسی وجہ سے فرمایا: **وَسَخَّرْنَا** یعنی ہم نے انہیں ایسا بنا دیا کہ وہ ان کی اطاعت کرتے جب وہ انہیں تسبیح کرنے کا حکم کرتے۔ بعض علماء نے فرمایا: پہاڑوں کا آپ کے ساتھ چلنا ان کا تسبیح کرنا ہے۔ التسبیح، السباحۃ سے ماخوذ ہے۔ اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: **يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ** (سبا: 10) قتادہ نے کہا: یسبحن کا مطلب ہے وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھتے جب آپ نماز پڑھتے۔ التسبیح سے مراد نماز ہے۔ یہ تمام احتمال ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا کیونکہ پہاڑ عقل نہیں رکھتے۔ پس ان کا تسبیح کرنا، اللہ تعالیٰ کی عاجز اور محدث کی صفات سے پاکیزگی بیان کرنے پر دلالت ہے۔

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ⑧⓪

''اور ہم نے سکھا دیا انہیں زرہ بنانے کا ہنر تمہارے فائدے کے لیے تا کہ وہ زرہ بچائے تمہیں تمہاری زد سے تو کیا تم (اس احسان کا) شکریہ ادا کرنے والے ہو''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ** یعنی لوہے کو داؤد کے لیے نرم کر کے زرہ بنانے کا ہنر سکھایا۔ عربوں کے نزدیک لبوس ہر ہتھیار کو کہتے ہیں خواہ وہ زرہ ہو یا جوشن (زرہ) ہو یا تلوار ہو یا نیزہ ہو۔ ہزلی نیزے کی تعریف کرتا ہے:

1۔ ابن ماجہ، کتاب الدیات، باب الجبار، حدیث 2665۔ ابو داؤد، باب فی النار تعدی، حدیث 3978، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

وَمَعِي لَبُوسٌ لِلبَئِيسِ كَأَنَّهُ رَوْقٌ بِجَبْهَةِ ذِي نِعَاجٍ مُجْفِلِ

اللبوس ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو پہنی جاتی ہے، ابن سکیت نے کہا:

الْبَسْ لِكُلِّ حَالَةٍ لَبُوسَهَا إِمَّا نَعِيمَهَا إِمَّا بُوسَهَا

اللہ تعالیٰ نے یہاں لبوس سے زرہ کا ارادہ کیا ہے۔ یہ لبوس بمعنی ملبوس ہے جیسے رکوب اور حلوب بمعنی مفعول استعمال ہوتا ہے۔ قتادہ نے کہا: سب سے پہلے زرہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بنائی۔ پہلے سیدھی ہوتی تھیں سب سے پہلے آپ نے اس کے حلقے بنائے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِتُحْصِنَكُمْ تا کہ تمہیں بچائے۔ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ تمہاری جنگ سے۔ بعض علماء نے فرمایا: بَاْسِكُمْ سے مراد تلوار، تیر اور نیزہ ہے یعنی تمہاری جنگ کے آلات سے۔ مضاف حذف کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مِّنْۢ بَاْسِكُمْ سے مراد من سلاحکم (تمہارے ہتھیاروں سے) ہے۔ ضحاک نے کہا: من حرب اعداءکم تمہارے دشمن کی جنگ سے۔ مفہوم ایک ہی ہے۔ حسن، ابوجعفر، ابن عامر، حفص اور روح نے لتحصنکم کو تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ ضمیر کو الصنعة کی طرف لوٹاتے ہوئے۔ بعض نے کہا: اللبوس اور المنعة کی طرف ضمیر راجع ہے جس کا مطلب زرہیں ہیں۔ شیبہ، ابوبکر مفضل، رویس، ابن ابی اسحاق نے، لنحصنکم نون کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ پیچھے ہے وَ عَلَّمْنٰهُ باقی قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے انہوں نے فعل کو لبوس کے لیے بنایا ہے یا معنی ہوگا اللہ تعالیٰ تمہیں بچائے گا۔ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ۝ کیا تم زرہ کی نعمت کو آسان کرنے پر شکر کرتے ہو۔ بعض نے فرمایا: هل انتم شاکرون کیا تم میرے رسول کی اطاعت کر کے شکر کرتے ہو۔

مسئلہ نمبر 3۔ یہ آیت اسباب اور صنائع کے استعمال میں اصل ہے، یہ صاحب العقول لوگوں کا قول ہے۔ یہ ان جہلاء اور اغنیاء کا قول نہیں جو کہتے ہیں: یہ ضعفاء کے لیے شروع کی گئی۔ سبب کا بنانا اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق میں سنت ہے۔ پس جس نے سبب میں طعن کیا اس نے کتاب و سنت میں طعن کیا اور اس کو ضعف اور عدم احسان کی طرف منسوب کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق خبر دی ہے کہ وہ زرہیں بناتے تھے اور اسی طرح وہ کھجور کے پتوں سے چیزیں بناتے تھے، وہ اپنے ہاتھ سے کام کرتے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام لکڑی کا کام کرتے تھے۔ حضرت لقمان درزی تھے۔ حضرت طالوت کھالوں کی دباغت کرتے تھے۔ بعض نے فرمایا: پانی بھرتے تھے۔ ہنر انسان کے نفس کو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے روکتا ہے اور ان کے نفس سے ضرر اور تکلیف کو دور کرتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے "اللہ تعالیٰ اس مومن سے محبت کرتا ہے جو کوئی پیشہ اختیار کیے ہوئے ہو، عاجزی کرنے والا ہو، لوگوں سے سوال نہ کرنے والا ہو، اصرار سے سوال کرنے والے سے بغض رکھتا ہو" (1)۔ اس کا مزید بیان سورۃ الفرقان میں آئے گا۔ کچھ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ اس میں کفایت ہے۔ واللہ اعلم۔

1۔ طبرانی، الکبیر، 10442

وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَ كُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ۝ وَ مِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَ يَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَ كُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ۝

''اور ہم نے سلیمان کے لیے تندوتیز ہوا کو فرمانبردار بنادیا چلتی تھی وہ ہوا ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف جسے ہم نے بابرکت بنادیا تھا اور ہم ہر چیز کو جاننے والے تھے۔ اور ہم نے مسخر کردیئے شیطانوں میں سے جو (سمندروں میں) غوطہ زنی کرتے ان کے لیے اور کیا کرتے طرح طرح کے اور کام اور ہم ہی ان کے نگہبان تھے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً یعنی ہم نے سلیمان کے لیے تندوتیز ہوا کو فرمانبردار بنادیا۔ کہا جاتا ہے: عصفت الریح ہوا تیز ہوگئی، ریح عاصف وعصوف تندوتیز ہوا۔ بنی اسد کی لغت میں أعصفت الریح فهی معصف و معصفة استعمال ہوتا ہے۔ العصف بھوسے کو کہتے ہیں اور اس کے ساتھ تیز ہوا کے لیے بولا جاتا ہے کیونکہ وہ بھوسے کو تیزی سے اڑاتی ہے۔ عبدالرحمن اعرج، سلمی اور ابوبکر نے ولسلیمان الریح یعنی حا کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے اور ماقبل سے قطع کرنے کی بنا پر معنی یہ ہے کہ سلیمان کے لیے ہوا کو فرمانبردار کرنا۔ یہ مبتدا خبر ہیں۔

تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا، الْاَرْضِ سے مراد شام کا علاقہ ہے۔ روایت ہے کہ ہوا حضرت سلیمان اور آپ کے ساتھیوں کو وہاں لے جاتی جہاں آپ کا ارادہ ہوتا تھا پھر آپ کو شام کی طرف لوٹا دیتی۔ وہب نے کہا: حضرت سلیمان بن داؤد جب اپنی مجلس کی طرف نکلتے تو پرندے آپ پر رک جاتے اور جن وانس آپ کے لیے کھڑے رہتے حتی کہ آپ اپنے تخت پر بیٹھ جاتے۔ آپ جنگجو تھے۔ جنگ سے کبھی نہیں بیٹھتے تھے۔ جب آپ جہاد کا ارادہ کرتے تو آپ تخت کو بچھانے کا حکم دیتے، تخت بچھایا جاتا اور اس پر لوگوں کو سوار کیا جاتا جانور اور آلات حرب بھی سوار کیے جاتے پھر آپ تیز ہوا کو حکم دیتے تو وہ اس تخت کو اٹھا لیتی پھر آپ نرم ہوا کو حکم دیتے تو وہ صبح اور شام کے وقت ایک ایک مہینہ کی مسافت سے چلتی۔ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ۝ (ص) کا یہی معنی ہے۔ الرخاء کا معنی نرم ہے۔ وَ كُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ۝ یعنی یہ سب کچھ ہم نے کیا جبکہ ہم اس کی تدبیر کو جاننے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ یعنی ہم نے ان کے لیے مسخر کردیا انہیں جو غوطہ لگاتے تھے یعنی پانی کے نیچے جاتے تھے اور سمندر سے حضرت سلیمان کی خاطر جواہر نکالتے تھے۔ الغوص کا معنی ہے پانی کا نیچے اترنا۔ غاص فی الماء پانی کے نیچے گیا اور الهاجم علی الشئ کسی چیز پر حملہ کرنے والے کو غائص کہتے ہیں۔ الغواص جو موتیوں پر سمندر میں غوطہ لگاتا ہے اس کے فعل کو غیاصة کہتے ہیں۔

وَ يَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ یعنی غواص کے عمل کے علاوہ عمل کرتے تھے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا اس سے مراد محاریب، تماثیل وغیرہ کے کام ہیں جن میں آپ جنوں کو لگائے رکھتے تھے۔ وَ كُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ۝ ان کے اعمال کی نگرانی کرنے والے تھے۔ فراء نے کہا: اس کا مطلب ہے اعمال کو خراب کرنے سے پہلے ان کی حفاظت کرنے والے تھے۔ بعض نے کہا: اس میں بنی آدم میں سے کسی پر حملہ کرنے سے ہم ان کی حفاظت کرنے والے تھے۔ بعض نے کہا: اس کا معنی

ہے کہ ہم ان کے بھاگنے اور انکار کرنے سے حفاظت کرنے والے تھے یا یہ کہ ہم نے ان کی حفاظت کی کہ کہیں اس کے امر سے نکل نہ جائیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حمام، چونا، بال گرانے والی چیزیں، شیشے اور صابون جنوں کے استخراج سے ہے۔

وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۞ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِیْنَ ۞

''اور یاد کرو ایوب کو جب پکارا انہوں نے اپنے رب کو کہ مجھے پہنچی ہے سخت تکلیف اور تو ارحم الراحمین ہے (میرے حال زار پر بھی رحم فرما) تو ہم نے قبول فرمالی اس کی فریاد اور ہم نے دور فرمادی جو تکلیف انہیں پہنچ رہی تھی اور ہم نے عطا کیے اسے اس کے گھر والے نیز اتنے اور ان کے ساتھ اپنی رحمت خاص سے اور یہ نصیحت ہے عبادت گزاروں کے لیے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ یعنی یاد کرو ایوب کو جب پکارا انہوں نے اپنے رب کو اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ میرے بدن میں اور میرے مال اور اہل میں مجھے تکلیف پہنچی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایوب کو ایوب اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے تھے۔ روایت ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام روم کے ایک مالدار آدمی تھے۔ انتہائی نیکوکار اور متقی تھے۔ مسکینوں پر بہت رحم فرماتے تھے۔ یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کرتے تھے۔ مہمان کی عزت کرتے تھے۔ مسافر کو مال پہنچاتے تھے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرنے والے تھے۔ وہ اپنی قوم کے ساتھ ایک جابر شخص کے پاس گئے پس انہوں نے اسے ایک کام کے لیے مخاطب کیا حضرت ایوب اس کے لیے نرمی سے بات کر رہے تھے اپنی کھیتی کی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ نے مال اور اہل لے کر اور جسم میں تکلیف دے کر انہیں آزمائش میں ڈال دیا آپ کے جسم سے گوشت گر گیا تھا اور جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے حتیٰ کہ شہر والوں نے آپ کو شہر سے باہر نکال دیا آپ کی بیوی آپ کی خدمت کرتی تھی۔ حسن نے کہا: آپ نو سال چھ ماہ اسی کیفیت میں رہے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی تکلیف دور کرنے کا ارادہ کیا تو فرمایا: اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ ۞ (ص) اس پانی میں تمہاری شفا ہے میں نے تجھے تیرے اہل، مال اور اولاد بھی واپس کر دیے اور ان کی مثل ان کے ساتھ اور بھی عطا کیے۔ مزید تفصیل سورۂ (ص) میں آئے گی۔ اور جو کچھ مفسرین نے لکھا ہے کہ شیطان کو آپ پر تسلط دیا گیا تھا اور مفسرین کا رد بھی انشاء اللہ آئے گا۔ حضرت ایوب کے قول: مَسَّنِیَ الضُّرُّ میں پندرہ اقوال ہیں۔ (۱) آپ نماز پڑھنے کے لیے اٹھے تو آپ نہ اٹھ سکے تو آپ نے عرض کی: مَسَّنِیَ الضُّرُّ یہ آپ نے اپنی حالت کو بیان کرنے کے لیے کہا۔ مصیبت کی وجہ سے شکوی نہیں۔ حضرت انس نے اس کو مرفوع ذکر کیا ہے۔ (۲) یہ عجز کا اقرار ہے یہ صبر کے منافی نہیں۔ (۳) اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان پر یہ جاری فرمایا تا کہ آپ کے بعد آنے والے اہل بلا کے لیے حجت ہو جائے، وہ مصیبت میں یہ اظہار کر سکیں۔ (۴) یہ آپ کی زبان پر جاری فرمایا یہ لازم

کرنے کے لیے کہ انسان تکلیف برداشت کرنے میں ضعیف اور کمزور ہے۔ (۵) چالیس دن آپ سے وحی کا سلسلہ منقطع رہا
آپ اپنے رب کے چھوڑنے سے خوفزدہ ہوئے اور عرض کی: مَسَّنِیَ الضُّرُّ؛ یہ جعفر بن محمد کا قول ہے۔ (۶) آپ کے تلامذہ
آپ سے وحی اور دین کی باتیں لکھتے تھے جب آپ کی تکلیف اس انتہا کو پہنچی تو انہوں نے اس کو مٹانا شروع کر دیا اور انہوں
نے کہا: اللہ کی بارگاہ میں ان کی کوئی قدر نہیں ہے۔ پس آپ نے وحی کے ضائع ہونے اور لوگوں کے ہاتھوں سے دین کے چلے
جانے کی تکلیف محسوس کی۔ اس کی سند صحیح نہیں۔ واللہ اعلم؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔ (۷) کیڑا آپ کے جسم سے گرا تو آپ
نے اسے پکڑا اور اسے اپنے جسم پر اپنی جگہ پر رکھ دیا اس نے آپ کو کاٹا تو آپ نے چیختے ہوئے کہا: مَسَّنِیَ الضُّرُّ تو کہا گیا: کیا
تو ہم پر صبر کرتا ہے؟ ابن عربی نے کہا: یہ بہت بعید قول ہے نیز اس کے لیے نقل صحیح کی بھی ضرورت ہے اور اس کے وجود کا کوئی
راستہ نہیں۔ (۸) کیڑے آپ کو کھاتے رہے تو آپ صبر کرتے رہے حتی کہ ایک کیڑے نے دل پر حملہ کیا اور دوسرے نے
زبان پر حملہ کیا تو آپ نے کہا: مَسَّنِیَ الضُّرُّ تا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے محروم نہ ہو جاؤں۔ ابن عربی نے کہا: یہ عمدہ قول ہے اگر
اس کی سند ہو جبکہ دعویٰ لمبا چوڑا نہیں ہے۔ (۹) اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو مصیبت میں گرفتار کرنے کی جہت کو مخفی
رکھا کیا یہ تادیب تھی یا تعذیب، یا تخصیص تھی یا تمحیص یا ذخر تھا یا طہر تھا۔ آپ نے عرض کی: مَسَّنِیَ الضُّرُّ یعنی تکلیف میں مبتلا
کرنے کی جہت میں اشکال کی تکلیف مراد ہے۔ ابن عربی نے کہا یہ غلو ہے اس کی ضرورت نہیں۔ (۱۰) حضرت ایوب علیہ
السلام سے کہا گیا کہ تم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو۔ آپ نے کہا: میں ستر سال نعمتوں میں رہا اور سات سال مصیبت میں
گرفتار رہا ہوں اس وقت میں اس سے سوال کروں آپ نے اتنا عرض کیا: مَسَّنِیَ الضُّرُّ ابن عربی نے کہا: یہ ممکن ہے لیکن آپ
کی مدت اقامت کے بارے میں کوئی خبر صحیح نہیں ہے۔ اور نہ آپ کے واقعہ میں کوئی حدیث صحیح ہے۔ (۱۱) آپ کی بیوی کو
شیطان نے کہا: تو میرے لیے سجدہ کر تو اس قول نے آپ کو تکلیف پہنچائی۔ آپ کو اندیشہ ہوا کہ میری بیوی کا ایمان ضائع ہو
جائے گا اور وہ ہلاک ہو جائے گی۔ اور آپ بغیر کسی کفیل کے رہ جائیں گے۔ (۱۲) جب آپ پر آزمائش ظاہر ہوئی تو آپ کی
قوم نے کہا: اس کا ہمارے ساتھ ہونا ہمیں تکلیف دیتا ہے پس اسے ہم سے دور کرنا چاہیے۔ آپ کی بیوی آپ کو شہر سے باہر
نکال کر لے گئی لوگ جب آپ کو دیکھتے تو دیکھ کر بری فال پکڑتے پھر انہوں نے کہا: اسے اتنا دور ہونا چاہیے کہ ہم اسے دیکھ نہ
سکیں۔ پھر آپ شہر سے بہت دور چلے گئے۔ آپ کی بیوی آپ کی دیکھ بھال کرتی اور آپ کی طرف کھانا لے جاتی۔ لوگوں نے
کہا: یہ عورت اس کے پاس جاتی ہے پھر ہمارے پاس آتی ہے کہیں ایسا نہ ہو اس کے سبب اس کی تکلیف ہماری طرف لوٹ
آئے۔ لوگوں نے بیوی کو حضرت ایوب علیہ السلام سے روکنے کا ارادہ کیا تو آپ نے کہا: مَسَّنِیَ الضُّرُّ۔ (۱۳) عبد اللہ بن عبید
بن عمیر نے کہا: حضرت ایوب کے دو بھائی تھے وہ آپ کے پاس آئے اور دور کھڑے ہو گئے آپ کی بدبو کی وجہ سے وہ آپ
کے قریب نہیں آسکتے تھے ایک نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ ایوب میں کوئی خیر دیکھتا تو اس تکلیف میں مبتلا نہ کرتا۔ حضرت ایوب علیہ
السلام نے اس سے زیادہ تکلیف دہ کلمہ نہ سنا اس وقت آپ نے عرض کی: مَسَّنِیَ الضُّرُّ پھر آپ نے یہ دعا کی: اے اللہ اگر تو
جانتا ہے کہ میں نے کبھی سیر ہو کر رات نہیں گذاری میں بھوکے کے مکان کو جانتا ہوں پس تو میری تصدیق فرما۔ آسمان سے

ایک ندا دینے والے نے ندا دی میرے بندے نے سچ کہا۔ وہ دونوں بھائی سجدہ میں گر گئے۔ (۱۴) مَسَّنِیَ الضُّرُّ کا معنی ہے دشمن خوش ہو رہے ہیں، اسی وجہ سے آپ سے پوچھا گیا: تمہاری تکلیف میں کونسی چیز آپ پر شدید تھی؟ فرمایا: دشمنوں کا خوش ہونا۔ ابن عربی نے کہا: یہ ممکن ہے کیونکہ کلیم سے ان کے بھائی نے اس وجہ سے عافیت کا سوال کیا تو آپ نے کہا: اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَ كَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ (الاعراف: 150) (۱۵) آپ کی بیوی کی مینڈھیاں تھیں جب وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی خدمت کی وجہ سے کوئی کام نہیں کر سکتی تھی تو اس نے اپنی مینڈھیاں کاٹیں اور انہیں خوراک کے بدلے بیچ ڈالا اور خوراک حضرت ایوب کے پاس لے آئی۔ حضرت ایوب تصرف اور حرکت کرنے کے لیے اپنی بیوی کی مینڈھیوں سے سہارا لیتے تھے۔ جب انہیں نہ پایا اور حرکت کرنے کا ارادہ کیا تو حرکت نہ کر سکے اس وقت عرض کی: مَسَّنِیَ الضُّرُّ بعض علماء نے کہا: جب آپ کی بیوی نے اپنی مینڈھیوں کے بدلے خوراک خریدی تو ابلیس لعنۃ اللہ علیہ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس انسانی شکل میں آیا اور کہا تیری بیوی نے بدکاری کی ہے اور وہ پکڑی گئی ہے اور اس کے بال مونڈ دیئے گئے ہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے قسم اٹھائی کہ وہ اسے کوڑے ماریں گے تو عورت کے دل پر محبت، حضرت ایوب کے دل پر محبت سے زیادہ سخت تھی۔

میں کہتا ہوں: (۱۶) سولہواں قول وہ ہے جو ابن المبارک نے ذکر کیا ہے، ہمیں یونس بن یزید نے بتایا انہوں نے عقیل سے اور انہوں نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حضرت ایوب علیہ السلام اور ان کی آزمائش کا ذکر کیا اس میں ہے کہ " آپ کا ایک بھائی آپ کے ساتھ لازم رہا اس نے کہا: اے اللہ کے نبی! مجھے تیرے معاملہ نے تعجب میں ڈالا میں اس کا ذکر تیرے بھائی اور تیری ساتھی سے کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے اہل اور مال کے تلف کرنے اور جسم میں بیماری پیدا کرنے کے ساتھ اٹھارہ سال سے آزمایا ہے حتیٰ کہ تو اس کیفیت میں پہنچ گیا جو تو دیکھ رہا ہے کیا وہ تجھ پر رحم نہیں کرتا کہ وہ تجھ سے تکلیف دور کر دے۔ تو نے کوئی ایسا گناہ کیا ہے جو میرے خیال کے مطابق کسی نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا: میں نہیں جانتا جو وہ کہتے ہیں مگر میرا رب جانتا ہے کہ میں دو آدمیوں کے پاس سے گزرتا ہوں وہ گمان کرتے ہیں اور ہر ایک اللہ کی قسم اٹھاتا ہے یا ایک جماعت سے گزرتا ہوں جو گمان کرتے ہیں پھر میں اپنے گھر والوں کی طرف لوٹتا ہوں پھر میں ان کی قسموں کا کفارہ دیتا ہوں اس ارادہ سے کہ کوئی گنہگار نہ ہو جو اس نے ذکر کیا ہے۔ اور کوئی اسے ذکر نہ کرے مگر حق کے ساتھ پس حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا: مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ آپ کی دعا بڑی طویل تھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا پیش کی اس تکلیف کی وجہ سے جو آپ کو پہنچی ہوئی تھی آپ اس تکلیف پر صبر کرنے والے تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی تھی۔ (۱۷) سترواں قول یہ ہے جو میں نے سنا ہے اور میں اس پر واقف نہیں ہوں: ایک کیڑا آپ کے جسم سے گرا تو آپ نے اسے تلاش کیا تا کہ اسے اپنی جگہ لوٹا دیں تو وہ آپ کو نہ ملا آپ نے عرض کی: مَسَّنِیَ الضُّرُّ جب آپ کو اس کیڑے کی تکلیف کا اجر نہ ملا آپ چاہتے تھے کہ عافیت کے وقت پورا اجر ملتا رہے۔ یہ عمدہ قول ہے مگر سند کا محتاج ہے۔ علماء نے فرمایا: مَسَّنِیَ الضُّرُّ یہ بطور گھبراہٹ نہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں

ہے جو مخلوق کی طرف ہو۔ اللہ کی بارگاہ میں عرض شکوئی نہیں ہوتا۔ دعا، رضا کے منافی نہیں ہے۔ ثعلبی نے کہا: میں نے اپنے استاذ ابوالقاسم بن حبیب کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں سلطان کے دربار میں فقہاء اور ادباء کی مجلس میں حاضر تھا مجھ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا اس پر اجماع کے بعد کہ حضرت ایوب علیہ السلام کا قول شکایت تھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا (ص: 44) ہم نے اسے صبر کرنے والا پایا۔ میں نے کہا: یہ شکایت نہیں تھی یہ دعا تھی۔ اس کا بیان فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ہے دعا کے بعد قبولیت ہوتی ہے نہ کہ شکایت کے بعد قبولیت ہوتی ہے۔ علماء نے اس جواب کو اچھا سمجھا اور اس سے خوش ہوئے۔ جنید سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: سوال کے فاقہ کا اظہار کیا تھا تا کہ اس پر نوال کے کرم کے ساتھ احسان کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ مجاہد اور عکرمہ نے کہا: حضرت ایوب علیہ السلام سے کہا گیا ہم نے تجھے جنت میں تیرے اہل عطا کیے اگر تو چاہے تو ہم تیرے لیے انہیں جنت میں رہنے دیں اور اگر تو چاہے تو ہم انہیں دنیا میں تجھے عطا کر دیں۔ مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت ایوب کے لیے جنت میں چھوڑ دیا اور دنیا میں ان کی مثل انہیں عطا فرمائے۔ نحاس نے کہا: ان دونوں سے اس کی سند صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ مہدوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حکایت کیا ہے۔ ضحاک نے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا حضرت ایوب علیہ السلام کے اہل، بیوی کے سوا سب فوت ہو گئے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آنکھ جھپکنے سے کم وقت میں انہیں زندہ کر دیا اور ان کی مثل ان کے ساتھ عطا فرمائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ کے بیٹے فوت ہو گئے تھے پس آپ کی خاطر انہیں زندہ کیا گیا اور ان کی مثل ان کے ساتھ اور پیدا ہوئے؛ یہ قتادہ، کعب احبار اور کلبی وغیرہم کا قول ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ کی اولاد فوت ہو گئی اور وہ سات مرد تھے اور سات عورتیں تھیں۔ جب آپ کو صحت دی گئی تو وہ آپ کے لیے اٹھائے گئے اور آپ کی بیوی نے سات بیٹے اور سات بیٹیاں جنم دیں۔ ثعلبی نے کہا: یہ قول ظاہر آیت کے زیادہ مناسب ہے۔

میں کہتا ہوں: وہ بطور آزمائش اپنی مدت عمر سے پہلے فوت ہو گئے تھے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ الخ، (البقرہ: 243) کے واقعہ میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ اور وہ ستر افراد جن کو کڑک نے آلیا تھا اور وہ مر گئے تھے پھر وہ زندہ کیے گئے یہ اس لیے ہوا کہ وہ اپنی مدت عمر سے پہلے فوت ہو گئے تھے۔ یہاں بھی اسی طرح ہوا۔ مجاہد اور عکرمہ کے قول پر معنی یہ ہو گا ہم نے اسے اجرت میں اس کے اہل عطا فرمائے اور دنیا میں ان کی مثل ان کے ساتھ۔ اور خبر میں ہے اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو آپ کی طرف بھیجا جب آپ نے زمین پر پاؤں مارا تھا اور گرم پانی کا چشمہ ظاہر ہوا تھا حضرت جبریل نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور اسے جھاڑا تو آپ کے کیڑے سارے گر گئے۔ اور آپ پانی میں داخل ہوئے تو گوشت پیدا ہو گیا اور آپ اپنی جگہ پر لوٹ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے اہل اور ان کی مثل ان کے ساتھ اور عطا فرما دیئے۔ اور ایک

بادل آپ کے گھر کی بنیادوں کی مقدار ظاہر ہوا اور وہ تین دن اور تین راتیں سونے کی ٹڈیاں برساتا رہا۔ حضرت جبریل نے آپ کو کہا: کیا آپ سیر ہو گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے فضل سے کون سیر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ میں نے آزمائش سے پہلے اور آزمائش کے بعد تیری صبر کے ساتھ تعریف کی ہے اگر میں نے خود تیرے ہر بال کے نیچے صبر نہ رکھا ہوتا تو تو صبر نہ کرتا۔ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا یہ سب کچھ ہم نے اپنی رحمت کی بنا پر کیا۔ بعض علماء نے فرمایا: ہم نے اسے آزمایا تاکہ کل اس کا ثواب زیادہ ہو۔ وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۞ عبادت گزاروں کے لیے نصیحت ہے کیونکہ جب وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش اس پر ان کا صبر اور محنت کو یاد کریں گے جبکہ وہ اپنے زمانہ کے سب لوگوں سے افضل تھے تو وہ بھی دنیا کی تکالیف پر اپنے نفسوں کو صبر کا عادی بنائیں گے جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے کیا تھا۔ پس یہ ان کے لیے ہمیشہ عبادت کرنے اور تکلیف برداشت کرنے پر تنبیہ ہے اور حضرت ایوب علیہ السلام کتنی مدت آزمائش میں رہے اس میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آزمائش کی مدت سات سال اور سات مہینے اور سات دن اور سات راتیں تھیں۔ وہب نے کہا: تیس سال تھی۔ حسن نے کہا: سات سال اور چھ مہینے تھی۔

میں کہتا ہوں: ان میں سے اصح اٹھارہ سال ہے۔ ابن شہاب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کیا ہے اور ابن المبارک نے اس کو ذکر کیا ہے۔

وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِدْرِيْسَ وَ ذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۞ وَ اَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۞

"اور یاد کرو اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل (علیہم السلام) کو یہ سب صابروں کے گروہ سے تھے۔ اور ہم نے داخل فرمایا انہیں اپنی خاص رحمت میں یقیناً وہ نیک بندوں میں سے تھے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِدْرِيْسَ ادریس، اخنوخ تھے یہ پہلے گزر چکا ہے۔ وَ ذَا الْكِفْلِ یعنی اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل کو یاد کرو۔ ترمذی الحکیم نے نوادر الاصول میں حضرت ابن عمر کی حدیث نقل کی ہے جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے فرمایا: بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس کو ذوالکفل کہا جاتا تھا وہ کسی گناہ سے بچتا نہیں تھا اس نے ایک عورت کا پیچھا کیا اس سے بدکاری کرنے کے لیے اسے سات دینار دیے جب وہ اس کے قریب بیٹھا تو وہ کانپنے لگی اور رونے لگی ذوالکفل نے کہا: تو کیوں رو رہی ہے؟ اس نے کہا: اس عمل کی وجہ سے۔ اللہ کی قسم! میں نے کبھی ایسا گناہ نہیں کیا۔ ذوالکفل نے کہا: کیا میں نے تجھے مجبور کیا ہے؟ اس عورت نے کہا: نہیں لیکن مجھے حاجت نے مجبور کیا ہے۔ ذوالکفل نے کہا: تو چلی جا وہ رقم بھی تیری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں اس کے بعد کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کروں گا پھر وہ رات کو فوت ہو گیا لوگوں نے اس کے دروازے پر یہ لکھا ہوا پایا: ان اللہ قد غفر لذی الکفل اللہ تعالیٰ نے ذوالکفل کی بخشش کر دی ہے۔ اس کو ابو عیسیٰ ترمذی نے بھی تخریج کیا ہے۔ اس کے لفظ حضرت ابن عمر سے مروی ہیں فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیث بیان کرتے ہوئے سنا: "اگر میں نے اس کو نہ سنا مگر ایک یا دو مرتبہ حتیٰ کہ سات مرتبہ کو شمار کیا۔ تو میں اسے بیان نہ کرتا لیکن میں نے

اس سے زیادہ مرتبہ سنا ہے۔ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”ذوالکفل بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا جو کسی گناہ سے نہیں بچتا تھا جس کو وہ کرنا چاہتا تھا۔ ایک عورت اس کے پیچھے آئی اس نے اسے ساٹھ دینار دیے اس شرط پر کہ وہ اس کے ساتھ وطی کرے گا جب وہ اس کے قریب بیٹھا تو وہ کانپنے لگی اور رونے لگی۔ ذوالکفل نے پوچھا: تو کیوں رو رہی ہے؟ کیا میں نے تجھے مجبور کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں لیکن، یہ ایسا گناہ ہے جو میں نے کبھی نہیں کیا ہے اور مجھے اس پر حاجت نے ابھارا ہے۔ ذوالکفل نے کہا: تو ایسا کرتی ہے اور میں نے ایسا نہیں کیا تو چلی جا اور پیسے بھی تیرے ہیں۔ ذوالکفل نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس کے بعد کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کروں گا وہ اسی رات فوت ہو گیا۔ صبح اس کے دروازے پر لکھا ہوا تھا: اللہ تعالیٰ نے ذوالکفل کو بخش دیا ہے“۔ فرمایا: یہ حدیث حسن ہے (1)۔ بعض نے کہا: الیسع جب وہ بوڑھا ہو گیا تو کہا: اگر میں لوگوں پر کسی کو خلیفہ بناؤں حتیٰ کہ میں دیکھوں کہ وہ کیسے عمل کرتا ہے آپ نے فرمایا: تین دن کی کون مجھے ضمانت دے گا دن کو روزہ رکھے، رات کو قیام کرے اور فیصلہ کرتے وقت غصہ میں نہ آئے۔ عیص کی اولاد میں سے ایک شخص نے کہا: میں۔ آپ نے اسے رد کر دیا۔ پھر دوسرے دن بھی اسی طرح فرمایا تو اسی شخص نے کہا: میں۔ آپ نے اسے خلیفہ بنایا۔ پس اس نے وعدہ وفا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف فرمائی اور اس کا نام ذوالکفل رکھا کیونکہ اس نے ایک امر کی ضمانت دی تھی، یہ حضرت ابوموسیٰ، مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ عمر بن عبدالرحمن بن حرث نے کہا: حضرت ابوموسیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ ”ذوالکفل نبی نہیں تھا لیکن وہ عبد صالح تھا اپنی موت کے وقت ایک نیک شخص کے عمل کی ضمانت لی تھی۔ وہ ہر روز اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے سو رکعت نماز پڑھتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کی تعریف فرمائی“ (2)۔ کعب نے کہا: بنی اسرائیل میں ایک کافر بادشاہ تھا اس کے شہر سے ایک نیک شخص گزرا تو اس نے کہا: اللہ کی قسم! اگر میں اس شہر سے نکلوں گا تو اس بادشاہ پر اسلام پیش کروں گا۔ اس نے اس بادشاہ پر اسلام پیش کیا اس بادشاہ نے پوچھا: میری کیا جزا ہو گی؟ اس نے کہا: جنت۔ اور اس کے لیے جنت کی صفت بیان کی۔ بادشاہ نے کہا: مجھے اس کی کون ضمانت دے گا؟ اس شخص نے کہا: میں۔ پس وہ بادشاہ اسلام لایا اور اپنی مملکت سے علیحدہ ہو گیا اور اپنے رب کی طاعت کی طرف متوجہ ہوا حتیٰ کہ وہ فوت ہو گیا۔ وہ دفن کیا گیا صبح ہوئی تو لوگوں نے اس کا ہاتھ قبر سے باہر دیکھا اس کے ہاتھ میں سبز رقعہ تھا جس میں سفید نور کے ساتھ یہ لکھا ہوا تھا: ان اللہ قد غفرلی و ادخلنی الجنۃ ووفی عن کفالۃ فلان۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے معاف کر دیا ہے اور مجھے جنت میں داخل کیا ہے اور فلاں کی کفالت کو پورا کیا ہے۔ لوگ اس شخص کی طرف دوڑ کر گئے تاکہ وہ ان پر ایمان کا عہد لے اور ان کے لیے کفیل بن جائے، جس طرح بادشاہ کے لیے کفیل بنا تھا۔ اس نے ایسا ہی کیا وہ تمام لوگ ایمان لے آئے اور اس کا نام ذوالکفل رکھا گیا۔ بعض نے کہا: وہ پاکدامن شخص تھا ہر انسان کا کفیل بن جاتا تھا جو کسی مصیبت یا تہمت یا مطالبہ میں گرفتار ہوتا تھا پس اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں گرفتار شخص کو نجات دیتا تھا۔ بعض علماء نے فرمایا: ذوالکفل نام اس لیے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے عمل وسعی کی کفالت دی تھی باوجود اس کے کہ اس کے زمانہ کے دوسرے انبیاء کی بنسبت اس کا عمل کمزور تھا۔ جمہور علماء کا قول ہے کہ وہ نبی نہیں تھا۔ حسن نے کہا:

1۔ جامع ترمذی، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث 2420

2۔ مصنف عبدالرزاق، جلد 2، صفحہ 27

حضرت الیاس سے پہلے ▪ نبی تھا۔ بعض نے کہا کہ یہ حضرت ذکریا علیہ السلام تھے انہوں نے حضرت مریم کی کفالت کی تھی۔

كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم، طاعت کے قیام اور گناہوں سے اجتناب پر صبر کرنے والے تھے۔ وَ اَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ہم نے انہیں جنت میں داخل کیا۔

وَ ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖۗ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۚۖ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَ كَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ

''اور یاد کرو ذوالنون کو جب وہ چل دیا غضبناک ہو کر اور یہ خیال کیا کہ ہم اس پر گرفت نہیں کریں گے پھر اس نے پکارا (تہہ در تہہ) اندھیروں میں کہ کوئی معبود نہیں سوا تیرے پاک ہے تو بیشک میں ہی قصور واروں سے ہوں۔ پس ہم نے ان کی پکار کو قبول فرمایا اور نجات بخش دی انہیں غم (واندوہ) سے اور یونہی ہم نجات دیا کرتے ہیں مومنوں کو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ ذَا النُّوْنِ اس سے پہلے اذکر فعل محذوف ہے یعنی ذوالنون کو یاد کرو۔ یہ یونس بن متی کا لقب ہے کیونکہ مچھلی نے آپ کو نگل لیا تھا۔ النون سے مراد مچھلی ہے۔ حضرت عثمان کی حدیث میں ہے کہ انہوں ایک ملیح بچہ دیکھا تو فرمایا: اس کی ٹھوڑی پر سیاہ نشان لگا دو تا کہ اسے نظر نہ لگے۔ ثعلب نے ابن اعرابی سے روایت کیا ہے۔ کہ النونقتوہ گڑھا ہوتا ہے جو چھوٹے بچے کی ٹھوڑی میں ہوتا ہے۔ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا حسن، شعبی اور سعید بن جبیر نے کہا: اپنے رب کے لیے ناراض ہو کر گیا۔ اس مفہوم کو طبری اور قتبی نے اختیار کیا ہے۔ مہدوی نے اس کو مستحسن سمجھا ہے۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نحاس نے کہا: جو لوگ لغت کو نہیں جانتے انہوں نے اس کا انکار کیا ہے حالانکہ یہ صحیح قول ہے۔ معنی یہ ہے کہ اپنے رب کی خاطر ناراض ہوا جیسے تو کہتا ہے: غضبت لك یعنی تمہاری وجہ سے ناراض ہوا۔ مومن اللہ تعالیٰ کے لیے ناراض ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جاتی ہے۔ اکثر اہل لغت کا خیال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو اسی وجہ سے فرمایا تھا: اشترطی لهم الولاء (ان کے لیے ولاء کی شرط منظور کرلو) قتبی نے اس قول کی تائید میں مبالغہ کیا ہے۔ حدیث میں حضرت یونس کے وصف میں ہے ''آپ کا سینہ تنگ تھا جب آپ نے نبوت کا بوجھ اٹھایا تو اس کے نیچے آپ کا سینہ اس طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا جس طرح موسم ربیع میں پیدا ہونے والا اونٹ کا بچہ بھاری بوجھ کے نیچے ٹوٹ جاتا ہے''۔ پس حضرت یونس علیہ السلام بھاگے ہوئے غلام کی طرح چل پڑے (1)۔ یہ آپ کا غصہ کرنا صغیرہ تھا آپ اللہ تعالیٰ پر ناراض نہیں ہوئے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے ناراض ہوئے تھے جب ان کی قوم سے عذاب اٹھایا گیا تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ اپنے رب سے بھاگا یعنی اپنے رب کے حکم سے بھاگا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم سے عذاب اٹھانے کے بعد ان کی طرف لوٹ

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذہ

آنے کا حکم دیا، کیونکہ حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم کو ایک معلوم وقت میں عذاب کے نزول کی دھمکی دے چکے تھے پس اس وقت آپ ان سے نکل گئے۔ ان کی قوم پر عذاب آیا تو وہ گڑگڑانے لگے۔ پس ان سے عذاب اٹھا لیا گیا اور حضرت یونس علیہ السلام کو ان کی توبہ کا علم نہ تھا، اسی وجہ سے وہ غضبناک ہو کر نکلے تھے۔ اس کے حق میں تھا کہ وہ نہ جاتے مگر اجازت کے ساتھ۔ حسن نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قوم کی طرف جانے کا حکم دیا تو آپ نے مہلت کا سوال کیا تاکہ تیاری کریں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جلدی کرنے کو کہا حتی کہ انہوں نے جوتا لینے کو کہا تاکہ اسے پہن لیں لیکن مہلت نہ دی گئی۔ آپ کو کہا گیا: حکم اس سے جلدی کا ہے۔ آپ کے خلق میں تنگی تھی آپ اپنے رب پر ناراض ہو کر نکلے۔ یہ ایک قول ہے لیکن نحاس کا قول عمدہ ہے یعنی اپنے رب کی خاطر غضبناک ہو کر نکلے یعنی اپنی قوم پر ناراض ہوئے کیونکہ ان کی قوم نے کفر کیا تھا۔ بعض نے فرمایا: وہ اپنی قوم سے ناراض ہوئے جب ان پر ان کا امر طویل ہو گیا اور ان کی سرکشی طویل ہو گئی تو آپ اپنے نفس پر ناراض ہو کر نکلے ان کی اذیت پر صبر نہ کیا جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے ساتھ رہنے کا حکم دیا تھا اور دعا کرنے کا حکم دیا تھا۔ ان کا ذنب یہی تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر نکلے تھے۔ یہ مفہوم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک سے مروی ہے حضرت یونس علیہ السلام جوان تھے اور انہوں نے نبوت کا بوجھ نہیں اٹھایا تھا اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا: وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ (القلم: 48) (تم مچھلی والے کی طرح نہ ہو جاؤ) ضحاک سے مروی ہے (1) کہ وہ اپنی قوم پر غضبناک تھے انہوں نے کفر کیا تو ان پر ناراض ہونا واجب تھا ہر ایک پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اس پر ناراض ہو جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔ ایک جماعت نے کہا جن میں اخفش بھی ہے: وہ اس بادشاہ پر ناراض ہو کر نکلے تھے جو ان کی قوم پر مقرر تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: شعیا نبی اور وہ بادشاہ جو اس وقت موجود تھا جس کا نام حزقیا تھا انہوں نے ارادہ کیا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو نینویٰ کے بادشاہ کی طرف بھیجیں اس نے بنی اسرائیل سے جنگ کی تھی اور ان میں سے اکثر کو قیدی بنا لیا تھا تاکہ نینویٰ کے بادشاہ سے حضرت یونس علیہ السلام بات کریں تاکہ وہ بنی اسرائیل کو ان کے ساتھ بھیج دے۔ اس وقت انبیاء کی طرف وحی کی جاتی تھی اور سیاسی امور بادشاہ کے پاس ہوتے تھے جس کو وہ انبیاء منتخب کرتے تھے پس وہ بادشاہ اپنے نبی کی وحی کے مطابق عمل کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے شعیا نبی کو وحی فرمائی کہ حزقیا بادشاہ کو کہو کہ وہ بنی اسرائیل میں سے ایک قوت والا امین خبر دینے والا چنے اور اسے اہل نینویٰ کی طرف بھیجیں اور وہ انہیں حکم دے کہ بنی اسرائیل کو آزاد کر دیں۔ میں ان کے بادشاہوں اور جابروں کے دل میں ان کو علیحدہ کرنے کا حکم ڈال دوں گا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے شعیا کو کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے مجھے نکالنے کا حکم دیا ہے؟ شعیا نے کہا: نہیں۔ پوچھا: کیا اس نے تجھ سے تیرا نام لیا ہے؟ شعیا نے کہا: نہیں۔ فرمایا: وہ انبیاء امین اور قوت والے تھے۔ پس انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام پر نکلنے کے لیے اصرار کیا تو حضرت یونس علیہ السلام اس نبی اور بادشاہ پر اور اپنی قوم پر ناراض ہو کر نکلے۔ آپ بحر روم پر آئے پھر آپ کو مچھلی کے منہ میں چلے جانے کا واقعہ پیش آیا۔ آپ کو مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی آزمائش میں ڈالا گیا کیونکہ آپ نے شعیا نبی کے حکم کو ترک کیا تھا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 96

مُلِیۡمٌ ۝ (الصافات) ملیم اسے کہتے ہیں جو ایسا فعل کرے جس پر ملامت کی جاتی ہو۔ آپ نے جو فعل کیا وہ یا صغیرہ تھا یا ترک اولیٰ تھا۔ بعض علماء نے فرمایا: آپ جب نکلے تھے تو آپ اس وقت نبی نہ تھے لیکن آپ کو بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ نے نینوی کی طرف جانے کو کہا تا کہ آپ انہیں شعیا کی طرف بلائیں تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی امر سے جانے کو ناپسند کیا پس آپ بادشاہ پر ناراض ہو کر نکلے۔ جب آپ نے مچھلی کے پیٹ میں نجات پائی تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قوم کی طرف بھیجا آپ نے انہیں بلایا اور وہ آپ پر ایمان لے آئے۔ قشیری نے کہا: اظہر یہ ہے کہ یہ غضبناک ہونا اللہ تعالیٰ کے ارسال کے بعد تھا اور قوم پر عذاب کے اٹھائے جانے کے بعد آپ نے ان سے عذاب کے اٹھائے جانے کو پسند نہ کیا۔

میں کہتا ہوں: یہ سب سے بہتر ہے جو اس کے متعلق کہا گیا ہے جیسا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ سورۃ الصافات میں اس کا بیان آئے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: آپ کی قوم کے اخلاق میں سے تھا کہ جس کے متعلق انہیں جھوٹ بولنے کا پتہ چل جاتا اسے قتل کر دیتے تھے۔ پس آپ کو قتل ہو جانے کا اندیشہ ہوا تو آپ ناراض ہوئے۔ آپ نکل پڑے حتیٰ کہ آپ ایک کشتی میں سوار ہوئے وہ کشتی ٹھہر گئی اور چلتی نہیں تھی کشتی والوں نے کہا: کیا تم میں سے کوئی بھاگنے والا ہے؟ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا: وہ میں ہوں، پھر واقعہ ہوا جو ہوا۔ آپ کو گناہ صغیرہ سے پاک کرنے کے لیے مچھلی کے پیٹ میں مبتلا کیا گیا جیسا کہ اہل احد کے بارے میں فرمایا: حَتّٰۤی اِذَا فَشِلۡتُمۡ۔۔۔۔ ولیمحص اللہ الذین آمنوا۔ انبیاء کے گناہ بخشے ہوئے ہوتے ہیں لیکن ان پر تمحیص جاری ہوتی ہے اور اس کے ضمن میں دوبارہ ایسا کرنے سے زجر ہوتی ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ آپ اپنے رب پر اور اپنی قوم پر ناراض نہیں ہوئے تھے۔ یہ عربوں کے قول غضب سے مشتق ہے جب کوئی ناپسندیدگی کا اظہار کرے۔ فاعل کبھی ایک فاعل کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب آپ نے قوم کو عذاب کا وعدہ دیا اور آپ ان سے نکل گئے تو انہوں نے توبہ کر لی اور ان سے عذاب اٹھا لیا گیا۔ جب آپ واپس آئے تو آپ کو معلوم ہوا کہ وہ تو ہلاک نہیں ہوئے آپ نے اس کو ناپسند کیا اور آپ بھاگ نکلے۔ یہ شعر اس مفہوم میں بطور دلیل پڑھا جاتا ہے۔

وأغضب أن تُهجى تميم بدارم

یہاں أغضب بمعنی آنف ناپسند کرنا ہے۔ اس قول میں نظر ہے کیونکہ اس قول والے کو کہا جاتا ہے کہ یہ مغاضبت اگرچہ الفت کی وجہ سے تھی۔ الانفة (نفرت، ناپسندیدگی) کو غضب بھی لاحق ہوتا ہے وہ غضب تو ہے اگرچہ جس پر ہو قلیل بھی ہو آپ تو کہتے ہیں کہ وہ اپنے رب پر اور اپنی قوم پر ناراض نہیں ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَظَنَّ اَنۡ لَّنۡ نَّقۡدِرَ عَلَیۡهِ فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے ابلیس نے آپ کو پھسلایا اور آپ کے گمان میں اس کا امکان واقع ہوا کہ اللہ تعالیٰ انہیں سزا دینے پر قادر نہ ہوگا۔ یہ قول مردود اور قابل توجہ نہیں ہے کیونکہ یہ کفر ہے۔ سعید بن جبیر سے مروی ہے مہدوی نے ان سے حکایت کیا ہے اور ثعلبی نے حسن سے روایت کیا ہے۔ ثعلبی نے کہا: حسن، سعید بن جبیر اور شعبی وغیرہ نے کہا: اس کا معنی ہے کہ اس نے گمان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر تنگی نہیں کرے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہے: اَللّٰهُ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ (الرعد: 26) یعنی اللہ تعالیٰ جس سے

لیے چاہتا ہے رزق کو کشادہ فرماتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ فرماتا ہے۔
میں کہتا ہوں: یہ قول سعید اور حسن کے قول کے مشابہ ہے۔ قَدَرَ، قُدِرَ، قَتَرَ اور قُتِرَ ہم معنی ہیں یعنی تنگ کیا گیا ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جس کو ماوردی اور مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ القدر سے مشتق ہے جس کا معنی قضا اور فیصلہ ہے، یعنی آپ نے گمان کیا کہ ہم آپ پر عقوبت کا فیصلہ نہیں کریں گے؛ یہ قتادہ، مجاہد اور فراء کا قول ہے۔ یہ القدر سے ماخوذ ہے جس کا معنی فیصلہ ہے نہ کہ قدرت واستطاعت سے ماخوذ ہے۔ ابو العباس احمد بن یحییٰ ثعلب سے مروی ہے انہوں نے فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ کے متعلق فرمایا: یہ تقدیر سے ہے نہ کہ القدرۃ سے۔ کہا جاتا ہے: قدر اللہ لك الخیر یقدرہ قدرا اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے خیر کو مقدر کیا۔ ثعلب نے بطور استشہاد یہ اشعار پڑھے:

فلیست عشیات اللِّوَی برواجعٍ لنا أبداً ما أورق السَّلَم النَّضِرُ
ولا عائدٍ ذالك الزمان الذی مضی تبارك ما تقدِر یقعْ ولك الشکرُ

ما تقدر بمعنی ما تقدرہ وتقضی ہے ان دو تاویلوں پر علماء کا نظریہ ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز اور زہری نے فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نُّقَدِّرَ عَلَيْهِ نون کے ضمہ اور دال کی شد کے ساتھ تقدیر سے پڑھا ہے۔ یہ قرأت ماوردی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ عبید بن عمیر، قتادہ اور اعرج نے اَنْ لَّنْ يُّقَدَّرَ عَلَيْهِ یاء کے ضمہ اور دال کی شد کے ساتھ فعل مجہول پڑھا ہے۔ یعقوب عبداللہ بن ابی اسحاق، حسن، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یقدر علیہ یاء کے ضمہ اور دال کے فتحہ کے ساتھ تخفیفاً مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ حسن سے بھی فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ، مروی ہے باقی قراء نے نقدر نون کے فتحہ اور دال کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور تمام کے نزدیک بمعنی تقدیر ہے۔
میں کہتا ہوں: یہ دونوں تاویلیں ایسی ہیں جن کو علماء نے اس شخص کے قول میں بھی استعمال کیا ہے جس نے کبھی کوئی خیر کا عمل نہیں کیا تھا۔ اس نے اپنے گھر والوں سے کہا تھا: جب وہ مرجائے تو اسے جلا دینا فواللہ لئن قدر اللہ علی (اللہ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر سزا کا فیصلہ کیا) پہلی تاویل کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اگر مجھ پر تنگی فرمائی اور میرے محاسبہ میں مبالغہ کیا اور مجھے میرے گناہوں پر جزا دی تو ایسا ہوگا پھر اس نے افراط خوف کی وجہ سے گھر والوں کو جلانے کا حکم دیا۔ دوسری تاویل پر معنی یہ ہوگا اگر اللہ تعالیٰ تقدیر اور فیصلہ میں ہر مجرم کو اس کے جرم کی سزا دینے کا معاملہ طے کر چکا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے اپنے گناہوں اور جرموں کی ایسی سزا دے گا جو میرے سوا تمام جہانوں میں سے کسی کو بھی نہیں دے گا۔ اس حدیث کو ائمۃ حدیث نے موطا وغیرہ میں نقل کیا ہے۔ وہ شخص مومن، موحد تھا۔ بعض احادیث میں ہے ''اس نے سوائے توحید کے کوئی خیر کا عمل نہیں کیا تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس نے کہا: من خشیتك یا رب!، اے میرے رب! تیری خشیت کی وجہ سے ایسا کیا تھا اور خشیت مومن مصدق میں ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر: 28) بعض علماء نے فرمایا: فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ کا معنی استفہام ہے اس کی تقدیر أفظنّ ہے۔ الف استفہام اختصاراً حذف کیا گیا ہے۔ یہ سلیمان ابو المعتمر کا قول ہے۔ قاضی منذر بن سعید نے حکایت کیا ہے

کہ بعض نے اُفظن الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ علماء کا الظُّلُمٰتِ کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ ایک جماعت نے کہا: جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ بھی ہیں کہ اس سے مراد رات کی تاریکی، سمندر کی تاریکی اور مچھلی کی تاریکی ہے۔ ابن ابی الدنیا نے کہا: ہمیں یوسف بن موسیٰ نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں عبداللہ بن موسیٰ نے بتایا انہوں نے اسرائیل سے انہوں نے ابواسحاق سے انہوں نے عمرو بن میمون سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا ہمیں حضرت عبداللہ بن مسعود نے بیت المال میں بتایا کہ جب حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نے نگل لیا اور وہ انہیں زمین کی تہہ کی طرف لے گئی تو حضرت یونس علیہ السلام نے کنکریوں کی تسبیح سنی۔ تو آپ نے ان تاریکیوں میں پکارا۔ وہ تین تاریکیاں تھیں مچھلی کے پیٹ کی تاریکی، رات کی تاریکی اور سمندر کی تاریکی: اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۔ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ۝ (الصافات: 145)

جیسے اس چوزے کی ہیئت ہوتی ہے جس پر بال نہ ہوں۔ ایک جماعت نے کہا جن میں سالم بن ابی الجعد بھی ہیں کہ تاریکیوں سے مراد سمندر کی تاریکی۔ اس مچھلی کی تاریکی جس نے پہلی مچھلی کو نگلا تھا اور یہ بھی صحیح ہے کہ پہلی مچھلی کے پیٹ کی تاریکی کو الظلمات سے تعبیر کیا گیا ہو جیسا کہ فرمایا: فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ (یوسف: 10) چونکہ ہر جہت میں تاریکی تھی تو اس کا جمع ذکر کرنا جائز ہے۔ ماوردی نے ذکر کیا ہے: یہ بھی احتمال ہے کہ خطا کی ظلمت، شدت کی ظلمت اور تنہائی کی ظلمت کو الظُّلُمٰتِ سے تعبیر کیا گیا ہو۔ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کی طرف وحی فرمائی یونس کے ایک بال کو بھی اذیت نہ دینا۔ میں نے تیرے پیٹ کو اس کی قید بنایا ہے میں نے اسے تیری خوراک نہیں بنایا ہے۔ روایت ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں سجدہ کیا جب سمندر کی گہرائی میں مچھلیوں کی تسبیح سنی۔ ابن ابی الدنیا نے ذکر کیا ہے انہوں نے کہا ہمیں عباس بن یزید عبدی نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں اسحاق بن ادریس نے بتایا کہ انہوں نے کہا ہمیں جعفر بن سلیمان نے بتایا انہوں نے عوف سے انہوں نے سعید بن ابی حسن سے روایت کیا ہے فرمایا: جب مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو نگل لیا تو انہوں نے گمان کیا کہ وہ فوت ہو گئے ہیں پس انہوں نے اپنی ٹانگوں کو لمبا کیا جبکہ وہ فوت نہیں ہوئے تھے۔ آپ اپنی عادت کے مطابق نماز کے لیے کھڑے ہوئے آپ نے اپنی دعا میں کہا: میں نے تیرے لیے ایسی جگہ کو مسجد بنایا جس کو کسی نے مسجد نہیں بنایا۔ ابوالمعالی نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا تفضلونی علی یونس بن متی (1) اس کا معنی ہے میں جب سدرۃ المنتہیٰ میں تھا میں اللہ تعالیٰ کے قریب ان سے زیادہ نہ تھا جبکہ وہ مچھلی کے پیٹ میں سمندر کی گہرائی میں تھے۔ یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی جہت میں نہیں۔ یہ مفہوم سورۂ بقرہ اور سورۂ الاعراف میں گزر چکا ہے۔ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ آپ نے قوم کے ساتھ رہنے کو ترک کیا تھا اور ان پر صبر نہیں کیا تھا وہ ظلم مراد ہے۔ بعض نے فرمایا: بغیر اجازت

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 2167

کے نکلنا مراد ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عقوبت نہیں تھی کیونکہ انبیاء کرام کو عقاب نہیں کیا جاتا یہ تمحیص (پاک وصاف کرنا) تھا کبھی کبھی اسے ادب سکھایا جاتا ہے جو عقاب کا مستحق نہیں ہوتا جیسے بچے ہوتے ہیں؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے میں نے اپنی قوم پر عذاب کی دعا کر کے قصور کیا حالانکہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے بددعا کی تو ان کا مواخذہ نہ ہوا۔ واسطی نے کہا: اس کا معنی ہے اپنے رب کی ظلم سے پاکیزگی بیان کی اور استحقاق واعتراف کی بناء پر ظلم کی نسبت اپنی طرف کی، اسی کی مثل حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کا قول ہے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا (الاعراف: 23) جب انہوں نے اپنے آپ کو اپنے منصب پر نہ رکھا تو وہ زمین میں اتارے گئے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابوداؤد نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''حضرت یونس علیہ السلام کی مچھلی کے پیٹ میں یہ دعا تھی۔ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖۗ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ جس مسلمان نے اس دعا کے ساتھ کسی مسئلہ میں دعا مانگی تو وہ قبول کی گئی'' (1)۔ بعض علماء نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے اس کو حضرت سعد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ خبر میں ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی شرط ہے اس شخص کے لیے جو اس سے دعا مانگے تو وہ اس کی دعا قبول فرمائے گا جس طرح حضرت یونس علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی تھی اور اسے نجات دے گا جس طرح انہیں نجات دی تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ آپ نے ظلم کا اعتراف کیا پس یہ اشارہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كَذٰلِكَ نُـْۨجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ یعنی جو عمل ان سے ہوا اس کی وجہ سے جس پریشانی میں ہوتے ہیں اس سے انہیں ہم خلاصی دیتے ہیں وہ یہ ارشاد ہے: فَلَوْ لَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ۝ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝ (الصافات) اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے حضرت یونس علیہ السلام کی حفاظت ہے۔ اس کے حق تعبد کی رعایت کی اور جو انہوں نے طاعت میں سے پہلے کیا تھا اس کے حق کی حفاظت فرمائی۔ استاذ ابو اسحاق نے فرمایا: حضرت یونس علیہ السلام تھوڑے دن مچھلی کے ساتھ رہے تو قیامت تک انہیں ذوالنون کہا جائے گا تو تیرا اس بندے کے متعلق کیا گمان ہے جس نے ستر سال عبادت کی، اس کے نزدیک یہ رائیگاں جائے گی یہ تو گمان ہی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مِنَ الْغَمِّ یعنی مچھلی کے پیٹ سے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كَذٰلِكَ نُـْۨجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اکثر کی قرأت دونوں کے ساتھ ہے۔ یہ أنجی ینجی سے مشتق ہے۔ ابن عامر نے نجی ایک نون اور جیم مشدد اور یاء کے سکون کے ساتھ ماضی کا صیغہ پڑھا ہے اور مصدر کا اضمار کیا ہے یعنی کذلك نجی النجاء المومنین۔ جیسے تو کہتا ہے: ضرب زیداً بمعنی ضرب الضرب زیداً اور بطور استشہاد یہ شعر پڑھا ہے:

ولو　وَلَدت　قُفَيْرَةُ　جرو كلب　لَسُبَّ　بذلك　الجرو　الكلابا

تو شاعر نے لسب السب بذالك الجرو کا ارادہ کیا ہے یا کو ان کی لغت کے مطابق ساکن کیا گیا ہے جو یا کو حرکت دیئے بغیر کہتے ہیں بقی و رضی۔

حسن نے: وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا (البقرہ: 278) پڑھا ہے یعنی یہ۔ قبل مکسور کو حرکت دینے سے ثقل پیدا ہوتا ہے اور

1۔ جامع ترمذی، باب ماجاء فی عقد التسبیح بالید، حدیث 3427

یہ اشعار پڑھے ہیں:

خَفَرَ الشَّیْبُ لِمَّتِی تَخْفِیرًا وَحَدَا بِی اِلَی الْقُبُورِ الْبَعِیْرَا

لَیْتَ شِعْرِی اِذَا الْقِیَامَۃُ قَامَتْ وَدُعِیْ بِالْحِسَابِ اَیْنَ الْمَصِیْرَا

یاء کو دعی میں ساکن کیا گیا کیونکہ اس کو حرکت دینے اور اس کے ماقبل کسرہ سے ثقل پیدا ہوتا ہے۔ حدا کا فاعل المشیب ہے یعنی وحد المشیب البعیر لیت شعری المصیر أین ھو؛ یہ تاویل فراء، ابوعبید اور ثعلب نے کی ہے۔ اس قرأت کو درست کرنے کے لیے ابوحاتم اور زجاج نے غلطی کی ہے کہ انہوں نے کہا: یہ غلطی ہے کیونکہ نائب الفاعل کو نصب دی گئی ہے۔ کہا جاتا ہے: نُجِّیَ المؤمنون جیسے کہا جاتا ہے: کُرِّمَ الصالحون اور ضُرِبَ زید بمعنی ضُرِبَ الضربُ زیدًا کہنا جائز نہیں، کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ضُرِبَ الضرب پر دلالت کرتا ہے اور اس قسم کے اشعار سے کتاب اللہ پر حجت قائم کرنا جائز نہیں۔ ابوعبید کا ایک اور قول بھی ہے۔ قتبی نے کہا ہے: وہ یہ ہے کہ نون کو جیم میں مدغم کیا گیا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ قول نحویوں میں سے کسی کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ نون کا مخرج جیم کے مخرج سے دور ہے اس لیے ادغام نہیں ہوگا۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ (الانعام: 160) میں مجاء بالحسنة جائز نہیں۔ نحاس نے کہا: میں نے جو بات علی بن سلیمان سے سنی ہے اس سے بہتر کوئی بات نہیں سنی۔ انہوں نے کہا: اصل میں ننجی تھا ایک نون کو حذف کیا گیا کیونکہ دونوں نون جمع ہوئے ہیں جیسا کہ ایک تاء کو حذف کیا جاتا ہے جب دونوں جمع ہو جاتی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا تَفَرَّقُوْٓا (الشوریٰ: 14) اصل میں لا تتفرقوا تھا محمد بن السمیقع اور ابوالعالیہ نے وَ كَذٰلِكَ نَجَّى الْمُؤْمِنِيْنَ پڑھا ہے یعنی نجّی اللہ المومنین۔ یہ عمدہ ہے۔

وَ زَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَ وَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَ اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝

''اور یاد کرو زکریا کو جب انہوں نے پکارا اپنے رب کو کہ اے میرے پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر ہے۔ تو ہم نے اس کی دعا کو قبول فرمالیا اور اسے یحییٰ (جیسا فرزند) عطا فرمایا اور ہم نے تندرست کردیا ان کی خاطر ان کی اہلیہ کو، بیشک وہ بہت تیز رو تھے نیکیاں کرنے میں اور پکارا کرتے تھے ہمیں بڑی امید اور خوف سے اور ہمارے سامنے بڑا عجز و نیاز کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ زَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ یعنی زکریا کو یاد کرو۔ ان کا ذکر سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا یعنی اکیلا اور بغیر بیٹے کے نہ چھوڑ۔ وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ یعنی تو ہر مرنے والے کے بعد جو باقی رہنے والے ہیں ان سے بہتر ہے۔ فرمایا: وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ کیونکہ پہلے یہ شئی گزر چکا ہے۔ یعنی میں جانتا ہوں تو اپنے دین کو ضائع نہیں کرے گا، لیکن یہ امر دین کی حفاظت کی فضیلت میری نسل سے منقطع نہ کر، جیسا کہ پہلے سورۂ مریم میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ یعنی ہم نے اس کی دعا قبول کی۔ وَ وَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰی ان کا ذکر تفصیلاً گزر چکا ہے۔ وَ اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ قتادہ، سعید بن جبیر اور اکثر مفسرین نے کہا: ان کی بیوی بانجھ تھی تو اسے بچے جنم دینے والی بنا دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطا نے کہا: وہ تند خوتھی اور زبان درازتھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اصلاح فرمائی اور اسے اچھے اخلاق والا بنا دیا۔

میں کہتا ہوں: دونوں مفہوم جمع بھی ہوسکتے ہیں اسے حسن اخلاق بھی دے دیا ہو اور بچے جننے والی بھی بنا دیا ہو۔ انهم، ھم ضمیر سے مراد وہ انبیاء کرام ہیں جن کا اس سورت میں نام لیا گیا ہے۔ کَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ بعض علماء نے فرمایا: ضمیر کا مرجع حضرت زکریا، ان کی زوجہ اور حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ یَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ یَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا وہ ہماری بارگاہ میں پناہ لیتے ہیں اور سختی اور خوشحالی میں ہمیں پکارتے ہیں۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے وہ عبادت کے وقت ہمیں پکارتے ہیں جبکہ وہ امید اور خوف کی حالت میں ہوتے ہیں کیونکہ رغبت اور رہبت ایک دوسرے کو متلازم ہیں۔ بعض نے فرمایا: الرغب کا مطلب ہے آسمان کی طرف ہتھیلیوں کے باطن کو بلند کرنا اور الرھب کا مطلب ہے ان کی پیٹھوں کو آسمان کی طرف بلند کرنا؛ یہ خصیف کا قول ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: اس کی تلخیص یہ ہے کہ ہر دعا مانگنے والا انسان اپنے ہاتھوں سے مدد طلب کرتا ہے۔ پس رغبت اس حیثیت سے کہ وہ طلب ہے۔ تو ہتھیلی کے باطن کو مطلوب منہ کی طرف متوجہ کرنا بہتر ہے کیونکہ وہ عطا کرنے کی جگہ ہے یا اس کے ذریعے انسان مالک ہوتا ہے۔ اور الرھب اس حیثیت سے کہ تکلیف کو دور کرنا ہے تو اس کے ساتھ اس کو پھینکنا اچھا ہوتا ہے اور جانے کی طرف اشارہ کرنا ہے اور ہاتھ جھاڑ کر اسے بچانا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ترمذی نے حضرت عمر بن خطاب سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دعا میں ہاتھ اٹھاتے تھے تو انہیں نیچے نہیں کرتے تھے حتی کہ انہیں اپنے چہرے پر پھیر لیتے تھے(1)۔ ہاتھوں کو بلند کرنے کے متعلق اختلاف سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے۔ یہ حدیث اور دوسری احادیث وہاں ہم نے ذکر کی ہیں ہاتھوں کو بلند کرنے کے قول پر پھر اس کی صفت اور کہاں تک اٹھانے ہیں اس میں اختلاف ہے۔ بعض پسند کرتے ہیں کہ وہ اپنی ہتھیلیوں کو اپنے سینے کے برابر اٹھاتے ہوئے پھیلائیں اور ان کا باطن اس کے چہرے کی طرف ہو۔ حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی ہتھیلیوں کے باطن کے ساتھ دعا مانگتے تھے اور حضرت انس سے اس کی مثل مروی ہے۔ یہ جامع ترمذی کی حدیث کا ظاہر ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو اپنی ہتھیلیوں کے باطن کے ساتھ اس سے سوال کرو اور ہتھیلیوں کی پیٹھوں کے ساتھ سوال نہ کرو اور انہیں اپنے چہروں پر پھیرو''۔ حضرت ابن عمر اور حضرت ابن زبیر سے چہرے تک بلند کرنا مروی ہے انہوں نے حضرت ابوسعید خدری کی حدیث سے حجت پکڑی ہے۔ فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرفہ

1۔ جامع ترمذی، باب ما جاء فی رفع الایدی عند الدعاء، حدیث 3308

میں ٹھہرے تو آپ نے دعا مانگنی شروع کی آپ نے اپنی ہتھیلیوں کی پشت کو اس سمت کیا جو چہرے کی طرف تھی اور انہیں اپنے سینہ سے بلند کیا اور کندھوں سے نیچے کیا(1)۔ بعض نے فرمایا: حتیٰ کہ چہرے کے برابر کیا اور ان کی پشتیں چہرہ کی سمت تھیں۔ ابو جعفر طبری نے کہا: یہ کہنا صحیح ہے کہ تمام آثار جو نبی کریم ﷺ سے مروی ہیں متفق اور متحد ہیں اور یہ تمام صورتیں نبی کریم ﷺ سے مروی ہوں دعا کے احوال اختلاف کی وجہ سے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی ایک انگلی کے ساتھ اشارہ کرے تو وہ اخلاص ہے اور جب اپنے ہاتھوں کو سینہ کے برابر کرے تو وہ دعا ہے۔ جب انہیں اتنا بلند کرے کہ سر سے اوپر لے جائے اور ان کا ظاہر چہرے کی طرف ہو تو یہ ابتہال (گڑگڑانا) ہے۔ طبری نے کہا: قتادہ نے حضرت انس سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کو اپنی ہتھیلیوں کے ظاہر و باطن کے ساتھ دعا مانگتے ہوئے دیکھا(2)۔

رَغَبًا وَّ رَهَبًا مصدر کی بنا پر منصوب ہیں یعنی یرغبون رغباً ویرھبون رھباً یا مفعول لاجلہ کی بنا پر منصوب ہیں یعنی للرغب والرھب یا حال کی بنا پر منصوب ہیں۔ طلحہ بن مصرف نے یدعونا ایک نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اعمش نے راء کے ضمہ اور غین کے سکون اور ھا کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے جیسے: السقم اور البخل اور العدم اور الضر یہ دونوں لغتیں ہیں۔ ابن وثاب اور اعمش نے رغباً و رھباً را پر فتحہ اور غین اور ھا میں تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جیسے نَھْر اور نَھَر، صَخْر اور صَخَر یہ قرأت ابو عمرو سے مروی ہے۔ **وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ** تواضع کرنے والے اور عاجزی کرنے والے۔

وَ الَّتِيْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَ جَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

''اور یاد کرو اس خاتون کو جس نے محفوظ رکھا اپنی عصمت کو پس ہم نے پھونک دیا اس میں اپنی روح سے اور ہم نے بنا دیا اسے اور اس کے بیٹے کو (اپنی قدرت کی) نشانی سارے جہان والوں کے لیے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ الَّتِيْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا** یعنی مریم کو یاد کرو جس نے محفوظ رکھا اپنی عصمت کو۔ حضرت مریم کا ذکر کیا حالانکہ وہ انبیاء میں سے نہیں تھی اس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر مکمل ہوا اسی وجہ سے فرمایا: **وَ جَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝** آیتین نہیں فرمایا کیونکہ کلام کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان دونوں کے امر، واقعہ اور شان کو تمام جہانوں کے لیے نشانی بنایا۔ زجاج نے کہا: دونوں میں نشانی ایک تھی کیونکہ حضرت مریم نے انہیں بغیر باپ کے جنم دیا تھا۔ سیبویہ کے مذہب پر تقدیر یہ ہے: وجعلنا ھا آیۃ للعالمین وجعلنا ابنھا آیۃ للعالمین پھر حذف کیا گیا۔ اور فراء کے مذہب پر تقدیر یہ ہوگی: وجعلنا ھا آیۃ للعالمین وابنھا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ** (التوبہ: 62) بعض علماء نے فرمایا: ان کی آیات میں سے یہ تھا کہ حضرت مریم پہلی عورت تھیں جو عبادت خانہ میں نذر کے طور پر قبول کی گئی تھیں۔ یہ بھی نشانی سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو اپنی جناب سے رزق دیا تھا اور بندوں میں سے کسی بندے کے ہاتھ پر ان کا رزق جاری نہیں فرمایا تھا۔ بعض نے فرمایا: حضرت مریم نے پستان نہیں چوسا تھا۔ احصنت برائی سے محفوظ رہیں۔ بعض نے فرمایا فرج سے مراد قمیص کی فرج ہے یعنی ان کے کپڑے کے ساتھ کبھی کوئی مشکوک چیز معلق نہ ہوئی آپ پاکیزہ لباس تھیں۔

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 11093، 11806　2۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذہ

قمیص کی فروج چار ہوتی ہیں۔ دو آستینیں۔ اعلیٰ اور اسفل۔ سہیلی نے کہا: تیرا خیال کسی دوسری چیز کی طرف نہ جائے کیونکہ یہ لطیف کنایہ ہے کیونکہ قرآن معنی کے اعتبار سے پاکیزہ ہے اور لفظ کے اعتبار سے موزوں ہے اس میں لطیف اشارہ اور خوبصورت عبارت ہے چہ جائے کہ کسی جاہل کا وہم اس کی طرف جائے، خصوصاً روح قدس کا پھونکنا، قدوس کے حکم سے تھا۔ قدس کی نسبت قدوس کی طرف کی اور جھوٹے گمان سے مقدسہ و مطہرہ کو پاک فرمایا۔

فَنَفَخْنَا فِيهَا مِنْ رُّوحِنَا یعنی ہم نے جبریل کو حکم دیا اور انہوں نے مریم کی قمیص کے گریبان میں پھونک ماری پھر اس پھونک سے ہم نے مریم کے بیٹے مسیح کو پیدا کیا۔ سورۂ مریم اور سورۃ النساء میں یہ گزر چکا ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔ آیۃ اس سے مراد علامت اور مخلوق کے لیے عجیب بات ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا علم اور جس میں ہم چاہتے ہیں اپنی قدرت کے نفوذ پر دلالت ہے۔

إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ۝

''(اے ان انبیاء کو ماننے والو!) یہی (توحید) تمہارا دین ہے جو ایک دین ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں پس میری بندگی کیا کرو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً جب انبیاء کرام کا ذکر فرمایا تو فرمایا: یہ تمام توحید پر جمع تھے۔ یہاں امۃ سے مراد دین ہے اور وہ اسلام ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد وغیرہما کا قول ہے۔ رہے مشرک تو انہوں نے تمام انبیاء کی مخالفت کی۔ وَأَنَا رَبُّكُمْ یعنی صرف میں ہی تمہارا پروردگار ہوں۔ فَاعْبُدُونِ صرف میری عبادت کرو۔ عیسیٰ بن عمر اور ابن ابی اسحاق نے ان هذه أمتكم واحدة پڑھا ہے۔ اور یہ حسن نے ابو عمرو سے روایت کیا ہے۔ باقی قراء نے امة واحدةً پڑھا ہے۔ اس پر نصب قطع کی بنا پر ہے کہ کلام مکمل کرنے کے بعد نکرہ آیا ہے۔ فراء کا قول ہے نحاس نے کہا: امة پر نصب حال کی بنا پر ہے یعنی حق پر جمع ہونے کی حالت پر یعنی یہ امت ایک امت رہی اور تم توحید پر جمع رہے اور جب تم جدا جدا ہو گئے اور اختلاف کیا تو جو حق کی مخالفت کرنے والا تھا وہ دین حق کے اہل میں سے نہ رہا جیسے تو کہتا ہے: فلان صدیقی عفیفاً یعنی جب تک وہ پاک تھا میرا دوست تھا جب عفت میں مخالف ہوا تو میرا دوست نہ تھا۔ رہا رفع تو یہ امتکم سے بدل ہونے کی بنا پر یا مبتدا کے اضمار کی بنا پر ہوگا یعنی ان هذه أمتكم هذه أمة واحدة یا یہ دوسری خبر ہوگی اور اگر تو هذه سے بدل کی بنا پر امتکم کو نصب دے تو بھی جائز ہے اور امة واحدة ان کی خبر ہوگی۔

وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۖ كُلٌّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ ۝ فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ ۝

''مگر لوگوں نے پارہ پارہ کر ڈالا اپنے دین کو آپس میں (آخر کار) سب ہماری طرف ہی لوٹنے والے ہیں۔ پس جو شخص کرتا رہا کوئی نیک کام بشرطیکہ وہ مومن ہو تو رائیگاں نہیں جانے دیا جائے گا اس کی کوشش کو اور ہم اس کے

لیے (اس کے عملوں کو) لکھنے والے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ تَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ یعنی دین میں تقسیم ہو گئے؛ یہ مفہوم کلبی نے بیان کیا ہے۔ اخفش نے کہا: دین میں انہوں نے اختلاف کیا مراد مشرک ہیں۔ انہوں نے چونکہ حق کی مخالفت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو خدا بنایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی۔ ازہری نے فرمایا: اس کا مطلب ہے وہ اپنے معاملہ میں پارہ پارہ ہو گئے۔ امرھم پر نصب فی کے حذف کے ساتھ ہے۔ اس مفہوم پر تقطعوا فعل لازم ہوگا اور پہلے مفہوم پر متعدی ہوگا۔ اور مراد تمام مخلوق ہے یعنی انہوں نے اپنے اپنے دین کو پارہ پارہ کر دیا اور اسے آپس میں تقسیم کر لیا کوئی موحد تھا کوئی یہودی تھا کوئی نصرانی تھا۔ کچھ نے بادشاہ کی عبادت کی، بعض نے بتوں کی عبادت۔ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ یعنی سب نے ہمارے حکم کی طرف لوٹ کر آنا ہے پس ہم انہیں جزا دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ، من، بعضیہ ہے جنس کے لیے نہیں ہے کیونکہ کسی مکلف کو یہ طاقت نہیں کہ وہ تمام طاعات فرض، نفل کو ادا کرے۔ معنی یہ ہے جو بھی کوئی طاعت کرے گا خواہ وہ فرض ہو یا نفل جبکہ وہ موحد مسلم ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جبکہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والا ہو۔ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ اس کے عمل کا انکار نہیں یعنی اس کی جزا کو ضائع نہیں کیا جائے گا اور اس کی جزا کو چھپایا نہیں جائے گا۔ کفر کی ضد ایمان ہے اور کفر کا معنی نعمت کی ناشکری کرنا بھی ہے یہ شکر کی ضد ہوگا۔ وقد کفرہ کفورا و کفرانا۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں: فلا کفر لسعیہ ہے وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ اس کے عمل کو ہم لکھنے والے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى (آل عمران: 195) یعنی سب محفوظ ہوگا تا کہ اس کی جزا دی جائے۔

وَ حَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ وَ هُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝ وَ اقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝

"اور ناممکن ہے اس بستی کے لیے جس کو ہم نے برباد کر دیا کہ اس کے باشندے لوٹ کر آئیں۔ یہاں تک کہ جب کھول دیئے جائیں گے یاجوج اور ماجوج اور وہ ہر بلندی سے بڑی تیزی کے ساتھ نیچے اترنے لگیں گے (تب معلوم ہوگا کہ) قریب آ گیا ہے سچا وعدہ تو اس وقت تاڑنے لگ جائیں گی نظریں ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا تھا (کہیں گے) صد حیف! ہم تو غافل رہے اس امر سے بلکہ ہم تو ظالم تھے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ حَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ حضرت زید بن ثابت اور اہل مدینہ کی قرأت وَ حَرَامٌ ہے، یہ ابوعبید اور ابوحاتم کا اختیار ہے۔ اہل کوفہ کی قرات وحِرْمٌ ہے یہ حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جیسے حِلٌّ وحلالٌ اور حضرت ابن عباس اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم سے وحَرِمَ حا اور میم کے فتحہ اور را کے کسرہ کے ساتھ مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ اور ابو العالیہ سے وحَرُمَ را کے ضمہ

اور حا اور میم کے فتحہ کے ساتھ مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وَحَرَمٌ، وحَرَمٌ وحَرِمَ بھی مروی ہے۔ عکرمہ سے بھی وحَرِمٌ مروی ہے۔ قتادہ اور مطر وراق سے وَحَرْمٌ مروی ہے یہ نو قرائتیں ہیں۔ سلمی نے علی قریة أهلكتها پڑھا ہے۔ لَا یَرْجِعُوْنَ میں جو (لا) ہے اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ صلہ (زائدہ) ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے؛ یہی ابو عبید کا اختیار ہے یعنی اس بستی پر ہلاکت کے بعد لوٹنا ناممکن ہے جس کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ بعض نے فرمایا: یہ صلہ نہیں ہے یہ ثابتہ ہے۔ اس صورت میں حرام بمعنی واجب ہوگا یعنی اس دیہات پر واجب ہے جیسے خنساء نے کہا تھا:

وَإِنَّ حَرَامًا لَا أَرَى الدَّهْرَ بَاكِيًا　　عَلَى شَجْوِهِ إِلَّا بَكَيْتُ علی صَخْرٍ

وہ اپنے بھائی کے بارے میں یہ کہہ رہی ہے اس قول پر لا ثابتہ ہے۔ نحاس نے کہا: یہ آیت مشکل ہے اور سب سے بہتر جو کہا گیا ہے وہ وہ ہے جو ابن عیینہ، ابن علیہ، ھشیم، ابن ادریس، محمد بن فضیل، سلیمان بن حیان اور معلیٰ نے داود بن ابی ہند سے اور انہوں نے عکرمہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے تحت روایت کیا ہے۔ وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ فرمایا واجب ہے کہ وہ نہیں لوٹیں گے فرمایا: وہ توبہ نہیں کریں گے۔ ابو جعفر نے کہا: اس کا اشتقاق لغت میں بڑا واضح ہے اس کی شرح یہ ہے کہ حرام الشی کا معنی ہے اس چیز سے منع کیا گیا ہے اور روکا گیا ہے جیسا کہ أحل کا معنی ہے مباح کیا گیا اور اس سے روکا نہیں گیا جب حراما اور حرم بمعنی واجب ہوگا تو اس کا معنی ہوگا اس سے نکلنا تنگ کیا گیا ہے اور منع کیا گیا ہے یہ ممنوع کے باب سے ہوگا۔ رہا ابو عبید کا قول کہ لا زائدہ ہے اس کو ایک جماعت نے رد کیا ہے کیونکہ ایسے مقامات پر لا زائدہ نہیں ہوتا اور نہ ہی ایسی صورت میں جہاں اشکال ہو اگر یہ زائدہ ہوتا تو یہ تاویل بعید بھی ہوتی کیونکہ اگر یہ مراد ہے و حرام علی قریة أهلكناها أن يرجعوا إلى الدين تو یہ ایسی چیز ہے جس میں کوئی فائدہ نہیں اگر توبہ کا ارادہ کیا ہے تو توبہ تو حرام نہیں کی گئی۔ بعض علماء نے فرمایا: کلام میں اضمار ہے یعنی حرام علی قریة حکمنا باستئصالها او بالختم علی قلوبها أن يتقبل منهم عمل لأنهم لا يرجعون أي لا يتوبون یعنی اس بستی پر حرام ہے جس کے تباہ کرنے کا ہم نے فیصلہ کر لیا ہے یا ان کے دلوں پر مہر لگانے کا فیصلہ کر لیا ہے ان سے کوئی عمل قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ توبہ نہیں کریں گے۔ زجاج اور بو علی کا قول ہے اور لا غیر زائدہ ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا معنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حَتّٰۤی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ اس میں قول گزر چکا ہے۔ کلام میں حذف ہے یعنی جب یاجوج و ماجوج کا بند کھل جائے گا جیسے: وَسْـَٔلِ الْقَرْیَةَ (یوسف: 82) میں مضاف محذوف ہے۔ وَ هُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ ہر بلندی سے اتریں گے یعنی کثرت کی وجہ سے ہر طرف سے بھاگتے ہوئے اتریں گے۔ الحدب زمین کی بلند جگہ کو کہتے ہیں اس کی جمع الحداب ہے یہ حدبة الظهر (کبڑی پیٹھ) سے ماخوذ ہے۔

عنترہ نے کہا:

فما رعشت يداي ولا أزدهاني　　تواترهم إلي من الحداب

بعض نے فرمایا: ینسلون کا معنی ہے وہ نکلیں گے؛ اسی سے شاعر کا قول ہے:

فَسُلِّي ثِيَابِي من ثِيَابِكِ تَنْسُلِ

بعض نے کہا: اس کا معنی ہے تیز چلتے ہیں؛ اسی سے نابغہ کا قول ہے:

عَسَلاَنَ الذئبِ أمسَى قَارِبًا　بَرَدَ اللّيلُ عليهِ فَنَسَلْ

کہا جاتا ہے: عَسَلَ الذئبُ يَعْسِلُ عَسَلاً وعَسَلاناً بھیڑیے کا تیز چلنا۔ حدیث میں ہے: كذب عليك العسل (1) یعنی تجھ پر تیز چلنا ہے۔ زجاج نے کہا: النَّسَلان کا معنی ہے بھیڑ کا تیز چلنا۔ کہا جاتا ہے: نسل فلان في العدو ويَنْسِلُ (کسرہ اور ضمہ کے ساتھ) نَسْلاً ونسولا ونَسَلاناً اس کا معنی ہے تیز چلنا۔ پھر کہا گیا ہے کہ جو ہر بلندی سے اتریں گے وہ یاجوج وماجوج ہیں یہی اظہر قول ہے۔ یہ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ بعض نے کہا تمام لوگ مراد ہیں۔ وہ موقف کی زمین کی طرف چلیں گے اور ہر اونچی جگہ سے جلدی جلدی آرہے ہوں گے۔ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ جَدَثٍ يَّنْسِلُوْنَ، شواذ قراتوں میں پڑھا گیا ہے۔ یہ اس قول سے لیا گیا ہے۔ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ (یٰسین) اسی قرأت کو مہدوی نے ابن مسعود سے اور ثعلبی نے مجاہد اور ابوالصہباء سے روایت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ، الْوَعْدُ الْحَقُّ سے مراد قیامت ہے۔ فراء، کسائی وغیرہ نے کہا ہے کہ واؤ زائدہ مقحمہ ہے۔ معنی یہ ہے کہ جب یاجوج وماجوج کا بند کھل جائے گا قیامت قریب آجائے گی۔ اقْتَرَبَ، اذا کا جواب ہے۔ فراء نے یہ شعر اس پر کہا ہے:

فَلَمَّا أَجَزْنَا سَاحَةَ الْحَيِّ وانْتَحَى

یعنی اس میں بھی واؤ زائدہ ہے اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۚ وَ نَادَيْنٰهُ (الصافات) نَادَيْنٰهُ سے پہلے واؤ زائدہ ہے۔ کسائی نے اذا کا جواب فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ ہونا بھی جائز قرار دیا ہے اس صورت میں اقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ اس فعل پر معطوف ہوگا جو شرط ہے۔ بصریوں نے کہا: جواب محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے: قالوا یاویلنا؛ یہ زجاج کا قول ہے اور یہ عمدہ قول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر: 3) اس کا معنی ہے قالوا ما نعبدهم قول کا حذف کثیر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ، هی ضمیر ابصار کے لیے ہے اور ابصار بعد میں اس کی تفسیر کے طور پر مذکور ہے گویا یوں فرمایا: فاذا ابصار الذين كفروا شخصت عند مجيء الوعد؛ شاعر نے کہا:

لَعَمْرُ أَبِيهَا لاتقولُ ظَعِينَتِي　أَلَا فَرَّعَنِّي مالكُ بنُ أَبِي كعبِ

شاعر نے پہلے ھا ضمیر ذکر کی ہے پھر ظعینتی کو ظاہر ذکر کیا۔ فراء نے کہا: ھی عماد ہے جیسے فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ (الحج: 46) ہے۔ بعض نے فرمایا: ھی پر کلام مکمل ہوگی۔ تقدیر اس طرح ہے فاذا ھی یعنی قیامت ظاہر واقعہ ہوگی یعنی ان کے قریب سے گویا وہ آنے والی ہے حاضر ہے پھر نئی کلام کا آغاز کیا۔ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یہ مبتدا پر خبر کو مقدم کیا گیا ہے یعنی کفار کی آنکھیں قیامت کے دن پھٹی پھٹی ہوں گی۔ قیامت کی ہولناکی کی وجہ سے آنکھیں نہیں جھپکیں گی وہ کہیں گے:

1۔ غریب الحدیث خطابی، جلد 2، صفحہ 370

ہائے افسوس! ہم اپنی معصیت کی وجہ سے ظالم تھے ہم نے عبادت کو اپنے مقام پر نہ رکھا۔

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۹۸

"(اے مشرکو!) تم اور جن بتوں کی تم عبادت کیا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سب جہنم کا ایندھن ہوں گے اور اس میں داخل ہونے والے ہو"۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایک ایسی آیت ہے کہ لوگ اس کے متعلق مجھ سے نہیں پوچھتے، معلوم نہیں وہ اس کا عرفان رکھتے ہیں اس لیے اس کے متعلق نہیں پوچھتے یا اس سے غافل ہیں اس لیے نہیں پوچھتے؟ پوچھا گیا: وہ کونسی آیت ہے؟ آپ نے فرمایا: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ۔۔۔الخ، جب یہ آیت نازل ہوئی تو کفار قریش پر بڑی شاق گزری کہنے لگے: اس نے ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہا ہے۔ لوگ ابن الزبعری کے پاس آئے اور اس کے متعلق بتایا تو وہ کہنے لگا: اگر میں وہاں ہوتا تو میں اس کو جواب دیتا۔ لوگوں نے کہا: تو اسے کیا کہتا؟ کہنے لگا: میں اسے کہتا حضرت مسیح علیہ السلام کی نصاریٰ عبادت کرتے ہیں، یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں کیا وہ دونوں بھی جہنم کا ایندھن ہوں گے؟ قریش اس کی بات سے بہت خوش ہوئے اور انہوں نے خیال کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نزاع کیا گیا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰۗىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۱۰۱ (بلاشبہ وہ لوگ جن کے لیے مقدر ہو چکی ہے ہماری طرف سے بھلائی تو وہی اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے) اور لَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا (الزخرف: 57) ابن العزیر کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ آیت آگے آرہی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ اصل قول میں عموم کی اصل ہے اور عموم کے لیے مخصوص صیغے ہیں جبکہ بعض اس کی مخالفت کرتے ہیں اور کہتے ہیں: عموم پر دلالت کرنے کے لیے کوئی صیغہ وضع نہیں کیا گیا۔ یہ قول باطل ہے کیونکہ یہ آیت اور دوسری آیات اس کی دلیل ہیں۔ عبداللہ بن الزبعری نے ما سے زمانہ جاہلیت کے تمام معبود سمجھے اور قریش جو فصحاء عرب اور بلغاء لسان تھے انہوں نے بھی اس کی موافقت کی اگر یہ ماعموم کے لیے نہ ہوتا تو اس سے استثناء کرنا صحیح نہ ہوتا حالانکہ یہ پایا گیا ہے۔ پس یہ عموم کے لیے ہے اور یہ واضح ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ عام قرأت حصب یعنی صاد کے ساتھ ہے مفہوم یہ ہے کہ اے کفار کے گروہ! تم اور جن بتوں کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ جہنم کا ایندھن ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ مجاہد، عکرمہ اور قتادہ نے کہا: خطبھا حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حطب جهنم یعنی طاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضب ضاد کے ساتھ پڑھا ہے۔ فراء نے کہا: اس سے مراد الحصب ہے۔ فرمایا: ہمیں بتایا گیا ہے کہ الحضب اہل یمن کی لغت میں الحطب کے معنی میں ہے۔ ہر وہ چیز جس کے ساتھ آگ بھڑکائی جائے اور جس کے ساتھ تو آگ جلائے وہ

حضب کہلاتی ہے؛ یہ جوہری نے ذکر کیا ہے۔ الموقد کا معنی محضب (چولھا) ابوعبیدہ نے حصب جھنم کے بارے میں فرمایا: ہر وہ چیز جو آگ میں ڈالے اس کے لیے حصبتھا بہ بولا جاتا ہے۔ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کافر لوگ اور وہ بت جن کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔ اس آیت کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (البقرہ: 24) اس آگ سے بچو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: الحجارۃ سے مراد کبریت کا پتھر ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ آگ، بتوں پر عذاب اور عقاب نہ ہوگی کیونکہ انہوں نے تو کوئی جرم نہیں کیا بلکہ یہ ان کے عبادت گزاروں کے لیے عذاب ہوگی۔ یہ پہلا مقام حسرت ہوگا پھر انہیں آگ پر جمع کیا جائے گا اور ان کی آگ ہر آگ سے سخت ہوگی۔ پھر اس آگ کے ساتھ مشرکوں کو عذاب دیا جائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: ان پتھروں (بتوں) کو جلایا جائے گا اور پھر مشرکوں کے عذاب میں زیادتی کے لیے انہیں ان بتوں کے ساتھ ملایا جائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: انہیں آگ میں ڈالا جائے گا تاکہ ان کی عبادت پر سرزنش ہو جائے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ تم اس میں داخل ہونے والے ہو۔ یہ خطاب مشرکوں کو ہے جو بتوں کے پجاری ہیں یعنی تم اپنے بتوں کے ساتھ آگ میں داخل ہوگے۔ یہ کہنا بھی جائز ہے کہ خطاب بتوں کے لیے اور ان کے عبادت گزاروں کے لیے ہو کیونکہ اگرچہ جمادات تھے لیکن کبھی آدمیوں کی ضمیروں کے ساتھ ان کے متعلق خبر دی جاتی ہے۔ علماء نے فرمایا: حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر اور ملائکہ علیہم السلام اس میں داخل نہیں ہیں کیونکہ ما غیر آدمیوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اگر آدمیوں کا ارادہ ہوتا تو من کہا جاتا۔ زجاج نے کہا چونکہ اس آیت کا مخاطب مشرکین مکہ ہیں دوسرے نہیں۔

لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۭ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ۝

”(سوچو!) اگر یہ خدا ہوتے تو نہ داخل ہوتے جہنم میں اور جھوٹے خدا اور ان کے پجاری سب اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ جہنم میں (شدت عذاب سے) چیخیں گے اور اس میں اور کچھ نہ سن سکیں گے“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا یعنی اگر یہ بت خدا ہوتے تو ان کے عبادت گزار آگ میں نہ جاتے۔ بعض علماء نے کہا: عبادت گزار اور معبود جہنم میں داخل نہ ہوتے اسی لیے فرمایا: كُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ کفار و شیاطین میں سے جو آگ میں داخل ہوں گے ان کے لیے چیخ و پکار ہوگی۔ رہے بت تو ان میں اختلاف ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ انہیں زندہ کرے گا اور انہیں عذاب دے گا تاکہ ان کے لیے چیخ و پکار ہو یا انہیں زندہ نہیں کرے گا؟ اس کے متعلق دو قول ہیں۔ الزفیر مغموم نفس کی وہ آواز جو دل سے نکلتی ہے۔ یہ سورۂ ہود میں گزر چکا ہے۔ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ بعض علماء نے فرمایا: کلام میں حذف ہے اس کا معنی ہے اس میں وہ کچھ نہیں سنیں گے کیونکہ وہ بہرے ہوں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا (الاسراء: 97)

اشیاء کے سننے میں راحت و انس ہوتا ہے پس اللہ تعالیٰ کفار کو آگ میں اس سے محروم کرے گا۔ بعض نے فرمایا: اس کا

مطلب ہے وہ ایسی بات نہیں سنیں گے جو انہیں خوش کرے گی بلکہ وہ ان فرشتوں کی آواز سنیں گے جو انہیں عذاب دینے پر مسلط ہوں گے۔ بعض نے فرمایا: جب انہیں کہا جائے گا: اخْسَـُٔوْا فِیْهَا وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ (المومنون) تو وہ بہرے اور گنگے ہو جائیں گے جیسا کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: جب وہ لوگ جنہوں نے ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے وہ باقی رہ جائیں گے تو وہ آگ کے تابوتوں میں ڈالے جائیں گے پھر ان تابوتوں کو دوسرے تابوتوں میں رکھا جائے گا جس میں آگ کے کیل لگے ہوں گے اور وہ کچھ نہیں سن سکیں گے اور ان میں سے کوئی نہیں دیکھ سکے گا کہ آگ میں ان کے علاوہ بھی کسی کو عذاب دیا جا رہا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۙ﴿۱۰۱﴾ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا ۚ وَ هُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۚ﴿۱۰۲﴾ لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

''بلاشبہ وہ لوگ جن کے لیے مقدر ہو چکی ہے ہماری طرف سے بھلائی تو وہی اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے، وہ اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور وہ ان (نعمتوں) میں جن کی خواہش انہوں نے کی تھی ہمیشہ رہیں گے۔ نہ غم ناک کرے گی انہیں وہ بڑی گھبراہٹ اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے (انہیں بتائیں گے) یہی وہ تمہارا دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى الحسنیٰ سے مراد جنت ہے۔ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا، ھا ضمیر سے مراد آگ ہے۔ مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ کلام کا معنی استثناء ہے اسی وجہ سے بعض اہل علم نے کہا: ان یہاں بمعنی الا ہے اور قرآن میں اس کے علاوہ ایسا کہیں نہیں۔ محمد بن حاطب نے کہا میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ آیت منبر پر پڑھتے سنا: اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى انہوں نے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) ان میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا یعنی وہ آگ کی آہٹ اور اس کے شعلوں کی حرکت نہ سنیں گے۔ الحسیس اور الحس کا معنی حرکت ہے۔ ابن جریج نے عطا سے روایت کیا ہے فرمایا ابو راشد حروری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کیا تو مجنون ہے پھر یہ ارشاد کہاں ہے: وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا (مریم: 71) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ (مریم) اور یہ گزشتہ لوگوں کی دعا تھی: اے اللہ! مجھے آگ سے سلامتی کے ساتھ نکال اور مجھے جنت میں کامیاب فرما۔ ابو عثمان نہدی نے کہا: پل صراط پر سانپ ہوں گے جو دوزخیوں کو کاٹیں گے اور وہ کہیں گے: حس حس۔ بعض علماء نے فرمایا: جب جنتی لوگ جنت میں داخل ہو نگے تو وہ دوزخیوں کی آہٹ نہیں سنیں گے اور اس سے پہلے سنیں گے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ وَ هُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ وہ ہمیشہ رہیں گے جبکہ وہ ان نعمتوں میں ہوں گے جو ان کے نفس چاہیں گے اور آنکھوں کو لذت دیں گے۔ فرمایا: وَ لَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْۤ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ (حم السجدہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ ابو جعفر اور ابن محیصن نے یُحزنهم یاء کے ضمہ اور زاء کے کسرہ کے

ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے یاء کے فتحہ اور زاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یزیدی نے کہا: حزنہ لغت قریش ہے اور أحزنہ لغت تمیم ہے دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ الفزع الاکبر سے مراد قیامت کے دن کی ہولناکیاں ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ حسن نے کہا: یہ وہ وقت ہے جس میں بندوں کو آگ کی طرف جانے کا حکم دیا جائے گا۔ ابن جریج اور سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا: یہ وہ وقت ہے جب آگ کو ان کے اوپر بند کر دیا جائے گا اور موت کو جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا۔ ذوالنون مصری نے کہا: یہ قطعیت اور فراق ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''تین افراد قیامت کے دن معنبر کستوری کے ٹیلوں پر ہوں گے انہیں بڑی گھبراہٹ پریشان نہیں کرے گی۔ ایک وہ شخص جس نے ثواب کی نیت سے قوم کی امامت کرائی جبکہ وہ اس سے راضی ہوں۔ دوسرا وہ شخص جس نے ثواب کی نیت سے قوم کے لیے اذان دی۔ تیسرا وہ شخص جو دنیا میں غلامی میں مبتلا کیا گیا اور اپنے رب کی طاعت سے بھی غافل نہ ہوا'' (1)۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے کہا: میں ایک شخص کے پاس سے گزرا جو اپنے غلام کو مار رہا تھا۔ غلام نے میری طرف چھڑانے کا اشارہ کیا میں نے اس کے مالک سے بات کی تو اس نے اسے معاف کر دیا۔ میں حضرت ابوسعید خدری سے ملا، میں نے اسے یہ واقعہ سنایا تو انہوں نے کہا: اے میرے بھتیجے! جس نے کسی پریشان حال کی مدد کی اللہ تعالیٰ بڑی پریشانی والے دن اسے آگ سے آزاد کرے گا۔ یہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ یعنی فرشتے جنت کے دروازوں پر ان کا استقبال کریں گے اور انہیں مبارک باد پیش کریں گے اور انہیں کہیں گے: هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۝ بعض علماء نے فرمایا: قبور سے نکلنے کے وقت رحمت کے فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے هٰذَا يَوْمُكُمُ یعنی ویقولون لھم یہ وہ انہیں کہیں گے اس کو حذف کیا گیا ہے۔ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۝ جس میں عزت و کرامت ہے۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ۝

''(یاد کرو) جس دن ہم لپیٹ دیں گے آسمان کو جیسے لپیٹ دیئے جاتے ہیں طومار میں کاغذات، جیسے ہم نے آغاز کیا تھا ابتدائے آفرینش کا اسی طرح ہم اسے لوٹائیں گے یہ وعدہ (پورا کرنا) ہم پر لازم ہے یقیناً ہم (ایسا) کرنے والے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ ابوجعفر بن قعقاع، شیبہ بن نصاح، اعرج اور زہری نے تطوی تا مضمومہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ السماء کو نائب الفاعل کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے۔ مجاہد نے یطوی پڑھا ہے۔ اس معنی پر کہ یطوی اللہ السماء۔ اللہ آسمان کو لپیٹ دے گا باقی قراء نے نطوی نون کے ساتھ پڑھا ہے پر یہ عظمت کی دلیل ہے اور یوم پر نصب ہ ضمیر محذوف سے بدل ہونے کے اعتبار سے ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۝ يَوْمَ نَطْوِي

1۔ جامع ترمذی، باب ماجاء فی کلام الحور العین، حدیث 2490

السَّمَآءَ یا نعید کی وجہ سے منصوب ہوگا تو كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ یا لایحزنهم کی وجہ سے منصوب ہوگا یعنی لایحزنهم الفزع الاکبرنی الیوم الذی نطوی فیه السماء یا اذکر کے اضمار کے ساتھ منصوب ہے۔ السماء سے مراد جنس ہے اس کی دلیل یہ ہے وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ (الزمر:67)

كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: صحیفہ کو اس پر لپیٹ دینا جو کچھ اس میں ہو۔ لام بمعنی علی ہو گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب کا نام ہے(1)۔ یہ بھی قوی نہیں کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب معروف تھے ان میں سے یہ کسی کا نام نہیں اور نہ آپ کے اصحاب میں سے کسی کا نام السجل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن عمر اور سدی نے کہا: السجل اس فرشتے کا نام ہے جو بنی آدم کے رجسٹر لپیٹتا ہے، جب وہ اس کی طرف بلند کیے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: وہ تیسرے آسمان میں ہے۔ اس کی طرف بندوں کے اعمال بلند کیے جاتے ہیں۔ کندھوں پر موجود الحفظۃ فرشتے ہر جمعرات اور سوموار کو اس کو پیش کرتے ہیں اس کے مددگاروں میں سے ہاروت و ماروت ہیں۔ السجل، اشام کو بھی کہتے ہیں یہ السجالۃ سے مشتق ہے جس کا معنی کتابت ہے اس کی اصل السجل سے ہے یعنی ڈول۔ تو کہتا ہے: ساجلت الرجل جب تو نے ڈول نکال دیا پھر مکاتبت اور مراجعت کو مساجلۃ کہا گیا۔ سجل الحاکم تسجیلاً۔ فصل بن عباس بن عتبۃ بن ابی لہب نے کہا:

مَنْ يُسَاجِلْنِي يُسَاجِلْ (ماجدا)　　يَمْلَأُ الدَّلْوَ إِلَى عَقْدِ الْكَرَبِ

پھر اس اسم کی بنا فِعِلّ بنائی گئی ہے جیسے حِمِرّ و طِمِرّ و بِلِیّ۔ ابوزرعہ بن عمرو بن جریر نے کطی السُّجُل سین اور جیم کے ضمہ کے ساتھ اور لام کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اعمش اور طلحہ نے کطی السجل سین کے فتح اور جیم کے سکون اور لام کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: معنی ایک ہی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور للکتاب کے قول پر کلام مکمل ہے۔ اس آیت میں الطی دو معانی کا احتمال رکھتا ہے۔ الدرج جو النشر کی ضد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: السَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ (الزمر: 67) دوسرا معنی چھپانا اور مٹانا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے نشان مٹائے گا اور اس کے ستاروں کی روشنی کو ختم کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۞ وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۞ (التکویر) وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۞ (التکویر) للکتاب پر کلام مکمل ہوئی۔ اعمش، حفص، حمزہ، کسائی، یحییٰ اور خلف نے للکتاب جمع پڑھا ہے۔ پھر کلام کا آغاز ہوا فرمایا: كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ یعنی ہم انہیں جمع کریں گے جبکہ وہ ننگے پاؤں، برہنہ بدن اور غیر مختون ہوں گے جس طرح وہ ماؤں کے پیٹوں سے پیدا کیے گئے تھے۔ نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''قیامت کے دن لوگ جمع ہو جائیں گے جبکہ وہ برہنہ بدن، غیر مختون ہوں گے قیامت کے روز سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا پھر یہ آیت پڑھی: كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ''۔ اس کو امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: ہمارے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موعظت کے لیے کھڑے ہوئے فرمایا: ''اے لوگو!

1۔ ابوداؤد، باب فی اتخاذ الکاتب، حدیث 2546

تم اللہ کی بارگاہ میں جمع کیے جاؤ گے جبکہ ننگے پاؤں، ننگے بدن اور غیر مختون ہو گے پھر یہ آیت پڑھی: كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ خبردار! سب سے پہلے قیامت کے روز ابراہیم کو لباس پہنایا جائے گا"(1)۔ ہم نے اس باب کے تحت التذکرہ کتاب میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔ سفیان ثوری نے سلمہ بن کہیل سے انہوں نے ابوالزعراء سے انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے فرمایا: اللہ تعالیٰ عرش کے نیچے سے پانی بھیجتا ہے جیسے مردوں کی منی ہوتی ہے پس اس سے لوگوں کے گوشت اور جسم پیدا ہوتے ہیں اسی طرح گیلی مٹی سے اور چیزیں پیدا ہوتی ہیں پھر یہ آیت پڑھی: كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہم ہر چیز کو ہلاک کر دیں گے اور ہم ہر چیز کو فنا کر دیں گے جس طرح ابتدا میں تھا۔ اس بناء پر کلام يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ کے قول سے متصل ہو گی، یعنی ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے پھر اسے ہلاکت وفنا کی طرف لوٹا دیں گے پس کوئی چیز باقی نہ رہے گی۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہم آسمان کو فنا کریں گے پھر انہیں دوبارہ لپیٹنے اور زوال کے بعد لوٹائیں گے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ (ابراہیم: 48)

پہلا قول اصح ہے اور اس کی مثال یہ قول ہے: وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (الانعام: 94)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (الکہف: 48) وعداً مصدر کی بنا پر منصوب ہے یعنی وعدنا وعداً۔ علینا ہم پر اس کا پورا کرنا اور وفا کرنا ہے یعنی دوبارہ اٹھانا اور اعادہ کرنا ہے۔ کلام میں حذف ہے پھر: اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ کے ساتھ مؤکد کیا۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے جو ہم چاہتے ہیں اس پر قادر ہیں۔ بعض علماء نے کہا: اس کا معنی ہے جو ہم نے تم سے وعدہ کیا اسے پورا کرنے والے ہیں، جس طرح فرمایا: كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ۝ (المزمل) بعض نے کہا: کان جو فیصلہ ہو چکا ہے اس کی خبر دینے کے لیے ہے۔ بعض نے کہا: صلہ ہے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۝

"اور بیشک ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں پند وموعظت کے (بیان کے) بعد کہ بلاشبہ زمین کے وارث تو میرے نیک بندے ہوں گے۔ یقیناً اس قرآن میں کفایت ہے اس قوم کی (فلاح دارین) کے لیے جو عبادت گزار ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ، الزبور اور الکتاب ایک چیز ہے اسی وجہ سے تورات اور انجیل کو زبور کہنا جائز ہے۔ زبرت کا معنی ہے کتبت اس کی جمع زُبُر ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: الزبور سے مراد تورات، انجیل اور قرآن ہے۔ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ جو آسمان میں ہے۔ اَنَّ الْاَرْضَ سے مراد جنت کی زمین ہے۔ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ یہ سفیان نے اعمش سے انہوں نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے۔ ثعلبی نے کہا: الزبور سے مراد حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور ہے۔ الذِّكْرِ سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات ہے۔ مجاہد اور ابن زید نے کہا: الزبور سے مراد انبیاء کرام کی کتب ہیں۔ الذِّكْرِ

1۔ مسند امام احمد، 1913، 2096

سے مراد ام الکتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس آسمان میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الزبور سے مراد وہ کتب ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیاء کرام پر اتارا۔ الذکر سے مراد وہ تورات ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتاری گئی۔ حمزہ نے فِی الزُّبُوْرِ راء کے ضمہ کے ساتھ زبر کی جمع کے طور پر پڑھا ہے۔ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ بہتر قول جو اس کی تفسیر میں مروی ہے، وہ یہ ہے کہ اس سے مراد جنت کی زمین ہے جیسا کہ سعید بن جبیر نے کہا کہ دنیا میں زمین کے وارث نیک لوگ بھی ہوتے ہیں اور دوسرے ظالم و جابر بھی ہوتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد وغیرہما کا قول ہے۔ مجاہد اور ابو العالیہ نے کہا: اس تاویل کی دلیل یہ ارشاد ہے: وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ (الزمر: 74)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے مراد ارض مقدسہ ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ کافر امتوں کی زمین ہے جس کی امت محمدیہ فتوحات کے ساتھ وارث بنی۔ بعض نے کہا: اس سے مراد بنو اسرائیل ہیں اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا (الاعراف: 137)

اکثر مفسرین کا قول ہے کہ عباد الصالحین سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے۔ حمزہ نے عبادی الصالحون یاء کی تسکین کے ساتھ پڑھا ہے۔ اِنَّ فِیْ هٰذَا اس سورت میں جو وعظ و تنبیہ گزری ہے۔ بعض علماء نے کہا: یعنی جو قرآن میں ہے: لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ وہ کفایت کرنے والا ہے عبادت گزار قوم کے لیے۔ حضرت ابو ہریرہ اور سفیان ثوری نے کہا: اس سے مراد پانچ نمازیں ادا کرنے والے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عابدین سے مراد اطاعت کرنے والے ہیں۔ العابد جو اطاعت و انکساری کرنے والا ہو۔ قشیری نے کہا: کوئی بعید نہیں کہ اس میں ہر عاقل داخل ہو کیونکہ فطرت کی حیثیت سے وہ خالق کا اطاعت گزار ہوتا ہے۔ وہ اگر قرآن میں غور و فکر کرے اور اس پر عمل کرے تو وہ اسے جنت تک پہنچائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ امتی ہیں جو پانچوں نمازیں پڑھتے ہیں اور رمضان کے مہینہ کے روزے رکھتے ہیں؛ یہ بعینہٖ پہلا قول ہے۔

وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ۝

''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کے لیے۔ فرما دیجئے کہ میرے پاس تو صرف یہ وحی آئی ہے کہ تمہارا خدا (وہی ہے جو) ایک خدا ہے پس کیا تم اسلام لانے کے لیے تیار ہو، اگر وہ پھر بھی روگردانی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میں نے آگاہ کر دیا ہے تمہیں پوری طرح اور میں نہیں سمجھتا کہ قریب ہے یا بعید جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے لیے رحمت ہیں پس جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی وہ سعادت مند ہوا اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لایا اسے وہ عذاب لاحق نہیں ہوا جو پہلی امتوں کو (نافرمانی کی وجہ سے) خسف اور غرق لاحق ہوا۔ ابن زید نے کہا: العالمین سے خاص مومنین مراد ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا جائز نہیں۔ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝ کیا تم اللہ تعالیٰ کی توحید کی اطاعت کرنے والے ہو یعنی اسلام قبول کرلو، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۝ (المائدہ) یعنی تم باز آجاؤ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ تَوَلَّوْا یعنی اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ یعنی میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ میری اور تمہاری جنگ ہے ہماری کوئی صلح نہیں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ (الانفال: 58) یعنی انہیں آگاہ کرو کہ تو نے عہد توڑ دیا ہے یعنی تم اور وہ برابر ہو کسی ایک فریق کا دوسرے فریق کے لیے لازم عہد نہیں ہے۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے میں نے تمہیں بتایا کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ اس کے علم میں برابر ہیں میں نے ایسا نہیں کیا کہ کسی کے سامنے کوئی چیز ظاہر کی ہو اور دوسروں سے چھپائی ہو۔ وَاِنْ اَدْرِيْ، ان نافیہ ہے بمعنی ما یعنی ما ادری۔ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ یعنی قیامت کی مدت کوئی نہیں جانتا نہ کوئی نبی مرسل جانتا ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: میں تمہیں جنگ کے متعلق آگاہ کرتا ہوں لیکن میں نہیں جانتا کہ مجھے کب تم سے جنگ کرنے کی اجازت دی جائے گی؟

اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ۝ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ۝ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۝

"بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو بات تم بلند آواز سے کہتے ہو اور جانتا ہے جو تم (اپنے دل میں) چھپاتے ہو۔ اور میں کیا جانوں (اس ڈھیل سے) شاید تمہارا امتحان لینا اور ایک وقت تک تمہیں لطف اندوز کرنا مطلوب ہو۔ آپ نے عرض کی: میرے رب! فیصلہ فرمادے (ہمارے درمیان) حق کے ساتھ اور (اے کفار!) ہمارا رب وہ ہے جو رحمن ہے اسی سے مدد طلب کی جاتی ہے ان باتوں پر جو تم کرتے ہو"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ۝ یعنی شرک میں سے جو تم بلند آواز سے کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو وہ سب جانتا ہے وہ اس پر جزا دے گا۔ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ شاید مہلت دینا، فِتْنَةٌ لَّكُمْ تمہارے لیے امتحان ہو تا کہ وہ دیکھے تمہارا عمل کیسا ہے جبکہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ بعض علماء نے فرمایا: مدت کے ختم

ہونے تک۔ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی امیہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ لوگوں پر غالب ہیں۔ حکم آپ کے پاس نکلا تو بنی امیہ کو اس کی خبر دی۔ بنو امیہ نے حکم کو کہا کہ تو آپ سے پوچھ یہ کب ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ۔ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو فرمایا: آپ انہیں یہ کہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ سورت کا اختتام اس طرح فرمایا کہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرما دیا کہ اپنا امر اللہ تعالیٰ کو تفویض کر دو اور اس کی بارگاہ سے کشادگی کی توقع رکھو، یعنی میرے درمیان اور ان جھٹلانے والوں کے درمیان فیصلہ کر اور ان کے خلاف میری مدد فرما۔ سعید نے قتادہ سے روایت کیا ہے فرمایا: انبیاء کرام کہتے تھے: رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ (الاعراف: 89) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہنے کا حکم دیا: رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ یعنی اس وقت آپ یہ کہتے تھے جب دشمن سے آمنا سامنا ہوتا تھا حالانکہ آپ کو یقین کامل تھا کہ آپ حق پر ہیں اور دشمن باطل پر ہے: رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ اے میرے پروردگار حق کے ساتھ فیصلہ فرما۔ ابو عبیدہ نے کہا: یہاں صفت کو موصوف کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے: رب احکم بحکمك الحق اور رب محل نصب میں ہے، کیونکہ یہ ندا مضاف ہے۔ ابو جعفر بن قعقاع اور ابن محیصن نے قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ با کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ نحویوں کے نزدیک غلط ہے۔ ان کے نزدیک رجل اقبل کہنا جائز نہیں حتی کہ تم کہو: یا رجل اقبل یا اس کے مشابہ کہو۔ ضحاک، طلحہ اور یعقوب نے قال رب احکم بالحق ہمزہ قطعی کے ساتھ اور کاف مفتوحہ اور میم مضمومہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کی اے میرے رب! تو ہر حاکم سے زیادہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ جحدری نے قل رب احکم پڑھا ہے، یعنی تمام امور کو حق کے ساتھ پختہ کرنے والا ہے۔

وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۔ جو تم کفر اور تکذیب میں سے بیان کرتے ہو۔ مفضل اور سلمی نے علی مایصفون یا کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور باقیوں نے تا کے ساتھ پڑھا ہے۔ واللہ اعلم۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۂ حج

﴿ آیاتہا ۷۸ ﴾ ﴿ ۲۲ سُوۡرَۃُ الۡحَجِّ مَدَنِیَّۃٌ ۱۰۳ ﴾ ﴿ رکوعاتہا ۱۰ ﴾

یہ سورت مکی ہے، سوائے تین آیات کے، هٰذٰنِ خَصۡمٰنِ سے لیکر تین مکمل آیات تک؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مجاہد کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ چار آیات ہیں۔ عَذَابَ الۡحَرِیۡقِ ﴿۲۲﴾ تک ضحاک اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ بھی قول ہے کہ یہ مدنی سورت ہے، یہ قتادہ کا قول ہے سوائے چار آیات کے۔ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِیٍّ سے لیکر عَذَابُ یَوۡمٍ عَقِیۡمٍ ﴿۵۵﴾ تک یہ آیات مکی ہیں۔ نقاش نے مدینہ طیبہ میں نازل ہونے والی آیات کو دس شمار کیا ہے۔ جمہور نے کہا: یہ سورت ملی جلی ہے کیونکہ اس کی بعض آیات مکی ہیں اور اس کی بعض آیات مدنی ہیں؛ یہ قول اصح ہے کیونکہ آیات اسی کا تقاضا کرتی ہیں کیونکہ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ مکی ہے۔ اور یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مدنی ہے۔ غزنوی نے کہا یہ عجیب سورتوں میں سے ہے یہ رات اور دن میں، سفر اور حضر میں، مکہ اور مدینہ میں، صلح و جنگ میں نازل ہوئی اس میں ناسخ بھی ہے اور منسوخ بھی ہے۔ محکم آیات بھی ہیں اور متشابہ بھی ہیں تعداد مختلف ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی فضیلت میں وہ روایت آئی ہے جو ترمذی، ابوداؤد اور دارقطنی نے حضرت عقبہ بن عامر سے روایت کی ہے فرمایا میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سورۂ حج کو فضیلت دی گئی ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں۔ اور جس نے ان کا سجدہ نہیں کیا اس نے اسے نہیں پڑھا'' (1)۔ یہ ترمذی کے الفاظ کا ترجمہ ہے اور امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے اس کی سند قوی نہیں ہے۔

اہل علم کا اس میں اختلاف ہے حضرت عمر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: سورۂ حج کو فضیلت دی گئی ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں۔ ابن مبارک، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اس میں ایک سجدہ ہے؛ یہ سفیان ثوری کا قول ہے اور دارقطنی نے حضرت عبداللہ بن ثعلبہ سے روایت کیا ہے فرمایا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو میں نے سورۂ حج میں دو سجدے کرتے دیکھا۔ میں نے پوچھا: صبح کی نماز میں؟ فرمایا: صبح کی نماز میں۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمۡ ۚ اِنَّ زَلۡزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیۡءٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱﴾

''اے لوگو! ڈرو اپنے پروردگار (کی ناراضگی) سے بیشک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے''۔

امام ترمذی نے حضرت عمران بن حصین سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ سے لے کر وَلٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰہِ شَدِیۡدٌ ﴿۲﴾ تک آیات نازل ہوئیں تو آپ سفر میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو یہ کون سا دن ہے؟''

1۔ ابوداؤد، حدیث 1194

صحابہ نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ''یہ وہ دن ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا آگ کا حصہ نکالو۔ حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے: آگ کا حصہ کتنا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: نوسوننانوے (999) آگ کی طرف جائیں گے اور ایک جنت کی طرف جائے گا''۔ مسلمان رونے لگ گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عمدہ اعمال کے قریب قریب اعمال کرو اور سیدھے اعمال کرو نبوت کبھی نہیں تھی مگر اس سے پہلے زمانہ جاہلیت تھا''۔ فرمایا: ''پہلے تعداد زمانہ جاہلیت سے پوری کی جائے گی اگر مکمل ہوجائے گی تو فبہا ورنہ منافقین سے مکمل کی جائے گی۔ تمہاری اور دوسری امتوں کی مثال اس طرح ہوگی جیسے جانور کے بازوں پر اٹھی ہوئی جگہ ہوتی ہے یا اونٹ کے پہلو میں کوئی علامت ہوتی ہے'' پھر فرمایا: ''میں امید کرتا ہوں تم اہل جنت کا نصف ہوگے''۔ صحابہ کرام نے تکبیر بلند کی۔ راوی فرماتے ہیں: میں نہیں جانتا آپ نے 2\3 کا ذکر کیا یا نہیں۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ یہ حسن عن عمران بن حصین سے دوسرے طریق سے روایت کی گئی ہے۔ اس میں ہے: لوگ مایوس ہوگئے حتی کہ انہوں نے اظہار مسرت نہ کیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا: ''اچھے اعمال کرو اور خوش ہوجاؤ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! تم دو ایسی خلقتوں کے ساتھ ہو جو کسی کے ساتھ نہیں ہوتیں مگر اس کو زیادہ کر دیتی ہیں۔ یاجوج وماجوج اور بنی آدم میں سے ابلیس کی اولاد میں سے جو مر چکے ہیں''۔ پس قوم سے پریشانی دور ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اچھے اعمال کرو اور خوش ہوجاؤ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! تم ان لوگوں میں نہیں ہوگے مگر اونٹ کے پہلو پر ایک نشان کی طرح یا جانور کے بازو میں ابھری ہوئی جگہ کی طرح'' فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (1)۔ اور صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آدم! وہ عرض کریں گے: لبیك وسعدیك والخیرفی یدیك اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آگ کا حصہ نکال۔ حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے: آگ کا حصہ کتنا ہے؟ فرمایا: ہر ہزار میں سے نوسوننانوے (999)۔ فرمایا: یہ وہ وقت ہے چھوٹا بوڑھا ہوجائے گا اور ہر حمل والی اپنا حمل گرادے گی اور تو لوگوں کو نشہ میں مدہوش دیکھے گا وہ نشہ میں مدہوش نہ ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب سخت ہوگا۔ فرمایا: لوگوں پر یہ بات بڑی سخت ہوئی۔ انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں وہ ایک شخص کون ہوگا؟ فرمایا: ''تم خوش ہوجاؤ یاجوج وماجوج میں سے ہزار ہوں گے اور تم میں سے ایک شخص ہوگا'' آگے حضرت عمران بن حصین کی حدیث کی طرح حدیث بیان کی۔ ابوجعفر نحاس نے ذکر کیا ہے فرمایا: ہمیں احمد بن محمد بن نافع نے بتایا فرمایا ہمیں سلمہ نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں عبدالرزاق نے بتایا فرمایا ہمیں معمر نے بتایا انہوں نے قتادہ سے انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ سے لیکر وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ۝ تک آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو آپ سفر میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے اس آیت کو پڑھا حتی کہ صحابہ کرام آپ کے پاس جمع ہوگئے۔ فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو یہ کونسا دن ہے۔ یہ وہ دن ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا: اے آدم! اٹھو اور دوزخ کا حصہ ہر ہزار میں سے نوسوننانوے (999)

1۔ جامع ترمذی، باب ومن سورۃ الحج، حدیث 3093

آگ کی طرف نکالو اور ایک جنت میں ہوگا"۔ مسلمانوں نے اس پر نعرہ تکبیر بلند کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سیدھے راستہ پر چلو اور صحت کے قریب قریب والے اعمال کرو اور خوش ہو جاؤ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! تم ان لوگوں میں نہیں ہو گے مگر اس علامت (نشانی) کی طرح جو اونٹ کے پہلو میں ہوتی ہے یا گدھے کے بازو میں اٹھی ہوئی جگہ ہوتی ہے اور تمہارے ساتھ دو خلقتیں ایسی ہیں جو کسی چیز کے ساتھ نہیں ہوتیں مگر وہ اس میں اضافہ کرتی ہیں۔ یاجوج و ماجوج اور جن وانس میں سے کافر لوگ جو ہلاک ہو چکے ہیں" (1)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اس ندا سے مراد مکلف لوگ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے اوامر کو چھوڑنے اور اس کے نواہی سے آگے بڑھنے سے ڈرو۔ الاتقاء سے مراد مکروہ چیز سے بچنا ہے، اس پر گفتگو سورۂ بقرہ میں تفصیلاً گزر چکی ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس کی سزا سے بچنے کے لیے اس کی طاعت کا احترام کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۝، الزلزلۃ کا معنی ہے شدید حرکت کرنا اسی سے ہے وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ (البقرہ: 214) اس کلمہ کا اصل معنی ہے کسی کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا اور حرکت کرنا۔ زلزل اللہ قدمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے پاؤں کو حرکت دی۔ یہ لفظ کسی چیز سے ڈرانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد معروف زلزلہ ہے جو قیامت کی ان شرائط میں سے ہے جو قیامت سے پہلے دنیا میں ہوں گی؛ یہ جمہور کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ زلزلہ پندرہ رمضان کو آئے گا اس کے بعد سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔

یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَ مَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ ۝

"جس روز تم اس (کی ہولناکیوں) کو دیکھو گے تو غافل ہو جائے گی ہر دودھ پلانے والی (ماں) اس (لخت جگر) سے جس کو اس نے دودھ پلایا اور گرا دے گی ہر حاملہ اپنے حمل کو اور تجھے نظر آئیں گے لوگ جیسے وہ نشہ میں مست ہوں حالانکہ وہ نشہ میں مست نہیں ہوں گے بلکہ عذاب الٰہی سخت ہوگا (وہ اس کی ہیبت سے حواس باختہ ہوں گے)"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَوْمَ تَرَوْنَهَا، ھا ضمیر کا مرجع جمہور کے نزدیک الزلزلۃ ہے۔ اس کی تائید یہ ارشاد الٰہی بھی کرتا ہے: تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا، رضاع اور حمل دنیا میں ہے۔ ایک فرقہ نے کہا: لزلزلۃ قیامت کے دن آئے گا اور ان علماء نے حضرت عمران بن حصین کی حدیث سے استدلال کیا ہے جو ہم نے ابھی ذکر کی ہے۔ اس حدیث میں ہے: "کیا تم جانتے ہو وہ دن کون سا ہے"۔ اور حضرت ابوسعید کی حدیث جو امام مسلم نے روایت کی ہے اس کا سیاق بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَذْهَلُ کا معنی ہے مشغول ہو جانا؛ یہ قطرب کا قول ہے:

ضَرْبًا يُزِيلُ الهامَ عن مَقِيلِهِ　　وَيُذْهِلُ الخَلِيلَ عن خَلِيلِهِ

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذہ

بعض نے فرمایا: اس کا معنی بولنا ہے۔ بعض نے کہا: غافل ہو جانا ہے۔ بعض نے کہا: بھول جانا ہے۔ یہ تمام معانی قریب قریب ہیں۔ عَمَّآ اَرْضَعَتْ مبرد نے کہا: اس میں ما مصدریہ ہے یعنی وہ دودھ پلانے سے بھول جائے گی۔ فرمایا: یہ دلیل ہے کہ یہ زلزلہ دنیا میں ہوگا کیونکہ دوبارہ اٹھنے کے بعد تو نہ حمل ہوگا اور نہ دودھ پلانا ہوگا۔ مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو حاملہ مر جائے گی وہ حاملہ ہی اٹھائی جائے گی پس وہ ہولناکی کی وجہ سے اپنا حمل گرا دے گی اور جو دودھ پلاتے ہوئے مر جائے گی وہ اسی طرح اٹھائی جائے گی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اس طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبَا ﴿۱۷﴾ (المزمل) جس دن بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔ بعض نے کہا: یہ پہلے صور کو پھونکنے کے وقت ہوگا۔ بعض نے کہا: قیامت کے قیام کے ساتھ ہوگا حتیٰ کہ دوسرے صور کے پھونکنے کے ساتھ لوگ اپنی قبور سے حرکت کریں گے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آیت میں زلزلہ سے مراد قیامت کے دن کی ہولناکیوں کو بیان کرنا ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا (البقرہ: 214) اور اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللّٰھم اھزمھم وزلزلھم (1) اے اللہ! ان کفار کو شکست دے اور ان کے پاؤں اکھیڑ دے۔ قیامت کے دن کی ہولناکیوں کو بیان کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ نیک اعمال کے ساتھ لوگ اس کے لیے اپنے آپ کو تیار کریں۔ زلزلہ کو شئی عظیم کہنا یا تو اس لیے ہے کہ اس کا وقوع یقینی ہے اسی وجہ سے معدوم چیز کو شئی کہنا بھی آسان ہے، کیونکہ یقین، موجودات کے مشابہ ہوتا ہے یا مآل اور انجام کے اعتبار سے ہے یعنی یہ جب واقع ہوگا تو عظیم شئی ہو گا۔ گویا اب اسم کا اطلاق نہیں کیا بلکہ اس کا معنی ہے جب یہ ہوگا تو عظیم شئی ہوگا اسی کی وجہ سے دودھ پلانے والیاں اپنے بچوں سے غافل ہو جائیں گے اور لوگ نشہ میں مست نظر آئیں گے جیسا کہ فرمایا: وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى یعنی اس کی ہولناکی کی وجہ سے اور جو انہیں خوف اور گھبراہٹ لاحق ہوگی اس کی وجہ سے نشہ میں مست نظر آئیں گے۔ وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى حالانکہ وہ شراب کے نشہ میں نہیں۔ اہل معانی نے کہا: تو لوگوں کو دیکھے گا گویا کہ وہ نشہ میں مست ہیں۔ اس پر دلیل ابی زرعہ ہرم بن عمرو بن جریر بن عبد اللہ کی قرأت وتُری الناس تا کے ضمہ کے ساتھ ہے یعنی تجھے خیال گزرے گا۔ حمزہ اور کسائی نے سکرٰی بغیر الف کے پڑھا ہے۔ باقیوں نے سکارٰی الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغات ہیں یہ سکران کی جمع ہے جیسے کسلی و کسالی، الزلزلۃ کا معنی سختی سے حرکت دینا ہے۔ الذھول کا معنی غم، ہم اور تکلیف وغیرہ کے لاحق ہونے کی وجہ سے کسی چیز سے غافل ہو جانا ہے۔ ابن زید نے کہا: عورت اس تکلیف کی وجہ سے اپنے بچے کو چھوڑ دے گی جو اس پر نازل ہوگی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّیَتَّبِعُ كُلَّ شَیْطٰنٍ مَّرِیْدٍ ﴿۳﴾ كُتِبَ عَلَیْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ یُضِلُّهٗ وَیَهْدِیْهِ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیْرِ ﴿۴﴾

''اور بعض ایسے لوگ ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم کے بغیر اور پیروی کرتے ہیں ہر سرکش شیطان کی۔ جس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے کہ جو اس کو دوست بنائے گا تو وہ اسے گمراہ کر کے رہے گا اور راہ

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 19107

دکھائے گا اسے بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کی طرف"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ اس سے مراد نضر بن حارث جو کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے زندہ کرنے پر قادر نہیں جو بوسیدہ ہو چکا ہے اور مٹی بن چکا ہے۔ وَّيَتَّبِعُ اس کے قول میں كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝ یعنی ہر سرکش شیطان۔ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ قتادہ اور مجاہد نے کہا: جو شیطان کو دوست بناتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَ نُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ وَ تَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ اَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ ۝

"اے لوگو! اگر تمہیں کچھ شک ہو (روز محشر) جی اٹھنے میں تو (ذرا اس امر میں غور کرو کہ) ہم نے ہی پیدا کیا تھا تمہیں مٹی سے پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر گوشت کے ٹکڑے سے بعض کی تخلیق مکمل ہوتی ہے اور بعض کی نامکمل تا کہ ہم ظاہر فرما دیں تمہارے لیے (اپنی قدرت کا کمال) اور ہم قرار بخشتے ہیں رحموں میں جسے ہم چاہتے ہیں ایک مقررہ میعاد تک پھر ہم نکالتے ہیں تمہیں بچہ بنا کر پھر (پرورش کرتے ہیں تمہاری) تا کہ تم پہنچ جاؤ اپنے شباب کو اور تم میں سے کچھ (پہلے) فوت ہو جاتے ہیں اور تم میں سے بعض کو پہنچا دیا جاتا ہے نکمی عمر تک تا کہ وہ کچھ نہ جانے ہر چیز کو جاننے کے بعد، اور تو دیکھتا ہے کہ زمین خشک پڑی ہے پھر جب ہم اتارتے ہیں اس پر (بارش کا) پانی تو وہ تر و تازہ ہو جاتی ہے اور پھولتی ہے اور اگاتی ہے ہر خوشنما جوڑے کو"۔

مسئلہ نمبر 1: اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ یہ پہلی دفعہ آغاز کرنے کے ساتھ حجت پکڑی جا رہی ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ، یہ توقیف کو متضمن ہے۔ حسن بن ابی حسن نے البعث عین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ بصریوں کے نزدیک بعث میں یہ لغت بھی ہے اور یہ کوفیوں کے نزدیک تخفیف کے ساتھ بَعْث ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے لوگو! اگر تمہیں دوبارہ اٹھائے جانے میں شک ہے۔ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ یعنی ہم نے تمہارے باپ کو، جو بشر کی اصل ہے، آدم کو پیدا کیا۔ مِّنْ تُرَابٍ مٹی سے ثُمَّ ہم نے ان کی اولاد کو پیدا کیا مِنْ نُّطْفَةٍ منی سے۔ اس کو نطفہ کہا جاتا ہے اس کی قلت کی وجہ سے۔ وہ تھوڑا سا پانی ہے کبھی کثیر پانی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، اسی سے حدیث میں ہے۔ حتی يسير الراكب بين النطفتين لايخشي جورا (1) یعنی سوار بحر مشرق اور بحر مغرب کے درمیان چلے گا اور اسے ظلم کا خوف نہ ہوگا۔ النطف کا معنی ٹپکنا ہے۔ نَطَفَ يَنْطِفُ وينطُف ٹپکنا۔

1۔ الفائق زمخشری، جلد 2، صفحہ 442

لیلۃ نطوفۃ اس رات کو کہتے ہیں جس میں متواتر بارش برستی رہے۔ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ جامد خون العلق تر جمے ہوئے خون کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا: شدید سرخ رنگ کے خون کو کہتے ہیں۔ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مضغۃ اس تھوڑی مقدار کے گوشت کو کہتے ہیں جو چبایا جاتا ہے، اسی سے حدیث ہے: الاوان فی الجسد مضغۃ،(1) خبردار! جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ یہ چار مہینے کی مختلف کیفیات ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: چار ماہ دس دن بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے؛ اسی وجہ سے وہ عورت جس کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن رکھی گئی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ نے روایت کیا ہے انہوں نے کہا ہمیں داؤد نے بتایا انہوں نے عامر سے انہوں نے علقمہ سے انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نطفہ جب رحم مادر میں قرار پاتا ہے تو ایک فرشتہ اسے اپنی ہتھیلی میں لیتا ہے اور عرض کرتا ہے: یارب! مذکر یا مونث، شقی یا سعادت مند، اس کی مدت اور اثر کیا ہے کس زمین میں مرے گا؟ اسے کہا جاتا ہے: تو ام الکتاب کی طرف جا اس میں تجھے اس نطفہ کا قصہ مل جائے گا۔ وہ فرشتہ ام الکتاب (لوح محفوظ) کی طرف جاتا ہے تو وہاں اس کا قصہ پالیتا ہے پھر وہ نطفہ انسان بنایا جاتا ہے وہ اپنا تقدیر میں لکھا ہوا رزق کھاتا ہے اپنے اثر کو روندتا ہے جب مدت عمر پوری ہوتی ہے تو اس کی روح قبض کی جاتی ہے اور اسے اس مکان میں دفن کیا جاتا ہے جو اس کے لیے مقرر کیا گیا تھا پھر عامر نے یہ آیت پڑھی: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ۔

صحیح میں حضرت انس بن مالک سے روایت مروی ہے انہوں نے حدیث مرفوع ذکر کی ہے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ رحم پر ایک فرشتہ مقرر فرماتا ہے وہ کہتا ہے: اے میرے رب! یہ نطفہ ہے، اے میرے رب! اب یہ علقہ ہے، اے میرے رب! اب یہ مضغہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اسے مکمل تخلیق کرنے کا ارادہ فرماتا ہے۔ فرمایا: فرشتہ کہتا ہے: یارب! مذکر یا مونث، شقی یا سعید، اس کا رزق کیا ہے اس کی عمر کیا ہے؟ پس یہ سب کچھ ماں کے پیٹ میں ہوتے ہوئے لکھا جاتا ہے''(2)۔ صحیح میں حضرت حذیفہ بن اسید غفاری سے مروی ہے فرمایا: میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''جب نطفہ پر بیالیس راتیں گزرتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے وہ اس کی تصویر بناتا ہے اس کے کان، اس کی آنکھیں اس کی جلد، اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں بناتا ہے پھر فرشتہ عرض کرتا ہے: اے میرے رب! مذکر یا مونث'' الحدیث۔ صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے فرمایا ہمیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا آپ سچے بھی ہیں اور آپ سے سچ کہا گیا ہے کہ ''تم میں سے ہر ایک کی پیدائش اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن کے مرحلہ سے ہوتی ہے، پھر چالیس دن وہ جامد خون کی حیثیت سے رہتا ہے پھر چالیس دن گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں رہتا ہے پھر ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے وہ اس میں روح پھونکتا ہے اسے چار چیزیں لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے، رزق، عمر، شقی یا سعادت مند ہونا'' (الحدیث) یہ حدیث پہلی احادیث کی تفسیر کرتی

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب البیوع باب الکسب و طلب الحلال، صفحہ 241، مطبوعہ وزارت تعلیم

2۔ مسند امام احمد بن حنبل، حدیث نمبر 12157

ہے کیونکہ اس میں ہے کہ ”تم میں ہر ایک کی تخلیق کو ماں کے پیٹ میں چالیس دن نطفہ کی شکل میں جمع کیا جاتا ہے پھر چالیس دن جامد خون کی حیثیت سے رہتا ہے پھر چالیس دن گوشت کی حیثیت سے رہتا ہے پھر فرشتہ بھیجا جاتا ہے وہ اس میں روح پھونکتا ہے یہ چار ماہ بنتے ہیں اور دس دنوں میں فرشتہ روح پھونکتا ہے اور یہی اس عورت کی عدت ہے جس کا خاوند فوت ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔ حدیث کے الفاظ: ان احد کم یجمع خلقه فی بطن امه، یعنی تم میں سے کسی کی تخلیق کو اس کی ماں کے پیٹ میں جمع کیا جاتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر بیان کی۔ اعمش سے پوچھا گیا: ماں کے پیٹ میں جمع کیے جانے کا کیا مطلب ہے انہوں نے کہا ہمیں خیثمہ نے بتایا فرمایا: عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا جب رحم میں نطفہ گرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس سے انسان تخلیق کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ عورت کے جسم میں ہر ناخن اور ہر بال کے نیچے اڑ جاتا ہے پھر چالیس دن اسی طرح ٹھہرا رہتا ہے پھر وہ رحم میں خون بن جاتا ہے، یہ اس کا جمع کرنا ہے یہ اس کا جامد خون ہونے کا وقت ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ تخلیق کرنے اور تصویر بنانے کی نسبت فرشتے کی طرف مجازی ہے حقیقی نہیں کیونکہ جو کچھ مضغۃ میں تصویر و تشکیل کا فعل صادر ہوا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تخلیق و اختراع کے ساتھ تھا۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حقیقی خلقت کی نسبت اپنی طرف کی اور تمام مخلوق سے نسبت ختم کر دی فرمایا: وَ لَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ (الاعراف: 11) پھر فرمایا: وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ۞ (المومنون) پھر فرمایا: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ (الحج: 5) پھر فرمایا: هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ (التغابن: 2) پھر فرمایا: وَ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ (المومن: 62) پھر فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۞ (التین) پھر فرمایا: خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۞ (العلق)

اس کے علاوہ بھی بہت سی آیات ہیں جو قطعی دلائل ہیں کہ مخلوق میں سے کسی چیز کا خالق رب العالمین کے علاوہ کوئی نہیں ہے اسی طرح کہا جائے گا اس قول میں بھی: ثم یرسل الملك فینفخ فیه الروح پھر فرشتہ بھیجا جاتا ہے اور وہ اس میں روح پھونکتا ہے، یعنی اس میں اللہ تعالیٰ کے روح اور حیات پیدا کرنے کا سبب پھونکتا ہے۔ اسی طرح تمام اسباب عادیہ میں کہا جائے گا کیونکہ سب کچھ اللہ کے پیدا کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس اصل پر غور کرو اور اس کو مضبوطی سے پکڑو۔ اس میں گمراہ ٹولہ طبعیین وغیرہم کے مذاہب سے نجات ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ علماء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ روح ایک سو بیس دن کے بعد پھونکی جاتی ہے یہ چار مہینے مکمل ہو جاتے ہیں اور پانچویں کا آغاز ہوتا ہے، جیسا کہ ہم نے احادیث کے ذریعے بیان کیا جھگڑے کے وقت بچے کو لاحق کرنے کے احکام میں جس وقت کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس پر اعتماد ہے اور طلاق والی عورتوں کے نفقات کے وجوب میں بھی اسی مدت پر اعتماد ہے۔ یہ مدت اس لیے رکھی گئی ہے کیونکہ اس مدت میں بچے کی پیٹ میں حرکت یقینی ہو جاتی ہے۔ بعض علماء نے کہا: عورت کی عدت جس کا خاوند فوت ہو چکا ہو چار ماہ دس دن رکھنے میں یہی حکمت ہے یہ پانچویں مہینے میں دخول کے وقت رحم

کی برائت ثابت ہو جاتی ہے جب حمل ظاہر نہ ہو۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ فراء نے کہا: مُّخَلَّقَةٍ سے مراد جس کی تخلیق مکمل ہو اور غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ سے مراد وہ بچہ جس کی تخلیق مکمل نہ ہو۔ ابن اعرابی نے کہا: مُّخَلَّقَةٍ جس کی خلقت ظاہر ہو گئی اور غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ جس کی ابھی تصویر نہ بنائی گئی ہو۔ ابن زید نے کہا: مُّخَلَّقَةٍ وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے سر، ہاتھ اور ٹانگیں بنا دیں ہوں اور غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ سے مراد وہ ہے جس کی ابھی کوئی چیز نہ بنی ہو۔ ابن عربی نے کہا: جب ہم اشتقاق کی اصل کی طرف لوٹتے ہیں تو نطفه، علقه اور مضغة سب مخلقة ہیں کیونکہ یہ تمام اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اگر ہم اس تصویر کی طرف رجوع کرتے ہیں جو خلقة کی انتہا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ (المومنون: 14) تو پھر اس طرح ہوتا ہے جس طرح ابن زید نے کہا ہے۔

میں کہتا ہوں: التخلیق، الخلق سے ہے۔ اس میں کثرت کا معنی پایا جاتا ہے۔ پس جس پر بہت اطوار متواتر گزرتے ہیں تو وہ ایک خلق کے بعد دوسری خلق ہوئی جب وہ نطفہ تھا تو بھی مخلوق تھا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ (المومنون: 14) بعض علماء نے فرمایا: مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ یہ مکمل بچہ کی طرف لوٹتا ہے نہ کہ کچے بچہ کی طرف یعنی کچھ بچے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ جن کو گوشت کے لوتھڑے سے مکمل کرتا ہے اور اس کے لیے تمام اعضاء بناتا ہے، بعض وہ ہوتے ہیں جو ناقص اور غیر تام ہوتے ہیں۔ بعض نے کہا: مُّخَلَّقَةٍ وہ ہوتا ہے جس کو عورت وقت مکمل کر کے جنم دیتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مُّخَلَّقَةٍ وہ ہوتا ہے جو زندہ ہوتا ہے اور غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ وہ ہوتا ہے جو وقت سے پہلے گر جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

أبِی غیر المخلقة البکاءُ فأینَ الحزم ویحك والحیاء

مسئلہ نمبر 6۔ علماء کا اجماع ہے کہ لونڈی جو بچہ جنم دیتی ہے جس کی تخلیق مکمل ہوئی ہے تو وہ ام الولد ہوتی ہے۔ امام مالک اور امام اوزاعی کے نزدیک مضغة کو گرانے سے بھی ام الولد بن جاتی ہے، خواہ اس کی تخلیق مکمل ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ امام مالک نے فرمایا: جب یہ معلوم ہو جائے کہ وہ مضغة تھا۔ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ نے کہا: اگر اس کے لیے کچھ ظاہر ہو چکا ہو جو بنی آدم کی تخلیق سے ہوتا ہے، مثلاً انگلی یا آنکھ یا اس کے علاوہ کوئی اعضاء تو وہ اس کی ام الولد ہوگی۔ اور اس پر بھی اجماع ہے کہ بچہ جب آواز نکالے گا تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس نے آواز نہ نکالی تو امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ یہ ابن مسیب، سیرین وغیرہما کا قول ہے۔ مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے کہ وہ ادھورے بچے پر بھی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیتے تھے وہ فرماتے تھے: اس کا نام بھی رکھو، غسل بھی دو، اسے کفن بھی دو اور خوشبو بھی لگاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی وجہ سے تمہارے بڑے اور چھوٹے کو عزت دی ہے اور وہ یہ آیت پڑھتے تھے: فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ۔ ابن عربی نے کہا: شاید مغیرہ بن شعبہ نے السقط سے مراد وہ لیا ہو جس کی خلقت ظاہر ہو چکی ہو۔ پس اس کا نام رکھا جائے گا اور جس کی خلقت ظاہر نہ ہو اس کے لیے کوئی وجود نہیں۔ بعض سلف نے کہا:

جب اس میں روح پھونکی گئی ہو اور اس کے لیے چار مہینے مکمل ہو چکے ہوں تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب بچہ چیخے (آواز نکالے) تو وہ وارث ہوگا''، الاستھلال کا معنی آواز کو بلند کرنا ہے۔ ہر بچہ جو چیخ نکالے یا حرکت کرے یا چھینک مارے یا سانس لے تو اس کو وارث بنایا جائے گا کیونکہ اس میں زندگی کی دلالت ہے۔ سفیان ثوری، امام اوزاعی اور امام شافعی کا یہی نظریہ ہے۔ خطابی نے کہا: اصحاب الرائے کا قول بہتر ہے۔ امام مالک نے کہا: اس کے لیے میراث نہ ہوگی اگرچہ حرکت کرے یا چھینک مارے جب تک کہ وہ آواز نہ نکالے؛ محمد بن سیرین، شعبی، زہری اور قتادہ سے یہی مروی ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ امام مالک نے فرمایا: عورت، مضغہ یا علقہ یا جس کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ وہ بچہ تھا وہ گرادے جب اسے پیٹ پر ضرب لگائی جائے تو اس میں غرہ ہے، یعنی غلام یا لونڈی ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: اس میں کوئی چیز نہیں ہے حتی کہ اس کی تخلیق میں سے کوئی چیز واضح نہ ہو جائے۔ امام مالک نے فرمایا: جنین (پیٹ کا بچہ) جب گر جائے اور وہ چیخا نہ ہو تو اس میں غلام یا لونڈی ہے خواہ اس نے حرکت کی ہو یا چھینک ماری ہو ہمیشہ اس میں غلام یا لونڈی ہوگی حتی کہ وہ بلند آواز سے چیخے گا تو اس میں مکمل دیت ہوگی۔ امام شافعی اور تمام فقہاء نے کہا: جب حرکت یا چھینک یا آواز یا اس کے علاوہ کوئی علامت ہو جس سے اس کی زندگی کا یقین ہو تو اس میں دیت ہوگی۔

مسئلہ نمبر 8۔ قاضی اسماعیل نے ذکر کیا ہے کہ عورت کی عدت، گرنے والے بچے سے مکمل ہو جائے گی، اس پر حجت پکڑی گئی ہے کہ وہ حمل ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ** (الطلاق: 4)

قاضی اسماعیل نے کہا: اس پر دلیل یہ ہے کہ وہ اپنے باپ کا وارث ہوتا ہے اور اس کے وجود کے خلق ہونے اور اس کے ولد اور حمل ہونے پر دلیل ہے۔ ابن عربی نے کہا: ان احکام میں سے کوئی بھی اس پر مرتب نہ ہوگا حتی کہ وہ تام الخلق ہو۔

میں کہتا ہوں: اشتقاق میں سے جو ہم نے ذکر کیا ہے اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ذکر کیا ہے کہ تم میں سے ہر ایک کی تخلیق کو ماں کے پیٹ میں جمع کیا جاتا ہے یہ ہمارے قول کی صحت پر دلالت کرتا ہے نیز علقہ اور مضغہ کو گرانے والی پر تصدیق کی جاتی ہے کہ وہ حاملہ تھی، اس نے اسے گرادیا جو کچھ اس کے رحم میں قرار پذیر تھا۔ پس یہ ارشاد اس عورت کو بھی شامل ہے۔ **وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ** (الطلاق: 4) حمل والیوں کی مدت (عدت) انکا حمل کو گرانا ہے۔ اس نے نطفہ سے جو بچے کا آغاز ہوا تھا اسے گرادیا جبکہ وہ متجسد تھا مخطط کی طرح اور یہ واضح ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ ابن ماجہ نے روایت کیا ہے ہمیں ابو بکر بن ابی شیبہ نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں خالد بن مخلد نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں یزید نے بیان کیا انہوں نے عبد الملک نوفلی سے انہوں نے یزید بن رومان سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سقط (کچا گرنے والا بچہ) میں اسے اپنے آگے بھیجوں یہ مجھے اس شہسوار سے زیادہ پسند ہے جسے میں پیچھے چھوڑ دوں'' (1)۔ اس ارشاد کو حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث میں سہل بن ابی

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی من اصیب بسقط، حدیث 1595

صالح سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا: "ہزار شہسواروں سے زیادہ محبوب ہے جن کو میں پیچھے چھوڑوں"(1)۔

مسئلہ نمبر 10۔ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ تاکہ ہم تمہاری تخلیق کے اطوار میں تصرف کرنے کے ساتھ اپنے کمال قدرت کو واضح کریں۔ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ، نُقِر اور نُخْرِجُ کو نصب کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ ابو حاتم نے ابو یزید سے انہوں نے مفضل سے انہوں نے عاصم سے یہ روایت کیا ہے فرمایا ابو حاتم نے فرمایا: نصب عطف کی بنا پر ہے۔ زجاج نے کہا: نقر پر صرف رفع ہے کیونکہ اس کا یہ معنی نہیں ہم نے یہ کہا تاکہ ٹھہرائیں رحموں میں جو ہم چاہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرمایا تاکہ وہ ان کی رشد و صلاح پر راہنمائی کریں۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے تاکہ ہم ان کے لیے دوبارہ اٹھانے کا امر واضح کریں پس یہ دو کلاموں کے درمیان جملہ معترضہ ہوگا۔ ایک جماعت نے رفع کے ساتھ نقر پڑھا ہے اس کا معنی ہے نحن نُقِرُّ؛ یہ جمہور کی قرأت ہے۔ يُقِر اور يُخْرِجُ کو یاء کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اور اس پر رفع جائز ہے۔ ابن وثاب نے مَا نِشَآءُ نون کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اَجَلٍ مُّسَمًّى (مقررہ میعاد) ہر جنین کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، بعض پہلے گر جاتے ہیں بعض کی تخلیق مکمل ہوتی ہے اور وہ زندہ پیدا ہوتا ہے۔ فرمایا: مَا نَشَآءُ، مَن نشاء نہیں فرمایا، کیونکہ اس کا مرجع حمل ہے یعنی ہم ارحام میں ٹھہراتے ہیں حمل میں سے اور مضغۃ میں سے۔ چونکہ یہ جماد ہیں اس لیے انہیں لفظ ما سے تعبیر فرمایا۔

مسئلہ نمبر 11۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا، یعنی اطفالاً۔ طفلاً اسم جنس ہے نیز عرب کبھی جمع کو واحد کے اسم سے بیان کرتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

يَلْحَيْنَنِي فی حبها ويَلُمْنَنِي　　إنّ العواذل ليس لی بأمير

شاعر نے امراء نہیں کہا۔ مبرد نے کہا: یہ وہ اسم ہے جو مصدر کے طور پر استعمال ہوتا ہے، اس کا اطلاق واحد اور جمع پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ (النور: 31) طبری نے کہا: اس کو نصب تمیز کی بنا پر ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا (النساء: 4)

بعض نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ہم تم میں سے ہر ایک کو طفل نکالیں گے اور طفل کا اطلاق ماں سے جدا ہونے کے وقت سے بلوغت تک ہوتا ہے۔ ہر وحشی جانور کے بچے کو بھی طفل کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے: جارية طفل و جاريتان طفل وجوار طفل۔ غلام طفل وغلمان طفل اور طفل و طفلة و طفلان و طفلتان و أطفال بھی بولا جاتا ہے۔ طفلات نہیں بولا جاتا۔ أطفلتِ المرأة کہا جاتا ہے۔ جب اولاد والی ہو جائے۔ المطفل اس ہرنی کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ بچے ہوں۔ یہ وہ ہوتی ہے جس کے ابھی ابھی بچے پیدا ہوئے ہوں۔ اسی طرح اونٹنی کو کہا جاتا ہے اور اس کی جمع مطافل اور مطافيل ہے۔ الطفل طاء کے فتحہ کے ساتھ ہو تو نرم و ملائم کو کہتے ہیں۔ جارية طفلة ملائم بچی۔ بنان طفل نرم و ملائم پورے۔ وقد طفل الليل بولا جاتا ہے: جب رات کی تاریکی آ جائے۔ الطفل عصر کے بعد کے وقت کو کہتے ہیں جب سورج غروب ہونے کے

1۔ معرفۃ علوم الحدیث، صفحہ 186

قریب پہنچ جائے۔ الطفل بارش کو بھی کہتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

لِوَهْدٍ جادهٗ طَفَلُ الثُّرَيا

ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ بعض نے فرمایا: ثم زائدہ ہے جس طرح: حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا (الزمر: 71) میں واؤ زائدہ ہے۔ ثم حروف نسق میں سے ہے جس طرح واؤ حروف نسق میں سے ہے۔ اَشُدَّكُمْ تمہاری عقول کا کمال اور تمہاری قوت کی انتہا۔ اس کا بیان سورۂ انعام میں گزر چکا ہے۔ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ۔ اَرْذَلِ الْعُمُرِ سے مراد گھٹیا اور بیکار عمر ہے۔ اور وہ بڑھاپے کا زمانہ ہے حتی کہ انسان کچھ سمجھتا نہیں؛ اسی وجہ سے فرمایا: لِكَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْـًٔا، جیسا کہ سورۂ یٰسین میں فرمایا: وَ مَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِی الْخَلْقِ (یٰسین: 68)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگتے تھے: اللهم إنی أعوذ بك من البخل وأعوذ بك من الجبن وأعوذ بك ان أرد إلى أرذل العمر وأعوذ بك من فتنة الدنیا وعذاب القبر (1)

میں تیری پناہ چاہتا ہوں بخل سے اور تیری ہی پناہ چاہتا ہوں بزدلی سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں ارذل العمر (نکمی عمر) سے اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں دنیا کے فتنہ سے اور عذاب قبر سے۔

اس حدیث کو نسائی نے حضرت سعد سے روایت کیا ہے فرمایا حضرت سعد اپنے بیٹوں کو یہ کلمات اس طرح سکھاتے تھے جس طرح معلم بچوں کو سکھاتا ہے۔ یہ مفہوم سورۃ النحل میں گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ تَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً۔ دوبارہ زندہ کرنے پر قوی دلیل ذکر کی۔ پہلے فرمایا: فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ تمہیں مٹی سے پیدا کیا تمام کو خطاب فرمایا۔ دوسری دلیل میں فرمایا: وَ تَرَى الْاَرْضَ، ایک فرد کو خطاب فرمایا۔ لفظ، لفظ سے جدا ہو گیا۔ لیکن قیامت کے وقوع کے منکر پر حجت قائم کرنے کے اعتبار سے معنی متصل ہے۔ ھامدۃ خشک زمین جو کچھ نہ اگائے؛ یہ ابن جریج کا قول ہے۔ بعض نے کہا: اس کا معنی دارسۃ ہے اور الھمود، الدروس کو کہتے ہیں یعنی پرانی زمین یا پرانا راستہ۔ شاعر نے کہا:

قالت قُتَيلَةُ ما لجسك شاحِبا وأرى ثيابك باليات هُمَّدا

ہروی نے ھامدۃ کا معنی خشک مٹی والی زمین کیا ہے۔ شمر نے کہا کہا جاتا ہے: ھمد شجر الأرض جب زمین سے درخت ختم ہو جائے اور بوسیدہ ہو جائے۔ ھمدت أصواتهم جب آوازیں خاموش ہو جائیں۔ ھمود الأرض اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں نہ حیات ہو نہ کوئی نبات ہو نہ کوئی لکڑی ہو اور نہ اس پر بارش ہو۔ حدیث شریف میں ہے: حتی كاد يهمد من الجوع (2) قریب تھا کہ وہ بھوک سے ہلاک ہو جاتا۔ کہا جاتا ہے: ھمد الثوب یھمد جب کپڑا پرانا ہو جائے۔ وھمدت النار تھمد آگ کا بجھ جانا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ، اھتزت کا معنی ہے حرکت کرنا۔ الاھتزاز حرکت کی شدت کو کہتے

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 1585
2۔ الفائق زمخشری، جلد 2، صفحہ 20

ہیں۔ ھززت الشئ فاھتز میں نے چیز کو حرکت دی تو وہ حرکت کرنے لگی۔ ھز الحادی الإبل ھزیزاً فاھتزت، حدی خوان نے اونٹوں کو اپنی حدی خوانی کے ساتھ حرکت دی۔ اِھتز الکواکب فی اِنقضاضہ۔ ستارے نے ٹوٹنے میں حرکت کی۔ کوکب ھاز، حرکت کرنے والا ستارہ۔ الأرض تھتز بالنبات زمین نباتات کے ساتھ حرکت کرنے لگی کیونکہ نباتات زمین سے نہیں نکلتیں حتی کہ بعض، بعض کو خفی سے ازالہ کے ساتھ زائل کر دیتی ہیں۔ اس کو مجازاً اھتزاز کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا: اھتز نباتھا اس کی فصل حرکت کرنے لگی۔ مضاف کو حذف کیا گیا ہے؛ یہ مبرد کا قول ہے۔ اِھتزاز ہ اس کی حرکت کا شدید ہونا؛ شاعر نے کہا:

تَثَنّٰی اِذَا قامت وتھتز اِن مشت　　کما اھتز غصن البان فی ورق خُضر

الاھتزاز فی النبات زمین میں فصل کا لہلہانا۔ وَرَبَتۡ بلند ہوئی اور بڑھی۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے پھول گئی۔ مفہوم ایک ہی ہے اصل مفہوم زیادہ ہونا ہے۔ ربا الشئ یربو ربواً جب کوئی چیز زائد ہو جائے۔ اسی سے الربا اور الربوۃ ہے۔ یزید بن قعقاع اور خالد بن الیاس نے وَرَبَأَتۡ پڑھا ہے یعنی وہ بلند ہوئی حتی کہ معزز چیز کے قائم مقام ہوگئی۔ جس چیز کی قوم شرف کی وجہ سے حفاظت کرتی ہے۔ فھو رابی و ربیئۃ یہ مبالغہ کی بناء پر ہے۔ امرء القیس نے کہا:

بَعَثۡنَا رَبِیۡئًا قبل ذاک مُخَمَّلًا　　کذئب الغضایمشی الضَّرَاء وَیَتَّقِی

وَ اَنۡۢبَتَتۡ یعنی نکالی۔ مِنۡ کُلِّ زَوۡجٍۢ ہر رنگ سے۔ بَهِیۡجٍ خوبصورت، یہ قتادہ سے مروی ہے۔ یعنی جو اسے دیکھتا ہے خوش ہوتا ہے۔ البھجۃ کا معنی حسن۔ کہا جاتا ہے: رجل ذو بھجۃ قد بُھج، بھاجۃ وبھجۃ فھو بھیج۔ أبھجنی کا معنی اس کے حسن نے مجھے تعجب میں ڈالا۔ جب زمین کا انبت کے ساتھ وصف بیان کیا گیا تو یہ دلیل ہے کہ اهۡتَزَّتۡ وَ رَبَتۡ کا تعلق بھی زمین کے ساتھ ہے، نبات کے ساتھ نہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡحَـقُّ وَاَنَّهٗ یُحۡیِ الۡمَوۡتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۝ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ لَّا رَیۡبَ فِیۡهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ یَبۡعَثُ مَنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ ۝

"یہ (رنگا رنگیاں اس کی دلیل ہیں) کہ اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے اور وہی زندہ کرتا ہے مردوں کو اور بلاشبہ وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اور یقیناً قیامت آنے والی ہے اس میں ذرا شک نہیں اور اللہ تعالیٰ زندہ کر کے اٹھائے گا ان (مردوں) کو جو قبروں میں ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡحَـقُّ جب اللہ تعالیٰ نے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنۡ كُنۡتُمۡ سے لیکر بَهِیۡجٍ ۝ تک یہ ذکر فرمایا کہ موجودات اللہ کی محتاج ہیں اور ان کی تسخیر اس کے اقتدار و اختیار سے ہے تو بعد میں فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡحَـقُّ وَاَنَّهٗ یُحۡیِ الۡمَوۡتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۝ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ لَّا رَیۡبَ فِیۡهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ یَبۡعَثُ مَنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ ۝ تو اس سے اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمام چیزیں اگرچہ یقیناً موجود ہیں لیکن ان کی حقیقت نہیں ہے کیونکہ وہ مسخر کی گئی ہے اور ان میں تصرف کیا گیا ہے۔ الحق الحقیقی موجود مطلق ہے اور غنی مطلق ہے، ہر ذی وجود کا وجود اس کے وجود کے وجوب سے ہے، اسی وجہ سے سورہ کے آخر میں فرمایا: وَاَنَّ مَا یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ هُوَ الۡبَاطِلُ (الحج: 62) اور الحق وہ

موجود ثابت ہے جس میں تغیر اور زوال نہیں ہوتا اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اسکا مطلب ہے وہ اپنے بندوں پر حق والا ہے۔ بعض نے فرمایا: وہ اپنے افعال میں حق ہے۔ زجاج نے کہا: ذٰلِكَ محل رفع میں ہے یعنی وہ معاملہ جو تم سے بیان کیا گیا ہے۔ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے فرمایا: یہ بھی جائز ہے کہ ذالک منصوب ہو یعنی فعل اللہ ذالک بانہ ھو الحق۔ اللہ نے یہ کیا کیونکہ وہ حق ہے وَ اَنَّهٗ یُحْیِ الْمَوْتٰی اس سے پہلے باء حرف جر محذوف ہے یعنی بانہ ہے۔ وَ اَنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ یعنی وہ جو ارادہ کرتا ہے اس پر قادر ہے۔ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اس کا عطف ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ پر لفظ کے اعتبار ہے، معنی کے اعتبار سے نہیں کیونکہ یہ نہیں کہا جاتا: فعل اللہ ماذکر بان الساعۃ آتیۃ بلکہ فعل اضمار ضروری ہے جیسے ولیعلموا ان الساعۃ آتیۃ تاکہ وہ جان لیں کہ قیامت آنے والی ہے۔ لَّا رَیْبَ فِیْهَا اس میں کوئی شک نہیں۔ وَ اَنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ۝ ثواب وعقاب کے لیے اللہ تعالیٰ قبور میں موجود لوگوں کو اٹھائے گا۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّ لَا هُدًی وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ۝ ثَانِیَ عِطْفِهٖ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ نُذِیْقُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِیْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ یَدٰكَ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ۝

"اور انسانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر کسی دلیل کے اور بغیر کسی روشن کتاب کے (تکبر سے) گردن مروڑتے ہوئے تاکہ بہکا دے (دوسروں کو بھی) اللہ تعالیٰ کی راہ سے اس کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور ہم چکھائیں گے اسے قیامت کے دن جلانے والی آگ کا عذاب، (اس روز اسے بتایا جائے گا کہ) یہ سزا ہے اس کی جو تیرے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّ لَا هُدًی وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ۝ یعنی روشن کتاب، حجت کو بیان کرنے والی۔ یہ نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی۔ بعض نے کہا: ابوجہل بن ہشام کے بارے میں نازل ہوئی: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ زیادہ یہ ہے کہ نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ پہلی آیت تھی۔ یہ دونوں آیات ایک فریق کے بارے میں اور تکرار مذمت میں مبالغہ کے لیے ہیں جیسے تو کسی کو مذمت اور توبیخ کرتے ہوئے کہتا ہے: أنت فعلت هذا، أنت فعلت هذا تو نے یہ کیا ہے؟ تکرار اس لیے جائز ہے کیونکہ ہر آیت میں زیادتی کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا گویا فرمایا: نضر بن حارث اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے جھگڑتا ہے اور سرکش شیطان کی پیروی کرتا ہے۔ اور نضر بن حارث اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے جھگڑتا ہے اور بغیر ہدایت اور کتاب منیر کے جھگڑتا ہے تاکہ دوسروں کو بھی راہ راست سے بھٹکائے۔ یہ تیرے اس قول کی طرح ہے: زید شتمنی وزید یضربنی یہ تکرار مفید ہے: یہ قشیری کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: نضر بن حارث کے بارے میں دس سے زائد آیات نازل ہوئیں پہلی آیت سے

مراد اس کا قیامت کا انکار کرنا ہے۔ دوسری سے اس کا نبوت کا انکار کرنا ہے اور قرآن کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے کا انکار کرنا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نضر بن حارث کا یہ بھی کہنا تھا کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا ہے۔ اور من محل رفع میں مبتدا ہے اور اس کی خبر وَمِنَ النَّاسِ ہے۔ ثَانِيَ عِطْفِهٖ حال کی بنا پر منصوب ہے۔ اس کی دو معانی پر تاویل کی جاتی ہے۔ (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اس سے مراد نضر بن حارث ہے اس نے اپنی گردن کو غرور اور تکبر سے مروڑا۔ اور دوسرا معنی۔ یہ فراء کا قول ہے۔ اس کی تقدیر یہ ہے کہ لوگوں میں سے جو بغیر علم کے اللہ کے بارے میں جھگڑتا ہے ذکر سے اعراض کرتے ہوئے؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا: کفر کی بنا پر اپنی گردن کو مروڑتے ہوئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کفر کی بنا پر جس کی طرف بلایا جاتا ہے اس سے اعراض کرتے ہوئے۔ مفہوم تمام اقوال کا ایک ہی ہے۔ اوزاعی نے مخلد بن حسین سے انہوں نے ہشام بن حسان سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس قول ثَانِيَ عِطْفِهٖ۔ الخ کے بارے میں فرمایا: وہ صاحب بدعت ہے۔ مبرد نے کہا: العطف کا معنی گردن مروڑنا ہے۔ مفضل نے کہا: العطف کا معنی پہلو ہے، اسی سے عربوں کا قول ہے: فلان ینظر فی أعطافہ یعنی فلاں اپنے پہلوؤں کی طرف دیکھتا ہے۔ عطفا الرجل سے مراد سر سے لیکر سرین تک کا حصہ ہے۔ اسی طرح عطفا کل شئ ہر چیز کی دونوں اطراف۔ کہا جاتا ہے: ثنی فلان عنی عطفہ جب کوئی تجھ سے اعراض کرلے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ جھگڑے میں حق سے اعراض کرنے والا ہے، کلام میں غور و فکر سے منہ موڑنے والا ہے۔ یہ اس قول کی طرح ہے: وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا (لقمان: 7) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ (المنافقون: 5) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ (الاسراء: 83) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذَهَبَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ (القیامہ) لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے گمراہ کرتا ہے۔ اس کو لیضل یاء کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اور لام عاقبت کے لیے ہے، یعنی وہ جھگڑتا ہے تاکہ (بالآخر) گمراہ ہو جائے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا (القصص: 8) پس وہ ان کے لیے اسی طرح ہوا اس کی مثال یہ ہے: اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ لِيَكْفُرُوْا (الروم) لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ یعنی قیامت تک مومنین کی زبانوں پر اس کا ذکر قبیح جاری رہے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ﴿۱۰﴾ (القلم) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَبَّتْ يَدَاۤ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ﴿۱﴾ (لہب) بعض علماء نے فرمایا: یہاں الخزی سے مراد قتل کرنا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن نضر بن حارث کو روک کر قتل کر دیا تھا، جیسا کہ سورۃ الانفال میں گزر چکا ہے۔ وَنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ یعنی ہم اسے جہنم کی آگ کا مزہ چکھائیں گے۔ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ یہ اسے کہا جائے گا جب وہ آگ میں داخل ہوگا: یہ عذاب ہے اس کا جو تیرے ہاتھوں نے کفر اور معاصی سے آگے بھیجا۔ تمام اعضاء کی جگہ ید (ہاتھ) کا ذکر کیا کیونکہ ہاتھ کے ساتھ عمل کرتا ہے اور پکڑتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾

''اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی کنارہ پر (کھڑے کھڑے) پھر اگر پہنچے اسے بھلائی (اس عبادت سے) تو مطمئن ہو جاتا ہے اس سے اور اگر پہنچے اسے کوئی آزمائش تو فوراً (دین سے) منہ موڑ لیتا ہے، اس شخص نے برباد کر دی اپنی دنیا اور آخرت، یہی تو کھلا ہوا خسارہ ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ، مَنْ مبتدا کی حیثیت سے محل رفع میں ہے اور تمام انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ پر ہے۔ جمہور کی قرأت پر یہ آیت منافقین کے بارے میں خبر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد شیبہ بن ربیعہ ہے جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبہ سے پہلے اسلام لایا تھا جب آپ اس کے پاس آئے تو وہ مرتد ہو گیا۔ حضرت ابو سعید خدری نے کہا: یہود میں سے ایک شخص نے اسلام قبول کیا تو اس کی نظر اور اس کا مال چلا گیا اس نے اسلام سے بری فال پکڑی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: مجھے میری بیعت واپس کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسلام کے بارے ایسا نہیں کہا جاتا''۔ اس نے کہا مجھے اپنے دین میں خیر نہیں پہنچی میری آنکھیں، میرا مال اور میری اولاد بھی چلی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے یہودی! اسلام مردوں کو پگھلا دیتا ہے جس طرح آگ لوہے، چاندی اور سونے کے کھوٹ کو پگھلا دیتی ہے'' (1)۔ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ۔ اسرائیل نے ابو حصین سے اس نے سعید بن جبیر سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ اگر کوئی شخص مدینہ طیبہ آتا تھا اگر اس کی بیوی بچہ جنم دیتی اور اس کی گھوڑیاں بھی بچے جنم دیتیں تو کہتا: یہ صالح دین ہے۔ اگر اس کی بیوی بچہ جنم نہ دیتی اور گھوڑیاں بچے جنم نہ دیتیں تو وہ کہتا: یہ اچھا دین نہیں ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں: یہ ان بدوؤں کے بارے میں نازل ہوئی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور اسلام قبول کر لیتے اگر وہ خوشحالی پاتے تو اسلام پر قائم رہتے اگر انہیں شدت لاحق ہوتی تو مرتد ہو جاتے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابن زید وغیرہ نے کہا: یہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ عَلٰى حَرْفٍ کا معنی ہے علی شك؛ یہ مجاہد وغیرہ کا قول ہے۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی عبادت میں کمزوری پر ہے جیسے وہ شخص کمزور ہوتا ہے جو ایک کنارے پر ہوتا ہے جس میں اسے اضطراب ہوتا ہے ہر چیز کی طرف کنارے اور حد کو حرف کہتے ہیں۔ اسی سے حرف الجبل پہاڑ کا اوپر کا حصہ۔ بعض نے کہا: عَلٰى حَرْفٍ کا مطلب ہے وہ ایک وجہ پر ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ خوشحالی میں عبادت کرتا ہے اور پریشانی میں عبادت نہیں کرتا۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت خوشحالی پر شکر اور تکلیف پر صبر کی بناء پر کرتے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ایک وجہ پر عبادت کرنے والے ہوتے۔ بعض نے کہا: عَلٰى حَرْفٍ کا مطلب ہے وہ کسی شرط پر عبادت نہیں کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کے غلبہ سے پہلے شیبہ بن ربیعہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: میرے لیے آپ اپنے پروردگار سے دعا کریں کہ وہ مجھے مال، اونٹ، گھوڑے اور اولاد عطا فرمائے حتی کہ میں تجھ پر ایمان لاؤں اور آپ کے دین کی طرف مائل ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے اسے اتنا ہی رزق عطا کیا جتنی اس کی خواہش تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اسے آزمانے کا ارادہ کیا

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 317

حالانکہ وہ آئندہ کے حالات بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اسلام قبول کرنے کے بعد اس کا رزق واپس لے لیا تو وہ اسلام سے مرتد ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی: وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ مراد شرط ہے یعنی وہ خوشی کی شرط پر عبادت کرتا ہے۔ حسن نے کہا: اس سے مراد وہ منافق ہے جو زبان سے عبادت کرتا ہے اور دل سے عبادت نہیں کرتا۔ پس جو ایسی حالت میں عبادت کرتا ہے وہ کلیۃً اسلام میں داخل نہیں ہوتا۔ اسی بات کو آگے قرآن نے خود بیان فرمایا: فَاِنْ اَصَابَهٗ خَیْرُ اگر اسے جسم کی صحت، معیشت میں خوشحالی ملتی ہے تو خوش ہوتا ہے اور دین پر قائم رہتا ہے۔ اگر اسے آزمائش سے گزرنا پڑتا ہے تو وہ مرتد ہو جاتا ہے اور پھر کفر کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ خَسِرَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ۝ مجاہد، حمید بن قیس، اعرج، زہری، ابن ابی اسحاق اور یعقوب سے بھی مروی ہے: خاسر الدنیا الف کے ساتھ۔ اس کو نصب حال کی بنا پر ہے۔ اس صورت میں عَلٰى وَجْهِهٖ پر وقف نہ ہوگا۔ دنیا میں اس کے خسارہ کا مطلب یہ ہے کہ غنیمت اور ثنا میں اس کا کوئی حصہ نہیں اور آخرت میں اس کے لیے کوئی ثواب نہیں ہوگا۔

یَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّهٗ وَ مَا لَا یَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ ۝۱۲

''وہ عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی جو نہ ضرر پہنچا سکتا ہے اسے اور نہ نفع پہنچا سکتا ہے اسے، یہی تو انتہائی گمراہی ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ یعنی وہ جو کفر کی طرف لوٹتا ہے اس بت کی عبادت کرتا ہے جو نہ نفع دیتا ہے اور نہ نقصان دیتا ہے۔ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ ۝ فراء نے کہا: بعید سے مراد طول ہے۔

یَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَ لَبِئْسَ الْعَشِیْرُ ۝۱۳

''وہ پوجتا ہے اسے جس کی ضرر رسانی زیادہ قریب ہے اس کی نفع رسانی سے، یہ بہت برا دوست ہے اور بہت برا ساتھی''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ یہ ہے وہ جو دین سے منہ موڑ دیتا ہے اس کی عبادت کرتا ہے جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ ہے یعنی آخرت میں کیونکہ وہ اس کی عبادت کی وجہ سے آگ میں داخل ہوگا جبکہ اس نے اس بت سے کبھی نفع دیکھا ہی نہیں لیکن فرمایا: ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ تو یہ کلام کی ترفیع کے لیے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنَّاۤ اَوْ اِیَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ (سبا) بعض علماء نے فرمایا: وہ ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں اس خیال سے کہ وہ ان کے لیے کل سفارش کریں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّهُمْ وَ لَا یَنْفَعُهُمْ وَ یَقُوْلُوْنَ هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یونس:18)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر:3) فراء، کسائی اور زجاج نے کہا: کلام کا معنی قسم اور تاخیر ہے یعنی وہ عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی قسم! اس کی جس کا نقصان اس کے نفع سے کم ہے۔ لام غیر مقام میں مقدم ہے اور من، یدعو کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ اور لام جواب قسم ہے اور ضرہ مبتدا ہے اور اقرب خبر ہے۔ لام کی تاخیر کو نحاس نے

ضعیف قرار دیا ہے اور فرمایا: لام کے لیے ایسا تصرف نہیں ہے جو اس کا موجب ہو کہ اس میں تقدیم ہے اور تاخیر نہیں۔

میں کہتا ہوں: کلام کا حق تقدیم ہے کبھی مؤخر کیا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

خالِی لأنت ومَن جَرِیرٌ خالُه　　ینلِ العَلاء ویُکرِم الأخوالا

یعنی لخالی انت یہ پہلے گزر چکا ہے۔ نحاس نے کہا: ہمیں علی بن سلیمان نے محمد بن یزید سے حکایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: کلام میں حذف ہے۔ اس کا معنی ہے وہ عبادت کرتا ہے ایسے معبود کی جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے۔ نحاس نے کہا: میرا خیال ہے یہ قول محمد بن یزید کی طرف غلط منسوب ہے کیونکہ اس کا کوئی معنی نہیں کیونکہ جو لام کے بعد ہے وہ مبتدا ہے پس الہ کو نصب دینا جائز نہیں اور محمد بن یزید کا مذہب میں خیال نہیں کرتا مگر اخفش کا قول ہے۔ اور میرے نزدیک سب سے بہتر قول جو اس آیت کے بارے میں کہا گیا ہے وہ یہ ہے کہ یدعو بمعنی یقول ہے اور من مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اس کا معنی ہے یقول لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ الهه یعنی وہ اسے اپنا معبود کہتا ہے جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے۔

میں کہتا ہوں یہ قول قشیری نے زجاج اور مہدوی نے اخفش سے روایت کیا ہے اور اس کے اعراب کو مکمل کیا ہے۔ فرمایا: یدعو بمعنی یقول ہے اور من مبتدا ہے اور ضرہ دوسرا مبتدا ہے اور اقرب اس کی خبر ہے اور جملہ من کا صلہ ہے اور من کی خبر محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے: یقول لمن ضرہ اقرب من نفعہ الھہ اس کی مثال عنترہ کا قول ہے:

یدعون عَنْتَرَ والرِّماحُ کأنّها　　أشطانُ بئرٍ فی لَبانِ الأدہم

قشیری نے کہا: وہ کافر جو بت کے بارے میں کہتا ہے کہ میرا معبود ہے وہ نہیں کہتا کہ اس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ کافر اس کو اپنا معبود اور الہ کہتا ہے۔ مسلمانوں کے قول میں اس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرح ہے: یٰۤاَیُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ (الزخرف: 49) یعنی اے ساحر! ان لوگوں کے نزدیک جو تجھے ساحر پکارتے ہیں۔ زجاج نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یدعو حال ہو اور اس میں ضمیر محذوف ہو یعنی ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ یدعوہ یعنی اس کے اسے پکارنے کی حالت میں۔ یدعو میں ضمیر مضمر ہے اور اس بنا پر یدعو پر وقف ہوگا اور لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ نئی کلام مرفوع مبتدا ہوگی اور اس کی خبر لَبِئْسَ الْمَوْلٰى ہوگی یہ اس لیے کیونکہ لام قسم اور تاکید کے لیے ہے۔ اسے کلام کا آغاز بنایا۔ زجاج نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ ذالک بمعنی الذی ہو اور اس پر یدعو واقع ہے اس لیے محل نصب میں ہو۔ یعنی الذی ھو الضلال البعید یدعو جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ مَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ یٰمُوْسٰى (طٰہٰ) یعنی ما الذی پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد لَمَنْ ضَرُّهٗۤ مبتدا ہے اور لَبِئْسَ الْمَوْلٰى مبتدا کی خبر ہے اس بنا پر آیت کی تقدیر اس طرح ہوگی یدعو الذی ھو الضلال البعید مفعول کو مقدم کیا گیا اور وہ الذی ہے جیسے تو کہتا ہے: زیداً یضرب۔ ابو علی نے اس کو عمدہ خیال کیا ہے۔ زجاج کا خیال ہے کہ نحویوں نے اس قول سے غفلت کی ہے اور یہ شعر پڑھا ہے:

عَدَسْ مالِعَبّادٍ علیک إمارةٌ　　نَجَوْتِ وھذا تَحْمِلِینَ طَلِیقُ

ھذا بمعنی الذی ہے۔ زجاج اور فراء نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یدعوا پنے ماقبل پر اس فعل کی تکثیر کی جہت پر مکرر ہو جو دعا ہے اور اس کو متعدی نہیں کیا گیا کیونکہ پہلے متعدی تھا یعنی یدعو من دون اللہ مالا ینفعہ ولا یضرہ یدعو جیسے ضربت زیداً ضربت پھر پہلی یدعو پر اکتفا کرتے ہوئے دوسرے یدعو کو حذف کر دیا گیا۔ فراء نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ لمن ضر کلام کے کسرہ کے ساتھ ہو یعنی یدعو الی من ضرہ أقرب من نفعہ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ﴿۵﴾ (الزلزال) یہاں بھی لہا بمعنی الیہا، فراء اور قفال نے کہا: لام صلہ ہے یعنی یدعو من ضرہ أقرب من نفعہ، یدعو بمعنی یعبد ہے اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت میں ہے لَبِئْسَ الْمَوْلٰى برا مددگار، وَ لَبِئْسَ الْعَشِيْرُ، العشیر بمعنی معاشر صاحب، دوست۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد بت ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾

”بیشک اللہ تعالیٰ داخل کرے گا انہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں، بیشک اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ جب مشرکین، منافقین اور شیاطین کا ذکر کیا تو مومنوں کی آخرت کا حال بیان کیا۔

اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾ جسے چاہتا ہے ثواب دیتا ہے جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سچے وعدہ اور اس کے فضل سے مومنین کے لیے جنت ہے اور اس کے عدل کی بنا پر کافروں کے لیے دوزخ ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فضل بندے کے فعل کے ساتھ معلل ہے۔

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾

”اور جو شخص یہ خیال کیے بیٹھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی مدد نہیں کرے گا نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں تو اسے چاہیے کہ لٹک جائے ایک رسی کے ذریعے چھت سے پھر (گلے میں پھندا ڈال کر) اسے کاٹ دے پھر دیکھے آیا دور کر دیا اس کی (خودکشی کی) تدبیر نے اس کے غم و غصہ کو“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ابو جعفر نحاس نے کہا: اس میں بہتر قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے جو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہیں کرے گا تو وہ اس نصرت کو کاٹ دے جو اسے دی گئی ہے۔ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ یعنی اسے حیلہ تلاش کرنا چاہیے جو اسے آسمان کی طرف لے جائے۔ ثُمَّ لْيَقْطَعْ پھر اسے اس نصرت کو کاٹ دینا چاہیے اگر اس کے لیے ممکن ہو۔ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ پھر وہ دیکھے کہ اس کی تدبیر اس کے اس غم و غصہ کو دور کرتی ہے جو اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی وجہ سے ہے۔ اس کلام کا فائدہ یہ

ہے کہ تدبیر اور حیلہ اس کے لیے ممکن نہیں بناتا کہ وہ ایسا کر سکے تو وہ نصرت کو ختم کرنے تک بھی نہیں پہنچے گا۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یَّنْصُرَهُ اللّٰهُ میں ضمیر کا مرجع حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اگرچہ پہلے ذکر نہیں ہے لیکن پوری کلام اس پر دلالت کر رہی ہے کیونکہ ایمان، اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہے اور دین سے پھرنا اس دین سے پھرنا ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لیکر آئے ہیں یعنی جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کرنے والوں اور کنارے پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں سے یہ گمان کرتا ہے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہیں کریں گے تو اسے ایسا ایسا کرنا چاہیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ ضمیر کا مرجع مَنْ ہے مفہوم یہ ہوگا کہ جو گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے رزق نہیں دے گا اسے چاہیے کہ پھانسی پر لٹک جائے اور اپنے آپ کو قتل کر دے کیونکہ اس زندگی میں کوئی بھلائی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے خالی ہو۔ اس قول کی بنا پر نصرت سے مراد رزق ہوگا۔ عرب کہتے ہیں: من ینصرنی نصرہ اللہ یعنی جو مجھے عطا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے عطا کرے گا؛ اسی سے عربوں کا قول ہے أرض منصورۃ ایسی زمین جس پر بارش ہو؛ فقعسی نے کہا:

وانک لا تعطی امرأ فوق حقہ ولا تملک الشق الذی الغیث ناصرہ

اسی طرح ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے فرمایا: مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ یعنی وہ اسے ہرگز رزق نہیں دے گا؛ ابوعبیدہ کا یہی قول ہے۔ بعض نے کہا: ضمیر کا مرجع دین ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد نہیں کرے گا۔ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ، السبب سے مراد رسی ہے۔ السبب وہ جس کے ذریعے کسی چیز تک پہنچا جائے۔ اِلَى السَّمَآءِ گھر کی چھت کی طرف۔ ابن زید نے کہا: السَّمَآءِ سے مراد آسمان معروفہ ہے۔ کوفیوں نے ثُمَّ لْيَقْطَعْ لام کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ عربی میں بعید ہے کیونکہ ثم واو اور فاء کی طرح نہیں کیونکہ اس پر وقف کیا جاتا ہے۔ اور یہ علیحدہ ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ کی قرات میں فلیقطعہ ثم لینظر ھل یذھبن کیدہ مایغیظ۔ بعض علماء نے کہا: ما بمعنی الذی ہے یعنی ھل یذھبن کیدہ الذی یغیظہ ضمیر کو تخفیف کی خاطر حذف کیا گیا ہے۔ بعض نے کہا: ما مصدریہ ہے یعنی ھل یذھبن کیدہ غیظہ کیا اس کی تدبیر غصہ کو ختم کر دے گی۔

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ۞

''اور اسی طرح ہم نے اتارا ہے اس کتاب کو روشن دلیلوں کے ساتھ اور بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔ وَّ اَنَّ اللّٰهَ یعنی وکذالک أن اللہ اسی طرح اللہ تعالیٰ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ۞ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔ ہدایت کے وجود کو اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے معلق کیا گیا ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دینے والا ہے، اس کے سوا حقیقۃً کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الصّٰبِـِٕيْنَ وَ النَّصٰرٰى وَ الْمَجُوْسَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۞

''بیشک اہل ایمان یہودی، ستارہ پرست، عیسائی، آتش پرست اور مشرک ضرور فیصلہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ ان سب (گروہوں) کے درمیان قیامت کے دن بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یعنی جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائے۔ وَالَّذِیْنَ هَادُوْا اس سے مراد یہود ہیں، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملت کی طرف منسوب ہیں۔ الصّٰبِـِٕیْنَ وہ لوگ جو ستاروں کی پوجا کرتے ہیں۔ النَّصٰرٰی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ملت کی طرف منسوب ہیں۔ الْمَجُوْسَ آگ کی پوجا کرنے والے، جو کہتے ہیں عالم کی دو اصل ہیں نور اور ظلمت۔ قتادہ نے کہا: ادیان پانچ ہیں۔ چار شیطان کے لیے ہیں اور ایک رحمن کے لیے ہے۔ بعض علماء نے کہا: مجوس اصل میں نجوس ہیں کیونکہ نجاستوں کے استعمال کرنے کو دین کہتے ہیں۔ نون اور میم ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں جیسے الغیم، الغین، الایم، الاین اس پر تفصیلی گفتگو سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا اس سے مراد عرب کے بت پرست ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یعنی قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا کافروں کے لیے آگ ہوگی اور مومنین کے لیے جنت ہوگی۔ بعض نے فرمایا: فیصلہ یہ ہوگا کہ حق والے اور باطل والے کو ضروری معرفت عطا فرمائے گا۔ آج غور وفکر سے حق والا، باطل والے سے جدا ہو جائے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ وہ اپنی مخلوق کے اعمال، حرکات اور اقوال کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ پاک ہے وہ ذات اور اِنَّ اللّٰهَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ، اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں جو ان ہے اس کی خبر ہے جیسے تو کہتا ہے: انّ زیداً ان الخیر عندہ۔ فراء نے کہا: کلام میں ان زیداً أن اخاہ منطلق جائز نہیں اور اس کا خیال ہے کہ آیت میں یہ جائز ہے کیونکہ کلام میں مجازات کا معنی ہے یعنی جو ایمان لایا اور یہود بنا یا نصرانی بنا یا صابی بنا ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ ابو اسحاق نے فراء کے اس قول کو رد کیا ہے اور قبیح کہا ہے۔ اس قول کو کہ إن زیداً أن أخاہ منطلق جائز نہیں فرمایا۔ زید اور الذین کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ ان مبتدا پر داخل ہوتا ہے۔ پس تو کہتا ہے: إن زیداً ھو منطلق پھر تو ان کو لاتا ہے اور کہتا ہے: إنّ زیداً أنه منطلق۔

إنّ الخلیفة إن الله سَربَلہ سِربال مُلکٍ بہ تُرجی الخواتیم

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ وَ النُّجُوْمُ وَ الْجِبَالُ وَ الشَّجَرُ وَ الدَّوَآبُّ وَ كَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَ كَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ ؕ وَ مَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ۞

''کیا تم ملاحظہ نہیں کر رہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہی سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمان میں ہے اور جو زمین میں ہے نیز آفتاب، مہتاب، ستارے، پہاڑ، درخت اور چوپائے اور بہت سے انسان بھی (اسی کو سجدہ کرتے ہیں) اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جن پر عذاب مقرر ہو چکا ہے، اور (دیکھو) جس کو ذلیل کر دے اللہ تعالیٰ تو کوئی اسے عزت دینے والا نہیں ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اس رؤیت سے مراد دل کی رؤیت ہے یعنی آپ نے اپنے دل اور عقل سے ملاحظہ نہیں کیا۔ السجود کا معنی سورۂ بقرہ میں اور جماد کے سجدہ کرنے کا ذکر سورۃ النحل میں گزر چکا ہے۔ وَ الشَّمْسُ، من پر معطوف ہے اسی طرح وَ الْقَمَرُ وَ النُّجُوْمُ وَ الْجِبَالُ وَ الشَّجَرُ وَ الدَّوَآبُّ وَ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ بھی معطوف ہے پھر فرمایا: وَ كَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ یہ اعراب میں مشکل ہے۔ نصب نہیں دیا تا کہ جس میں فعل عامل ہو وہ اس پر معطوف ہو جائے جس میں فعل عامل ہو جیسے: وَ الظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (الدہر)

کسائی اور فراء کا خیال ہے کہ اگر نصب دی جاتی تو بہتر ہوتا لیکن رفع اختیار کیا گیا ہے کیونکہ اس کا معنی ہے بہت سے لوگوں نے سجدہ کرنے کا انکار کیا۔ پس یہ مبتدا، خبر ہوں گے۔ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ کے قول پر کلام مکمل ہوگی۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ معطوف ہو، اس بنا پر کہ السجود سے مراد ضعف، قوت، صحت، سقم، حسن اور قبح میں اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے سامنے تذلل اور انقیاد ہے۔ اس میں ہر چیز داخل ہے اور اس تقدیر پر نصب دینا جائز ہے۔ اھان كثيرا حق عليه العذاب۔ بعض نے فرمایا: والدواب کے قول پر کلام مکمل ہوئی۔ نئی کلام شروع ہوئی اور فرمایا: وَ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ بہت سے لوگ جنت میں ہوں گے اور بہت سے لوگوں پر عذاب ثابت ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: اس کا معنی ہے کثیر لوگ جنت میں ہوں گے اور بہت سے لوگوں پر عذاب ثابت ہوگا۔ یہ ابن انباری نے ذکر کیا ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: آسمانوں میں ستارہ، چاند، سورج نہیں ہے مگر وہ غائب ہونے کے وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کرتا ہے پھر وہ واپس نہیں لوٹتا حتیٰ کہ اسے اذن دیا جاتا ہے پس وہ اپنے مطلع سے پھر لوٹتا ہے۔ قشیری نے کہا: سورج کے حق میں سجدہ کرنا مسند کی خبر میں وارد ہے اور یہ حقیقی سجدہ ہے اور اس کی ضرورت سے ہے کہ سجدہ کرنے والے میں عقل اور حیات ہو۔

میں کہتا ہوں: مسند حدیث وہ ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ امام مسلم نے نقل کی ہے۔ وہ سورہ یٰسین میں وَ الشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا (یٰسین: 38) کے تحت آئے گی۔ اور سجود کا معنی سورۂ بقرہ میں لغۃً اور معنی بیان ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ یعنی جس کو اللہ تعالیٰ شقاوت اور کفر کے ساتھ ذلیل کرتا ہے اس سے کوئی ذلت کو دور کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی توہین کی وہ آگ کی طرف گیا۔ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝ ان کو آگ پہنچنے میں کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں۔ اخفش، کسائی اور فراء نے حکایات کیا ہے۔ وَ مَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ یعنی اس کے لیے کوئی اکرام نہیں۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۫ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۝ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَ الْجُلُوْدُ ۝ وَ لَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۝

''یہ دو فریق ہیں جو جھگڑ رہے ہیں اپنے رب کے بارے میں تو وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا تیار کر دیئے گئے ہیں ان کے لیے کپڑے آتش (جہنم) سے انڈیلا جائے گا، ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی گل جائے گا اس

کھولتے ہوئے پانی سے جو کچھ ان کے شکموں میں ہے اور ان کی چمڑیاں بھی گل جائیں گی اور ان (کو مارنے) کے لیے گرز ہوں گے لوہے کے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ امام مسلم نے حضرت قیس بن عباد سے روایت کیا ہے فرمایا میں نے حضرت ابوذر کو قسم اٹھا کر یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ آیت هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے بدر میں ایک دوسرے کو للکارا تھا (مسلمانوں میں سے) حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم اور (کفار میں سے) عتبہ، شیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے اور ولید بن عتبہ۔ اس حدیث سے امام مسلم نے اپنی کتاب کو ختم کیا ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ تینوں آیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں اور (چھ افراد کے بارے میں نازل ہوئیں) تین کا تعلق مسلمانوں سے تھا اور تین کا تعلق کافروں سے تھا اور ان کے نام بھی ذکر کیے جس طرح حضرت ابوذر نے ذکر کیے ہیں۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا: میں پہلا شخص ہوں گا جو قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں جھگڑنے کے لیے گھٹنوں کے بل کھڑا ہوں گا ان کی مراد ان کا اور ان کے ساتھیوں کی مبارزت کا واقعہ ہے۔ اس کو امام بخاری نے ذکر کیا ہے۔ اس قول کی طرف ہلال بن یساف اور عطاء بن یسار وغیرہما گئے ہیں۔ عکرمہ نے کہا: الخصمان سے مراد جنت اور دوزخ ہیں انہوں نے آپس میں جھگڑا کیا۔ آگ نے کہا: اس نے مجھے سزا کے لیے پیدا کیا اور جنت نے کہا: اس نے مجھے اپنی رحمت کے لیے پیدا کیا۔

میں کہتا ہوں: جنت اور دوزخ کا جھگڑا حضرت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے، فرماتے ہیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت اور دوزخ کا جھگڑا ہوا تو آگ نے کہا: میرے اندر جابر اور متکبر لوگ داخل ہوں گے اور جنت نے کہا: میرے اندر ضعیف اور کمزور لوگ داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آگ کو فرمایا: تو میرا عذاب ہے میں جس کو چاہوں گا تیرے ساتھ عذاب دوں گا اور جنت کو فرمایا: تو میری رحمت ہے میں جس کو چاہوں گا تیرے ساتھ رحم کروں گا، تم میں سے ہر ایک نے بھرنا ہے" (2)۔ اس حدیث کو امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا: کہ وہ اہل کتاب ہیں جنہوں نے مومنین کو کہا: ہم تم سے زیادہ اللہ کے قریبی ہیں اور تم سے پہلے ہمیں کتاب ملی تھی اور ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے ہیں۔ مومنوں نے کہا: ہم تم سے زیادہ اللہ کے قریبی ہیں ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور ہم تمہارے نبی پر بھی ایمان لائے اور اس پر ایمان لائے جو ان پر کتاب نازل ہوئی۔ اور تم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے ہو اور تم نے اسے چھوڑ دیا اور حسد کی وجہ سے تم نے اس کا انکار کیا۔ یہ ان کی خصومت ہے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ پہلا قول اصح ہے جس کو امام بخاری نے حجاج بن منہال سے انہوں نے ہشیم سے انہوں نے ہاشم سے انہوں نے ابومجلز سے انہوں نے قیس بن عباد سے انہوں نے حضرت

1۔ صحیح مسلم، کتاب التفسیر، باب فی قولہ تعالیٰ هذان خصمان، حدیث نمبر 5412، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ جامع ترمذی، کتاب صفة الجنة، باب ماجاء فی احتجاج الجنة والنار، حدیث 2484

ابوذر سے روایت کی ہے اور امام مسلم نے عمرو بن زرارہ سے انہوں نے ہشیم بن عباد سے انہوں نے حضرت علی سے روایت کی ہے فرمایا: یہ آیت ہمارے متعلق اور ہماری بدر کے دن کی مبارزت کے بارے میں نازل ہوئی۔ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ ۔۔ الخ، ابن کثیر نے هٰذٰنِ خَصْمٰنِ میں ھذان کونون کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ فراء نے خصمان کی تفسیر میں کہا کہ یہ دو مختلف دینوں والے تھے۔ ایک گروہ مسلمانوں میں سے تھا اور دوسرا یہود و نصاریٰ میں سے تھا۔ وہ اپنے رب کے دین کے بارے میں جھگڑے، فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اخْتَصَمُوْا کیونکہ وہ بہت سے تھے۔ فرمایا اگر اللہ تعالیٰ اختصما فرماتے تو بھی جائز تھا۔ نحاس نے کہا: یہ ایسے شخص کی تاویل ہے جس کے لیے نہ حدیث سے روایت ہے نہ اہل تفسیر سے کوئی نقل ہے، کیونکہ اس آیت کے بارے میں حدیث مشہور ہے اس کو سفیان ثوری وغیرہ نے ابو ہاشم سے انہوں نے ابو مجلز سے انہوں نے قیس بن عباد سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے حضرت ابوذر کو قسم اٹھا کر یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ آیت حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن حارث بن عبد المطلب اور عتبہ، شیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے اور ولید بن عتبہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابو عمرو بن علاء نے مجاہد سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اس میں چوتھا قول یہ ہے کہ وہ تمام مومنین تھے اور تمام کافر تھے خواہ ان کا تعلق کسی بھی ملت سے ہو؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ حسن، عطاء بن ابی رباح اور عاصم بن ابی النجود اور کلبی کا قول ہے یہ قول اپنے عموم کی وجہ سے تمام کو شامل ہے؛ جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اور جو ان کے علاوہ تھے۔ بعض نے کہا: یہ دوبارہ اٹھنے اور جزا کے متعلق جھگڑنے کے بارے میں نازل ہوئی جب ایک قوم نے اس کا اقرار کیا اور دوسروں نے اس کا انکار کیا۔ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا یعنی وہ فرقے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ سیئے گئے ہیں اور تیار کیے گئے ہیں۔ یہاں آگ کو کپڑوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ یہ ان کا لباس ہوگی جیسے کپڑے ہوتے ہیں اور قُطِّعَتْ کا ارشاد اس کا مطلب ہے ان کے آخرت میں آگ سے کپڑے بنائے جائیں گے۔ لفظ ماضی کے ساتھ ذکر فرمایا کیونکہ جو آخرت کی اخبار سے ہے اس کا وعدہ کیا گیا ہے تو واقع محقق کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اذقال اللہ یاعیسیٰ بن مریم أأنت قلت للناس۔ یہاں بھی قال بمعنی یقول ہے۔ یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ اب سے ان کے لیے یہ لباس تیار کیے گئے ہوں کہ وہ انہیں پہنیں جب وہ آگ کی طرف جانے لگیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: من نار سے مراد قیامت ہے۔ وہ لباس تانبے سے ہوں گے جس کو پگھلایا گیا ہوگا، یہی مراد ہے جن کا ذکر قطراٰن میں کیا گیا ہے اور گرم چیزوں میں کوئی چیز اس سے زیادہ گرم نہیں ہوتی جب اسے گرم کیا جاتا ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا مطلب ہے آگ ان کا اس طرح احاطہ کرے گی جس طرح کپڑے انسان کا احاطہ کرتے ہیں جب انہیں وہ پہنائی جائے گی۔ پس وہ اس وجہ سے کپڑے کی مانند ہوگی کیونکہ احاطہ کی وجہ سے کپڑوں کی مانند ہوگی جیسے فرمایا: وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا (النبا) يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ۔ الْحَمِيْمُ سے مراد گرم پانی ہے جو جہنم کی آگ پر گرم کیا گیا ہوگا۔ امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا فرمایا: ''گرم پانی ان کے سروں پر انڈیلا جائے گا تو وہ اندر داخل ہوگا حتیٰ کہ وہ ان کے پیٹ تک پہنچ جائے گا اور جو کچھ ان کے پیٹ میں ہوگا اسے نکال دے گا حتیٰ کہ وہ ان کے قدموں سے نکل جائے گا۔ یہ الصھر ہے پھر اسے اسی طرح لوٹا دیا جائے گا

جس طرح پہلے تھا'' (1)۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ یُصْهَرُ کا معنی ہے پگھلانا۔ به ما فی بطونهم، الصهر کا معنی ہے چربی کا پگھلانا۔ الصهارا سے کہتے ہیں جو اس میں پگھل جائے۔ کہا جاتا ہے: صهرت الشئ فانصهر۔ میں نے اس کو پگھلایا تو وہ پگھل گئی۔ فهو صهير۔ ابن احمر نے کونج کے بچے کی تعریف میں کہا:

تَرْوِي لَقِيً أُلْقِيَ فِي صَفْصَفٍ تَصهره الشَّمْسُ فما يَنْصَهِرُ

یعنی سورج اسے پگھلاتا ہے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے۔

وَالْجُلُوْدُ ۝ وہ ان کی کھالوں کو پگھلا دے گی یا انہیں بھون ڈالے گی کیونکہ کھالیں پگھلتی نہیں ہیں لیکن ہر چیز کیساتھ وہ ملایا جاتا ہے جو اس کے مناسب ہوتا ہے۔ یہ اس طرح ہے جیسے تو کہتا ہے: آتيتة فاطعمنى ثريداً اى والله ولبنا قارصاً یعنی اس نے ثرید کھلائی اور کھٹا دودھ پلایا۔ شاعر نے کہا:

عَلَفتها تبناً وماءً بارداً

وَ لَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۝ لوہے کے گرزوں سے انہیں مارا جائے گا اور دھکیلے جائیں گے۔ مقامع کا مفرد مقمعة ہے اور مقمع بھی ہے جیسے المحجن جو ہاتھی کے سر پر چڑھائی جاتی ہے۔ وقد قمعتة جب تو نے اسے اس کے ساتھ مارا۔ قمعتة اور اقمعتة دونوں کا ایک ہی معنی ہے یعنی میں نے اس پر جبر کیا اور اسے ذلیل کیا تو وہ ذلیل ہو گیا۔ ابن سکیت نے کہا: أقمعت الرجل عنى اقماعا جو وہ تجھ پر طلوع ہو اور تو اسے اپنے آپ سے دور کر دے۔ بعض علماء نے فرمایا: المقامع سے مراد گرز ہیں۔ حدیث میں ہے: جہنم کے فرشتوں میں سے ہر ایک کے پاس ایک گرز ہو گا جس کی دو شاخیں ہوں گی پس وہ ایک ضرب لگائے گا تو وہ ستر ہزار (سال) نیچے چلا جائے گا'' (2)۔ بعض نے کہا: مقامع سے مراد آگ کے کوڑے ہیں۔ اس کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ مضروب کو ذلیل کرتے ہیں۔

كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝

''جب بھی ارادہ کریں گے اس سے نکلنے کا فرط رنج والم کے باعث تو انہیں لوٹا دیا جائے گا اس میں اور (کہا جائے گا) کہ چکھو جلتی ہوئی آگ کا عذاب''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا، منها میں ھا ضمیر کا مرجع آگ ہے۔ اُعِيْدُوْا فِيْهَا گرز مار مار کر لوٹا دیئے جائیں گے۔ ابو ظبیان نے کہا: ہمارے لیے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ آگ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے جب ان کے ساتھ جوش مارے گی اور بھڑکے گی تو انہیں آگ کے دروازوں کے اوپر ڈالا جائے گا تو وہ اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے فرشتے گرزوں کے ساتھ انہیں آگ کی طرف لوٹا دیں گے (3)۔ بعض علماء نے فرمایا: جب ان کا غم زیادہ ہو گا تو وہ بھاگیں گے جو ان میں سے اس کے کنارے تک پہنچے گا تو فرشتے اسے گرزوں کے ساتھ اس میں لوٹا دیں گے۔ اور وہ انہیں

1۔ جامع ترمذی، باب صفة الجهنم، جلد 2، صفحہ 82۔ ایضاً، حدیث 2505، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ الزہد، ابن مبارک، صفحہ 340
3۔ تفسیر طبری، جز 17-18، صفحہ 159

کہیں گے: وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو۔ یہ فعیل بمعنی فاعل ہے جیسے الیم اور وجیع بمعنی فاعل ہوتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا: الحریق، الإحتراق ہے اسم ہے۔ تحترق الشئ بالنار کا مطلب کسی چیز کا جل جانا۔ اسم الحرقۃ اور الحریق ہے۔ الذوق سے مراد وہ حاسہ ہے جس کے ساتھ ذائقہ کا ادراک ہوتا ہے۔ یہاں وسعت ہے اس سے مراد ان کا تکلیف پانا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ۚ وَ لِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾

''یقیناً اللہ تعالیٰ داخل کرے گا ان لوگوں کو جو ایمان بھی لے آئے اور عمل بھی نیک کرتے رہے جنتوں میں بہتی ہیں جن کے نیچے ندیاں انہیں پہنائے جائیں گے جنت میں سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار اور ان کی پوشاک وہاں ریشمی ہوگی''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ پہلے ایک خصم کا فر کا ذکر کیا تو اب دوسرے خصم مومن کا ذکر ہو رہا ہے۔ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ، من صلہ ہے۔ الأساور جمع ہے أسورۃ کی اور أسورۃ کا واحد سوار ہے۔ اس میں تین لغات ہیں۔ سین کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ اور اسوار۔ مفسرین نے فرمایا: جب بادشاہ دنیا میں کنگن اور تاج پہنتے ہیں تو اللہ تعالیٰ جنت میں یہ اہل جنت کے لیے بنائے گا۔ ہر جنتی کے ہاتھ میں تین کنگن ہوں گے ایک سونے کا، ایک چاندی کا اور ایک موتیوں کا۔ یہاں اور سورۂ فاطر میں فرمایا: مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا اور سورہ الانسان میں فرمایا: وَّ حُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ (الانسان: 21) اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے فرمایا: میں نے اپنے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''مومن کا زیور وہاں تک پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے'' (1)۔ بعض نے کہا: عورتوں کو سونے کے زیور پہنائے جائیں گے اور مردوں کو چاندی کے زیور پہنائے جائیں گے اس میں نظر ہے قرآن اس کا رد کرتا ہے۔

وَّ لُؤْلُؤًا، نافع، ابن قعقاع، شیبہ، عاصم نے یہاں اور سورۃ الملائکۃ میں لولوا نصب کے ساتھ پڑھا ہے اس معنی پر یحلون لولوا۔ اور انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ تمام مصاحف میں الف کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اسی طرح یعقوب اور جحدری، عیسیٰ بن عمر نے یہاں نصب کے ساتھ اور سورۂ فاطر میں جر کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ انہوں نے مصحف کی اتباع کرتے ہوئے پڑھا ہے کیونکہ یہاں الف کے ساتھ لکھا گیا ہے اور فاطر میں بغیر الف کے لکھا گیا ہے۔ باقی قراء نے دونوں جگہ مجرور پڑھا ہے۔ ابو بکر سارے قرآن میں اللولو کو ہمزہ کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے۔

اللولو سے مراد وہ ہے جو سمندر میں سیپ کے پیٹ سے نکلتا ہے۔ قشیری نے کہا: اس سے مراد موتیوں کے ساتھ کنگنوں کو مزین کرنا ہے۔ یہ کوئی بعید نہیں کہ جنت میں خالص موتیوں سے کنگن بنے ہوئے ہوں۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 127

میں کہتا ہوں: یہ قرآن ظاہر ہے بلکہ قرآن کی نص ہے۔ ابن الانباری نے کہا: جنہوں نے لؤلؤ جر کے ساتھ پڑھا انہوں نے اس پر وقف کیا اور ذھب پر وقف نہیں کیا۔ سجستانی نے کہا: لؤلؤ کی نصب کی وجہ سے من ذھب پر وقف کافی ہے کیونکہ اس کا معنی ہے یحلون لؤلؤا۔ ابن الانباری نے کہا: اس طرح نہیں جس طرح انہوں نے کہا ہے کیونکہ جب ہم اللؤلؤ کو جر دیتے ہیں تو ہم اساور کے لفظ پر اس کا عطف کرتے ہیں گویا ہم یوں کہتے ہیں: یحلون فیھا اساور ولؤلؤا اور یہ نصب میں بھی اپنے مقام کی وجہ سے جر میں ہے پس اسے پہلے سے قطع کرنے کا کوئی معنی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿٢٣﴾ جو وہ پہنیں گے بستر، لباس اور پردے وغیرہ سب ریشم کے ہوں گے اور یہ دنیا کے ریشم سے کہیں بلند و بالا مرتبہ ہوگا۔ نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں ریشم نہیں پہنے گا اور جس نے دنیا میں شراب پی وہ آخرت میں شراب (طہور) نہیں پیئے گا اور جس نے سونے اور چاندے کے برتنوں میں پیا وہ آخرت میں سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہیں پیئے گا''۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اہل جنت کا لباس اور اہل جنت کی شراب اور اہل جنت کے برتن'' (1)۔

اگر یہ کہا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں چیزوں میں برابری کی ہے اور آخرت میں یہ چیزیں حرام کی گئی ہیں۔ کیا: جنت میں جب داخل ہو جائیں گے اس وقت یہ چیزیں حرام کی جائیں گی؟ ہم کہیں گے: ہاں جب تک ان سے توبہ نہیں کرے گا آخرت میں ان چیزوں کو حرام کیا جائے گا اگرچہ جنت میں داخل بھی ہو جائے گا کیونکہ اس نے ان چیزوں کے استعمال میں جلدی کی جن کو اللہ تعالیٰ نے اس پر دنیا میں حرام کیا تھا۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس وقت حرام ہوں گی جب اسے آگ میں عذاب دیا جائے گا یا موقف میں طویل عرصہ ٹھہرتے وقت۔ رہا وہ وقت جب جنت میں داخل ہوں گے تو اس وقت حرام نہیں ہوں گی کیونکہ جنت کی لذات سے محروم ہونا اس شخص کے لیے جو جنت میں ہے ایک قسم کی سزا اور مؤاخذہ ہے اور جنت سزا کی جگہ نہیں ہے اور اس میں کسی قسم کا مؤاخذہ نہیں ہے، پس ہم کہتے ہیں: جو تم نے ذکر کیا ہے اس کا احتمال ہے اگر ایسی دلیل نہ ہوتی جو اس احتمال کو دور کرتی ہے اور ظاہر حدیث سے اس کا رد ہوتا ہے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ ائمہ حدیث نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے دنیا میں شراب پی پھر اس سے توبہ کی تو آخرت میں اس سے محروم کیا جائے گا'' (2)۔

اصل ظاہر سے تمسک ہے حتیٰ کہ کوئی ایسی نص وارد ہو جو اس کو رد کرے بلکہ جو ہم نے ذکر کیا ہے اس کی صحت پر نص وارد ہے اور وہ ابوداؤد طیالسی کی حدیث ہے جو انہوں نے اپنی مسند میں روایت کی ہے، ہشام نے ہمیں بتایا کہ انہوں نے قتادہ سے روایت کیا انہوں نے داؤد السراج سے روایت کیا انہوں نے حضرت ابو سعید خدری سے روایت کیا فرمایا: نبی'' پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں ریشم نہ پہنے گا اگرچہ جنت میں داخل بھی ہو جائے گا اہل جنت ریشم کو پہنیں گے اور وہ نہیں پہنے گا'' (3) یہ صریح نص ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اگرچہ وہ جنت میں داخل بھی ہوگا اہل

1۔ مسند امام احمد، 16118، 11985، 251

2۔ صحیح بخاری، کتاب الاشربة، جلد 2، صفحہ 836

3۔ المستدرک للحاکم، کتاب اللباس، جلد 4، صفحہ 191

جنت اسے پہنیں گے اور وہ نہیں پہنے گا'' یہ بالکل واضح بیان ہے اور اگر یہ راوی کے کلام سے ہو جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے تو بھی وہ بات کو زیادہ جاننے والا اور حال کا زیادہ واقف تھا اس کی مثل اپنی رائے سے نہیں کہا جاتا۔ واللہ اعلم۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جس نے شراب پی اور توبہ نہ کی'' اور آپ کا ارشاد ''جس نے سونے اور چاندی کے برتن استعمال کیے'' (یہ سب صریح اقوال ہیں) جس طرح وہ اپنے سے بلند درجہ والے کے مقام کی خواہش نہیں کرے گا اور یہ اس کے لیے سزا نہ ہوگی اسی طرح وہ جنت کی شراب، ریشم کی خواہش نہیں کرے گا اور یہ اس کے لیے سزا نہ ہوگی۔ میں نے اس پر تفصیلی بحث کتاب التذکرہ میں ذکر کی ہے۔ اور ہم نے اس میں ذکر کیا ہے کہ جنت کے درخت اور ان کے پھل جنت کے کپڑوں سے نکلیں گے۔ یہ سورۃ الکہف میں ہم نے ذکر کیا ہے۔

وَ هُدُوْۤا اِلَى الطَّیِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚۖ وَ هُدُوْۤا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِیْدِ ۝

''اور ان کی رہنمائی کی گئی تھی پاکیزہ قول کی طرف اور دکھایا گیا تھا انہیں راستہ اللہ تعالیٰ کا جو تعریف کیا گیا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ هُدُوْۤا اِلَى الطَّیِّبِ مِنَ الْقَوْلِ اس کی راہنمائی کی گئی تھی پاکیزہ قول کی طرف۔ اس قول سے مراد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لا الہ الا اللہ والحمد للہ کے کلمات ہیں۔ بعض نے کہا: اس سے مراد قرآن ہے۔ پھر بعض نے کہا: یہ دنیا میں ہے اور اس کی راہنمائی شہادت کی طرف اور قرآن کی طرف کی گئی ہے۔ وَ هُدُوْۤا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِیْدِ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ کے راستہ کی طرف راہنمائی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے مراد اس کا دین ہے اور وہ اسلام ہے۔ بعض نے کہا: آخرت میں پاکیزہ قول کی طرف ان کی راہنمائی کی گئی ہے اور الحمد للہ کا قول ہے کیونکہ کل کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا (الاعراف:43) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ (فاطر:34) جنت کے اندر لغو اور جھوٹ نہ ہوگا جو وہ کہیں گے وہ پاکیزہ قول ہے وہ جنت میں اللہ کے راستہ کی طرف راہنمائی کیے گئے ہیں کیونکہ جنت میں اللہ تعالیٰ کے امر کی مخالفت والی کوئی چیز نہیں ہے۔ بعض نے فرمایا: پاکیزہ قول سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی بشارت ہے۔ وَ هُدُوْۤا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِیْدِ ۝ جنت کے راستہ کی طرف ان کی راہنمائی کی گئی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ِۨالْعَاكِفُ فِیْهِ وَ الْبَادِ ؕ وَ مَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝

''بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا اور (دوسروں کو) روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے اور مسجد حرام سے جسے ہم نے (بلا امتیاز) سب لوگوں کے لیے (مرکز ہدایت) بنایا ہے یکساں ہیں اس میں وہاں کے رہنے والے اور پردیسی، اور جو ارادہ کرے اس میں زیادتی کا ناحق تو ہم اسے چکھائیں گے دردناک عذاب''۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ یَصُدُّوْنَ کلام مشرکین مکہ کی طرف کیا جب انہوں نے

صلح حدیبیہ کے سال مسجد حرام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روک دیا تھا۔ اس اجتماع سے پہلے آپ کو انکار روکنا معلوم نہ تھا مگر یہ کہ وہ روکنا مراد لیا جائے جو انہوں نے چند لوگوں کو روکا تھا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے آغاز میں تھا۔ الصد کا معنی روکنا یعنی وھم یصدون اس سے مستقبل کا ماضی پر عطف اچھا ہو جائے گا۔ بعض علماء نے کہا واؤ زائدہ ہے اور ویصدون ان کی خبر ہے۔ یہ مقصود معنی کو خراب کرتا ہے۔ والباد کے قول کے پاس خبر محذوف مقدر ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی: خسروا اذھلکوا اور ویصدون۔ مستقبل کا صیغہ آیا ہے کیونکہ یہ وہ فعل ہے جو وہ ہمیشہ کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ (الرعد: 28) گویا کہ فرمایا: وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان کی شان یہ ہے کہ وہ روکتے ہیں۔ اگر یوں ارشاد ہوتا: ان الذین کفروا وصدوا تو بھی جائز ہوتا ہے۔ نحاس نے کہا ابو اسحاق سے مروی میری کتاب میں ہے۔ فرمایا: یہ بھی جائز ہے کہ خبر نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ہو۔ ابو جعفر نے کہا: یہ غلط ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس میں کیا وجہ ہے کیونکہ اِنَّ کی خبر محذوف آئی نیز یہ جواب شرط ہے اگر یہ اِنَّ کی خبر ہو تو شرط بغیر جواب کے باقی ہوگی خصوصاً وہ فعل جو شرط میں سے مستقبل ہے پس اس کے لیے جواب کا ہونا ضروری ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد مسجد بھی ہے اور یہی قرآن کا ظاہر ہے کیونکہ اس کے علاوہ ذکر نہیں کیا۔ بعض نے کہا: اس سے مراد پورا حرم ہے کیونکہ مشرکین نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو حدیبیہ کے سال حرم سے روکا تھا تو آپ حرم سے باہر اترے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (الفتح: 25) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سُبْحٰنَ الَّذِيْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (الاسراء: 1) یہ صحیح ہے لیکن یہاں اس کے ذکر سے مراد وہ ہے جو مقصود ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ یعنی نماز، طواف اور عبادت کے لیے بنایا ہے یہ اس ارشاد کی مانند ہے: اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ (آل عمران: 96)

سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ، العاکف سے مراد مقیم اور ملازم ہے اور البادی سے مراد دیہاتوں اور صحراؤں والے ہیں اور جو ان کے پاس آتے تھے، یعنی اس کی حرمت کی تعظیم میں اور احکام کی ادیگی میں مقیم اور باہر سے آنے والا برابر نہیں۔ اہل مکہ، دور سے آنے والے سے زیادہ حقدار نہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس مساوات سے مراد وہاں کے مکانات اور منازل میں برابری ہے۔ باہر سے آنے والے کی نسبت مقیم زیادہ مستحق نہیں یہ اس بنا پر ہے کہ مسجد حرام سے مراد سارا حرم ہو، یہ مجاہد اور امام مالک کا قول ہے ان سے ابن القاسم نے روایت کیا ہے۔ حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ایک جماعت سے مروی ہے(1) کہ مسجد حرام کی طرف آنے والا جہاں جگہ پائے وہاں رہ سکتا ہے اور مکان کے مالک کی مرضی ہے اسے ٹھہرائے یا انکار کرے؛ یہ سفیان وغیرہ کا قول ہے(2)۔ اسی طرح معاملہ صدر اول میں تھا مکانات بغیر دروازوں کے ہوتے تھے حتیٰ کہ کثرت سے چوریاں ہونے لگیں ایک شخص نے مکان کا دروازہ بنایا تو حضرت عمر نے اس پر انکار کیا اور فرمایا: کیا تو بیت اللہ کی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 116　　2۔ ایضاً

زیارت کرنے والے پر دروازہ بند کرے گا۔ اس نے کہا: میں نے حاجیوں کے مال کی حفاظت کا ارادہ کیا ہے۔ پس حضرت عمر نے اسے چھوڑ دیا پھر لوگوں نے بھی مکانات کے دروازے بنائے۔ حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ وہ حج کے موسم میں مکہ کے گھروں کے دروازے اکھیڑنے کا حکم دیتے تھے حتی کہ جو آتا ان میں داخل ہوتا اور جہاں چاہتا پڑاؤ کرتا اور گھروں میں خیمے لگائے جاتے تھے۔ امام مالک سے مروی ہے کہ مکہ کے گھر مسجد کی طرح نہیں گھر کے مالکوں کے لیے جائز ہے کہ وہ لوگوں کو ان سے روکیں اور اسی پر عمل ہے اور یہی جمہور علماء کا قول ہے (1)۔ یہ اختلاف دو اصل پر مبنی ہے ایک یہ کہ مکہ کے گھر کیا ان کے مالکوں کی ملک ہیں یا تمام لوگوں کے لیے ہیں۔ اس اختلاف کے دو سبب ہیں ایک یہ کہ کیا مکہ مکرمہ سختی کے ساتھ فتح کیا گیا تھا پھر تو یہ مال غنیمت ہوں گے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم نہیں کیے تھے اور ان کے مالکوں کو وہاں ٹھہرائے رکھا اور ان کے بعد والوں کے لیے انہیں چھوڑ دیا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کی زمین کے ساتھ کیا تھا آپ نے ان کا خراج معاف کر دیا تھا اسی طرح ان کو غلام بھی نہیں بنایا اور ان پر یہ احسان کیا اور دوسرے کفار پر یہ احسان نہیں کیا۔ پس وہ اسی طرح باقی رہیں گے ان کو نہ بیچا جائے گا اور نہ ان کو کرائے پر دیا جائے گا جو کسی جگہ پر پہلے پہنچ گیا وہ اس کا زیادہ مستحق ہوگا۔ اسی طرح کا قول امام مالک اور امام ابو حنیفہ اور امام اوزاعی کا ہے۔ یا مکہ مکرمہ صلح کے ساتھ فتح ہوا؛ یہ امام شافعی کا نظریہ ہے پس ان کے دیار ان کے قبضہ میں رہیں گے اور جیسے چاہیں گے وہ اپنی املاک میں تصرف کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے صفوان بن امیہ کا گھر چار ہزار میں خریدا تھا اور اسے قید خانہ بنایا تھا (2)۔ حضرت عمر پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام میں قید خانہ میں لوگوں کو قید کیا جیسا کہ اس کا بیان سورۃ المائدہ میں آیۃ المحاربین کے تحت گزر چکا ہے۔ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تہمت لگانے کی وجہ سے جیل میں ڈالا۔ طاؤس مکہ میں قید کرنا ناپسند کرتے تھے اور وہ کہتے تھے: یہ مناسب نہیں کہ بیت رحمت میں بیت عذاب ہو۔

میں کہتا ہوں: صحیح وہ ہے جو امام مالک نے کہا، اس پر اخبار ثابتہ کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ مکہ سختی کے ساتھ فتح کیا گیا تھا۔ ابو عبید نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ مکہ مکرمہ کے مشابہ کوئی شہر ہے۔ دار قطنی نے حضرت علقمہ بن نضلة سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کا وصال ہو گیا اور مکہ کے مکانوں کو سوائب کہا جاتا تھا جس کو ضرورت ہوتی وہ ان میں رہتا اور جسے ضرورت نہ ہوتی وہ دوسروں کو اس میں ٹھہراتا (3)۔

ایک روایت میں حضرت عثمان کا بھی ذکر ہے۔ حضرت علقمہ بن نضلة کنانی سے مروی ہے فرمایا: عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما میں مکہ کے گھروں کو السوائب کہا جاتا تھا انہیں بیچا نہیں جاتا تھا جو محتاج ہوتا وہ ان میں رہتا جسے ضرورت نہ ہوتی وہ دوسروں کو ٹھہراتا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرم بنایا ہے اس کے مکانات کو بیچنا حرام ہے اور ان کی ثمن (قیمت) کھانا حرام ہے'' (4)۔ فرمایا: ''جس نے مکہ کے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 116 2۔ سنن دار قطنی، کتاب البیوع، جلد 3، صفحہ 57، حدیث 224

3۔ ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب اجر بیوت مکۃ، 3097 4۔ سنن دار قطنی، کتاب البیوع، جلد 3، صفحہ 57

مکانات کی اجرت سے کچھ کھایا تو اس نے آگ کو کھایا"۔ دارقطنی نے کہا: امام ابوحنیفہ نے اس کو مرفوع روایت کیا ہے اور اس میں انہیں وہم ہوا ہے اور اس قول میں بھی وہم ہوا ہے کہ انہوں نے راوی عبید اللہ بن ابی یزید ذکر کیا ہے جبکہ وہ ابن ابی زیاد القداح ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ یہ موقوف حدیث ہے۔ دارقطنی نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے مسند ذکر کی ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "مکہ اونٹ بٹھانے کی جگہ ہے نہ اس کے مکانات بیچے جائیں گے اور نہ اس کے مکانات اجرت پر دیئے جائیں گے" (1)۔ ابوداؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے فرماتی ہیں میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں منیٰ میں آپ کے لیے کوئی کمرہ یا عمارت نہ بنادوں جو آپ کو سورج کی دھوپ سے بچائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "نہیں یہ مناخ ہے جو اس کی طرف سبقت لے جائے گا وہی مستحق ہے" (2)۔ امام شافعی نے اس قول سے استدلال کیا ہے: الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ اس میں دیار کی نسبت ان کی طرف کی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا: "جس نے دروازہ بند کر لیا وہ امن میں ہے، جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ امن میں ہے"۔

مسئلہ نمبر 4۔ جمہور قراء نے سواء رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ مبتدا ہے اور العاکف خبر ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: سواء خبر مقدم ہے اور یعنی العاکف فیہ والباد سواء؛ یہ ابو علی کا قول ہے معنی یہ ہے کہ جس کو ہم نے لوگوں کے لیے قبلہ بنایا اور عبادت گاہ بنایا اس میں مقیم اور صحراء سے آنے والا برابر ہیں۔ حفص نے عاصم سے سواء نصب کے ساتھ روایت کیا ہے؛ یہ اعمش کی قرات ہے۔ یہ بھی دو وجہوں کا احتمال رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ یہ جعل کا مفعول ثانی ہے اور اس کی وجہ سے العاکف پر رفع ہو کیونکہ یہ مصدر ہے اس نے اسم فاعل کی طرح عمل کیا کیونکہ یہ مستو کے معنی میں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ جعلناہ کی ضمیر سے حال ہے۔ ایک فرقہ نے سواء نصب کے ساتھ اور العاکف اور البادی کو الناس پر عطف کی وجہ سے مجرور پڑھا ہے، تقدیر یوں ہوگی: الذی جعلناہ للناس العاکف والبادی۔ ابن کثیر کی قرأت وقف اور وصل میں یا کے ساتھ ہے۔ ابو عمرو نے بغیر یا کے وقف کیا ہے اور یا کے ساتھ وصل کیا ہے۔ نافع نے وصل اور وقف میں بغیر یا کے پڑھا ہے۔ علماء کا نفس مسجد حرام میں برابری پر اجماع ہے۔ اختلاف مکہ میں ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ وَ مَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ یہ شرط ہے اور اس کا جواب نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ہے لغت میں الحاد کا معنی مائل ہونا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ ظلم کے ساتھ مائل ہونا ہی مراد ہے۔ الظلم کے بارے میں اختلاف ہے علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔ عطا نے کہا: شرک اور قتل ہے۔ بعض نے کہا: اس کا معنی کبوتروں کا شکار کرنا ہے اور درخت کاٹنا ہے اور بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم کہا کرتے تھے کہ حرم میں الحاد یہ ہے کہ انسان کہے: لا واللہ، وبلی واللہ، وکلا واللہ اسی وجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے دو خیمے تھے ایک حل میں لگا ہوا تھا اور دوسرا حرم میں تھا جب آپ نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے تو

1۔ المستدرک للحاکم، کتاب البیوم، جلد 2، صفحہ 53

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحج، تحریم مکۃ، جلد 1، صفحہ 276، ایضاً 1726۔ ابن ماجہ، باب النزول بمنی، حدیث 2996، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

حرم والے خیمہ میں داخل ہو جاتے اور جب کوئی دوسرا کام کرنا ہوتا تو حل والے خیمہ میں داخل ہو جاتے تا کہ حرم کلا واللہ، بلیٰ واللہ کے قول سے محفوظ رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں گناہ کو بہت بڑا کہا ہے، اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے بھی دو خیمے تھے ایک حل میں اور دوسرا حرم میں جب آپ اپنے گھر والوں کو عتاب کرنے کا ارادہ کرتے تو انہیں حل میں عتاب کرتے تھے اور جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے تو حرم میں نماز پڑھتے اس کے بارے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ہم یہ کہتے تھے کہ حرم میں الحاد یہ ہے کہ ہم کہیں: کلا واللہ، بلیٰ واللہ اور گناہ مکہ میں زیادہ ہوتے ہیں جس طرح نیکیاں زیادہ ملتی ہیں، پس ایک معصیت دو معصیتیں بن جاتی ہے۔ ایک تو حکم شرعی کی مخالفت کرنا ہے دوسرا بیت اللہ کی حرمت کو ساقط کرنا ہے۔ اسی طرح حرمت والے مہینے برابر ہیں یہ پہلے گزر چکا ہے۔ ابوداؤد نے حضرت یعلیٰ بن امیہ سے روایت کیا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حرم میں کھانے کو ذخیرہ کرنا اس میں الحاد ہے'' (1)۔ یہ حضرت عمر بن خطاب کا قول ہے۔ عموم ان تمام چیزوں کو شامل ہے۔ (2)

مسئلہ نمبر 6۔ علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے جن میں ضحاک اور ابن زید ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انسان کو مکہ میں نیت پر بھی عقاب کیا جائے گا اگرچہ عمل نہ بھی کیا ہو، یہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: اگر کوئی بیت اللہ میں کسی کو قتل کرنے کا ارادہ کرے جبکہ وہ عدن اَبْیَن میں ہو تو اللہ تعالیٰ اسے عذاب دے گا۔

میں کہتا ہوں: یہ صحیح ہے یہی مفہوم سورۂ ن والقلم میں واضح طور پر آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 7۔ بالحاد میں باء زائدہ ہے جس طرح تَنۢبُتُ بِالدُّهْنِ (المومنون: 9) میں زائدہ ہے۔ اسی پر شاعر کا قول محمول ہے:

نحن بنو جَعْدَة أصحاب الفَلَج نضرب بالسّيف ونرجو بالفَرَج

مراد نرجو الفرج ہے۔ اعشیٰ نے کہا: ضمنت برزق عیالنا أرماحُنا مراد رزق ہے باء زائدہ ہے۔ ایک اور شاعر نے کہا:

ألم يأتيك والأنباء تَنْمِي بما لاقت لَبُون بني زياد

مراد مالاقت ہے باء زائدہ ہے۔ باء کے زائدہ ہونے کی بہت سی مثالیں ہیں۔ فراء نے کہا: میں نے ایک عرب کو سنا میں نے اس سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا: ارجو بذاك یعنی ارجو ذاك۔

شاعر نے کہا:

بوادٍ يمانٍ يُنبت الشثَّ صدرُه وأسفله بالمَرْخ والشَّبَهان

مراد المرخ ہے با زائدہ ہے؛ یہ اخفش کا قول ہے اس کے نزدیک اس کا معنی ہے: ومن یرد فیه الحاداً بظلم۔ کوفیوں نے کہا: با داخل ہوتی ہے کیونکہ معنی ہے بان یلحد باء ان کے ساتھ داخل ہوتی ہے اور حذف کی جاتی ہے یہ تقدیر ہونا بھی جائز ہے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحج، باب تحریم مکة، جلد 1، صفحہ 276۔ ایضاً، حدیث 1727، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 116

ومن یرد الناس فیہ بالحاد یہ الحاد اور ظلم کفر سے لیکر صغائر تک تمام گناہوں کو شامل ہیں۔ اس مکان کی حرمت کی تعظیم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس میں گناہ کی نیت پر بھی سخت وعید سنائی ہے جس نے گناہ کی نیت کی اور گناہ نہ کیا تو اس کا محاسبہ نہ ہوگا مگر مکہ میں؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور اصحاب کی ایک جماعت اور دوسرے لوگوں کا قول ہے ابھی ہم نے ذکر کیا ہے۔

وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْـًٔا وَّ طَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآىِٕفِیْنَ وَ الْقَآىِٕمِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾

''اور یاد کرو جب ہم نے مقرر کر دی ابراہیم کے لیے اس گھر کے (تعمیر کرنے) کی جگہ اور حکم دیا کہ شریک نہ ٹھہرانا میرے ساتھ کسی چیز کو اور صاف ستھرا رکھنا میرے گھر کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ، یعنی اذکر اذ بوانا، اذ سے پہلے اذکر محذوف ہے۔ کہا جاتا ہے: بواتہ منزلاً، بوات لہ، جیسے کہا جاتا ہے: مکنتک و مکنت لک، لِاِبْرٰهِیْمَ میں لام تاکید کے لیے صلہ ہے جیسے ارشاد ہے: رَدِفَ لَكُمْ (النمل: 72) یہ فراء کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ۔ یعنی ہم نے اسے اس کی بنیاد دکھائی تاکہ وہ اسے تعمیر کریں جبکہ طوفان نے اسے روند دیا تھا۔ جب حضرت ابراہیم کا زمانہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو تعمیر کرنے کا حکم فرمایا۔ حضرت ابراہیم اس کی جگہ پر آئے اور اس کے نشانات تلاش کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا چلائی جس نے حضرت آدم علیہ السلام کی بنیاد سے پردہ ہٹا دیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پر اس کی بنیاد رکھی جیسا کہ پہلے سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ بعض علماء نے کہا: بوانا یہ اس فعل کے قائم مقام ہے جو لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے جیسے جعلنا یعنی جعلنا لابراہیم مکان البیت مبوأ۔ شاعر نے کہا:

کم من اخ لی ماجد بوأتہ بیدی لَحْداً

مسئلہ نمبر 2۔ اَنْ لَّا تُشْرِكْ جمہور علماء کا قول ہے کہ یہ خطاب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہے۔ عکرمہ نے ان لا یشرک یاء کے ساتھ پڑھا ہے اس قول کے معنی کی نقل پر جو انہیں کہا گیا۔ ابو حاتم نے کہا: اس قرأت کی بنا پر کاف کو نصب ضروری ہے بمعنی لئلا یشرک۔ بعض نے کہا: ان مخففہ من الثقیلہ ہے۔ بعض نے کہا: ان مفسرہ ہے۔ بعض نے کہا: ان زائدہ ہے جیسے فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ (یوسف: 96) آیت میں بیت اللہ کے رہنے والوں میں سے شرک کرنے والوں پر طعن ہے یعنی یہ تمہارے باپ پر اور ان کے بعد والوں پر اور تم پر شرط تھی تم نے اسے وفا نہیں کیا بلکہ تم نے شرک کیا۔ ایک فرقہ نے کہا: اَنْ لَّا تُشْرِكْ میں خطاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے آپ کو بیت اللہ کی تطہیر اور حج کے اعلان کرنے کا حکم دیا گیا۔ جمہور علماء فرماتے ہیں: یہ خطاب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہے۔ یہ اصح ہے۔ بیت اللہ کی طہارت سے مراد کفر، بدعت، خون اور تمام نجاستوں سے طہارت ہے۔ بعض نے فرمایا: بتوں سے طہارت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ

مِنَ الۡاَوۡثَانِ۔ یہ اس وجہ سے تھا کہ جرہم اور عمالقہ قبائل کے بیت اللہ کی جگہ اور اس کے ارد گرد بت موجود تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر سے پہلے موجود تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے میرے گھر کو پاک رکھو اس سے کہ اس میں کسی بت کی عبادت کی جائے۔ یہ اس میں توحید کے اظہار کا امر ہے۔ مسجد حرام اور دوسری مساجد کی طہارت وصفائی میں علماء کے جو اقوال ہیں وہ سورۂ برأت میں گزر چکے ہیں۔ القائمون سے مراد نمازی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نماز کے ارکان میں سے عظیم ترین ارکان کا ذکر کیا ہے وہ قیام، رکوع اور سجدہ ہیں۔

وَ اَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَاۡتُوۡكَ رِجَالًا وَّ عَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاۡتِیۡنَ مِنۡ كُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ ﴿۲۷﴾

''اور اعلان عام کر دو لوگوں میں حج کا وہ آئیں گے آپ کے پاس پا پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر سوار ہو کر جو آتی ہیں ہر دور دراز راستہ سے''۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ جمہور لوگوں نے اذّن ذال کے شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ حسن بن ابی حسن اور ابن محیصن نے آذن ذال کی تخفیف اور الف کی مد کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: علی بن جنی نے اس میں تصحیف کی ہے کیونکہ انہوں نے حسن اور ابن محیصن سے حکایت کیا ہے واذن اس بناء پر کہ یہ فعل ماضی ہے اور اس کو اس بنا پر ہوأنا پر معطوف کیا ہے۔ الاذان کا معنی آگاہ کرنا ہے۔ یہ پہلے سورۂ برات میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے (1) تو انہیں کہا گیا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کرو آپ نے عرض کی: یارب! میری آواز کہاں تک پہنچے گی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اعلان کرو پیغام پہنچانا میرا کام ہے۔ حضرت ابراہیم جبل ابی قبیس پر چڑھے اور بلند آواز سے کہا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ تمہیں اس گھر کے حج کا حکم فرماتا ہے تاکہ تمہیں اس کے بدلے جنت دے اور تمہیں آگ کے عذاب سے بچائے، پس تم حج کرو۔ جو لوگ مردوں کی صلبوں اور عورتوں کے رحموں میں تھے انہوں نے جواب دیا: لبیك اللّٰهم لبیك۔ جس نے جواب دیا وہ اپنے جواب کی مقدار میں حج کرے گا اگر ایک مرتبہ لبیک کہا ہوگا تو اسے ایک مرتبہ حج کی سعادت ملے گی اور جس نے دو مرتبہ لبیک کہا ہوگا اسے دو مرتبہ حج کی سعادت ملے گی۔ اس پر تلبیہ جاری ہوا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جبیر کا قول ہے (2)۔ ابو طفیل سے مروی ہے فرمایا مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو تلبیہ کی اصل کیا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں میں حج کا اعلان کرنے کا حکم دیا گیا تو سارے پہاڑ پست ہو گئے اور تمام شہر بلند ہو گئے آپ نے ان لوگوں میں حج کا اعلان کیا ہر چیز نے آپ کو جواب دیا: لبیك اللهم لبیك، بعض علماء نے فرمایا: خطاب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہے اور السجود کے قول پر کلام مکمل ہوئی پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا اور فرمایا: اَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ لوگوں میں حج کا اعلان کرو۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اَنۡ لَّا تُشۡرِكۡ کے قول میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے؛ یہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 117 2۔ ایضاً

اہل نظر کا قول ہے کیونکہ قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے پس قرآن میں جو بھی خطاب ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی ہے مگر یہ کہ اس کے علاوہ پر کوئی قطعی دلیل موجود ہو یہاں ایک اور دلیل بھی ہے جو دلالت کرتی ہے کہ خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور وہ ان لا تشرک بی تا کے ساتھ ہے۔ اس صیغہ سے خطاب اسے کیا جاتا ہے جو سامنے موجود ہو جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام غائب تھے اس بنا پر مفہوم یہ ہوگا جب ہم نے ابراہیم کے لیے بیت اللہ کی جگہ متعین کی اور ہم نے اللہ تعالیٰ کی توحید پر تمہارے لیے دلائل بنا دیئے اور اس پر بھی دلائل قائم کر دیئے کہ ابراہیم علیہ السلام اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ جمہور علماء نے بالحج حا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور ابن ابی اسحاق نے ہر جگہ حا کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ندا اس پوری شریعت کے لیے تھی جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ وعدہ فرمایا کہ لوگ پیدل اور سوار ہو کر حج کرنے کے لیے آئیں گے فرمایا: یَاْتُوْكَ تیرے پاس آئیں گے اگرچہ لوگ کعبہ کی طرف آئیں گے۔ یہ اس لیے فرمایا کیونکہ ندا کرنے والے آپ ہی تھے جو کعبہ کی طرف حج کرنے کے لیے آیا تو گویا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا کیونکہ اس نے آپ کی ندا کا جواب دیا۔ اس میں حضرت ابراہیم کو شرف بخشا گیا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: رجالا جمع ہے راجل کی جیسے تاجر کی جمع تجار ہے۔ صاحب کی جمع صِحاب ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: رجال، رجل کی جمع ہے اور الرجل، راجل کی جمع ہے جیسے تاجر کی جمع تجر اور تجر کی جمع تِجار ہے جیسے صاحب کی جمع صحب اور اس کی جمع صِحاب ہے۔ کبھی جمع میں رُجّال جیم کی شد کے ساتھ بھی کہا جاتا ہے جیسے کافر کی کُفّار ہے۔ ابن ابی اسحاق (1) اور عکرمہ نے رُجالاً راء کے ضمہ اور جیم کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ جمع کی بناؤں میں بہت کم ہے یہ مجاہد سے روایت کیا گیا ہے اور مجاہد نے فُعالی کے وزن پر رُجالی پڑھا ہے جیسے کسالی۔ نحاس نے کہا: راجل کی جمع میں پانچ صورتیں ہیں۔ رُجال جیسے رُکاب۔ یہ عکرمہ سے مروی ہے۔ رِجال جیسے قیام۔ رَجْلَةٌ، رَجْلٌ، رجالۃ اور مجاہد سے رُجالاً مروی ہے وہ غیر معروف ہے۔ مناسب غیر منون ہونا ہے جیسے کسالی اور سکاری ہیں۔ اگر اس کو تنوین دی جاتی تو یہ فعال کے وزن پر ہوتا اور فُعال جمع میں بہت قلیل ہے۔ الرجال کو الرکبان سے مقدم کیا گیا ہے کیونکہ چلنے میں انہیں تھکاوٹ زیادہ ہوتی ہے۔

وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ، ضامر کا معنی ضوامر ہے۔ فراء نے کہا: لفظ کی بناء پر یاتی صیغہ بھی جائز ہے۔ الضامر اس کمزور اونٹ کو کہتے ہیں جس کو سفر نے تھکا دیا ہو۔ کہا جاتا ہے: ضمر یضمر ضمورا۔ اللہ تعالیٰ نے مآل کے اعتبار سے وصف بیان کیا جو مکہ پہنچ کر انہیں لاحق ہوتا ہے۔ کمزور ہونے کا سبب ذکر کیا ہے اور فرمایا: يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ یعنی اس میں سفر کی طوالت نے اثر کیا۔ ضمیر کو اونٹ کی صرف لوٹایا انہیں اعزاز دینے کے لیے کیونکہ مالکوں کے ساتھ حج کا قصد کرتے ہیں جیسے فرمایا: وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا (العادیات) یہ جہاد والے گھوڑوں کے بارے میں فرمایا انہیں شرف دینے کے لیے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں دوڑے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 117

مسئلہ نمبر 4۔ بعض علماء نے فرمایا کہ رجالاً فرمایا ہے کیونکہ اکثر حج کے لیے مرد جاتے ہیں عورتیں کم جاتی ہیں پس رجالاً کا ارشاد یہ اس قول سے ہے: ھذا رجل اور اس میں بعد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّ عَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ اس سے مراد سوار ہیں۔ اس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رجالاً اور ان کے ساتھ آغاز کیا۔ یہ دلیل ہے کہ پیدل حج کرنا، سوار ہو کر حج کرنے سے افضل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں کسی چیز سے پریشان نہیں جو مجھ سے فوت ہوئی مگر یہ کہ میں نے پیدل حج نہیں کیا(1) میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: یَاْتُوْكَ رِجَالًا، ابن ابی نجیح نے کہا: حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے پیدل حج کیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ (2) کے اصحاب نے یاتون: یہ ابن ابی عبلۃ اور ضحاک کی قرأت ہے اور ضمیر لوگوں کے لیے ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ سوار ہونے اور چلنے کے جواز میں اختلاف ہے، ان میں سے افضل میں اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کا خیال ہے کہ سوار ہونا افضل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میں اقتدا ہے اور اس میں اخراجات بھی زیادہ ہوتے ہیں اور سواری کی تیاری کے ساتھ حج کے شعائر کی تعظیم بھی ہوتی ہے۔ دوسرے علماء کا خیال ہے کہ پیدل حج کرنا افضل ہے کیونکہ اس میں نفس کی مشقت ہے۔ حضرت ابو سعید کی حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کی طرف پیدل حج کیا اور فرمایا: "اپنی کمروں کو اپنے ازاروں کے ساتھ مضبوطی سے باندھ لو" (3)۔ اور آپ تھوڑے تیز چلے۔ ابن ماجہ نے اس کو اپنی سنن میں تخریج کیا ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ تمام مناسک میں امام مالک کے نزدیک سوار ہونا افضل ہے کیونکہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ بعض علماء نے اس آیت سے بحر کے ذکر کے سقوط سے یہ استدلال کیا ہے کہ بحر کی وجہ سے حج کا فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ امام مالک نے "الموازیۃ" میں فرمایا: میں بحر (دریا) کا ذکر نہیں سنتا یہ تانس ہے(4)۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دریا کے ذکر کے سقوط سے فرض کا سقوط ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ سمندر کے ساحل پر نہیں ہے کہ لوگ اس کی طرف کشتیاں لیکر آئیں۔ پس جو دریا پر سوار ہو کر آئے اس کے لیے بھی مکہ کی طرف پیدل یا سوار ہو کر آنا ضروری ہے پس پہنچنے کی دونوں حالتیں ذکر کی گئی ہیں صرف دریا کی وجہ سے حج کے فرض کا استقاط ہے اس میں کثرت وقلت نہیں ہے مگر جب کسی شخص کو دشمن کا خوف ہو یا کوئی اور خوفناک صورت ہو یا کوئی مرض لاحق ہو تو امام مالک، امام شافعی اور جمہور علماء ان اعذار کی وجہ سے وجوب کے سقوط کے قائل ہیں اسے استطاعت حج نہیں ہے(5)۔ ابن عطیہ نے کہا: صاحب الاستظہار نے اس مفہوم میں کلام کی ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ ان اعذار کی وجہ سے وجوب ساقط نہیں ہوتا۔ یہ ضعیف قول ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ انتہائی ضعیف ہے اس کا بیان سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ الفج، کھلا راستہ۔ اس کی جمع فِجاج ہے یہ سورۃ الانبیاء میں گزر چکا ہے۔ العمیق کا معنی بعید ہے۔ جماعت کی قرأت (یاتین) ہے اور حضرت عبداللہ کے اصحاب نے یاتون

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 118 2۔ ایضاً
3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب الحج ماشیا، صفحہ 232 4۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 118 5۔ ایضاً

پڑھا ہے یہ سواروں کے اعتبار سے ہے اور یاتین اونٹوں کے اعتبار سے ہے گویا فرمایا: علی ابلٍ ضامرۃ یاتین۔ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۔ عمیق کا معنی دور ہے اسی سے ہے بئرٌ عمیقۃٌ جو کنواں بہت گہرا ہو اسی سے ہے:

وقاتِم الأعماق خاوِی المخترق

مسئلہ نمبر 7۔ علماء کا اختلاف ہے جو بیت اللہ تک پہنچے تو کیا بیت اللہ کو دیکھتے وقت ہاتھ بلند کرے یا نہیں۔ ابوداؤد نے روایت کیا ہے فرمایا: حضرت جابر بن عبد اللہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو بیت اللہ کو دیکھتا ہے اور اپنے ہاتھوں کو بلند کرتا ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ نے فرمایا: میں نے تو کسی کو ایسا کرتے نہیں دیکھا سوائے یہود کے۔ ہم نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا ہم نے ایسا نہیں کیا تھا (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سات مقامات پر ہاتھ بلند کیے جائیں گے۔ نماز کے آغاز میں، بیت اللہ کے استقبال میں۔ صفا پر، مروۃ پر، دونوں مواقف میں اور دونوں جمروں کے پاس''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو امام ثوری، ابن المبارک، امام احمد اور اسحاق نے لیا ہے اور حضرت جابر کی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ مہاجر مکی مجہول راوی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیت اللہ کو دیکھتے وقت ہاتھ بلند کرتے تھے اسی طرح کا عمل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾

''(اعلان کیجئے) تا کہ وہ حاضر ہوں اپنے (دینی دنیوی) فائدوں کے لیے اور ذکر کریں اللہ تعالیٰ کے نام کا مقررہ دنوں میں ان بے زبان چوپائیوں پر (ذبح کے وقت) جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے ہیں۔ پس خود بھی کھاؤ ان سے اور کھلاؤ مصیبت زدہ محتاج کو۔ پھر چاہیے کہ دور کریں اپنی میل کچیل اور پوری کریں اپنی نذریں اور طواف کریں ایسے گھر کا جو بہت قدیم ہے''۔

اس میں تیئس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِّيَشْهَدُوْا حج کا اعلان کرو وہ تمہارے پاس پیدل اور سوار ہو کر آئیں گے تا کہ وہ حاضر ہوں۔ الشہود کا معنی حاضر ہونا ہے۔ مَنَافِعَ لَهُمْ منافع سے مراد مناسک ہیں جیسے عرفات اور مزدلفہ میں قیام۔ اور بعض نے فرمایا: اس سے مراد مغفرت ہے۔ بعض نے کہا: تجارت ہے۔ بعض نے کہا: یہ عام ہے یعنی وہ حاضر ہوں دنیا و آخرت کے ان امور کے لیے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے؛ یہ مجاہد، عطا کا قول ہے اور ابن عربی نے اس کو پسند کیا ہے یہ قول، عبادت، تجارت، مغفرت اور دنیوی و آخروی تمام منفعتوں کو جامع ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (البقرہ:198) سے مراد تجارت ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، باب فی رفع الیدین اذا رأی البیت، 1594

مسئلہ نمبر 2۔ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ، الایام المعلومات اور المعدودات پر سورۂ بقرہ میں گفتگو گزر چکی ہے۔ اللہ کے اسم کے ذکر سے مراد ذبح اور نحر کے وقت بسم اللہ کا ذکر کرنا ہے جیسے تیرا قول ہے: باسم اللہ واللہ اکبر اللھم منك ولك، اور ذبح کے وقت تیرے قول: اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ (الانعام: 162) کی مثل۔

مسئلہ نمبر 3۔ دسویں ذی الحج کو ذبح کرنے کے وقت میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے فرمایا: امام کی نماز اور اس کی ذبح کے بعد اس کا وقت ہے مگر یہ کہ وہ اتنی زیادہ تاخیر کرے کہ اقتدا ساقط ہو جائے سو اس سے پہلے ذبح کرنا جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ نے امام کے نماز سے فارغ ہونے کی رعایت کی ہے ذبح کا خیال نہیں کیا۔ امام شافعی نے نماز کے وقت کے دخول اور دو خطبوں کے ساتھ نماز کے وقوع کی مقدار وقت کا خیال کیا ہے۔ امام شافعی نے وقت کا اعتبار کیا ہے نماز کا نہیں، یہ امام شافعی سے مزنی کی روایت ہے یہی طبری کا قول ہے۔ ربیع نے بویطی سے روایت کیا ہے فرمایا امام شافعی نے فرمایا: کوئی ذبح نہ کرے حتی کہ امام ذبح کرے مگر یہ کہ وہ ایسا ہو کہ ذبح نہ کرتا ہو۔

جب نماز پڑھ لے اور خطبہ سے فارغ ہو جائے تو ذبح کا وقت ہو جاتا ہے۔ یہ مالک کے قول کی طرح ہے۔ امام احمد نے کہا: جب امام واپس آئے تو تو ذبح کر؛ یہ ابراہیم کا قول ہے۔ ان اقوال میں سے اصح امام مالک کا قول ہے کیونکہ حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث ہے فرمایا: ہمیں دسویں ذی الحجہ کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں نماز پڑھائی لوگ آگے بڑھے اور جانوروں کو نحر کیا انہوں نے خیال کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نحر کر چکے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جو نحر کر چکا ہے وہ دوبارہ نحر کرے اور نحر نہ کرو یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نحر کر لیں (1)۔ اس کو امام مسلم اور امام ترمذی نے تخریج کیا ہے فرمایا: یہ حضرت جابر، حضرت جندب، حضرت انس، حضرت عویمر بن اشقر، حضرت ابن عمر و اور حضرت ابوزید انصاری سے بھی مروی ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اہل علم کے نزدیک اس پر عمل ہے کہ شہر میں قربانی نہ کی جائے یہاں تک کہ امام قربانی کرلے۔ امام ابوحنیفہ نے حضرت براء کی حدیث سے حجت پکڑی ہے اس میں ہے۔ ''جس نے نماز کے بعد ذبح کیا اس کی قربانی مکمل ہوئی اور اس نے مسلمانوں کی سنت کو پالیا'' (2)۔ اس حدیث کو امام مسلم نے بھی تخریج کیا ہے۔ ذبح کو نماز پر معلق کیا ہے اور ذبح کو ذکر نہیں کیا اور حضرت جابر کی حدیث اس کو مقید کرتی ہے۔ اسی طرح حضرت براء کی حدیث ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آج ہم سب سے پہلے نماز پڑھیں گے پھر واپس آئیں گے اور نحر کریں گے جس نے ایسا کیا اس نے ہماری سنت کو پالیا'' (3)۔ ابوعمر بن عبدالبر نے کہا: میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں جانتا کہ نماز سے پہلے ذبح کرے اور وہ شہری آدمی ہو تو وہ قربانی کرنے والا نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا وہ گوشت ہے'' (4)۔

مسئلہ نمبر 4۔ رہے دیہاتوں میں رہنے والے اور جن کا امام نہیں ہوتا تو امام مالک کا ان کے متعلق قول یہ ہے کہ وہ امام کے ذبح کے وقت یا قریبی آئمہ کے ذبح کے وقت کی تحری کریں۔ ربیعہ اور عطا نے کہا: جس کا امام نہیں ہے اگر وہ سورج

1۔ صحیح مسلم، کتاب الاضحی، سن الاضحیۃ، جلد 2، صفحہ 155　2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 154　3۔ ایضاً　4۔ ایضاً

کے طلوع ہونے سے پہلے ذبح کرے گا تو جائز نہ ہوگا اگر سورج کے طلوع ہونے کے بعد ذبح کرے گا تو جائز ہوگا۔ اہل الرائے نے کہا: فجر کے بعد جائز ہے؛ یہی ابن المبارک کا قول ہے۔ اس کو امام ترمذی نے ابن المبارک سے روایت کیا ہے اور انہوں نے اس قول سے استدلال کیا ہے۔ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ۔ نحر کی اضافت یوم کی طرف ہے کیا الیوم کے لفظ کا اطلاق طلوع فجر سے ہوتا ہے یا سورج کے طلوع ہونے سے ہوتا ہے۔ اس میں دو قول ہیں: اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ قربانی کا ذبح کرنا دسویں کے دن فجر کے طلوع ہونے سے پہلے جائز نہیں۔

مسئلہ نمبر 5۔ علماء کا اختلاف ہے کہ ایام النحر کتنے ہیں؟ امام مالک نے فرمایا: تین دن ہیں۔ دسویں کا دن اور اس کے بعد دو دن۔ یہی قول امام ابوحنیفہ، امام ثوری اور امام احمد بن حنبل کا ہے یہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ان سے کوئی اختلاف مروی نہیں ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: چار دن ہیں۔ دسویں کا دن اور اس کے بعد تین دن۔ یہی اوزاعی کا قول ہے اور یہی حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کا قول ہے ان کی مثل امام مالک اور امام احمد کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: خاص دسویں کا دن ہے یعنی دس ذی الحجہ کا دن ہے۔ ابن سیرین سے یہ مروی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت جابر بن زید سے مروی ہے کہ ان دونوں نے کہا: شہروں میں ایک دن ہے اور منیٰ میں تین دن ہیں۔ حسن بصری سے اس کے متعلق تین روایات ہیں۔ ایک وہ جو امام مالک کا قول ہے۔ دوسرا وہ جو امام شافعی کا قول ہے۔ تیسرا یہ کہ ذی الحجہ کے آخری دن تک جب محرم کا چاند دیکھے تو اس پر قربانی نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ سلیمان بن یسار اور ابوسلمہ بن عبد الرحمن کا قول ہے انہوں نے مرسل حدیث روایت کی ہے جو دار قطنی نے نقل کی ہے۔ الضحایا الی هلال ذی الحجة(1)، قربانیاں ذی الحجہ کے چاند تک ہو سکتی ہیں۔ یہ حدیث صحیح نہیں۔ اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ یہ جمع قلت ہے لیکن اس میں یقینی تین دن ہیں اور جو تین دنوں کے بعد ہیں وہ غیر یقینی ہیں اس لیے ان پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ ابو عمر بن عبد البر نے کہا: علماء کا اجماع ہے کہ دسویں کا دن قربانی کا دن ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ ذی الحجہ کے گزرنے کے بعد قربانی نہیں ہے۔ میرے نزدیک اس میں صرف دو قول صحیح ہیں۔ ایک امام مالک اور کوفیوں کا قول اور دوسرا امام شافعی اور شامیوں کا قول۔ یہ دونوں قول صحابہ کرام سے مروی ہیں ان کے مخالف قول کے ساتھ مشغول ہونے کا کوئی معنی نہیں۔ جو اقوال ان دو قولوں کے مخالف ہیں اس کی سنت میں اور صحابہ کے اقوال میں کوئی اصل نہیں ہے۔ اور جو ان دو اقوال سے خارج ہیں انہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ قتادہ سے ایک چھٹا قول بھی مروی ہے وہ یہ ہے کہ قربانی کا دن دسویں کا دن ہے اور اس کے بعد چھ دن ہیں۔ یہ صحابہ کے قول سے خارج ہے اس کا کوئی معنی نہیں۔

مسئلہ نمبر 6۔ علماء کا اختلاف ہے کہ راتیں بھی دنوں کے ساتھ داخل ہیں ان میں ذبح کرنا جائز ہے یا نہیں۔ امام مالک سے مشہور یہ ہے کہ راتیں داخل نہیں اور رات کو ذبح کرنا جائز نہیں یہی جمہور اصحاب اور اصحاب رائے کا موقف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ یہاں ایام کو ذکر کیا اور ایام کا ذکر دلیل ہے کہ ذبح رات کو جائز

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضحی، جلد 2، صفحہ 30

نہیں۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد، ابوثور نے کہا: راتیں دنوں میں داخل ہیں اور اس میں ذبح جائز ہے۔ امام مالک اور اشہب سے اسی طرح مروی ہے اور اشہب کے نزدیک ہدی اور قربانی کے درمیان فرق ہے۔ ہدی رات کو ذبح کرنے کی اجازت دی اور قربانی رات کو ذبح کرنے کی اجازت نہیں دی۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ جو اس نے انہیں دیا اس کو ذبح کرنے پر۔ مِّنۡۢ بَهِیۡمَةِ الۡاَنۡعَامِ، الانعام سے مراد یہاں اونٹ، گائے اور بکری ہیں اور بھیمۃ الانعام سے مراد جانور ہیں یہ اس طرح ہے جیسے: صلاۃ الاولیٰ اور مسجد الجامع ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ فَكُلُوۡا مِنۡهَا یہ امر کا صیغہ ہے اور جمہور علماء کے نزدیک استحباب کے معنی میں ہے۔ مستحب ہے کہ آدمی اپنی ہدی اور قربانی سے کھائے اور اکثر صدقہ کر دے مگر سارا گوشت صدقہ کرنا اور سارا گوشت خود کھانا بھی جائز ہے۔ ایک طائفہ نے شاذ قول کہا ہے کہ خود کھانا اور دوسروں کو کھلانا واجب ہے ان کا استدلال اس آیت کے ظاہر سے ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ہے کہ ”کھاؤ اور ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو“ (1)۔ الکیا نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَكُلُوۡا مِنۡهَا وَ اَطۡعِمُوۡا دلیل ہے کہ سارا گوشت بیچنا جائز نہیں اور سارا گوشت صدقہ کرنا بھی نہیں جائز ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ کفار کے جانوروں سے ان کے مالکوں کے لیے کھانا جائز نہیں۔ امام مالک کا مشہور مذہب ہے کہ تین جانوروں سے نہ کھائے۔ شکار کی جزا سے، اذیت کے فدیہ سے اور مساکین کی نذر سے۔ اس کے علاوہ سے کھائے جب وہ اپنے مقام پر پہنچ جائے خواہ وہ واجب ہو یا نفل ہو اس پر سلف صالحین کی جماعت اور فقہاء الامصار نے ان کی موافقت کی ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ اگر ایسے جانور سے کھالیا جس سے کھانا ممنوع تھا تو کیا جتنا اس نے کھایا ہے اس کی چٹی دے گا یا مکمل ہدی چٹی دے گا: ہمارے مذہب میں دو قول ہیں۔ ایک وہ ہے جو ابن الماجشون نے ذکر کیا ہے انہوں نے کہا: ابن عربی نے کہا اور وہی حق ہے کہ اس پر کوئی چیز نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر اس نے مساکین کے لیے ہدی کی نذر مانی تھی پھر ہدی کے مقام پر پہنچنے کے بعد اس نے اس میں سے کچھ کھالیا تو وہ چٹی نہیں دے گا مگر جو انہوں نے کھایا۔ اور مدونہ میں اس کے خلاف مسئلہ ہے کیونکہ نحر واقع ہو چکا ہے اور حد سے تجاوز گوشت میں ہوا ہے۔ پس جو اس نے تجاوز کیا اتنی مقدار اس سے چٹی لی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلۡیُوۡفُوۡا نُذُوۡرَهُمۡ یہ نذر کے اخراج پر دلیل ہے خواہ وہ دم ہو یا ہدی ہو یا اس کے علاوہ ہو اور یہ دلیل ہے کہ نذر کی وفا کی وجہ سے خود اس کا اس سے کھانا جائز نہیں۔ اسی طرح شکار کی جزا اور اذیت کے فدیہ کا حکم ہے کیونکہ مقصود یہ ہے کہ گوشت وغیرہ میں کمی کے بغیر مکمل طور پر ادا کرے۔ اگر اس نے اس میں سے خود کھایا تو اس پر دوسری ہدی ہوگی۔

مسئلہ نمبر 11۔ کیا گوشت کی قیمت یا کھانے کی قیمت چٹی دے گا۔ امام محمد کی کتاب میں عبد الملک سے مروی ہے کہ وہ کھانے کی چٹی دے گا۔ پہلا قول اصح ہے کھانا ہدی کے مقابلہ میں ہدی کے نہ پائے جانے کے وقت عبادت ہوتا ہے اور تعدی کا حکم، عبادت کا حکم نہیں ہوتا۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الاضحی، النھی عن اکل لحم بعد ثلاث فی اول الطعام، جلد 2، صفحہ 158

مسئلہ نمبر 12۔ اگر شکاری کی جزا، اذیت کے فدیہ اور مساکین کی نذر کی ہدی میں سے کوئی ہلاک ہو جائے جبکہ ابھی وہ اپنے مقام پر نہ پہنچی ہو تو اس کا مالک اس سے کھا سکتا ہے اور اس سے غنی اور فقراء اور جن کو مالک پسند کرے سب کو کھلا سکتا ہے اور اس کا گوشت کھا سکتا ہے اور اس کے ہار میں سے کوئی چیز فروخت نہیں کرے گا۔ اسماعیل بن اسحاق نے کہا: ہدی جو مضمون ہے جب وہ اپنے محل میں پہنچنے سے پہلے ہلاک ہو جائے تو مالک پر اس کا بدل ہوگا اسی وجہ سے مالک کے لیے اس میں سے خود کھانا اور دوسروں کو کھلانا جائز ہے۔ جب نفلی ہدی اپنے محل میں پہنچنے سے پہلے ہلاک ہو جائے تو اس سے خود کھانا اور دوسروں کو کھلانا جائز نہیں کیونکہ اس پر جب اس کا بدل نہیں ہے تو اندیشہ ہے کہ وہ ہدی کے ساتھ ایسا خود کرے اور اس کی ہلاکت کے بغیر اسے ذبح کر ڈالے۔ پس لوگوں پر احتیاط رکھی گئی ہے اسی پر عمل ہے۔ ابوداؤد نے ناجیہ اسلمی سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ایک ہدی بھیجی اور فرمایا: ''اگر اس میں سے کوئی چیز ہلاک ہو جائے تو اسے ذبح کر دینا اور اس کے خون میں اس کی نعل کو رنگ دینا پھر اس کے اور لوگوں کے درمیان راستہ خالی چھوڑ دینا'' (1)۔ اس حدیث کی وجہ سے امام مالک اور امام شافعی نے ایک قول میں اور امام احمد، اسحاق، ابوثور اور اصحاب الرائے اور ان کے پیروکاروں نے کہا: نفلی ہدی سے اس کا لے جانے والا کچھ نہ کھائے اور اسے لوگوں کے کھانے کے لیے چھوڑ دے۔ صحیح مسلم میں ہے: ''اس سے تو اور تیرے رفقاء میں سے کوئی نہ کھائے'' (2)۔ نہی کی وجہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام شافعی نے دوسرے قول میں فرمایا اور ابن المنذر نے بھی اس کو پسند کیا ہے فرمایا: اس کا لے جانے والا نہ کھائے اور اس کے رفقاء میں سے بھی کوئی نہ کھائے۔ ابوعمر نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ ''اس میں سے تو بھی نہ کھائے اور تیرے رفقاء میں سے بھی کوئی نہ کھائے''۔ یہ صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے یہ ہشام بن عروہ عن ابیہ عن ناجیہ کی سند سے مروی حدیث میں نہیں ہے اور ہمارے نزدیک یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کی نسبت زیادہ صحیح ہے اور فقہاء کے نزدیک اسی پر عمل ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: خل بینھا وبین الناس (3) میں اس کے رفقاء اور دوسرے لوگ شامل ہیں۔ امام شافعی اور ابوثور نے کہا: جس ہدی کی اصل واجب ہو اس سے نہ کھائے اور جو ہدی نفلی ہو یا قربانی ہو اسے خود کھائے اور ہدیہ بھی دے، ذخیرہ بھی کرے اور صدقہ بھی کرے۔ تمتع اور قران کی ہدی ان کے نزدیک قربانی ہے۔ امام اوزاعی کا مذہب بھی اسی طرح ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: وہ تمتع کی ہدی اور نفلی ہدی سے کھا سکتا ہے اور جو ان کے علاوہ ہیں جو احرام کے حکم کی وجہ سے واجب ہوتی ہیں اس میں سے نہ کھائے۔ امام مالک سے حکایت کیا گیا ہے کہ دم الفساد سے نہ کھائے۔ اس قیاس پر دم الجبر سے بھی نہ کھائے جیسے امام شافعی اور اوزاعی کا قول ہے۔ امام مالک نے اس سے دلیل پکڑی ہے کہ شکار کی جزا کو اللہ تعالیٰ نے مساکین کے لیے بنایا ہے۔ ارشاد فرمایا: اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ (المائدہ: 95) اور اذیت کے فدیہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب مناسک الحج، باب الھدی إذا عطب، جلد 1، صفحہ 245۔ سنن ابی داؤد، 1499۔ ابن ماجہ، 3096، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، ما یفعل بالھدی إذا عطب فی الطریق، جلد 1، صفحہ 427

3۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جواز الحلق للمحرم، جلد 1، صفحہ 382

میں فرمایا: فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ (البقرہ: 196) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن عجرہ کو فرمایا: ''چھ مساکین کو کھلاؤ ہر مسکین کے لیے دو مد ہوں یا تین دنوں کے روزے رکھو یا ایک بکری ذبح کرو'' اور مساکین کی نذر کی تصریح کی گئی ہے رہے ان کے علاوہ ہدایا تو وہ اپنی اصل پر باقی ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان ہدایا سے کھایا جو وہ لے کر آئے تھے اور ان کے شوربے سے پیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اصح روایات کے مطابق قارن تھے۔ اور آپ پر یہ ہدی واجب تھی۔ امام ابوحنیفہ کا قول صحیح نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہدایا سے کھانے کی اجازت دی کیونکہ عرب قربانی سے کھانا جائز نہیں سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی مخالفت کا حکم دیا پس ضروری ہے جیسے مشروع ہے اور جیسے آپ نے پہنچایا۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا جب آپ نے ہدی دی اور احرام باندھا۔

مسئلہ نمبر 13۔ فَكُلُوْا مِنْهَا بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد لوگوں کے فعل کا ناسخ ہے کیونکہ وہ قربانیوں کے گوشت اپنے اوپر حرام سمجھتے تھے اور اس سے کھاتے نہیں تھے جیسا کہ ہم نے ہدایا میں کہا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فَكُلُوْا مِنْهَا کے ارشاد سے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: من ضحی فلیأکل من أضحیتہ جس نے قربانی دی وہ اپنی قربانی سے کھائے۔ سے ان کے عمل اور نظریہ کو منسوخ کر دیا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانی اور ہدی سے کھایا تھا۔ زہری نے کہا: کلیجی میں سے پہلے کھانا سنت سے ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ اکثر علماء کا خیال ہے کہ تہائی گوشت صدقہ کرنا، تہائی گوشت لوگوں کو کھلانا اور تہائی اپنے لیے اور اپنے گھر والوں کے لیے رکھنا مستحب ہے۔ ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کیا ہے: ہمارے نزدیک ضحایا میں معلوم اور موصوف قسم نہیں ہے۔ امام مالک نے اپنی حدیث میں فرمایا: مجھے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے خبر پہنچی ہے اور اس پر عمل نہیں ہے اور الصحیح اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بکری قربانی دی، پھر فرمایا: ''اے ثوبان! اس بکری کے گوشت کو صاف کر'' (1)۔ فرمایا: میں اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلاتا رہا حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ یہ اس مقصود میں نص ہے۔ امام شافعی کے اقوال مختلف ہیں کبھی فرمایا: نصف کھائے اور نصف صدقہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۝ دو شخصوں کا ذکر کیا ہے کبھی فرمایا: ایک تہائی کھائے ایک تہائی ہدیہ دے اور ایک تہائی دوسروں کو کھلائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ یہاں تین آدمیوں کا ذکر ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ مسافر بھی اسی طرح قربانی کرنے کا مخاطب ہے جس طرح مقیم ہے کیونکہ اصل خطاب میں عموم ہے؛ یہ اکثر علماء کا قول ہے اس میں امام ابوحنیفہ اور نخعی نے اس کی مخالفت کی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حدیث ان کے خلاف حجت ہے مسافرین میں سے امام مالک نے منیٰ کے حاجیوں کی استثنا کی ہے۔ وہ ان پر قربانی کا نظریہ نہیں رکھتے یہی

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضحی، باب فی المسافر یضحی، جلد 2، صفحہ 33۔ ایضاً، 2431، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

نخعی کا قول ہے اور یہی حضرت ابو بکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور سلف کی ایک جماعت سے مروی ہے کیونکہ حاجی اصل میں ہدی کے ساتھ مخاطب ہے جب وہ قربانی دینے کا ارادہ کرے گا تو اسے ہدی بنائے گا اور لوگوں کا حکم حاجی سے مختلف ہے انہیں قربانی دینے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ وہ اہل منیٰ کے مشابہ ہو جائیں اور انہیں ان کے اجر سے حظ وافر ملے۔

مسئلہ نمبر 16۔ گوشت ذخیرہ کرنے کے متعلق چار اقوال ہیں۔ حضرت علی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح سند سے مروی ہے ''تین دنوں کے بعد ضحایا کے گوشت سے ذخیرہ نہ کر''۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انہوں نے یہ روایت کیا ہے یہ آئندہ آئے گا۔ ایک جماعت نے کہا: ذخیرہ کرنے کی نہی جو مروی ہے وہ منسوخ ہے پس جس وقت تک چاہے ذخیرہ کر سکتا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری اور حضرت بریدہ اسلمی کا یہی قول ہے۔ ایک فرقہ نے کہا: اس سے مطلقاً کھانا جائز ہے۔ ایک جماعت نے کہا: اگر لوگوں کو حاجت ہو تو ذخیرہ نہ کرے کیونکہ نہی ایک علت کی وجہ سے تھی فرمایا: ''میں نے تمہیں قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے سے آنے والے لوگوں کی وجہ سے منع کیا تھا'' (1)۔ جب وہ علت اُٹھ گئی تو موجب کے اٹھ جانے کی وجہ سے پہلا حکم بھی اٹھ گیا نہ کہ یہ منسوخ ہے۔ یہاں ایک اصولی مسئلہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے۔

مسئلہ نمبر 17۔ نسخ کے ساتھ حکم کا اٹھانا اور علت کے ختم ہونے کے ساتھ حکم کو اٹھانے میں فرق ہے۔ نسخ کے ساتھ اٹھائے گئے حکم کے ساتھ کبھی بھی حکم نہیں لگایا جاتا لیکن علت کے ارتفاع کے ساتھ اٹھایا گیا حکم، علت کے لوٹنے کے ساتھ حکم بھی لوٹ آتا ہے۔ پس اب بھی اگر کسی شہر میں قربانی کے دنوں میں محتاج لوگ آجائیں اور اس شہر والوں کے پاس ان کی بھوک مٹانے کی وسعت نہ ہو مگر قربانیوں کا گوشت تو ان پر متعین ہو جائے گا کہ وہ تین دنوں سے زیادہ گوشت کو ذخیرہ نہ کریں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا۔

مسئلہ نمبر 18۔ وہ احادیث جو اس باب میں وارد ہیں منع اور اباحت کے متعلق وہ صحیح اور ثابت ہیں کبھی منع اور اباحت اکٹھے آئے ہیں جیسا کہ حضرت عائشہ، حضرت سلمہ بن اکوع اور حضرت ابو سعید کی حدیث میں منصوص ہے جن کو صحیح میں روایت کیا گیا ہے۔ صحیح میں ابو عبید مولیٰ بن ازہر سے مروی ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ عید کی نماز میں حاضر ہوئے فرمایا میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ عید کی نماز پڑھی فرمایا: آپ نے ہمیں خطبہ سے پہلے عید کی نماز پڑھائی پھر لوگوں کو خطاب کیا فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں تین دنوں سے زیادہ اپنی قربانیوں کا گوشت کھانے سے منع کیا ہے پس تم انہیں تین دنوں سے زیادہ نہ کھاؤ (2)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین دنوں سے زیادہ قربانیوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ سالم نے کہا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، تین دنوں سے زیادہ قربانی کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ ابو داؤد نے حضرت نُبیشہ سے روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہم نے تمہیں تین دنوں سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے منع کیا تھا تاکہ تمہارے لیے کشادگی کا باعث ہو۔ اب اللہ تعالیٰ نے (رزق) میں وسعت دے دی ہے اب تم کھاؤ اور ذخیرہ کرو اور کھانا کھلانے کے ذریعے اجر طلب کرو خبردار! یہ ایام کھانے، پینے اور اللہ تعالیٰ کے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب من النھی عن اکل اللحم، جلد 2، صفحہ 158 2۔ ایضاً

ذکر کے ایام ہیں"(1)۔ ابوجعفر نحاس نے کہا: اس مسئلہ میں جو کچھ کہا گیا ہے سب سے بہتر یہ قول ہے تاکہ احادیث متفق ہوں اور ایک دوسرے کے مخالف نہ ہوں۔ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب اور حضرت عثمان کا قول محصور ہے کیونکہ لوگ انتہائی شدت میں تھے۔ پس انہوں نے ویسا ہی کیا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا جب مسافر لوگ آئے ہوئے تھے۔ اس پر دلیل یہ حدیث ہے جو ابراہیم بن شریک نے ہمیں بتائی انہوں نے کہا ہمیں احمد نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں لیث نے بتایا انہوں نے کہا مجھے حارث بن یعقوب نے بتایا انہوں نے یزید بن ابی یزید سے روایت کیا انہوں نے اپنی بیوی سے روایت کیا کہ اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے قربانیوں کے گوشت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ہمارے پاس حضرت علی بن ابی طالب آئے تو ہم نے ان کے سامنے قربانی کا گوشت رکھا انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا حتی کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیں انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو فرمایا: "ذی الحجہ سے ذی الحجہ تک کھاؤ"۔ امام شافعی نے فرمایا: جن لوگوں نے تین دن کے بعد ذخیرہ کرنے سے منع کا ذکر کیا ہے انہوں نے رخصت نہیں سنی اور جس نے مطلقاً رخصت کا ذکر کیا ہے انہوں نے ذخیرہ کرنے کی نہی نہیں سنی اور جنہوں نے نہی اور رخصت کا ذکر کیا ہے انہوں نے دونوں کو سنا اور دونوں کے مقتضا کے مطابق عمل کیا۔ مزید تفصیلی اختلاف جو قربانی کے وجوب اور مستحب ہونے کے متعلق ہے اس کا ذکر سورۃ الکوثر میں آئے گا۔ اور یہ بھی وضاحت ہوگی کہ یہ ہر ذبح کے لیے ناسخ ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 19۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِیْرَ، الفقیر صفت ہے البائس کی۔ البائس وہ ہوتا ہے جسے بھوک اور شدت فقر نے آلیا ہے۔ کہا جاتا ہے: بئس یباس باساً جب کوئی فقیر ہو جائے۔ فھو بائس کبھی اس شخص کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے جس پر زمانہ کا کوئی حادثہ آیا ہو اگرچہ وہ فقیر نہ ہو۔ اسی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لکن البائس سعد بن خولہ(2)، لیکن سعد بن خولہ (جسے مکہ میں موت آئی تھی اس) فقیر پر افسوس ہے۔ کہا جاتا ہے: رجلٌ بئیس سخت آدمی کبھی بؤس یبوس بأساً استعمال ہوتا ہے جب سخت ہو جائے اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَىِٕیْسٍۭ (الاعراف: 165) یعنی سخت عذاب سے ہم نے ظالموں کو پکڑ لیا۔ جب قربانی کا گوشت زیادہ صدقہ کیا جائے تو اجر بھی زیادہ ہوگا اور وہ مقدار جس کا کھانا جائز ہے اس میں اختلاف ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ بعض نے فرمایا: نصف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فکلوا و اطعموا۔ بعض نے کہا 2\3 حصہ صدقہ کرے کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: الا فکلوا و ادخروا و اتجروا (خبردار! کھاؤ اور ذخیرہ کرو اور کھلانے کے ساتھ اجر طلب کرو) کھانے اور کھلانے میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: دونوں واجب نہیں۔ بعض نے کہا: دونوں مستحب ہیں۔ بعض نے کہا: کھانے اور کھلانے کے حکم میں فرق ہے۔ کھانا مستحب ہے اور کھلانا واجب ہے، یہی امام شافعی کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 20۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ لْیَقْضُوْا تَفَثَهُمْ یعنی قربانیوں اور ہدایا کو نحر کرنے کے بعد ماقی حج کے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضحی، حبس لحوم الاضاحی، جلد 2، صفحہ 33

2۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، رثاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن خولہ، جلد 1، صفحہ 173

امور ادا کریں جیسے حلق کرانا، رمی جمار کرنا اور میل کچیل دور کرنا۔ ابن عرفہ نے کہا: یعنی وہ اپنے آپ سے اپنی میل دور کریں۔ ازہری نے کہا التفث کا معنی مونچھیں کاٹنا، ناخن کاٹنا، بغلوں کے بال نوچنا، اور زیر ناف بال صاف کرنا، یہ احرام سے خروج کے وقت ہے۔ نضر بن شمیل نے کہا: عرب کلام میں التفث کا معنی میل اور پراگندگی دور کرنا ہے۔ میں نے زہری کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ عرب کلام میں التفث کا معنی صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اہل تفسیر کے قول سے معروف ہے۔ حسن نے کہا: اس کا معنی احرام کی میل کو دور کرنا ہے۔ بعض علماء نے کہا: التفث سے مراد تمام مناسک حج ہیں اس کو حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: اگر ان دونوں سے روایت صحیح ہے تو یہ حجت ہے کیونکہ انہیں شرف صحبت حاصل ہے اور لغت کا احاطہ بھی رکھتے ہیں فرمایا: یہ لفظ غریب ہے اہل عرب اس میں کوئی شعر نہیں پاتے اور اس کے بارے کوئی خبر نہیں رکھتے ہیں لیکن میں نے التفث کا لغوی معنی تلاش کرنے کی کوشش کی تو میں نے ابوعبیدہ معمر بن المثنی کو دیکھا انہوں نے فرمایا: یہ ناخن کاٹنا اور مونچھیں کاٹنا ہے اور نکاح کے علاوہ محرم پر جو حرام ہے اس کو ختم کرنا ہے۔ فرمایا: اس میں کوئی شعر نہیں آیا جس سے حجت پکڑی جائے۔ صاحب العین نے کہا: التفث کا معنی رمی جمار کرنا، حلق کرانا یا بال چھوٹے کرانا، ذبح کرنا، ناخن کاٹنا، مونچھیں کاٹنا اور زیر ناف بال صاف کرنا ہے۔ زجاج اور فراء نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ میرا خیال ہے انہوں نے یہ علماء کے اقوال سے لیا ہے۔ قطرب نے کہا: تفث الرجل کا معنی ہے جب اس کی میل زیادہ ہو جائے۔ امیہ بن ابی الصلت نے کہا:

حفّوا رؤسھم لم یحلقوا تَفَثًا ولم یَسُلُّوا لھم قَمْلاً وصِئبانا

قطرب نے جس چیز کی طرف اشارہ کیا ہے وہ ابن وہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے۔ التفث میں وہی صحیح ہے یہ لغوی اعتبار سے میل کچیل کو دور کرنا ہے۔ رہی شریعت کی حقیقت تو جب حاجی یا عمرہ کرنے والا اپنی ہدی کو نحر کرتا ہے اور اپنا سر حلق کراتا ہے اور اپنی میل دور کرتا ہے اور پاک صاف ہو جاتا ہے اور عام کپڑے پہن لیتا ہے تو وہ اپنی میل دور کر دیتا ہے اور اپنی نذر پوری کر دیتا ہے اور نذر سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جو خود اپنے اوپر لازم کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں: جو قطرب سے حکایت کیا گیا ہے وہ شعر سے ذکر کیا گیا ہے اس کو ماوردی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے اور اس نے ایک اور شعر بھی لکھا ہے:

قَضَوا تَفَثًا ونَحْبًا ثم ساروا الی نَجْدٍ وما انتظروا علیًا

ثعلبی نے کہا: التفث کا لغوی معنی میل ہے۔ عرب جس شخص کو ناپسند اور گندہ سمجھتے ہیں اس کے لیے استعمال کرتے ہیں ما اتفثک یعنی تو کتنا گندہ ہے۔ امیہ بن ابی الصلت نے کہا:

ساخین آباطھم لم یقذفوا تفثا وینزعوا عنھم قَمْلاً وصِئبانا

ماوردی نے کہا بعض صلحاء سے پوچھا گیا کہ شعث المحرم سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ خود گواہی دے کہ تو اپنے نفس کی دیکھ بھال نہیں کرتا اور وہ اطاعت کے لیے اپنی جان قربان کرنے میں تیری سچائی کو جان لے۔

مسئلہ نمبر 21۔ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ مطلقاً انہیں نذر پوری کرنے کا حکم دیا گیا ہے مگر یہ کہ وہ معصیت نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے رسول کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ کی معصیت میں نذر کو پورا کرنا نہیں ہے'' (1) اور ارشاد فرمایا: ''جو اللہ کی اطاعت کرنے کی نذر مانے وہ اس کی اطاعت کرے اور جو اس کی نافرمانی کی نذر مانے وہ ادا نہ کرے'' (2)۔

وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝ اس آیت میں طواف افاضہ کا ذکر ہے جو حج کے واجبات سے ہے۔ طبری نے کہا: مفسرین کا اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

مسئلہ نمبر 22۔ حج کے تین طواف ہیں۔ طواف قدوم، طواف افاضہ، طواف وداع۔ اسماعیل بن اسحق نے کہا: طواف قدوم سنت ہے۔ یہ مراہق، مکی اور ہر اس شخص سے ساقط ہوتا ہے جو مکہ سے حج کا احرام باندھتا ہے فرمایا: واجب طواف کسی چیز سے ساقط نہیں ہوتا اور وہ طواف افاضہ ہے نویں ذوالحجہ کے بعد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ فرمایا: یہ طواف کتاب اللہ میں فرض کیا گیا ہے۔ اس طواف کے ساتھ حاجی اپنے احرام سے فارغ ہو جاتا ہے۔ حافظ ابو عمر نے کہا: طواف افاضہ کے بارے میں اسماعیل نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ اہل مدینہ کے نزدیک امام مالک کا قول ہے۔ یہ ابن وہب، ابن نافع اور اشہب کی ان سے روایت ہے۔ اور یہی فقہاء اہل حجاز و عراق کا نظریہ ہے۔ ابن القاسم اور ابن عبد الحکم نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ طواف قدوم واجب ہے۔ ابن القاسم نے المدونہ سے ذکر کیا ہے۔ اور اسے امام مالک سے بھی روایت کیا ہے کہ طواف واجب مکہ کی طرف آنے والے کا طواف ہے۔ فرمایا: جو مکہ میں دخول کے وقت طواف بھول گیا یا اس سے کوئی چکر بھول گیا یا سعی بھول گیا یا اس کا کوئی چکر بھول گیا حتیٰ کہ وہ اپنے شہر لوٹ آیا پھر یہ ذکر کیا: اگر اس نے بیوی سے مجامعت نہیں کی تو مکہ کی طرف لوٹ آئے اور بیت اللہ کا طواف کرے اور دو رکعت نماز ادا کرے۔ پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے پھر ہدی دے اگر عورت سے مجامعت کر چکا ہو تو لوٹ آئے، طواف کرے اور سعی کرے پھر عمرہ کرے اور ہدی دے۔ یہ بالکل اس شخص کی مانند حکم رکھتا ہے جو طواف افاضہ بھول گیا ہو۔ اس روایت پر دونوں طواف واجب ہیں اور سعی بھی واجب ہے اور رہا طواف صدر جس کو طواف وداع بھی کہا جاتا ہے تو ابن القاسم وغیرہ نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ جو بغیر وضو کے طواف افاضہ کرے وہ اپنے شہر سے لوٹ آئے اور طواف افاضہ کرے مگر اس کے بعد تطوع (نفل) ہوگا اس مسئلہ پر امام مالک اور ان کے اصحاب کا اجماع ہے۔ ان کے نزدیک واجب فرض طواف کی جگہ نفل طواف جائز ہے، اسی طرح ان کا اجماع ہے کہ جس نے حج میں کوئی نفلی کام کیا اور وہ کام حج میں واجب تھا جبکہ اب اس کا وقت گزر گیا ہے تو اس کا وہ نفلی کام واجب کے طور پر ہو جائے گا نفل کے لیے نہ ہوگا۔ بخلاف نماز کے۔ جب نفل حج میں فرض کے قائم مقام ہو جائے گا تو مکہ میں دخول کا طواف بھی طواف افاضہ کے قائم مقام بدرجہ اولیٰ ہو جائے گا مگر جو طواف دسویں کے دن جمرہ عقبہ پر کنکریاں مارنے کے بعد ہو یا اس کے بعد ہو تو وہ وداع کے لیے ہوگا۔ ابن عبد الحکم کی روایت امام مالک سے اس

1۔ مسند عبد الرزاق، کتاب الایمان والنذر، لا نذر فی معصیۃ اللہ، جلد 8، صفحہ 376

2۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذر، النذر فی الطاعۃ، جلد 2، صفحہ 991

کے برعکس ہے کیونکہ اس میں ہے کہ دخول مکہ کا طواف جو سعی کے ساتھ ہو وہ طواف افاضہ کے قائم مقام ہو جائے گا اس شخص کے لیے جو اپنے شہر کی طرف ہدی کے ساتھ لوٹ آیا ہو جیسا کہ طواف افاضہ سعی کے ساتھ قائم مقام ہو جاتا ہے اس شخص کے لیے جس نے ہدی کے ساتھ مکہ میں داخل ہوتے وقت طواف قدوم اور سعی نہ کی ہو اور جنہوں نے یہ کہا انہوں نے یہ بھی کہا: طواف دخول کو واجب کیا جائے اور طواف افاضہ کو بھی واجب کیا جائے کیونکہ یہ ایک دوسرے کے قائم مقام ہوتے ہیں نیز امام مالک سے مروی ہے کہ جو ان میں سے ایک طواف بھول جائے وہ اپنے شہر سے لوٹ آئے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حاجی پر صرف ایک طواف فرض کیا ہے۔ فرمایا: وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ اور آیت کے سیاق میں فرمایا: وَ لْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ اس آیت اور دوسری آیات میں ان کے نزدیک واؤ ترتیب کے لیے نہیں مگر توقیفی ہے۔ طبری نے عمرو بن ابی سلمہ سے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے فرمایا: میں نے زہیر سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَ لْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: یہ طواف وداع ہے۔ یہ دلیل ہے کہ یہ واجب ہے: یہ امام شافعی کا پہلا قول ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض والی عورت کو بغیر طواف کے جانے کی رخصت دی اور رخصت نہیں دی جاتی مگر واجب میں۔

مسئلہ نمبر 23۔ علماء کا البیت کی صفت العتیق کی وجہ میں اختلاف ہے مجاہد اور الحسن نے کہا: العتیق کا معنی قدیم ہے۔ کہا جاتا ہے: سیف عتیق پرانی تلوار۔ قد عتق کا معنی ہے قدم اس قول کی تائید نظر بھی کرتی ہے۔ صحیح میں ہے: انہ اول مسجد وضع فی الارض، (1) یہ پہلی مسجد ہے جو زمین میں بنائی گئی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کو عتیق اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو آزاد فرمایا ہے کہ کوئی جابر شخص ذلت کے ساتھ اس پر قیامت تک مسلط ہو: یہ معنی ابن زبیر اور مجاہد نے بیان فرمایا۔ امام ترمذی میں حضرت عبداللہ بن زبیر سے مروی ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: البیت العتیق (2) اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس پر کوئی جابر غالب نہیں آئے گا''۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً مروی ہے اگر کوئی حجاج بن یوسف کا حوالہ دے کہ اس نے کعبہ پر منجنیق نصب کی تھی اور کعبہ کو توڑا بھی تھا تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کفار جابروں سے آزاد کیا کیونکہ اگر وہ سرکشی کرتے ہوئے اور بیت کی حرمت کا اعتقاد نہ رکھتے ہوئے آئیں گے اور کعبہ کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرتے ہوئے آئیں گے پس کفار سے اسے محفوظ کیا گیا یہ دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے جبراً پھیر دیا ہے رہے مسلمان جو اس کی حرمت کا اعتقاد رکھتے ہیں وہ بھی اگرچہ اس سے رک جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی منزلت پر وہ دلالت نہ ہوگی جس کی اس کے دشمنوں کو روکنے میں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو نہی اور وعید کے ساتھ روکا ہے اور انہیں مجبوری اور اضطرار کی حالت میں نہیں پھیرا اور قیامت کو ان کے وعدہ کی جگہ بنایا اور قیامت بھی خوفناک اور کڑی ہے۔ بعض نے کہا: اس کو عتیق اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ جگہ کبھی کسی کی ملکیت نہیں رہی۔ ایک طائفہ نے کہا: اس کو عتیق اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس میں مجرموں کو عذاب سے آزاد فرماتا ہے۔ بعض نے کہا: اس کو عتیق اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسے طوفان میں غرق ہونے سے بچایا گیا: یہ ابن جبیر کا قول ہے۔ بعض

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ حج، جلد 2، صفحہ 146 2۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 199

نے کہا: العتیق کا معنی کریم ہے۔ العتق کا معنی کرم ہے۔ طرفہ نے اپنے گھوڑے کا وصف بیان کیا ہے:

مُؤَلَّلتَان تَعْرِف العِتق فیهما كسا مِعْتَىٰ مذعورة وسط رَبْرَبِ

عتق الرقیق۔ غلامی کی ذلت سے نکلنا اور حریت کی عزت کی طرف جانا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ عتیق صفت مدح ہو جو کسی شے کی عمدگی کا تقاضا کرتی ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: حملت علی فرس عتیق۔ پہلا قول اصح ہے کیونکہ نظر اور حدیث صحیح اس کی تائید کرتی ہے۔ مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ نے زمین سے دو ہزار سال پہلے بیت اللہ کو تخلیق کیا اسی وجہ سے اس کو عتیق کہا گیا۔ واللہ اعلم۔

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۗ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾

"ان احکام کو یاد رکھو اور جو شخص تعظیم کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی تو یہ بہتر ہے اس کے لیے اس کے رب کے ہاں اور حلال کیے گئے تمہارے لیے جانور بجز ان کے جن کی حرمت پڑھی گئی تھی تم پر بس پرہیز کرو بتوں کی نجاست سے اور بچو جھوٹی بات سے، یکسر مائل ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف نہ شریک ٹھہراتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور جو شریک ٹھہراتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو اس کی حالت ایسی ہے گویا وہ گرا ہوا ہے آسمان سے پس اچک لیا ہو اسے کسی پرندے نے یا پھینک دیا ہو اسے ہوا نے کسی دور جگہ میں"۔

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ اس میں احتمال ہے کہ یہ محل رفع میں ہو اور اس کی تقدیر یہ ہو: فرضکم ذالك یا الواجب ذالك اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ محل نصب میں ہو اس کی تقدیر یہ ہو امتثلوا ذالك؛ زہیر کے قول میں اس کی مثل اشارہ ہے:

هذا وليس كمن يَعْيَا بخُطَّته وَسْطَ النَّدِيّ إذا ما قائل نطقا

اور یہاں حرمات مقصودہ سے مراد افعال حج ہیں جن کی طرف ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ میں اشارہ کیا گیا ہے اس میں جگہوں کی تعظیم بھی داخل ہے؛ یہ ابن زید وغیرہ کا قول ہے۔ یہ کہنا تمام چیزوں کو شامل ہے کہ حرمات سے مراد تمام فرائض اور سنن کی پیروی کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ان حرمات میں سے کسی کی تعظیم کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی اہانت سے بہتر ہے۔ بعض علماء نے کہا: یہ تعظیم اس خیرات سے بہتر ہے جس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ خیر کا لفظ تفضیل کے لیے نہیں یہ خیر کا وعدہ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ کہ تم انہیں کھاؤ یہ اونٹ، گائیں اور بکریاں ہیں۔ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْكُمْ یعنی کتاب میں جن محرمات کا ذکر ہے اور وہ المیتۃ (مردار) اور موقوذہ وغیرہ ہیں۔ یہ حج کے امر کے ساتھ اتصال ہے کیونکہ حج میں ذبح کا حکم ہے پس جن کا ذبح کرنا اور جن کا گوشت کھانا حلال ہے اس کو بیان کیا۔ بعض نے کہا: اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْكُمْ غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ (المائدہ: 1) مراد ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ، الرِّجْسَ گندی چیز کو کہتے ہیں۔ الوثن وہ بت جو لکڑی، لوہے، سونے یا چاندی وغیرہ سے بنائے جاتے ہیں۔ عرب انہیں نصب کرتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔ نصاریٰ صلیب نصب کرتے تھے اس کی عبادت کرتے تھے، اور اس کی تعظیم کرتے تھے یہ بھی تمثال کی طرح ہے۔ عدی بن حاتم نے کہا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میری گردن میں سونے کی صلیب تھی۔ فرمایا: ''اس بت کو اپنے آپ سے دور کر'' (1) یعنی صلیب کو دور کر۔ اس کی اصل وثن الشی ہے۔ یعنی اپنی جگہ میں اس کو کھڑا کیا۔ صنم کو وثن کہا جاتا ہے کیونکہ وہ نصب کیا جاتا ہے اور ایک جگہ گاڑھا جاتا ہے جہاں سے وہ ہلتا نہیں۔ مراد یہ ہے کہ بتوں کی عبادت سے اجتناب کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور ابن جریج سے مروی ہے اور اس کو رجس کہا ہے کیونکہ یہ عذاب کا سبب ہیں۔ بعض نے کہا: اس کو رجس کہا۔ الرجس کا معنی نجس ہے۔ یہ حکماً نجاست ہے۔ اعیان کا جوذاتی وصف ہوتا ہے وہ نجاست نہیں ہے۔ یہ وصف شرعی جو ایمان کے احکام سے ہے اور یہ زائل نہیں ہوتا مگر ایمان سے جیسے پانی کے بغیر طہارت جائز نہیں ہوتی۔

مسئلہ نمبر 4۔ مِنْ جو مِنَ الْاَوْثَانِ کے ارشاد میں ہے، بعض علماء نے کہا: یہ جنس کے بیان کے لیے ہے یہاں صرف بتوں کی غلاظت سے نہی واقع ہوئی ہے اور باقی غلاظتوں سے نہی دوسرے مقام پر بیان ہوئی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ من ابتداغایت کے لیے ہو گویا انہیں مطلقاً نجاست سے روکا پھر اس مبدء کو ان کے لیے متعین کر دیا جو انہیں لاحق تھا کیونکہ بت کی عبادت ہر فساد اور رجس کی جامع ہے۔ اور جنہوں نے کہا: من تبعیض کے لیے ہے انہوں نے آیت کا معنی الٹ کر دیا اور خراب کر دیا۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝ الزُّوْرِ باطل اور جھوٹ کو کہتے ہیں۔ زور کہا جاتا ہے کیونکہ حق سے پھیرا گیا ہوتا ہے، اسی سے ہے: تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ (الکہف: 17) مدینۃ زوراء یعنی مائلۃ ہر وہ چیز جو حق کے علاوہ ہے وہ کذب باطل اور زور ہے۔ حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے فرمایا: عُدِلَتْ شھادۃُ الزور بالشرك باللہ (2) بتوں کی عبادت، نہی میں شرک باللہ سے ملائی گئی ہے۔ یہ جملہ آپ نے دو مرتبہ فرمایا یا تین مرتبہ فرمایا (3)۔

مسئلہ نمبر 6۔ یہ آیت جھوٹی گواہی دینے کی وعید کو متضمن ہے۔ حاکم کے لیے مناسب ہے کہ جب اسے جھوٹے گواہ

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ توبہ، جلد 2، صفحہ 136　　2۔ سنن ابی داؤد، کتاب القضایا، باب فی شھادۃ الزور، جلد 2، صفحہ 150

3۔ جامع ترمذی کتاب الشہادات، باب ماجاء فی شھادۃ الزور، حدیث 2222۔ ابن ماجہ، کتاب الاحکام باب شھادۃ الزور، حدیث 2362

پر اطلاع ہو جائے تو اسے تعزیر لگائے اور اس کے متعلق لوگوں کو بتائے تا کہ وہ پہنچانا جائے اور کسی کو اپنی شہادت سے دھوکا نہ دے۔ اس کی شہادت میں حکم مختلف ہو جاتا ہے جب وہ توبہ کرے۔ اگر وہ پہلے اہل عدالت میں سے تھا عدالت کے ساتھ مشہور تھا اور اسے اچھا سمجھا جاتا تھا تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گا کیونکہ توبہ میں اس حالت تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں کیونکہ وہ پہلے سے زیادہ نیکیاں کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتا۔ اور اگر پہلے وہ اتنا نیکی میں مشہور نہ تھا پھر توبہ کے بعد اس نے عبادت شروع کر دی اور تقویٰ کا پیکر بن گیا تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ان اکبر الکبائر الاشراک باللہ وعقوق الوالدین وشہادۃ الزور وقول الزور (1)، یعنی بڑے سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا اور جھوٹی بات کرنا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے آپ آخری جملہ کا تکرار کرتے رہے حتی کہ ہم نے کہا: کاش! آپ خاموش ہو جاتے (2)۔

مسئلہ نمبر 7۔ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ اس کا معنی ہے مستقیم، مسلمان اور حق کی طرف مائل ہونا ہے۔ حنفاء کا لفظ اضداد میں سے ہے۔ استقامت پر واقع ہوتا ہے اور میل پر بھی واقع ہوتا ہے۔ اور حنفاء پر نصب حال کی بنا پر ہے۔ بعض نے کہا: حنفاء کا معنی حجاجاً ہے یہ تخصیص ایسی ہے جس کے ساتھ کوئی حجت نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ یہ قیامت کے دن اس کی مانند ہوگا جو اپنے لیے نہ نفع کا مالک ہوگا اور نہ اپنے سے ضرر و عذاب کو دور کر سکے گا وہ اس کی مانند ہوگا جو آسمان سے گرا ہو۔ پس وہ اپنے نفس کے دفاع پر قادر نہ ہوگا۔ فَتَخْطَفُهُ الطَّیْرُ یعنی پرندوں نے اسے اپنے پنجوں سے کاٹ دیا ہو۔ بعض علماء نے کہا: یہ اس کی حالت اس کی روح کے نکلنے اور فرشتوں کے اس کی روح کو آسمان کی طرف لے جانے کے وقت ہوگی۔ آسمان کا دروازہ کھولا جائے گا پھر اس کی روح کو زمین کی طرف پھینک دیا جائے گا جیسا کہ حضرت براء کی حدیث میں ہے ہم نے اپنی کتاب التذکرہ میں یہ حدیث ذکر کی ہے۔ السحیق کا معنی بعید ہے اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ○ (الملک) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: فسحقاً فسحقاً (3) دور ہو جاؤ دور ہو جاؤ۔

ذٰلِكَ ۗ وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَی الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ ﴿۳۳﴾

''حقیقت یہ ہے اور جو ادب واحترام کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا تو یہ (احترام) اس وجہ سے ہے کہ دلوں میں تقویٰ ہے۔ تمہارے لیے مویشیوں میں طرح طرح کے فائدے ہیں ایک معین مدت تک پھر ان کے ذبح کرنے کا مقام بیت عتیق کے قریب ہے''۔

اس میں سات مسائل ہیں:

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الکبائر اکبرھا، جلد 1، صفحہ 64　　2۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ النساء، 2945

3۔ صحیح بخاری، کتاب الشہادۃ، باب قیل فی شہادۃ الزور، جلد 1، صفحہ 362

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ، اس میں تین وجوہ ہیں۔ بعض نے کہا: مبتدا کی حیثیت سے محل رفع میں ہے تقدیر یوں ہوگی۔ ذالك أمرالله۔ یہ بھی جائز ہے کہ مبتدا محذوف کی خبر کی حیثیت سے مرفوع ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ محل نصب میں ہو یعنی اتبعوا ذالك۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ، الشعائر جمع ہے شعیرۃ کی۔ ہر وہ چیز جس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی امر ہو جس سے وہ جانا پہچانا جائے اسی سے جنگ میں قوم کا شمار ہوتا ہے، یعنی ان کی ایک علامت ہوتی ہے جس سے وہ پہچانے جاتے ہیں اسی سے اشعار البدن ہے اونٹ کی دائیں طرف میں نیزہ مارا جاتا ہے تاکہ خون بہہ جائے تو وہ اس کی علامت ہوتی ہے۔ یہ شعیرۃ بمعنی مشعورۃ ہے۔ شعائر اللہ سے مراد اس کے دین کی علامتیں ہیں خصوصاً جو حج کے مناسک کے متعلق ہیں۔ ایک قوم نے کہا: یہاں اس سے مراد اونٹوں کو موٹا کرنا اور اس کے معاملات کا اہتمام کرنا اور ان کو موٹا کرنے میں مبالغہ کرنا ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور ایک جماعت کا قول ہے(1)۔ اس میں ایک لطیف اشارہ ہے وہ یہ ہے بعض اوقات آدمی اونٹ اس لیے خریدتا ہے کہ اس کی مجبوری ہوتی ہے وہ اخلاص پر دلالت نہیں کرتا اور جب جزا کے حصول کے لیے انہیں موٹا کرتا ہے تو اس سے شرع کی تعظیم کا عمل ظاہر ہوتا ہے یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 3۔ انھا کی ضمیر اس فعلہ کی طرف لوٹ رہی ہے جسے کلام اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے اگر وہ انہ فرمایا تو بھی جائز تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے ہا ضمیر شعائر کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی شعائر کی تعظیم۔ مضاف کو حذف کیا گیا کیونکہ کلام اس پر دلالت کر رہی ہے پس ضمیر کنایہ شعائر کی طرف راجع ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ القلوب کو رفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اس بنا پر کہ تقویٰ مصدر کا فاعل ہے۔ تقویٰ کی نسبت قلوب کی طرف کی گئی ہے کیونکہ تقویٰ کی حقیقت دل میں ہوتی ہے، اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا: التقوىٰ هاهنا(2) اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: تقویٰ یہاں ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ یعنی تمہارے لیے اونٹوں میں منافع ہیں سوار ہونا، دودھ حاصل کرنا، نسل بڑھانا، اون حاصل کرنا وغیرہ جب ان کا مالک ان کو بطور ہدی نہ بھیجے۔ جب وہ انہیں بطور ہدی بھیجے تو اس کے لیے مدت متعین ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: جب اونٹ بطور ہدی بھی ہو جائیں تو ضرورت کے وقت ان پر سوار ہونا اور اس کے بچے سے جو دودھ بچے اس کے لیے منافع ہیں۔ صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اونٹ لے جاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''اس پر سوار ہو جا'' اس نے عرض کی: حضور! یہ بدنہ ہے۔ فرمایا: ''سوار ہو جا''۔ اس نے پھر کہا: حضور! یہ بدنہ ہے۔ فرمایا: ''سوار ہو جا تیرے لیے ہلاکت ہو'' یہ دوسری یا تیسری مرتبہ فرمایا(3)۔ حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے اور ہدی پر سوار ہونے کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا میں نے نبی کریم

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 121
2۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلاۃ، باب تحریم ظلم مسلم، جلد 2، صفحہ 317
3۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 7350

صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”جب تمہیں ضرورت ہو تو معروف طریقہ پر اس پر سوار ہوتی کہ تم دوسری سواری پالو“(1)۔ الاجل المسمی سے مراد اس قول کی بنا پر ان کو نحر کرنا ہے۔ یہ عطاء بن ابی رباح کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ بعض علماء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: ”تو اس پر سوار ہو جا“ کی وجہ سے بدنہ کی سواری کے وجوب کی طرف گئے ہیں اور جنہوں نے اس ارشاد کے ظاہر کو لیا ہے ان میں امام احمد، اسحاق اور اہل ظاہر ہیں۔ ابن نافع نے امام مالک سے روایت کیا ہے۔ بدنہ پر سوار ہونے میں کوئی حرج نہیں اور مشہور یہ ہے کہ امام مالک بغیر مجبوری کے اس پر سواری نہیں کرتے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی وجہ سے کیونکہ وہ مقید ہے اور مقید، مطلق پر غالب ہوتا ہے۔ اسی طرح امام شافعی اور امام ابو حنیفہ نے بھی کہا ہے، اور پھر جب ضرورت کی وجہ سے سوار ہوگا تو ضرورت پوری ہونے پر اتر جائے گا؛ یہ اسماعیل قاضی کا قول ہے۔ یہی وہ بات ہے جس پر امام مالک کا مذہب دلالت کرتا ہے۔ یہ اس کے برعکس ہے جو ابن قاسم نے ذکر کیا ہے کہ اس پر اترنا لازم نہیں اور ان کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کی سواری کو مباح قرار دینا ہے۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: اذا الجئت الیھا حتی تجد ظھرا۔ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے قول کی حجت پر دلالت کرتا ہے؛ اور اسی طرح جو اسماعیل قاضی نے امام مالک کا مذہب بیان کیا ہے اس کی صحت پر دال ہے اور صراحۃ مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی کو فرمایا: ”تو سوار ہو“۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے فرمایا: مباح سوار ہونا بھی اس کی کمی و نقصان کا باعث ہو تو اس پر اس کی قیمت ہے اور اسے صدقہ کرے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ یعنی وہ بیت اللہ تک پہنچ جائے اور وہ طواف ہے پس محلھا بہ محرم کے احرام اتارنے سے ماخوذ ہے معنی یہ ہے کہ حج کے تمام شعائر وقوف عرفہ، رمی جمار، سعی، بیت اللہ کے طواف افاضہ پر ختم ہوتے ہیں۔ اس تاویل پر بیت سے مراد بیت اللہ ہی ہے؛ یہ امام مالک نے مؤطا میں کہا ہے۔ عطا نے کہا: مکہ تک پہنچ جائے۔ امام شافعی نے کہا: حرم تک پہنچ جائے۔ اس بناء پر شعائر سے مراد بدن (اونٹ) ہیں۔ شعائر کے متعلق عموم کے قول ہوتے ہوئے تخصیص کی کوئی وجہ نہیں اور بیت اللہ کا ذکر خصوصیت کو لغو کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾

”اور ہر امت کے لیے ہم نے مقرر فرمائی ہے ایک قربانی تاکہ وہ ذکر کریں اللہ تعالیٰ کا اسم (پاک) ان بے زبان جانوروں پر ذبح کے وقت جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے ہیں پس تمہارا خدا خدا واحد ہے تو اسی کے آگے سر جھکاؤ اور (اے محبوب) مژدہ سنایئے تواضع کرنیوالوں کو“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا جب اللہ تعالیٰ نے ذبائح کا ذکر کیا تو بیان فرمایا کہ کوئی امت بھی اس حکم سے خالی نہ تھی۔ امت اس قوم کو کہتے ہیں جو ایک مذہب پر جمع ہو یعنی ہر مومن جماعت کے لیے ہم نے قربانی مقرر

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 14413

فرمائی۔ المنسک کا معنی ذبح کرنا اور خون بہانا ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ کہا جاتا ہے: نسك جب ذبح کرے ینسك نسكاً، ذبیحہ کو نسیکۃ کہا جاتا ہے اس کی جمع نُسُک ہے اسی سے ہے اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ (البقرہ: 196) النسک کا معنی طاعت بھی ہے۔ ازہری نے اس قول وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا کے تحت فرمایا کہ یہاں یہ نحر کی جگہ پر دلالت کرتا ہے۔ مراد قربانی کی جگہ ہے۔ کہا جاتا: مَنسَك و منسِك یہ دونوں لغتیں ہیں اور دونوں طرح پڑھا بھی گیا ہے۔ عاصم کے سوا کوفیوں نے سین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ فراء نے کہا: کلام عرب میں المنسک خیر وشر کی معتاد جگہ کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا: اس سے مراد مناسک حج ہیں کیونکہ لوگ ان کی طرف بار بار لوٹتے ہیں وقوف عرفہ، رمی جمار اور سعی۔ ابن عرفہ نے وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا کے متعلق کہا جب کوئی قوم پہلے مسلک پر چلے۔ پہلا قول اظہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ یعنی جو اس نے دیا ہے اسے ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ ذبح کرنے کا حکم دیا تاکہ ذبح اس کے لیے ہو کیونکہ اس کا عطا کرنے والا ہے پھر سابقہ امتوں کے متعلق خبر دینے کے لفظ سے حاضرین کی خبر دینے کی طرف رجوع کیا اس کا معنی ہے فرمایا: تم تمام کے لیے ایک خدا ہے اسی طرح ذبیحہ کے امر میں ہے اس کی خاطر ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا اس کا معنی ہے اس کے حق کی خاطر، اس کی وجہ سے اس کے انعام کی بنا پر ایمان لے آؤ اور اسلام قبول کرو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد اطاعت کرنا اور سرنگوں کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ۝ المخبت تواضع کرنے والا شخص مراد ہے۔ الخبت کا معنی ہے جو زمین کے نیچے ہے اور یعنی انہیں ثواب اور جزا کی بشارت دو۔ عمرو بن اوس نے کہا: المخبتون وہ لوگ ہوتے ہیں جو ظلم نہیں کرتے جب ان پر ظلم کیا جاتا ہے تو انتقام نہیں لیتے۔ مجاہد نے کہا: سفیان نے ابن جریج سے روایت کیا ہے المخبتون جو اللہ کے حکم پر مطمئن ہوتے ہیں۔

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۝

''وہ لوگ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں اور جو صبر کرنے والے ہیں ان (مصائب و آلام) پر جو پہنچتے ہیں انہیں اور جو صحیح ادا کرنے والے ہیں نماز کو اور ان چیزوں سے جو ہم نے انہیں عطا فرمائی ہیں وہ خرچ کرتے ہیں''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ یعنی ان کے دل اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے ڈرتے ہیں اس کے ذکر کے وقت خوف اور ڈر سے متصف ہوتے ہیں یہ ان کی قوت یقین اور اپنے رب کی طرف توجہ کے سبب ہوتا ہے گویا وہ اس کے سامنے ہیں اور ان کا وصف بیان فرمایا کہ وہ صبر کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور اس پر دوام اختیار کرتے ہیں۔

روایت ہے کہ یہ آیت وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی۔ جمہور نے الصلاة کو اضافت کی وجہ سے مجرور پڑھا ہے (1) اور ابو عمرو نے الصلاۃ کو نون کے توہم کی بنا پر منصوب پڑھا ہے (2)۔ اسم کی طوالت کی وجہ سے نون کا حذف تخفیف کے لیے ہے۔ سیبویہ نے یہ دلیل دی ہے: الحافظوا عورۃ العشیرۃ۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ آیت اس قول کی طرح ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ (الانفال)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (الزمر: 23)

یہ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والوں اور اس کی سطوت وعقوبت سے ڈرنے والوں کی حالت ہے نہ کہ جہال عوام اور بدعتیوں کی جو شور مچاتے ہیں اور گدھوں کے ہینگنے کی طرح ہینگتے ہیں۔ پس جو ایسا واویلا کرتا ہے اور اسے وجد اور خشوع کہا جاتا ہے تو کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کے خوف اور اس کے جلال میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کی حالت کو نہیں پہنچ سکتا اس کے باوجود وعظ کے وقت وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے روتے تھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اہل معرفت کی اس کے ذکر اور قرآن کی تلاوت کے وقت کے احوال کی تعریف کی ہے جو اس کیفیت میں نہیں ہوتا وہ ہدایت اور ان کے راستہ پر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ (المائدہ)

یہ ان کے حال کی صفت ہے اور مقال کی حکایت ہے پس جو سنت پر عمل کرنے والا ہے وہ سنت پر عمل کرے اور جو مجانین اور جنون کے احوال کرے تو وہ ان کی بنسبت بری ترین حالت پر ہے جنون فنون ہے۔ صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیے اور سوالوں کی کثرت کی۔ ایک دن آپ نکلے اور منبر پر چڑھے فرمایا: سلونی لا تسألونی عن شئ الا بینتہ لکم ما دمت فی مقامی ھذا (3)۔ مجھ سے پوچھو تم کسی چیز کے بارے سوال نہیں کرو گے مگر میں تمہیں اس کے متعلق بتاؤں گا جب تک میں اس جگہ پر کھڑا ہوں۔ جب لوگوں نے یہ سنا تو وہ خاموش ہو گئے اور ڈر گئے کہ کوئی امر آچکا ہے۔ حضرت انس نے فرمایا: میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا تو ہر انسان اپنا سر اپنے کپڑوں میں چھپائے ہوئے رو رہا تھا (الحدیث)۔ اس مسئلہ میں گفتگو سورۂ انفال میں تفصیلاً گزر چکی ہے۔ والحمد للہ۔

وَ الْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

''اور قربانی کے فربہ جانوروں کو ہم نے بنایا ہے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے تمہارے لیے ان

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 122 | 2۔ ایضاً | 3۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 2، صفحہ 263

میں بھلائی ہے پس لو اللہ تعالیٰ کا نام ان پر اس حال میں کہ ان کا ایک پاؤں بندھا ہوا اور تین پر کھڑے ہوں پس جب وہ گر پڑیں کسی پہلو پر تو خود بھی کھاؤ اس سے نیز کھلاؤ قناعت کرنے والے فقیر کو اور بھیک مانگنے والے کو، اس طرح ہم نے فرمانبردار بنا دیا ان جانوروں کو تمہارے لیے تا کہ تم (اس احسان کا) شکریہ ادا کرو"۔

اس میں دس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالْبُدْنَ ابن اسحاق نے والبُدُن پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں اس کا واحد بدنۃ ہے جیسے کہا جاتا ہے: ثمرۃ وثُمُرو ثُمْر، خشبۃ کی جمع خُشب وخُشُب۔ قرآن حکیم میں ہے وَّ كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ (الکہف: 34) ثُمْر بھی پڑھا گیا ہے یہ دو لغات ہیں۔ اس کو بدنۃ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ موٹا ہوتا ہے۔ البدانۃ کا معنی موٹاپا ہے۔ بعض علماء نے کہا یہ اونٹ کے ساتھ خاص ہے۔ بعض نے کہا: البدن، بدن کی جمع ہے باء اور دال کے فتحہ کے ساتھ، کہا جاتا ہے: بدن الرجل دال کے ضمہ کے ساتھ جب آدمی موٹا ہو جائے۔ بدّن جب آدمی بڑی عمر کا ہو جائے۔ حدیث میں ہے: انی بدنت (1) یعنی میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ بدُنت مروی ہے اس کا کوئی معنی نہیں کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت کے خلاف ہے اس کا معنی ہے گوشت کا زیادہ ہونا۔ کہا جاتا ہے: بدن الرجل بدنا وبدانۃ فھو بادن یعنی موٹا ہونا۔

مسئلہ نمبر 2۔ علماء کا اختلاف ہے کہ وَالْبُدْنَ کا اطلاق اونٹ کے علاوہ گائے پر ہوتا ہے یا نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، عطا اور شافعی نے کہا: گائے پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے کہا: اس کا اطلاق گائے پر ہوتا ہے۔ اختلاف کا فائدہ اس وقت مرتب ہوتا ہے جب کوئی شخص بدنہ کی نذر مانے اور پھر وہ اونٹ نہ پائے اور اونٹ پر قادر نہ ہو اور گائے پر قادر ہو تو کیا گائے اس نذر میں جائز ہوگی یا نہیں؟ امام شافعی اور عطا کے مذہب پر جائز نہ ہوگی اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے مذہب پر جائز ہوگی۔ صحیح مذہب امام شافعی اور عطا کا ہے کیونکہ صحیح حدیث "جمعہ کے دن کے بارے میں جو پہلی گھڑی میں مسجد کی طرف گیا گویا اس نے بدنہ (اونٹ) کی قربانی کی جو دوسری گھڑی میں پہنچا اس نے گویا گائے کی قربانی کی" (2)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گائے اور اونٹ میں تفریق فرمائی۔ یہ دلیل ہے کہ گائے کو بدنہ نہیں کہا جاتا اور اسی طرح فاذا وجبت جنوبھا بھی اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ وصف اونٹ کے ساتھ خاص ہے۔ گائے، بکری کی طرح پہلو کے بل لٹائی جاتی ہے اور ذبح کی جاتی ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ ہماری دلیل کہ بدنہ، بدانۃ سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے موٹاپا۔ تو موٹاپا دونوں میں پایا جاتا ہے، نیز گائے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خون بہانے کے اعتبار سے اونٹ کی طرح ہی ہے قربانی گائے کی ہو تو اس میں سات حصص جائز ہیں جیسے اونٹ میں سات حصص جائز ہیں۔ یہ امام ابوحنیفہ کی حجت ہے۔ امام شافعی نے اس پر ان کی موافقت کی ہے یہ ہمارے مذہب میں نہیں ہے۔ ابن شجرہ نے حکایت کیا ہے۔ بکری کو بھی بدنہ کہا جاتا ہے۔ یہ شاذ قول ہے۔ البدن

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، ما یؤمر بہ الماموم، جلد 1، صفحہ 91

ایضاً، سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوٰۃ والسنۃ فیھا، باب النھی عن ان یسبق الامام بالرکوع والسجود، حدیث نمبر 952

2۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، فضل الجمعہ، جلد 1، صفحہ 121

سے مراد اونٹ ہیں جو کعبہ کی طرف بھیجے جاتے ہیں اور الھدی کا لفظ عام ہے اس کا اطلاق اونٹ، گائے اور بکری پر ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِّنۡ شَعَآئِرِ اللّٰهِ یہ نص ہے کہ یہ شعائر کا بعض ہیں۔ لَکُمۡ فِیۡهَا خَیۡرٌ اس سے مراد وہ منافع ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ درست عموم ہے یعنی دنیا و آخرت کی خیر۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ عَلَیۡهَا صَوَآفَّ یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لے کر نحر کرو۔ صَوَآفَّ جن کے پاؤں باندھے گئے ہوں اونٹ کھڑا ہوا نحر کیا جاتا ہے جبکہ اسکا ایک پاؤں باندھا گیا ہوتا ہے۔ اس وصف کی اصل گھوڑے میں ہے۔ کہا جاتا ہے: صفن الفرس فھو صافن جب گھوڑا تین پاؤں پر کھڑا ہو چوتھے پاؤں کا سم صرف لگائے ہوئے ہو۔ اونٹ کو جب وہ نحر کرنے کا ارادہ کرتے تو اس کا ایک پاؤں باندھ دیتے اور تین پاؤں پر کھڑا ہوتا۔ حسن، اعرج، مجاہد، زید بن اسلم اور حضرت ابو موسیٰ اشعری نے صوافی پڑھا ہے۔ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے وہ اس کے ساتھ ان کو نحر کرتے وقت کسی کو شریک نہیں کرتے۔ حسن سے صواف فاء کے کسرہ اور تنوین کے ساتھ مخففہ مروی ہے (1)۔ یہ پہلے لفظ کے معنی میں ہے لیکن بغیر قیاس کے تخفیفاً یاء حذف کی گئی ہے اور صواف جمہور کی قرات ہے۔ فاء کے فتحہ اور شد کے ساتھ یہ صفت یصفت سے مشتق ہے اس کا واحد صافة ہے اور صوافی کا واحد صافیة ہے۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم اور ابو جعفر محمد بن علی نے صوافن نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ صافنة کی جمع ہے اس کا واحد صافن نہیں ہے کیونکہ فاعل کی جمع فواعل کے وزن پر نہیں آتی سوائے مخصوص الفاظ کے جن پر قیاس نہیں کیا جاتا۔ وہ یہ الفاظ ہیں۔ فارس جمع فوارس، هالك جمع هوالك، خالف جمع خوالف۔ الصافنة وہ اونٹ جس کا ایک پاؤں باندھ کر اوپر کیا گیا ہوتا ہے تاکہ حرکت نہ کرے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الصّٰفِنٰتُ الۡجِیَادُ ﴿۳۱﴾ (ص)

عمرو بن کلثوم نے کہا:

ترکنا الخیلَ عاکفةً علیه مقلّدةً أعنّتها صُفُونا

اور مروی ہے:

تظل جیادُه نَوْحًا علیه مقلّدةً أعنّتها صفونا

اور ایک شاعر نے کہا:

أَلِف الصُّفونَ فما یزال کأنّه مما یقوم علی الثلاث کسیرا

ابو عمرو جرمی نے کہا: الصافن اگلے پاؤں میں ایک رگ ہے جب گھوڑے کو مارا جاتا ہے تو وہ پاؤں اٹھا لیتا ہے۔

اعشیٰ نے کہا:

وکل کمیت کجذع السحوق یزمن الفناء اذا ما صفن

مسئلہ نمبر 5۔ ابن وہب نے کہا: ابن ابی ذئب نے مجھے بتایا کہ ابن شہاب سے انہوں نے الصواف کے متعلق

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 122

پوچھا تو انہوں نے کہا: تو اس کو باندھے پھر اس کا وصف بیان کرے۔ حضرت مالک بن انس نے مجھے اسی کی مثل بتایا۔ علماء اس کے استحباب کے قائل ہیں مگر امام ابوحنیفہ اور ثوری ان کو کھڑا کر کے اور بٹھا کر نحر کرنا بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ عطا نے شاذ قول کہا ہے، اس نے مخالفت کی ہے اور بٹھا کر نحر کرنے کو مستحب کہا ہے۔ صحیح قول جمہور کا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا اس کا معنی ہے نحر ہونے کے بعد جب وہ گر جائیں۔ اسی سے ہے: وجبت الشمس سورج غروب ہوا۔ صحیح مسلم میں زیاد بن جبیر سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک شخص کے پاس آئے وہ اپنے اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا (1)۔ آپ نے فرمایا: اس کو کھڑا کرو ایک پاؤں باندھو یہ تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ ابوداؤد نے ابوزبیر سے انہوں نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے اور مجھے عبدالرحمن بن سابط نے خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اونٹوں کو اس طرح نحر کرتے تھے کہ ان کا بایاں پاؤں باندھا ہوتا تھا اور تین پاؤں پر کھڑے ہوتے تھے (2)۔

مسئلہ نمبر 6۔ امام مالک نے کہا: انسان کمزور ہو یا اسے اونٹ کے بھاگ جانے کا خوف ہو تو میں کوئی حرج نہیں دیکھتا کہ وہ باندھ کر نحر کرے۔ بہتر یہ ہے کہ اونٹ کھڑا ہو باندھا ہوا نہ ہو تو نحر کیا جائے مگر ایسا مشکل ہو تو باندھا جائے اور کونچیں نہ اٹھائے مگر یہ کہ اسے کمزوری کا خوف ہو یا اس پر طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے بٹھا کر نحر کرنا افضل ہے بنسبت کونچیں کاٹنے کے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جوانی میں اپنے ہاتھوں میں نیزہ لیتے تھے اور اونٹ کے سینے میں مارتے تھے اور اس کی کہان سے نکالتے تھے جب بوڑھے ہو گئے تھے تو کمزوری کی وجہ سے بٹھا کر نحر کرتے تھے۔ ان کے ساتھ ایک اور شخص نیزہ پکڑتا تھا اور ایک شخص اس کی مہار پکڑتا تھا۔ گائے اور بکری کو لٹا کر ذبح کیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 7۔ بالاجماع دسویں کے دن فجر سے پہلے نحر کرنا جائز نہیں اور اسی طرح قربانی بھی فجر سے پہلے جائز نہیں جب فجر طلوع ہو تو منیٰ میں نحر کرنا حلال ہو جاتا ہے ان لوگوں پر امام کے نحر کرنے کا انتظار ضروری نہیں بخلاف دوسرے شہروں کے۔ ہر حاجی کے لیے منیٰ نحر کرنے کی جگہ ہے اور ہر عمرہ کرنے والے کیلئے مکہ منحر ہے اگر حاجی مکہ میں نحر کرے اور عمرہ کرنے والا منیٰ میں نحر کرے تو کوئی حرج نہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا جب سورج غروب ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے: وجبت الشمس اور جب دیوار گر جاتی ہے تو کہتے ہیں: وجب الحائط۔ قیس بن خطیم نے کہا:

أطاعت بنوعوف أميرا نها هم　عن السِّلْم حتى كان أوّل واجبِ

اوس بن حجر نے کہا:

ألم تكسف الشَّمسُ والبدرُ وال　كواكبُ　للجبل　الواجب

پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا یعنی جب مردہ ہو کر پہلو کے بل گر پڑیں۔ پہلو کے بل گرنے کو موت

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، استحباب النحر الابل، جلد 1، صفحہ 424

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحج، کیف تنحر البدن، جلد 1، صفحہ 246

سے کنایہ کیا جیسا کہ: فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا کے ارشاد سے ذبح اور نحر سے کنایہ ہے۔ کنایات اکثر مواقع میں تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

فتركته جَزَرَ السباعِ يَنُشْنه　　ما بين قُلّه رأسه والمِعْصَم

عنترہ نے کہا: وضربت قرنی کبشها فتجدلا یعنی مقتول ہو کر زمین کی طرف گر پڑا۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں اور الوجوب للجنب بعد النحر خون کے نکلنے اور روح کے نکلنے کی علامت ہے اور وہ کھانے کا وقت ہے یعنی کھانے کے وقت کے قریب، کیونکہ پہلے اس کی کھال اُتاری جاتی ہے اور ذبیحہ میں سے کچھ کاٹا جاتا ہے پھر پکایا جاتا ہے اور کھال نہیں اتاری جاتی حتی کہ ٹھنڈا ہو جائے کیونکہ اس سے پہلے کھال اتارنا اسے عذاب دینے کے باب سے ہے اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: روح کے نکلنے سے پہلے کھال اتارنے میں جلدی نہ کرو۔

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَكُلُوا مِنْهَا امر بمعنی ندب ہے تمام علماء کے نزدیک ہدی کے گوشت سے کچھ کھانا مستحب ہے اس میں اجر اور حکم کی پیروی ہے کیونکہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی ہدی سے نہیں کھاتے تھے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ابو العباس بن شریح نے کہا: خود کھانا اور دوسروں کو کھلانا مستحب ہے۔ ان میں سے جس پر چاہے اکتفا کر لے۔ امام شافعی نے فرمایا: کھانا مستحب ہے اور دوسروں کو کھلانا واجب ہے اگر تمام گوشت دوسرں کو کھلا دے تو بھی جائز ہے۔ اگر تمام خود کھالے تو جائز نہیں یہ اس صورت میں ہے جب ہدی نفلی ہو اور واجبی ہدی اس سے کھانا جائز نہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ مجاہد، ابراہیم اور طبری نے کہا: اطعموا کا امر اباحت کے لیے ہے۔ اَلْقَانِعَ سے مراد سائل ہے۔ کہا جاتا ہے: قنع الرجل یقنع قنوعاً جب کوئی سوال کرے ماضی میں نون کے فتحہ کے ساتھ ہے اور مضارع میں کسرہ کے ساتھ ہے۔ یقنع قناعة فهو قنع جب کوئی سوال کرنے سے بچے اور تھوڑی سی چیز کے ساتھ مستغنی ہو جائے اور سوال نہ کرے جیسے: حمد یحمد۔ قناعة وقنعا وقنعانا؛ یہ خلیل کا قول ہے۔ پہلے سے شماخ کا قول ہے:

لَمَالُ المرءِ يُصلِحُه فَيُغنِي　　مفاقِرَه أعفُّ من القُنُوعِ(1)

ابن السلت نے کہا: بعض عربوں نے قنوع بمعنی قناعت ذکر کیا ہے جس کا معنی ہے راضی ہونا، سوال کرنے سے بچنا اور سوال نہ کرنا۔ ابو رجاء سے مروی ہے کہ انہوں نے: اطعموا القنع پڑھا ہے یہ پہلے مفہوم کے مخالف ہے۔ کہا جاتا ہے: قنع الرجل فهو قنع جب کوئی راضی ہو۔ رہا المعتر تو یہ وہ شخص ہوتا ہے جو تیرے ارد گرد چکر لگاتا ہے وہ طلب کرتا ہے وہ تیرے پاس ہے خواہ وہ سوال کرے یا خاموش رہے۔ محمد بن کعب قرظی، مجاہد، ابراہیم، کلبی، حسن بن ابی الحسین نے کہا: المعتر جو بغیر سوال کے سامنے آتا ہے۔ زہیر نے کہا:

على مُكْثِرِيهم رزقُ من يعتريهم　　وعند المُقِلّين السماحةُ والبَذْلُ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 123

امام مالک نے کہا: جو میں نے بہتر سنا ہے وہ یہ ہے کہ القانع فقیر ہے اور المعتر زائر ہے۔ حسن سے مروی ہے کہ انہوں نے المعتری پڑھا ہے۔ اس کا معنی بھی المعتر والا ہے۔ کہا جاتا ہے: اعتراہ واعتراہ وعرہ وعراہ جو کسی کے پاس اس کے لیے تعرض کرے یا طلب کرے؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۭ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۭ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

”نہیں پہنچتے اللہ تعالیٰ کو ان کے گوشت اور نہ ان کے خون البتہ پہنچتا ہے اس کے حضور تقویٰ تمہاری طرف سے، یوں اس نے فرمانبردار بنا دیا ہے انہیں تمہارے لیے تاکہ تم بڑائی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی اس (نعمت) پر کہ اس نے تم کو ہدایت دی ہے اور (اے حبیب!) خوشخبری دیجیے احسان کرنے والوں کو“۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: زمانہ جاہلیت میں لوگ اونٹوں کا خون بیت اللہ پر مل دیتے تھے پھر مسلمانوں نے بھی ایسا کرنے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی، النیل باری تعالیٰ کے متعلق نہیں ہوتا لیکن قبولیت کی مجازی تعبیر ہے مطلب یہ ہے کہ اس کی بارگاہ میں نہیں پہنچے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کی طرف بلند نہیں ہوگا۔ ابن عیسیٰ نے کہا: ان کے گوشت اور خون قبول نہیں کرے گا لیکن اس کی بارگاہ میں تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے یعنی جو اس کی ذات کا ارادہ کیا گیا ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور وہ اس کی طرف بلند ہوتا ہے، وہ اسے سنتا ہے اور اس پر ثواب دیتا ہے؛ اسی سے حدیث ہے: ”اعمال کا دارومدار نیت پر ہے“(1) اور لن ينال الله وینالہ دونوں جگہ یاء کے ساتھ ہے اور یعقوب سے دونوں جگہ اللحوم کا اعتبار کرتے ہوئے تاء کے ساتھ مروی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے بڑے جانوروں کو ہمارے لیے مطیع بنا کر اور ہمیں ان پر تصرف کی قدرت دے کر ہم پر احسان فرمایا، حالانکہ بدن اور اعضاء کے اعتبار سے ہم سے قوی ہیں اور بڑے ہیں۔ یہ اس لیے ہے تاکہ بندے کو معلوم ہو جائے یہ امور ایسے نہیں جیسے بندے کے لیے ظاہر ہوتے ہیں بلکہ یہ ایسے ہوتے ہیں جیسے وہ غالب وقادر ارادہ فرماتا ہے۔ پس چھوٹا، بڑے پر غالب ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ اللہ تعالیٰ نے اس سے قبل آیت میں ان جانوروں پر اپنا نام ذکر کرنے کو بیان کیا تھا فرمایا: فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اور اب یہاں تکبیر کا ذکر فرمایا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دونوں کو جمع فرماتے تھے جب ہدی کو نحر کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے بسم اللہ واللہ اکبر یہ ان کی فقہ سے ہے۔ صحیح میں حضرت انس سے مروی ہے فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو سینگوں والے چتکبرے مینڈھے ذبح کیے (2)، اور فرمایا: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 2

2۔ صحیح بخاری، کتاب الحج، نحر البدن بیدہ، جلد 1، صفحہ 231

کو انہیں ہاتھ سے ذبح کرتے دیکھا اور میں نے دیکھا کہ آپ اپنا قدم ان کے کندھے پر رکھے ہوئے تھے آپ نے بسم اللہ اور تکبیر پڑھی۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ ابوثور نے کہا: ذبح میں بسم اللہ متعین ہے جس طرح نماز میں تکبیر متعین ہے اور تمام علماء اس کے استحباب پر متفق ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کوئی اور اسم ذکر کردے اور اس سے بسم اللہ کا ارادہ کرے تو بھی جائز ہے اسی طرح اگر صرف اللہ اکبر کہا یا لا الہ الا اللہ کہا تو بھی جائز ہے؛ یہ ابن حبیب کا قول ہے۔ اگر اس سے بسم اللہ کا ارادہ نہ کیا تو بسم اللہ کی طرف سے جائز نہ ہوگا اور جانور نہیں کھایا جائے؛ یہ امام شافعی اور امام محمد بن حسن کا قول ہے۔ ہمارے اصحاب اور دوسرے علماء کے نزدیک ذبح کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود یا آپ کا ذکر مکروہ ہے اور فرماتے ہیں: ذبح کے وقت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔ امام شافعی نے ذبح کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کو جائز کہا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ جمہور علماء کا خیال ہے کہ قربانی کرنے والے کا اللھم تقبل منی اے اللہ! میری طرف سے قبول فرما۔ کہنا جائز ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ نے مکروہ کہا ہے۔ اور امام صاحب پر حجت حضرت عائشہ کی روایت ہے جس میں ہے پھر کہا: باسم اللہ اللھم تقبل من محمد وآل محمد ومن امۃ محمد(1) پھر اس کو قربان کیا۔ بعض علماء نے نص قرآنی رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (البقرہ) کی وجہ سے یہ کہنا مستحب ہے۔ امام مالک نے یہ قول مکروہ کہا ہے: اللھم منك والیك۔ امام مالک نے فرمایا: یہ بدعت ہے۔ ابن حبیب جو ہمارے علماء میں سے ہیں اور حسن نے اس کو جائز قرار دیا ہے ان دونوں کے قول کی صحت کی دلیل ابوداؤد کی روایت ہے جو انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے(2) فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح کے دن دو سینگوں والے خصی چتکبرے مینڈھے ذبح کیے جب انہیں لٹایا تو یہ پڑھا: إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا الی قولہ وانا اول المسلمین، اللھم منك ولك عن محمد وامۃ باسم اللہ واللہ اکبر پھر ذبح فرمایا۔ شاید امام مالک کو یہ خبر نہ پہنچی ہو یا ان کے نزدیک صحیح نہ ہو یا عمل اس کے مخالف دیکھا ہو اس بنا پر فرمایا یہ بدعت ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ روایت ہے کہ یہ خلفاء اربعہ کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ اس سے پہلے آیت میں گزرا ہے۔ لفظ کا ظاہر عموم کا تقاضا کرتا ہے کہ ہر محسن کے بارے میں ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ﴿٣٨﴾

"یقیناً اللہ تعالیٰ حفاظت کرتا ہے اہل ایمان کی (کفار کے مکروہ فریب سے) بیشک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کسی دھوکا باز احسان فراموش کو"۔

روایت ہے کہ یہ مومنین کے سبب نازل ہوئی جب مکہ میں ان کی کثرت ہوئی تو کفار نے انہیں اذیتیں دیں اور بعض حبشہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، جلد 2، صفحہ 155

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، ما یستحب من الضحایا، جلد 2، صفحہ 30۔ ایضاً سنن ابن ماجہ، باب اضاحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، 3111

کی طرف ہجرت کر گئے اور بعض مومنین نے ارادہ کیا کہ جس کافر پر غالب آئیں اسے قتل کر دیں اور دھوکہ اور حیلہ سازی کی کوشش کریں تو یہ آیت نازل ہوئی اس میں اللہ تعالیٰ نے مدافعت کا وعدہ فرمایا اور خیانت وعذر سے بڑے بلیغ انداز میں منع فرمایا۔ دھوکہ دینے میں شدت سورۃ الانفال میں بھی گزر چکی ہے۔ ''قیامت کے روز دھوکہ دینے والے کے لیے اس کی سرین کے پاس ایک جھنڈا گاڑھا جائے گا جو اس کے دھوکا کی مقدار کا ہوگا'' (1)۔ کہا جائے گا: یہ فلاں کا دھوکہ ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ مومنین کو ہمیشہ توفیق عطا فرماتا رہے گا حتی کہ ایمان ان کے دلوں میں راسخ ہو جائے گا اور کفار ان کو اپنے دین سے پھیرنے پر قادر نہ ہوں گے اگرچہ اکراہ جاری رہے گا پس اللہ تعالیٰ انہیں محفوظ رکھے گا حتی کہ وہ دلوں سے مرتد نہ ہوں گے۔ بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حجت کے ذریعے مومنین کو بلندی عطا فرمائے گا پھر کسی کافر کا مومن کو قتل کرنا نادر ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اس مومن کا دفاع اس طرح کرے گا کہ اسے اپنی رحمت میں لے لے گا۔ نافع نے یدافع اور لولا دفاع پڑھا ہے۔ ابوعمرو، ابن کثیر نے یدفع اور ولولا دفع پڑھا ہے۔ عاصم، حمزہ اور کسائی نے یدافع اور لولا دفع اللہ پڑھا ہے۔ یدافع بمعنی یدفع ہے جیسے عاقبت اللص ہے اور عافاہ اللہ ہے مصدر دفعاً ہے۔ زہری نے حکایت کیا ہے کہ دفاعاً، دفع کا مصدر ہے جیسے حسب کا مصدر حساباً ہے۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ﴿۳۹﴾

''اذن دیا گیا ہے (جہاد کا) ان (مظلوموں) کو جن سے جنگ کی جاتی ہے اس بنا پر کہ ان پر ظلم کیا گیا اور بیشک اللہ تعالیٰ ان کی نصرت پر پوری طرح قادر ہے''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بعض علماء نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا بیان ہے یعنی اللہ تعالیٰ کفار کے گروہوں کو مومنین سے اس طرح دور کرے گا کہ انہیں کفار سے جہاد کرنے کی اجازت دے گا اور ان کی مدد کرے گا۔ اس میں اضمار ہے یعنی اجازت دے دی گئی ہے جنگ کی انہیں جو جنگ کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ پس کلام کو حذف کیا گیا کیونکہ موجودہ کلام محذوف کلام پر دلالت کر رہی ہے۔ ضحاک نے کہا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نے کفار سے جنگ کرنے کی اجازت طلب کی کیونکہ کفار نے مکہ میں انہیں اذیتیں دی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ جب ہجرت کی تو یہ آیت نازل ہوئی: اُذِنَ لِلَّذِیْنَ۔۔۔ الخ، یہ ناسخ ہے ہر اس حکم کے لیے جو قرآن میں اعراض اور ترک اور درگزر کرنے بارے میں آیا ہے یہ پہلی آیت ہے جو جہاد کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جبیر نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کے وقت نازل ہوئی (2)۔ نسائی اور ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکلے تو

1۔ جامع ترمذی، ابواب الفتن، جلد 2، صفحہ 42

2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 124۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ الحج، 3095

حضرت ابوبکر نے کہا: انہوں نے اپنے نبی کو نکالا ہے یہ ضرور ہلاک ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اُذِنَ لِلَّذِیْنَ۔۔۔ الخ، حضرت ابوبکر نے کہا: مجھے معلوم تھا قتال ضرور ہوگا۔ فرمایا: یہ حدیث حسن ہے بہت سے راویوں نے سفیان سے انہوں نے اعمش سے انہوں نے مسلم البطین سے انہوں نے سعید بن جبیر سے مرسلاً روایت کی ہے اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ اباحت شرع سے ہے جبکہ معتزلہ کا نظریہ اس کے خلاف ہے کیونکہ اُذِنَ کا معنی اُبیح ہے یہ لفظ ہر ممنوع چیز کی اباحت کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ یہ مفہوم سورۂ بقرہ اور دوسرے مقام پر گزر چکا ہے۔ یہ اذن ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی اللہ نے اجازت دی۔ یقاتلون تا کے کسرہ کے ساتھ ہے، یعنی مشرک ان سے لڑتے ہیں اور وہ مومنین ہیں اسی لیے فرمایا: بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا انہیں اپنے شہروں سے نکال کر ان پر ظلم کیا گیا۔

الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا ؕ وَ لَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝

"وہ (مظلوم) جن کو نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے ناحق صرف اتنی بات پر کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ بچاؤ نہ کرتا لوگوں کا انہیں ایک دوسرے سے ٹکرا کر تو (طاقتور کی غارتگری سے) منہدم ہو جاتیں خانقاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو ان (کے دین) کی مدد کرے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ قوت والا اور سب پر غالب ہے"۔

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ یہ ان کے مظالم میں سے ایک ظلم ہے کہ انہیں اس بات پر اپنے گھروں سے نکالا گیا کہ انہوں نے کہا: ہمارا پروردگار اللہ وحدہ ہے۔ اِلَّاۤ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ استثنا منقطع ہے یعنی لیکن ان کے ربنا اللہ کہنے کی وجہ سے: یہ سیبویہ کا قول ہے۔ فراء نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یہ محل جر میں ہو اس سے پہلے با مقدر ہو: یہ ابو اسحاق زجاج کا قول ہے۔ اس کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ انہیں بغیر حق کے ان کے گھروں سے نکالا گیا مگر یہ کہ انہوں نے کہا: ہمارا پروردگار اللہ ہے یعنی وہ توحید کی وجہ سے نکالے گئے بت پرستوں نے انہیں نکالا۔ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا، الذین یقاتلون سے بدل ہونے کی وجہ سے محل جر میں ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابن عربی نے کہا: ہمارے علماء نے کہا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بیعت عقبہ سے پہلے جنگ کی اجازت نہیں دی گئی تھی اور نہ ان کے لیے خون حلال کیے گئے تھے انہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنے اور اذیت پر صبر کرنے، جاہل

لوگوں سے درگزر کرنے کا دس سال تک حکم دیا گیا تھا تاکہ کافروں پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو جائے اور وہ وعدہ بھی وفا ہو جائے جو اس نے اپنے فضل سے احسان کرنے کا کیا ہے فرمایا: وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (الاسراء) لیکن لوگ سرکشی میں قائم رہے اور واضح برہان سے انہوں نے استدلال نہیں کیا قریش نے ان لوگوں پر ظلم کیا جنہوں نے آپ کی قوم سے آپ کی اتباع کی حتی کہ انہیں دین کے سلسلہ میں فتنہ میں مبتلا کیا اور انہیں اپنے شہروں سے نکال دیا۔ پس بعض لوگ حبشہ چلے گئے، بعض مدینہ چلے گئے، بعض اذیتوں پر صبر کرتے رہے۔ جب قریش نے اللہ تعالیٰ کے سامنے سرکشی کی اور اس کے حکم کو رد کیا اور اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا اور جو ایمان لائے اور اس کی وحدانیت کا اقرار کیا اور اس کی عبادت کی اور اس کے نبی کی تصدیق کی اور اپنے دین کی حفاظت کی انہیں انہوں نے تکالیف پہنچائیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ کرنے، دفاع کرنے اور مظلوموں کا انتقام لینے کی اجازت دی اور یہ حکم نازل فرمایا: اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۔۔۔۔ الْاُمُوْرِ۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ مجبور کے فعل کی نسبت مجبور کرنے والے کی طرف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اخراج کی نسبت کفار کی طرف کی ہے کیونکہ کلام ذنب (جرم) اور الزام جرم کے تقدیر کے معنی میں ہے یہ آیت اس آیت کی مثل ہے: اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (التوبہ: 40) ان دونوں آیات میں کلام ایک ہے۔ یہ سورۂ برأت میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ اگر اللہ تعالیٰ انبیاء کرام اور مومنین کے لیے دشمنوں اور اہل شرک سے قتال کو مشروع نہ فرماتا تو دیندار جو عبادت کی جگہیں بناتے یہ مشرک انہیں تباہ و برباد کر دیتے لیکن اس نے قتال کو واجب کر کے دفاع کیا تاکہ اہل دین عبادت کے لیے فارغ ہوں۔ پس جہاد پہلی امتوں میں بھی تھا اس کے ساتھ شرائع کی اصلاح ہوئی اور متعبدات جمع ہوئیں گویا فرمایا: قتال کی اجازت دی گئی ہے پس مومنوں کو قتال کرنا چاہیے پھر قتال میں یہ امر قوی ہوا۔ ارشاد فرمایا: وَ لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ ۔۔۔۔ الخ، یعنی اگر قتال اور جہاد نہ ہوتا تو ہر امت میں حق پر غلبہ کیا جاتا جو نصاریٰ اور صابئین جہاد کو پسند نہیں کرتے وہ اپنے مذہب کے مخالف ہیں کیونکہ اگر جہاد نہ ہوتا تو دین جس کا دفاع کیا جاتا ہے وہ باقی نہ ہوتا اور یہ جگہیں بھی نہ رہتیں جو ان کی تحریف اور تبدیلی سے پہلے اور اسلام کے ذریعے ان کی ملل کے نسخ سے پہلے بتائی گئی ہیں یہ اسی معنی کے لیے ذکر کیا گیا ہے اگر یہ دفاع نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہودیوں کے عبادت خانے گرائے جاتے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں عیسائیوں کے گرجے گرائے جاتے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مساجد گرائی جاتیں۔ لَّهُدِّمَتْ یہ هدمت البناء سے مشتق ہے یعنی میں نے عمارت کو توڑا تو وہ ٹوٹ گئی۔ ابن عطیہ نے کہا: جو کچھ اس آیت کی تاویل میں کہا گیا ہے اس میں سے یہ درست ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے کفار کو تابعین اور ان کے بعد والوں سے نہ روکتا۔ اس میں بھی اگرچہ ایک قوم کا دوسری قوم سے دفاع ہے مگر قتال کا معنی زیادہ مناسب ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ مجاہد نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ عادل لوگوں کی شہادت کے ساتھ قوم کے ظلم کو نہ روکتا۔ ایک جماعت نے کہا: والیوں کے عدل کے ساتھ اللہ تعالیٰ

ظالموں کے ظلم کو نہ روکتا۔ حضرت ابوالدرداء نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ مساجد میں رہنے والوں کی وجہ سے ان کا دفاع نہ کرتا تو مسجدوں میں نہ آتے اور جو جہاد کرتے ہیں ان کی وجہ سے دفاع نہ کرتا ان کا جو جہاد نہیں کرتے تو ان پر عذاب آجاتا۔ ایک جماعت نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ فضلاء اور نیکوکاروں کی دُعا سے عذاب کو نہ ٹالتا۔ اس کے علاوہ بھی اس آیت کے معنی کی تفسیر کی گئی ہے۔ یہ آیت تقاضا کرتی ہے کہ لوگوں کا دفاع کیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ ابن خویز منداد نے کہا: یہ آیت اپنے ضمن میں یہ مفہوم بھی رکھتی ہے کہ ذمیوں کی عبادت گاہوں، کلیسوں، گرجوں اور آتشکدوں کو گرانا منع ہے، لیکن انہیں یہ اجازت نہ ہوگی کہ وہ ان میں اضافہ کریں اور ان میں وسعت پیدا کریں اور ان کی عمارتوں کو بلند کریں اور مسلمانوں کے لیے ان کے گرجوں میں داخل ہونا اور ان میں نماز پڑھنا مناسب نہیں جب وہ کوئی تعمیر کریں تو اس کا توڑنا واجب ہے۔ اور بلاد حرب میں ان کے عبادت خانے اور کلیسے گرائے جائیں گے اور اسلام کے شہروں میں ذمیوں کے جو عبادت خانے ہوں گے انہیں نہیں گرایا جائے گا کیونکہ یہ ان کے گھروں اور اموال کے قائم مقام ہوں گے جس کی حفاظت کا معاہدہ کیا گیا ہے اور انہیں زیادتی کی قدرت نہیں دی جائے گی کیونکہ اس میں کفار کے اسباب کا ظہور ہے اور نئی تعمیر کے لیے مسجد کو گرانا جائز ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی تعمیر دوبارہ کی تھی۔

مسئلہ نمبر 6۔ لَّهُدِّمَتْ دال کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ پڑھایا گیا ہے۔ صوامع جمع ہے صومعۃ کی اس کا وزن فوعلۃ ہے ایسی عمارت جو بلند ہو اور پر والا حصہ مضبوط ہو۔ کہا جاتا ہے: صمع الثرید یعنی اس نے اس کا سر اٹھایا اور مضبوط اور تیز کیا۔ رجل اصمع القلب جس کی ذہانت تیز ہو۔ الاصمع من الرجال جس کی بات مضبوط ہو۔ بعض نے کہا: وہ شخص جس کے کان چھوٹے ہوں۔ پہلے صومعہ کا لفظ نصاریٰ کے راہبوں اور صابئین کے عبادت گزاروں کے لیے استعمال ہوتا تھا پھر یہ مسلمانوں کے آذان دینے کی جگہ کے لیے استعمال ہونے لگا۔ البیع جمع ہے بیعۃ کی۔ نصاریٰ کا کنیسہ۔ طبری نے کہا: یہود کے کنائس ہیں پھر انہوں نے مجاہد سے ایسی چیز روایت کر کے داخل کی جو اس کا تقاضا نہیں کرتی۔ صلوات، زجاج اور حسن نے کہا: یہ یہود کے کنائس ہیں۔ عبرانی زبان میں انہیں صلوتا کہا جاتا ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا: الصلوات سے مراد وہ گھر ہیں جو نصاریٰ صحرائی جگہوں میں بناتے تھے جن میں وہ اپنے سفروں میں عبادت کرتے تھے۔ انہیں صلوتا کہا جاتا تھا۔ پھر یہ عربی بنایا گیا اور صلوات کہا گیا۔ صلوات میں نو قرأتیں ہیں جن کو ابن عطیہ نے ذکر کیا ہے۔ صُلُوات، صِلْوات، صُلُولی بروزن فعولی، صُلُوب باء کے ساتھ جمع صلیب، صلوث ثاء کے ساتھ بروزن فعول۔ صلوات صاد اور لام کے ضمہ کے ساتھ واؤ کے بعد الف ہے۔ صلوثا صاد اور لام کے ضمہ کے ساتھ اور ثاء کے بعد الف مقصورہ۔ صِلْویثا صاد کے کسرہ اور لام کے سکون کے ساتھ اور واؤ مکسورہ جس کے بعد یاء ہے پھر ثا ہے پھر الف ہے اور نحاس نے ذکر کیا ہے اور عاصم جحدری سے مروی ہے کہ انہوں نے وصلوت پڑھا ہے(1)۔ ضحاک سے مروی ہے کہ انہوں نے وَصَلُوث (ثاء کے ساتھ) پڑھا ہے۔ اور مجھے معلوم نہیں صاد پر فتحہ پڑھا ہے یا ضمہ پڑھا ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 125

میں کہتا ہوں: اس طرح کل یہاں بارہ قراءتیں ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الصلوات سے مراد کنائس ہیں۔ ابو العالیہ نے کہا: الصائبون کی مساجد ہیں۔ ابن زید نے کہا: یہ مسلمانوں کی نمازیں ہیں، جب ان کی مساجد میں دشمن داخل ہوتا ہے اور وہ مساجد کو گرادیتا ہے تو ان میں عبادت کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے؛ اسی وجہ سے صلوات کے لیے ھدم کا لفظ استعارۃً استعمال کیا گیا ہے، ان کے تعطل کی وجہ سے یا صلوات کی جگہ مراد ہے پس مضاف کو حذف کیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور زجاج کے قول کے مطابق ھدم حقیقۃً ہوگا۔ حسن نے کہا: ھدم الصلوت سے مراد نمازوں کا ترک کرنا ہے۔ قطرب نے کہا: یہ چھوٹے کلیسے ہیں۔ اس کا واحد نہیں ہے۔ خصیف نے کہا: ان اسماء سے مقصود ام کی متعبدات کی تقسیم ہے۔ پس صوامع یہود کے راہبوں کے لیے ہیں اور البیع نصاریٰ کے لیے ہیں۔ الصلوات یہود کے لیے ہیں۔ مساجد مسلمانوں کے لیے ہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: اظہر یہ ہے کہ ان سے متعبدات کے ذکر میں مبالغہ کا قصد کیا گیا ہے۔ یہ اسماء اپنے مسمات میں امتوں میں مشترک ہیں جن کے پاس کتابیں تھیں۔ اس آیت میں مجوس کا ذکر نہیں کیا اور نہ مشرکوں کا ذکر کیا کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے لیے کوئی ایسی چیز نہیں جس کی حمایت ثابت ہو اور اللہ کا ذکر صرف اہل شرائع کے پاس ہوتا ہے۔ نحاس نے کہا: یُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ حقیقت میں نظر کرنے سے کلام عرب سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ فیھا کی ضمیر کا مرجع مساجد ہیں کیونکہ ضمیر ان کے ساتھ متصل ہے اور اس کو صوامع اور اس کے مابعد کی طرف لوٹانا بھی جائز ہے معنی ہو ان کی شرائع کے وقت اور ان کے حق کو قائم کرنے کے وقت۔

مسئلہ نمبر 7۔ اگر یہ کہا جائے کہ ذمیوں کی مساجد کو مسلمانوں کی مساجد سے پہلے کیوں ذکر کیا گیا ہے تو کہا جائے گا کہ وہ بنا میں مقدم ہیں۔ بعض نے کہا: ان کی مساجد ھدم کے قریب ہیں اور مسلمانوں کی مساجد ذکر کے قریب ہیں جیسا کہ سابق کو مؤخر کیا گیا ہے اس قول میں فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ (فاطر: 32)

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ یعنی جو اللہ کے دین اور اللہ کے نبی کی مدد کرے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ یعنی اللہ تعالیٰ قادر ہے۔ خطابی نے کہا: القوی بمعنی القادر ہے یہ قوی علی شئی سے مشتق ہے جس کا معنی ہے وہ اس چیز پر قادر ہے۔ عزیز جلیل، شریف؛ یہ زجاج کا قول ہے۔ بعض نے کہا: اتنا محفوظ اور مضبوط جس کا قصد نہ کیا جا سکے۔ ہم نے اپنی کتاب ''الکتاب الاسنی فی شرح الاسماء الحسنیٰ'' میں ان دونوں اسماء کو بیان کیا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾

''وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں اقتدار بخشیں زمین میں تو وہ صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور حکم کرتے ہیں (لوگوں کو) نیکی کا اور روکتے ہیں (انہیں) برائی سے اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہے سارے کاموں کا انجام''۔

زجاج نے کہا: اَلَّذِيْنَ محل نصب میں ہے اس کا تعلق من کے ساتھ ہے جو من ینصرہ میں ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: محل جر میں ہے انہوں نے اس کا تعلق اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ سے ہے اور اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ سے مراد نبی

پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چار یار ہیں زمین میں ان کے علاوہ کوئی نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد مہاجرین، انصار اور تابعون باحسان ہیں۔ قتادہ نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مراد ہیں۔ عکرمہ نے کہا: وہ پانچ وقت کی نمازیں ادا کرنے والے ہیں۔ حسن اور ابوالعالیہ نے کہا: اس سے مراد یہ امت ہے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرمائی تو انہوں نے نماز کو قائم کیا۔ ابن ابی نجیح نے کہا: اس سے مراد والی ہیں۔ ضحاک نے کہا: یہ شرط ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر لگائی جن کو ملک عطا فرماتا ہے؛ یہ عمدہ قول ہے۔ حضرت سہل بن عبداللہ نے کہا: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سلطان پر اور علماء پر واجب ہے اور لوگوں پر واجب نہیں کہ وہ سلطان کو حکم دیں کیونکہ یہ اس کے لیے لازم ہے اس پر واجب ہے اور لوگ علماء کو حکم نہ دیں کیونکہ حجت ان پر ثابت ہو چکی ہے۔

وَ اِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ عَادٌ وَّ ثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَ قَوْمُ اِبْرٰهِیْمَ وَ قَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّ اَصْحٰبُ مَدْیَنَ ۚ وَ كُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَیْتُ لِلْكٰفِرِیْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴿۴۴﴾

"اور اگر یہ کفار آپ کو جھٹلاتے ہیں (تو کیا تعجب ہے) پس جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم نوح نے اور عاد و ثمود نے اور قوم ابراہیم نے اور قوم لوط نے اور مدین کے رہنے والوں نے (اپنے اپنے نبیوں کو) اور جھٹلائے گئے موسیٰ بھی تو (کچھ عرصہ) میں نے مہلت دی ان کفار کو (جب وہ باز نہ آئے) تو میں نے انہیں پکڑا (خود ہی بتاؤ) کتنا خوفناک تھا میرا عذاب"۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے یعنی آپ سے پہلے انبیاء بھی جھٹلائے گئے پس انہوں نے صبر کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے جھٹلانے والوں کو ہلاک کر دیا آپ ان کی اقتدا کریں اور صبر کریں۔ وَ كُذِّبَ مُوْسٰى فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا رہے بنو اسرائیل تو انہوں نے آپ کو نہ جھٹلایا اسی وجہ سے اس کا ماقبل پر عطف نہیں کیا ورنہ ہوتا وقوم موسیٰ، فَاَمْلَیْتُ لِلْكٰفِرِیْنَ یعنی سزا کو ان سے مؤخر کیا گیا۔ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ پھر میں نے انہیں سزا دی۔ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴿۴۴﴾ استفہام بمعنی تغییر ہے یعنی دیکھو کیسے میں نے ان نعمتوں کو عذاب اور ہلاک کے ساتھ بدلا تھا جن نعمتوں میں وہ تھے، اسی طرح میں قریش کے مکذبین کے ساتھ کروں گا۔ جوہری نے کہا: النکیر والانکار کا مطلب ہے برائی کو تبدیل کرنا۔ منکر واحد ہے مناکیر کا۔

فَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَ هِیَ ظَالِمَةٌ فَهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصْرٍ مَّشِیْدٍ ﴿۴۵﴾

"پس کتنی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے تہہ و بالا کر ڈالا کیونکہ وہ ظالم تھیں تو اب وہ گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر اور کتنے کنویں ہیں جو بیکار ہو چکے ہیں اور کتنے چونے سے بنے ہوئے مضبوط محل ہیں (جو ویران پڑے ہیں)"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا یعنی ان بستیوں والوں کو ہلاک کر دیا۔ فَكَاَيِّنْ کے بارے میں کلام سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ وَهِيَ ظَالِمَةٌ کفر کر کے ظلم کرنے والے تھے۔ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا یہ سورۃ الکہف میں گزر چکا ہے۔ وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ۞ زجاج نے کہا: وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ، مِّنْ قَرْيَةٍ پر معطوف ہے یعنی من اهل قریة و من اهل بئر۔ فراء کا خیال ہے کہ بئر، عروشها پر معطوف ہے۔ اصمعی نے کہا: میں نے نافع بن ابی نعیم سے پوچھا: کیا البئر اور الذئب کو ہمزہ دیا جائے گا؟ تو انہوں نے کہا: اگر عرب ہمزہ دیتے تھے تو تو بھی انہیں ہمزہ دے۔ نافع سے اکثر راویوں نے ہمزہ کے ساتھ روایت کیا ہے مگر ورش کی ان سے بغیر ہمزہ کے روایت ہے۔ اصل ہمزہ ہے۔ معطلة کا معنی متروكة ہے۔ ضحاک نے یہ کہا ہے۔ بعض نے کہا: جو ہلاکت کی وجہ سے اہل سے خالی ہو۔ بعض نے فرمایا: جس کا پانی نیچے چلا گیا ہو۔ بعض نے کہا: جو ڈول اور رسیوں سے خالی ہو۔ مفہوم متقارب ہیں۔ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ قتادہ، ضحاک اور مقاتل نے کہا: بلند طویل محل۔

عدی بن زید نے کہا:

شاده مَرْمَرًا وجَلَّله كِلْ　سًا فللطير في ذُراهُ وُكور(1)

یعنی اس کو بلند کیا۔ سعید بن جبیر، عطا، عکرمہ اور مجاہد نے کہا: مشید کا معنی ہے جس پر چونے سے پلستر کیا گیا ہو۔ الشید سے مشتق ہے جس کا مطلب چونا ہے۔ راجز نے کہا:

لا تَحْسَبَنِّي وإن كنت أمرأ غَمِرًا　كحية الماء بين الطين والشِّيد

اور امرء القیس نے کہا:

ولا أُطُمًا إلا مَشيدًا بِجَنْدَل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مشید سے مراد مضبوط ہے۔ کلبی نے یہ کہا ہے یہ مَفْعِل بمعنی مفعول ہے جیسے مبيع بمعنی مبيوع ہے۔ جوہری نے کہا: المشید جو چونے سے بنایا گیا ہو۔ الشید شین کے کسرہ کے ساتھ چونا، سیمنٹ وغیرہ میں سے جس کے ساتھ دیوار کی لپائی کی گئی ہو۔ شین کے فتحہ کے ساتھ ہو تو مصدر ہے۔ تو کہتا ہے: شَادَ يَشِيدُ شيدًا، چونا وغیرہ سے پختہ کرنا۔ المشید تشدید کے ساتھ۔ اس کا معنی ہے طویل۔ کسائی نے کہا: المشید واحد کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ اور المشيد جمع کے لیے ہے جو اس قول سے ہے: فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ (النساء: 78) کلام میں اضمار ہے۔ تقدیر یوں ہے: قصر مشيد مثلها معطل۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کنواں اور محل حضر موت میں معروف تھے۔ محل پہاڑ کی چوٹی پر تھا اس تک کسی حال میں پہنچا نہیں جا سکتا تھا اور اس کنویں میں جو کوئی چیز گرتی تھی ہوا اسے ٹھہرنے نہیں دیتی تھی بلکہ اسے نکال دیتی تھی۔ محلوں والے شہروں کے بادشاہ اور کنوؤں والے دیہاتوں کے بادشاہ ہم نے سب کو ہلاک کر دیا۔ ضحاک وغیرہ نے وہ سب کچھ ذکر کیا ہے جو ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ اور جو ابو بکر محمد بن حسن مقری وغیرہما نے ذکر کیا ہے کہ البئر، الرس یہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 127

یمن کے علاقہ حضرموت میں عدن کے مقام پر تھا یہ اس شہر میں تھا جسے حضوراء کہا جاتا تھا۔ اس پر چار ہزار ایماندار ایک صالح آدمی کے ساتھ اترے تھے اور انہوں نے عذاب سے نجات پائی تھی اور ان کے ساتھ صالح آدمی تھا پھر وہ صالح شخص فوت ہو گیا تو اس جگہ کا نام رکھا گیا کیونکہ صالح آدمی وہ حاضر ہوا اور فوت ہو گیا پس انہوں نے حضوراء بنایا اور اس کنویں پر بیٹھ گئے انہوں نے اپنے اوپر ایک امیر بنایا جن کو علس بن جلاس بن سوید کہا جاتا تھا جیسا کہ غزنوی نے ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے کہا: علس بن جلاس تھا وہ ان میں بڑی اچھی سیرت کا مالک تھا اور عادل تھا انہوں نے اس کا وزیر سنحاریب بن سوادہ کو بنایا وہ کچھ زمانہ ٹھہرے رہے ان کی نسل بڑھتی رہی حتی کہ وہ کثیر ہو گئے۔ اور وہ کنواں شہر والوں اور دیہات والوں کو سیراب کرتا تھا۔ جانور، بکریاں، گائیں سب اس سے پانی پیتے تھے اور کنویں کی بہت سی زمینیں تھیں جو اس کنویں سے منسوب تھیں اور بہت سے لوگ اس پر مقرر تھے اور وہاں مختلف حوض بنے ہوئے تھے۔ ایک سے لوگ پیتے تھے، دوسرے سے جانور پیتے تھے، تیسرے سے گائیں پیتی تھیں، چوتھے سے بکریاں پیتی تھیں۔ صبح و شام نگران پانی پلاتے رہتے تھے اور لوگ آتے جاتے تھے کیونکہ وہاں اور کوئی پانی نہیں تھا۔ جس کو انہوں نے بادشاہ بنایا تھا اس کی عمر لمبی ہوئی جب اس پر موت آئی تو اسے تیل لگایا گیا تا کہ اس کی صورت باقی رہے اور تبدیل نہ ہو۔ وہ اسی طرح کرتے تھے جب بھی ان کا کوئی شخص فوت ہوتا اور ان کے ہاں وہ معزز ہوتا۔ جب وہ فوت ہوا تو لوگوں پر بہت شاق گزرا انہوں نے دیکھا کہ ان کا معاملہ خراب ہو گیا ہے وہ زور زور سے رونے لگے۔ شیطان نے موقع غنیمت جانا تو بادشاہ کے جثہ میں کئی دن داخل رہا اور لوگوں سے کلام کرتا رہا اور کہا: میں مرا نہیں ہوں لیکن میں تم سے غیب ہوا ہوں تا کہ میں تمہارا عمل دیکھوں، تو لوگ بہت خوش ہوئے۔ اس نے خاص لوگوں کو حکم دیا کہ اس کے لیے ایک حجاب بناؤ جو اس کے اور لوگوں کے درمیان ہو اور وہ لوگوں سے اس حجاب کے پیچھے سے کلام کرے گا تا کہ موت اس کی صورت میں نہ پہچانی جائے۔ پس انہوں نے ایک پردے کے پیچھے بت نصب کر دیا جو نہ کھاتا تھا، نہ پیتا تھا اس نے انہیں بتایا کہ وہ کبھی فوت نہیں ہوگا اور وہ ان کا خدا ہے۔ یہ سب کچھ شیطان بولتا تھا انمیں سے اکثر لوگوں نے اس کی تصدیق کی اور بعض نے شک کیا۔ ان میں سے اسے جھٹلانے والے مومن کم تھے، تصدیق کرنے والے زیادہ تھے۔ جب وہ کلام کرتا تو ان کا ناصح زجر و توبیخ کرتا تھا پس وہ اس کی عبادت پر جمع ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ایک نبی بھیجا اس پر خواب میں وحی اترتی تھی، بیداری میں نہیں آتی تھی۔ اس کا نام حضرت حنظلہ بن صفوان تھا۔ اس نے انہیں بتایا کہ صورت صنم کی ہے اس میں روح نہیں اور بادشاہ کے لیے اللہ کا شریک ہونا جائز نہیں اس نے انہیں وعظ و نصیحت کی اور انہیں اپنے رب کی سطوت اور عذاب سے ڈرایا لیکن انہوں نے اسے تکلیف پہنچائی اور اس کے دشمن بن گئے۔ وہ انہیں وعظ و نصیحت کا اہتمام کرتے تھے اور ہمیشہ انہیں نصیحت کرتے تھے حتی کہ ان بدبختوں نے اسے بازار میں قتل کر ڈالا اور اسے کنویں میں پھینک دیا۔ اس وقت ان پر عذاب آیا۔ انہوں نے رات کو سیر ہو کر کھانا کھایا اور خوب پانی پیا۔ صبح ہوئی تو کنویں کا پانی نیچے جا چکا تھا اور اس کی رسی بیکار ہو چکی تھی وہ سب چیخے اور عورتیں اور بچے چلائے، جانور پیاس کی وجہ سے آوازیں نکالنے لگے حتی کہ موت اور ہلاکت عام ہو گئی اور ان کی زمینوں میں درندے ان کے خلیفے بن گئے ان کی منازل میں لومڑ اور بجو تھے ان کے باغات اور اموال بیکار درخت

بن گئے اور کانٹے دار درخت بن گئے وہاں جنوں کی آواز اور شیروں کی گرج سنائی دیتی تھی۔ نعوذ باللہ من سطواتہ اور ایسے اصرار سے ہم پناہ مانگتے ہیں جو عذاب کا موجب ہو۔ سہیلی نے کہا: پختہ محل یہ وہ محل تھا جسے شداد بن عاد بن ارم نے بنایا تھا۔ زمین پر اس کی مثل پہلے نہیں بنایا تھا جیسا کہ ذکر کیا جاتا ہے اور خیال کیا جاتا ہے۔ اس کی حالت بھی اس کے بعد وحشت میں، آبادی کے بعد چٹیل میدان ہونے میں مذکورہ کنویں کی طرح تھی کوئی شخص اس کے قریب نہیں آسکتا تھا کیونکہ اس میں نعمتوں اور خوشحال زندگی، بادشاہ کی رونق اور لوگوں کے انتظام کے بعد جنوں کی آوازیں اور ناپسندیدہ آوازیں سنی گئیں۔ پس وہ ہلاک ہوگئے اور مٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔ بطور موعظہ اور عبرت اور نصیحت اور اس نے معصیت کے نقصان اور مخالفت کے برے انجام سے ڈرایا ہے۔ ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں اور برے انجام سے پناہ مانگتے ہیں۔ بعض نے کہا: جس نے انہیں ہلاک کیا تھا وہ بخت نصر تھا جیسا کہ سورۂ انبیاء میں: كَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ (الانبیاء: 11) کے تحت گزرا ہے۔ کنواں بیکار اور محل خراب ہوگیا۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۖ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿٤٦﴾

”کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ (ان کھنڈرات کو دیکھ کر) ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے وہ (حق کو) سمجھ سکتے اور کان ایسے ہو جاتے جن سے نصیحت سن سکتے حقیقت تو یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ یعنی کفار مکہ ان اجڑی بستیوں کو نہیں دیکھتے ہیں تاکہ نصیحت حاصل کریں اور ڈریں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کہ کہیں ان پر بھی وہ نازل نہ ہو جائے جو ان سے پہلے لوگوں پر نازل ہوا تھا۔ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا سمجھنے کی نسبت قلب کی طرف کی کیونکہ سمجھ کا محل وہی ہے جس طرح سننے کا محل کان ہے۔ بعض علماء نے کہا: سمجھنے کا محل دماغ ہے اور امام ابوحنیفہ سے مروی ہے اور جو ان سے مروی ہے صحیح ہے فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ فراء نے کہا: ہاء عماد ہے یہ بھی جائز ہے کہ فانہ کہا جائے؛ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت ہے۔ معنی ایک ہی ہے مذکر خبر کی بنا پر ہے اور تانیث ابصار یا قصہ کی بنا پر ہے یعنی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں یا فان القصة، لا تعمى الأبصار آنکھوں کی بصارت تو ان کے لیے ثابت ہے۔ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿٤٦﴾ بلکہ دل حق کے ادراک اور عبرت حاصل کرنے سے اندھے ہیں۔ قتادہ نے کہا: دیکھنے والی نظر تو کفایت کرنے والی اور منفعت ہے اور نفع بخش نظر دل میں ہے۔ مجاہد نے کہا: ہر آنکھ کے لیے چار آنکھیں ہیں یعنی ہر انسان کے لیے چار آنکھیں ہیں دو آنکھیں دنیا میں اس کے سر میں ہیں اور دو آنکھیں آخرت میں اس کے دل میں ہوں گی جب سر کی آنکھیں اندھی ہوتی ہیں اور دل کی آنکھیں بینا ہوتی ہیں تو اس کا ظاہری آنکھوں سے اندھا ہونا کچھ نقصان نہیں دیتا اور اگر سر کی آنکھیں دیکھیں اور دل کی آنکھیں اندھی ہوں (1) تو اس کا دیکھنا نفع

1۔ النکت والعیون، ماوردی، جلد 4، صفحہ 32

نہیں دیتا۔ قتادہ اور ابن جبیر نے کہا: یہ آیت حضرت عبداللہ بن ام مکتوم نابینا صحابی کے متعلق نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل نے کہا: جب وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى (الاسراء: 72) نازل ہوئی تو ابن ام مکتوم نے کہا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں دنیا میں نابینا ہوں کیا میں آخرت میں بھی نابینا ہوں گا تو یہ آیت فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ۔۔۔الخ، نازل ہوئی یعنی جو اس دنیا میں اپنے دل سے اسلام سے نابینا رہا وہ آخرت میں دوزخ میں ہوگا۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝

''یہ لوگ جلدی مانگ رہے ہیں آپ سے عذاب (یہ تسلی رکھیں) اللہ تعالیٰ خلاف ورزی نہیں کرے گا اپنے وعدہ کی اور بیشک ایک دن تیرے رب کے ہاں ایک ہزار سال کی طرح ہوتا ہے جس حساب سے تم گنتی کرتے ہو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ یہ نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی اور اس نے کہا تھا: فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (الاعراف)

بعض علماء نے کہا: یہ ابوجہل بن ہشام کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس نے کہا: اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ (الانفال: 32) وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ یعنی عذاب کے نازل کرنے کا وعدہ جو کیا ہے اس میں خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ زجاج نے کہا: انہوں نے عذاب کو جلدی طلب کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ کوئی چیز اس سے فوت نہ ہوگی۔ دنیا میں بدر کے دن ان پر عذاب نازل ہو بھی چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: یعنی ان ایام میں سے جن میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا۔ عکرمہ نے کہا: یعنی آخرت کے دنوں میں سے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ جب انہوں نے چھوٹے ایام میں عذاب کا مطالبہ کیا ہے تو وہ انہیں بڑے ایام میں عذاب دے گا۔ فراء نے کہا: یہ انہیں آخرت میں طویل عذاب کی وعید سنائی جاری رہی ہے یعنی آخرت میں ان کے عذاب کے دنوں میں سے ہر دن ہزار سال کا ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے آخرت میں شدت اور خوف میں ہر دن دنیا کے سال میں سے ہزار سال کی طرح ہوگا۔ اس میں خوف اور شدت ہوگی۔ اسی طرح نعمتوں کے دن کو قیاس کرلو۔ ابن کثیر، حمزہ اور کسائی نے مِّمَّا تَعُدُّوْنَ پڑھا ہے، یعنی یا کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبید نے وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ کے قول کی وجہ سے یعدون کو پسند کیا ہے۔ باقی قراء نے تا کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابوحاتم نے اس کو اختیار کیا ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝

''اور کتنی بستیاں تھیں جنہیں میں نے (کافی عرصہ) ڈھیل دی حالانکہ وہ ظالم تھیں پھر (بھی جب وہ باز نہ آئے) تو میں نے انہیں پکڑ لیا اور میری طرف ہی (سب کو) لوٹنا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا باوجود سرکشی کے انہیں میں نے مہلت دی۔ ثُمَّ اَخَذْتُهَا پھر میں نے انہیں عذاب کے ساتھ پکڑ لیا۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۹﴾ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۵۰﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾

"(اے حبیب!) آپ فرمائیے: اے لوگو! پس میں تو تمہیں (عذاب الٰہی سے) کھلا ڈرانیوالا ہوں۔ سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے تو ان کے لیے مغفرت بھی ہے اور باعزت روزی بھی۔ اور جو لوگ کوشش کرتے رہے ہماری آیتوں (کی تردید) میں اس خیال سے کہ وہ ہمیں ہرا دیں گے یہی لوگ دوزخی ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ، النَّاسُ سے مراد اہل مکہ ہیں۔ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ، نَذِيْرٌ بمعنی منذر اور مخوف (ڈرانے والا) ہے۔ انذار کا معنی سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا ہے۔ مُّبِيْنٌ ﴿۴۹﴾ یعنی دینی معاملات میں سے جس کی تمہیں ضرورت ہوتی ہے میں تمہارے لیے اسے بیان کرنے والا ہوں۔ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۵۰﴾ سے مراد جنت ہے۔ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا وہ لوگ جو ہماری آیات کو باطل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ معاجزین غلبہ پانے کے لیے جنگ کرنے کے لیے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ فراء نے کہا: اس کا معنی ہے دشمنی کرتے ہوئے۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر نے کہا: اسلام سے باز رکھنے والے تھے۔ اخفش نے کہا: معاندین مسابقین۔ زجاج نے کہا: یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ ہمیں عاجز کر دیں گے کیونکہ ان کا گمان تھا کہ دوبارہ اٹھنا نہیں ہوگا اور انہوں نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ ان پر قادر نہ ہوگا؛ یہ قتادہ کا قول ہے اسی طرح ابن کثیر اور ابو عمرو کی قرات معجزین کا معنی ہے انہوں نے الف کے بغیر جیم کی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ معنی بھی جائز ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آیات پر ایمان لانے میں مومنین کو عاجز کرتے تھے؛ یہ سدی کا قول ہے۔ بعض نے کہا: جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتا تھا اسے وہ عجز کی طرف منسوب کرتے تھے جیسے ان کا قول ہے جهلته وفسقته میں نے اسے جہالت اور فسق کی طرف منسوب کیا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾

"اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہ کوئی نبی مگر اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب اس نے کچھ پڑھا تو ڈال دیئے شیطان نے اس کے پڑھنے میں (شکوک) پس مٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ جو وہ دخل اندازی کرتا ہے پھر پختہ کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے"۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَمَنّٰى اس کا معنی ہے پڑھا، تلاوت کیا۔ اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِيَّتِهٖ اس کی قرأت اور تلاوت میں شیطان ڈالتا ہے۔ یہ مفہوم سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ اس طرح پڑھتے تھے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ ولا محدث؛ یہ مسلمہ بن قاسم بن عبداللہ نے ذکر کیا ہے اور اس کو سفیان نے عمرو بن دینار سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ مسلمہ نے کہا: ہم نے محدثین کو پایا کہ نبوت کو وہ مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہوتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت پر کیونکہ وہ بڑے بڑے امور کے متعلق خطرات کی باتیں کرتے تھے اور باطنی حکمت کے ساتھ بولتے تھے پس جو انہوں نے بات کی صحیح کی اور جو انہوں نے کہا: اس میں غلطی سے محفوظ رہے جیسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ساریہ کے واقعہ کو اور دوسرے دلائل عالیہ کو بیان کیا۔

میں کہتا ہوں: اس واقعہ کو ابو بکر انباری نے اپنی کتاب ''الرد'' میں ذکر کیا ہے۔ فرمایا: مجھے میرے باپ نے بتایا انہوں نے کہا مجھے علی بن حرب نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں سفیان بن عیینہ نے بتایا انہوں نے عمرو سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اس طرح پڑھا۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ ولا محدث۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا المحدث وہ ہوتا ہے جسے خواب میں وحی کی جاتی ہے اور انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ علماء نے فرمایا: یہ آیت دو اعتبار سے مشکل ہے۔

ا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ انبیاء کرام کچھ تو مرسل ہوتے ہیں اور کچھ ان میں غیر مرسل ہوتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ کسی کو نبی کہنا جائز نہیں حتی کہ وہ مرسل ہو۔ اس کی صحت پر دلیل یہ ارشاد ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رسالت کو ثابت کیا اور نبی کا معنی ہے انبأ عن اللہ عزوجل اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی اور انبأ عن اللہ عزوجل کا معنی ہے الا رسال۔ فراء نے کہا: رسول وہ ہوتا ہے جو مخلوق کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ اس کے پاس جبریل کو بھیجا جاتا ہے جسے وہ سامنے دیکھتا ہے۔ اور نبی وہ ہوتا ہے جس کی نبوت الہامی ہوتی ہے۔ پس ہر رسول نبی ہوتا ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ اسی طرح قاضی عیاض نے الشفاء میں ذکر کیا ہے۔ صحیح اور جس پر علماء کا جم غفیر ہے وہ یہ ہے کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے اور ہر نبی رسول نہیں ہوتا انہوں نے حضرت ابوذر کی حدیث سے حجت پکڑی ہے۔ اور رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ ہے۔ پہلے ان میں سے حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آخری حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور دوسری جہت جس میں اشکال ہے وہ یہ ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس آیت کے نزول میں احادیث مروی ہیں جن میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے ایسی چیز جس کے ساتھ کفار نے عوام کو پریشان کیا ان کا یہ قول ہے کہ انبیاء کا حق یہ ہے کہ وہ کسی چیز سے عاجز نہ ہوں تو پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر عذاب کیوں نہیں لاتے، حالانکہ ہم نے ان کی دشمنی میں مبالغہ کیا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ مناسب ہے کہ ان پر سہو اور غلطی جاری نہ ہو۔ پس رب تعالیٰ نے بیان کیا کہ وہ بشر ہیں اور عذاب لانے والا اللہ تعالیٰ ہے جیسا وہ چاہتا ہے اور بشر پر سہو، نسیان اور غلطی کا امکان جائز ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو پختہ کرتا ہے اور شیطان کی مکاریوں کو مٹاتا ہے۔ لیث نے یونس

سے انہوں نے زہری سے انہوں نے حضرت ابو بکر بن عبد الرحمن بن محارث بن ہشام سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات پڑھیں: وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝ (النجم) جب آپ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰى ۝ وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝ (النجم) پر پہنچے تو بھول گئے اور آپ نے پڑھا: إن شفاعتهم ترتجىٰ آپ کو مشرکین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض تھا ملے، آپ کو سلام کیا اور خوش ہوئے اور کہا: یہ شیطان کی طرف سے ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ، نحاس نے کہا: یہ حدیث منقطع ہے اس میں ایک بڑا امر ہے۔ اسی طرح قتادہ کی حدیث ہے اس میں یہ زائد ہے وانهن لهن الغرانيق العلا اس سے خوفناک وہ ہے جو واقدی نے کثیر بن زید سے انہوں نے مطلب بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: تمام مشرکوں نے سجدہ کیا سوائے ولید بن مغیرہ کے اس نے زمین سے مٹی اٹھائی اور اپنی پیشانی تک اسے بلند کیا اور اس پر سجدہ کیا وہ ایک بوڑھا شخص تھا اور اسے ابو حیحہ سعید بن عاص کہا جاتا تھا حتی کہ جبریل امین نازل ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر پڑھا تو اس نے کہا: میں تو یہ نہیں لایا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝ (الاسراء) نحاس نے کہا: یہ حدیث منکر منقطع ہے خصوصاً حدیث واقدی اور بخاری میں ہے کہ وہ جس نے مٹی کی مٹھی بھری تھی اور پیشانی کی طرف بلند کی تھی وہ امیہ بن خلف تھا۔ حدیث پر نحاس کی مکمل کلام آئے باب کے آخر میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ وہ حدیث ہے جس میں ھی الغرانیق ہے۔ کتب تفسیر میں واقع ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی کتب میں داخل نہیں کیا اور نہ کسی مشہور علمی مصنف نے اس کو ذکر کیا۔ اہل حدیث کا مذہب یہ تقاضا کرتا ہے کہ شیطان نے کچھ ڈالا۔ وہ اس سب کو اور اس کے علاوہ سب کو متعین نہیں کرتے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ شیطان کا القا الفاظ مسموعہ کے ساتھ تھا جن کی وجہ سے فتنہ ہوا۔ پھر لوگوں کا اس القا کی صورت میں اختلاف ہے جو کچھ تفاسیر میں ہے اور جو مشہور قول ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کے ساتھ اپنی زبان پر کلام کی۔ اور مجھے میرے باپ نے بتایا کہ وہ مشرق میں علماء و متکلمین کے شیوخ سے ملا۔ جنہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ جائز نہیں وہ تبلیغ میں معصوم تھے۔ معاملہ یہ ہے کہ شیطان نے یہ لفظ بولے اور کفار کو اس وقت سنائے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝ (النجم) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے قریب کیا حتی کہ مشرکین پر معاملہ ملتبس ہو گیا انہوں نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پڑھا ہے۔ اسی تاویل کی طرح امام المعالی سے بھی مروی ہے۔ بعض نے کہا: جس نے ڈالا وہ انسانوں کا شیطان تھا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالْغَوْا فِيْهِ (فصلت:26) قتادہ نے کہا: یہ وہ ہے جو اونگھتے ہوئے پڑھا تھا۔ قاضی عیاض نے کتاب الشفاء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر دلیل ذکر کرنے کے بعد یہ کہا ہے کہ امت کا اجماع ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم طریقہ تبلیغ میں معصوم تھے یعنی جس شرعی مسئلہ کی خبر دیتے تھے اس میں قصداً، عمداً، سہواً، غلطاً کوئی کمی بیشی واقع نہیں ہوتی تھی بخلاف اس کے جس پر آپ تھے (یعنی بتقاضائے شریعت عوارض بشریہ لاحق ہوتے تھے) اللہ تعالیٰ آپ کو عزت دے۔ ہمارے لیے اس کلام میں اس حدیث کے مشکل پر دو ماخذ ہیں۔ ایک اس کی اصل کی توہین میں اور دوسرا اس کے تسلیم پر۔ ماخذ اول یہ ہے کہ تیرے لیے کافی ہے کہ یہ حدیث ایسی ہے جسے اہل الصحۃ میں

سے کسی نے تخریج نہیں کیا ہے اور نہ ہی کسی ثقہ نے کسی سند صحیح سلیم متصل اس کو روایت کیا ہے۔

اس روایت اور اس جیسی دوسری روایت کو مفسرین، مؤرخین اور ہر غریب روایت سے اشتیاق رکھنے والے علماء اور ہر صحیح وسقیم روایت کو لینے والے علماء نے شوق سے روایت کیا ہے (جبکہ محققین نے اس کا رد کیا ہے)۔

ابوبکر بزار نے کہا: یہ حدیث ایسی ہے جسے ہم نہیں جانتے کہ یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی سند سے مروی ہو جس کا ذکر جائز ہو مگر وہ جس کو شعبہ نے ابو بشر سے انہوں نے سعید بن جبیر سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ میرے خیال کے مطابق حدیث میں شک ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے۔ آگے پورا واقعہ ذکر کیا اور شعبہ سے کسی نے مسند روایت نہیں کیا سوائے امیہ بن خالد کے۔ باقی تمام نے سعید بن جبیر سے مرسل روایت کی ہے اور یہ عن کلبی عن ابی صالح عن ابن عباس کی سند سے معروف ہے اور ابوبکر نے بیان کیا ہے کہ کسی ایسے طریق سے معروف نہیں جس کا ذکر اس کے سوا جائز ہو اور اس میں ضعف ہے اس میں شک کے وقوع کے ساتھ اس پر تنبیہ کی گئی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے یہ وہ چیز ہے جس پر کوئی وثوق نہیں اور جس کے ساتھ کوئی حقیقت نہیں۔ رہی کلبی کی حدیث اس سے روایت کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ انتہائی ضعیف اور انتہائی کاذب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ والنجم پڑھی (1) اس وقت مکہ میں تھے آپ نے اس میں سجدہ تلاوت کیا اور مسلمانوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا۔ مشرکوں، جنوں اور انسانوں نے سجدہ کیا۔ یہ نقل کے طریق سے اس کی توہین ہے۔

دوسرا ماخذ حدیث کے تسلیم کرنے پر ہے۔ اگر وہ صحیح ہو ہم اس کی صحت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ لیکن بہر حال ائمہ مسلمین نے کئی جوابات دیئے ہیں۔ ان میں سے کچھ کمزور اور کچھ طاقتور ہیں۔ وہ چیز جو اس کی تاویل میں راجح ہوتی ہے اور غالب ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح تلاوت کر رہے تھے جس طرح آپ کو حکم تھا۔ آپ اپنی تلاوت میں آیات کا فاصلہ رکھتے تھے جیسا کہ ثقہ راویوں نے آپ سے روایت کیا ہے۔ پس ممکن ہے ان سکتوں میں شیطان نے موقع پایا ہو اور ان کلمات میں سے گھڑ کر اس میں داخل کر دیا ہو اور اس نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز میں اس طرح بیان کیا ہو کہ اس کے قریب والے کفار نے اس کو سن لیا ہو اور انہوں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول گمان کیا ہو اور پھر انہوں نے اس کو عام کر دیا ہو۔ اس سے قبل مسلمانوں کے نزدیک یہ اس سورت کو یاد کرنے کی وجہ سے کوئی حرج نہ تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نازل کیا تھا اور انہیں یقین تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بتوں کی مذمت کرتے ہیں اور انہیں معیوب سمجھتے ہیں جیسا کہ آپ سے معروف تھا پس جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پریشان ہوئے تھے وہ اس شہرت، شبہ اور اس فتنہ کے سبب سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ۔

میں کہتا ہوں: یہ تاویل سب سے بہتر ہے۔ سلیمان بن حرب نے کہا: یہاں آیت میں فی بمعنی عند ہے یعنی شیطان نے کفار کے دلوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کے دوران یہ ڈالا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَبِثْتَ فِیْنَا (الشعراء: 18) اس میں فی بمعنی عند ہے۔ یہ وہ مفہوم ہے جو ابن عطیہ نے اپنے باپ سے اور انہوں نے علماء مشرق سے روایت کیا ہے۔ اسی کی

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 721

طرف قاضی ابوبکر بن عربی نے اشارہ کیا ہے اور اس سے پہلے کہا: یہ آیت ہماری غرض میں نص ہے اور ہمارے مذہب کی صحت پر دلیل ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو منسوب ہے اس کی برأت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّیْطٰنُ فِیْۤ اُمْنِیَّتِهٖ۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس کے رسولوں میں، انبیاء کرام کی سیرت میں اس کی سنت یہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلام بیان کرتے ہیں تو شیطان اپنی طرف سے ڈالتا ہے جیسا کہ وہ دوسرے گناہ کرتا ہے۔ تو کہتا ہے: ألقیت فی الدار کذا والقیت فی الکیس کذا میں نے گھر میں اسے پھینکا اور میں نے پرس میں اسے پھینکا یہ نص ہے کہ جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا شیطان نے اس میں زائد کیا نہ کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ کلام کی تھی۔ قاضی عیاض کی کلام کا معنی ذکر کیا اور یہاں تک کہا کہ اس کی ہدایت نہیں دی گئی مگر طبری کو کیونکہ ان کو جلالت قدر اور صفاء فکر اور وسعت علم، ژرف نگاہی عطا کی گئی گویا انہوں نے اس غرض کی طرف اشارہ کیا اور صحیح نشانہ پر تیر لگایا اور ان تمام روایات کو لکھنے کے بعد فرمایا یہ سب باطل ہیں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اگر تیرا رب چاہتا تو کوئی انہیں روایت نہ کرتا نہ کوئی ایک سطر روایت کرتا لیکن وہ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ﴿۱۶﴾ (البروج) ہے۔ رہی دوسری تاویلات جو علماء نے بیان کی ہیں کہ شیطان نے آپ کو مجبور کیا حتی کہ آپ نے ایسا کیا یہ محال ہے کیونکہ شیطان کو انسان کا اختیار سلب کرنے کی قدرت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق خبر دیتے ہوئے کہا: وَمَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ (ابراہیم: 22) اگر شیطان کو یہ قدرت ہوتی تو بنی آدم میں سے کوئی بھی نہ بچتا جسے طاعت کی قوت ہوتی اور جنہوں نے یہ گمان کیا کہ شیطان کے لیے یہ قوت ہے وہ ثنویہ اور مجوسیہ کا قول ہے کہ خیر اللہ کی طرف سے ہے اور شر شیطان کی طرف سے ہے۔ اور جنہوں نے کہا: یہ آپ کی زبان پر سہواً جاری ہوئے، اس نے کہا: کوئی بعید نہیں کہ آپ نے مشرکین سے دو کلمے سنے ہوں اور دونوں آپ کے حافظہ میں ہوں اور قرأت کے وقت سہواً وہ بھی پڑھے گئے ہوں۔ اس بنا پر ان پر سہو جاری ہوگا اور اس پر قائم نہیں رہتے ہوں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے عذر کے لیے اور آپ کو تسلی دینے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ انہوں نے اپنی بعض قرأت سے رجوع کر لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نفی کی گئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: شیطان کو ابیض کہا جاتا ہے وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریل کی صورت میں آیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت میں اس نے یہ الفاظ ڈال دیئے: تلک الغرانیق العلا وان شفاعتھن لترتجی یہ تاویل اگرچہ پہلی تاویل کے مشابہ ہے۔ پس پہلی تاویل پر اعتماد ہوگا کسی دوسری تاویل کی طرف عدول نہیں کیا جائے گا کیونکہ محققین علماء نے اس کو اختیار کیا ہے۔ اور حدیث کے ضعف کی وجہ سے کسی تاویل کی ضرورت نہیں جو چیز اس کے ضعف اور کمزوری پر دلالت کرتی ہے وہ کتاب اللہ میں سے یہ ارشاد ہے: وَاِنْ كَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَكَ (الاسراء: 73) یہ دو آیتیں اس خبر کا رد کرتی ہیں جو انہوں نے روایت کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قریب تھا کہ وہ آپ کو فتنہ میں ڈالتے حتی کہ آپ کوئی بات اپنی طرف سے کہہ دیتے۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو ثابت قدم نہ رکھتا تو آپ ان کی طرف مائل ہو جاتے۔ اس کا مضمون اور مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کوئی بات اپنی طرف سے کہنے سے بھی محفوظ رکھا اور آپ کو ثابت قدم رکھا حتی کہ آپ تھوڑے سے بھی ان کی

طرف مائل نہ ہوئے ۔ پھر زیادہ کیسے مائل ہو سکتے ہیں جبکہ وہ تو اپنی کمزور باتوں میں یہ روایت کرتے تھے کہ وہ میلان میں زیادہ ہو گئے ہیں اور ان کے بتوں کی مدح میں افترا کی طرف مائل ہوئے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''میں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا اور میں نے وہ کہا جو اس نے نہیں کہا'' ۔ یہ آیت کے مفہوم کی ضد ہے ۔ یہ حدیث کو ضعیف کر دیتا ہے اگر وہ صحیح بھی ہوتی پھر جب وہ صحیح بھی نہیں ہے تو کیسی حالت ہوگی یہ اس قول کی مثل ہے: وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ۖ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ (النساء: 113)

قشیری نے کہا: قریش اور ثقیف نے آپ سے مطالبہ کیا جب آپ ان کے بتوں سے گزر رہے تھے کہ آپ ایک دفعہ ان کی طرف اپنا چہرہ پھیر کر دیکھ لیں اور انہوں نے کہا: اگر آپ ایسا کریں گے تو وہ آپ پر ایمان لے آئیں گے تو آپ نے ایسا نہ کیا اور نہ آپ کی یہ شان تھی ۔ ابن انباری نے کہا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نہ قریب ہوئے نہ مائل ہوئے ۔ زجاج نے کہا: یعنی وہ قریب تھے کہ ایسا کرتے ان اور لام تاکید کے لیے داخل ہوئے ہیں ۔ بعض نے کہا: تمنی کا معنی حدث ہے نہ کہ تلاوت کرنا ہے ۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى کے بارے میں روایت کیا ہے فرمایا: الا اذا حدث اس کا مفہوم ہے ۔ اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ کا مطلب ہے اس کی بات میں شیطان نے ڈالا ۔

فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ یعنی اللہ تعالیٰ اسے مٹا دیتا ہے جو شیطان ڈالتا ہے ۔ نحاس نے کہا: جو کچھ اس آیت کے بارے کہا گیا ہے اس میں سے یہ بہتر ، عمدہ اور بلند و بالا ہے ۔ احمد بن محمد بن حنبل نے مصر میں ایک تفسیری نسخہ کے متعلق کہا جس کو علی بن ابی طلحہ نے روایت کیا تھا: کاش کوئی شخص اس کے لیے مصر تک سفر کرے اس میں کثیر معانی کا قصد کرتے ہوئے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کچھ بیان کرتے تو شیطان آپ کی بات میں کسی حیلہ سے کوئی بات ڈال دیتا وہ کہتا: اگر آپ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے کہ وہ آپ کو اپنے حصہ سے زائد دیتا تو مسلمانوں میں وسعت ہو جاتی اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ فلاح اس کے علاوہ میں ہے تو اسے مٹا دیتا جو شیطان ڈالتا تھا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے ۔ کسائی اور فراء تمام نے تمنی کا معنی حدث نفسہ بیان کیا ہے یہ لغت میں معروف ہے اور ان دونوں نے اس کا معنی تلاوت کرنا بھی کیا ہے ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے اور یہ مجاہد ، ضحاک وغیرہما نے کہا ہے ۔ ابوالحسن بن مہدی نے کہا: یہ التمنی قرآن اور وحی میں سے کسی چیز میں نہیں ہے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک جب مال سے خالی ہو جاتے تھے اور آپ اپنے اصحاب کی معاشی بدحالی کو دیکھتے تو دل کی وجہ سے اور شیطان کے وسوسہ سے دنیا کی خواہش ہوتی؛ یہ مہدوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ جب آپ بات کرتے تو شیطان آپ کی بات میں ڈالتا؛ یہ طبری کا مختار ہے ۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً نفس کی حدیث کو رد کرتا ہے ۔ ابن عطیہ نے کہا: اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ شیطان کا پھینکنا الفاظ کی وجہ سے تھا جو سنے جاتے تھے جن کے ساتھ فتنہ واقع ہوا ۔ نحاس نے کہا اگر حدیث صحیح ہوتی اور اس کی سند متصل ہوتی تو اس میں بات صحیح ہوتی اور سہا کا معنی اسقط ہوتا اور تقدیر کلام اس طرح ہوتی ۔

افرایتم اللات والعزیٰ کلام یہاں مکمل ہوئی پھر والغرانیق العلاء کو گرادیا۔ اس سے مراد فرشتے ہیں۔ فان شفاعتھم ضمیر کا مرجع ملائکہ ہیں اور جو فیانھم الغرانیق العلاء مروی ہے۔ اس روایت کے کئی جوابات ہیں۔ ایک یہ کہ قول محذوف ہے جیسا کہ عرب کئی اشیاء میں ایسا کرتے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ بغیر حذف کے ہو اور یہ توبیخ ہو کیونکہ اس سے پہلے افرایتم ہے۔ یہ ان پر احتجاج ہوگا اگر یہ نماز میں تھا تو پہلے نماز میں کلام کرنا مباح تھا۔ اس واقعہ میں روایت ہے کہ آپ نے جو پڑھا وہ یہ تھا: افرایتم اللات والعزیٰ ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ، والغرانقۃ العلاء وان شفاعتھن لترتجی: یہ معنی مجاہد سے مروی ہے۔ حسن نے کہا: الغرانیق العلاء سے مراد فرشتے ہیں اس کے ساتھ کلبی نے الغرانقۃ کی تفسیر بیان کی ہے کہ یہ فرشتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ بت اور ملائکہ، اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سے حکایت کیا ہے اور ان پر اس سورت میں اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾ (النجم) کے قول کے ساتھ رد کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کا انکار فرمایا۔ فرشتوں سے شفاعت کی امید صحیح ہے جب مشرکین نے اس کی یہ تاویل کی کہ اللہ کہ سے مراد ان کے خدا ہیں اور ان پر شیطان مسلط نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مٹا دیا جو شیاطن نے ڈالا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کو محکم فرمایا اور ان دو لفظوں کی تلاوت کو اٹھا دیا جن کے ذریعے شیطان نے تلبیس کا راستہ پایا تھا جیسا کہ اس نے قرآن کا کثیر حصہ منسوخ کر دیا اور اس کی تلاوت اٹھا دی۔ قشیری نے کہا: یہ درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ یعنی اللہ تعالیٰ اسے باطل کرتا ہے جبکہ فرشتوں کی شفاعت باطل نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ جو اس کے نبی کی طرف وحی کیا گیا ہے وہ اسے جانتا ہے۔ اور اپنی مخلوق میں فیصلہ فرمانے والا ہے۔

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾

"(یہ سب اس لیے) تاکہ اللہ تعالیٰ بنا دے جو وسوسہ ڈالتا ہے شیطان ایک آزمائش ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل بہت سخت ہیں، اور بیشک ظالم لوگ مخالفت میں بہت دور نکل جاتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً میں فِتْنَةً کا معنی ہے گمراہی۔ لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مرض سے مراد شرک اور نفاق ہے۔ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ان کے دل سخت ہیں اللہ کے حکم کے لیے نرم نہیں ہوتے۔ ثعلبی نے کہا: اس آیت میں دلیل ہے کہ انبیاء کرام پر سہو، نسیان اور شیطان کے وسوسہ کی وجہ سے یا دل کے مشغول ہونے کی وجہ سے غلطی جائز ہے پھر اسے متنبہ کیا جاتا ہے اور وہ صحیح کی طرف لوٹ آتا ہے۔ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ کے قول کا یہی معنی ہے۔ لیکن غلطی اس کے مطابق ہوتی ہے جیسے ہم غلطی کرتے ہیں۔ اور جنہوں نے تلک الغرانیق العلاء کا قول آپ کی طرف منسوب کیا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب ہے کیونکہ اس میں تو بتوں کی تعظیم ہے اور یہ انبیاء پر جائز نہیں ہے جس طرح یہ جائز نہیں ہے کہ آپ بعض قرآن پڑھیں پھر شعر پڑھنے لگیں اور پھر آپ کہیں کہ میں نے غلطی کی اور میں نے اسے قرآن گمان کیا۔ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ ظالمین سے مراد کفار ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی

دشمنی، نافرمانی اور مخالفت میں ہیں۔ یہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

وَّ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

''(نیز اس میں یہ حکمت بھی ہے) کہ جان لیں وہ لوگ جنہیں علم بخشا گیا کہ کتاب حق ہے آپ کے رب کی طرف سے تاکہ ایمان لائیں اس کے ساتھ اور جھک جائیں اس (کی سچائی) کے آگے ان کے دل اور بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت دینے والا ہے ایمان والوں کو راہ راست کی طرف''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اس سے مراد مومنین ہیں۔ بعض نے کہا: اہل کتاب ہیں۔ انہ یعنی وہ جو اللہ تعالیٰ نے آیات قرآنی سے محکم فرمائیں وہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تاکہ ان کے دل ایمان لائیں اس کے ساتھ اور جھک جائیں اور سکون پائیں۔ بعض نے فتخبت کا معنی تخلص (خالص ہونا) کیا ہے۔ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا ابوحیوہ نے واللہ لهاد الذین آمنوا یعنی تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ یعنی وہ انہیں ہدایت پر ثابت قدم رکھتا ہے۔

وَ لَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ۝

''اور ہمیشہ شک میں مبتلا رہیں گے کفار اس کے بارے میں یہاں تک کہ آجائے ان پر قیامت اچانک یا آجائے ان پر عذاب منحوس دن کا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ یعنی قرآن کے بارے میں کافر ہمیشہ شک میں رہیں گے، یہ ابن جریج کا قول ہے۔ بعض نے کہا: دین کے بارے میں شک میں رہیں گے اور وہ صراط مستقیم ہے۔ بعض نے کہا: اس کے بارے میں جو شیطان نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر ڈالا اور وہ کہتے ہیں: کیا ہوا ہے اسے کہ پہلے تو بتوں کا ذکر خیر سے کیا ہے اور پھر اس سے پھر گیا ہے۔ ابو عبدالرحمن سلمی نے مرية کو میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور میم کے کسرہ کے ساتھ زیادہ مشہور ہے؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ، الساعة سے مراد قیامت ہے۔ بَغْتَةً کا معنی ہے اچانک۔ اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ۝ ضحاک نے کہا: اس دن کا عذاب جس کے لیے رات نہیں ہے اور وہ قیامت کا دن ہے۔ نحاس نے کہا: قیامت کے دن کو عَقِيْمٍ کہا گیا ہے کیونکہ اس کے بعد اس کی مثل دن نہیں آئے گا؛ یہ ضحاک کے قول کا معنی ہے۔ لغت میں عقیم اسے کہتے ہیں جس کی اولاد نہ ہو اور جن والدین کے درمیان بچہ ہو اور ایام متواتر آگے پیچھے ہوں تو بعد والے دنوں کو اولاد کی ہیئت کی طرح بنایا گیا ہے اور وہ دن جس کے بعد دن نہ ہو تو اسے عقیم کہا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد بدر کے دن کا عذاب ہے۔ اور عقیم کا معنی ہے بڑائی میں اس کی مثل نہیں ہے کیونکہ اس

میں فرشتوں نے جہاد کیا تھا۔ ابن جریج نے کہا: کیونکہ وہ اس دن رات تک نظر نہیں آئے تھے بلکہ وہ شام سے پہلے قتل کیے گئے پس وہ ایسا دن ہوا جس کے لیے رات نہیں ہے اسی طرح ضحاک کے قول کا معنی ہے کہ وہ قیامت کا دن ہے کیونکہ اس کے لیے رات نہیں ہے۔ بعض نے کہا: اس کو عقیم اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں رحمت ورأفت نہیں ہے اور وہ ہر خیر سے خالی ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾ (الذاریات) یعنی ایسی ہوا جس میں خیر نہ تھی اور نہ وہ بارش لاتی تھی نہ رحمت۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾

''حکمرانی اس روز اللہ تعالیٰ کی ہوگی وہی فیصلہ فرمائے گا لوگوں کے درمیان پس جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو وہ نعمت (واحسان) کے باغوں میں (قیام پذیر) ہونگے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو یہ بدنصیب ہیں جن کے لیے رسوا کن عذاب ہوگا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ یعنی قیامت کے روز حکمرانی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگی اس میں نہ کوئی جھگڑنے والا ہوگا نہ دفاع کرنے والا۔ اَلْمُلْكُ کا معنی ہے جس کے لیے امور کی تدبیر ہے۔ اس کے لیے قدرت کا وسیع ہونا پھر اس کا حکم بیان فرمایا۔ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾۔

میں کہتا ہوں: یہ احتمال ہے کہ یومئذ سے یوم بدر کی طرف اشارہ ہو اس نے اس دن میں کافر کو ہلاک کرنے اور مومن کو سعادت بخشنے کا فیصلہ فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا: ''تجھے کیا معلوم اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر کرم کیا اور فرمایا جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا'' (1)۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾

''اور جن لوگوں نے ہجرت کی راہ خدا میں پھر وہ (جہاد میں) قتل کر دیے گئے یا طبعی طور پر فوت ہوئے تو ضرور عطا فرمائے گا انہیں اللہ تعالیٰ بہترین رزق اور بیشک اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ وہ ضرور داخل کرے گا انہیں ایسی جگہ جسے وہ پسند کریں گے اور یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، بڑا بردبار ہے''۔

وہ مہاجرین جو فوت ہو گئے اور شہید ہو گئے تو انہیں دوسرے مردوں پر فضیلت وشرف دینے کے لیے ان کا علیحدہ ذکر کیا۔ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ جب مدینہ طیبہ میں حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت ابوسلمہ بن عبد الاسد فوت

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، فضل شہداء بدر، جلد 2، صفحہ 567

ہوئے تو بعض لوگوں نے کہا جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں شہید ہوا وہ اس سے افضل ہے جو طبعی موت مرا تو ان کی برابری بیان کرتے ہوئے یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ تمام کو عمدہ رزق دیتا ہے۔ شریعت کا ظاہر یہ ہے کہ شہید افضل ہے۔ بعض اہل علم نے کہا: اللہ تعالیٰ کے راستہ میں شہید اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں فوت ہونے والا شہید ہے لیکن مقتول نے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے برداشت کیا اس کی وجہ سے اسے فضیلت ہے۔ بعض نے کہا: دونوں برابر ہیں اور اس آیت سے حجت پکڑی ہے اور دوسری حجت اس آیت سے پکڑی ہے: وَ مَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (النساء: 100) اور تیسری دلیل حضرت ام حرام کی حدیث سے پکڑی ہے وہ اپنی سواری سے گر کر وصال فرما گئی تھیں اور شہید نہیں ہوئی تھیں جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خوشخبری سنائی تھی کہ ''تو پہلے لوگوں میں سے ہے'' (1) اور چوتھی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو بنایا جو حضرت عبداللہ بن عتیک کی حدیث میں ہے فرمایا: ''جو گھر سے اللہ کے راستہ میں ہجرت کرتے ہوئے نکلا پھر وہ اپنی سواری سے گرا اور فوت ہو گیا یا اسے سانپ نے کاٹا وہ مر گیا یا طبعی موت مر گیا اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور جو شخص اچانک مر جائے تو وہ انجام کا مستوجب ہوگا'' (2)۔ ابن المبارک نے حضرت فضالہ بن عبید سے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ دو آدمیوں میں سے ایک کو جنگ میں منجنیق لگی اور فوت ہو گیا اور دوسرا وہاں فوت ہو گیا۔ حضرت فضالہ میت کے پاس بیٹھے تھے تو انہیں کہا گیا: تو نے شہید کو چھوڑ دیا ہے جبکہ تم اس کے پاس نہیں بیٹھے کیا وجہ ہے؟ حضرت فضالہ نے کہا: مجھے کوئی پرواہ نہیں میں کسی ایک کی قبر سے اٹھایا جاؤں پھر یہ آیت تلاوت کی: وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا۔ سلیمان بن عامر نے کہا: حضرت فضالہ زمینوں پر بردوس میں امیر بنائے گئے تھے دو شخصوں کے جنازے اٹھائے گئے ایک مقتول (شہید) تھا اور دوسرا ایسے فوت ہوا تھا۔ حضرت فضالہ نے دیکھا کہ لوگ شہید کے جنازہ کے ساتھ اس کی قبر کی طرف میلان کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے لوگو! میں دیکھتا ہوں تم شہید کی طرف میلان کر رہے ہو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! مجھے کوئی پرواہ نہیں میں ان میں سے کسی کی قبر سے اٹھایا جاؤں تم یہ ارشاد پڑھو: وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا۔ اسی طرح ثعلبی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا۔ ابن المبارک نے جو ذکر کیا ہے اس کا معنی ہے اور جو کہتے ہیں کہ مقتول کو فضیلت حاصل ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کون سا جہاد افضل ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کا خون بہایا گیا اور جس کے گھوڑے کی کونچیں کاٹی گئیں'' (3)۔ جب افضل شہید وہ ہے جس کا خون بہایا گیا اور کونچیں کاٹی گئی تو معلوم ہوا کہ جو اس صفت پر نہیں ہے وہ مفضول ہے۔ ابن عامر اور اہل شام نے قتّلوا کثرت کی تشدید کے لیے پڑھا ہے۔ باقی قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ لید خلنهم مدخلا کریماً اس سے باغات مراد ہیں۔ اہل مدینہ کی قرات مَدخلا میم کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ مراد

1۔ مؤطا امام مالک، کتاب الجهاد، الترغیب فی الجهاد، صفحہ 480
2۔ مجمع الزوائد، کتاب الجهاد، جلد 5، صفحہ 503
3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجهاد، القتال فی سبیل اللہ، صفحہ 206
ایضاً، ابوداؤد، ابواب قیام اللیل باب طول القیام، حدیث 1237، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

دخولا ہے اور باقی قراء نے ضمہ دیا ہے۔ یہ سورۂ سبحان میں گزر چکا ہے۔ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ ان کی نیتوں کو جاننے والا ہے، ان کو سزا دینے میں بردبار ہے۔

ذٰلِكَ ۚ وَ مَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾

''ان باتوں کو یاد رکھو اور جس نے بدلا لیا اتنی قدر جتنی تکلیف اسے دی گئی تھی پھر (مزید) زیادتی کی گئی اس پر تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد فرمائے گا، بیشک اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ ۚ وَ مَنْ عَاقَبَ، ذٰلِكَ محل رفع میں ہے یعنی ذالك الأمر الذی قصصنا علیك وہ معاملہ جو ہم نے آپ پر بیان کیا ہے۔ مقاتل نے کہا: یہ مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی محرم کی دو راتیں باقی تھیں ان کی مسلمانوں سے ملاقات ہوئی مشرکوں نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب شہر حرام میں جنگ کو ناپسند کرتے ہیں اس لیے اب ان پر حملہ کر دو، مسلمانوں نے ان سے سوال کیا تھا کہ وہ شہر حرام میں ان سے جنگ نہ کریں۔ مشرکین نے انکار کیا اور جنگ کرنے کے لیے مسلمانوں پر حملہ کر دیا مسلمان ثابت قدم رہے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مشرکین کے خلاف مدد کی اور مسلمانوں کے دلوں میں شہر حرام میں جنگ کی وجہ سے پریشانی تھی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض نے کہا: یہ مشرکوں کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے مسلمانوں کا مثلہ کیا تھا پھر جنگ احد میں ان سے لڑائی ہوئی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کیا پس وَ مَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ کا معنی ہے جس نے ظالم کو اتنی جزا دی جتنا اس نے اس پر ظلم کیا تھا۔ پس عوقبت کی جزا کو عوقبت کہا گیا ہے کیونکہ صورت میں فعل برابر ہیں یہ وَ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (الشوریٰ:40) کی طرح ہے اور فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ (البقرہ:194) کی مثل ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ پھر کلام کے ذریعے یا اسے اپنے وطن سے نکال کر مشرکین نے اپنے نبی کو جھٹلایا اور مومنین کو اذیت دی اور انہیں مکہ سے باہر نکالا اور ان کے نکالنے پر غالب آ گئے۔ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ یعنی اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی ضرور مدد کرے گا کیونکہ کفار نے ان پر زیادتی کی۔ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو معاف فرمایا اور شہر حرام میں ان کے قتال کو بھی معاف فرمایا اور ان پر پردہ ڈالا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾

''اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی داخل کرتا ہے رات (کے کچھ حصہ) کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن (کے کچھ حصہ) کو رات میں اور اللہ تعالیٰ سب باتیں سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ یعنی جو میں نے تجھ پر مظلوم کی مدد کرنے سے بیان کیا ہے وہ میں ہی ہوں جو رات کو دن میں داخل کرتا ہوں اور کوئی اس پر قادر نہیں جس پر میں قادر ہوں، اس قدر سے وہ اپنے بندے کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وہ اقوال کو سنتا ہے اور افعال کو دیکھتا ہے اس سے ذرہ برابر کوئی چیز مخفی نہیں ہے

اور چیونٹی کے چلنے کی آواز کو بھی وہ جانتا ہے، سنتا اور دیکھتا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾

''نیز اس کی یہ وجہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو خدائے برحق ہے اور جسے وہ پوجتے ہیں اس کے علاوہ وہ سراسر باطل ہے اور اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب سے بلند (اور) سب سے بڑا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ یعنی وہ حق والا ہے۔ اس کا دین حق ہے اور اس کی عبادت حق ہے اور مومنین اس سے نصرت کے مستحق ہوتے ہیں اس کے حق وعدہ کے حکم سے۔ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ یعنی وہ بت جن کا عبادت میں کوئی استحقاق نہیں ہے۔ نافع، ابن کثیر، ابن عامر اور ابوبکر نے وان ماتدعون تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابوحاتم نے اس کو اختیار کیا ہے اور باقی قراء نے خبر کی بناء پر یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور سورۂ لقمان میں بھی یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابوعبید نے اس کو اختیار کیا ہے۔ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ یعنی اپنی قدرت کی وجہ سے ہر چیز سے بلند ہے۔ اور اشباہ، انداد سے بلند ہے اور ظالم لوگ جو ایسی صفات بیان کرتے ہیں جو اس کے جلال کے مطابق نہیں ہیں وہ ان سے پاک ہے۔ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾ عظمت، جلال اور بلند شان سے متصف ہے۔ بعض نے کہا: الْكَبِيْرُ کا مطلب ہے کبریاء والا اور الْكَبِيْرُ کمال ذات سے عبارت ہے یعنی اس کے لیے ہمیشہ سے وجود مطلق ہے وہ اول قدیم ہے آخر باقی ہے جبکہ مخلوق فنا ہو جائے گی۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۫ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾

''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اتارا آسمان سے پانی تو ہو جاتی ہے (خشک) زمین سرسبز و شاداب، بیشک اللہ تعالیٰ ہمیشہ لطف فرمانے والا ہر چیز سے باخبر ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۫ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال پر دلیل ہے یعنی جو اس پر قادر ہے وہ موت کے بعد حیات کے اعادہ پر قادر ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ جب ہم نے اس پر پانی اتارا تو لہلہانے لگی اور بڑی ہوئی۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ فَتُصْبِحُ جواب نہیں ہے تاکہ منصوب ہو؛ یہ خلیل اور سیبویہ کے نزدیک خبر ہے۔ خلیل نے کہا: اس کا معنی ہے تو بیدار ہو، اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل کیا تو ایسا ایسا ہوا جیسا کہ شاعر نے کہا:

اَلم تسأل الرَّبعَ القواءَ فینطِقُ   وھل تُخبِرَنْكَ الیومَ بَیداءُ سَملَقُ

اس کا معنی ہے تو نے اس سے سوال کیا تو وہ بولا۔ بعض علماء نے کہا: استفہام تحقیق ہے یعنی قد رأیت میں پھر تو غور کر کیسے یہ ہو جاتی ہے یا عطف ہے کیونکہ اس کا معنی ہے کیا تم نے ملاحظہ نہیں کیا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نازل کرتا ہے۔ فراء نے کہا: اَلَمْ تَرَ خبر ہے جیسے تو کلام عرب میں دیکھتا ہے جان تو کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے۔ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً تو وہ

زمین سرسبز ہوگئی جیسے تو کہتا ہے: مبقلة و مسبعة یعنی سبزیوں والی زمین اور درندوں والی زمین۔ یہ بتانا مقصود ہے کہ پانی کے نزول کا اثر بوٹیوں پر جلدی ہوتا ہے۔ عکرمہ نے کہا: اور وہ اس طرح نہ ہوا مگر مکہ اور تہامہ میں (1)۔ اس کا مطلب ہے اس نے فَتُصْبِحُ کے قول سے بارش کی رات کی صبح مراد لی ہے۔ اور ان کا خیال ہے یہ شادابی باقی شہروں میں متاخر ہوتی ہے۔ میں نے یہ بسوس الاقصیٰ میں مشاہدہ کیا کہ قحط کے بعد رات کو بارش نازل ہوئی تو وہ ریتلی زمین جس کو ہوا اڑاتی تھی صبح کے وقت باریک بوٹیوں کے ساتھ سرسبز و شاداب تھی۔ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: خَبِيْرٌ بارش کے نہ ہونے کے وقت بندے پر جو مایوسی طاری ہوتی ہے وہ اس سے باخبر ہوتا ہے۔ لَطِيْفٌ اپنے بندوں کو رزق بخشنے میں بہت لطیف ہے۔ بعض علماء نے کہا: زمین سے نباتات نکالنے میں لطیف ہے اور ان کی حاجت و فاقہ سے باخبر ہے۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿64﴾

"اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب سے بے پروا اور تعریف کا مستحق ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ تخلیق اور ملکیت کے اعتبار سے سب کچھ اسی کا ہے ہر چیز تدبیر اور پختگی میں اس کی محتاج ہے۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿64﴾ وہ کسی چیز کا محتاج نہیں وہ ہر حال میں محمود ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿65﴾

"کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمانبردار بنا دیا ہے تمہارے لیے ہر چیز کو جو زمین میں ہے اور کشتی کو بھی کہ چلتی ہے سمندر میں اس کے حکم سے اور اس نے روکا ہوا ہے آسمان کو کہ گر نہ پڑے زمین پر بجز اس کے فرمان کے، بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ ایک اور نعمت کا ذکر فرمایا بتایا کہ اس نے اپنے بندوں کے لیے جانور، درخت اور نہریں جس کی انہیں ضرورت تھی اسے مسخر کر دیا۔ اَلْفُلْكَ اور کشتی کو اس کے چلنے کی حالت میں تمہارے لیے مسخر کیا، ابو عبد الرحمن اعرج نے والفلك کو مبتدا کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے اور مابعد کو خبر بنایا ہے جبکہ باقی قراء نے مَّا فِي الْاَرْضِ پر عطف کی بنا پر منصوب پڑھا ہے۔ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ یعنی کراهية ان تقع۔ اور کوفیوں نے اس کی تفسیر میں کہا: لئلا تقع آسمان کو اس کا روکنا یہ ہے کہ اس نے اس میں ایک حال کے بعد دوسرے حال میں سکون پیدا کیا ہے۔ اِلَّا بِاِذْنِهٖ مگر اللہ تعالیٰ کے اذن سے اس کا وقوع ہوگا۔ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿65﴾ وہ اشیاء جن کو اس نے بندوں کے لیے مسخر کیا ان میں وہ بندوں پر مہربانی کرنے والا ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 131

وَ هُوَ الَّذِیۡۤ اَحۡیَاكُمۡ ۫ ثُمَّ یُمِیۡتُكُمۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡكُمۡ ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَكَفُوۡرٌ ﴿۶۶﴾

''اور وہی ہے جس نے تمہیں زندگی دی پھر مارے گا تمہیں پھر زندہ کرے گا تمہیں بیشک انسان بڑا ناشکرا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ هُوَ الَّذِیۡۤ اَحۡیَاكُمۡ یعنی تمہارا نطفہ ہونے کے بعد اس نے تمہیں زندگی دی ثُمَّ یُمِیۡتُكُمۡ اور تمہاری عمر پوری ہونے کے وقت وہ تمہیں موت دے گا ثُمَّ یُحۡیِیۡكُمۡ پھر وہ تمہیں حساب، ثواب اور عقاب کے لیے زندہ کرے گا۔ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَكَفُوۡرٌ ﴿۶۶﴾ جب وہ آیات ظاہر ہو چکی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت و وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں پھر بھی انسان منکر بنا ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الۡاِنۡسَانَ سے مراد اسود بن عبد الاسد، ابوجہل بن ہشام، عاص بن ہشام اور مشرکین کی ایک جماعت ہے۔ بعض نے کہا: یہ اس لیے فرمایا کیونکہ اکثر انسان نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں جیسے فرمایا: قَلِیۡلٌ مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّكُوۡرُ ﴿۱۳﴾ (سبا)

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلۡنَا مَنۡسَكًا هُمۡ نَاسِكُوۡهُ فَلَا یُنَازِعُنَّكَ فِی الۡاَمۡرِ وَ ادۡعُ اِلٰی رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰی هُدًی مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۶۷﴾

''ہر امت کے لیے ہم نے مقرر کر دیا ہے عبادت کا طریقہ جس کے مطابق وہ عبادت کرتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ نہ جھگڑا کریں آپ سے اس معاملہ میں آپ بلاتے رہیئے انہیں اپنے رب کی طرف، (اے محبوب!) آپ بیشک سیدھی راہ پر (گامزن) ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلۡنَا مَنۡسَكًا یعنی ہم نے ہر امت کے لیے شریعت مقرر کی ہے هُمۡ نَاسِكُوۡهُ وہ اس پر عمل کرنے والے ہیں۔ فَلَا یُنَازِعُنَّكَ فِی الۡاَمۡرِ تمہاری امت کے لیے جو شریعت ہے اس میں کوئی شخص آپ سے جھگڑا نہ کرے۔ ہر زمانہ کی اپنی شریعت تھی۔ ایک فرقہ نے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کفار جو ذبائح کے بارے میں جھگڑا کرتے تھے اس کے سبب نازل ہوئی اور جو وہ مومنین سے کہتے تھے: تم وہ کھاتے ہو جو تم خود ذبح کرتے ہو اور اسے نہیں کھاتے جس کو اللہ تعالیٰ مارتا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ مارتا ہے وہ زیادہ حقدار ہے کہ تم اسے کھاؤ بنسبت اس کے جس کو تم ہی چھریوں سے قتل کرتے ہو۔ تو اس جھگڑا کے سبب یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ مسئلہ سورۃ انعام میں گزر چکا ہے۔ والحمد للہ۔ اور مَنۡسَكًا کے متعلق علماء کے اقوال ہیں وہ اسی سورت میں گزر چکے ہیں اور هُمۡ نَاسِكُوۡهُ یہ شعور دیتا ہے کہ منسک مصدر ہے اگر یہ ظرف کا صیغہ ہوتا تو هم ناسکون فیہ ہوتا۔ زجاج نے کہا: فَلَا یُنَازِعُنَّكَ فِی الۡاَمۡرِ کا مطلب ہے آپ سے وہ نہ جھگڑیں اس معنی پر اِنۡ جٰدَلُوۡكَ دلالت کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے: وہ تو آپ سے جھگڑے تھے پھر کیسے فرمایا کہ وہ آپ سے نہ جھگڑیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا معنی ہے آپ ان سے نہ جھگڑیں۔ یہ آیت قتال کے حکم سے پہلے نازل ہوئی۔ تو کہتا ہے: لا یضارنك فلان فلا تضاربه أنت پس یہ باب مفاعلہ پر جاری ہوا۔ یہ نہیں کہا جاتا: لا یضربنك زید و أنت ترید لا تضرب زیدا اور ابومجلز نے فلا ینزعنك فی الامر پڑھا ہے یعنی وہ آپ کو ہلکا نہ سمجھے اور وہ دین کے معاملہ میں تجھ پر غالب نہ آئے۔ جماعت کی قرأت المنازعة سے ہے۔ نہی کا لفظ دونوں قرأتوں میں کفار کے لیے ہے اور مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وَ ادۡعُ اِلٰی رَبِّكَ یعنی آپ انہیں اللہ تعالیٰ

کی توحید، اس کے دین اور اس پر ایمان لانے کی طرف بلائیں۔ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ۝ آپ دین مستقیم پر ہیں۔ جس میں کوئی کجی نہیں ہے۔

وَ اِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝

"آپ سے جھگڑا کریں تو آپ (صرف اتنا) فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو تم کر رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا تمہارے درمیان قیامت کے دن ان امور کے بارے میں جن میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنْ جٰدَلُوْكَ، اے پیارے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اگر وہ آپ سے جھگڑیں یعنی مشرکین مکہ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ تو کہو: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جو تم کرتے ہو یعنی جو وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ مقاتل نے کہا: یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر شب معراج نازل ہوئی جب آپ ساتویں آسمان میں تھے اور جو آپ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی وَ اِنْ جٰدَلُوْكَ اگر وہ باطل کے ساتھ تم سے جھگڑیں تو انہیں اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ کے قول کے ساتھ جواب دو یعنی کفر و تکذیب جو تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اسے بہتر جانتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو جھگڑا کرنے سے اعراض کا حکم فرمایا تا کہ آپ ان کی ہٹ دھرمی سے مشغول ہونے سے محفوظ رہیں۔ ہٹ دھرم شخص کے لیے کوئی جواب نہیں ہوتا۔

اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم کے درمیان اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فیصلہ فرمائے گا۔

مسئلہ: اس آیت میں حسن آداب سکھایا جا رہا ہے کہ جو شخص تعصب اور صرف جھگڑا کرنے کے لیے مناظرہ کرتا ہے اسے جواب نہ دیا جائے اور اس سے مناظرہ نہ کیا جائے بلکہ اسے صرف وہی کہا جائے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ آیت، آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے یعنی مخالفت پر خاموشی اور اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ کے قول پر اکتفا منسوخ ہے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝

"کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے، یہ سب کچھ ایک کتاب میں (لکھا ہوا) ہے، بیشک (بلندی اور پستی کی ہر چیز کو جان لینا) اللہ تعالیٰ پر آسان ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ، یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ کو یہ معلوم ہے اور آپ کو یقین ہے تو جان لو کہ وہ یہ بھی جانتا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں وہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ بعض نے کہا: یہ غیر کے لیے استفہام تقریر ہے۔ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ یعنی جو کچھ اس عالم میں ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ام الکتاب

میں لکھا ہوا ہے۔ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ ۞ اختلاف کرنے والوں کے درمیان فیصلہ کرنا اللہ پر آسان ہے۔ بعض نے کہا: اس قلم کا لکھنا جس کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک ہونے والے امور کے لکھنے کا حکم دیا اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔

وَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا وَّ مَا لَیْسَ لَہُمْ بِہٖ عِلْمٌ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ ۞

''اور وہ پوجتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا ان کو نہیں اتاری جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کوئی سند اور انہیں خود بھی ان کے بارے میں کوئی علم نہیں اور نہیں ہوگا ظلم و ستم کرنے والوں کا کوئی مددگار''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ یَعْبُدُوْنَ اس سے مراد کفار قریش ہیں جو بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا۔ سلطان سے مراد حجت اور دلیل ہے۔ یہ سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔

وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمُنْکَرَ ؕ یَکَادُوْنَ یَسْطُوْنَ بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ عَلَیْہِمْ اٰیٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُکُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِکُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَہَا اللّٰہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ۞

''اور جب تلاوت کی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں صاف صاف تو آپ پہچان لیتے ہیں کفار کے چہروں پر ناپسندیدگی کے آثار یوں پتہ چلتا ہے کہ وہ عنقریب جھپٹ پڑیں گے ان لوگوں پر جو پڑھتے ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں۔ آپ فرمائیے (اے چیں بجبیں ہونے والو!) کیا میں آگاہ کردوں تمہیں اس سے بھی تکلیف دہ چیز پر دوزخ کی آگ! وعدہ کیا ہے اس آگ کا اللہ تعالیٰ نے کفار سے اور دوزخ بہت برا ٹھکانا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ آیات سے مراد قرآن ہے۔ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمُنْکَرَ، المنکر سے مراد غضب اور یبوست ہے۔ یَکَادُوْنَ یَسْطُوْنَ وہ پکڑتے ہیں۔ السطوۃ کا معنی شدت سے پکڑنا ہے۔ کہا جاتا ہے: سطابہ یسطو جب کوئی کسی چیز کو پکڑ لے خواہ یہ مارنے کے ساتھ ہو یا گالی گلوچ کے ساتھ ہو۔ اور سطاعلیہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ عَلَیْہِمْ اٰیٰتِنَا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یسطون کا معنی ہے وہ ان کی طرف ان کے ساتھ لڑتے ہیں۔ ضحاک نے کہا: وہ انہیں سختی سے ہاتھ سے پکڑتے ہیں۔ تمام معانی ایک جیسے ہیں۔ السطو کی اصل قہر ہے۔ اللہ تعالیٰ ذو سطوت ہے اور سخت گرفت کرنے والا ہے۔ قُلْ اَفَاُنَبِّئُکُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِکُمْ ؕ اَلنَّارُ اس قرآن سے جو تم سنتے ہو ناپسندیدہ چیز آگ ہے۔ بعض نے کہا: النار سے پہلے ضمیر ہے یعنی ھو النار وہ آگ ہے۔ بعض نے کہا: اس کا مطلب ہے کیا میں تمہیں اس سے بھی بری چیز سے آگاہ نہ کروں جو تم سے قرآن پڑھنے والے کو لاحق ہوتی ہے وہ آگ ہے۔ تو یہ ان کے لیے وعید ہوگی جو قرآن پڑھنے والوں کو شدت سے پکڑتے ہیں۔ اور النار میں رفع، نصب اور جر تینوں اعراب جائز ہیں۔ الرفع ھو النار کی تقدیر پر یا ھی النار کی تقدیر پر النصب اعنی کی تقدیر پر یا فعل کے اضمار پر جو دوسرے فعل کی مثل ہے یا

معنی پر محمول کی بنا پر یعنی اعرفکم بشر من ذلکم النار اور زبر بدل کی بنا پر۔

وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یعنی قیامت میں وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۝ وہ جگہ جس کی طرف وہ جائیں گے وہ آگ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ۝

''اے لوگو! ایک مثال بیان کی جا رہی ہے پس غور سے سنو اسے بیشک جن معبودوں کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یہ تو مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ وہ سب جمع ہو جائیں اس (معمولی سے) کام کے لیے اور اگر چھین لے ان سے مکھی بھی کوئی چیز تو وہ نہیں چھوڑا سکتے اسے اس مکھی سے، (آہ) کتنا بے بس ہے ایسا طالب اور کتنا بے بس ہے ایسا مطلوب''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ، اس کا تعلق وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔۔۔ الخ سے ہے فرمایا: ضُرِبَ مَثَلٌ مثال دی گئی ہے کیونکہ ضرب امثال کے ذریعے ان پر اللہ تعالیٰ کی حجتیں، ان کے افہام کے زیادہ قریب تھیں۔ اگر کہا جائے کہ جو مثال دی گئی ہے وہ کہاں ہے تو اس میں دو وجوہ ہیں:

1۔ اخفش نے کہا: یہاں کوئی مثل نہیں مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے مثال دی تم ان کی بات غور سے سنو یعنی کفار نے اللہ تعالیٰ کے لیے مثال بنائی ہے غیر کی عبادت کر کے گویا فرمایا: انہوں نے میری عبادت میں میری شبیہ بنائی ہے اس تشبیہ کی خبر سنو۔

2۔ قتبی کا قول ہے اس کا معنی ہے اے لوگو! جو ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں جو مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو اس سے لینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ نحاس نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے مثال بیان فرمائی اس کی جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جاتی ہے۔ اور فرمایا: جو کچھ اس آیت کے بارے کہا گیا ہے اس میں سے یہ قول عمدہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اور تمہارے معبود کے لیے ایک شبہ بیان فرمائی۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ تمام کی قرأت تاء کے ساتھ تدعون ہے۔ سلمی، ابو العالیہ اور یعقوب نے خبر کی بنا پر یا کے ساتھ یدعون پڑھا ہے۔ اس سے مراد وہ بت ہیں جن کی وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے اور یہ کعبہ کے اردگرد تھے یہ تین سو ساٹھ بت تھے۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد وہ سردار ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے لوگوں کو روکا تھا۔ بعض نے کہا: اس سے مراد شیاطین ہیں جنہوں نے انہیں اللہ تعالیٰ کی معصیت پر ابھارا تھا۔ پہلا قول زیادہ درست ہے۔ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا، الذباب اسم ہے مذکر اور مؤنث کے لیے اور جمع قلت اَذِبَّۃ اور جمع کثرت ذِبّان آتی ہے جیسے غراب کی جمع اَغْرِبَۃ اور غِربان آتی ہے اور مکھی کو ذباب اس کی کثرت سے حرکت کرنے کی وجہ سے کہتے ہیں۔ جوہری نے کہا: الذباب معروف ہے اس کا واحد ذُبابۃ ہے اور ذِبابۃ نہ کہو۔ المِذَبَّۃ جس کے ساتھ مکھی کو دور کیا جاتا ہے: ذباب أسنان الابل اونٹوں کی عمروں کی حد۔ ذباب السیف تلوار کی طرف جو ماری جاتی ہے۔

ذباب العین سے مراد آنکھوں کی پتلی ہے۔ الذبابة ترض کا بقیہ حصہ۔ ذبب النھار بولا جاتا ہے۔ جب تھوڑا سا دن باقی ہو۔ التذبذب کا معنی حرکت کرنا ہے۔ الذبابة کسی چیز کا حرکت کرنے والا حصہ جو ہوا میں لٹکائی گئی ہوتی ہے۔ الذبذب ذکر کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ بار بار حرکت کرتا رہتا ہے۔ حدیث میں ہے: من وقی شر ذبذبة یعنی جسے ذبذب کے شر سے بچایا گیا۔ وَ اِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ، الاستنقاذ اور الانقاذ کا مطلب ہے چھوڑ وانا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اپنے بتوں پر زعفران ملتے تھے۔ پھر وہ خشک ہوتا تھا۔ پس مکھی آتی تھی اور اسے اچک لیتی تھی۔ سدی نے کہا: وہ اپنے بتوں کے لیے کھانا رکھتے تھے اس پر مکھی بیٹھتی تھی اور اسے کھا جاتی تھی۔ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ بعض علماء نے کہا: الطالب سے مراد وہ بت ہیں اور المطلوب سے مراد مکھی ہے۔ بعض نے اس کے برعکس کہا ہے۔ بعض نے کہا: الطالب سے مراد بتوں کے پجاری ہیں اور المصنوب سے مراد بت ہے۔ عابد اس بت کی طرف قرب حاصل کرتا تھا۔ اور وہ بت اس کا مطلوب الیہ تھا۔ اور کہا گیا ہے: وَ اِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا یہ اس کے الم کی طرف راجع ہے جو ان کے جسموں کو کاٹنے کی صورت میں الم اور تکلیف پیدا ہوتی ہے حتی کہ ان سے صبر اور وقار چھین لیتا ہے۔ یہاں مکھی کی مثال اس کی چار خصوصیات کی وجہ سے دی۔ اس کی ذلت وضعف اور اس کی گندگی کو طلب کرنے اور اس کی کثرت کی وجہ سے مثال بیان کی ہے۔ جب یہ مکھی جو کمزور ترین حیوان ہے اور حقیر ترین حیوان ہے۔ ان کے معبود اس کی مثل پیدا کرنے پر قادر نہیں ہیں اور اس کی اذیت دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تو پھر یہ خدا معبود اور ارباب جن کی اطاعت کی جاتی ہو کیسے بن سکتے ہیں؟ یہ قوی ترین دلیل ہے۔

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝

”نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسے اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا بیشک اللہ تعالیٰ بڑا طاقتور (اور) سب پر غالب ہے“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ، یعنی انہوں نے اللہ کی ایسی تعظیم نہ کی جیسی اس کی عظمت کا حق تھا کیونکہ انہوں نے مورتیوں کو اس کا شریک بنا دیا۔ یہ سورۂ انعام میں گزر چکا ہے۔

اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۝ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

”اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے فرشتوں سے بعض پیغام پہنچانے والے اور انسانوں سے بھی بعض کو رسول بنایا، بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے سارے معاملات“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ، سورت کا اختتام اس پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت کی تبلیغ کے لیے چن لیا ہے یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث ہونا کوئی اجنبی امر نہیں۔ بعض نے کہا: ولید بن مغیرہ نے کہا: کیا ہمارے درمیان سے اس پر قرآن نازل ہوا ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی اور بتایا کہ یہ اختیار اللہ تعالیٰ کا

ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اقوال کو سننے والا ہے۔ بَصِیۡرٌ ﴿۷۵﴾ وہ دیکھتا ہے اسے جسے وہ اپنی مخلوق میں سے رسالت کے لیے منتخب کرتا ہے۔ یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ جو انہوں نے آگے بھیجا۔ وَ مَا خَلۡفَہُمۡ جو انہوں نے پیچھے چھوڑا۔ یہ اس قول کی مثل ہے۔ اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَ نَکۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا (یٰسین: 12) جو انہوں نے آگے بھیجے۔ وَ اٰثَارَہُمۡ جو پیچھے چھوڑے۔ وَ اِلَی اللّٰہِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۷۶﴾۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا ارۡکَعُوۡا وَ اسۡجُدُوۡا وَ اعۡبُدُوۡا رَبَّکُمۡ وَ افۡعَلُوا الۡخَیۡرَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۷۷﴾

''اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور عبادت کرو اپنے پروردگار کی اور (ہمیشہ) مفید کام کیا کرو تاکہ تم (دین و دنیا میں) کامیاب ہو جاؤ''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا ارۡکَعُوۡا وَ اسۡجُدُوۡا، سورت کے آغاز میں گزر چکا ہے کہ اس سورت کو دو سجدوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے یہ دوسرا سجدہ ہے۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ اس سجدہ کو واجبی سجود سے شمار نہیں کرتے کیونکہ رکوع، سجود کے ساتھ متصل ہے اس سے مراد فرضی نماز ہے۔ رکوع اور سجود کو بطور تشریف نماز کے لیے خاص کیا۔ رکوع و سجود کے متعلق وضاحت سے سورۂ بقرہ میں گفتگو گزر چکی ہے۔ والحمد للہ وحدہٗ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اعۡبُدُوۡا رَبَّکُمۡ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرو۔ وَ افۡعَلُوا الۡخَیۡرَ اور واجبات کے علاوہ بھی نیکی کے افعال کرو۔

وَ جَاہِدُوۡا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِہَادِہٖ ؕ ہُوَ اجۡتَبٰىکُمۡ وَ مَا جَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنۡ حَرَجٍ ؕ مِلَّۃَ اَبِیۡکُمۡ اِبۡرٰہِیۡمَ ؕ ہُوَ سَمّٰىکُمُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ۬ۙ مِنۡ قَبۡلُ وَ فِیۡ ہٰذَا لِیَکُوۡنَ الرَّسُوۡلُ شَہِیۡدًا عَلَیۡکُمۡ وَ تَکُوۡنُوۡا شُہَدَآءَ عَلَی النَّاسِ ۚۖ فَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ اعۡتَصِمُوۡا بِاللّٰہِ ؕ ہُوَ مَوۡلٰىکُمۡ ۚ فَنِعۡمَ الۡمَوۡلٰی وَ نِعۡمَ النَّصِیۡرُ ﴿۷۸﴾

''اور (سرتوڑ) کوششیں کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جس طرح کوششیں کرنے کا حق ہے، اس نے چن لیا ہے تمہیں (حق کی پاسبانی اور اشاعت کے لیے) اور نہیں روا رکھی اس نے تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی (پیروی کرو) اپنے باپ حضرت ابراہیم کے دین کی اسی نے تمہارا نام مسلم (سر اطاعت خم کرنے والا) رکھا ہے اس سے پہلے اور اس قرآن میں بھی تمہارا یہی نام ہے تاکہ ہو جائے رسول (کریم) گواہ تم پر اور تم گواہ ہو جاؤ لوگوں پر پس (اے دین حق کے علمبردارو!) صحیح صحیح ادا کیا کرو نماز اور ادا کرو زکوٰۃ اور مضبوط پکڑ لو اللہ تعالیٰ (کے دامن رحمت) کو، وہی تمہارا کارساز ہے پس وہ بہتر کارساز ہے اور بہتر مدد فرمانے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ جَاہِدُوۡا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِہَادِہٖ، بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد کفار سے جہاد ہے۔ بعض علماء نے

فرمایا: اس سے تمام اوامر کی اطاعت کرنے اور تمام نواہی سے باز رہنے کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی الله تعالیٰ کی اطاعت میں خواہش نفس کو رد کرنے میں اپنے نفسوں سے جہاد کرو اور شیطان کے وسوسوں کو دور کرنے میں شیطان سے جہاد کرو اور ظالموں کے ظلم کو رد کرنے کے لیے ظالموں سے جہاد کرو اور کافروں کے کفر کو روکنے کے لیے کافروں سے جہاد کرو۔ ابن عطیہ نے کہا: مقاتل نے کہا یہ آیت منسوخ ہے اور اس کی ناسخ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن: 16) ہے اسی طرح ہبۃ الله نے کہا: حَقَّ جِهَادِهٖ اور دوسری آیت میں حَقَّ تُقٰتِهٖ (آل عمران: 102) ان اوامر میں استطاعت کی طرف تخفیف کے ساتھ منسوخ ہیں اور نسخ کی تقدیر کی ضرورت نہیں کیونکہ حکم کی ابتدا میں بھی یہی مراد ہے کیونکہ حَقَّ جِهَادِهٖ سے حرج اٹھائی گئی ہو۔ سعید بن مسیب سے مروی ہے فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارا بہتر دین آسان دین ہے" (1)۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: یہ وہ چیز ہے جس میں نسخ کا واقع ہونا جائز نہیں کیونکہ یہ انسان پر واجب ہے جیسا کہ حضرت حیوہ بن شریح نے مرفوعا روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے" (2)۔ اسی طرح ابو غالب نے حضرت ابو امامہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کونسا جہاد افضل ہے؟ یہ سوال اس نے جمرہ اولیٰ کے پاس کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب نہ دیا پھر دوسرے جمرہ کے پاس یہی سوال کیا تو آپ نے جواب نہ دیا پھر جمرہ عقبہ پر یہی سوال کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ سائل کہاں ہے؟" اس نے کہا: میں حاضر ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ظالم حکمران کے سامنے کلمہ عدل کہنا" (3)۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: هُوَ اجْتَبٰىكُمْ یعنی اپنے دین کے دفاع اور اپنے امر کے التزام کے لیے اس نے تمہیں چن لیا ہے یہ مجاہد کے امر کی تاکید ہے یعنی تم پر جہاد کرنا واجب ہے کیونکہ اس نے تمہیں چن لیا ہے۔

الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنْ حَرَجٍ، یعنی کوئی تنگی نہیں۔ سورۂ انعام میں یہ گزر چکا ہے۔ اس آیت میں بہت سے احکام داخل ہیں یہ وہ ہے جس کے ساتھ الله تعالیٰ نے اس امت کو خاص فرمایا۔ معمر نے قتادہ سے روایت کیا ہے فرمایا: اس امت کو ایسی تین چیزیں عطا کی گئی ہیں جو سوائے نبی کے کسی کو عطا نہیں کی گئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا جاتا ہے: اذهب فلا حرج علیك تم جاؤ تم پر کوئی تنگی نہیں اور اس امت کو کہا گیا: وَ مَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ نبی اپنی امت پر گواہ ہوتا ہے اور اس امت کو کہا گیا: وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ نبی کو کہا جائے گا: سَلْ تُعْطَه تم مانگو تمہیں دیا جائے گا۔ اس امت کو کہا گیا: ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن: 60)

مسئلہ نمبر 2۔ وہ حرج جو الله تعالیٰ نے اٹھائی ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ عکرمہ نے کہا: وہ دو دو، تین تین اور چار چار عورتوں سے نکاح کا حلال ہونا اور لونڈیوں کا حلال ہونا ہے۔ بعض نے کہا: نماز قصر اور مسافر کے لیے روزہ افطار کرنا ہے اور اشارہ سے نماز پڑھنا جو رکوع و سجود پر قادر نہ ہو، اندھے، لنگڑے، مریض اور نادار شخص سے جہاد کا ساقط کرنا ہے اور ان

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 15936   2۔ جامع ترمذی، کتاب فضل الجہاد، من مات مرابطا، جلد 1، صفحہ 195
3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر، صفحہ 299۔ ایضاً حدیث 4001، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سختیوں کو ختم کرنا ہے جو بنی اسرائیل پر تھیں ان اشیاء میں سے اکثر کی تفصیل گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری سے مروی ہے کہ فطر، اضحیٰ اور روزے میں چاندوں کی تاخیر و تقدیم ہے۔ جب کوئی جماعت ذی الحجہ کے چاند میں غلطی کر جائے پھر ایک دن عرفہ سے پہلے انہیں آگاہی ہو جائے یا وہ دسویں کے دن پر آگاہ ہو جائیں تو ان کے لیے جائز ہے۔ اس میں اختلاف ہے جو ہم نے موطا کی شرح المقتبس میں بیان کیا ہے اور جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ صحیح ہے۔ اسی طرح فطر، اضحیٰ کا مسئلہ ہے جیسا کہ حماد بن زید نے ایوب سے انہوں نے محمد بن منکدر سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہاری عید اسی دن ہے جس دن تم افطار کرتے ہو اور تمہاری قربانی کا دن وہ ہے جس میں تم قربانیاں کرتے ہو'' (1)۔ اس حدیث کو ابو داؤد اور دار قطنی نے روایت کیا ہے اس کے الفاظ وہ ہیں جو ہم نے ذکر کیے ہیں یعنی جہاد کرو جس میں تمہیں کوئی حرج لاحق نہ ہو۔ ائمہ نے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دسویں کے دن کی چیزوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تقدیم و تاخیر کے جواب میں فرمایا: افعل ولا حرج تم کرو کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ علماء نے فرمایا: حرج اس سے اٹھائی گئی ہے جو منہاج شریعت پر قائم رہا ہے۔ رہے مال سلب کرنے والے، چور، اصحاب حدود تو ان پر حرج ہے۔ یہ وہ ہے جنہوں نے دین سے مفارقت کر کے حرج کو اپنے اوپر لاگو کیا اور شریعت میں اس سے بڑی حرج نہیں کہ اللہ کے راستہ میں دو شخصوں کے لیے ایک شخص کے ثبوت کا الزام ہے، نیز یقین کی صحت کے ساتھ اور عزم کی عمدگی کے ساتھ کوئی حرج نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِلَّةَ أَبِيكُمْ زجاج نے کہا: اپنے باپ حضرت ابراہیم کے دین کی اتباع کرو۔ فراء نے کہا: کاف کے حذف کی تقدیر پر منصوب ہے گویا فرمایا: کَمِلَةِ ابیکم۔ بعض علماء نے کہا: اپنے باپ حضرت ابراہیم کے فعل کی طرح خیر کے اعمال کرو فعل کو ملت کے قائم مقام رکھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام عربوں کے باپ ہیں۔ بعض نے کہا: یہ خطاب تمام مسلمانوں کو ہے اگرچہ تمام آپ کی اولاد سے نہیں ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حرمت مسلمانوں پر اس طرح ہے جس طرح باپ کی حرمت بیٹے پر ہوتی ہے۔ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ، ابن زید اور حسن نے کہا: ھو ضمیر کا مرجع حضرت ابراہیم ہے۔ معنی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ تمہارا نام لیا ہے۔ وَفِي هَٰذَا اس کے حکم میں کہ جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی وہ مسلم ہے۔ ابن زید نے کہا: رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (البقرہ: 128) نحاس نے یہ قول عظماء امت کے قول کے مخالف ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: اس سے پہلی یعنی پہلی کتب میں اور قرآن میں اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے، یہ مجاہد وغیرہ کا قول ہے۔ لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ تمہارے تبلیغ کرنے پر رسول گواہ ہو اور وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ تم لوگوں کے خلاف گواہی دو کہ ان کے رسولوں نے انہیں تبلیغ کی تھی جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ ۖ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۝ اس پر تفصیلاً گفتگو گزر چکی ہے۔ الحمد للہ رب العالمین۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصیام، إذا اخطاء القوم الھلال، جلد 1، صفحہ 318

سورۃ المومنون

آیاتہا ۱۱۸ ۲۳ سورۃ المؤمنون مکیۃ ۷۴ رکوعاتہا ۶

تمام علماء کے نزدیک یہ پوری سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡنَ ہُمۡ فِیۡ صَلَاتِہِمۡ خٰشِعُوۡنَ ۙ﴿۲﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ﴿۳﴾ۙ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوۡنَ ۙ﴿۴﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِفُرُوۡجِہِمۡ حٰفِظُوۡنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰۤی اَزۡوَاجِہِمۡ اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُمۡ فَاِنَّہُمۡ غَیۡرُ مَلُوۡمِیۡنَ ۚ﴿۶﴾ فَمَنِ ابۡتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡعٰدُوۡنَ ۚ﴿۷﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِاَمٰنٰتِہِمۡ وَ عَہۡدِہِمۡ رٰعُوۡنَ ۙ﴿۸﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَلٰی صَلَوٰتِہِمۡ یُحَافِظُوۡنَ ۘ﴿۹﴾ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡوٰرِثُوۡنَ ﴿۱۰﴾ۙ الَّذِیۡنَ یَرِثُوۡنَ الۡفِرۡدَوۡسَ ؕ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۱﴾

''بیشک دونوں جہاں میں بامراد ہو گئے ایمان والے۔ وہ ایمان والے جو اپنی نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں۔ اور وہ جو بیہودہ امر سے منہ پھیرے ہوتے ہیں۔ اور وہ جو زکوۃ ادا کرتے ہیں۔ اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں بجز اپنی بیویوں کے اور ان کنیزوں کے جو ان کے ہاتھوں کی ملکیت ہیں تو بیشک انہیں ملامت نہ کی جائے۔ اور جس نے خواہش کی ان دو کے ماسوا تو یہی لوگ حد سے بہت زیادہ تجاوز کرنے والے ہیں۔ نیز وہ (مومن بامراد ہیں) جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کی پاسداری کرنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی نمازوں کی پوری حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ وارث ہیں۔ جو وارث بنیں گے فردوس (بریں) کے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔

اس میں نو مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱﴾ بیہقی نے حضرت انس کی حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کو تخلیق فرمایا اور اپنے دست قدرت سے اس کے درخت لگائے اور اسے فرمایا تو بول تو اس نے کہا: قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ''(1) نسائی نے حضرت عبداللہ بن سائب سے روایت کیا ہے فرمایا:

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 136

میں فتح مکہ کے دن نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی (1)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نعلین اتارے اور انہیں اپنی بائیں جانب رکھا اور سورۃ المومنون سے تلاوت کی جب حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر پر پہنچے تو آپ کو کھانسی آگئی آپ نے وہاں رکوع کر دیا۔ امام مسلم نے اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے۔ امام ترمذی میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کے منہ مبارک سے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسے آواز سنائی دیتی تھی (2)۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی ہم کچھ دیر آپ کے پاس ٹھہرے رہے پھر جب وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور ہاتھوں کو بلند کیا اور یہ دعا کی: ''اے اللہ! ہم میں اضافہ کر اور ہم میں کمی نہ کر اور ہمیں خوش رکھ اور ہم سے راضی ہوجا''۔ پھر فرمایا: ''مجھ پر دس آیات نازل ہوئی ہیں جوان پر عمل پیرا ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا''۔ پھر یہ آیات پڑھیں: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ، دس آیات تک۔ ابن عربی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ نحاس نے کہا: من اقامهن کا مطلب ہے جس نے ان پر عمل کیا اور جوان میں احکام ہیں ان کی مخالفت نہ کرے جیسے تو کہتا ہے: فلان یقوم بعملہ فلاں اپنا کام کرتا ہے۔ پھر ان آیات کے بعد وضو اور حج کا فرض نازل ہوا پس وہ بھی ان کے ساتھ داخل ہوگیا۔ طلحہ بن مصرف نے قَدْ اُفْلِحَ الْمُؤْمِنُوْنَ یعنی الف کے ضمہ کے ساتھ مجہول کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی ثواب اور خیر میں باقی رکھے گئے۔ الفلاح کا لغوی اور شرعی معنی سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: خٰشِعُوْنَ۝ معتمر نے خالد سے انہوں نے حضرت محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ کی جگہ دیکھتے تھے اور ہشیم نے روایت کی ہے کہ مسلمان نماز میں ادھر ادھر متوجہ ہوتے تھے اور ادھر ادھر دیکھتے تھے حتیٰ کہ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۝ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ۝ کا ارشاد نازل ہوا تو وہ اپنی نمازوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے سامنے دیکھنا شروع کیا۔ سورۂ بقرہ میں فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (البقرہ:144) کے تحت علماء کے اقوال نمازی کی نماز کی حالت میں دیکھنے کے بارے میں گزر چکے ہیں کہ وہ نماز میں کس جگہ نظر رکھے۔ اسی طرح خشوع کا لغوی معنی وَ اِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ۝ (البقرہ) کے تحت گزر چکا ہے۔ خشوع کا محل دل ہے دل میں خشوع ہوتا ہے تو اس کے خشوع کی وجہ سے تمام اعضاء میں خشوع ہوتا ہے کیونکہ وہ جسم کی سلطنت کا بادشاہ ہے جیسا کہ ہم نے سورۂ بقرہ میں بیان کیا ہے۔ جب کوئی عالم نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ نماز میں کسی چیز کی طرف نظر کرنے اور نفس میں کسی دنیا کی چیز کا خیال لانے سے رحمٰن سے ڈرتا ہے۔ عطا نے کہا: وہ نماز میں اپنے جسم کے کسی حصہ سے نہیں کھیلتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی شخص کو نماز میں اپنی داڑھی سے کھیلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع ہوتا'' (3)۔ حضرت ابوذر نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو

1۔ سنن نسائی، قرأت بعض السورۃ، جلد 1، صفحہ 156 2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ مومنون، جلد 2، صفحہ 146

3۔ کنز العمال، باب الخشوع، جلد 3، صفحہ 146، حدیث 5891

رحمت اس کے سامنے ہوتی ہے پس وہ کنکریوں کو حرکت نہ دے" (1)۔ اس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ شاعر نے کہا: غور سے سنو نماز میں ساری خیر و برکت ہے کیونکہ اس میں اعضاء اللہ کے لیے عجز و نیاز کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ہماری شریعت کا نماز پہلا فرض ہے۔ اور آخر میں بھی یہی باقی رہے گا جب دین اٹھا لیا جائے گا جو تکبیر کے لیے کھڑا ہوتا ہے اس سے رحمت الٰہی ملاقات کرتی ہے گویا غلام اپنے آقا کا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے اور نماز میں انسان اپنے رب سے سرگوشی کرنے والا ہوتا ہے۔ مبارک ہو اگر اسے خشوع نصیب ہو۔ ابو عمران جونی نے روایت کیا ہے فرمایا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق کیا تھا فرمایا کیا تم سورۃ المومنون پڑھتے ہو؟ عرض کی گئی: ہاں۔ فرمایا: وہ پڑھو تو سورۃ المومنون قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ سے لیکر یُحَافِظُوْنَ ۝ تک پڑھی (2)۔ نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پہلے دائیں بائیں دیکھتے تھے لیکن پیٹھ کے پیچھے گردن نہیں پھیرتے تھے (3)۔ حضرت کعب بن مالک نے ایک طویل حدیث میں کہا: میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نماز پڑھتا تھا اور میں چوری چوری آپ کو دیکھتا تھا جب میں اپنی نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف دیکھتے تھے اور جب میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا تھا تو مجھ سے اعراض فرما لیتے تھے۔ (الحدیث) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب کو نماز کے اعادہ کا حکم نہیں دیا۔

مسئلہ نمبر 3۔ خشوع کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ کہا: یہ نماز کے فرائض سے ہے یا اس کے فضائل اور مکملات سے ہے۔ صحیح پہلا قول ہے اور خشوع کا محل دل ہے یہ پہلا عمل ہے جو لوگوں سے اٹھایا جائے گا یہ حضرت عبادہ بن صامت کا قول ہے۔ اس کو امام ترمذی نے جبیر بن نفیر کے حوالہ سے حضرت ابودرداء سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے (4)۔ نسائی نے جبیر بن حدیث سے، عوف بن مالک اشجعی سے طرق صحیحہ کے ذریعے روایت کیا ہے۔ ابو عیسیٰ نے کہا: معاویہ بن صالح اہل حدیث کے نزدیک ثقہ ہے۔ ہم کوئی ایسا محدث نہیں جانتے جس نے اس پر کلام کی ہو سوائے یحییٰ بن سعید قطان کے۔

میں کہتا ہوں: معاویہ بن صالح ابو عمرو اور ابو عمر حضرمی حمصی قاضی اندلس بھی کہا جاتا ہے، ابو حاتم رازی سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: صالح الحدیث ہے اس کی حدیث لکھی جاتی ہے اور اس سے حجت پکڑی جاتی ہے۔ اس میں یحییٰ بن معین کا قول مختلف ہے۔ عبدالرحمٰن بن مہدی، امام احمد بن حنبل اور ابوزرعہ رازی نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں اس سے حجت پکڑی ہے۔ سورۂ بقرہ میں اللَّغْوِ اور الزَّكٰوةِ کا معنی گزر چکا ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔ ضحاک نے کہا: یہاں اللَّغْوِ سے مراد شرک ہے۔ حسن نے کہا: تمام گناہ ہیں۔ یہ جامع قول ہے اس میں اس کا قول بھی داخل ہے جس نے کہا:

1۔ جامع ترمذی، کتاب الصلوٰۃ، ما جاء فی کراھیۃ مسح الحصیٰ فی الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 50

2۔ المستدرک للحاکم، کتاب التفسیر، سورۂ مومنون، جلد 2، صفحہ 392

3۔ سنن نسائی، کتاب السہو، الرخصۃ فی الالتفات، جلد 1، صفحہ 178۔ جامع ترمذی، باب ما ذکر فی التفات الصلاۃ، حدیث 536

4۔ ترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی ذهاب العلم، حدیث 2577

اللَّغْوِ سے مراد شرک ہے اور اس کا قول بھی داخل ہے جنہوں نے کہا: اس سے مراد غنا ہے جیسا کہ امام مالک بن انس نے حضرت محمد بن منکدر سے روایت کیا ہے جس کا بیان سورۂ لقمان میں آئے گا۔ فٰعِلُوْنَ ۝ کا معنی ہے ادا کرنے والے۔ یہ فصیح ہے۔ کلام عرب میں اس معنی میں آیا ہے۔ امیہ بن الصلت نے کہا:

المطعمون الطعام فی السنة الأزْ مة و الفاعلون للزَّكَواتِ

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ ابن عربی نے کہا: قرآن کے غرائب میں سے ہے کہ یہ دس آیات مردوں اور عورتوں میں عام ہیں جیسے باقی قرآن کے الفاظ ہیں جو احتمال رکھتے ہیں کہ وہ مردوں اور عورتوں میں عام ہیں لیکن وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ کا قول اس کے مخاطب صرف مرد ہیں عورتوں کو اس میں خطاب نہیں کیونکہ آگے اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ کا قول آیا ہے اور عورتوں کا اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے کا حکم دوسرے دلائل سے ثابت ہے جیسے عموماً اور خصوصاً آیات احصان اور اس کے علاوہ جو دلائل موجود ہیں۔

میں کہتا ہوں: اس تاویل پر آیت میں یہ ہے کہ عورت کے لیے حلال نہیں کہ اس سے وہ شخص وطی کرے جس کی وہ مالک ہے اسی پر علماء کا اجماع ہے کیونکہ وہ اس آیت میں داخل نہیں لیکن اگر وہ عورت غلام کو آزاد کردے تو اس غلام کے لیے اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے جس طرح دوسروں کے لیے جائز ہے؛ یہ جمہور کے نزدیک ہے۔ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، شعبی اور نخعی سے مروی ہے کہ اگر وہ اپنے غلام کو آزاد کردے جب وہ اس کی مالک ہو تو وہ اپنے نکاح پر باقی رہیں گے۔ ابو عمر نے کہا: فقہاء الامصار میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کیونکہ جمہور علماء کے نزدیک اس کے مالک ہونے سے ان کے درمیان نکاح باطل ہو جائے گا اور یہ طلاق نہیں ہے؛ یہ نکاح کا فسخ ہے اگر مالک ہونے کے بعد اسے آزاد کردے تو رجوع نہیں ہو سکتا مگر حدیث نکاح کے ساتھ اگرچہ وہ عدت میں ہی ہو۔

مسئلہ نمبر 5۔ محمد بن عبدالحکم نے کہا میں نے حرملہ بن عبدالعزیز کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے امام مالک سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو استمناء کرتا ہے۔ تو انہوں نے جواباً یہ آیت پڑھی: وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ ...... الْعٰدُوْنَ ۝ عرب آلہ تناسل کو عمیرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ شاعر نے کہتا ہے:

إذا حَلَلْتَ بوادٍ لا أنيس به فاجلد عُمَيْرَةَ لاداءٌ ولا حَرَجُ

اہل عراق اس کو الاستمناء کہتے ہیں یہ منی سے باب استفعال ہے۔ امام احمد بن حنبل اپنے تقویٰ وورع کے باوجود اس کو جائز قرار دیتے ہیں ان کی حجت یہ ہے کہ یہ بدن سے فضلہ کا اخراج ہے اور حاجت کے وقت یہ جائز ہے اور اس کی اصل پچھنے لگوانا اور خون نکلوانا ہے۔ اکثر علماء اس کی حرمت کے قائل ہیں۔ بعض علماء نے کہا: یہ اپنے ساتھ برائی کرنا ہے یہ وہ معصیت ہے جس کو شیطان نے ایجاد کیا ہے اور لوگوں میں اس کو پھیلا دیا حتیٰ کہ اس پر بات ہونے لگی کاش! یہ نہ کی جاتی اگر اس کے جواز پر دلیل بھی ہوتی تو ایک صاحب مروت اس کی خست کی وجہ سے اس سے اعراض کرتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ استمناء، لونڈی سے نکاح کرنے سے بہتر ہے۔ ہم کہیں گے: لونڈی سے نکاح کرنا بہتر ہے خواہ کافرہ بھی ہو۔ یہ بعض علماء کے مذہب پر ہے۔

اگر کوئی یہ کہے: تو بھی استمناء کی دلیل ضعیف ہے اور خسیس آدمی کے لیے بھی عار اور شرم کا باعث ہے پھر ایک عظیم آدمی کے لیے کیسے درست ہوگا؟

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ فراء نے کہا: یعنی وہ عورتیں جو اللہ نے ان کے لیے حلال کی ہیں ان سے تجاوز نہیں کرتے۔ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ یہ محل جر میں ہے اور اَزْوَاجِهِمْ پر معطوف ہے اور ما مصدریہ ہے یہ زنا استمناء اور نکاح متعہ کی تحریم کا تقاضا کرتی ہے؛ کیونکہ جس عورت سے متعہ کیا گیا ہے وہ زوجات کے قائم مقام نہیں ہے وہ نہ وارث ہوتی ہے نہ اس کی میراث لی جاتی ہے۔ اور اس کا بچہ اس کے ساتھ لاحق نہیں کیا جاتا اور نکاح متعہ سے عورت کو طلاق دینے کے ساتھ نکاح سے خارج نہیں کرتا بلکہ اسی مدت کے گزرنے کے ساتھ اسے خارج کرتا ہے جو مدت انہوں نے متعین کی تھی وہ مستاجرہ کی طرح ہوتی ہے۔ ابن عربی نے کہا: اگر ہم کہیں کہ متعہ جائز ہے اور یہ ایک مدت تک زوجہ ہے تو اس پر زوجیت کے اسم کا اطلاق ہوگا اور اگر ہم وہ حق بات کہیں جس پر اجماع امت ہے کہ نکاح متعہ حرام ہے تو وہ اس کی زوجہ نہیں ہے اور وہ اس آیت کے تحت داخل نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: اس اختلاف کا فائدہ یہ ہے کہ کیا حد واجب ہوگی اور صریح زنا کی طرح بچہ لاحق نہیں کیا جائے گا یا شبہ کی وجہ سے حد نہیں لگائی جائے گی اور بچہ لاحق کیا جائے گا؟ ہمارے اصحاب کے دو قول ہیں۔ (۱) متعہ کی تحلیل و تحریم کے احوال تھے۔ اسی وجہ سے پہلے مباح تھا پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے زمانہ میں اس کو حرام کیا تھا پھر اسے فتح مکہ کے موقع پر حلال کیا تھا پھر اس کے بعد اس کو حرام کیا تھا۔ یہ ہمارے اصحاب میں سے ابن خویز منداد وغیرہ کا قول ہے۔ ابن عربی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ سورۃ النساء میں متعہ پر گفتگو گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ۝ جو ایسی عورت سے نکاح کرے جو حلال نہ ہو اسے عادی کہا گیا ہے اور اس کے حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے اس پر حد واجب کی ہے اور لواطت کرنے والا قرآن اور لغت کے اعتبار سے حد سے تجاوز کرنے والا ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ۝ (الشعراء) جیسا کہ سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے پس ایسے لوگوں پر حد کا قائم کرنا واجب ہے یہ ظاہر ہے اس پر کوئی غبار نہیں۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے جبتک وہ جاہل نہ ہو یا تاویل کرنے والا نہ ہو اگرچہ اجماع منعقد ہے کہ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۝ ...... الخ سے مراد صرف مرد ہیں عورتیں اس میں شامل نہیں۔ معتمر نے قتادہ سے روایت کیا ہے فرمایا: ایک عورت نے اپنے غلام سے ہم بستری کی اس کا ذکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیا گیا تو آپ نے اس عورت سے پوچھا کہ اس عمل پر تجھے کس بات نے ابھارا؟ اس عورت نے کہا: میں خیال کرتی تھی کہ وہ میرا غلام ہے جس طرح مرد کے لیے لونڈی حلال ہوتی ہے یہ میرے لیے حلال ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام سے اس عورت کو رجم کرنے کا فیصلہ کیا تو صحابہ کرام نے کہا: اس نے کتاب اللہ کی غلط تاویل کی ہے اس پر رجم نہیں ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس کے بعد کبھی تجھے کسی آزاد کے لیے حلال نہیں کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے یہ سزا دی اور حد دور کردی اور غلام کو آپ نے اس کے

قریب نہ جانے کا حکم دیا۔

ابوبکر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے باپ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس تھا ایک عورت اپنے خوبصورت غلام کے ساتھ آئی اور کہنے لگی: میں اس کے ساتھ ہم بستر ہوتی ہوں اور میرے چچا کے بیٹے مجھے اس سے منع کرتے ہیں میں بھی تو اس مرد کی طرح ہوں جس کے لیے لونڈی ہوتی ہے تو وہ اس کے ساتھ وطی کرتا ہے۔ پس آپ میرے چچا کے بیٹوں کو مجھ سے باز رکھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تو نے اس سے پہلے نکاح کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر تیری جہالت نہ ہوتی تو میں تجھے پتھروں کے ساتھ رجم کرتا لیکن تم اسے لے جاؤ اور اس کو فروخت کردو کسی ایسے شخص سے جو اس غلام کو شہر سے باہر لے جائے۔ وراء بمعنی سویٰ ہے یہ ابْتَغٰى کا مفعول ہے یعنی جس نے بیویوں اور مملوکہ لونڈیوں کے علاوہ کو طلب کیا۔ زجاج نے کہا: اس کے بعد جس نے طلب کیا۔ پس ابْتَغٰى کا مفعول محذوف ہے اور وراء ظرف ہے۔ اور ذالک اس کے ساتھ ہر مذکور، مذکر اور مؤنث کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ۝ حد سے تجاوز کرنے والے یہ عدا سے مشتق ہے یعنی حد سے تجاوز کیا۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ۝ جمہور نے لامانا تهم پڑھا ہے جمع کے ساتھ۔ ابن کثیر نے مفرد پڑھا ہے۔ امانت اور عہد دین کے ہر قول اور عمل کو جامع ہے جس کو انسان اٹھاتا ہے۔ یہ لوگوں کی معاشرت، وعدہ وغیرہ کو عام ہے۔ اس کی انتہاء یہ ہے کہ عہد و پیان کی پاسداری اور حفاظت کی جائے۔ امانت عہد سے اعم ہے۔ ہر عہد امانت ہوتا ہے اس میں قول، فعل اور عقیدہ سب شامل ہیں۔

مسئلہ نمبر 9۔ جمہور نے صلواتهم پڑھا ہے۔ حمزہ اور کسائی نے صلاتهم پڑھا ہے یہ افراد اسم جنس ہے جو جمع کے معنی میں ہے۔ نماز کی محافظت سے مراد نماز کا قائم کرنا ہے اور اول وقت میں ادائیگی کی کوشش کرنا ہے، اس کے رکوع و سجود کو مکمل کرنا ہے۔ سورۂ بقرہ میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔ پھر فرمایا: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ان آیات میں جو ذکر کیا گیا ہے اس پر جس نے عمل کیا وہ وارث ہیں یعنی جنت میں دوزخیوں کی منازل کے یہ وارث ہیں۔ حدیث میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم سے مروی ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لیے جنت میں ایک مسکن بنایا ہے اور ایک مسکن دوزخ میں ہے مومنین اپنی منازل کو لے لیں گے اور کفار کی منازل کے وارث ہوں گے اور کفار اپنی دوزخ کی منازل میں ہوں گے" (1)۔ اس حدیث کا مفہوم ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں ہر ایک کی دو منزلیں ہیں ایک منزل جنت میں اور ایک منزل آگ میں جب کوئی شخص مرتا ہے اور دوزخ میں داخل ہوتا ہے تو اہل جنت اس کی منزل کے وارث ہوتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ۝ " (2) اس کی سند صحیح ہے یہ بھی احتمال ہے کہ جنت کے حصول کو وراثۃ کہا ہو اس کے حصول کی حیثیت سے جبکہ دوسروں کو وہ نہیں ملی۔ یہ دو وجوہ پر اسم مستعار ہے۔ فردوس جنت کی بلند، اوسط اور افضل جگہ کا نام ہے۔ اس حدیث کو ربیع بنت نضر ام حارثہ سے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 137

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، صفۃ الجنۃ، صفحہ 332

روایت کیا ہے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور صحیح مسلم میں ہے "جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو وہ جنت وسط اور جنت کا اعلیٰ درجہ ہے اس سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں" (1)۔ ابو حاتم محمد بن حبان نے کہا نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: فإنه أوسط الجنة، یعنی وہ عرض کے اعتبار سے جنت کے وسط میں ہے اور وہ جنت کا اعلیٰ ہے یعنی بلند ترین جگہ ہے۔ یہ تمام حضرات ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول کی تصحیح کرتے ہیں۔ فردوس جنت کا پہاڑ ہے جس سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔ مجاہد کے قول میں یہ رومی لفظ ہے عربی میں استعمال کیا گیا ہے۔ بعض نے کہا: یہ فارسی لفظ ہے عربی بنالیا گیا ہے۔ بعض نے کہا: حبشہ کی زبان کا لفظ ہے۔ اگر یہ ثابت ہو تو یہ تمام زبانوں کا لفظ ہوگا۔ ضحاک نے کہا: یہ عربی لفظ ہے اس کا مطلب الکرم ہے۔ عرب کروم (انگور کی بیلیں) کو فرادیس کہتے ہیں۔ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ۝ جنت کے معنی پر مونث استعمال ہوا۔

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝

"اور بیشک ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے جوہر سے۔ پھر ہم نے رکھا اسے پانی کی بوند بنا کر ایک محفوظ مقام پر۔ پھر ہم نے بنادیا نطفہ کو خون کا لوتھڑا پھر ہم نے بنادیا اس لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی پھر ہم نے پیدا کر دیں اس بوٹی سے ہڈیاں پھر ہم نے پہنا دیا ان ہڈیوں کو گوشت پھر (روح پھونک کر) ہم نے اسے دوسری مخلوق بنا دیا، پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ تعالیٰ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے"۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ یہاں انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں؛ یہ قتادہ وغیرہ کا قول ہے کیونکہ وہ مٹی سے بنائے گئے تھے پھر ثُمَّ جَعَلْنٰهُ کی ضمیر کا مرجع ابن آدم ہے اگرچہ اس کا پہلے ذکر نہیں لیکن شہرت امر کی وجہ سے یہ صحیح ہے کیونکہ معنی صرف اسی صورت میں صحیح ہوتا ہے اس کی مثال یہ ہے حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝ (ص)

بعض علماء نے فرمایا: سُلٰلَةٍ سے مراد ابن آدم ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا قول ہے اس بناء پر السلالة سے مراد صاف پانی یعنی منی ہوگی۔ السلالة، السل سے فُعالة کا وزن ہے۔ اس کا مطلب کسی چیز کو دوسری چیز سے نکالنا۔ کہا جاتا ہے: سَلَلتُ الشعرَ مِنَ العجين میں نے آٹے سے بال نکالا اور نیام سے میں نے تلوار نکالی۔ السیف من الغمد اسی سے شاعر کا قول ہے:

فسُلّي ثيابي من ثيابك تنسل

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ مومنون، جلد 2، صفحہ 147

النطفه کو سلالة بچے کو سلیل و سُلالة کہتے ہیں اس سے مراد وہ پانی لیا جاتا ہے جو پیٹھ سے نکالا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

فجاءت به عضب الاديم غضنفرا　　سلاله فرج كان غير حصين

اور ایک شاعر نے کہا:

وما هندٌ الا مهرة عربية　　سليلة افراس تجللها بغل

اور مِّنْ طِيْنٍ ۝ حضرت آدم علیہ السلام کی اصل مٹی سے ہے۔

میں کہتا ہوں: یعنی خالص مٹی سے ہے جیسا کہ ہم نے سورۂ انعام کے آغاز میں بیان کیا ہے۔

کلبی نے کہا: السلالہ اس مٹی کو کہتے ہیں جب تو اسے نچوڑے تو وہ تیری انگلیوں کے درمیان سے نکلے اور جو نکلتی ہے اسے السلالہ کہتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: نُطْفَةً نطفه، علقه، مضغة اور ان کے متعلق احکام سورۂ حج کے آغاز میں گزر چکے ہیں۔ الحمد لله على ذالك۔

مسئلہ نمبر 3۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ خلق آخر کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ثعلبی، ابو العالیہ، ضحاک اور ابن زید نے کہا: اس کے جماد ہونے کے بعد اس میں روح پھونکنا ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اس کا دنیا کی طرف نکلنا ہے۔ قتادہ نے ایک جماعت سے روایت کیا ہے کہ بالوں کا اگنا ہے۔ ضحاک نے کہا: دانتوں کا نکلنا اور بالوں کا نکلنا ہے۔ مجاہد نے کہا: اس کے شباب کا کمال ہے؛ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اس میں اور دوسری چیزیں نطق، ادراک، حسن گفتگو اور تحصیل المعقولات یعنی مرنے تک جو مراحل آتے ہیں سب کو شامل ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝ روایت کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ آیت آغاز سے خَلْقًا اٰخَرَ تک سنی تو کہا: فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسی طرح اتاری گئی ہے (2)۔ مسند طیالسی میں ہے: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ نازل ہوئی جب یہ نازل ہوئی تو میں نے کہا: فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝ تو فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝ کے الفاظ نازل ہو گئے۔ روایت کیا جاتا ہے کہ اس کے قائل معاذ بن جبل تھے۔ روایت ہے کہ اس کے قائل عبد الله بن ابی سرح تھے۔ اسی سبب سے وہ مرتد ہوا تھا اس نے کہا جیسا کلام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لاتا ہے اس کی مثل میں بھی لاتا ہوں۔ اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ (الانعام: 93) اس کا بیان سورۂ انعام میں گزر چکا ہے۔ تبارک برکت سے باب تفاعل ہے۔ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ سب بنانے والوں سے پختہ بنانے والا ہے۔ جو کوئی چیز بناتا ہے اس سے یہ خلقہ بولا جاتا ہے؛ اسی سے شاعر کا قول ہے:

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 138　2۔ ایضاً

ولانت تفری ماخلقت وبعض من القوم یخلق ثم لایفری

بعض لوگوں نے اس لفظ کی لوگوں سے نفی کی ہے۔ خلق کا لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ابن جریج نے کہا: فرمایا اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ کیونکہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تخلیق کرنے کی اجازت دی تھی۔ بعض اس میں مضطرب ہیں۔ الصنع کے معنی میں اس لفظ کی بشر سے نفی نہیں کی جاتی۔ عدم سے ایجاد و اختراع کے معنی کے اعتبار سے نفی کی جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اس آیت کی وجہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا جب انہوں نے بزرگ صحابہ سے لیلۃ القدر کے بارے پوچھا تھا تو انہوں نے کہا تھا: اللہ بہتر جانتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے حضرت ابن عباس! رضی اللہ عنہما تم کیا جانتے ہو؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے سات آسمان پیدا کیے اور سات زمینیں پیدا کیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو سات ادوار سے پیدا کیا اور اس کا رزق سات چیزوں سے بنایا۔ میرا خیال ہے یہ ستائیسویں کی رات میں ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تم اس جیسا کلام لانے سے عاجز تھے جو یہ نوجوان لایا ہے جس نے ابھی اپنے سر کی مکمل صلاحیتیں بھی جمع نہیں کیں۔ یہ طویل حدیث مسند ابی شیبہ میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خلق ابن آدم من سبع سے مراد یہ آیت لی ہے اور جعل رزقہ من سبع سے مراد یہ آیت لی ہے۔ فَاَنۡۢبَتۡنَا فِیۡهَا حَبًّا ۙ﴿﴾ وَّ عِنَبًا وَّ قَضۡبًا ۙ﴿﴾ وَّ زَیۡتُوۡنًا وَّ نَخۡلًا ۙ﴿﴾ وَّ حَدَآئِقَ غُلۡبًا ۙ﴿﴾ وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ﴿﴾ (عبس) ان میں سے سات چیزیں ابن آدم کے لیے ہیں۔ اور الاب جانوروں کے لیے ہے۔ القضب اس کو ابن آدم کھاتا ہے۔ اور اس سے عورتیں موٹی ہوتی ہیں یہ ایک قول ہے۔ اور بعض علماء نے کہا: القضب سے مراد سبزیاں ہیں کیونکہ وہ کاٹی جاتی ہیں۔ یہ ابن آدم کا رزق ہیں۔ بعض نے کہا: القضب اور الاب جانوروں کے لیے ہیں۔ باقی چھ ابن آدم کے لیے ہیں اور ساتویں چیز جانور ہیں۔ یہ بھی ابن آدم کا رزق ہیں۔

ثُمَّ اِنَّكُمۡ بَعۡدَ ذٰلِكَ لَمَیِّتُوۡنَ ﴿﴾ ثُمَّ اِنَّكُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ تُبۡعَثُوۡنَ ﴿﴾

"پھر یقیناً تم ان مرحلوں سے گزرنے کے بعد مرنے والے ہو پھر بلاشبہ تمہیں روز قیامت (قبروں سے) اٹھایا جائے گا"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ اِنَّكُمۡ بَعۡدَ ذٰلِكَ لَمَیِّتُوۡنَ ﴿﴾ یعنی خلق اور حیات کے بعد تم مرنے والے ہو۔ نحاس نے کہا: اس معنی میں المائتون کہا جاتا ہے۔ پھر مرنے کے بعد اٹھنے کی خبر دی فرمایا: ثُمَّ اِنَّكُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ تُبۡعَثُوۡنَ ﴿﴾ پھر تم قیامت کے روز اٹھائے جاؤ گے۔

وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا فَوۡقَكُمۡ سَبۡعَ طَرَآئِقَ ٭ۖ وَ مَا كُنَّا عَنِ الۡخَلۡقِ غٰفِلِیۡنَ ﴿﴾

"اور بیشک ہم نے تمہارے اوپر سات راستے بنا دیئے اور ہم اپنی مخلوق (کی مصلحتوں) سے بے خبر نہ تھے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا فَوۡقَكُمۡ سَبۡعَ طَرَآئِقَ ابوعبیدہ نے کہا: سَبۡعَ طَرَآئِقَ سے مراد سات آسمان ہیں اس سے حکایت کیا گیا ہے کہ کہا جاتا ہے: طارقت الشئی کسی چیز کو دوسری چیز کے اوپر رکھنا۔ بعض نے کہا: آسمانوں کے لیے راستے ہیں کیونکہ وہ ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔ عرب ہر وہ چیز جو کسی چیز کے اوپر ہو اسے طریقہ کہتے ہیں۔ بعض نے کہا: وہ

ملائکہ کے راستے ہیں۔ وَ مَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۝ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے آسمان کی تخلیق سے غافل نہیں۔ اکثر مفسرین نے کہا: تمام مخلوق سے بے خبر نہیں کہ آسمان ان پر گر پڑیں اور انہیں ہلاک کر دیں۔

میں کہتا ہوں: اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ مخلوق کی مصلحتوں اور حفاظت سے ہم غافل نہیں، یہی الحی القیوم کا معنی ہے۔ جو پہلے گزر چکا ہے۔

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَ اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۝

''اور ہم نے اُتارا آسمان سے پانی اندازہ کے مطابق پھر ہم نے ٹھہرالیا اسے زمین میں اور یقیناً ہم اسے بالکل ناپید کرنے پر پوری طرح قادر ہیں''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر جو نعمتیں فرمائیں اور جو ان پر احسانات فرمائے ان میں سے ایک یہ آیت بھی ہے اس کے احسانات میں سے بڑا احسان پانی ہے جو انسانی بدن کی زندگی اور حیوان کی نمو کا باعث ہے۔ آسمان سے نازل ہونے والے پانی کی دو قسمیں ہیں۔ یہ جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا اور جس کے بارے خبر دی کہ اسے اس نے زمین کے اندر رکھا ہے اور اسے انسانوں کے پینے کے لیے خزانہ کیا ہے جس کو لوگ ضرورت کے وقت حاصل کرتے ہیں اور نہروں، چشموں اور کنوؤں کا پانی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے کہ یہاں چار پانیوں کا ارادہ فرمایا ہے۔ سیحان، جیحان نیل اور فرات۔ مجاہد نے کہا: زمین میں کوئی پانی نہیں ہے مگر وہ آسمان سے آیا ہے۔ یہ مطلق نہیں ہے ورنہ کھاری پانی زمین میں ثابت ہے۔ ممکن ہے یہ مجاہد کا قول میٹھے پانی سے مقید ہو۔ لامحالہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں پانی رکھا ہے اور آسمان سے بھی پانی اتارا ہے۔ بعض نے کہا: وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً میٹھے پانی کی طرف اشارہ ہے اور اس کی اصل سمندر سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے لطف اور حسن تقدیر سے سمندر سے آسمان کی طرف اُٹھاتا ہے حتیٰ کہ وہ اس اٹھائے جانے کے ساتھ میٹھا ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے زمین کی طرف اتارتا ہے تاکہ اس سے نفع حاصل کیا جائے اگر معاملہ سمندر کے پانی تک ہوتا تو اس کی ملاحت کی وجہ سے اس سے نفع حاصل نہ کیا جاتا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بِقَدَرٍ، اس مقدار پر جو اصلاح کرنے والی ہے کیونکہ اگر بارش زیادہ ہوتی تو نقصان کرتی اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ (الحجر)

اور ارشاد ہے: وَ اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۝ یعنی اس خزانہ شدہ پانی کو لے جانے پر بھی قادر ہیں۔ یہ تہدید اور وعید ہے یعنی اس کا نیچے لے جانا ہماری قدرت میں ہے اور لوگ پیاس کی وجہ سے ہلاک ہو جائیں گے اور مویشی مرجائیں گے یہ اس قول کی طرح ہے: قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۝ (الملک)

مسئلہ نمبر 3۔ نحاس نے ذکر کیا ہے کہ ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم بن یونس پر پڑھا گیا انہوں نے جامع بن سوارہ

سے روایت کیا ہے فرمایا ہمیں سعید بن سابق نے بتایا فرمایا ہمیں مسلمہ بن علی نے بتایا انہوں نے مقاتل بن حیان سے انہوں نے عکرمہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جنت سے زمین کی طرف پانچ نہریں اُتاریں (1)۔ سیحون، یہ ہند کی نہر ہے۔ جیحون، یہ بلخ کی نہر ہے۔ دجلہ اور فرات، یہ عراق کے دریا ہیں۔ نیل مصر کی نہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کے چشموں میں سے ایک چشمہ سے انہیں اتارا ہے۔ جنت کے درجات میں سے نچلے درجہ سے جبریل کے دونوں پروں پر نکالیں پھر انہیں پہاڑوں میں ودیعت کیا اور زمین میں انکا اجرا فرمایا اور ذرائع معاش میں لوگوں کے لیے ان میں منافع رکھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ جب یاجوج وماجوج کا خروج ہوگا تو اللہ تعالیٰ جبریل کو بھیجے گا اور زمین سے قرآن، علم اور پانچوں نہریں وہ اٹھالے گا پھر وہ انہیں آسمان کی طرف لے جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَ اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۞ سے یہی مراد ہے۔ جب یہ تمام اشیاء زمین سے اٹھالی جائیں گی تو زمین میں بسنے والے دین و دنیا کی خیر کو مفقود پائیں گے''۔

مسئلہ نمبر 4۔ ہر پانی جو آسمان سے نازل ہوا خواہ وہ خزانہ شدہ ہے یا خزانہ شدہ نہیں ہے وہ پاک ہے اور پاک کرنے والا ہے۔ اس سے غسل اور وضو کیا جائے گا جیسا کہ سورۃ الفرقان میں اس کا بیان ہوگا۔

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِیْهَا فَوَاكِهُ كَثِیْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۞

''پھر ہم نے اُگائے تمہارے لیے اس پانی سے باغات کھجوروں اور انگوروں کے تمہارے لیے ان میں بہت سے پھل ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاَنْشَاْنَا یعنی اس پانی کو ہم نے نباتات کا سبب بنایا اور ہم نے اس کے ذریعے باغات کو وجود بخشا اور ہم نے انہیں پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے النخیل (کھجور) والاعناب (انگور) کا ذکر کیا کیونکہ یہ طائف، مدینہ وغیرہما شہروں کے پھل ہیں؛ یہ طبری کا قول ہے۔ نیز تمام پھلوں سے یہ افضل ہیں تشریف وتنبیہ کے لیے ان کا خصوصی ذکر فرمایا۔ لَكُمْ فِیْهَا تمہارے لیے جنت میں۔ فَوَاكِهُ کھجور اور انگور کے علاوہ۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نخیل اور اعناب کی طرف راجع ہو کیونکہ ان کی بہت سی اقسام ہوتی ہیں۔ پہلا قول تمام پھلوں کو شامل ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ جس نے قسم اٹھائی کہ وہ پھل فَوَاكِهُ نہیں کھائے گا۔ ایک روایت میں ہے ہمارے نزدیک، سبز لوبیا اور اس کے مشابہ چیزیں کھانے سے حانث ہو جائے گا۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: ککڑی، کھیرا اور تر کھانے سے حانث نہیں ہوگا کیونکہ یہ سبزیوں سے ہیں پھلوں سے نہیں ہیں، اسی طرح اخروٹ، بادام اور پستہ کا حکم ہے کیونکہ یہ چیزیں پھلوں سے شمار نہیں ہوتی ہیں۔ اگر سیب، آڑو، کشمش یا امرود کھایا تو حانث ہو جائے گا اسی طرح تربوز کھانے سے حانث ہو جائے گا کیونکہ یہ تمام اشیاء کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد بطور پھل کھائی جاتی ہیں۔ پس یہ پھل ہیں۔ اسی طرح یہ اشیاء خشک ہوں تو بھی ان کا

1۔ تاریخ بغداد، جلد 1، صفحہ 57

پھل کا حکم ہے مگر خشک تربوز اس حکم میں نہیں کیونکہ وہ پھلوں میں شمار نہیں کیا جاتا ہے۔ اگر انگور یا انار یا کھجور کھائی تو بھی حانث نہ ہوگا۔ صاحبین نے امام صاحب کی اس مسئلہ میں مخالفت کی ہے وہ فرماتے ہیں: حانث ہو جائے گا کیونکہ یہ اشیا تو عمدہ پھلوں سے ہیں۔ اور تنعم کے طور پر کھائی جاتی ہیں اور ان کا علیحدہ ذکر ان کے معانی کے کمال کی وجہ سے ہے جیسے ملائکہ سے جبریل و میکائل کی تخصیص کی جاتی ہے۔ امام ابوحنیفہ نے یہ حجت پکڑی ہے کہ ان اشیاء کا عطف پھلوں پر کیا گیا ہے۔ فرمایا: وَّفَاكِهَةً وَّ اَبًّا ۝ (عبس) معطوف، معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے۔ احسان کے مقام پر ایک چیز کو دونام دینے کا حکمت تقاضا نہیں کرتی۔ انگور اور انار بعض شہروں میں کفایت کرتے ہیں وہاں یہ پھل نہیں ہوں گے کیونکہ جو پھل ہوتا ہے وہ خشک اور تر میں علیحدہ علیحدہ حکم نہیں رکھتا ہے۔ ان اشیاء کا خشک فاکہہ شمار نہیں ہوتا اسی طرح ان کا تر بھی فاکہہ (پھل) شمار نہیں ہوتا۔

وَ شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَ صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۝

''نیز پیدا کیا ایک درخت جو اُگتا ہے طور سیناء میں وہ اُگتا ہے تیل لیے ہوئے اور سالن لیے ہوئے کھانیوالوں کے لیے''۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ شَجَرَةً اس کا عطف جنات پر ہے۔ فراء نے اس پر رفع بھی جائز قرار دیا کیونکہ فعل ظاہر نہیں اس کا معنی ہوگا وثم شجرۃ اس سے مراد زیتون کا درخت ہے۔ اس کو علیحدہ ذکر فرمایا کیونکہ اس کے منافع شام، حجاز اور دوسرے شہروں میں بہت زیادہ ہیں۔ اور اس کو پانی بھی زیادہ نہیں دینا پڑتا اور اس کی گوڈی وغیرہ بھی کم ہوتی ہے جبکہ دوسرے درختوں کی دیکھ بھال زیادہ ہوتی ہے۔ تَخْرُجُ یہ صفت ہے۔ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ اللہ تعالیٰ نے زیتون کے درخت کو طور سیناء پہاڑ سے نکالا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے۔ طور سیناء شام کی زمین سے ہے۔ یہ وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی تھی؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا قول ہے۔ سورۂ بقرہ اور سورۂ اعراف میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ طور کلام عرب میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا: یہ عجمی زبان کا لفظ ہے۔ عربی بنایا گیا ہے۔ ابن زید نے کہا: یہ بیت المقدس کا پہاڑ ہے یہ مصر سے ایلۃ تک پھیلا ہوا ہے۔ سیناء کے بارے میں اختلاف ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے خوبصورت۔ اس تاویل پر طور کی نعت کی حیثیت سے منون ہوگا۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے مبارک (1)۔ معمر نے ایک جماعت سے روایت کیا ہے کہ اس کا معنی ہے شَجَرَةً (درخت)۔ ان کو طور کو تنوین دینا لازم آتا ہے۔ جمہور نے کہا: یہ پہاڑ کا نام ہے جیسے تو کہتا ہے: جبل احد۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: سیناء ایک پتھر ہے پہاڑ کو اس کی طرف منسوب کیا گیا ہے کیونکہ وہ اس کے پاس موجود ہے۔ مقاتل نے کہا: ہر پہاڑ جو پھلوں کو اٹھاتا ہے وہ سیناء یعنی خوبصورت ہے۔ کوفیوں نے فعلاء کے وزن پر سین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور فعلاء کلام عرب میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ معرفہ اور نکرہ دونوں صورتوں میں غیر منصرف ہوتا ہے کیونکہ اس کے آخر میں الف تانیث ہے اور الف تانیث جس میں ہوتی ہے اسکو لازم ہوتی ہے۔ عرب کلام

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 139

میں فِعلاءنہیں ہے۔ لیکن جنہوں نے سیناء سین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے انہوں نے اس کا وزن فعلاً بنایا ہے۔ اس میں ہمزہ، حرباء کے ہمزہ کی طرح ہے۔ اس آیت میں غیر منصرف نہیں کیونکہ یہ بقعہ کا اسم ہے۔ اخفش کا خیال ہے کہ یہ عجمی اسم ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ جمہور نے تنبت تاء کے فتحہ اور باء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے وہ اُگتا ہے اور اس کے ساتھ تیل ہوتا ہے جیسے تو کہتا ہے: خرج زیدٌ بسلاحه (1)۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے تاء کے ضمہ اور باء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس قرأت پر تقدیر میں اختلاف ہے۔ ابو علی فارسی نے کہا اس کی تقدیر یہ ہے: تنبت حباها و معه الدهن پس مفعول محذوف ہے۔ بعض نے کہا: باء زائدہ ہے جیسے: وَ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ (البقرہ: 195) یہ ابو عبیدہ کا مذہب ہے۔ شاعر نے کہا:

نضرب بالسیف ونرجو بالفرج

ایک اور شاعر نے کہا:

هنّ الحرائر لاَرَبَاتُ أَخمرةٍ سود المحاجر لایقرأن بالسُّوَرِ

اسی طرح ابو علی نے کہا ہے پہلے گزر چکا ہے۔ بعض نے کہا: نبت اور انبت ہم معنی ہیں پس معنی اسی طرح ہو گا جو جمہور کی قرأت میں گزرا ہے؛ یہی فراء اور ابو اسحاق کا مذہب ہے، اسی سے زہیر کا قول ہے۔

حتی إذا أنبت البقل

اصمعی، انبت کا انکار کرتا ہے۔ اور زہیر کے اس قصیدہ پر تہمت لگاتا ہے جس میں ہے:

رأیتُ ذوی الحاجاتِ حَوْلَ بیوتهم قَطِینًا بهاحتی إذا أنبت البقل

یعنی نبت زہری، حسن اور اعرج نے تنبت بالدهن تاء کے رفع اور باء کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن جنی اور زجاج نے کہا: یہ باء حال کی ہے یعنی تنبت و معها دهنها اور حضرت ابن مسعود کی قرأت میں تخرج بالدهن (2) یہ با حال کے لیے ہے۔ ابن دستویہ نے کہا: الدهن سے مراد نرم پانی ہے۔ تنبت، الانبات سے ہے۔ زر بن جیش نے تنبت تاء کے ضمہ اور باء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ الدهن باء کے حذف اور اس کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ سلیمان بن عبد الملک اور اشہب نے بالدهان پڑھا ہے۔ آیت سے مراد زیتون کی نعمت کو انسان پر شمار کرنا ہے۔ یہ ان نعمتوں کے ارکان سے ہے۔ جن سے استغنا نہیں۔ زیتون کے معنی میں سارے زیتون کے درخت ہیں۔ مختلف علاقوں کے اعتبار سے مختلف اقسام پر جو ہوتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِیْنَ۝ یہ جمہور کی قرأت ہے۔ ایک جماعت نے اصباغ جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔ عامر بن عبد قیس نے ومتاعاً پڑھا ہے۔ اور اس سے مراد زیت ہے جس کے ساتھ کھانا بنایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے: صِبغٌ و صِباغ جیسے دِبغ و دِباغ، لِبس و لِباس ہر سالن جس کے ساتھ کھانا کھایا جاتا ہے وہ صبغ ہے۔ ہروی وغیرہ نے اس کو حکایت کیا ہے۔ الصبغ کا اصل معنی وہ چیز ہے جس کے ساتھ کپڑے کو رنگا جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ سالن کو تشبیہ دی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 140
2۔ ایضاً

گئی ہے کیونکہ روٹی سالن کے ساتھ رنگی جاتی ہے جب روٹی کو سالن میں ڈبویا جاتا ہے۔ مقاتل نے کہا: الادم سے مراد الزیتون اور الدھن سے مراد تیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس درخت میں سالن اور تیل پیدا فرمایا ہے۔ اس بنا پر الصبغ سے مراد زیتون ہوگا۔

مسئلہ نمبر 4۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ تمام مائعات جن کے ساتھ کھانا کھایا جاتا ہے جیسے زیتون کا تیل، گھی، شہد اور شیرہ، سرکہ وغیرہ جو بھی شوربے والی چیزیں ہوتی ہیں وہ سالن ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نص قائم فرمائی ہے(1)۔ نعم الادام الخل، بہترین سالن سرکہ ہے۔ اس کو نو صحابہ نے روایت کیا ہے۔ سات مرد اور دو عورتیں ہیں۔ صحیح میں جنہوں نے اس کو روایت کیا ہے وہ یہ ہیں۔ حضرت جابر، حضرت عائشہ، حضرت خارجہ، حضرت عمر، ان کا بیٹا حضرت عبید اللہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت سمرہ بن جندب، حضرت انس اور حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہم۔

مسئلہ نمبر 5۔ اس میں اختلاف ہے جو چیزیں جامد ہوتی ہیں مثلاً گوشت، کھجور اور زیتون وغیرہ۔ جمہور علماء کہتے ہیں: یہ سب سالن ہیں پس جس نے قسم اٹھائی کہ وہ سالن نہیں کھائے گا پھر اس نے گوشت یا پنیر کھایا تو وہ حانث ہو جائے گا۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: وہ حانث نہیں ہوگا۔ صاحبین نے اس مسئلہ میں امام صاحب کی مخالفت کی ہے۔ امام ابو یوسف سے امام ابو حنیفہ کے قول کی مثل بھی مروی ہے۔ اور البقل (سبزیاں) تمام کے نزدیک سالن نہیں ہے۔ امام شافعی سے کھجور کے متعلق دو قول مروی ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ یہ سالن نہیں کیونکہ ان کا قول التنبیہ میں ہے۔ بعض نے کہا: حانث ہو جائے گا۔ صحیح یہ ہے کہ یہ تمام سالن ہیں۔ ابو داؤد نے حضرت یوسف بن عبد اللہ بن سلام سے روایت کیا ہے(2) فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے ایک ٹکڑا جو کی روٹی کا لیا اور اس پر کھجور رکھی اور فرمایا: ''یہ اس کا سالن ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا و آخرت کے سالن کا سردار گوشت ہے۔ اس حدیث کو ابو عمرو نے ذکر کیا ہے۔ امام بخاری نے باب الادام کے نام سے عنوان باندھا ہے اور اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ذکر کی ہے۔ الادام، الموادمة سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے موافقت کرنا یہ اشیاء روٹی کے موافق ہیں۔ پس یہ ادام ہیں۔ حدیث شریف میں ہے ''سالن سے روٹی کھاؤ اگرچہ پانی کے ساتھ ہو''۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ ادام کی حقیقت اجتماع میں اس طرح موافقت ہے کہ فصل کو قبول نہ کرتا ہو جیسے سرکہ، زیتون کا تیل وغیرہ، رہے گوشت اور انڈے وغیرہ یہ روٹی سے موافقت نہیں کرتے بلکہ یہ اس کے مجاور ہوتے ہیں جیسے تربوز، کھجور اور انگور ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو کھانے میں روٹی کی موافقت کی محتاج ہے وہ ادام ہے، جو اس کی محتاج نہیں بلکہ علیحدہ کھائی جاتی ہے تو وہ سالن نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 6۔ امام ترمذی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''زیتون کا تیل کھاؤ اور اس کا تیل لگاؤ کیونکہ یہ مبارک درخت ہے''(3)۔ یہ حدیث معروف نہیں مگر عبد الرزاق کی

1۔ جامع ترمذی، ابواب الاطعمة، ما جاء فی الخل، جلد 2، صفحہ 6

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الایمان، جلد 2، صفحہ 108۔ ایضاً حدیث 2837، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ جامع ترمذی، ابواب الاطعمة، ما جاء فی اکل الزیت، جلد 2، صفحہ 7۔ ایضاً، حدیث نمبر 1774

حدیث سے۔ وہ اس میں مضطرب ہے کبھی اس میں وہ عن عمر عن النبی ﷺ ذکر کرتا ہے۔ اور کبھی شک کی بنا پر روایت کرتا ہے اس نے کہا: أحسبه عن عمر عن النبی ﷺ اور کبھی کہا: عن زید بن اسلم عن ابیه عن النبی ﷺ۔

مقاتل نے کہا: الطور کو زیتون کے ساتھ خاص کیا گیا ہے، کیونکہ زیتون سب سے پہلے اس سے پیدا ہوا۔ بعض نے کہا: زیتون پہلا درخت ہے جو دنیا میں طوفان کے بعد پیدا ہوا۔

وَ اِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهَا وَ لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ كَثِیْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ عَلَیْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْكُمْ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓىِٕكَةً ۖۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْۤ اٰبَآىِٕنَا الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۴﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِیْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَ وَحْیِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَ لَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾

''اور بیشک تمہارے لیے جانوروں میں غور وفکر کا مقام ہے، ہم پلاتے ہیں تمہیں اس (دودھ) سے جوان کے شکموں میں ہے اور تمہارے لیے ان میں طرح طرح کے بہت فائدے ہیں اور انہیں (کے گوشت) سے تم کھاتے ہو اور ان پر اور کشتیوں پر تمہیں سوار کیا جاتا ہے۔ اور ہم نے بھیجا نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف تو آپ نے فرمایا: اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے بغیر، کیا تم (بت پرستی کے انجام سے) نہیں ڈرتے۔ تو کہنے لگے وہ سردار جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا ان کی قوم سے کہ نہیں ہے یہ مگر بشر تمہارے جیسا یہ چاہتا ہے کہ اپنی بزرگی جتلائے تم پر اور اللہ تعالیٰ (رسول بھیجنا) چاہتا تو وہ اُتارتا فرشتوں کو ہم نے نہیں سنی بات (جو نوح کہتا ہے) اپنے پہلے آباء واجداد میں، نہیں ہے یہ مگر ایسا شخص جسے جنون کا مرض ہو گیا ہے سو انتظار کرو اس کے انجام کا کچھ عرصہ۔ آپ نے عرض کی: اے رب! (اب) تو ہی میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ تو ہم نے وحی بھیجی ان کی طرف کہ بناؤ ایک کشتی ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہمارے حکم کے مطابق پھر جب آجائے ہمارا عذاب اور (پانی) ابل پڑے تنور سے تو داخل کر لو اس میں ہر جوڑے سے دو دو اور اپنے گھر والوں کو بجز ان کے جن کے بارے میں پہلے فیصلہ ہو چکا ہے ان میں سے، اور گفتگو نہ کرنا میرے ساتھ ان کے متعلق جنہوں نے ظلم کیا وہ تو ضرور غرق کیے جائیں گے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ عَلَيْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ سورۃ النحل میں ان پر گفتگو ہو چکی ہے۔ سورۂ ہود میں کشتی اور حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ اور ان کا سمندر پر سوار ہونا کئی مقامات پر گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ عَلَيْهَا یعنی خشکی میں جانوروں پر۔ وَ عَلَى الْفُلْكِ اور دریا میں کشتی پر۔ تُحْمَلُوْنَ خشکی میں اونٹوں پر سوار کیے جاتے ہو۔ پس ضمیر کا بعض انعام کی طرف لوٹانا جائز ہے۔ روایت ہے کہ ایک شخص پہلے زمانہ میں گائے پر سوار ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اسے سوار سے بولنے کی طاقت عطا فرمائی وہ بولی: میں سواری کے لیے پیدا نہیں کی گئی، میں زمین جوتنے کے لیے پیدا کی گئی ہوں (1)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے جر (زیر) کے ساتھ اور معنی کا اعتبار کرتے ہوئے رفع کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ الاعراف میں یہ گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ یعنی وہ تمہاری سرداری کرے اور تم پر شرف حاصل کرے اس طرح کہ وہ متبوع ہو جائے اور ہم اس کے تابع ہوں۔ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً یعنی اگر اللہ چاہتا کہ اس کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ کی جائے تو وہ اپنا رسول فرشتہ کو بناتا۔ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا اس کی دعوت کی مثل ہم نے نہیں سنا۔ بعض نے کہا: ہم نے اس کی مثل بشر نہیں سنا جو اپنے رب کی رسالت کو لایا ہو۔ فِيْۤ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ یعنی گزشتہ امتوں میں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ بھذا میں با زائدہ ہے یعنی ہم نے یہ اپنے آباء و اجداد میں ایسا ہونا نہیں سنا پھر بعض کا بعض پر عطف کیا۔ انہوں نے کہا: اِنْ هُوَ یعنی حضرت نوح علیہ السلام نہیں ہے۔ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ مگر ایک ایسا شخص جس کو جنون کا مرض ہے جو یہ نہیں جانتا کہ کیا کہہ رہا ہے۔ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾ یعنی اس کی موت کا انتظار کرو۔ بعض نے فرمایا: حتی کہ اس کا جنون ظاہر ہو جائے۔ فراء نے کہا: یہاں حین سے مراد مقرر وقت نہیں ہے یہ اس قول کی طرح ہے: دعہ الی یوم ما اسے کچھ وقت تک چھوڑ دو۔ فرمایا: جب وہ اپنی سرکشی پر بڑھتے رہیں۔ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ یعنی اے میرے رب! جس نے میری اطاعت نہیں کی اور میرا پیغام نہیں سنا اس سے تو انتقام لے۔ فَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِ یعنی ہم نے آسمان سے پیغام رساں بھیجے۔ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاسْلُكْ فِيْهَا یعنی اس میں داخل ہو اور اس کے اندر ہو جا۔ کہا جاتا ہے: سلکتہ فی کذا۔ واسلکتہ فیہ۔ جب تو کسی چیز کو داخل کرے عبد مناف بن ربع ہذلی نے کہا:

حتی إذا أسلکو هم فی قُتائِدۃٍ   شَلًّا کما تَطْرد الجَمّالَه الشُّرُدا

مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ حفص نے مِنْ كُلٍّ تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے اضافت کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے اور حسن نے کہا: حضرت نوح نے کشتی میں سوار نہیں کیا تھا مگر جو بچے جنم دیتی تھی اور انڈے دیتی تھی رہے

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 7351

پسو اور مکھی اور کیڑے تو ان میں سے کسی چیز کو سوار نہیں کیا تھا یہ مٹی سے نکلے تھے۔ کشتی کے بارے میں قول تفصیلاً گزر چکا ہے۔

فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَ مَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾

"پھر جب اچھی طرح بیٹھ جائیں آپ اور آپ کے ساتھی کشتی کے عرشہ پر تو کہنا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے ہمیں نجات دی ظالم قوم (کے ظلم وستم) سے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَا اسْتَوَيْتَ جب آپ اور جو آپ کے ساتھی ہیں سوار ہو جائیں اس پر فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ تو اللہ کی حمد کرو کہ اس نے تمہیں خلاصی دی۔ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾ غرق ہونے سے الحمد للہ کا کلمہ ہر اللہ کے شکر گذار کا کلمہ ہے۔ سورۂ فاتحہ میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾

"اور یہ بھی عرض کرنا کہ اے میرے رب! اتار مجھے بابرکت منزل پر اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا یہ اکثر کی قرات ہے مُنْزَلًا میم کے ضمہ اور زاء کے فتحہ کے ساتھ۔ یہ انزال سے مصدر ہے یعنی أنزلني إنزالا مبارکا۔ زر بن جیش اور ابو بکر نے عاصم اور مفضل سے منزلا میم کے فتحہ اور زاء کے کسرہ کے ساتھ روایت کیا ہے، یعنی ظرف کا صیغہ پڑھا ہے یعنی مجھے مبارک جگہ پر اتار۔ جوہری نے کہا: المنزل میم اور زاء کے فتحہ کے ساتھ النزول کا معنی اترنا ہے۔ تو کہتا ہے: نزلت نزولا و منزلا؛ شاعر نے کہا:

أأنْ ذكرتَ تلك الدارُ مَنْزَلَهَا جُمْلُ　　بكيتَ فدمعُ العين مُنْحَدِرٌ سَجْلُ

المنزل کو نصب دی گئی ہے کیونکہ وہ مصدر ہے أنزله غیرہ اور استنزله ہم معنی ہیں۔ نزّله تنزيلا۔ التنزیل کا معنی ترتیب دینا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: یہ اس وقت تھا جب آپ کشتی سے نکلے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ (ہود: 48) بعض نے کہا: جب کشتی میں داخل ہوئے تھے۔ اس صورت میں مُّبٰرَكًا کا قول سلامتی اور نجات کے معنی میں ہوگا۔ میں کہتا ہوں اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تعلیم دے رہا ہے کہ جب وہ سوار ہوں اور جب وہ اتریں تو یہ کہیں بلکہ جب اپنے گھروں میں داخل ہوں اور سلام کریں تو یہ کہیں۔ حضرت علی سے مروی ہے کہ وہ جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: اللھم اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾

"بیشک اس قصہ میں ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں اور ہم ضرور (اپنے بندوں کو) آزمانے والے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ یعنی نوح اور کشتی میں اور کفار کو ہلاک کرنے میں نشانیاں ہیں جو اس کے کمال قدرت پر دلالت کرتی ہیں وہ اپنے انبیاء کرام کی مدد کرتا ہے اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کرتا ہے۔ وَاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾ ہم

ضرور پہلی قوموں کو بھی آزمانے والے تھے یعنی انکی طرف اپنے رسل بھیج کر ہم نے انہیں آزمائش میں ڈالا تھا تا کہ مطیع اور عاصی ایک دوسرے سے ممتاز ہو جائیں اور ملائکہ کے لیے ان کی حالت واضح ہو جائے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ علم حاصل کرنا چاہتا ہے۔ بعض علماء نے کہا: اس کا مطلب ہے ہم ان کے ساتھ آزمانے والوں کا معاملہ کرتے ہیں۔ یہ معنی سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ بعض نے کہا: ان کن کا معنی قد کنا ہے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾

''پھر ہم نے پیدا فرمادی ان کے (غرق ہونے کے) بعد ایک دوسری جماعت۔ پھر ہم نے بھیجا ان میں ایک رسول ان میں سے (اس نے انہیں کہا) کہ عبادت کرو اللہ کی، نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے سوا، کیا تم (شرک کے انجام سے) نہیں ڈرتے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ یعنی قوم نوح کی ہلاکت کے بعد قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾ ایک دوسری جماعت پیدا کر دی۔ بعض نے کہا: یہ قوم عاد تھی۔ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یعنی ہم نے ان میں ہود کو بھیجا کیونکہ حضرت نوح کی قوم کے پیچھے قوم عاد ہی آئی تھی۔ بعض نے کہا: وہ قوم ثمود تھی۔ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا یعنی ہم نے ان میں حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا انہوں نے کہا: اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ (الحجر: 83) اور اس کی مثال یہ ہے۔ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ (ہود: 67) میں کہتا ہوں: جنہیں چنگھاڑ نے آلیا تھا وہ حضرت شعیب کی قوم اصحاب مدین تھے۔ یہ بعید نہیں کہ یہ ہوں اللہ بہتر جانتا ہے۔ منھم ان کے خاندان سے۔ وہ اس کی پیدائش اور پرورش کی جگہ کو جانتے ہیں تا کہ ان کو اس کی بات سے زیادہ سکون ملے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾

''تو بولے ان کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر کیا تھا اور جنہوں نے جھٹلایا تھا قیامت کی حاضری کو اور ہم نے خوشحال بنادیا تھا انہیں دنیوی زندگی میں (اے لوگو!) نہیں ہے یہ مگر ایک بشر تمہاری مانند یہ کھاتا ہے وہی خوراک جو تم کھاتے ہو اور پیتا ہے اس سے جو تم پیتے ہو۔ اور اگر تم پیروی کرنے لگے اپنے جیسے بشر کی تو تم تب نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔ کیا وہ تم سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ تم جب مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تمہیں (قبروں سے) نکالا جائے گا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ قَالَ الْمَلَاُ۔ اَلْمَلَاُ سے مراد اشراف، قائدین اور رؤساء ہیں مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ مراد دوبارہ اٹھنا اور حساب ہے۔ وَ اَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ہم نے ان پر دنیا کی نعمتوں میں وسعت کر دی حتی کہ وہ اکڑ گئے اور اپنی خوشحالی کی وجہ سے کہنے لگے: مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَ يَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ۝ من حذف ہے یعنی مما تشربون منه۔ یہ بصریوں کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ ان کے نزدیک حذف کی احتیاج نہیں ہے، کیونکہ ماجب مصدر ہو تو ضمیر عائد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر تو ما کو بمعنی الذی بنائے گا تو مفعول کو حذف کرے گا من کے اضمار کی پھر بھی ضرورت نہیں۔ وَ لَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ۝ یعنی تم اپنے بتوں کو چھوڑ کر اور اس کی اتباع کر کے خسارہ میں ہو گے اسے تم پر کوئی فضلیت نہیں ہے۔ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ۝ یعنی مرنے کے بعد تم قبور سے اٹھائے جاؤ گے۔ پہلا ان محل نصب میں ہے کیونکہ اس پر یعد کم واقع ہے اور دوسرا انا س سے بدل ہے؛ یہ سیبویہ کا مذہب ہے مطلب یہ ہے کہ کیا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے کہ تم نکالے جاؤ گے جب تم مرجاؤ گے۔ فراء نے کہا: حضرت عبداللہ کی قرات میں یہ تھا أیعد کم إذا متم و کنتم ترابا وعظاما أنکم مخرجون۔ یہ تیرے اس قول کی مانند ہے کہ دوسرا ان تاکید کے لیے مکرر لایا گیا ہے جب کلام لمبی ہو جائے تو اس کا تکرار اچھا ہوتا ہے۔ اخفش نے کہا: اس کا مطلب ہے کیا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے وہ پھر تمہیں نکالے گا؟ پس دوسرا ان فعل مضمر کی وجہ سے محل رفع میں ہے جیسے تو کہتا ہے: الیوم القتال معنی ہے آج جنگ ہوگی۔ ابواسحاق نے کہا: ایعد کم انکم اذا متم و کنتم ترابا وعظاما انکم مخرجون۔ بھی جائز ہے کیونکہ أیعد کم کا معنی ہے کیا وہ کہتا ہے کہ تم الخ۔

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ۝

''یہ بات عقل سے بعید ہے بالکل بعید جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: هَيْهَاتَ یہ بعد کے لیے ہے گویا انہوں نے کہا: جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ بعید ہے، جو یہ دوبارہ اٹھنے کا ذکر کرتے ہیں یہ نہیں ہوگا۔ ابوعلی نے کہا: یہ فعل کے قائم مقام ہے یعنی بعد ما توعدون جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ بعید ہے۔ ابن الانباری نے کہا: هَيْهَاتَ میں دس لغات ہیں هیهات لك۔ تاء کے فتحہ کے ساتھ؛ یہ جماعت کی قرات ہے هیهات لك تاء کے کسرہ کے ساتھ؛ ابوجعفر بن قعقاع سے مروی ہے۔ هیهات لك تاء کے کسرہ اور تنوین کے ساتھ عیسیٰ بن عمر سے مروی ہے هیهات لك تاء کے رفع کے ساتھ۔ ثعلبی نے کہا: نصر بن عاصم اور ابوالعالیہ نے اس طرح پڑھا ہے۔ اور هیهات لك رفع اور تنوین کے ساتھ ابوحیوہ شامی نے اس طرح پڑھا ہے؛ یہ قول بھی ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ هیهات لك نصب اور تنوین کے ساتھ۔ احوص نے کہا:

تذکرت أیاما مضین من الصبا　　　وهیهات هیهاتا إلیك رجوعها

اور ساتویں لغت ایہات ایہات ہے۔ فراء نے یہ دلیل دی ہے:

فأیھات أیھاتَ العقیقُ ومن بہ وأیھات خِلٌّ بالعقیق نواصلہ (1)

مہدوی نے کہا: عیسی ہمدانی نے ھیھات ھیھات تاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن الانباری نے کہا: عربوں میں سے کچھ ایھان نون کے ساتھ بھی کہتے ہیں ایھا بغیر نون کے کہتے ہیں۔ فراء نے یہ شعر پڑھا:

ومن دُونِی الأعیان والقِنعُ کلہ وکُتمانُ أیھَا ما اشت وأبْعَدا

یہ دس لغات ہیں جنہوں نے ھیھات تاء کے فتحہ کے ساتھ کہا اس نے اس کو این اور کیف کی مثل بنایا۔ بعض نے کہا: کیونکہ یہ دوادات ہیں جو مرکب ہیں جیسے خمسۃ عشر، بعلبلک اور رام ہرمز اور تو ھا کے ساتھ دوسرے پر وقف کرے گا جیسے تو کہتا ہے: خمس عشرہ و سبع عشرہ۔ فراء نے کہا اس کی نصب تمت اور ربت کی نصب کی طرح ہے۔ الف اور اس سے پہلے فتحہ کی اتباع میں فتح ہونا بھی جائز ہے اور جنہوں نے تا کو کسرہ دیا انہوں نے اسے أمس اور ھولاء کی مثل بنایا ہے شاعر نے کہا:

وھیھات ھیھات إلیک رجوعھا

کسائی نے کہا: جنہوں نے کسرہ دیا انہوں نے اس پر ھا کے ساتھ وقف کیا وہ کہتا ہے: ھیھاہ اور جنہوں نے تا کو نصب دی اس نے تا کے ساتھ وقف کیا اگر وہ چاہے تو ھا کے ساتھ وقف کرے اور جنہوں نے تا کو ضمہ دیا انہوں نے اس کو منذ، قط اور حیث کی مثل بنایا اور جنہوں نے ھیھات تنوین کے ساتھ پڑھا وہ جمع ہے اس کے ساتھ اس نے کثرت کا ارادہ کیا گویا کہا: بعد أبعد البعض نے کہا: کسرہ دیا گیا اور تنوین دی گئی اصوات کے ساتھ تشبیہ کی بنا پر جیسے عاق وطاق۔ اخفش نے کہا: ھیھات میں جمع کا تصور ہونا بھی جائز ہے پس اس میں تا اس جمع کے لیے ہوگی جو تانیث کے لیے ہوتی ہے اور جنہوں نے ھیھات پڑھا یہ جائز ہے کہ اس نے اس کو اسم معرب بنایا ہو جس میں بعد کا معنی ہو اور اس نے فعل کے لیے اسم نہ بنایا ہوتا کہ مبنی ہو۔ بعض نے کہا: تا کو تا جمع کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ (البقرہ: 198) فراء نے کہا: میں تا پر وقف کو پسند کرتا ہوں عربوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو تا کو ہر حال میں جر دیتے ہیں گویا یہ عرفات اور ملکوت اور اس کے مشابہ الفاظ کی طرح ہے۔ مجاہد، عیسی بن عمرو، ابو عمر بن علاء، کسائی اور ابن کثیر ھیھاہ پر وقف کرتے تھے۔ ابو عمرو سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ ھیھات پر تا پر وقف کرتے تھے۔ بقیہ قراء کا بھی یہی نظریہ ہے کیونکہ یہ حرف ہے۔ ابن الانباری نے کہا: جس نے ان دونوں کو ایک حرف بنایا ہے وہ ایک کو دوسرے سے علیحدہ نہیں کرتا اور دوسرے پر ھا کے ساتھ وقف کیا اور پہلے پر وقف نہیں کیا پس وہ کہتا ہے: ھیھات ھیھاہ جیسے کہتا ہے خمس عشرہ جیسا کہ پہلے گزرا ہے اور جنہوں نے ایک کی دوسرے سے علیحدگی کی نیت کی اس نے دونوں میں ھا اور تا کے ساتھ وقف کیا کیونکہ ھا کی اصل تا ہے۔

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝

”نہیں ہے کوئی اور زندگی سوائے ہماری اس دنیوی زندگی کے یہی ہمارا مرنا ہے اور یہی ہمارا جینا ہے اور ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا“۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 143

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا، هِیَ ضمیر الدُّنْیَا سے کنایہ ہے، یعنی زندگی نہیں ہے مگر جس میں ہم ہیں اور آخرت کی زندگی جس کا دوبارہ اٹھنے کا وعدہ کیا ہے یہ نہیں ہے نَمُوْتُ وَ نَحْیَا کہا جاتا ہے: انہوں نے نَمُوْتُ وَ نَحْیَا کیسے کہا وہ تو دوبارہ زندہ ہونے کا یقین نہیں رکھتے تھے؟ اس کے کئی جوابات ہیں ایک یہ کہ اس کا معنی ہے ہم نطفہ تھے پھر ہم دنیا میں زندہ ہوئے۔ بعض نے کہا: اس میں تقدیم وتاخیر ہے یعنی یہ دنیوی زندگی ہے اس میں ہم جئیں گے اور مریں گے یہ جیسے فرمایا: وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ (آل عمران: 43) سجدہ کر اور رکوع کر اس میں بھی تقدیم وتاخیر ہے۔ بعض علماء نے کہا: نَمُوْتُ یعنی ہمارے آباء مر گئے وَ نَحْیَا اولاد زندہ ہوئی۔ وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ۝ موت کے بعد ہمیں نہیں اٹھایا جائے گا۔

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ا افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا وَّ مَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ قَالَ عَمَّا قَلِیْلٍ لَّیُصْبِحُنَّ نٰدِمِیْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝

"وہ نہیں مگر ایسا شخص جس نے بہتان لگایا ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اور ہم قطعاً اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اس (پیغمبر) نے کہا: میرے رب! اب تو میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے تو مجھے جھٹلا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عنقریب ہی یہ لوگ اپنے کیے پر نادم ہو جائیں گے۔ تو آ پکڑا انہیں حقیقی چنگھاڑ نے تو ہم نے انہیں خس و خاشاک بنا دیا تو برباد ہو جائے وہ قوم جو ستم شعار ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ا۔ اس سے مراد وہ رسول لیتے تھے۔ افْتَرٰی اس کا معنی ہے اس نے گھڑا۔ عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا وَّ مَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ یہ پہلے گزر چکا ہے قَالَ عَمَّا قَلِیْلٍ ما زائدہ مؤکدہ ہے یعنی عن قلیل۔ لَّیُصْبِحُنَّ نٰدِمِیْنَ ۝ وہ اپنے کفر پر شرمندہ ہوں گے لام۔ لام قسم ہے یعنی واللہ لیصبحن، فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ تفاسیر میں ہے حضرت جبریل نے اس ہوا کے ساتھ ان پر چیخ ماری جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا اور وہ سب مر گئے۔ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً۔ ہلاک ہونے والے سیلاب کے خس وخاشاک کی طرح تھے۔ غُثَآءً سے مراد وہ پرانے درخت، گھاس اور سرکنڈے ہوتے ہیں جو پرانے ہو جاتے ہیں اور ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ یعنی ان کے لیے ہلاکت ہے۔ بعض نے کہا: ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہے۔ یہ مصدر کی بنا پر منصوب ہے اس کی مثل سقیا له اور رعیا ہے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِیْنَ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَ مَا یَسْتَاْخِرُوْنَ ۝ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۚ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّ جَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ۝

"پھر ہم نے پیدا فرمائیں ان (کی بربادی) کے بعد کئی قومیں۔ آگے نہیں بڑھ سکتی کوئی قوم اپنی مقررہ میعاد سے

اور نہ وہ لوگ پیچھے رہ سکتے ہیں۔ پھر ہم بھیجتے رہے اپنے رسول یکے بعد دیگرے جب کبھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا تو انہوں نے اسے جھٹلایا پس ہم بھی ایک کے بعد دوسرے کو ہلاک کرتے گئے اور ہم نے (ان جابر) قوموں کو افسانے بنادیا پس خدا کی پھٹکار ہو ایسی قوم پر جو ایمان نہیں لاتی"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ یعنی ان کی ہلاکت کے بعد قُرُوْنًا اٰخَرِیْنَ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ اس کلام میں حذف ہے پس انہوں نے اپنے انبیاء کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں ہلاک کردیا۔ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا من صلہ ہے یعنی کوئی قوم اپنے مقررہ وقت سے آگے نہیں بڑھ سکتی اور پیچھے نہیں رہ سکتی جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ (الاعراف) تَتْرَا کا معنی ہے متواتر۔ بعض کو بعض کے پیچھے بھیجا ترغیب وترہیب کے لیے۔ اصمعی نے کہا: واترت کتبی علیہ۔ بعض کو بعض کے پیچھے رکھا مگر ان میں سے ہر دو کے درمیان وقفہ تھا۔ دوسرے علماء نے کہا: بغیر مہلت کے متواتر ہونا۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے تتری تنوین کے ساتھ پڑھا ہے(1) کیونکہ یہ مصدر ہے راء کے فتحہ پر تنوین داخل کی گئی جیسے تیرا قول حمدا اور شکرا ہے۔ اس پر وقف اس الف پر ہے جو تنوین کے عوض ہے اور اس کا جعفر کے ساتھ ملحق ہونا بھی جائز ہے پس یہ ارطی اور علقی کی مثل ہوگا جیسے شاعر نے کہا:

یستن فی علقی وفی مُکُور

جب اس وجہ پر وقف ہوگا تو امالہ جائز ہوگا۔ الف ملحقہ پر وقف کی نیت ہوگی۔ ورش نے دونوں لفظوں کے درمیان پڑھا ہے جیسے سکری اور غضبی یہ اسم جمع ہے جیسے شتی اور اسری ہے اسکی اصل وتری ہے یہ الموا تر اور التواتر سے ہے واؤ کو تاء سے بدلا گیا ہے جیسے التقوی والتکلان وتجاہ اور اس جیسے الفاظ۔ بعض نے کہا: یہ الوتر سے مشتق ہے جس کا معنی فرد ہے معنی یہ ہوگا ہم نے انہیں فردا فردا بھیجا۔ نحاس نے کہا اس بنا پر تتری پہلی تا کے کسرہ کے ساتھ جائز ہے یہ، مصدر کی بنا پر منصوب ہے، کیونکہ ثُمَّ اَرْسَلْنَا کا معنی ہے اترنا۔ اور یہ اس کا حال بنانا بھی جائز ہے یعنی متواترین کے معنی میں ہوگا۔ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا یعنی ہم بھی متواتر انہیں ہلاک کرتے رہے۔ وَّ جَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ یہ أحدوثۃ کی جمع ہے جو بات کی جاتی ہے جیسے اعاجیب جمع ہے اعجوبۃ کی وہ جس سے تعجب کیا جائے۔ اخفش نے کہا: شر میں کہا جاتا ہے جعلنا ہم احادیثا اور خیر میں یہ نہیں کہا جاتا ہے: صار فلان حدیثا یعنی فلان عبرت کا نشان بن گیا جیسے دوسری آیت میں فرمایا فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ وَ مَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ (سبا: 19) میں کہتا ہوں کہا جاتا ہے: فلان حدیث حسن جب اس کے ذکر کے ساتھ مقید ہو؛ اسی سے ابن درید کا قول ہے۔

انما المرء حدیث بعدہ فکن حدیثا حسنا لمن وعی

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ۬ بِاٰیٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۠ىِٕهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا عَالِیْنَ ۝ فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَ قَوْمُهُمَا لَنَا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 144

عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾

''پھر ہم نے بھیجا موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں اور واضح دلیل دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف تو انہوں نے بھی غرور و تکبر کیا اور وہ لوگ بڑے سرکش تھے۔ تو انہوں نے کہا: کیا ہم ایمان لے آئیں ان دو آدمیوں پر جو ہماری مانند ہیں حالانکہ ان کی قوم ہماری غلام ہے۔ پس انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بھی برباد ہونے والوں میں شامل ہو گئے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ۬ بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ کا معنی ہے تکبر کرنے والے اور دوسروں پر ظلم کرنے والے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ (القصص: 4) فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا یہ آیت پہلے گزر چکی ہے۔ مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ سمندر میں غرق ہونے کے ساتھ ہلاک ہونے والوں سے ہو گئے۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

''بے شک ہم نے عطا فرمائی موسیٰ کو کتاب تا کہ (ان کی قوم) ہدایت یافتہ ہو جائے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ یعنی تورات، حضرت موسیٰ کا خاص ذکر کیا کیونکہ تورات طور میں ان پر نازل ہوئی تھی اور حضرت ہارون ان کی قوم میں خلیفہ تھے اگر ولقد آتینا ھما فرمایا جاتا تب بھی جائز ہوتا جیسے فرمایا: وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ (الانبیاء: 48)

وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗۤ اٰيَةً وَّ اٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾

''اور ہم نے بنا دیا مریم کے فرزند اور اس کی ماں (مریم) کو (اپنی قدرت کی) نشانی اور انہیں بنایا ایک بلند مقام پر جو رہائش کے قابل تھا اور جہاں چشمے جاری تھے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗۤ اٰيَةً اس پر گفتگو سورۃ الانبیاء میں گزر چکی ہے۔ وَّ اٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ الربوۃ زمین کی بلند جگہ کو کہتے ہیں۔ یہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ یہاں اس سے مراد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول میں فلسطین ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ رملہ کا شہر ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن مسیب اور ابن سلام نے فرمایا: اس سے مراد دمشق ہے۔ کعب اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد بیت المقدس ہے۔ کعب نے کہا: یہ وہ زمین ہے جو آسمان کے قریب اٹھارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔

فکنت ھَبِیدا تحت رَمْس بربوۃ　　تَعاوَرُنی ریحٌ جنوبٌ وشَمْاَلٌ

ابن زید نے کہا: اس سے مراد مصر ہے۔ سالم افطس نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ: وَّ اٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ سے مراد زمین کی بلند جگہ ہے۔ ذَاتِ قَرَارٍ برابر زمین جس پر قرار ہو۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد پھلوں والی زمین ہے پھلوں کی وجہ سے لوگ اس میں رہتے ہیں وَّ مَعِيْنٍ جاری پانی جو چشموں سے ظاہر ہو کہا جاتا ہے: معین و معن جیسے کہا جاتا ہے: رغیف

درغف؛ یہ علی بن سلیمان کا قول ہے۔ زجاج نے کہا: یہ چشموں میں جاری پانی ہے اس بنا پر میم زائدہ ہوگی جیسے مبیع میں میم زائدہ ہے اسی طرح اس کے قول پر بھی میم زائدہ ہوگی جو کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ پانی ہے جو آنکھ کے ذریعے دیکھا جاتا ہے۔ بعض نے کہا: یہ فعیل بمعنی مفعول ہے۔ علی بن سلیمان نے کہا: کہا جاتا ہے معن الماء جب پانی جاری ہو فھو معین و معیون۔ ابن اعرابی نے کہا: معن الماء یمعن معونا جب پانی جاری ہو اور آسان ہو اَمْعَنَ اور اَمْعَنْتُه و میاہ مُعْنان۔

يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿51﴾

''اے (میرے) پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرو بیشک میں جو اعمال تم کر رہے ہو ان سے خوب واقف ہوں''۔

اس میں دو مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا مگر پاک اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کو وہی حکم دیا جو اس نے مرسلین کو حکم دیا (1) فرمایا: يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿51﴾ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ (البقرہ: 172) پھر ذکر کیا ایک شخص لمبا سفر کرتا ہے اس کے بال پراگندہ ہیں، جسم غبار آلود ہے، اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کرتا ہے کہتا ہے: یا رب یا رب جب کہ اس کا کھانا حرام ہے اور پینا بھی حرام ہے اور اس کا لباس بھی حرام ہے اور اسے حرام سے غذا دی گئی ہے پھر اس کی دعا کیسے قبول ہوگی؟''

مسئلہ نمبر 2۔ بعض علماء نے فرمایا: اس آیت میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام رسل کے قائم مقام رکھا جیسے فرمایا: اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ (آل عمران: 173) اس آیت میں النَّاسُ سے مراد نعیم بن مسعود ہے۔ زجاج نے کہا: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے جمع کا صیغہ اس بات پر دلیل ہے کہ تمام رسل کو اسی طرح حکم دیا گیا تھا، یعنی حلال سے کھاؤ۔ طبری نے کہا خطاب حضرت عیسیٰ کو ہے روایت ہے کہ وہ اپنی والدہ کے سوت کاتنے سے کھاتے تھے۔ ان سے مشہور یہ ہے کہ وہ جنگل کی سبزیوں سے کھاتے تھے اور حضرت عیسیٰ کو خطاب کی وجہ وہی ہے جو ہم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ذکر کی ہے یعنی انہیں شرف دینے کے لیے۔ بعض نے کہا: اس بات سے ہر نبی کو خطاب کیا گیا ہے کیونکہ یہ ان کا طریقہ ہے جس پر ان کا ہونا مناسب ہے پس معنی یہ ہوگا ہم نے کہا: اے رسل! کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے جیسے تو تاجر کو کہتا ہے: اے تاجرو! سود سے بچو، تو اس کو معنی کے ساتھ خطاب کرتا ہے اس کے ساتھ متصل ہے کہ یہ مقالہ تمام اصناف کی صلاحیت رکھتا ہے انبیاء کرام کو اکٹھا کبھی خطاب نہیں کیا گیا ہر ایک کو اس کے زمانہ میں خطاب کیا گیا۔ فراء نے کہا: یہ اس طرح ہے جیسے ایک شخص کو کہتا ہے، ہمیں اذیت دینے سے رک جاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے اکل حلال کے وجوب اور حرام سے اجتناب کے ساتھ خطاب میں انبیاء کرام اور مومنین میں برابری فرمائی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، قبول الصدقۃ من الکسب الطیب، جلد 1، صفحہ 326

اور پھر تمام اس وعید میں شامل ہیں جس کو اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ کا ارشاد اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ الله تعالیٰ درود بھیجے اپنے رسل اور انبیاء پر جب انبیاء کرام کے ساتھ یہ معاملہ ہے تو پھر باقی لوگوں کے ساتھ کیسا گمان ہے؟ الطیبات اور الرزق کے بارے میں گفتگو کئی مقامات پر گزر چکی ہے۔ الحمدلله۔ اور حدیث شریف یمد یدیہ (1)۔ وہ ہاتھوں کو بلند کرتا ہے۔ دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھوں کو بلند کرنے کی مشروعیت پر دلیل ہے۔ اس میں کلام گزر چکی ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد: فانی یستجاب لذلك (2)۔ اس کی دعا قبول کیسے ہوگی؟ یہ استبعاد کی جہت سے ہے یعنی وہ دعا کی قبولیت کا اہل نہیں لیکن یہ جائز ہے کہ الله تعالیٰ اپنے لطف کرم سے اس کی دعا قبول فرمالے۔

وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾ فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَذَرْهُمْ فِیْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِیْنٍ ﴿۵۴﴾

”اور یہی تمہارا دین ہے (اور) وہ ایک ہی ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں سو تم ڈرا کرو مجھ سے۔ لیکن کاٹ کر بنا دیا انہوں نے اپنی دینی وحدت کو باہمی اختلاف سے پارہ پارہ، ہر گروہ اپنے نظریات پر مسرور ہے۔ پس (اے محبوب!) رہنے دو انہیں اپنی مدہوشی میں کچھ وقت تک“۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ یہ تمہارا دین اور تمہاری ملت ہے پس اسے لازم پکڑو۔ امت سے مراد یہاں دین ہے اس کے محمل پہلے گزر چکے ہیں اسی سے الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ (الزخرف: 23) یعنی علی دین النابغہ نے کہا۔

حلفتُ فلم أترك لنفسك رِيبة وهل يَأثَمَنْ ذُو أُمَّةٍ وهو طائع

مسئلہ نمبر 2۔ وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ ھمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور فتحہ کے ساتھ اور نون کی تشدید کے ساتھ پڑھا گیا ہے: خلیل نے کہا: یہ محل نصب میں ہے کیونکہ حرف جر حذف ہے یعنی أنا عالم بأنّ ھذا دینکم الذی أمرتکم أن تومنوا به۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارا یہ دین ہے جس کا میں نے حکم دیا ہے کہ تم اس پر ایمان لاؤ (3)۔ یہ مضمر فعل کے متعلق ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ واعلموا أن ھذہ أمتکم۔ یہ سیبویہ کے نزدیک فَاتَّقُوْنِ کے متعلق ہے۔ تقدیر اس طرح ہے فاتقون لأن أمتکم واحدۃ۔ یہ اس ارشاد کی طرح ہے: وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿﴾ (الجن) یعنی لأن المساجد لله فلا تدعوا معه غیرہ۔ اور جس طرح یہ ارشاد ہے: لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ﴿﴾ (القریش: 1) یعنی فلیعبدوا رب ھذا البیت لایلاف قریش۔

مسئلہ نمبر 3۔ یہ آیت اس بات کو تقویت دیتی ہے کہ یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ میں خطاب سب کو ہے۔ یہ انکی حاضری کی

1۔ صحیح مسلم، بیان أن اسم الصدقة یقع علی کل نوع من المعروف، جلد 1، صفحہ 326 2۔ ایضاً

2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 146

تقدیر کے اعتبار سے ہے اور جب تو یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ سے مراد صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب لے تو اس آیت اور فَتَقَطَّعُوْۤا کا اتصال مشکل ہوتا ہے۔ رہا اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ۔ کا ارشاد اگرچہ یہ انبیاء کرام کو کہا گیا ہے لیکن معنی کے اعتبار سے اس میں امتیں بھی شامل ہیں اس کے بعد فَتَقَطَّعُوْۤا کا اتصال بہتر ہوگا۔ فَتَقَطَّعُوْۤا سے مراد ہوگا کہ امتیں متفرق ہوگئیں انہوں نے ایک دین کو اجتماع کے حکم کے بعد بھی کئی ادیان بنا ڈالا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک اپنی رائے اور گمراہی پر خوش ہے یہ گمراہی کی انتہا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ''خبردار! تم سے پہلے اہل کتاب بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے اور یہ امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی بہتر دوزخ میں ہوں گے اور ایک جنت میں ہوگا اور وہ جماعت ہے''۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے (1) اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور یہ زائد روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کون سا گروہ ہے؟ فرمایا: ''جس طریقہ پر میں اور میرے اصحاب ہیں'' (2) انہوں نے اسے حضرت عبد اللہ بن عمرو کی حدیث سے بیان کیا ہے۔ یہ بیان ہے کہ آیت میں اور حدیث میں جس افتراق سے ڈرایا گیا ہے وہ اصول دین اور قواعد دین میں ہے کیونکہ اصول وقواعد پر ملل کا اطلاق کیا ہے اور بیان فرمایا کہ ان ملل میں سے کسی چیز کو پکڑنا☆ دخول نار کا موجب ہے اس قسم کا حکم فروع میں نہیں بیان کیا جاتا، کیونکہ یہ ملل کے متعدد ہونے اور آگ کے عذاب کا موجب نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا (المائدہ: 48) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: زُبُرًا یعنی وہ کتب جو انہوں نے خود وضع کیں اور گمراہیاں جو انہوں نے تالیف کیں؛ یہ ابن زید کا قول ہے۔ بعض علماء نے کہا: انہوں نے کتب کو جدا جدا کیا اور ایک فرقہ نے صحف کی پیروی کی، ایک فرقہ نے تورات کی پیروی کی، ایک فرقہ نے زبور کی اور ایک فرقہ نے انجیل کی پیروی کی تمام نے ان کتب میں تحریف اور تبدیلی کی؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ بعض نے کہا: ان میں سے ہر فریق نے ایک کتاب کو پکڑا اس پر ایمان لائے اور اس کے علاوہ کتب کا انکار کیا۔ زبر باء کے ضمہ کے ساتھ نافع کی قرأت ہے اس کی جمع زبور ہے اعمش اور ابو عمرو سے زبر باء کے فتحہ کے ساتھ مروی ہے یہ لوہے کے ٹکڑوں کی طرح ٹکڑے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ (الکہف: 96) كُلُّ حِزْبٍۭ یعنی ہر فریق اور ہر ملت۔ بِمَا لَدَیْهِمْ یعنی جو دین میں سے ان کے پاس تھا۔ فَرِحُوْنَ اس پر خوش تھے یہ آیت قریش کی مثال ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بارے میں خطاب فرمایا اس قول کے ساتھ: فَذَرْهُمْ فِیْ غَمْرَتِهِمْ۔ یعنی ان لوگوں کو چھوڑیئے یہ گذشتہ لوگوں کی طرح ہیں ان سے عذاب کی تاخیر پر آپ کا سینہ تنگ نہ ہو۔ ہر چیز کا ایک وقت ہے۔ الغمرۃ لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جو تجھے ڈھانپ لے اور تجھ پر غالب آجائے۔ اس کی اصل ڈھانپنا ہے اس میں سے الغمر ہے جس کا معنی کینہ ہے کیونکہ وہ دل کو ڈھانپ دیتا ہے الغمرۃ زیادہ پانی کو بھی کہتے ہیں جو زمین کو ڈھانپ دیتا ہے۔ غمر الرداء وہ جو عطا کے ساتھ لوگوں کو ڈھانپ دیتا ہے شاعر نے کہا:

1۔ سنن ابی داؤد، باب شرح السنۃ، جلد 2، صفحہ 275 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 89

☆ ایسے اصول وقواعد کو اپنانا جو ان اصول وقواعد کے خلاف ہوں جن پر دین اسلام کی بنیاد ہے۔

غَمْرُ الرداءِ إذا تبسم ضاحكا　غَلِقَتْ لضَحْكَتِه رِقابُ المالِ

یہاں مراد حیرت، غفلت اور گمراہی ہے۔ دخل فلان فی غمار الناس یعنی وہ ان کے رش میں داخل ہوا۔ حَتّٰی حِیْنٍ۔ مجاہد نے کہا: اس کا مطلب ہے موت تک، یہ دھمکی ہے کوئی متعین وقت نہیں ہے جیسے کہا جاتا ہے: سیاتی لک یوم؛ ایک دن تجھ پر آئے گا۔

اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِیْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

"کیا یہ تفرقہ باز خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مدد کر رہے ہیں مال و اولاد (کی کثرت سے)، تو ہم جلدی کر رہے ہیں انہیں بھلائیاں پہنچانے میں (یوں نہیں) بلکہ وہ (حقیقت حال سے) بے خبر ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِیْنَ ﴿۵۵﴾ ما بمعنی الذی ہے یعنی اے پیارے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ جو ہم انہیں دنیا میں مال اور اولاد دیتے ہیں وہ ان کے لیے ثواب ہے بلکہ وہ تو استدراج ہے اور ڈھیل ہے یہ بھلائیوں کے پہنچانے میں جلدی نہیں ہے۔ ان کی خبر میں تین اقوال ہیں۔ (۱) خبر محذوف ہے۔ زجاج نے کہا اس کا معنی ہے نسارع لهم به فی الخیرات، به کو، حذف کیا گیا(1)۔ ہشام الضریر نے ایک باریک اور دقیق قول کیا ہے۔ انہوں نے کہا: انما هی الخیرات۔ معنی یہ ہوگا سارع لهم فیه۔ پھر ظاہر فرمایا اور فرمایا فِی الْخَیْرٰتِ۔ اس تقدیر پر اس میں حذف نہیں ہے۔ کسائی کا مذہب یہ ہے کہ انما ایک حرف ہے۔ یہ حذف کی تقدیر کا محتاج نہیں وَّ بَنِیْنَ پر وقف جائز ہے اور جنہوں نے کہا کہ انما دو حرف ہیں ان کے نزدیک ایک ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو خبر ان کے اسم کی طرف لوٹے وَّ بَنِیْنَ پر وقف مکمل نہیں۔ سختیانی نے کہا وَّ بَنِیْنَ پر وقف اچھا نہیں کیونکہ یَحْسَبُوْنَ دو مفعولوں کا محتاج ہے۔ دونوں مفعولوں کی تکمیل فِی الْخَیْرٰتِ میں ہے۔ ابن انباری نے کہا: یہ خطا ہے کیونکہ اَنَّ اپنے اسم اور خبر کی وجہ سے کافی ہے ان کے بعد دوسرا مفعول لانا جائز نہیں۔ ابو عبد الرحمن سلمی اور عبد الرحمن بن ابی بکرہ نے یسارع یاء کے ساتھ پڑھا ہے اس بناء پر کہ اس کا فاعل امدادنا ہے۔ یہ بغیر حذف کے ہونا جائز ہے یعنی یسارع لهم الامداد۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس میں حذف جائز ہو معنی ہوگا یسارع الله لهم اور یسارع لهم فی الخیرات بھی پڑھا جاتا ہے اس میں تین وجوہ ہیں: ایک حذف کی بناء پر ہے اور یسارع الامداد ہونا بھی جائز ہے یہ بھی جائز ہے کہ لهم نائب الفاعل ہو؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ مہدوی نے کہا حرنحوی نے نسرع لهم فی الخیرات پڑھا ہے یہ جماعت کی قرات کا معنی ہے۔ ثعلبی نے کہا: درست جمہور کی قرات ہے کیونکہ پیچھے نمد آیا ہوا ہے۔ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ انہیں شعور نہیں کہ یہ ان کے لیے فتنہ ہے اور استدراج ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 347

يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٨﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَ الَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿٦٠﴾

''بیشک وہ لوگ جو اپنے رب کے خوف سے ڈر رہے ہیں، اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں، اور وہ جو اپنے رب کے ساتھ (کسی کو) شریک نہیں بناتے، اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اس حال میں کہ ان کے دل ڈر رہے ہیں (اس خیال سے) کہ وہ (ایک دن) اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿٥٧﴾ کفار کے ذکر اور ان کو وعید سنانے کے بعد مومنین کا ذکر کیا جو نیکیوں میں جلدی کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو ان کے ساتھ وعدہ کیا ہے اس کا ذکر کیا ہے اور ان کی ابلغ صفات کا ذکر کیا مُّشْفِقُوْنَ وہ ان چیزوں سے ڈرنے والے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ڈرایا ہے۔ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٨﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَ الَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ۔ حسن نے کہا: وہ اخلاص کا مظاہرہ کرتے ہیں اور وہ ڈرتے ہیں کہ ان کا عمل کہیں غیر مقبول ہو جائے۔ ترمذی نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق پوچھا: وَ الَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ حضرت عائشہ نے عرض کی: کیا وہ شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں (1)؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں اے صدیق کی بیٹی! لیکن وہ روزے رکھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور صدقہ دیتے ہیں جب کہ وہ ڈرتے بھی رہتے ہیں کہ کہیں ان کے یہ اعمال رد نہ کیے جائیں یہی وہ لوگ ہیں جو نیکیوں میں جلدی کرنے والے ہیں'' (2)۔ حسن نے کہا: ہم نے ایسے لوگوں کو پایا کہ انہیں اپنی نیکیوں کے رد ہونے کا زیادہ خوف ہوتا تھا اس سے زیادہ جتنا کہ تمہیں اپنی برائیوں پر عذاب دیئے جانے کا خوف ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور نخعی نے وَ الَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا۔ الاتیان سے مشتق کر کے مقصور پڑھا ہے۔ فراء نے کہا: یہ قرات حضرت عائشہ سے صحیح ہوتی تو جماعت کی قرأت کے خلاف نہ ہوتی کیونکہ عربوں میں سے جو تمام حالات میں ہمزہ میں الف کو لازم کرتے ہیں جب اسے لکھا جاتا ہے پس سئل الرجل سین کے بعد الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ یستھزؤن۔ زا اور واؤ کے درمیان الف کے ساتھ ہے اور شیٔ یا کے بعد الف کے ساتھ ہے۔ پس ان علماء کے نزدیک یا کے بعد الف کے ساتھ لکھنا ناپسندیدہ نہیں یہ لفظ اس خط کی بنا پر دونوں قراؤتوں کا احتمال رکھتا ہے۔ يُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا۔ ویاتون ما اتوا (3) ان دونوں تاویلوں کے احتمال کے ساتھ منفرد ہے۔ وہ نظریہ جو جماعت کا ہے، وہ جو زکاۃ، صدقہ دیتے ہیں تو ان کے دل کانپ رہے ہوتے ہیں اور وہ جو فرشتوں کو اعمال پیش کرتے ہیں تو ڈر رہے ہوتے ہیں۔ مفعول کو اس باب میں حذف کیا گیا ہے کیونکہ اس کا معنی واضح ہے، جس طرح کہ اس قول میں حذف کیا گیا ہے فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَ فِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿٤٩﴾ (یوسف) یعنی وہ تلوں اور انگور کو نچوڑتے ہیں۔ مفعول کو حذف کیا کیونکہ اس کی تاویل واضح ہے۔ اصل اس قرات پر ہوگی اور قرآن کے

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ مومنون، جلد 2، صفحہ 147
2۔ ترمذی، باب ومن سورۃ المومن، حدیث نمبر 3099، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
3۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 348

اصل نسخہ میں موجود ہے یاتون، الف ہمزہ سے بدلا گیا ہے اور الف کو واؤ کی صورت میں لکھا گیا ہے، کیونکہ خفا میں حروف مدہ اور لین برابر ہیں، ابن الانباری نے یہ حکایت کیا ہے۔ نحاس نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرات سے معروف والذین یاتون ما اتوا ہے یہ قرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور حضرت عائشہ سے مروی ہے اور اس کا معنی ہے وہ عمل کرتے ہیں جو عمل کرتے ہیں جیسا کہ حدیث میں مروی ہے۔ الوجل کا معنی ڈرنا اور خوف کھانا ہے متقی اور تائب کو انجام کا خوف ہوتا ہے اور ان امور کا خوف ہوتا ہے جو موت کے بعد اس پر طاری ہوں گے۔ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ یہ خاتمہ پر تنبیہ ہے۔ صحیح بخاری میں ہے: انما الأعمال بالخواتیم (1)۔ اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہے۔ رہا وہ شخص جس سے نیکیاں اور گناہ دونوں سرزد ہوتے ہوں تو انہیں وعید کے نفاذ کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اصحاب الخواطر نے کہا: عارف پر طاعت کی وجہ سے کپکپی اس سے کہیں زیادہ ہوتی ہے جتنا کہ مخالفت پر کپکپی ہوتی ہے کیونکہ مخالفت کو توبہ مٹا دیتی ہے اور طاعت میں غرض کی تصحیح مطلوب ہوتی ہے☆ اَنَّهُمْ یعنی لانهم یا من اجل انهم۔۔۔۔ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ۔

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝٦١

''یہی لوگ جلدی کرتے ہیں بھلائیاں کرنے میں اور وہ بھلائیوں کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ۔ خیرات سے مراد نیکیاں ہیں وہ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں تاکہ اعلیٰ درجات اور بالا خانوں کو حاصل کرلیں یہ يُسْرِعُوْنَ بھی پڑھا گیا ہے یعنی وہ نیکیوں کی طرف جلدی کرنے والے ہوتے ہیں يُسٰرِعُوْنَ کا مطلب ہے وہ اس سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں جو ان سے نیکیوں میں سبقت لے جاتا ہے مفعول محذوف ہے۔ زجاج نے کہا: جو جلدی کرتے ہیں وہ اس سے زیادہ جلدی کرتے ہیں (2)۔ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ۔ اسمیں جو خوبصورت قول ہے وہ یہ ہے کہ وہ نیکیوں کو ان کے اوقات میں ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہ دلیل ہے کہ نیکیوں کو ان کے اوقات میں ادا کرنا افضل ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ جو کسی چیز میں بڑھ جائے وہ اس کی طرف سبقت لے جانیوالا ہے اور ہر وہ شخص جو اس سے موخر ہوتا ہے تو اس کا فوت ہونا اس سے سبقت لے جاتا ہے۔ لَهَا میں لام اس قول کی بنا پر الی کے معنی میں ہے، جیسے فرمایا: بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝ (الزلزلہ) یعنی اوحی الیها۔ سیبویہ نے یہ شعر کہا ہے:

تجانفُ عن جوّ اليمامة ناقتي　　وما قصدت من أهلها لسوائكا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝ کا یہ معنی مروی ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کے لیے سعادت مل چکی ہے اس وجہ سے وہ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ نیکیوں کی وجہ سے سبقت لے جانے والے ہیں۔

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝٦٢

''اور ہم تکلیف نہیں دیتے کسی شخص کو مگر جتنی اس کی طاقت ہے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو سچ بولتی ہے

1۔ صحیح بخاری، باب العمل بالخواتیم، جلد 2، صفحہ 978　　2۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 348

☆ النکت والعیون، جلد 4، صفحہ 59

اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا یہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ اور جو تکلیف مالا یطاق شریعت میں وارد ہے اس تمام کے لیے ناسخ ہے۔ وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ سب کا ظاہر قول یہ ہے کہ یہاں کتاب سے مراد اعمال کو شمار کرنے والی کتاب ہے جسے ملائکہ اٹھاتے ہیں اس کو اپنی طرف منسوب کیا کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے بندوں کے اعمال لکھے جاتے ہیں وہ حق کے ساتھ بولتی ہے اس میں تہدید اور ظلم سے مایوس کرنا ہے۔ لفظ النطق کتاب کے لیے جائز ہے اور مراد یہ ہے کہ انبیاء کرام اس کے احکام کے ساتھ بولتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد لوح محفوظ ہے اس میں ہر چیز لکھی ہوئی ہے پس وہ اس سے تجاوز نہیں کرتے۔ بعض نے کہا: وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ سے مراد قرآن ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ تمام معانی کا احتمال رکھتا ہے اور پہلا معنی اظہر ہے۔

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْــَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَا تَجْــَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾

"بلکہ ان کے دل مدہوش ہیں اس (خوفناک حقیقت) سے اور ان کے اعمال مومنوں کے اعمال سے مختلف ہیں۔ یہ (نابکار) ان برے کاموں کو ہی کرنے والے ہیں، یہاں تک کہ جب ہم پکڑیں گے ان کے خوشحال لوگوں کو عذاب سے اس وقت وہ چلائیں گے۔ (ظالمو!) آج نہ چلاؤ تمہاری ہماری طرف سے اب کوئی مدد نہ کی جائے گی"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا مجاہد نے کہا: وہ پردے اور غفلت میں ہیں اور قرآن سے اندھے ہو چکے ہیں کہا جاتا ہے: غمرة الماء جب پانی ڈھانپ لے۔ نہر غمر ایسی نہر کہ جو اس میں داخل ہو اس کو ڈھانپ دیتی ہے رجلٌ غَمْرٌ یغمرہ آراء الناس۔ ایسا شخص جس کو لوگوں کی آراء ڈھانپ لیں۔ بعض علماء نے کہا غمرة کیونکہ وہ چہرے کو ڈھانپ لیتی ہے اسی سے ہے دخل فی غمار الناس و خمارھم۔ یعنی لوگوں کے مجمع نے اسے ڈھانپ لیا۔ بعض نے کہا: بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ یعنی وہ حیرت اور اندھے پن میں ہیں یعنی اس سے وہ اندھے ہیں جو پہلی آیات میں اعمال خیر بیان کیے گیے ہیں؛ یہ قتادہ کا قول ہے یا اس کتاب سے اندھے ہیں جو حق بولتی ہے(1)۔ وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ قتادہ اور مجاہد نے کہا: ان کی ایسی خطائیں ہیں کہ ضرور وہ حق کے علاوہ کام کریں گے۔ حسن اور ابن زید نے کہا: اس کا معنی ہے ان کے ردی اعمال ہیں جس روش پر ہیں انہوں نے اس کے علاوہ اعمال نہیں کیے ضرور وہ مومنین کے اعمال کے علاوہ اعمال کریں گے جن کی وجہ سے وہ دوزخ میں داخل ہوں گے ان کے لیے شقاوت مقدر ہو چکی ہے۔ ایک تیسرا احتمال بھی ہے کہ اس نے خالق کا کفر کرنے کے ساتھ مخلوق پر ظلم کیا؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ یہ معانی قریب قریب ہیں۔ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا

1۔ احکام القرآن للطبری، جز 18، صفحہ 46

مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ۔ یعنی بدر کے دن جب ہم نے تلوار کے ساتھ ان کے خوشحال لوگوں کو پکڑ لیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ضحاک نے کہا: یعنی بھوک سے پکڑ لیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف دعا کی ''اے اللہ! مضر قبیلہ پر سختی فرما۔ اے اللہ! انہیں ایسے قحط میں مبتلا کر دے جیسے یوسف کے زمانہ میں تھا'' (1) پس اللہ تعالیٰ نے انہیں قحط اور بھوک میں مبتلا کر دیا حتی کہ انہوں نے ہڈیاں، مردار، کتے اور دھر نگے کھائے، ان کے مال اور عیال ہلاک ہوئے۔ اِذَا هُمْ يَجْئَرُوْنَ۔ وہ چیختے تھے اور مدد طلب کرتے تھے۔ الجؤار کا اصل معنی تضرع کے ساتھ آواز بلند کرنا ہے، جیسے بیل آواز نکالتا ہے۔ اعشی نے گائے کا وصف بیان کرتے ہوئے کہا:

فطافت ثلاثًا بَيْنَ يوم وليلة　　وكان النكير أن تُضِيفَ وتجأرا

جوہری نے کہا: الجؤار، الخوار کی مثل ہے۔ کہا جاتا ہے: جأر الثور يجأر یعنی بیل نے آواز نکالی۔ بعض نے عجلاً جسدا له جؤار پڑھا ہے۔ اخفش نے یہ حکایت کیا ہے۔ اور جأر الرجل الى الله عزوجل یعنی دعا کے ساتھ تضرع کیا۔ قتادہ نے کہا: وہ توبہ کے ساتھ چیختے تھے پس ان سے توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔

يراوح من صلوات المَلِيك　　فَطَوْرًا سجودا و طَوْرًا جُؤارا

ابن جریج نے کہا: حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بدر میں قتل کیے گئے تھے۔ اِذَا هُمْ يَجْئَرُوْنَ ﴿٦٤﴾ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مکہ میں تھے۔ پس دونوں قولوں کو جمع کیا گیا۔ یہ عمدہ ہے۔ لَا تَجْئَرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا۔ منا سے مراد من عذابنا ہمارے عذاب سے لَا تُنْصَرُوْنَ۔ تمہاری حفاظت نہیں کی جائے گی اور تمہاری جزع و فزع تمہیں نفع نہیں دے گی۔ حسن نے کہا: توبہ کی قبولیت کے ساتھ ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ بعض علماء نے کہا: اس نہی کا معنی اخبار ہے یعنی تم اگر تضرع وزاری کرو تو تمہیں نفع نہ دے گی۔

قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿٦٦﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖۗ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿٦٧﴾

''(وہ وقت یاد کرو) جب ہماری آیتیں تمہارے سامنے پڑھی جاتی تھیں اور تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جایا کرتے تھے غرور و تکبر کرتے ہوئے (پھر صحن حرم میں) تم داستان سرائی کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تُتْلٰى عَلَيْكُمْ تم پر پڑھی جاتی ہیں۔ ضحاک نے کہا قتل کے ساتھ عذاب دینے سے پہلے۔ تَنْكِصُوْنَ ﴿٦٦﴾ تم پیچھے کی طرف لوٹتے ہو (2)۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی پیچھے ہٹتے ہو۔ اس کی اصل الٹے پاؤں پیچھے ہٹنا ہے، شاعر نے کہا:

زعموا بأنهم على سُبُل النَّجا　　ةِ وإنما نَكَصٌ على الأعقاب

1۔ صحیح بخاری، الدعاء على المشركين، جلد 2، صفحہ 942

2۔ احکام القرآن للطبری، جز 18-17، صفحہ 48

یہاں حق سے اعراض سے استعارہ ہے۔ حضرت علی نے علی ادبار کم پڑھا ہے۔ تنکصون کاف کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ کی ضمیر سے حال ہے۔ جمہور نے کہا: یہ ضمیر حرم یا مسجد یا البلد کی طرف لوٹ رہی ہے، البلد سے مراد مکہ ہے اگرچہ اس کا پہلے ذکر نہیں لیکن معاملہ میں اس کی شہرت کی وجہ سے ضمیر لوٹانا جائز ہے، یعنی وہ کہتے ہیں ہم اہل حرم ہیں پس ہم نہیں ڈرتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے وہ اپنے دلوں میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں ان کے لیے مسجد اور حرم کی وجہ سے لوگوں پر زیادہ حقوق ہیں پس وہ اس وجہ سے تکبر کرتے تھے، حق سے تکبر کرنا مراد نہیں۔ ایک جماعت نے کہا: ضمیر کا مرجع قرآن ہے اس حیثیت سے کہ آیات ذکر کی گئی ہیں معنی یہ ہے کہ تمہارے لیے میری آیات سننا تکبر اور سرکشی کو پیدا کرتا ہے، پس تم اس پر ایمان نہ لاؤ۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ عمدہ قول ہے۔ نحاس نے کہا: پہلا قول اولیٰ ہے اس کا معنی ہے وہ حرم کی وجہ سے فخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ہم اہل حرم ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ۝ اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ، سامرا پر نصب حال کی بنا پر ہے اس کا معنی ہے سمارا۔ وہ جماعت جو رات کو باتیں کرتی ہے۔ یہ السمر سے مشتق ہے جس کا معنی ہے چاند کا سایہ اسی سے سمرۃ اللون ہے۔ وہ کعبہ کے اردگرد چاند کے سایہ میں باتیں کرتے تھے اس کو التحدث کہا گیا۔ ثوری نے کہا: چاند کے سایہ کو السمر کہتے ہیں اسی سے السمرۃ فی اللون ہے رنگ میں گندمی رنگ کہا جاتا ہے۔ اس کو الفخت کہا جاتا ہے اور اسی سے فاختۃ ہے۔ ابو رجاء نے سمارا پڑھا ہے یہ جمع ہے سامر کی جیسا کہ شاعر نے کہا:

الست تری السمار و الناس احوالی

قیلہ کی حدیث میں ہے: اذا جاء زوجها من السامر، جب اس کا خاوند داستان سرائی کرنے والی قوم سے واپس آیا، یہ اسم مفرد بمعنی جمع ہے جیسے الحاضر ہے اس سے مراد وہ قوم ہوتی ہے جو پانی پر اترتی ہے۔ الباقر جمع ہے البقر کی اور الجامل جمع ہے الابل کی مذکر اور مونث دونوں کی جمع یہی ہے اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا (غافر: 67) یعنی اطفالا کہا جاتا ہے قوم سمر و سمر و سامر اس کا معنی ہے رات کو جاگنا، یہ السمر سے مشتق ہے اس سے مراد چاند کی وہ روشنی ہے جو درختوں پر پڑتی ہے۔ جوہری نے کہا: السامر اور اسی طرح السمار وہ لوگ جو داستان سرائی کرتے ہیں جیسے الحاج کو حجاج کہا جاتا ہے۔ شاعر کا قول ہے:

و سامر طال فیه اللهو و السمر

گویا اس مکان کو سامر کہا گیا جس میں قصہ خوانی کے لیے جمع ہوا جاتا ہے۔ بعض علماء نے کہا: سامر واحد ہے اور بمعنی السمار ہے کیونکہ یہ وقت کے لیے وضع کیا گیا ہے جیسے شاعر کا قول ہے۔

مِنْ دُوْنِهِمْ إِنْ جِئْتَهُمْ سَمَرًا　عَزْفُ القِيَانِ وَ مَجْلِسٌ غَمْرُ

اور فرمایا: سمرا کیونکہ اس کا معنی ہے اگر تو رات کے وقت ان کے پاس آئے گا جبکہ وہ قصہ خوانی میں مصروف ہوں گے

بنا سمیر رات اور دن کو کہتے ہیں کیونکہ ان میں داستان سرائی ہوتی ہے کہا جاتا ہے: لا افعلہ ما سمرا بنا سمیر ابدا میں کبھی بھی ایسا نہیں کروں گا، السمیر زمانہ کو بھی کہا جاتا ہے۔ اور ابناہ سے مراد رات اور دن ہیں۔ لا افعلہ السمر و القمر یعنی جب تک لوگ چاندنی رات میں قصہ خوانی کرتے رہیں گے میں ایسا نہیں کروں گا۔ ولا افعلہ سمیر اللیالی، شنفری نے کہا:

هنالك لا أرجو حياة تَسُرُّنِي سَمِيرَ الليالي مُبْسَلًا بالجرائر

السمار سین کے فتحہ کے ساتھ پتلا دودھ۔ عرب قصہ خوانی کے لیے بیٹھتے تھے۔ یہ نجوم کے ذریعے اس کی معرفت کو ثابت کیا ہے کیونکہ وہ صحراء میں بیٹھتے تھے اور طلوع اور غروب ہونے والے ستارے دیکھے جاتے تھے۔ قریش کعبہ کے اردگرد مجالس قائم کرتے تھے۔ اور جھوٹی اور کفریہ کہانیاں بیان کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ سے انہیں عیب لگایا۔ **تَهْجُرُوْنَ**۔ تاء کے ضمہ کے ساتھ، میم کے کسرہ کے ساتھ اَهْجَرَ سے مشتق ہے جب کوئی فحش کلام کرے۔ اور تاء کے نصب کے ساتھ اور جیم کے ضمہ کے ساتھ هجر المریض سے مشتق ہے جس کا معنی ہے مریض نے ہذیان بکا۔ اس کا معنی ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے بارے بری بات کرتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے۔

مسئلہ نمبر 2: سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی **مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۝** تو قصہ خوانی مکروہ ہوگئی؛ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی مذمت فرمائی ہے جو طاعت الٰہی کے علاوہ باتیں کرتے ہیں خواہ وہ ہذیان میں ہو یا کوئی اور مشورہ میں ہو۔ اعمش فرماتے تھے: جب میں شیخ کو دیکھتا ہوں جبکہ اس نے حدیث نہیں لکھی ہوتی تو میں اسے تھپڑ مارتا ہوں کیونکہ وہ شیوخ القمر سے ہے یعنی جو چاندنی راتوں میں جمع ہوتے ہیں خلفاء اور امراء کے زمانہ کو بیان کرتے ہیں ان میں سے کوئی نماز کے لیے اچھی طرح وضو نہیں کرتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ امام مسلم نے حضرت ابو برزہ سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کو رات کے تہائی حصہ تک مؤخر فرماتے تھے اور عشاء کی نماز سے پہلے سونا اور بعد میں باتیں کرنا ناپسند فرماتے تھے (1)۔ علماء نے فرمایا: نماز سے پہلے سونے کی کراہت اس لیے ہے تاکہ پورا وقت کہیں فوت نہ ہو جائے یا افضل وقت ضائع نہ ہو جائے، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: جو عشاء سے پہلے سو جائے اس کی آنکھ کبھی نہ سوئے۔ یہ تین مرتبہ فرمایا: جن علماء نے عشاء سے پہلے سونے کو مکروہ قرار دیا ہے ان میں حضرت عمر، حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ ہیں۔ یہی امام مالک کا مذہب ہے۔ بعض نے اس کی رخصت دی ان میں سے حضرت علی، حضرت ابو موسیٰ وغیرہم ہیں یہ کوفیوں کا مذہب ہے۔ بعض نے شرط لگائی ہے کہ وہ اپنے ساتھ ایک شخص رکھ لے جو اسے نماز کے لیے جگائے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی طرح مروی ہے؛ یہی امام طحاوی کا مذہب ہے۔ رہا نماز کے بعد باتیں کرنا مکروہ ہونا تو یہ اس لئے ہے کیونکہ نماز گناہوں کے لیے کفارہ ہے پس وہ سلامتی پر سوئے گا جب کہ فرشتوں نے اس کے صحیفہ کو عبادت کے ساتھ ختم کیا تھا۔ وہ قصہ کہانی کرتا ہے وہ اپنی طرف سے باتیں کرتا ہے اور اپنا اختتام لغو اور باطل چیز پر کرتا ہے اور یہ مومنین کے فعل سے نہیں ہے۔ دیر تک باتیں کرتے رہنا رات کے

1۔ صحیح مسلم، استحباب التکبیر بالصبح فی اول وقتہا وھو التغلیس، جلد 1، صفحہ 230

آخری حصہ میں نیند کو غالب کرتا ہے۔ اور رات کے آخر میں قیام بھی نہیں کر سکتا۔ بعض اوقات صبح کی نماز سے بھی رہ جاتا ہے۔
بعض علماء نے کہا: عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنا مکروہ ہے کیونکہ حضرت جابر بن عبد اللہ نے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب لوگوں کے چلنے کی آواز تھم جائے تو قصہ خوانی سے پرہیز کرو کیونکہ تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کیا پھیلائے گا، تم اپنے دروازے بند کر دو اور مشکیزوں کے منہ باندھ دو اور برتن ڈھانپ دو اور چراغ بجھا دو'' (1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ لوگوں کو عشاء کے بعد باتیں کرنے پر سزا دیتے تھے۔ اور فرماتے تھے: رات کے ابتدائی حصہ میں قصہ خوانی کرنا اور رات کے آخری حصہ میں سونا! اپنے اعمال لکھنے والے فرشتوں کو راحت دو حتی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جس نے عشاء کے بعد شعر کا ایک مصرعہ پڑھا اس کی صبح تک نماز قبول نہ ہوگی، اس کی حضرت شداد بن اوس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک سند چلائی ہے۔ بعض علماء نے کہا: عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے کی کراہت میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رات کو سکون کے لیے بنایا ہے جب آدمی اس میں باتیں کرے گا اور دن کے وقت سوئے گا جبکہ اللہ تعالیٰ نے دن کو معاش کی تلاش کے لیے بنایا ہے تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی اس حکمت کی مخالفت کی جو اس نے اس کے وجود پر جاری فرمائی ہے۔ فرمایا: وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ۞ (الفرقان)

مسئلہ نمبر 4۔ یہ کراہت ایسی باتوں کے ساتھ مختص ہے جو عبادت، اذکار اور علم کی تعلیم کے زمرہ سے نہ ہوں اور اہل علم کی گفتگو اور مصالح کی تعلیم وغیرہ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سلف صالحین سے ایسی روایات وارد ہیں جو اس کے جواز پر دلالت کرتی ہیں بلکہ اس کی ندبیت، استحباب پر دلالت کرتی ہیں۔ امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے۔ باب السمر فی الفقہ والخیر بعد العشاء۔ ذکر کیا جاتا ہے کہ قرۃ بن خالد نے کہا: ہم نے حسن کا انتظار کیا انہوں نے ہمارے پاس آنے سے دیر لگا دی حتی کہ وہ اس وقت آئے جب وہ وہاں سے چلے جاتے تھے پس وہ آئے اور کہا: ہمارے پڑوسیوں نے ہمیں بلایا تھا۔ پھر حضرت انس نے فرمایا: ہم نے ایک رات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار کیا حتی کہ جب آدھی رات کا وقت ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''لوگوں نے نماز پڑھ لی اور تم نماز میں رہے جب تک تم نماز کے منتظر رہے'' (2)۔ حسن نے کہا: قوم خیر میں ہوتی ہے جب تک خیر کے انتظار میں ہوتی ہے۔ فرمایا: باب السمر مع الضیف والاھل۔ اس کے تحت امام بخاری نے ابو بکر بن عبد الرحمن کی حدیث لکھی ہے کہ اصحاب صفہ فقراء تھے۔ الحدیث۔ اس کو امام مسلم نے نقل کیا ہے، نیز سرحدوں کی حفاظت اور رات کے وقت لشکروں کی حفاظت پر ثواب اور اجر عظیم ذکر کیا ہے جو اخبار میں مشہور ہے۔ یہ سب آل عمران کے آخر میں گزر چکا ہے۔

اَفَلَمْ یَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ یَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِیْنَ ۞

''کیا انہوں نے کبھی تدبر نہ کیا قرآن میں؟ یا آئی تھی ان کے پاس ایسی چیز جو نہ آئی تھی آپ کے پہلے آباء اجداد کے پاس''۔

1۔ ابوداؤد، کتاب، ابواب النوم، باب ماجاء فی الدیک والبھائم، حدیث نمبر 4440، روایت بالمعنی
2۔ صحیح بخاری، السمر فی الفقہ والخیر بعد العشاء، جلد 1، صفحہ 84

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ۔ القول سے مراد قرآن ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ (النساء: 82) قرآن کو قول کہا گیا کیونکہ اس کے ساتھ انہیں خطاب کیا گیا، اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ۔ انہوں نے اس سے اعراض کیا اور اس کا انکار کیا۔ بعض علماء نے فرمایا: ام بمعنی بل ہے یعنی بلکہ ان کے پاس آئی ہے ایسی چیز جس کا ان کے آباء کے لیے عہد نہ تھا اسی وجہ سے انہوں نے اس کا انکار کیا اور اس میں غور وفکر کو ترک کر دیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ بعض علماء نے کہا: اس کا معنی ہے یا ان کے پاس عذاب سے امان کا پروانہ آیا ہے یہ وہ چیز ہے جو ان کے پہلے آباء کے پاس نہیں آئی تھی پس انہوں نے عزت والے قرآن کو ترک کر دیا۔

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٦٩﴾

"یا انہوں نے اپنے رسول (مکرم) کو نہ پہچانا تھا اس لیے وہ اس کے منکر تھے"۔

عرب یہ ترکیب توقیف اور تقبیح کے معنی پر استعمال کرتے ہیں عرب کہتے ہیں: الخیر أحب الیك ام الشر یعنی میں نے تجھے شر کے بارے میں بتا دیا اس لیے تو اس سے اجتناب کر۔ وہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان چکے تھے اور وہ پہچان چکے تھے کہ اہل صدق، امانت سے ہے اور اس کی اتباع میں نجات اور خیر ہے اگر ہٹ دھرمی نہ ہوتی۔ سفیان نے کہا: کیوں نہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان چکے تھے لیکن انہوں نے آپ سے حسد کیا۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿٧٠﴾

"یا کہتے ہیں کہ اسے سودا کا مرض ہے (یوں نہیں) بلکہ وہ تشریف لایا ان کے پاس حق کے ساتھ اور بہت سے لوگ ان میں سے حق کو ناپسند کرتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ یعنی کیا وہ ایمان کے ترک پر اس سے حجت پکڑتے ہیں کہ اسے سودا کا مرض ہے۔ حقیقت ایسی نہیں کیونکہ اس سے جنون کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوتی۔ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ الحق سے مراد قرآن، توحید حق اور دین حق ہے۔ وَاَكْثَرُهُمْ یعنی تمام کے تمام۔ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿﴾ حسد، تقلید، اور نافرمانی کی وجہ سے حق کو ناپسند کرتے ہیں۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٧١﴾

"اور اگر پیروی کرتا حق ان کی خواہشات (نفسانی) کی تو درہم برہم ہو جاتے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے بلکہ ہم ان کے پاس لے آئے ان کی نصیحت تو وہ اپنی نصیحت سے ہی روگردانی کرنے والے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ یہاں الحق سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، یہ اکثر علماء کا قول ہے ان میں سے مجاہد، ابن جریج اور ابو صالح وغیرہ ہیں (1)۔ عربی میں اس کی تقدیر اس طرح ہے لو اتبع صاحب الحق۔ یہ نحاس کا قول ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 151

بعض نے کہا: یہ مجاز ہے یعنی اگر حق ان کی خواہشات کے موافق ہوتا۔ موافقت کو مجازاً اتباع بنایا یعنی اگر وہ رسولوں کا انکار کرتے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے پھر انہیں سزا نہ دی جاتی اور انہیں اس پر جزا نہ دی جاتی خواہ عجز کی وجہ سے یا جہالت کی وجہ سے تو آسمان وزمین کا نظام خراب ہو جاتا۔ بعض علماء نے کہا: اس کا معنی ہے اگر حق وہ ہوتا جو وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود بنا لیے جائیں تو ان میں اختلاف پیدا ہوتا۔ بعض ایسی چیز کا ارادہ کرتے جس کا دوسرے ارادہ نہ کرتے تو نظام درہم برہم ہو جاتا اور آسمان اور زمین کا معاملہ خراب ہو جاتا اور جو کچھ ان میں ہے اس میں بھی بگاڑ پیدا ہو جاتا۔ بعض علماء نے کہا: لَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ یعنی الحق اگر لوگوں کی خواہشات کی اتباع کرتا اور اس کی اتباع کرتا جو لوگ چاہتے ہیں تو عالم کا نظام باطل ہو جاتا کیونکہ لوگوں کی شہوات مختلف اور متضاد ہیں حق کا راستہ ہی متبوع ہے اور لوگوں کا راستہ حق کی پیروی ہے۔ بعض علماء نے کہا: الحق سے مراد قرآن ہے، یعنی قرآن ان کی خواہشات کے مطابق نازل ہوتا تو آسمان اور زمین کا نظام گڑبڑ ہو جاتا۔ وَمَنْ فِيهِنَّ یہ آسمان کے ملائکہ، زمین کے جن وانس کی طرف اشارہ ہے؛ یہ ماوردی کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: جوان کے درمیان مخلوق ہے۔ یہ حضرت ابن مسعود کی قرأت ہے لفسدت السموات والارض وما بینھما کلبی اور حضرت ابن مسعود کی قرأت کی تاویل پر معقول اور غیر معقول سب کے فساد کو شامل ہے۔ قرآن کا ظاہر جمہور کی قرأت میں عقل والوں کے فساد پر محمول ہے کیونکہ جو غیر ذوی العقول ہیں وہ صلاح اور فساد میں ذوی العقول کے تابع ہیں۔ اس بنا پر جو فساد ہوگا وہ آسمان کے فرشتوں کی طرف لوٹے گا کہ انہیں ارباب بنایا گیا حالانکہ مربوب ہیں ان کی عبادت کی گئی حالانکہ وہ عبادت گزار ہیں اور انسانوں کا افساد دو وجوہ پر ہوگا۔ ایک خواہشات نفسانی کی وجہ سے اور یہ مہلک ہے۔ دوسرا غیر اللہ کی عبادت کی وجہ سے اور یہ کفر ہے۔ رہا اس کے علاوہ کا فساد تو وہ بالتبع ہے، کیونکہ ان کی تدبیر ذوی العقول کے ذریعے کی جاتی ہے پس تدبیر کرنیوالوں کا فساد ان پر ہی لوٹے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ ہم ان کے پاس ان کی نصیحت لے آئے جس میں ان کے لیے شرف اور عزت ہے؛ یہ سدی اور سفیان کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: جس میں ان کے ثواب اور عقاب کا ذکر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس میں حق کا بیان ہے اور اس کا ذکر ہے امر دین میں سے جس کی انہیں ضرورت ہے۔

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾

"کیا آپ طلب کرتے ہیں ان سے کچھ معاوضہ؟ (آپ کے لیے) تو آپ کے رب کی عطا بہتر ہے اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا جو آپ ان کے پاس لائے ہیں کیا آپ ان سے اس پر اجر طلب کرتے ہیں؛ یہ حسن وغیرہ کا قول ہے۔ فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ حمزہ، کسائی، اعمش اور یحییٰ بن وثاب نے خراجاً الف کے ساتھ پڑھا ہے سوائے ابن عامر اور ابوحیوہ کے انہوں نے بغیر الف کے پڑھا ہے۔ معنی یہ ہے کیا آپ ان سے رزق طلب کرتے ہیں آپ کے رب کا رزق بہتر ہے۔ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ کوئی شخص قادر نہیں کہ وہ اس کے رزق کی مثل رزق دے۔ اور اسکی مثل انعام نہیں دیتا۔ بعض نے کہا: جو اللہ تعالیٰ آپ کو اجر میں سے ادا کرے گا اور اس کی بارگاہ میں دعا، دنیا کے سامان سے بہتر ہے

انہوں نے آپ کو اموال پیش کیے تاکہ قریش کے ایک شخص کی طرح ہو جائیں تو آپ نے اسے قبول نہ کیا؛ یہ حسن نے معنی بیان کیا ہے۔ الخراج اور الخراج کا ایک معنی ہے مگر کلام کا اختلاف احسن ہے یہ الاخفش کا قول ہے اور ابو حاتم نے کہا: میں نے ابو عمرو بن العلاء سے الخراج اور الخرج کا فرق پوچھا تو انہوں نے کہا: خراج وہ ہے جو تم پر لازم ہو اور خرج وہ ہے جو تو اپنی طرف سے خود دے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ الخرج وہ ہوتا ہے جو غلاموں سے وصول کیا جاتا ہے۔ پہلا قول ثعلبی نے اور دوسرا قول ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

وَ اِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ۝

''اور بیشک آپ تو انہیں بلاتے ہیں سیدھی راہ کی طرف۔ بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے آخرت پر وہ راہ راست سے منحرف ہونے والے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ یعنی آپ انہیں دین قیم کی طرف بلاتے ہیں۔ الصراط کا لغوی معنی راستہ ہے۔ دین کو راستہ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ جنت تک پہنچاتا ہے پس یہ اس کا راستہ ہے۔ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یعنی وہ دوبارہ اٹھنے پر ایمان نہیں رکھتے۔ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ۝ بعض نے کہا: یہ پہلے کی مثل ہے۔ بعض نے کہا: وہ جنت کے راستہ سے منحرف ہونے والے ہیں حتیٰ کہ دوزخ کی طرف جانے والے ہیں۔ نکب عن الطریق ینکب نکوباً (1) کا معنی ہے راستہ سے ہٹ جانا دوسری طرف مائل ہو جانا اس سے ہے: نکبت الریح جب وہ گزرگاہ پر سیدھی نہ چلے۔ شر الریح النکباء سب سے بری ہوا وہ ہے جو الٹی چلنے والی ہو۔

وَ لَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَ كَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝

''اور اگر ہم ان پر مہربانی بھی فرمائیں اور دور بھی کر دیں اس مصیبت کو جس میں مبتلا ہیں پھر بھی وہ بڑھتے جائیں گے اپنی سرکشی میں اندھے بنے ہوئے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَ كَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ یعنی اگر ہم انہیں دنیا کی طرف لوٹا دیں اور انہیں دوزخ میں داخل نہ کریں اور ہم پھر انہیں آزمائیں۔ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ سدی نے کہا: وہ اپنی معصیتوں میں بڑھتے جائیں گے۔ يَعْمَهُوْنَ ۝ یعنی وہ سرگرداں رہیں گے۔ ابن جریج نے کہا: وَ لَوْ رَحِمْنٰهُمْ یعنی دنیا میں اگر ان پر مہربانی کریں۔ وَ كَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ اور قحط اور بھوک ان سے دور کر دیں۔ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ تو یہ اپنی گمراہی اور حد سے تجاوز کرنے میں سرکش ہوتے جائیں گے۔ يَعْمَهُوْنَ بدحواس ہوں گے اور متذبذب ہوں گے۔

وَ لَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَ مَا يَتَضَرَّعُوْنَ ۝

''اور ہم نے پکڑ لیا انہیں عذاب سے پھر بھی وہ نہ جھکے اپنے رب کی بارگاہ میں اور نہ وہ اب گڑگڑا کر (توبہ

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 352

کرتے) ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ، ضحاک نے کہا: عذاب سے مراد بھوک ہے۔ بعض نے کہا اس سے مراد امراض، حاجت اور بھوک ہے۔ بعض نے کہا: قتل اور بھوک ہے۔ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وہ نہ جھکے۔ وَ مَا يَتَضَرَّعُوْنَ جو انہیں تکالیف پہنچتی ہیں ان میں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں جھکتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ ثمامہ بن آثال کے واقعہ میں نازل ہوئی جب اسے ایک لشکر نے پکڑ لیا اور اس نے اسلام قبول کر لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آزاد کر دیا تو وہ مکہ والوں اور سامان رسد کے درمیان حائل ہو گیا اس نے کہا: اللہ کی قسم! نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر گندم کا ایک دانہ بھی یمامہ سے مکہ والو! تمہارے پاس نہیں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قریش کو قحط اور بھوک میں مبتلا کر دیا حتیٰ کہ انہوں نے مردار، کتے اور العلہز کھائے۔ پوچھا گیا: العلہز کیا ہے؟ فرمایا وہ اون اور اونٹوں کے بال لیتے تھے اسے خون کے ساتھ تر کرتے تھے پھر اسے بھونتے تھے اور اسے کھاتے تھے۔ ابوسفیان نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: میں تمہیں اللہ تعالیٰ اور رشتہ داری کا واسطہ دیتا ہوں کیا آپ کہتے نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیوں نہیں''۔ ابوسفیان نے کہا: آپ نے آباء کو تلوار کے ساتھ قتل کر دیا اور اولاد کو بھوک کے ساتھ قتل کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی، وَ لَوْ رَحِمْنٰهُمْ... الخ۔

حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾

''یہاں تک کہ جب ہم کھول دیں گے ان پر دروازہ سخت عذاب والا وہ اس وقت بالکل مایوس ہو جائیں گے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ عکرمہ نے کہا: یہ جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اس پر چار لاکھ فرشتے مقرر ہیں ان کے چہرے کالے ہیں، ان کے دانت باہر نکلے ہوئے ہیں، ان کے دلوں سے رحمت نکالی گئی ہے جب یہ کافر اس دروازے پر پہنچیں گے تو اللہ تعالیٰ اسے ان پر کھول دے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ ان کا بدر کے دن تلوار سے قتل کرنا ہے (1)۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد قحط ہے جو انہیں پہنچا تھا حتیٰ کہ انہوں نے بھوک کی وجہ سے اون کھائی تھی جیسا کہ پہلے گزرا ہے۔ بعض نے کہا: عذاب شدید سے مراد فتح مکہ ہے۔

اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾ وہ مایوس و متحیر ہونگے وہ نہ جانتے ہوں گے کہ کیا کریں جیسے ہر خوشحالی اور خیر سے محروم شخص ہوتا ہے۔ یہ سورۃ الانعام میں گزر چکا ہے۔

وَ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾

''اور وہ وہی ہے جس نے بنائے تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل لیکن (ان عظیم نعمتوں پر بھی) تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کی کثرت اور کمال قدرت

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 353

کی انہیں پہچان کرائی۔ قَلِیۡلًا مَّا تَشۡکُرُوۡنَ ۝ یعنی وہ بہت تھوڑا شکر کرتے ہیں۔ بعض نے کہا: اس کا مطلب ہے وہ بالکل شکر نہیں کرتے۔

وَ هُوَ الَّذِیۡ ذَرَاَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَ اِلَیۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ۝

''اور وہ وہی ہے جس نے پھیلا دیا تمہیں زمین (کے اطراف) میں اور (انجام کار) اسی کی جناب میں اکٹھے کیے جاؤ گے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ هُوَ الَّذِیۡ ذَرَاَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ یعنی وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پیدا کیا اور تمہیں پھیلایا یا اور تمہیں تخلیق کیا۔ وَ اِلَیۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ۝ جزاء کے لیے اس کی جناب میں جمع کیے جاؤ گے۔

وَ هُوَ الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ وَ لَهُ اخۡتِلَافُ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ۝ بَلۡ قَالُوۡا مِثۡلَ مَا قَالَ الۡاَوَّلُوۡنَ ۝ قَالُوۡۤا ءَاِذَا مِتۡنَا وَ کُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ۝ لَقَدۡ وُعِدۡنَا نَحۡنُ وَ اٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ ۝ قُلۡ لِّمَنِ الۡاَرۡضُ وَ مَنۡ فِیۡهَاۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝ سَیَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰهِ ؕ قُلۡ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ ۝ قُلۡ مَنۡ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبۡعِ وَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِیۡمِ ۝ سَیَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰهِ ؕ قُلۡ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ۝ قُلۡ مَنۡۢ بِیَدِهٖ مَلَکُوۡتُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّ هُوَ یُجِیۡرُ وَ لَا یُجَارُ عَلَیۡهِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝ سَیَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰهِ ؕ قُلۡ فَاَنّٰی تُسۡحَرُوۡنَ ۝

''اور وہ وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کے اختیار میں ہے گردش لیل و نہار، کیا (اتنا بھی) تم نہیں سمجھتے۔ بلکہ انہوں نے بھی وہی بات کہی جو پہلے (کفار) کہا کرتے تھے۔ انہوں نے کہا: کیا جب ہم مر جائیں گے اور بن جائیں گے خاک اور ہڈیاں تو کیا ہمیں پھر اٹھایا جائے گا۔ بلاشبہ یہ وعدہ کیا گیا ہے ہم سے اور ہمارے باپ دادا کے ساتھ بھی آج سے پہلے (لیکن آج تک پورا نہ ہوا) نہیں ہیں یہ باتیں مگر من گھڑت افسانے پہلے لوگوں کے۔ (اے حبیب!) آپ پوچھیے کس کی ملکیت ہے یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو۔ وہ کہیں گے (یہ سب) اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ آپ فرمائیے: تم اس سے کیوں نہیں ڈرتے؟ آپ پوچھیے: وہ کون ہے جس کے دست قدرت میں ہر چیز کی ملکیت ہے اور وہ پناہ دیتا ہے (جسے چاہے) اور پناہ نہیں دی جا سکتی اس کی مرضی کے خلاف (بتاؤ) اگر تم کچھ علم رکھتے ہو؟ وہ کہیں گے: یہ اللہ تعالیٰ کی ہی شان ہے۔ فرمائیے: پھر کیسے تم دھوکا میں مبتلا ہو جاتے ہو؟''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ هُوَ الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ وَ لَهُ اخۡتِلَافُ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ دن اور رات کو اس نے مختلف بنایا جیسے تیرا قول ہے لک الاجر والصلۃ یعنی تجھے اجر دیا جائے گا اور صلہ دیا جائے گا؛ یہ فراء کا قول ہے۔ بعض نے کہا: دن رات کے

اختلاف سے مراد نور و ظلمت میں مختلف ہونا ہے۔ بعض نے کہا: اس سے مراد اس کا تکرار ہے دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن آتا ہے۔ پانچواں احتمال یہ ہے کہ ان میں جو سعادت و شقاوت اور گمراہی و ہدایت گزر چکی ہیں اس کا اختلاف مراد ہے۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ کیا تم اس کی قدرت، ربوبیت اور وحدانیت کی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ اس کی مخلوق سے اس کا شریک ہونا جائز نہیں وہ دوبارہ اٹھانے پر قادر ہے پھر انہیں ان کے قول کے ساتھ بدلا اور ان کے متعلق خبر دی کہ انہوں نے کہا اس کی مثل جو پہلے کفار نے کہا۔ انہوں نے کہا: کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہڈیاں بن جائیں گے تو کیا ہمیں اٹھایا جائے گا یہ تو متصور نہیں ہو سکتا۔ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے بھی ہم سے اور ہمارے آباء سے یہ وعدہ کیا گیا تھا۔ ہم اس کی کوئی حقیقت نہیں دیکھتے اِنْ هٰذَآ، ان بمعنی ما ہے۔ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾ یہ ان کی من گھڑت باتیں ہیں۔ یہ پہلے گزر چکا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قل، اے پیارے حبیب! ان کے جواب میں فرمایئے لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَآ کس کی ملکیت ہے یہ زمین اور جو کچھ اسمیں ہے۔ اسمیں اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت، وحدانیت، اور لازوال بادشاہی اور اپنی کامل قدرت کی خبر دے رہے ہیں۔ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ وہ ضرور کہیں گے اللہ۔ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ تو آپ فرمایئے: کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے اور نہیں جانتے کہ جو ابتداءً اس کی تخلیق پر قادر ہے وہ ان کے مرنے کے بعد ان کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ یعنی کیا تم نہیں ڈرتے ہو کہ تم میرے لیے وہ بناتے ہو جو تم اپنے لیے ناپسند کرتے ہو تم کہتے ہو کہ ملائکہ میری بیٹیاں ہیں اور تم اپنے لیے بیٹیاں ناپسند کرتے ہو۔ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ اس سے مراد آسمان اور جو کچھ ان کے اوپر ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور وہ چیزیں مراد ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ مجاہد نے کہا: مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ ہر چیز کے خزائن۔ ضحاک نے کہا: ہر چیز کی ملک۔ ملکوت مبالغہ کی صفات سے ہے جیسے جبروت اور رہبوت۔ یہ سورۃ انعام میں گزر چکا ہے۔ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ بعض نے کہا: اس کا مطلب ہے جسے چاہتا ہے امن دیتا ہے وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ اور جسے وہ ڈراتا ہے اسے امن نہیں دیا جاتا۔ بعض نے کہا: یہ دنیا میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ جس کے ہلاک کرنے اور خوف کا ارادہ فرماتا ہے کوئی روکنے والا اسے روک نہیں سکتا اور جس کی مدد کا اور امن دینے کا ارادہ فرماتا ہے اس کی مدد کوئی روک نہیں سکتا اور اس کے امن کو کوئی روک نہیں سکتا۔ بعض نے کہا: یہ آخرت میں ہوگا یعنی جو ثواب کا مستحق ہے اسے ثواب دینے سے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو عذاب کا مستحق ہے اسے عذاب دینے سے کوئی روکنے والا نہیں۔ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ یعنی تم اس کی طاعت اور توحید سے کیسے پھیرے گئے ہو اور کیسے دھوکا دیے گئے ہو یا کیسے یہ تصور دیا گیا ہے کہ تم ایسی چیزوں کو شریک ٹھہراؤ جو نہ نفع دیتی ہیں اور نہ نقصان دیتی ہیں۔ السحر کا معنی خیال کرنا ہے۔ یہ تمام ان عربوں پر حجت ہے جو صانع کا اقرار کرنے والے ہیں۔ ابو عمرو نے آخری دونوں جگہ سیقولون اللہ پڑھا ہے یہی اہل عراق کی قرأت ہے اور باقی قراء نے للہ پڑھا ہے اور پہلے کے للہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَآ کا جواب ہے جب لمن میں لام مقدم ہوئی تو جواب میں لوٹائی گئی۔ اور اسمیں کوئی اختلاف نہیں کہ تمام مصاحف میں بغیر الف کے لکھا ہوا ہے اور جنہوں نے

سیقولون اللہ پڑھا تو سوال بغیر لام کے ہے تو جواب بھی اسی طرح آیا اور پہلی صورت میں للہ لام کے ساتھ پڑھا ہے اور سوال میں بھی لام ہے۔ کیونکہ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ کا مطلب ہے قل لمن السموت السبع الخ۔ پس جواب کے ساتھ دیا جب سوال میں لام مقدر کیا گیا اور تیسرے کی علت دوسرے کی علت کی طرح ہے؛ شاعر نے کہا:

إذا قيل من ربّ المزالف والقُرَى   وربُّ الجياد الجُرْد قلت لخالد

اصل میں لمن المزالف ہے۔ مزالف ان شہروں کو کہتے ہیں جو صحراء اور آبادی کے درمیان ہوتے ہیں۔ یہ آیات کفار سے جھگڑنے اور ان کے خلاف حجت قائم کرنے پر دلیل ہیں۔ یہ مسئلہ سورۃ البقرہ میں گزر چکا ہے۔ ان آیات نے آگاہی بخشی کہ جو خلق اختراع، ایجاد اور ابداع پر ابتداءً قادر ہے وہ الوہیت اور عبادت کا مستحق ہے۔

بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ عٰلِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝

''حقیقت یہ ہے کہ ہم نے پہنچا دیا انہیں حق اور وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔ نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے کسی کو (اپنا) بیٹا اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے ورنہ لے جاتا ہر خدا ہر اس چیز کو جو اس نے پیدا کی ہوتی اور غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے وہ خدا ایک دوسرے پر، پاک ہے اللہ تعالیٰ ان تمام (نازیبا) باتوں سے جو وہ بیان کرتے ہیں، وہ جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کو پس وہ بلند ہے اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِالْحَقِّ یعنی ہم نے انہیں سچا قول پہنچا دیا نہ کہ وہ جو کفار کہتے ہیں یعنی شریک کا اثبات اور دوبارہ اٹھنے کی نفی۔ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ وہ جھوٹے ہیں کہ کہتے ہیں: ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ۔ من صلہ ہے وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ۔ من زائدہ ہے تقدیر اس طرح ہے ما اتخذ اللہ ولدا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا جیسا کہ تم نے کہا ہے اور جو اس نے پیدا کیا ہے اس میں اس کے ساتھ کوئی خدا نہیں ہے کلام میں حذف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اس کے ساتھ اور خدا ہوتے تو ہر خدا اپنی مخلوق کے ساتھ علیحدہ ہوتا۔ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ قوی، ضعیف پر غالب آتا جیسے بادشاہوں کی نفی پر دلالت کرتا ہے وہ بیٹے کی نفی پر بھی دلالت کرتا ہے کیونکہ بیٹا باپ سے ملک میں جھگڑتا ہے جس طرح شریک جھگڑتا ہے۔ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ بیٹے اور شریک سے وہ پاک ہے۔ عٰلِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ وہ عالم الغیب ہے۔ فَتَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ وہ شرک سے پاک ہے۔ نافع، ابو بکر، حمزہ اور کسائی نے عالم رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی ھو عالم الغیب نئی کلام ہے۔ باقی قراء نے للہ کی صفت کی بنا پر، مجرور پڑھا ہے۔ رویس نے یعقوب سے روایت کیا ہے جب وصل کیا تو عالم کو جر دی اور جب ابتدا کی تو رفع دیا۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِیَنِّیْ مَا یُوْعَدُوْنَ ۝ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِیْ فِی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝

"آپ یہ دعا مانگئے: اے میرے پروردگار! اگر تو ضرور مجھے دکھانا چاہتا ہے وہ (عذاب) جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو میرے رب (ازراہ عنایت) مجھے ان ظالموں کے ساتھ نہ کرنا"۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا سکھائی یعنی تم کہو: اے میرے پروردگار! اگر تو ضرور مجھے وہ عذاب دکھانا چاہتا ہے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ فَلَا تَجْعَلْنِیْ فِی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۹۴﴾ تو ان پر عذاب نازل ہونے کے وقت مجھے ان ظالم قوم سے نہ کرنا بلکہ مجھے ان سے نکال لینا۔ بعض نے کہا: ندا معترض ہے اور اما میں ما زائدہ ہے۔ بعض نے کہا: اما کی اصل ان ما ہے۔ ان شرط ہے اور ما بھی شرط ہے دونوں شرطوں کو تاکید کے لیے جمع فرمایا۔ اور جواب۔ فَلَا تَجْعَلْنِیْ فِی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ہے یعنی جب تو انہیں عذاب دینے کا ارادہ فرمائے تو مجھے ان سے نکال لینا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ظالم قوم سے آپ کو نہیں کرے گا جب ان پر عذاب نازل ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دعا اور سوال کا حکم دیا تا کہ آپ کا اجر بڑھے اور آپ ہر وقت اپنے پروردگار کا ذکر کرتے رہیں۔

وَ اِنَّا عَلٰۤی اَنْ نُّرِیَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾

"اور ہم اس بات پر کہ دکھا دیں تجھے وہ عذاب جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے قادر ہیں"۔

اللہ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ معلوم کے خلاف بھی قدرت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان میں بھوک اور تلوار کے ساتھ عذاب دکھایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور جو آپ پر ایمان لائے انہیں اس سے بچا لیا۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾

"دور کرو اس چیز سے جو بہت بہتر ہے برائی کو، ہم خوب جانتے ہیں جو باتیں وہ بیان کرتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ درگزر اور مکارم اخلاق کا حکم دیا مکارم اخلاق میں سے جو ان کے درمیان ہیں وہ اس امت میں ہمیشہ محکم اور باقی ہیں اور جو کفار سے صلح اور ترک تعرض اور ان کے امور سے درگزر کا حکم ہے وہ قتال کے حکم کے ساتھ منسوخ ہے۔ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ یعنی جو وہ شرک اور تکذیب بیان کرتے ہیں ہم اسے جانتے ہیں یہ تقاضا ہے کہ یہ آیت موادعۃ (صلح) ہے۔ واللہ اعلم۔

وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۹۷﴾ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾

"اور کہیے: میرے رب! میں پناہ طلب کرتا ہوں تیری شیطانوں کے وسوسوں سے اور میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں میرے رب! اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۹۷﴾ اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۹۷﴾۔ الهمزات جمع ہے همزۃ کی الهمز کا لغوی معنی ہے دفع کرنا، دور کرنا۔ کہا جاتا ہے: همزه ولمزه اس نے اسے دور کیا۔ لیث نے کہا الهمز کا معنی ہے پیچھے سے کلام کرنا اور اللمز کا معنی ہے سامنے باتیں کرنا۔ شیطان وسوسہ ڈالتا ہے، ابن آدم کے سینے میں آہستہ آہستہ وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

ارشاد فرمایا: اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ یعنی (کہیے) میں شیطان کی وسوسہ اندازی سے پناہ مانگتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دور کردیتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے آپ شیطان کے وسوسہ اور دخل اندازی سے پناہ مانگتے تھے (1) ابوالہیثم نے کہا: جب آہستہ کلام کرے اور اسے پوشیدہ کرے تو اسے الھمس کہتے ہیں شیر کو ہموس کہتے ہیں کیونکہ وہ اتنا آہستہ چلتا ہے کہ اس کے چلنے کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ یہ سورۂ طٰہٰ میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو شیطان کی تحریک اور وسوسہ سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔ یہ غصہ کا ابھار ہے جس پر انسان ضبط نہیں کرسکتا گویا یہ وہ ہے جو مومنین کو کفار کے ساتھ پہنچتی ہے تاکہ مقابلہ شروع ہوجائے اسی وجہ سے یہ اس آیت کے ساتھ متصل ہے، غصہ کی زیادتی اور شدت شیطان کی طرف سے ہوتی ہے آیت میں اس سے پناہ مانگی گئی ہے۔ سورۂ اعراف کے آخر میں اس کا بیان تفصیلاً گزر چکا ہے۔ اور کتاب کے آغاز میں بھی گذر چکا ہے۔ علی بن حرب بن محمد طائی سے مروی ہے فرمایا ہمیں سفیان نے بتایا انہوں نے ایوب سے انہوں نے محمد بن حبان سے روایت کیا کہ حضرت خالد رات کو جاگتے رہتے تھے انہوں نے اپنی بے خوابی کی شکایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تو آپ نے انہیں ان کلمات سے پناہ مانگنے کا حکم دیا اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من غضب اللہ وعقابہ ومن شر عبادہ ومن ھمزات الشیاطین وان یحضرون (2)۔ ابوداؤد کی کتاب میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمزہ سے مراد الموتۃ ہے ابن ماجہ نے کہا: الموتۃ سے مراد جنون ہے اور جنون سے پناہ مانگنا موکد ہے، حضرت ابی کی قرات میں رب عائذا بك من ھمزات الشیاطین وعائذا بك ان یحضرون ہے یعنی میں پناہ مانگتا ہوں کہ شیطان میرے امور میں میرے ساتھ ہو، کیونکہ شیطان جب انسان کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو وہ طعنہ زنی کے لیے تجاوز کرتے تھے اور جب وہ حاضر نہیں ہوتے تو طعنہ زنی نہیں ہوتی۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر سے مروی ہے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ "شیطان تم میں سے ہر شخص کے پاس ہر کام میں موجود ہوتا ہے حتی کہ کھانے کے وقت بھی حاضر ہوتا ہے جب کسی کے ہاتھ سے لقمہ گرے تو وہ اس سے مٹی وغیرہ جھاڑے پھر اسے کھالے اور اسے شیطان کے لیے نہ چھوڑے۔ اور جب کھانے سے فارغ ہو تو اپنی انگلیاں چاٹ لے کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ کس کھانے میں برکت ہے" (3)۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآىِٕلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

"یہاں تک کہ جب آئے گی ان میں سے کسی کو موت تو وہ (بصد حسرت) کہے گا: میرے مالک! مجھے (دنیا میں) واپس بھیج دے، شاید میں اچھے کام کروں اس دنیا میں دوبارہ جا کر جسے میں ایک بار چھوڑ آیا ہوں، ایسا نہیں ہوسکتا یہ ایک (لغو) بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے اور ان کے آگے ایک آڑ ہے اس دن تک جب وہ دوبارہ

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 3828　2۔ جامع ترمذی، حدثنا محمد بن خاتم، جلد 2، صفحہ 191

3۔ صحیح مسلم، استحباب لعق الاصابع والقصعۃ واکل اللقمۃ الساقطۃ، جلد 2، صفحہ 176

زندہ کیے جائیں گے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ کلام کو پھر مشرکین کی طرف لوٹایا یعنی انہوں نے کہا: ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۸۳﴾ پھر ان پر حجت قائم کی اور انہیں ہر چیز پر اپنی قدرت یاد دلائی پھر فرمایا: وہ اس پر مصر ہیں حتی کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے گی تو اسے اپنی گمراہی کا یقین ہوگا اور وہ ان ملائکہ کو دیکھے گا جو اس کی روح قبض کریں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ یَتَوَفَّى الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓىِٕكَةُ (الانفال: 50) قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لوٹنے کی تمنا کرے گا تا کہ اعمال صالحہ کرے جسے وہ چھوڑ آیا ہے۔ کبھی قول دل میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَ یَقُوْلُوْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ لَوْ لَا یُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ (المجادلۃ: 8) اور ارْجِعُوْنِ کا قول، وہ اپنے رب سے مخاطب ہے اس نے ارجعنی نہیں کہا تعظیم کیلئے جمع کا صیغہ استعمال کیا۔ بعض نے فرمایا: انہوں نے ابتدا میں اللہ تعالیٰ سے استغاثہ کیا ان کے کہنے والے نے کہا: رب۔ پھر فرشتوں سے مخاطب ہوا اور کہا ارجعون الی الدنیا مجھے دنیا کی طرف لوٹا دو؛ یہ ابن جریج کا قول ہے۔ بعض نے کہا: ارْجِعُوْنِ تکرار کی جہت سے ہے یعنی ارجعنی ارجعنی ارجعنی۔ مزنی نے اَلْقِیَا فِیْ جَهَنَّمَ (ق: 24) کی تفسیر میں کہا: اس کا معنی ہے الق الق۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد مشرک ہیں۔ میں کہتا ہوں: رجوع کا سوال کافر کے ساتھ مختص نہیں مومن بھی رجوع کا سوال کرے گا جیسا کہ سورۂ منافقین کے آخر میں آئے گا، یہ آیت دلیل ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرتا حتی کہ وہ اضطراری طور پر جان لیتا ہے کہ کیا وہ اولیاء اللہ سے ہے یا اللہ کے دشمنوں سے ہے اگر یہ نہ ہوتا تو مومن لوٹنے کا سوال نہ کرتا پس وہ جان لیتے ہیں موت کے نزول اور اس کا ذائقہ چکھنے سے پہلے لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی گواہی دینا ہے۔ فِیْمَا تَرَكْتُ جو میں نے طاعات میں سے ضائع کیا اور چھوڑ دیا۔ بعض نے فرمایا: فِیْمَا تَرَكْتُ جو مال میں نے چھوڑا تا کہ میں صدقہ کروں۔ لعل تردد کو متضمن ہے یہ وہ ہے جو لوٹنے کا سوال کرے گا جب کہ اسے عذاب کا یقین ہو چکا ہو گا وہ قطعی طور پر عمل صالح کا قول کرے گا اسے کوئی تردد نہ ہو گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ تردد یا تو دنیا کی لوٹنے کی طرف راجع ہے یا توفیق کی طرف راجع ہے یعنی میں عمل صالح کروں گا اگر تو مجھے توفیق عطا فرمائے گا کیونکہ قدرت و توفیق کا وجود قطعی نہیں ہے اگر وہ دنیا کی طرف لوٹا یا بھی گیا۔ کلا یہ کلمہ رد ہے یعنی ایسا ہرگز نہیں ہو گا جیسا کہ اس نے گمان کیا ہے کہ دنیا کی طرف لوٹنے کی استدعا قبول کی جائے گی بلکہ یہ کلام ہوا میں بکھر جائے گا۔ بعض نے کہا: اگر قبول کر لیا جائے جو وہ طلب کر رہا ہے تو وہ اپنے کہنے کو پورا نہیں کرے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (الانعام: 28) بعض علماء نے فرمایا۔ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآىِٕلُهَا اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے یعنی اس کی خبر میں خلاف نہیں اس نے خبر دی ہے کہ ہرگز کسی نفس کو مہلت نہیں دے گا جب اس پر اس کی موت کا وقت آ جائے گا اور اس نے خبر دی کہ یہ کافر ایمان نہیں لائے گا بعض نے کہا۔ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآىِٕلُهَا موت کے وقت " یہ کہے گا لیکن اسے نفع نہیں دے گا۔ وَ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ بَرْزَخٌ یعنی ان کے آگے آڑ ہے۔ بعض نے کہا: ان کے پیچھے آڑ ہے یعنی موت اور بعث کے درمیان آڑ ہے؛ یہ

ضحاک، مجاہد اور ابن زید کا قول ہے۔ مجاہد سے مروی ہے دنیا و آخرت کے درمیان آڑ ہے(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حجاب ہے۔ سدی نے کہا: مدت ہے۔ قتادہ نے کہا: دنیا کا بقیہ ہے۔ بعض نے کہا: قیامت تک مہلت دینا ہے؛ یہ ابن عیسی نے حکایت کیا ہے۔ کلبی نے کہا: دو صوروں کے درمیان کی مدت ہے۔ ان کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہے۔ یہ تمام اقوال قریب قریب ہیں۔ دو چیزوں کے درمیان آڑ کو برزخ کہتے ہیں۔ جوہری نے کہا البرزخ بین الشیئین دو چیزوں کے درمیان آڑ کو برزخ کہتے ہیں۔ دنیا اور آخرت کے درمیان موت کے وقت سے لے کر دوبارہ اٹھنے تک کا وقفہ برزخ ہے۔ جو فوت ہو گیا وہ برزخ میں داخل ہو گیا۔ ایک شخص نے امام شعبی کی موجودگی میں کہا: اللہ تعالیٰ نے فلاں پر رحم فرمایا وہ اہل آخرت سے ہو گیا۔ شعبی نے کہا: وہ اہل آخرت سے نہیں ہوا بلکہ وہ اہل برزخ سے ہوا ہے۔ دنیا اور آخرت میں سے نہیں ہے یوم کو یبعثون کی طرف مضاف کیا گیا ہے کیونکہ یہ ظرف زماں ہے اضافت سے مراد مصدر ہے۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۝

''تو جب صور پھونکا جائے گا تو کوئی رشتہ داریاں نہ رہیں گی ان کے درمیان اس روز اور نہ وہ ایک دوسرے کے متعلق پوچھ سکیں گے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ اس نفخہ سے مراد نفخہ ثانی ہے۔ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۝

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ آخرت میں نہیں پوچھیں گے نسب کے بارے میں جیسے دنیا میں پوچھتے ہیں یعنی تو کس قبیلہ سے ہے؟ نہ یہ پوچھیں گے کہ کس نسب سے تعلق رکھتا ہے قیامت کی ہولناکی کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے تعارف نہیں طلب کریں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: یہ نفخہ اولیٰ میں ہوگا جب جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہے سب پر غشی طاری ہو جائے گی مگر جسے اللہ چاہے گا(2)۔ ان کے درمیان اس دن کوئی نسب و رشتہ داری نہ رہے گی اور نہ وہ ایک دوسرے کے متعلق پوچھیں گے پھر اس میں دوسرا صور پھونکا جائے گا جب وہ کھڑے دیکھ رہے ہوں گے۔ وہ ایک دوسرے کی طرف سوال کرتے ہوئے متوجہ ہوں گے۔ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت اور فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝ (الصافات) کے متعلق پوچھا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: پہلے نفخہ میں وہ نہیں پوچھیں گے کیونکہ زمین پر کوئی زندہ باقی نہیں رہے گا پس نہ نسب ہوگا نہ سوال ہوگا۔ رہا فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝ تو جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو ایک دوسرے کے متعلق پوچھیں گے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: اس آیت میں نفخہ ثانی مراد ہے۔ ابو عمر زاذان نے کہا: میں حضرت ابن مسعود کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ اصحاب خیر و برکت مجھ سے ان کی بارگاہ میں سبقت لے گئے ہیں میں نے بلند آواز سے کہا: اے عبداللہ بن مسعود! یہ اس وجہ سے ہے کہ میں عجمی ہوں آپ نے ان کو قریب کیا ہے اور مجھے دور کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: قریب ہو، میں قریب ہوا حتی کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی بیٹھنے والا نہ تھا میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا: بندے یا بندی کا ہاتھ قیامت کے دن پکڑا جائے گا اولین و آخرین کے

1۔ احکام القرآن للطبری، جز 18، صفحہ 66　2۔ ایضاً، جز 18، صفحہ 67

سروں پر اسے کھڑا کیا جائے گا پھر نداد دینے والا ندا دے گا: یہ فلاں بن فلاں ہے جس کے لیے حق ہو وہ اپنے حق کی طرف آئے عورت خوش ہوگی کہ اس کے لیے حق اس کے باپ پر یا اس کے خاوند پر یا اس کے بھائی پر یا اس کے بیٹے پر پھیرا جائے گا، پھر حضرت ابن مسعود نے یہ پڑھا: فَلَاۤ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ۝ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ان کے حقوق لاؤ۔ وہ کہیں گے: یا رب! دنیا فنا ہوگئی ہے۔ پس میں ان کے حقوق کہاں سے لاؤں؟ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا: اس کی نیکیوں سے لو اور ہر انسان کو اس کے مطالبہ کی مقدار دے دو۔ اگر وہ اللہ کا ولی ہوگا ایک رائی کے دانہ کی مقدار نیکیاں ہوں گی تو اللہ تعالیٰ اسے کئی گنا بڑھا دے گا حتی کہ اس کے ذریعے اسے جنت میں داخل کرے گا۔ پھر حضرت ابن مسعود نے یہ پڑھا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا۝ (النساء) اگر وہ شقی ہوگا تو فرشتے کہیں گے یا رب! اس کی نیکیاں ختم ہوگئی ہیں اور مطالبہ کرنے والے باقی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: حق طلب کرنے والے کے برے اعمال میں سے لے کر اس کی برائیوں کے ساتھ ملا لو اور اس کے لیے جہنم کا پروانہ لکھ دو (1)۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝ وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ۝

"البتہ جن کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہی لوگ کامیاب و کامران ہوں گے۔ اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے نقصان پہنچایا اپنے آپ کو وہ جہنم میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے"۔

اس پر کلام گزر چکی ہے۔

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَ هُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ۝ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ۝

"بری طرح جھلس دے گی ان کے چہروں کو آگ اور وہ اس میں دانت نکالے ہوں گے۔ (اب منہ کیوں بسورتے ہو؟) کیا ہماری آیتیں نہیں پڑھی جاتی تھیں تمہارے سامنے اور تم انہیں جھٹلایا کرتے تھے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ۔ کہا جاتا ہے: تنفخ دونوں کا ایک معنی ہے اسی سے ہے وَ لَىِٕنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ (الانبیاء: 46) مگر تلفح تکلیف کے اعتبار سے زیادہ ہے کہا جاتا ہے: لفحته النار والسموم بحرها یعنی آگ نے اسے جلا دیا اور گرم ہوا نے اپنی گرمی سے جلا دیا۔ لفحته بالسیف لفحة جب کوئی آہستہ سے کسی کو تلوار مارے وَ هُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے منہ بسورنے والے۔ اہل لغت نے کہا: یبوست میں دانت نکالنے کو الکلوح کہتے ہیں الکالح جس کے ہونٹ سکڑ گئے ہوں اور دانت باہر نکل آئے ہوں۔ اعشیٰ نے کہا:

وله المُقْدَمُ لا مِثْلَ له ساعة الشِّدْقِ عن النّاب كَلَحْ

1۔ حلیۃ الاولیاء، ابو نعیم، جلد 4، صفحہ 202-201

کلح الرجل کلوحا و کلاحا، وما اقبح کلحتہ۔ اس سے مراد منہ اور اس کے ارد گرد کا حصہ سکوڑنا ہے۔ دھر کالح، سخت زمانہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: وَهُمْ فِيهَا كٰلِحُوْنَ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے ہونٹ سکڑ گئے ہوں اور اس کی پیپ بہ گئی ہو۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: کیا آپ نے اس سر کی طرف نہیں دیکھا جسے آگ کے ساتھ کنگھی کی جائے گی اور ان کے دانت نکلے ہوئے ہوں گے اور ہونٹ خشک ہو چکے ہوں گے۔ امام ترمذی میں حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَهُمْ فِيهَا كٰلِحُوْنَ آگ اسے بھون دے گی اس کا اوپر والا ہونٹ سکڑ جائے گا (1) حتیٰ کہ وہ سر کے درمیان تک پہنچ جائے گا اور نیچے والا ہونٹ اس کی ناف تک پہنچ جائے گا۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث صحیح غریب ہے۔

قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾

"(معذرت کرتے ہوئے) کہیں گے: اے ہمارے رب! غالب آگئی تھی ہم پر ہماری بدبختی اور ہم گم کردہ راہ لوگ تھے اے ہمارے مالک! ہمیں نکال اس سے پھر اگر ہم نافرمانی کی طرف رجوع کریں تو یقیناً پھر ہم ظالم ہوں گے۔ جواب ملے گا: پھٹکارے ہوئے پڑے رہو اس میں اور مت بولو میرے ساتھ"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا اہل مدینہ، ابو عمرو اور عاصم کی قرات شقوتنا ہے اور عاصم کے سوا کوفیوں نے شقاوتنا پڑھا ہے؛ یہ قرأت حضرت ابن مسعود اور حسن سے مروی ہے۔ کہا جاتا ہے: شقاء و شقا مد اور قصر کے ساتھ اور اس کے معنی میں بہتر قول یہ ہے کہ ہم پر ہماری لذات وخواہشات نفسانی غالب آگئیں۔ لذات اور خواہشات کو شقوۃ کا نام دیا گیا ہے کیونکہ یہ شقاوت تک پہنچاتی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا (النساء: 10) کیونکہ یہ عمل انہیں آگ کی طرف لے جاتا ہے اس لئے فرمایا وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں۔ بعض نے فرمایا: اس کا مطلب ہے جو ہماری شقاوت تیرے علم میں پہلے تھی اور ام الکتاب میں ہمارے اوپر شقاوت لکھی گئی تھی۔ بعض نے فرمایا: شقاوت سے مراد یہ ہے کہ ہم پر اپنی ذات کے بارے میں حسن ظن اور مخلوق پر سوء ظن کا خیال غالب آگیا۔ وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ہم اپنے فعل میں ہدایت سے گمراہ تھے۔ یہ ان کی طرف سے عذر نہیں بلکہ یہ اقرار ہے۔ اس پر دلیل یہ قول ہے: رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ وہ دنیا کی طرف لوٹنا طلب کریں گے جیسے موت کے وقت انہوں نے دنیا کی طرف لوٹنا طلب کیا تھا۔ فَاِنْ عُدْنَا اگر ہم کفر کی طرف لوٹے فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ تو کفر کی طرف لوٹنے کی وجہ سے ظلم کرنے والے ہوں گے تو انہیں ہزار سال کے بعد جواب دیا جائے گا: اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ جہنم میں دور چلے جاؤ جیسے کتے کو کہا جاتا ہے: اخسأ دور چلا جا، خسات الکلب خساء کا مطلب ہے میں نے کتے کو دھتکارا۔ خسا الکلب بنفسہ خسوا۔ کبھی یہ متعدی ہوتا ہے اور کبھی متعدی نہیں ہوتا۔ انخسا الکلب بھی استعمال ہوتا ہے۔ ابن المبارک نے کہا: ہمیں سعید بن ابو عروبہ نے بتایا انہوں نے قتادہ سے روایت کیا انہوں نے ابو ایوب سے انہوں نے حضرت عبد اللہ بن

1۔ جامع ترمذی، صفۃ طعام اھل النار، جلد 2، صفحہ 82۔ ترمذی، حدیث 3100، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

عمرو بن عاص سے روایت کیا فرمایا: اہل جہنم، مالک جہنم کے فرشتہ کو پکاریں گے وہ انہیں چالیس سال جواب نہیں دے گا پھر ان پر یہ لوٹائے گا کہ تم یہاں ٹھہرنے والے ہو۔ فرمایا: پھر وہ اپنے رب کو پکاریں گے اور کہیں گے: رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَ كُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ۔ پھر اللہ تعالیٰ ان پر یہ لوٹائے گا۔ اخْسَئُوْا فِيْهَا۔ فرمایا: اللہ کی قسم! اس کے بعد قوم ایک کلمہ بھی نہیں کہہ سکے گی اور جہنم کی آگ میں صرف چیخ و پکار ہی ہوگی۔ ان کی آواز کو گدھے کی آواز سے تشبیہ دی گئی ہے، جس کی ابتدائی آواز کو زفیر اور آخری آواز کو شہیق کہتے ہیں۔ اس روایت کو امام ترمذی نے مرفوع حضرت ابو الدرداء کی حدیث کے ہم معنی روایت کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: آگ میں کفار کی آواز گدھے کی آواز کی طرح ہوگی اس کا اول زفیر اور آخر شہیق کہلاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کفار کیلئے کتے کی طرح بھونکنا ہوگا۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا: مجھے خبر پہنچی ہے یا مجھے ذکر کیا گیا ہے کہ دوزخی، دوزخ کے فرشتوں سے مدد طلب کریں گے۔ یہ طویل خبر ہے۔ اس کو ابن المبارک نے ذکر کیا ہے مکمل التذکرہ کتاب میں ذکر کی ہے اور اس کے آخر میں ہے پھر پہلے وہ انہیں کوئی جواب نہ دے گا جتنا عرصہ اللہ چاہے گا پھر انہیں ندا دے گا: اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ۔ فرمایا: جب وہ اللہ تعالیٰ کی آواز سنیں گے تو کہیں گے: اب ہمارا پروردگار ہم پر رحم فرمائے گا۔ وہ اس وقت کہیں گے: رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا یعنی ہم پر ہماری کتاب غالب آگئی جو ہم پر لکھی گئی تھی۔ وَ كُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اخْسَئُوْا فِيْهَا وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ اس وقت ان کی پکار اور دعا ختم ہو جائے گی وہ ایک دوسرے پر کتے کی طرح بھونکیں گے اور پھر جہنم ان پر بند کر دی جائے گی۔

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰۤى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَ كُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

''(تمہیں یاد ہے) ایک گروہ میرے بندوں سے ایسا تھا جو عرض کیا کرتا تھا: اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے ہیں سو تو بخش دے ہمیں اور رحم فرما ہم پر اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔ تم نے ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا حتی کہ اس مشغلہ نے غافل کر دیا تمہیں میری یاد سے اور تم ان پر قہقہے لگایا کرتے تھے۔ میں نے بدلہ دے دیا انہیں آج ان کے صبر کا (ذرا دیکھو) وہی ہیں مراد کو پانے والے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا مجاہد نے کہا: اس سے مراد حضرت بلال، حضرت خباب، حضرت صہیب اور فلاں اور فلاں کمزور مسلمان ہیں۔ ابو جہل اور اس کے ساتھی، مسلمانوں سے مذاق کرتے تھے۔ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا نافع، حمزہ اور کسائی نے یہاں اور سورۂ ص میں ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: ابو عمرو نے ان کے درمیان فرق کیا ہے انہوں نے سین کے کسرہ کے ساتھ استہزاء کی جہت سے بنایا ہے اور سین کے ضمہ کے ساتھ سخرۃ کی جہت سے بنایا ہے۔ خلیل، سیبویہ، کسائی اور فراء نے اس تفریق کو نہیں جانا

کسائی نے کہا یہ ہم معنی ہیں جیسے کہا جاتا ہے عُصِیّ وعِصِیّ ولُجِیّ ولِجِیّ۔ ثعلبی نے کسائی اور فراء سے حکایت کیا ہے کہ وہ فرق جو ابو عمرو نے حکایت کیا ہے سین کے کسرہ کے ساتھ استہزا کے معنی میں ہے اور زبان سے مذاق کرنے کے معنی میں ہے اور ضمہ کے ساتھ تسخیر اور بالفعل استعباد کے معنی میں ہے۔ مبرد نے کہا: عربوں سے معانی کے درمیان تفریق لی جاتی ہے رہی تاویل تو اس میں تفریق نہ ہوگی۔ اور سخری میں کسرہ دونوں کیلئے ہے کیونکہ اس جیسے لفظ میں ضمہ ثقیل ہوتا ہے۔ حَتّٰۤى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ حتی کہ تم نے ان سے استہزا کی وجہ سے انہیں میرے ذکر سے مشغول کر دیا۔ وَ كُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ۝ ان سے استہزا کرتے ہوئے ہنستے تھے۔ الانساء کو مومنین کی طرف مضاف کیا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ان کی مشغولیت کا سبب تھے مومنین سے کفار کے استہزا کی نحوست ان کے دلوں پر کفر کے غلبہ کی طرف متعدی ہوئی۔ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا تمہاری اذیت پر جو انہوں نے صبر کیا اس پر آج میں انہیں جزا دوں گا اور جو انہوں نے میری طاعت پر صبر کیا۔ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ۝ حمزہ اور کسائی نے ابتداً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی مدح کے طور پر ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی لأنهم هم الفائزون۔ اور اس پر جزا کے وقوع کی وجہ سے نصب پڑھنا بھی جائز ہے، تقدیر عبارت اس طرح ہوگی إني جزيتهم اليوم الفوز بالجنة، میں کہتا ہوں: یہی مفہوم سورۃ المطففین کے آخر میں فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ۝ (مطففین) میں دیکھا جائے گا۔ اس سے مستنبط ہوتا ہے ضعیفوں مساکین کے ساتھ استہزاء نہیں کرنا چاہیے اور انہیں حقارت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے اور ان کی وجہ سے لایعنی قول وفعل میں مشغول نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ سے دوری کا باعث ہے۔

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ۝ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْــَٔلِ الْعَآدِّيْنَ۝ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝

"اللہ تعالیٰ فرمائے گا: (ذرا بتاؤ) کتنے سال تم زمین میں ٹھہرے رہے؟۔ کہیں گے: ہم ٹھہرے تھے بس ایک دن یا دن کا کچھ حصہ آپ پوچھ لیں سال گننے والوں سے۔ ارشاد ہوگا: نہیں ٹھہرے مگر تھوڑا عرصہ کاش! تم اس (حقیقت) کو (پہلے ہی) جان لیتے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ قبور میں رہنے کے متعلق سوال ہوگا۔ بعض نے کہا: دنیا میں مدت حیات کے بارے میں سوال ہوگا یہ سوال مشرکین کیلئے قیامت کے عرصات میں یا دوزخ میں ہوگا۔ عَدَدَ سِنِيْنَ۝ نون کے فتحہ کے ساتھ کہ یہ جمع سالم ہے اور بعض عرب اسے جر دیتے ہیں اور تنوین دیتے ہیں۔ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ عذاب کی شدت انہیں قبور میں ٹھہرنے کی مدت بھلا دے گی۔ بعض نے کہا: چونکہ ان سے دونوں نفخوں کے درمیان عذاب اٹھالیا جائے گا تو وہ قبور میں عذاب کو بھول جائیں گے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس عذاب میں وہ تھے نفخہ اولیٰ سے نفخہ ثانیہ تک وہ انہیں بھلا دے گا کیونکہ جس کو کسی نبی نے قتل کیا یا کسی نے نبی کو قتل کیا یا نبی کی موجودگی میں قتل کیا گیا تو اس مرنے کے وقت سے لے کر نفخہ اولیٰ یعنی پہلا صور پھونکنے تک عذاب دیا جائے گا پھر ان سے عذاب دور کیا جائے

گا۔ پس وہ پانی کی طرح ہو گا حتی کہ دوسرا صور پھونکا جائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: انہوں نے دنیا میں ٹھہرنے کی مدت اور قبور میں رہنے کے عرصہ کو کم جانا اور اسے تھوڑا سمجھا اس عذاب کی نسبت جس میں وہ مبتلا تھے۔ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ۝ حساب لگانے والوں سے پوچھ جو حساب کو جانتے ہیں ہم تو اسے بھول چکے ہیں یا یہ مراد ہے کہ ان فرشتوں سے پوچھ جو دنیا میں ہمارے ساتھ تھے۔ پہلا قول قتادہ کا ہے اور دوسرا قول مجاہد کا ہے۔ ابن کثیر، حمزہ اور کسائی نے قل کم لبثتم فی الارض پڑھا ہے یعنی امر کا صیغہ پڑھا ہے۔ یہ تین معانی کا احتمال رکھتا ہے۔ (۱) قولوا کم لبثتم تم بتاؤ کہ تم کتنا عرصہ ٹھہرے۔ تو کلام ایک کو حکم دینے کیلئے ذکر کی گئی جب کہ مراد جماعت ہے، کیونکہ یہی معنی مفہوم ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ یہ فرشتے کو حکم ہو کہ ان سے قیامت کے روز دنیا میں ٹھہرنے کی مدت کے بارے میں پوچھو یا یہ مراد ہو کہ بتا اے کافر! تم کتنا عرصہ ٹھہرے؟ یہ تیسرا قول ہے۔ باقی قراء نے ماضی کا صیغہ قال پڑھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا یا فرشتوں نے انہیں کہا: تم کتنا عرصہ ٹھہرے؟ حمزہ اور کسائی نے بھی قل اِنْ لبثتم الا قلیلا پڑھا ہے باقی قراء نے قال خبر کی بنا پر پڑھا ہے جیسا کہ ابتدا میں تفسیر میں ذکر کیا گیا یعنی تم نہیں ٹھہرے زمین میں مگر تھوڑا عرصہ۔ یہ اس لیے کہ ان کا قبور میں ٹھہرنا اگرچہ لمبا تھا لیکن متناہی تھا۔ بعض نے کہا: آگ میں ٹھہرنے کی نسبت یہ عرصہ کم تھا کیونکہ اس کی حد نہیں ہے۔ لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ یعنی کاش! تم اس حقیقت کو جانتے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝

"کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم ہمارے طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا کیا تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں مہمل پیدا کیا ہے جیسے جانور پیدا کیے گئے پس جنکے لیے نہ ثواب ہے اور نہ عقاب یہ اس قول کی مثل ہے۔ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ۝ (القیامہ) یعنی جانور کی طرح مہمل بغیر فائدہ کے چھوڑ دیا جائے گا۔ ترمذی حکیم ابو عبد اللہ محمد بن علی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو غلام پیدا کیا تا کہ وہ اس کی عبادت کریں۔ پس وہ عبادت پر ثواب دے گا اور عبادت کے ترک پر عذاب دے گا اگر وہ اس کی عبادت کریں گے تو آج اس کے آزاد معزز اور دنیا کی غلامی سے آزاد بندے ہوں گے اور دار السلام میں بادشاہ ہوں گے۔ اگر عبودیت کو ترک کریں گے تو وہ آج بھاگے ہوئے غلام اور گرے ہوئے اور گھٹیا لوگ شمار ہوں گے اور کل آگ کے طبقوں میں قید دشمن ہوں گے۔ عَبَثًا۔ سیبویہ کے نزدیک اور قطرب کے نزدیک حال کی بنا پر منصوب ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: مصدر کی بنا پر منصوب ہے یا مفعول لہ کی حیثیت سے منصوب ہے۔ وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ پس انہیں ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ حمزہ اور کسائی نے ترجعون تا کے فتحہ اور جیم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۝

"پس بہت بلند ہے اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے (بے مقصد تخلیق سے) نہیں کوئی معبود بجز اس کے وہ مالک ہے عزت والے عرش کا"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ اللہ تعالیٰ جو مالک حقیقی ہے وہ پاک ہے اولاد، شرکاء اور مد مقابل سے اور کسی

چیز کو بے مقصد اور بے حکمت پیدا کرنے سے کیونکہ وہ حکیم ہے۔ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۝ قرآن میں اس کے علاوہ کسی جگہ اس طرح نہیں ہے۔ ابن محیص اور ابن کثیر سے الکریم رفع کے ساتھ مروی ہے اور اسے اللہ کی صفت بنایا ہے۔

وَ مَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ وَ قُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَ ارْحَمْ وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝

''اور جو پوجتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو جسکی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے بلاشبہ نہیں کامیاب ہوں گے حق کا انکار کرنے والے۔ اور (اے محبوب!) آپ (یوں) عرض کرو: میرے رب! بخش دے (میری گنہگار امت کو) اور رحم فرما (ہم سب پر) اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ یعنی اسکے لیے اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وہ اسے سزا دے گا اور محاسبہ کرے گا۔ انہ ضمیر شان ہے۔ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ حسن اور قتادہ نے لا یفلح فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے جس نے تکذیب کی اور انکار کیا اس کا جو میں نے بھیجا ہے اور جس نے میری نعمتوں کی ناشکری کی وہ کامیاب نہ ہوگا۔ پھر اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ استغفار کرو تاکہ آپ کی امت آپ کی اقتدا کرے۔ بعض علماء نے فرمایا: استغفار کا حکم آپ کی امت کیلئے ہے۔ ثعلبی نے ابن لہیعہ کی حدیث مسند روایت کی ہے ابن لہیعہ نے عبد اللہ بن ہبیرہ سے انہوں نے حنش بن عبد اللہ صنعانی سے انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے کہ وہ ایک مصیبت میں مبتلا شخص کے پاس سے گذرے تو انہوں نے اس کے کان میں اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا الخ۔ پڑھ دیا تو وہ ٹھیک ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو نے اس کے کان میں کیا پڑھا ہے''۔ حضرت ابن مسعود نے بتایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اگر کوئی شخص جو یقین رکھتا ہو وہ اسے پہاڑ پر پڑھے تو وہ اپنی جگہ سے زائل ہو جائے''۔

سورۃ النور

آیاتہا ۶۴ ۲۴ سورۃ النور مدنیۃ ۱۰۲ رکوعاتہا ۹

بالاجماع یہ مدنی سورت ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①

''یہ (ایک عظیم الشان) سورت ہے جو ہم نے نازل فرمائی ہے اور ہم نے فرض کیا ہے اس (کے احکام) کو اور ہم نے اتاری ہیں اس میں روشن آیتیں تا کہ تم نصیحت قبول کرو''۔

اس سورت کا مقصود عفت اور پردہ پوشی کے احکام کا ذکر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو لکھا کہ اپنی عورتوں کو سورۃ النور سکھاؤ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: عورتوں کو بالا خانوں میں نہ ٹھہراؤ اور نہ انہیں کتابت سکھاؤ اور انہیں سورۃ النور اور سوت کاتنا سکھاؤ (1)۔ وَ فَرَضْنٰهَا را کی تخفیف کے ساتھ پڑھا گیا ہے یعنی ہم نے تم پر اور تمہارے بعد میں آنے والوں پر اس سورت میں موجود احکام فرض کیے ہیں اور راء کی شد کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی ہم نے اس سورت میں مختلف فرائض نازل کیے ہیں۔ ابو عمرو نے فرّضناها تشدید کے ساتھ پڑھا ہے یعنی ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا اتارا ہے۔ الفرض کا معنی القطع بھی ہے اسی سے فرضۃ القوس ہے کمان کا حصہ، فرائض میراث کے مقررہ حصص۔ فرض النفقہ خرچہ کا حصہ فرضنا یعنی ہم نے اسے علیحدہ واضح طور پر بیان کیا۔ بعض نے کہا: تشدید تکثیر کے لیے ہے یعنی اس میں کثرت سے فرائض ہیں۔ لغت میں سورت بلند مرتبہ کا نام ہے اسی وجہ سے قرآن کی سورت کہا جاتا ہے؛ زہیر نے کہا:

ألم تر ان الله أعطاك سورة ترى كل مَلْكٍ دونها يتذبذب (2)

کتاب کے مقدمہ میں اس پر گفتگو ہو چکی ہے۔ سورۃ کو رفع کے ساتھ پڑھا گیا ہے اس بنا پر کہ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر انزلناها ہے، یہ ابوعبیدہ اور اخفش کا قول ہے۔ زجاج اور فراء اور مبرد نے کہا: سورۃ مرفوع ہے کیونکہ مبتدا کی خبر ہے (3) کیونکہ یہ نکرہ ہے اور نکرہ کے ساتھ آغاز نہیں کیا جاتا، یعنی هذه سورة۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ سورۃ مبتدا ہو اور اس کے بعد والا کلام اس کی صفت ہو جس نے اسے نکرہ محضہ کی تعریف سے خارج کر دیا پس اس کے ساتھ ابتداء درست ہے اور اس کی خبر اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ ہوگی۔ سورۃ نصب کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اس کی تقدیر اس طرح ہوگی انزلنا سورة انزلناها۔ شاعر نے کہا:

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 361

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 70

3۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 361

الذئب أخشاه إن مررتُ به　　وَحْدِي وأخشى الرياح والمطر

یا فعل کے اضمار کے ساتھ منصوب ہوگی(1) یعنی اتل سورة، فراء نے کہا: یہ ھاء اور الف سے حال ہے۔ اور ضمیر سے حال ہو تو اس کا ذوالحال سے مقدم کرنا جائز ہوتا ہے۔

اَلزَّانِیَةُ وَ الزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّ لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَ لْیَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآىِٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

”جو عورت بدکار ہو اور جو مرد بدکار ہو تو لگاؤ ہر ایک کو ان دونوں میں سے سو (سو) درے اور نہ آئے تمہیں ان دونوں پر (ذرا) رحم اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ تعالیٰ پر اور روز آخرت پر اور چاہیے کہ مشاہدہ کرے دونوں کی سزا کو اہل ایمان کا ایک گروہ“۔

اس میں بائیس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلزَّانِیَةُ وَ الزَّانِیْ زنا لغت میں شریعت سے پہلے بھی معروف تھا جیسے سرقہ (چوری) اور قتل کے اسم پہلے موجود تھے۔ زنا کا مطلب ہے مرد کا عورت کی فرج (شرمگاہ) میں بغیر نکاح اور بغیر شبہ نکاح کے عورت کی رضا کے ساتھ جماع کرنا۔ اگر تو چاہے تو یوں بھی کہہ سکتا ہے فرج کا طبعاً مشتہیٰ فرج میں داخل کرنا جو شرعاً حرام ہو۔ جب ایسی صورت ہو تو حد واجب ہوتی ہے۔ زنا کی حد اور اس کی حقیقت اور اس کے متعلق علماء کے اقوال گزر چکے ہیں یہ آیت حبس کی آیت اور اذیت والی آیت جو سورۂ نساء میں ہے ان کے لیے بالاتفاق ناسخ ہے

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِائَةَ جَلْدَةٍ۔ یہ آزاد، بالغ، غیر شادی شدہ زنا کرنے والے کی حد ہے۔ اسی طرح آزاد، بالغہ، غیر شادی شدہ عورت کی حد ہے اور سنت سے ایک سال کی جلاوطنی بھی ثابت ہے۔ اس جلاوطنی میں اختلاف ہے اور لونڈیاں اگر زنا کریں گی تو ان پر پچاس درے ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ اَتَیْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَیْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ (النساء:25) یہ لونڈی کے بارے میں ہے۔ اور غلام بھی اسی کے معنی میں ہے۔ رہا آزاد لوگوں میں سے شادی شدہ تو اس پر کوڑے نہیں رجم ہوگا۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ پہلے اسے سو کوڑے مارے جائیں گے پھر اسے رجم کیا جائے گا یہ سب کچھ سورۃ النساء میں تفصیلاً گزر چکا ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ جمہور نے اَلزَّانِیَةُ وَ الزَّانِیْ کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ عیسیٰ بن عمر ثقفی نے الزانیة کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے: یہ سیبویہ کے نزدیک زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ ان کے نزدیک تیرے اس قول کی طرح ہے: زیدا اضرب۔ اور سیبویہ کے نزدیک رفع کی وجہ یہ ہے کہ یہ مبتدا کی خبر ہے تقدیر اس طرح ہوگی فیما یتلی علیکم حکم الزانیة والزانی۔ رفع پر علماء کا اجماع ہے اگرچہ سیبویہ کے نزدیک قیاس نصب تھا فراء، مبرد اور زجاج کے نزدیک رفع زیادہ بہتر ہے اور خبر فَاجْلِدُوْا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 160

کے قول میں ہے کیونکہ اس کا معنی ہے الزانیۃ والزانی مجلودان بحکم اللہ۔ بدکارہ عورت اور بدکار مرد کو اللہ کے حکم سے کوڑے لگائے جائیں گے۔ یہ عمدہ قول ہے اور یہ اکثر نحویوں کا قول ہے۔ اگر تو چاہے تو خبر مقدر کرے ینبغی ان یجلدا۔
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے الزان بغیر یاء کے پڑھا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ نے مذکر اور مونث کا ذکر کیا حالانکہ الزانی کا لفظ دونوں کی طرف سے کافی تھا۔ بعض علماء نے کہا: دونوں کا ذکر تاکید کے لیے ہے جیسے فرمایا۔ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا (المائدہ: 38) یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں کا ذکر اس لیے فرمایا تاکہ کوئی گمان کرنے والا یہ گمان نہ کرے کہ مرد وطی کرنے والا تھا اور عورت محل وطی تھی اس لیے وطی کرنے والی نہیں اس لیے اس پر حد واجب نہ ہوگی تو اس اشکال کو دور کرنے کے لیے دونوں کا ذکر فرمایا۔ یہ اشکال علماء کی ایک جماعت نے وارد کیا ہے جن میں امام شافعی بھی ہیں انہوں نے کہا: رمضان میں عورت پر وطی کی صورت میں کفارہ نہیں ہے کیونکہ ایک شخص نے کہا میں نے رمضان شریف میں دن کے وقت اپنی بیوی سے مجامعت کی ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کفّر تو کفارہ دے۔ اس کو آپ نے کفارہ کا حکم دیا۔ عورت نہ مجامعت کرنے والی ہے اور نہ وطی کرنے والی ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اَلزَّانِيَةُ کو مقدم کیا گیا ہے کیونکہ اس زمانہ میں عورتوں کا زنا عام تھا عربوں کی لونڈیوں اور فاحشہ عورتوں کے گھروں پر جھنڈے لگے ہوتے تھے اور وہ سرعام زنا کرتی تھیں۔ بعض علماء نے کہا: چونکہ عورتوں میں زنا زیادہ عار کا باعث ہے یہ اسی کی وجہ سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ بعض نے کہا: عورت میں شہوت زیادہ ہوتی ہے اور اس پر شہوت غالب ہوتی ہے اس کا پہلے ذکر کیا تاکہ وہ شہوت سے رک جائے اگرچہ عورت میں حیاء رکھا گیا ہے لیکن جب وہ زنا کرتی ہے تو اس کا حیاء ختم ہو جاتا ہے نیز عورتوں کی وجہ سے عار زیادہ لاحق ہوتی ہے کیونکہ ان کا موضوع پردہ اور حفاظت ہے اس لیے تغلیظا اور اہتماما ان کا پہلے ذکر کیا۔

مسئلہ نمبر 6۔ اَلزَّانِيَةُ اور الزَّانِيْ پر الف لام جنس کے لیے ہے۔ یہ عام ہے اور تمام بدکاروں کو شامل ہے۔ اور جنہوں نے رجم کے ساتھ دروں کا قول کیا ہے انہوں نے کہا: سنت میں حکم کی زیادتی آئی ہے پس کوڑوں کے ساتھ رجم بھی ہو گا؛ یہ اسحاق بن راہویہ، حسن بن ابی الحسن کا قول ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے شراحہ سے ایسا ہی کیا تھا۔ اس کا بیان سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔ جمہور علماء نے کہا: یہ غیر شادی شدہ کے ساتھ خاص ہے۔ انہوں نے غلاموں اور لونڈیوں کے خروج کی وجہ سے اس کے غیر عام ہونے پر استدلال کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ نے اس سزا پر نص قائم فرمائی جو بدکاری کرنے والوں پر واجب ہوگی جب ان کے خلاف گواہی قائم ہو جائے گی جیسا کہ آگے آئے گا۔ علماء کا اس قول پر اجماع ہے اور اس میں اختلاف ہے ایک شخص ایک عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں پایا جائے تو اس پر کیا واجب ہے؟ اسحاق بن راہویہ نے کہا: ان میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے لگائے جائیں گے؛ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ یہ ان دونوں حضرات سے ثابت نہیں ہے۔ عطا اور سفیان ثوری نے کہا: ان کو ادب سکھایا جائے گا؛ یہی امام مالک اور امام احمد کا قول ہے جیسا کہ ادب میں ان کے مذاہب کی قدر پر

ہے۔ ابن المنذر نے کہا: اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ جو اس حالت میں پایا جائے اس پر ادب ہے۔ اس میں جو مختار ہے وہ سورہ ہود میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاجْلِدُوْا فاء داخل ہوئی ہے کیونکہ یہ امر کی جگہ ہے اور امر شرط کے لیے مضارع ہے۔ مبرد نے کہا: اس میں جزا کا معنی ہے، یعنی اگر زنا کرنے والا زنا کرے تو اس کے ساتھ ایسا کرو، اسی وجہ سے فا داخل ہوئی اسی طرح وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا (المائدہ: 38) ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس امر کے ساتھ مخاطب امام اور اس کا نائب ہے۔ امام مالک اور امام شافعی نے فرمایا: ہر کوڑے اور قطع میں یہ حکم ہے۔ امام مالک نے فرمایا کوڑوں میں ہے، قطع میں یہ حکم نہیں۔ بعض نے کہا: یہ خطاب مسلمانوں کے لیے ہے کیونکہ دین کے مراسم کو قائم کرنا مسلمانوں پر واجب ہے پھر امام ان کے قائم مقام ہوتا ہے کیونکہ حدود کے قائم کرنے پر اجتماع ممکن نہیں۔

مسئلہ نمبر 10۔ علماء کا اجماع ہے کوڑے مارنا دُرّے کے ساتھ واجب ہے اور وہ کوڑا درمیانی صورت میں ہوگا نہ بہت سخت اور نہ بہت زیادہ نرم۔ امام مالک نے حضرت زید بن اسلم سے روایت کیا ہے(1) کہ ایک شخص نے عہد رسالت میں زنا کا اعتراف کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے ایک کوڑا منگوایا تو آپ کے پاس ٹوٹا ہوا کوڑا لایا گیا آپ نے فرمایا: ''اس سے بہتر ہو''۔ پھر ایک نیا کوڑا لایا گیا جو زیادہ تیز تھا۔ آپ نے فرمایا: ''اس سے کم ہو'' پھر کوڑا لایا گیا جو درمیانی قسم کا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ مارنے کا حکم دیا۔ ابو عمر نے کہا: مؤطا کے تمام رواۃ نے اس حدیث کو اسی طرح مرسل روایت کیا ہے، میں نہیں جانتا کہ اس لفظ کے ساتھ متصل سند سے مروی ہے۔ معمر نے یحییٰ بن کثیر سے روایت کیا ہے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مثل روایت کیا ہے۔ سورہ المائدہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قدامہ کو شراب پینے کی وجہ سے مکمل کوڑے سے مارنا گزر چکا ہے، یعنی متوسط کوڑے سے مارا۔

مسئلہ نمبر 11۔ علماء کا اختلاف ہے کہ زنا میں سزا پانے والے کے کپڑے اتارے جائیں گے یا نہیں؟ امام مالک، امام ابو حنیفہ وغیرہما کا قول ہے کہ اس کے کپڑے اتارے جائیں گے اور عورت پر وہ لباس رہنے دیا جائے گا جو باعث پردہ ہو نہ کہ وہ جو اسے ضرب سے بچائے۔ امام اوزاعی نے فرمایا: امام کو اختیار ہے چاہے تو اس کے کپڑے اتارے چاہے تو نہ اتارے۔ شعبی اور نخعی نے کہا: اس کے کپڑے نہیں اتارے جائیں گے لیکن اس پر قمیص چھوڑی جائے گی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اس امت میں کپڑے اتارنا اور لمبا کرنا نہیں ہے؛ یہی ثوری کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ علماء کا مردوں اور عورتوں کو ضرب لگانے کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے فرمایا: مرد اور عورت تمام حدود میں برابر ہیں ان میں کوئی کھڑا نہیں کیا جائے گا اور یہ صرف پیٹھ پر لگائی جائے گی۔ اصحاب الرائے اور امام شافعی کا خیال ہے کہ مرد کو کھڑا کر کے کوڑے لگائے جائیں گے، یہی حضرت علی بن ابی طالب کا قول ہے۔ لیث بن سعد، امام

1۔ مؤطا امام مالک، ما جاء فیمن اعترف علی نفسہ بالزنا، صفحہ 286

ابو حنیفہ اور امام شافعی نے کہا: تمام حدود میں اور تعزیر میں لٹائے بغیر کھڑا کر کے کپڑے اتار کر سزا دی جائے گی سوائے حد قذف کے۔ اسے مارا جائے گا جب کہ اس پر کپڑے ہوں گے؛ یہ مہدوی نے التحصیل میں امام مالک سے روایت کیا ہے اس سے پوستین اور جیکٹ وغیرہ اتار لی جائے گی۔ امام شافعی نے فرمایا: اگر اس کو لٹانے میں صلاح ہو تو اسے لٹایا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 13۔ ان مواضع میں اختلاف ہے حدود میں انسان کو جہاں مارا جائے گا؟ امام مالک نے کہا: ساری حدود کی سزا پیٹھ پر دی جائے گی اور یہی حکم تعزیر کا بھی ہے (1)۔ امام شافعی اور ان کے اصحاب نے کہا: چہرے اور شرمگاہ کو بچایا جائے گا اور باقی تمام اعضاء پر مارا جائے گا (2)؛ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے لونڈی کی ٹانگوں کی طرف اشارہ کیا جسے زنا میں کوڑے لگنے تھے۔ ابن عطیہ نے کہا: اس پر اجماع ہے کہ چہرے، شرمگاہ اور ایسی جگہ پر نہیں مارا جائے گا جس کی وجہ سے مرنے کا اندیشہ ہو، سر پر مارنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ جمہور نے کہا: سر کو بچایا جائے گا۔ حضرت عمر نے صبیغ بن عسل کو سر پر مارا اور یہ تعزیر تھی، حد نہیں تھی۔ امام مالک کی حجت میں سے یہ ہے جس پر لوگوں کو انہوں نے پایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "دلیل پیش کرو ورنہ پیٹھ پر حد لگے گی" (3)۔

مسئلہ نمبر 14۔ ایسی ضرب لگانا واجب ہے جو تکلیف تو پہنچائے مگر زخمی نہ کرے نہ عضو کو کاٹے اور مارنے والا اپنا ہاتھ اپنی بغل کے نیچے سے نہ نکالے، یہی جمہور کا قول ہے یہی حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حد کے سلسلہ میں ایک شخص کو لایا گیا آپ نے درمیانہ کوڑا منگوایا اور مارنے والے کو کہا: تو اسے مار لیکن تیری بغل نظر نہ آئے اور ہر عضو کو اس کا حق دے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شرابی لایا گیا آپ نے فرمایا: میں تجھے ایسے شخص کے پاس بھیجوں گا جسے تم پر نرمی نہ آئے گی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کو مطیع بن اسود عدوی کی طرف بھیجا اور فرمایا جب تو کل صبح کرے تو اسے حد لگانا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو وہ اسے سخت کوڑے مار رہا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو نے آدمی کو قتل کر دیا، تو نے اسے کتنی ضربیں لگائی ہیں؟ اس نے کہا: ساٹھ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیس باقی ہیں ان کے بدلے میں اس شدت کو کر دے جو تو نے اسے پہنچائی ہے اور مزید بیس کوڑے نہ لگاؤ۔ اس حدیث سے یہ سمجھ آتا ہے کہ شراب، پینے والے کو سخت کوڑے نہیں مارے جائیں گے۔ حدود میں سخت ضرب کس حد میں ہوگی؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ امام مالک اور ان کے اصحاب اور لیث بن سعد نے کہا: تمام حدود میں ضرب برابر ہے۔ وہ ضرب زخمی کرنے والی نہ ہوگی اور درمیانی ضرب ہوگی؛ یہی امام شافعی کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہ اور اس کے اصحاب نے کہا: تعزیر کی ضرب سخت ترین ضرب ہے اور زنا کی ضرب شراب کی ضرب سے سخت ہے اور شراب پینے والے کی ضرب قذف کی ضرب سے سخت ہے (4)۔ ثوری نے کہا: زنا کی ضرب قذف کی ضرب سے سخت ہے اور قذف کی ضرب شراب کی ضرب سے سخت ہے (5)۔ امام

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 363 — 2۔ ایضاً

3۔ صحیح بخاری، إذا ادعى أو قذف فله ان يلتمس البينة وينطلق لطلب البينة، جلد 1، صفحہ 367

4۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 363 — 5۔ ایضاً

مالک نے کوڑوں کی تعداد پر توقیف کے ورود سے حجت پکڑی ہے۔ اور حدود میں سے کسی حد میں تخفیف اور تثقیل وارد نہیں ہے اس شخص کے متعلق جس کے لیے تسلیم ثابت ہے۔ امام ابوحنیفہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے حجت پکڑی ہے کہ تعزیر میں ضرب، زنا کی ضرب سے شدید ہوگی۔ ثوری نے اس سے حجت پکڑی ہے کہ زنا میں جب کوڑوں کی تعداد زیادہ ہے تو یہ محال ہے کہ قذف تکلیف میں زیادہ ہو اسی طرح شراب ہے کیونکہ شراب میں حد اجتہاد سے ثابت ہے اور مسائل اجتہاد مسائل توقیف سے زیادہ قوت والے نہیں ہوتے۔

مسئلہ نمبر 16۔ وہ حد جو اللہ تعالیٰ نے زنا، شراب اور قذف میں واجب کی ہے مناسب ہے کہ وہ حکام کے سامنے لگائی جائے اور اسے فضلاء اور خیار لوگ قائم کریں جن کو امام منتخب کرے اسی طرح صحابہ کرام کرتے تھے جب ان کے لیے کوئی ایسا واقعہ رونما ہوتا تھا اس کا سبب یہ ہے کہ یہ قاعدہ شرعیہ اور قربت تعبدیہ کے ساتھ قائم کی جاتی ہے پس اس کے فعل۔ اس کی مقدار، محل اور حال پر محافظت واجب ہے تاکہ اپنی شروط اور احکام سے کوئی چیز تجاوز نہ کرے کیونکہ مسلم کا خون اور اس کی حرمت بہت زیادہ ہے پس جتنا ممکن ہو سکے اس کی رعایت کرنا واجب ہے۔ صحیح میں حضین بن منذر ابی ساسان سے مروی ہے فرمایا: میں عثمان بن عفان کے پاس موجود تھا، ولید کو لایا گیا اس نے صبح کی دو رکعتیں پڑھائیں پھر کہا: کیا میں تمہیں زیادہ پڑھاؤں۔ ولید کے خلاف دو آدمیوں نے گواہی دی ایک نے گواہی دی کہ اس نے شراب پی تھی، دوسرے نے گواہی دی اس نے اس کو قئی کرتے دیکھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس نے قئی نہیں کی حتیٰ کہ اس نے شراب پی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اٹھو اور اسے کوڑے لگاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے حسن! اٹھو اور اسے کوڑے لگاؤ، حسن نے کہا: یہ کام اس کے سپرد کرو جن کو یہ خلافت اچھی لگتی ہے، گویا حضرت حسن نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عبد اللہ بن جعفر! تم اٹھو اور اس کو کوڑے لگاؤ۔ پس حضرت عبد اللہ بن جعفر نے اسے کوڑے لگائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں شمار کیا (1)۔ سورۃ المائدہ میں یہ حدیث گزر چکی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا: اٹھو اور اسے کوڑے لگاؤ۔

مسئلہ نمبر 17۔ اللہ تعالیٰ نے قذف اور زنا میں کوڑوں کی تعداد پر نص قائم فرمائی ہے اور شراب میں اسی کوڑوں پر تمام صحابہ کی موجودگی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے توقیف ثابت ہے۔ پس ان میں حد سے تجاوز نہیں کیا جائے گا۔ ابن عربی نے کہا: یہ اس وقت تک ہے جو لوگ شر میں مگن نہ ہوں اور انہیں گناہ میں لذت نہ ہو لیکن جب وہ گناہوں کو عادت بنالیں اور بار بار گناہ کریں حد کو آسان سمجھیں اور وہ برائی سے باز نہ آئیں تو پھر شدت متعین ہو جائے گی اور گناہ کی زیادتی کی وجہ سے حد زیادہ کی جائے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رمضان میں ایک نشی کو لایا گیا تو آپ نے اسے سو کوڑے لگائے، اسی شراب کی حد کے طور پر اور بیس رمضان کی حرمت توڑنے پر پس جنایات کی تغلیظ اور حرمات کی ہتک پر سزائیں مرکب کرنا واجب ہے۔ ایک شخص نے بچے کے ساتھ بدمعاشی کی تو والی نے اسے تین سو کوڑے مارے۔ امام مالک کو جب اس کی خبر پہنچی تو آپ نے اسے تبدیل نہیں کیا پھر اگر امام ہمارے زمانہ میں حرمات کی ہتک اور گناہوں کی بھرمار اور برائیوں پر تعاون اور حدود کی بیع اور

1۔ مسند امام احمد حدیث نمبر 1230

قضاۃ کے منصب پر غلاموں کا فائز ہونا دیکھتے تو غم وغصہ کی وجہ سے فوت ہو جاتے اور کسی کے ساتھ بیٹھنا گوارا نہ کرتے۔ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہتر کارساز ہے۔ میں کہتا ہوں: اسی وجہ سے شراب کی حد میں زیادتی کی گئی حتی کہ اسی کوڑوں تک پہنچ گئی۔ دارقطنی نے روایت کیا ہے ہمیں قاضی حسین بن اسماعیل نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں یعقوب بن ابراہیم دورقی نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں صفوان بن عیسیٰ نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں اسامہ بن زید نے بیان کیا انہوں نے زہری سے روایت کیا انہوں نے کہا مجھے عبدالرحمٰن بن زہر نے بتایا انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ حنین کے دن دیکھا آپ لوگوں کے درمیان تھے آپ خالد بن ولید کی منزل کے بارے پوچھ رہے تھے پھر نشہ کی حالت میں ایک شخص لایا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس موجود لوگوں کو فرمایا: ''اسے اس چیز کے ساتھ مارو جو تمہارے پاس ہے'' فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مٹی ڈالی۔ فرمایا: پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نشی کو لایا گیا، فرمایا: اس دن انہوں نے ضربات کو طلب کیا اور اسے چالیس کوڑے لگائے (1)۔ ازہری نے کہا پھر حمید بن عبدالرحمٰن نے مجھے بتایا انہوں نے ابن وبرہ کلبی سے روایت کیا فرمایا مجھے خالد بن ولید نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا فرمایا: میں ان کے پاس آیا تو ان کے پاس حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم موجود تھے اور وہ ان کے ساتھ مسجد میں سہارا لے کر بیٹھے تھے میں نے کہا: مجھے خالد بن ولید نے آپ کی طرف بھیجا ہے وہ آپ کو سلام کہتے ہیں اور کہتے ہیں لوگ شراب پینے میں مبالغہ کر رہے ہیں اور اس کی سزا کو حقیر سمجھ رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ لوگ تمہارے پاس ہیں ان سے پوچھو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم دیکھتے ہیں جب شرابی شراب پیتا ہے تو ہزیان بکتا ہے اور جب ہزیان بکتا ہے تو تہمت لگاتا ہے اور تہمت لگانے والے پر اسی کوڑے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہی پیغام خالد بن ولید کو پہنچا دو جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔ فرمایا: حضرت خالد نے اسی کوڑے لگائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی کوڑے لگائے۔ فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی کمزور شخص لایا جاتا اور اس سے لغزش ہوئی ہوتی تو اسے چالیس کوڑے لگاتے۔ فرمایا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسی کوڑے اور چالیس کوڑے لگائے۔ اسی مفہوم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''اگر چاند موخر ہوتا تو میں تمہارے لیے زیادتی کرتا (2)'' جیسے کوئی ناپسند کرنے والا کہتا ہے جب صحابہ کرام صوم وصال رکھنے سے نہ رکے تھے۔ ایک روایت میں ہے: ''اگر ہمارے لیے مہینہ لمبا ہوتا تو میں متواتر صوم وصال رکھتا حتیٰ کہ شدت کرنے والے اپنی شدت کو ترک کر دیتے'' (3)۔ حامد بن یحییٰ نے سفیان سے انہوں نے مسعر سے انہوں نے عطاء بن ابی مروان سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نجاشی کو شراب پینے کی وجہ سے سو کوڑے لگائے۔ ابو عمر نے اس کو ذکر کیا ہے اور اس کا سبب ذکر نہیں کیا۔

مسئلہ نمبر 18۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ۔ محدود پر حد قائم کرنے سے شفقت کی بنا پر نہ رکو، ضرب میں تخفیف نہ کرو تا کہ اسے تکلیف ہی نہ ہو؛ یہ اہل تفسیر کی ایک جماعت کا قول ہے۔ شعبی، نخعی اور سعید بن

1۔ ابو داؤد، کتاب الحدود، باب اذا تتابع فی شرب الخمر، حدیث 3831، 3890، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، النھی عن الوصال، جلد 1، صفحہ 352 3۔ ایضاً

جبیر نے کہا: لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ یعنی ضرب لگانے اور کوڑے لگانے میں تمہیں رحم نہ آئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کسی جگہ حد قائم کرنا وہاں کے لوگوں کے لیے چالیس راتوں کی بارش سے بہتر ہے پھر یہ آیت پڑھی۔ الرافۃ میں رحمت سے زیادہ نرمی ہے۔ رافۃ الف کے فتحہ کے ساتھ فعلۃ کے وزن پر پڑھا گیا ہے اور رافۃ فعالہ کے وزن پر بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ تین لغات ہیں یہ تمام مصادر ہیں زیادہ مشہور پہلا ہے یہ روف سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے نرمی کرنا اور رحم کرنا کہا جاتا ہے: رأفۃ و رآفۃ جیسے کأبۃ و کآبۃ۔ وقد رافت بہ و رؤفت بہ۔ الروف اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہے۔ العطوف کا معنی الرحیم ہے۔

مسئلہ نمبر 19۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ یعنی اللہ کے حکم میں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ (یوسف: 76) یعنی فی حکمہ۔ بعض نے کہا: فی دین اللہ کا مطلب ہے فی طاعۃ اللہ و شرعہ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں حدود کے قائم کرنے کا جو حکم دیا ہے اس میں اس کی شریعت اور اس کی طاعت میں، پھر انہیں تثبیت اور ابھارنے کے معنی پر اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ کے قول سے قائم فرمایا۔ یہ اس طرح ہے جیسے تو کسی شخص کو ابھارتے ہوئے کہتا ہے: اگر تو مرد ہے تو ایسا کر یعنی یہ مردوں کے کام ہیں۔

مسئلہ نمبر 20۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝ بعض علماء نے کہا: اس کا مطلب ہے انہیں تعذیب دینے کے لیے وہ حاضر ہوں جو تادیب کے مستحق ہوں۔ مجاہد نے کہا: ایک آدمی سے لے کر ہزار آدمیوں تک۔ ابن زید نے کہا: چار آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔ انہوں نے زنا کی شہادت پر قیاس کیا ہے۔ یہ اس کا ایک باب ہے؛ یہی امام مالک، لیث اور امام شافعی کا قول ہے۔ عکرمہ اور عطا نے کہا: دو آدمیوں کا ہونا ضروری ہے (1)۔ یہ امام مالک کا مشہور قول ہے، پس انہوں نے اس کو شہادت کی جگہ دیکھا۔ زہری نے کہا: تین آدمی ہوں کیونکہ یہ جمع کا کم از کم فرد ہے۔ حسن نے کہا: ایک یا ایک سے زائد ہوں، ان سے مروی ہے کہ دس ہوں۔ ربیع نے کہا: تین سے زائد ہوں۔ مجاہد کی حجت یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ (التوبہ: 122) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وان طائفتان اگر دو گروہ، یہ دو آدمیوں کے لڑنے کے متعلق نازل ہوئی، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ ایک کو بھی طائفہ کہا جاتا ہے اور ہزار تک افراد کو طائفہ کہا جاتا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابراہیم کا قول ہے۔ حضرت ابو برزہ اسلمی نے ایک لونڈی کے بارے میں حکم دیا جس نے بدکاری کی تھی اور بچہ جنم دیا تھا انہوں نے اس لونڈی پر کپڑا ڈال دیا تھا اور پھر اپنے بیٹے کو اسے پچاس ایسی ضربیں مارنے کو کہا جو زخمی کرنے والی نہ ہوں اور نہ اتنی ہلکی ہوں کہ تکلیف محسوس نہ ہو اور انہوں نے ایک جماعت کو بلایا پھر یہ آیت پڑھی وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝

مسئلہ نمبر 21۔ جماعت کے حضور سے مراد کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے کیا اس سے مقصود بدکاروں پر سختی اور موجود لوگوں کو توبیخ ہے؟ یہ محدود کو روکتا ہے اور جو موجود ہوتے ہیں انہیں نصیحت ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے جھڑک ہوتی ہے اس کی بات کی تشہیر ہو جاتی ہے اور بعد والے لوگ عبرت حاصل کرتے ہیں یا انکے لیے توبہ اور رحمت کی دعا کرتے ہیں اس

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 162

میں علماء کے دو قول ہیں۔

مسئلہ نمبر 22۔ حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے لوگو! زنا سے بچو کیونکہ اس میں چھ خصال ہیں تین دنیا میں اور تین آخرت میں وہ جو دنیا میں ظاہر ہوتی ہیں وہ یہ ہیں، چہرے کی رونق ختم ہو جاتی ہے، فقر اور غربت آجاتی ہے اور عمر کم ہو جاتی ہے۔ اور وہ جو آخرت میں ظاہر ہوں گی یہ ہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہوگی، حساب برا ہوگا اور ہمیشہ دوزخ میں جلنا ہوگا“۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہر جمعہ میں مجھ پر میری امت کے اعمال دو مرتبہ پیش کیے جاتے ہیں پس زنا کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب سخت ہوتا ہے“۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ”جب پندرہ شعبان کی رات ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ میری امت پر کرم کی نظر فرماتا ہے۔ اور ہر اس مومن کو بخش دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا مگر پانچ افراد کی بخشش نہیں ہوتی، جادوگر، کاہن، والدین کا نافرمان، ہمیشہ شراب پینے والا، اور زنا پر اصرار کرنے والا“(1)۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً٘ وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ۝۳

”زانی شادی نہیں کرتا مگر زانیہ کے ساتھ یا مشرکہ کے ساتھ اور زانیہ، نہیں نکاح کرتا اس کے ساتھ مگر زانی یا مشرک اور حرام کر دیا گیا ہے یہ اہل ایمان پر“۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اس آیت کے معنی میں علماء تفسیر کے چھ اقوال ہیں: (۱) اس آیت کا مقصد زنا کی برائی بیان کرنا اور اس کی خرابی بیان کرنا ہے۔ اور یہ کہ مومنین پر یہ حرام کیا گیا ہے۔ ماقبل سے اس معنی کا اتصال بہت عمدہ ہے۔ لَا یَنْكِحُ سے مراد لا یطاء ہے یعنی وطی نہیں کرتا ہے۔ پس نکاح بمعنی جماع ہوگا مبالغہ کے لیے اور ہر طرف کو لینے کے لیے واقعہ کو دہرایا پھر مشرک اور مشرکہ کی تقسیم زائد فرمائی اس حیثیت سے کہ گناہ میں شرک زنا سے اعم ہے معنی یہ ہے کہ زانی اپنے زنا کے وقت جماع نہیں کرتا مگر مسلمانوں میں سے زانیہ سے یا جو مشرکات میں سے بہتر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور آپ کے اصحاب سے مروی ہے کہ اس آیت میں نکاح سے مراد وطی ہے(2)۔ زجاج نے اس کا انکار کیا ہے، فرمایا: کتاب اللہ میں نکاح، تزویج کے معنی میں معروف ہے، اس طرح نہیں ہے جیسا کہ زجاج نے کہا ہے قرآن حکیم میں ہے: حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ (البقرہ: 230) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔ کہ ”یہاں وطی کے معنی میں ہے“۔ یہ سورۃ البقرہ میں گزر چکا ہے۔ طبری نے سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس اور عکرمہ سے ایسی بات روایت کی ہے جو اسی تاویل کی طرف میلان رکھتی ہے، لیکن وہ مکمل نہیں ہے۔ خطابی نے اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حکایت کیا ہے۔ اس کا معنی وطی ہے یعنی زنا نہیں ہوتا مگر زانیہ کیساتھ یہ اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ زنا دونوں جہتوں میں ہوتا ہے۔ یہ ایک قول ہے۔

1۔ ابن ماجہ، باب ما جاء فی لیلۃ النصف من شعبان، حدیث 1379، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 162

مسئلہ نمبر 2۔ ابوداؤد اور امام ترمذی نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ، کی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت مرثد بن ابی مرثد قیدیوں کو مکہ سے اٹھا کر لے جاتے تھے۔ مکہ میں ایک بدکارہ عورت تھی جس کا نام عناق تھا وہ مرثد کی دوست تھی، حضرت مرثد نے کہا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی: یارسول اللہ! کیا میں عناق سے نکاح کرلوں؟ فرمایا: کچھ دیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے پھر یہ آیت نازل ہوئی **اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً**۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور مجھ پر یہ آیت پڑھی اور فرمایا: ''تو اس سے نکاح نہ کر''۔ یہ ابوداؤد کے الفاظ ہیں اور امام ترمذی کی حدیث اکمل ہے۔ خطابی نے کہا: یہ اس عورت کے ساتھ خاص تھا کیونکہ وہ کافرہ تھی اور زانیہ مسلمہ، اس سے نکاح فسخ نہیں ہوتا۔

مسئلہ نمبر 3۔ یہ مسلمانوں میں سے ایک فرد کے ساتھ خاص تھی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک عورت سے نکاح کرنے کی اجازت طلب کی تھی جس کو ام مہزول کہا جاتا تھا۔ وہ بدکارہ عورتوں میں سے تھی اور اس نے شرط رکھی تھی کہ اس مرد پر وہ خرچ کرے گی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی؛ یہ عمرو بن العاص اور مجاہد کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ یہ آیت اہل صفہ کے بارے میں نازل ہوئی؛ یہ مہاجر لوگ تھے مدینہ طیبہ میں ان کے مکانات اور خاندان نہ تھے وہ مسجد کے صفہ پر رہتے تھے۔ یہ چار سو افراد تھے دن کے وقت رزق تلاش کرتے تھے اور رات صفہ پر گذارتے تھے۔ مدینہ میں بدکارہ عورتیں تھیں جو اعلانیہ بدکاری کرتی تھیں۔ اور لباس اور خوراک کی ان کے پاس فراوانی ہوتی تھی۔ اہل صفہ نے ان سے نکاح کرنے اور ان کے مکانات میں رہنے اور ان کے طعام اور لباس سے کھانے کا ارادہ کیا تو ان کو اس سے بچانے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی؛ یہ ابن ابی صالح کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ یہ قول زجاج وغیرہ نے حسن سے ذکر کیا ہے، حسن نے فرمایا: الزانی سے مراد وہ ہے جسے حد لگائی گئی ہو اور زانیہ سے مراد بھی وہ ہے جس پر حد لگائی گئی ہو یہ اللہ کی طرف سے حکم ہے، پس جس زانی کو حد لگائی گئی ہو وہ نکاح نہ کرے مگر اس زانیہ سے جسے حد لگائی گئی ہو؛ ابراہیم نخعی نے اسی طرح کہا ہے۔ اور مصنف ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (1)، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ زانی جس کو حد لگائی گئی ہو وہ نکاح نہ کرے مگر اپنی مثل سے''، روایت ہے کہ ایک زانی جس کو حد لگائی گئی تھی اس نے غیر محدودہ عورت سے شادی کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے درمیان تفریق کر دی۔ ابن عربی نے فرمایا: یہ وہ معنی ہے جو نظر کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے جیسا کہ نقلا بھی ثابت نہیں ہے، ایسے شخص کا نکاح جس کو حد لگائی گئی ہو کیا وہ محدودہ عورتوں کے نکاح پر موقوف ہونا صحیح ہے؟ یہ کس اثر سے ہوگا اور شریعت کی کس اصل پر قیاس ہوگا؟ میں کہتا ہوں: یہ قول الکیا نے بعض اصحاب شوافع سے حکایت کیا ہے کہ زانی جب غیر زانیہ سے نکاح کرے گا تو ظاہر آیت کی وجہ سے ان کے درمیان تفریق کی جائے گی۔ الکیا نے کہا: اگر وہ ظاہر پر عمل کرتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ زانی کے لیے مشرکہ سے بھی نکاح کو جائز قرار دے اور زانیۃ کے لیے مشرک مرد سے نکاح کرنا بھی جائز قرار دے یہ انتہائی بعید ہے، یہ کلیۃً اسلام سے خروج ہے۔ کبھی یہ علماء کہتے ہیں: یہ آیت خاص مشرک میں منسوخ ہے، زانیۃ کے حق میں منسوخ نہیں ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، باب قولہ الزانی لا ینکح الا زانیۃ، جلد 1، صفحہ 280

مسئلہ نمبر 6۔ یہ آیت منسوخ ہے امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے انہوں نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے فرمایا: اَلزَّانِیۡ لَا یَنۡکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوۡ مُشۡرِکَۃً اس آیت کو بعد والی آیت وَ اَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ نے منسوخ کر دیا ہے؛ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے، فرمایا: أیامی المسلمین میں زانیہ بھی داخل ہے۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: یہ قول اکثر علماء کا ہے، اہل فتویٰ فرماتے ہیں: جس نے کسی عورت سے زنا کیا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس سے نکاح کرے اور دوسرے شخص کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ اس زانیہ سے نکاح کر لے۔ یہ حضرت ابن عمر، حضرت سالم، حضرت جابر بن زید رضی اللہ عنہم، عطاء، طاؤس، امام مالک بن انس کا قول ہے اور یہی قول امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: اس میں قول اسی طرح ہے جس طرح سعید بن مسیب نے فرمایا، ان شاء اللہ یہ منسوخ ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: اس آیت میں اشراک کا ذکر ان مناحی کو کمزور کرتا ہے۔ ابن عربی نے کہا: میرے نزدیک یہ ہے کہ نکاح سے مراد وطی ہوگا جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے یا نکاح سے مراد عقد نکاح ہوگا اگر اس سے مراد وطی ہوگا تو اس کا معنی ہوگا زنا نہ ہوگا مگر زانیہ کے ساتھ، یہ عبارت ہے اس سے کہ وطی، مرد اور عورت دونوں جہتوں سے ہوتی ہے، آیت کی تقدیر اس طرح ہوگی زانیہ کی وطی واقع نہ ہوگی مگر زانی سے یا مشرک سے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور یہ معنی صحیح ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اگر بالغ آدمی بچی سے زنا کرے یا عاقل، مجنونہ سے زنا کرے یا بیدار شخص سوئی ہوئی سے زنا کرے تو مرد کی جہت سے زنا ہوگا پس یہ مرد زانی غیر زانیہ سے نکاح کرے گا۔ پس گزشتہ مسئلہ کی صورت سے یہ خارج ہوگا۔ ہم کہیں گے: یہ ہر جہت سے زنا ہے مگر ایک میں حد ساقط ہے دوسرے میں ثابت ہے۔ اگر نکاح سے مراد عقد نکاح ہو تو اس کا معنی ہوگا زانیہ سے نکاح کرنے والا جس نے زنا کیا اور اس کے ساتھ اس نے دخول کیا جبکہ ابھی تک اس سے اس کا رحم صاف نہیں ہوا، تو وہ زانی کے قائم مقام ہوگا مگر اس پر حد نہ ہوگی کیونکہ اس میں علماء کا اختلاف ہے، مگر جب اس نے اس سے عقد نکاح کیا اور اس کے ساتھ دخول نہیں کیا حتیٰ کہ اس کا رحم صاف ہو جائے تو یہ بالاجماع جائز ہے۔ بعض علماء نے کہا: آیت میں یہ مراد نہیں کہ زانی کبھی نکاح نہ کرے مگر زنا کرنے والی عورت سے کیونکہ اس کا غیر زانیہ سے نکاح کرنا متصور ہوتا ہے لیکن معنی یہ ہے کہ جس نے زانیہ سے نکاح کیا وہ زانی ہے گویا فرمایا: زانیہ سے نکاح نہ کرے مگر زانی۔ پس کلام میں قلب ہوا، وہ یہ ہے کہ زانیہ سے نکاح نہ کرے مگر وہ اس کے زنا سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوتا ہے جب وہ خود اس سے زنا کرنے والا ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ زانیہ سے نکاح کرنا صحیح ہے جب کسی مرد کی بیوی زنا کرے تو اس کا نکاح فاسد نہ ہوگا جب مرد زنا کرے تو اس کا اپنی بیوی سے نکاح فاسد نہ ہوگا کیونکہ یہ آیت منسوخ ہے، بعض نے کہا: یہ آیت محکم ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ روایت ہے کہ ایک شخص نے سیدنا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک عورت سے زنا کیا تو آپ نے دونوں کو سو سو کوڑے لگائے پھر اسی وقت انہوں نے ایک دوسرے سے نکاح کر لیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دونوں کو ایک سال کے لیے جلاوطن کیا تھا۔ اسی کی مثل حضرت عمر، حضرت ابن مسعود اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا آغاز زنا تھا آخر نکاح تھا، اس کی مثال اس طرح ہے کہ کوئی شخص کسی باغ سے چوری کرے پھر وہ باغ

والے کے پاس آئے اور اس سے وہ پھل خرید لے تو اس نے جو چوری کیا تھا وہ حرام تھا اور جو خریدا وہ حلال ہے اسی کو امام شافعی اور امام ابوحنیفہ نے اختیار کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ پانی کی کوئی حرمت نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: جب مرد، عورت سے زنا کرے پھر اس کے بعد اس سے نکاح کر لے تو وہ ہمیشہ زنا کرنے والے ہوں گے؛ یہ امام مالک کا مسلک ہے ان کا خیال ہے کہ وہ اس سے نکاح نہ کرے یہاں تک کہ اس کا رحم اس فاسد پانی سے صاف ہو جائے، کیونکہ نکاح کی حرمت ہے اور اس کی حرمت سے یہ ہے کہ زنا کے پانی پر اسے نہ انڈیلا جائے تاکہ حلال، حرام مل نہ جائیں، ذلیل پانی اور عزت والا پانی مل نہ جائیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ ابن خویز منداد نے کہا: جو اعلانیہ زنا یا دوسرے برے کاموں میں معروف ہو پھر وہ کسی معزز گھرانے کی عورت سے نکاح کرے اور وہ انہیں دھوکا دے تو انہیں اختیار ہے چاہیں تو اس کے ساتھ رہیں چاہیں تو اس سے جدائی کر لیں۔ یہ عیوب میں سے کسی عیب کی طرح ہے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے حجت پکڑی ہے کہ ''ایسا زانی جس کو کوڑے لگائے گئے ہوں وہ نکاح نہ کرے مگر اپنی مثل سے'' (1)۔ ابن خویز منداد نے کہا: کوڑے لگائے گئے کا ذکر کیا کیونکہ وہ فسق کے ساتھ مشہور ہے یہ وہ ہے جس کے درمیان میں دوسرے کے درمیان تفریق کرنا واجب ہے اور جو فسق میں مشہور نہ ہو تو جدائی نہ کی جائے گی۔

مسئلہ نمبر 5۔ متقدمین کی ایک قوم نے کہا: یہ آیت محکم اور غیر منسوخ ہے۔ ان علماء کے نزدیک جس نے زنا کیا اس کا اور اس کی بیوی کا نکاح فاسد ہو جائے گا جب عورت زنا کرے گی تو اس کا اور اس کے خاوند کا نکاح فاسد ہو جائے گا، ان علماء میں سے بعض نے کہا: زنا سے نکاح فاسد نہ ہو گا لیکن مرد کو حکم دیا جائے گا کہ وہ عورت کو طلاق دے جب اس عورت نے زنا کیا ہو۔ اگر وہ اسے اپنے پاس رکھے گا تو گناہگار ہو گا اور زانیہ کے ساتھ اور زانی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں بلکہ اگر توبہ ظاہر ہو جائے تو اس وقت نکاح جائز ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۝ ان بدکاروں کا نکاح مومنین پر حرام کیا گیا ہے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ان بدکاروں کے نکاح کو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر حرام قرار دیا ہے۔ ان عورتوں میں سے مشہور عناق تھی۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ نے زنا کو کتاب اللہ میں حرام کیا ہے۔ جب مرد زنا کرے گا تو اس پر حد ہو گی۔ یہ امام مالک، امام شافعی اور ابوثور کا قول ہے۔ اصحاب الرائے نے کہا: ''وہ مسلمان شخص جو دار الحرب میں امان کے ساتھ رہ رہا ہو اور وہ وہاں زنا کرے'' پھر دار الاسلام میں نکل آئے تو اس پر حد نہ ہو گی۔ ابن المنذر نے کہا: دار الحرب اور دار الاسلام برابر ہیں جو بھی زنا کرے گا اس پر حد ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ

1۔ سنن ابی داؤد، فی قولہ الزانی لاینکح الا زانیۃ، جلد 1، صفحہ 280

جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

''اور وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر پھر وہ نہ پیش کر سکیں چار گواہ تو لگاؤ ان (تہمت لگانے والوں) کو اسی درے اور نہ قبول کرنا ان کی گواہی ہمیشہ کے لیے اور وہی لوگ فاسق ہیں، مگر (ان میں سے) وہ لوگ جو توبہ کرلیں ایسا بہتان لگانے کے بعد اور اپنی اصلاح کرلیں تو بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

اس میں چھبیس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ یہ آیت تہمت لگانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی سعید بن جبیر نے کہا: اس کا سبب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت تھی (1)۔ بعض نے کہا: یہ عام تہمت لگانے والوں کے سبب نازل ہوئی نہ کہ مخصوص واقعہ میں۔ ابن المنذر نے کہا: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخبار میں کوئی ایسی خبر نہیں پاتے جو صراحۃً قذف پر دلالت کرتی ہو۔ اور ظاہر کتاب اللہ اس سے مستغنی ہے۔ جو اس قذف پر دلالت کرتی ہو جس کی وجہ سے حد واجب ہوتی ہے اہل علم کا اس پر اجماع ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ یعنی جو زبان درازی کرتے ہیں اس کے لیے رمی کا اسم عاریۃً لیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ زبان کے ساتھ اذیت ہے۔ نابغہ نے کہا:

جرح اللسان كجرح اليد زبان کے زخم ہاتھ کے زخم کی طرح ہیں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

رمانِي بأمرٍ كنتُ منه ووالدي بريئا من أجْل الطَّوِيّ رمانِي

اس کو قذف کہا جاتا ہے اسی سے حدیث پاک ہے ''ابن امیہ نے ایک عورت پر شریک بن سحماء کے ساتھ زنا کرنے کی تہمت لگائی'' (2)۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ نے آیت میں عورتوں کا ذکر کیا ہے کیونکہ وہ اہم ہیں اور ان پر برائی کی تہمت لگانا زیادہ قبیح ہے اور نفوس کو زیادہ زخمی کرنے والا ہے۔ اور مردوں پر تہمت لگانا بھی معنی اور اجماع امت کی وجہ سے حکم میں داخل ہے۔ یہ اس طرح ہے جیسے اس نے خنزیر کے گوشت کی تحریم پر نص قائم فرمائی اور اس میں اس کی چربی اور بھر بھری ہڈی بھی شامل ہے۔ یہ معنی اور اجماع کی وجہ سے ہے۔ زہراوی نے حکایت کیا ہے اس کا معنی: الانفس المحصنات ہے۔ اور یہ اپنے لفظ کی وجہ سے مردوں اور عورتوں کو شامل ہے، اس پر دلیل وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ (النساء: 24) کا قول ہے۔ ایک قوم نے کہا: المحصنات سے مراد فروج، شرمگاہیں ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (الانبیاء: 91) اس میں مردوں اور عورتوں کی شرمگاہیں داخل ہیں۔ بعض نے کہا: اجنبیہ عورت کا ذکر کیا گیا، جب اس پر تہمت لگائی جائے تا کہ اس پر مرد کا اپنی عورت پر تہمت لگانے کا عطف کیا جائے۔ واللہ اعلم۔ جمہور نے المحصنات سے مراد یہاں پاکدامن عورتیں لی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 164
2۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 12450

ہیں۔ سورۃ النساء میں الاحصان کا ذکر اور اس کے مراتب گزر چکے ہیں۔ والحمد للہ۔

مسئلہ نمبر 4۔ علماء کے نزدیک قذف کی نو 9 شرائط ہیں دو شرطیں تہمت لگانے والے میں ہیں۔ (۱) عقل، (۲) بلوغت، کیونکہ مکلف ہونے کی یہ دو اصل ہیں جو عقل مند نہ ہو اور جو بالغ نہ ہو وہ مکلف نہیں ہوتے اور دو شرطیں اس میں ہیں جس کے ساتھ تہمت لگائی گئی ہے وہ یہ کہ وہ ایسی وطی کی تہمت لگائے جس میں حد لازم آتی ہو اور وہ لواطت ہے یا بچے کی باپ سے نفی پائی جائے اور پانچ شرائط اس میں ہیں جس پر تہمت لگائی گئی ہے، عقل، بلوغت، اسلام، حریت، اور اس برائی سے پاک ہونا جس کی تہمت لگائی گئی ہے خواہ وہ دوسری برائیوں سے پاک ہو یا نہ ہو۔ ہم نے اس کے بارے میں جس پر تہمت لگائی گئی ہو عقل اور بلوغت کی شرط رکھی ہے جس طرح ہم نے قاذف میں یہ شرطیں ذکر کی ہیں۔ اگر یہ دونوں احصان کے معانی سے نہیں ہیں کیونکہ حد اس اذیت کو دور کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے جو اس پر داخل ہوتی ہے جس پر تہمت لگائی جاتی ہے اور عقل اور بلوغت کے نہ ہونے پر کوئی ضرر نہیں ہے کیونکہ ایسے شخص کو نہ لوطی کہا جاتا ہے نہ زانی کہا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ علماء کا اتفاق ہے کہ جب صراحۃً زنا کا ذکر کرے تو یہ قذف اور تہمت ہوگی اور حد کا موجب ہوگی۔ اگر وہ تعریض کرے اور صراحۃً زنا کا ذکر نہ کرے تو امام مالک نے فرمایا: وہ قذف، تہمت ہے۔ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا: وہ قذف نہ ہوگا حتی کہ وہ خود کہے کہ میں نے قذف کا ارادہ کیا تھا۔ امام مالک کے قول کی دلیل یہ ہے کہ قذف میں حد اس لیے رکھی گئی ہے تا کہ وہ عار دور ہو جو تہمت لگانے والا، متہم شخص پر لگا تا ہے جب تعریض کے ساتھ عار حاصل ہو تو واجب ہے کہ وہ قذف ہو جیسے صریح تہمت لگانے میں حد ہوتی ہے، اور فہم پر اعتماد کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق خبر دیتے ہوئے کہا: اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ۝ (ہود) یعنی قوم نے آپ کو سفیہ اور گمراہ کہا۔ انہوں نے برا کہنے کے لیے تعریض کی ایسی کلام کے ساتھ جس کا ظاہر مدح ہے۔ یہ ایک تاویل ہے جیسا کہ سورۂ ہود میں گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابوجہل کے بارے میں فرمایا۔ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ۝ (الدخان) اور اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق حکایت کیا ہے: يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا۝ (مریم) لوگوں نے حضرت مریم کے باپ کی تعریف کی اور ان کی والدہ سے بدکاری کی نفی کی اور حضرت مریم کے لیے تعریض کی اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَّبِكُفْرِهِمْ وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا۝ (النساء) اور ان کا کفر معروف تھا وہ بہتان عظیم ہے جس کے لیے انہوں نے تعریض کی یعنی نہ تیرا باپ برا تھا، نہ تیری والدہ بدکارہ تھی یعنی تو ان دونوں کے برعکس ہے جبکہ تو یہ بچہ لائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَ اِنَّاۤ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝ (سبا) اس لفظ سے سمجھا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کفار ہدایت یافتہ نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہدایت یافتہ ہیں پس اس تعریض سے وہی سمجھا گیا جو اس کی تصریح سے سمجھا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حطیہ کو قید کیا تھا جب اس نے کہا تھا:

دَعِ المَكارِمَ لا ترحل لبُغيتها واقعد فإنك أنت الطاعم الكاسي

کیونکہ حطیہ نے اس شعر میں عورتوں کے ساتھ انہیں تشبیہ دی کہ انہیں کھلایا پلایا جاتا ہے اور لباس دیا جاتا ہے، جب اس

نے نجاشی کا قول سنا:

قبيلته لا يغدرون بذمة ولا يظلمون الناس حبة خردلِ

اس نے کہا: کاش خطاب بھی اسی طرح ہوتا۔ شاعر نے قبیلہ کے ضعف کو بیان کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔

مسئلہ نمبر 6۔ جمہور علماء کا نظریہ یہ ہے کہ اس شخص پر حد نہیں ہے جو کسی اہل کتاب میں سے کسی مرد یا عورت پر تہمت لگائے۔ زہری، سعید بن مسیب اور ابن ابی لیلی نے کہا: اس پر حد ہوگی جب کہ اہل کتاب کا بیٹا مسلمان ہو۔ اس میں تیسرا قول یہ ہے کہ جب کوئی نصرانی عورت پر تہمت لگائے جو مسلمان کی بیوی ہو تو اسے کوڑوں کی حد لگائی جائے گی۔ ابن المنذر نے کہا: بڑے بڑے علماء پہلے قول کے قائل ہیں میں نے کسی عالم کو نہیں پایا جو اس کے مخالف ہو۔ جب کوئی نصرانی آدمی، آزاد مسلمان پر تہمت لگائے تو اس پر وہی حد ہوگی جو مسلمان کی حد ہوگی یعنی اسی کوڑے اس کے بارے میں اختلاف میں نہیں جانتا۔

مسئلہ نمبر 7۔ جمہور علماء کا نظریہ یہ ہے کہ غلام کو چالیس کوڑے مارے جائیں گے جب وہ کسی آزاد پر تہمت لگائے گا کیونکہ غلامی کی وجہ سے اس کی حد نصف ہو جاتی ہے جیسے زنا کی حد اس کی نصف ہوتی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عمر بن عبدالعزیز اور قبیصہ بن ذؤیب سے مروی ہے کہ غلام کو بھی اسی کوڑے مارے جائیں گے۔ ابو بکر بن محمد نے غلام کو اسی کوڑے مارے تھے جس نے آزاد پر تہمت لگائی تھی؛ یہی امام اوزاعی کا قول ہے۔ جمہور علماء نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے حجت پکڑی ہے: فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ (النساء: 25) اور دوسرے علماء نے کہا: ہم نے یہاں سمجھا کہ زنا کی حد اللہ کے لیے ہے اور بعض اوقات اس کے حق میں تخفیف ہوتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کم ہوتی ہیں اور اس پر حد سخت ہوتی ہے جس پر نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ اور رہی حد قذف تو یہ آدمی کا حق ہے یہ واجب ہوتی ہے اس پر جو کسی کی عزت کو تار تار کرتا ہے۔ اور جنایت غلامی اور حریت کی وجہ سے مختلف نہیں ہوتی۔ بعض اوقات کہتے ہیں: اگر ان کی سزا مختلف ہوتی تو ذکر کیا جاتا جس طرح زنا میں ذکر کیا گیا ہے۔ ابن المنذر نے کہا: اکثر علماء کا نظریہ یہ پہلا قول ہے اور میں بھی اسی کا قائل ہوں۔

مسئلہ نمبر 8۔ علماء کا اجماع ہے کہ آزاد جب غلام پر تہمت لگائے گا تو اس کی وجہ سے آزاد کو حد نہیں لگائی جائے گی کیونکہ ان کے مراتب مختلف ہیں نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جس نے اپنی لونڈی پر زنا کی تہمت لگائی قیامت کے روز اس پر حد لگائی جائے گی مگر یہ کہ وہ اسی طرح ہو جس طرح آقا نے کہا ہے'' (1)۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے تخریج کیا ہے۔ بعض طرق میں ہے: ''جس نے اپنے غلام پر زنا کی تہمت لگائی پھر زنا ثابت نہ ہوا تو اس پر قیامت کے روز اسی کوڑے حد لگائی جائے گی''۔ یہ دارقطنی نے ذکر کی ہے۔ علماء نے فرمایا: آخرت میں اس لیے حد ہوگی کیونکہ اس وقت ملکیت اٹھ چکی ہوگی اور شریف، وضیع، آزاد، غلام برابر ہو چکے ہوں گے اور کسی کو کوئی فضلیت نہ ہوگی مگر تقوی کی بنا پر جب

1۔ سنن دار قطنی، کتاب الحدود والدیۃ، جلد 2، صفحہ 91

ایسا ہوگا تو حدود و حرمت میں سب لوگ برابر ہوں گے ہر شخص سے دوسرے کا بدلہ لیا جائے گا مگر یہ کہ مظلوم، ظالم کو معاف کر دے۔ دنیا میں ہم پلہ نہیں ہیں تا کہ مالکوں پر ان سے بدلہ لینے میں ذلت داخل نہ ہو اور ان کے لیے مرتبہ میں حرمت و فضل صحیح نہیں ہے ورنہ تسخیر کا فائدہ باطل ہوگا اور حلیم و علیم کی حکمت بھی ختم ہو جائے گی۔ لا الہ الا ھو۔

مسئلہ نمبر 9۔ امام مالک اور امام شافعی نے بتایا: جس نے کسی کو غلام سمجھ کر اس پر تہمت لگائی جبکہ وہ آزاد تھا تو اس پر حد ہوگی؛ یہ حسن بصری کا قول ہے اور ابن المنذر کا مختار قول ہے۔ امام مالک نے کہا: جس نے ام الولد پر تہمت لگائی اسے حد لگائی جائے گی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور یہی امام شافعی کے قول کا قیاس ہے۔ حسن بصری نے کہا: اس پر حد ہوگی۔

مسئلہ نمبر 10۔ علماء کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جس نے کسی کو کہا: اے رانوں میں وطی کرنے والا! ابن القاسم نے کہا: اس پر حد ہوگی کیونکہ یہ تعریض ہے۔ اشہب نے کہا: اس میں حد نہیں ہے کیونکہ یہ ایسے فعل کی طرف نسبت ہے جو بالا جماع زنا شمار نہیں کیا جاتا۔

مسئلہ نمبر 11۔ جب ایسی چھوٹی بچی پر زنا کی تہمت لگائی بلوغت سے پہلے جس کے ساتھ زنا ممکن ہے تو امام مالک کے نزدیک یہ بھی قذف ہوگا۔ امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور ابو ثور نے کہا: یہ قذف نہیں ہے کیونکہ اس پر حد نہیں ہے اسے تعزیر لگائی جائے گی (1)۔ ابن عربی نے کہا: یہ مسئلہ کئی احتمال رکھتا ہے۔ اور کئی شکلیں رکھتا ہے۔ امام مالک نے مقذوف کی عزت کی حفاظت طلب کی ہے اور دوسرے علماء نے قاذف کی پیٹھ کی حفاظت کا خیال کیا ہے اور مقذوف کی حمایت اولی ہے کیونکہ تہمت لگانے والے نے اس کا پردہ چاک کیا ہے اپنی زبان سے تو اس پر تہمت لگانے والے کو کوڑے لگائے جائیں گے اسی طرح بچے پر تہمت لگانے والا جو دس سال کو پہنچ چکا ہے، تو تہمت لگانے والے کو حد لگائی جائے گی۔ اسحق نے کہا: جب ایسے غلام پر تہمت لگائے جس کی مثل وطی کر سکتا ہے تو اس پر حد ہوگی اور بچی جب نو سال سے تجاوز کر جائے تو یہی حکم ہے۔ ابن المنذر نے کہا: جس نے نابالغ پر زنا کی تہمت لگائی اسے حد نہیں لگائی جائے گی کیونکہ یہ جھوٹ ہے لیکن اذیت پر تعزیر لگائی جائے گی۔ ابو عبید نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے ایک عورت آئی اس نے ذکر کیا کہ اس کا خاوند اس کی لونڈی سے وطی کرتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تو سچی ہے تو ہم اسے رجم کریں گے اگر تو جھوٹی ہے تو ہم تجھے کوڑے لگائیں گے۔ اس عورت نے کہا: مجھے اپنے گھر والوں کی طرف لوٹا دو میرا اندر غصہ سے ابل رہا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جو اپنی بیوی کی لونڈی سے وطی کرے اس پر حد ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب اس پر کوئی تہمت لگائے تو اس کے تہمت لگانے والے پر حد ہے کیا تو نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول سنا نہیں: اگر تو جھوٹی ہے تو ہم تجھے کوڑے لگائیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایسا کرنے والا اپنے فعل اور قول سے جاہل نہ ہو اگر وہ جاہل ہوگا اور وہ شبہ کا دعوی کرنے والا ہوگا تو ان تمام صورتوں میں اس سے حد دور کی جائے گی۔ اس میں یہ بھی ہے کہ کوئی شخص حاکم کی موجودگی میں کسی پر تہمت لگائے اور جس پر تہمت لگائی گئی، حاضر نہ ہو تو قاذف، تہمت لگانے والے پر کچھ نہیں ہوگا حتیٰ کہ وہ آئے اور حد کا مطالبہ کرے کیونکہ معلوم نہیں

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 365

یہ سچا ہو گیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے کوئی تعریض نہیں کیا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حاکم کے پاس جب کسی شخص پر تہمت لگائی جائے پھر مقذوف آئے اور اپنا حق طلب کرے تو حاکم اس کی بات سن کر تہمت لگانے والے کو حد لگائے گا کیا تو نے ملاحظہ نہیں کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تو جھوٹی ہوگی تو ہم تجھے کوڑے لگائیں گے، کیونکہ یہ انسانوں کے حقوق سے ہے۔ میں کہتا ہوں: اس میں اختلاف ہے کہ یہ حقوق اللہ سے ہے یا آدمیوں کے حقوق سے ہے یہ آگے آئے گا۔ ابو عبید نے کہا: اصمعی نے کہا شعبۃ نے مجھ سے غیری نَغِرہ کا مفہوم پوچھا تو میں نے اسے کہا: یہ نَغَرالقِدْرِ سے مشتق ہے۔ ہانڈی کا ابلنا۔ اسی سے ہے۔ نغرت تنغر نغرت تنغر جب وہ ابلنے لگے اس کا معنی ہے اس کا اندر غیرت اور غصہ کی وجہ سے ابل رہا ہے۔ رأیت فلانا یتنغر علی فلان یعنی اس کا اندر فلاں پر غصہ کی وجہ سے ابل رہا ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے کسی پر تہمت لگائی تو اس پر دو حدیں لگائی جائیں گی؛ یہ مسروق کا قول ہے۔ ابن عربی نے کہا: صحیح یہ ہے کہ اسے ایک حد لگائی جائے گی کیونکہ اللہ کا ارشاد عام ہے: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ان کا شرف محدود کی حد میں زیادتی کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ مرتبہ کا شرف حدود میں مؤثر نہیں ہوتا اور مرتبہ کی کمی کرنے میں مؤثر نہیں ہوتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جنہوں نے تہمت لگائی ان پر کلام آگے آئے گی کیا قتل کیا جائے گا یا نہیں؟

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ چار گواہ صرف زنا میں ضروری ہیں باقی حقوق میں چار گواہ نہیں ہیں، یہ حکم بندوں پر رحمت اور ان کی پردہ پوشی کے لیے ہے۔ یہ سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ گواہوں کی گواہی کی ادائیگی کے لیے امام مالک کے نزدیک ایک مجلس ہونا شرط ہے۔ اگر مجالس جدا ہوئیں تو شہادت نہ ہوگی۔ عبد الملک نے کہا: گواہی گواہوں سے قبول کی جائے گی خواہ وہ اکٹھے ہوں یا جدا جدا آئیں۔ امام مالک کا نظریہ یہ ہے کہ گواہوں کا اجتماع تعبدی ہے؛ یہ ابن القاسم کا قول ہے۔ اور عبد الملک کا نظریہ یہ ہے کہ مقصود شہادت کی ادائیگی ہے اور اس کا جمع ہونا ہے اور وہ حاصل ہو چکا ہے؛ یہ عثمان بتی، ابو ثور کا قول ہے اور ابن المنذر کا مختار ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ ان آیات میں اکٹھا آنے یا متفرق طور پر آنے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

مسئلہ نمبر 15۔ اگر شہادت مکمل ہوگی مگر ان کی تعدیل نہیں کی گئی تو حسن بصری اور شعبی کا خیال ہے کہ نہ گواہوں پر حد ہوگی اور نہ اس پر جس کے خلاف گواہی دی گئی ہے؛ یہی قول امام احمد، امام نعمان اور امام محمد بن حسن کا ہے۔ امام مالک نے فرمایا: جب اس پر چار گواہ گواہی دیں کہ اس نے زنا کیا ہے اگر ان گواہوں میں سے کوئی اس پر ناراضگی کی وجہ سے گواہی دے رہا ہو یا کوئی غلام ہو تو سب کو کوڑے لگائے جائیں گے۔ سفیان ثوری، احمد اور اسحاق نے کہا: چار گواہوں میں دو اندھے ہوں اور وہ کسی عورت پر زنا کی گواہی دیں تو سب کو سزا ملے گی۔

مسئلہ نمبر 16۔ اگر گواہوں میں سے ایک اپنی گواہی سے رجوع کرلے جبکہ جس پر زنا کی گواہی دی گئی تھی اسے رجم ہو چکا ہو تو ایک طائفہ نے کہا: وہ چوتھائی دیت کا ضامن ہوگا اور دوسرے گواہوں پر کچھ نہ ہوگا، اسی طرح قتادہ، حماد، عکرمہ، ابو

ہاشم، امام مالک، امام احمد اور اصحاب الرائے کا نظریہ ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: اگر وہ کہے کہ میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا تھا تا کہ اسے قتل کیا جائے تو اس کے اولیاء کو اختیار ہے کہ وہ چاہیں تو بدلے میں اسے بھی قتل کر دیں اگر چاہیں تو اسے معاف کر دیں اور اس سے چوتھائی دیت وصول کرلیں اور اس پر حد ہوگی۔ حسن بصری نے کہا: اسے قتل کیا جائے گا اور دوسرے گواہوں پر دیت کا 3/4 حصہ ہوگا۔ ابن سیرین نے کہا: جب وہ کہے میں نے خطا کی اور میں نے کسی اور کا ارادہ کیا تھا، تو اس پر پوری دیت ہوگی۔ اگر وہ کہے: میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا تھا تو اسے قتل کیا جائے گا؛ یہی ابن شبرمہ کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 17۔ حد قذف کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ حقوق اللہ سے ہے یا حقوق العباد سے ہے یا اس میں ان دونوں کا شائبہ ہے۔ پہلا امام ابو حنیفہ کا قول ہے اور دوسرا امام مالک اور امام شافعی کا قول ہے، تیسرا قول بعض متاخرین کا ہے۔ اختلاف کا ثمرہ اس وقت مرتب ہوگا کہ اگر وہ اللہ کا حق ہے اور امام تک معاملہ پہنچ جائے تو وہ اس پر حد قائم کرے اگرچہ مقذوف مطالبہ نہ بھی کرے اور قاذف کی توبہ اللہ اور اس کے درمیان نفع بخش ہوگی۔ اس میں حد غلامی کی وجہ سے نصف ہو جائے گی جیسے زنا میں ہوتی ہے۔ اگر یہ آدمی کا حق ہو تو امام حد کو قائم نہیں کرے گا مگر مقذوف کے مطالبہ کے ساتھ اور مقذوف کے معاف کرنے کے ساتھ معاف ہو جائے گا اور قاذف کو توبہ نفع نہیں دے گی یہاں تک کہ مقذوف اسے معاف کر دے۔

مسئلہ نمبر 18۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ جمہور کی قرات اربعہ کی الشہداء کی طرف اضافت کے ساتھ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسلم بن یسار اور حضرت ابوزرعہ بن عمرو بن جریر نے اربعۃ تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ شھداء میں چار وجوہ ہیں یہ اربعۃ کی صفت کی بنا پر مجرور ہوگا یا بدل ہوگا اور اس کا نکرہ سے حال یا تمیز ہونا بھی جائز ہے۔ حال اور تمیز کے قول میں نظر ہے کیونکہ حال نکرہ سے ہے اور تمیز جمع ہے۔ اور سیبویہ کا خیال ہے یہ عدد کی تنوین ہے اور اس کی اضافت ترک کی گئی ہے اور یہ شعر میں جائز ہے۔ ابوالفتح عثمان بن جنی نے اس قرات کو اچھا کہا ہے اور جمہور کی قرات پر اس کو بہتر سمجھا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ شھدا محل نصب میں ہو اس معنی میں ثم لم یحضروا اربعۃ شھدا۔

مسئلہ نمبر 19۔ چار گواہوں کی گواہی کا حکم یہ ہے کہ انہوں نے وہ اس طرح دیکھا ہو جس طرح سرمچو سرمہ دانی میں ہوتا ہے جیسا کہ سورۂ نساء میں نص حدیث میں گزر چکا ہے اور وہ ایک جیسی گواہی ہو؛ یہ مالک کے قول پر ہے۔ اگر چار گواہوں میں سے ایک بھی ادھر ادھر ہو گیا تو تین کو کوڑے لگائے جائیں گے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مغیرہ بن شعبہ کے معاملہ میں کیا تھا۔ ان کے خلاف ابوبکرہ نفیع بن حارث اور ان کے بھائی نافع نے زنا کی گواہی دی تھی۔ زہراوی نے کہا: عبداللہ بن حارث اور ان کی ماں کی طرف سے بھائی زیاد جو حضرت معاویہ کے ساتھ لاحق کیا گیا تھا شبل بن معبد بجلی، چاروں گواہ شہادت دینے کیلئے آئے تو زیاد نے توقف کیا اور گواہی نہ دی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مذکورہ تین گواہوں کو کوڑے لگائے۔

مسئلہ نمبر 20۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاجْلِدُوْهُمْ، الجلد کا معنی ہے مارنا، المجالدۃ والمضاربۃ کوڑے مارنے کیلئے استعمال ہوتے ہیں، پھر الجلد کا لفظ تلوار وغیرہ سے مارنے کیلئے بھی استعمال ہوا؛ اسی سے قیس بن خطیم کا قول ہے:

أجالدهم يوم الحديقة حاسرًا كأن يَدِي بالسيف مِخراق لاعبِ

ثَمٰنِيْنَ مصدر کی بنا پر منصوب ہے جلدۃ تمیز ہے۔ وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا یہ ان کی مدت عمر کا تقاضا کرتا ہے۔ پھر ان پر حکم لگایا کہ وہ فاسق ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی طاعت سے خارج ہیں۔

مسئلہ نمبر 21۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا استثنا کی بنا پر محل نصب میں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ بدل کی بنا پر محل جر میں ہو معنی یہ ہو کہ ان کی کبھی شہادت قبول نہ کرو مگر جو قذف کے بعد توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں۔ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ، یہ آیت قاذف، تہمت لگانے والا کے بارے میں تین احکام اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے، اس کو کوڑے لگنا، اس کی شہادت کا ہمیشہ رد ہونا اور اس کا فاسق ہونا استثناء کوڑوں کے بارے میں تو بالاجماع عامل نہیں ہے مگر جو شعبی سے مروی ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ اور فسق میں بالاجماع عامل ہے اور شہادت کے رد میں اس کے عامل ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ شریح قاضی، ابراہیم نخعی، حسن بصری، سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: استثنا اس کی شہادت کے لوٹانے میں عامل نہیں ہے اور اس کا فسق اللہ تعالیٰ کے نزدیک زائل ہو جائے گا اور رہی قاذف کی شہادت تو وہ کبھی قبول نہیں ہوگی خواہ وہ توبہ کرے اور اپنے نفس کو جھٹلا بھی دے کسی صورت میں بھی اس کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ جمہور علماء فرماتے ہیں: شہادت لوٹانے میں عامل ہے۔ جب قاذف توبہ کرے گا تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی۔ اس کی شہادت کا رد ہونا فسق کی علت کی وجہ سے تھا جب توبہ سے فسق زائل ہو گیا تو حد سے پہلے اور حد کے بعد مطلقاً اس کی شہادت قبول ہوگی؛ یہ عام فقہاء کا قول ہے۔ پھر اس کی توبہ کی صورت میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب اور شعبی وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کی توبہ نہیں ہو گی مگر یہ کہ وہ اس قذف میں اپنے آپ کو جھوٹا کہے جس میں اس کو حد لگائی گئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا تھا آپ نے مغیرہ کے خلاف گواہی دینے والوں کو کہا تھا جس نے اپنے آپ کو جھوٹا کہا اس کی شہادت مستقبل میں قبول ہوگی اور جس نے ایسا نہیں کیا اس کی شہادت کو جائز قرار نہیں دوں گا۔ ابوبکرہ نے ایسا کرنے سے انکار کیا پس اس کی شہادت قبول نہیں کی جاتی تھی۔ یہ قول نحاس نے اہل مدینہ سے روایت کیا ہے۔ ایک فرقہ نے کہا جن میں امام مالک بھی ہیں کہ اس کی توبہ یہ ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرے اور اپنی حالت کو درست کرے اگرچہ تکذیب کے ساتھ اپنے قول سے رجوع نہ بھی کرے اس قذف پر اس کی ندامت۔ اور اس سے استغفار اور پھر ایسا نہ کرنے پر عزم کافی ہے۔ یہ ابن جریر کا قول ہے۔ شعبی سے مروی ہے انہوں نے کہا: استثنا تینوں احکام سے ہے جب وہ توبہ کرے اور اس کی توبہ ظاہر ہو تو اسے حد نہیں لگائی جائے گی اور اس کی شہادت قبول ہوگی اور اس سے تفسیق زائل ہو جائے گی کیونکہ وہ اب پسندیدہ گواہوں سے ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ (طٰہٰ: 82)

مسئلہ نمبر 22۔ علماء کا اختلاف ہے کہ قاذف کی شہادت کب ساقط ہوگی؟ ابن الماجشون نے کہا: نفس قذف کے ساتھ۔ ابن القاسم، اشہب اور سحنون نے کہا: اس کی شہادت ساقط نہ ہوگی حتی کہ اسے کوڑے لگ جائیں اگر معافی یا کسی اور وجہ سے اسے کوڑے نہ لگائے گئے تو اس کی شہادت رد نہ ہوگی۔ شیخ ابوالحسن لخمی نے کہا: اس کی شہادت عمر کی مدت میں موقوف ہوتی ہے اس قول کو ترجیح دی ہے جب توبہ قذف میں اپنے آپ کو جھٹلانے کے ساتھ ہو ورنہ کونسا رجوع اس کے عدل کے لیے

ہے اگر وہ تہمت لگائے اور اسے حد لگائی گئی ہو اور اپنی عدالت پر باقی ہو۔

مسئلہ نمبر 23۔ علماء کا اختلاف ہے کہ توبہ کے بعد شہادت کے جواز پر کسی چیز میں شہادت جائز نہ ہوگی۔ امام مالک نے فرمایا: ہر چیز میں مطلقاً شہادت جائز ہے، اسی طرح اس میں بھی جس چیز میں حد لگائی گئی ہو (1)۔ اس کو نافع اور ابن عبد الحکم نے مالک سے روایت کیا ہے؛ یہ ابن کنانہ کا قول ہے۔ وقار نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ اس کی شہادت اس مسئلہ میں خاص طور پر قبول نہیں ہوگی جس میں اسے حد لگائی گئی تھی اس کے علاوہ معاملات میں اس کی گواہی قبول ہوگی؛ یہ مطرف اور ماجشون کا قول ہے۔ عتبی نے اصبغ اور سحنون سے اس کی مثل روایت کیا ہے۔ سحنون نے کہا: جس کو کسی چیز میں حد لگائی گئی ہو تو اس کی مثل میں اس کی شہادت جائز نہ ہوگی۔ مطرف اور ابن الماجشون نے کہا: جس کو قذف یا زنا میں حد لگائی گئی ہو تو زنا، قذف، لعان میں سے کسی چیز میں گواہی قبول نہ ہوگی اگر چہ وہ عادل بھی ہو۔ ان دونوں حضرات نے یہ امام مالک سے روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 24۔ جب کئی معطوفہ جملوں کے بعد استثناء آئے تو وہ امام مالک، امام شافعی اور ان کے اصحاب کے نزدیک تمام جملوں کی طرف لوٹے گی۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے بڑے اصحاب کے نزدیک جو قریب ترین جملہ ہوگا استثنا اس کی طرف لوٹے گی اور وہ فسق ہے۔ اس لیے اس کی شہادت ہمیشہ قبول نہ ہوگی کیونکہ استثنا صرف فسق کی طرف راجع ہے نہ کہ شہادت کی قبولیت کی طرف راجع ہے۔

اس اصل میں اختلاف کے دو سبب ہیں۔ (۱) معطوفہ جملے عطف کی وجہ سے ایک جملہ کے حکم میں ہیں یا یہ جملہ اپنے حکم میں مستقل ہے اور حرف عطف صرف محسن ہے مشرک (شریک کرنے والا) نہیں یہ جملوں کے عطف میں صحیح ہے کیونکہ مختلف جملوں کا ایک دوسرے پر عطف صحیح ہے جیسا کہ نحو میں معروف ہے۔

دوسرا سبب۔ استثنا سابقہ جملوں کی طرف لوٹنے میں شرط کے مشابہ ہے کیونکہ شرط فقہاء کے نزدیک تمام کی طرف لوٹتی ہے یا استثنا شرط کے مشابہ نہیں ہے کیونکہ لغت میں یہ قیاس کے باب سے ہے۔ اور اصل فقہ میں یہ فاسد ہے اصل یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک محتمل ہے اور ترجیح نہیں ہے۔ پس جو قاضی نے وقف کا قول کیا ہے وہ متعین ہو گیا ہے۔ اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ کتاب اللہ میں دونوں امر موجود ہیں۔ آیۃ المحاربۃ میں ضمیر بالاتفاق تمام کی طرف راجع ہے اور مومن کو خطاً قتل کرنے کی آیت میں استثنا کا رد بالاتفاق آخری جملہ کی طرف ہے۔ آیت قذف دونوں وجوہ کا احتمال رکھتی ہے پس بغیر شک کے وقف متعین ہو جاتا ہے۔ ہمارے علماء نے فرمایا: یہ کلی اصولی نظر ہے اور فقہی جزئی نظر کے اعتبار سے امام مالک اور امام شافعی کا قول راجح ہے وہ اس طرح کہ استثنا فسق اور شہادت کی قبولیت کی نہی کی طرف راجع ہے مگر ان کے درمیان ایک خبر کے ساتھ فرق کیا گیا ہے جس کا تسلیم کرنا واجب ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ توبہ کفر کو مٹا دیتی ہے پس جو اس سے کم ہوگا اس کو بدرجہ اولیٰ مٹا دے گی۔ واللہ اعلم۔ ابو عبید نے کہا: استثنا تمام سابقہ جملوں کی طرف راجع ہے۔ انہوں نے کہا: جس نے زنا کی طرف نسبت کی ہے وہ زنا کے مرتکب سے بڑا جرم کرنے والا نہیں، پھر جب زانی توبہ کرے تو اس کی شہادت قبول

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 165

ہوتی ہے کیونکہ "گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہوتا ہے جس کا کوئی گناہ نہیں ہوتا" (1)۔ جب اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول فرماتا ہے تو بندوں کو اس کی توبہ بدرجہ اولیٰ قبول ہونی چاہیے جبکہ اس استثنا کی مثل قرآن میں کئی جگہ موجود ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا (المائدہ) اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ استثنا تمام جملوں کی طرف راجع ہے۔ زجاج نے کہا قاذف، کافر سے سخت مجرم نہیں۔ پس اس کا حق یہ ہے کہ جب وہ توبہ کرے اور اصلاح کرے تو اس کی شہادت قبول کی جائے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَبَدًا اس کا مطلب ہے جب تک وہ تہمت لگانے والا ہے جیسے کہا جاتا ہے: لا تقبل شھادۃ الکافر ابداً اس کا مطلب ہے جب تک وہ کافر ہے۔ شعبی نے اس مسئلہ میں مخالفت کرنے والے کو کہا: اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور تم اس کی شہادت قبول نہیں کرتے۔

بعض اصولیین کے نزدیک استثنا آخری جملہ کی طرف راجع ہے اور وہ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ہے۔ یہ تعلیل ہے مستقل جملہ نہیں یعنی ان کے فسق کی وجہ سے ان کی شہادت قبول نہ کرو جب فسق زائل ہو جائے تو پھر ان کی شہادت قبول کیوں نہیں کی جائے گی؟ پھر تہمت لگانے والے کا توبہ کرنا اپنے نفس کو جھٹلانا ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ پر تہمت لگانے والوں کو صحابہ کی موجودگی میں کہا تھا۔ حالانکہ وہ واقعہ بصرہ سے حجاز تک اور دوسرے علاقوں تک پھیل چکا تھا۔ اگر آیت کی وہ تاویل ہوتی جو کوفیوں نے کی ہے تو صحابہ کرام سے اس کا علم غائب نہ ہوتا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کہہ دیتے کہ تہمت لگانے والے کی توبہ ہمیشہ قبول نہیں ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ کتاب اللہ کی تاویل کی تحریف کے فیصلہ پر وہ خاموش رہیں ورنہ ان کا قول ساقط ہو جاتا۔ واللہ المستعان۔

مسئلہ نمبر 25۔ قشیری نے کہا: اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جب تہمت لگانے والے کو کوڑے نہ لگائے گئے ہوں مثلاً قاذف سے مطالبہ حد کرنے سے پہلے مقذوف مرجائے یا وہ مقدمہ سلطان تک نہ لے جائے یا مقذوف اسے معاف کردے تو پھر اس کی شہادت قبول ہوگی کیونکہ خصم کے نزدیک بھی اس مسئلہ میں شہادت کی قبولیت سے نہی کوڑوں پر معطوف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا امام شافعی نے اس مقام پر کہا: یہ حد لگنے سے پہلے حد لگنے کے وقت سے زیادہ برا ہے کیونکہ حدود تو کفارہ ہیں پھر اس کی کیسے شہادت رد کی جائے گی جو دو حالتوں میں سے بہتر حالت میں ہے نہ کہ گھٹیا حالت میں ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح کہا اور اس میں کوئی اختلاف نہیں اور ابن ماجشون سے پہلے روایت ہو چکا ہے کہ قذف کے ساتھ ہی اس کی شہادت رد ہو جائے گی: یہ لیث، اوزاعی اور شافعی کا قول ہے۔ اس کی گواہی رد کردی جائے گی اگرچہ اسے حد نہ بھی لگی ہو کیونکہ تہمت لگانے کے ساتھ ہی وہ فاسق ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ گناہ کبیرہ ہے پس اس کی شہادت قبول نہ ہوگی حتیٰ کہ اس کی

1۔ سنن ابن ماجہ، ذکر التوبۃ، جلد 2، صفحہ 323۔ ایضاً، حدیث 4239، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

برأت صحیح ہو جائے وہ اس طرح کہ جس پر تہمت لگائی گئی ہے وہ زنا کا اقرار کرے یا اس کے خلاف بینہ قائم ہو جائے۔

مسئلہ نمبر 26۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَصْلَحُوْا یعنی توبہ کا اظہار کرے۔ بعض نے کہا: عمل کی اصلاح کرے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ جب وہ توبہ کریں اور ان کی توبہ قبول ہو۔

وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّاۤ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ وَ الْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝ وَ یَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝ وَ الْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَیْهَاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ وَ اَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِیْمٌ ۝

''اور وہ (خاوند) جو تہمت لگاتے ہیں اپنی بیویوں پر اور نہ ہوں ان کے پاس کوئی گواہ بجز اپنے تو ان کی شہادت کا یہ طریقہ ہے کہ وہ خاوند چار مرتبہ گواہی دے کہ بخدا وہ (یہ تہمت لگانے میں) سچا ہے۔ اور پانچویں بار یہ کہے اس پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہو اگر وہ کذب بیانی کرنے والوں میں سے ہے۔ اور ٹل سکتی ہے اس عورت سے حد کہ وہ گواہی دے چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہ وہ (خاوند) جھوٹا ہے۔ اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ خدا کا غضب ہو اس پر اگر وہ (خاوند) سچا ہو اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی (تو تم بڑی الجھنوں میں پڑ جاتے) اور بیشک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا بڑا دانا ہے''۔

اس میں تیس مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَمْ یَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّاۤ اَنْفُسُهُمْ، اَنْفُسُهُمْ بدل کی بنا پر مرفوع ہے اور استثنا اور یکن کی خبر کی بنا پر نصب بھی جائز ہے۔ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ کوفیوں کی قرأت مبتدا اور خبر کی بنا پر رفع کے ساتھ ہے یعنی ان میں سے ایک کی شہادت جس کی وجہ سے اس سے حد قذف زائل ہوگئی وہ چار شہادتیں ہیں۔ اہل مدینہ اور ابو عمرو نے اربع کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے (1)، کیونکہ فشهادة کا معنی أن یشهد ہے۔ تقدیر اس طرح ہے: فعلیهم أن یشهد أحدهم أربع شهادات یا یہ تقدیر ہوگی: فالأمر أن یشهد أحدهم أربع شهادات دوسری صورت میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ شہادت کی وجہ سے منصوب ہے۔ الخامسة مبتدا کی حیثیت سے مرفوع ہے اور خبر ان اور اس کا صلہ ہے اور ان مخففہ کا معنی مثقلہ کے معنی کی طرح ہے کیونکہ اس کا معنی ہے انه۔ ابو عبد الرحمن، طلحہ اور عاصم نے حفص کی روایت میں الخامسة نصب کے ساتھ پڑھا ہے بمعنی و تشهد الشهادة الخامسة اور باقی قراء نے ابتدا کی بنا پر رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور خبر اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَیْهِ ہے یعنی الشهادة الخامسة قوله لعنة الله علیه۔

1۔ احکام القرآن للطبری، جز 18، صفحہ 100

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت کے نزول کا سبب وہ حدیث ہے جو ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ بدکاری کرنے کی تہمت لگائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دلیل پیش کرو ورنہ پیٹھ پر حد قذف ہوگی'' (1)۔ اس نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم میں سے کوئی کسی کو اپنی بیوی پر دیکھے تو وہ دلیل تلاش کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے ''دلیل پیش کرو ورنہ تیری پیٹھ پر حد ہوگی''۔ ہلال نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! میں سچا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرے معاملہ میں ایسی چیز نازل فرمائے گا جو میری پیٹھ کو حد سے بری کرے گی تو یہ آیت نازل ہوئی: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ آپ نے لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ تک تلاوت کی۔ بعض علماء نے فرمایا جب سابقہ آیت وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ نازل ہوئی اس کا ظاہر ازواج (خاوندوں) اور دوسروں کو شامل تھا۔ حضرت سعد بن معاذ نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پاؤں تو میں اسے چھوڑے رکھوں حتی کہ میں چار گواہ لے آؤں۔ اللہ کی قسم! میں اسے تلوار کی دھار سے ماروں گا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم سعد کی غیرت پر تعجب کر رہے ہو میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے'' (2)۔ حضرت سعد کے الفاظ میں روایات مختلف ہیں مفہوم ایک جیسا ہے۔ پھر اس کے بعد ہلال بن امیہ واقفی آئے اس نے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء بلوی کے ساتھ بدکاری کی تہمت لگائی جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حد قذف لگانے کا عزم کیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال اور اس کی بیوی کو مسجد میں جمع کیا اور انہوں نے لعان کیا۔ پانچویں مرتبہ قسم اٹھانے سے عورت ہچکچائی جب اسے نصیحت کی گئی اور کہا گیا کہ اس مرتبہ کی گواہی فیصلہ کن ہوگی۔ پھر کہنے لگی: میں ہمیشہ کے لیے اپنی قوم کو رسوا نہیں کرتی پس اس نے لعان مکمل کر دیا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان جدائی کر دی اس نے ایک بچہ جنم دیا جو مٹیالے اونٹ کی طرح تھا، اس صفت پر جو ناپسندیدہ تھی پھر اس کے بعد وہ بچہ مصر کا امیر بنا جبکہ وہ اپنا باپ نہیں جانتا تھا۔ عویمر عجلانی آیا تھا اس نے بھی اپنی بیوی پر تہمت لگائی تھی اور لعان کیا تھا۔ مشہور یہ ہے کہ حضرت ہلال کا واقعہ پہلے تھا اور وہی آیت کے نزول کا سبب تھا۔ بعض نے کہا: عویمر بن اشقر کا واقعہ پہلے تھا۔ یہ حدیث مشہور ہے ائمہ حدیث نے روایت کی ہے۔ ابوعبداللہ بن ابی صفرہ نے کہا: صحیح یہ ہے کہ اپنی بیوی پر تہمت لگانے والا عویمر تھا اور ہلال بن امیہ غلطی ہے۔ طبری نے کہا: حدیث میں ہلال بن امیہ کا قول منکر ہے کیونکہ تہمت لگانے والا عویمر بن زید بن الجد بن عجلانی تھا وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ احد میں شریک ہوا تھا اس نے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ بدکاری کرنے کی تہمت لگائی تھی۔ سحماء اس کی والدہ تھی۔ بعض نے کہا: اس کو سحماء اس کے کالے ہونے کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ اور وہ ابن عبدہ بن الجد بن عجلانی مورخین اور اہل الاخبار نے اسی طرح کہا ہے۔ بعض علماء نے کہا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن خطبہ میں یہ آیات پڑھیں: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ تو عاصم بن عدی انصاری نے کہا: اللہ مجھے آپ پر قربان کرے۔ اگر ہم میں سے کوئی کسی کو اپنی بیوی کے پیٹ پر پائے پھر اس نے بات کی اور جو مسئلہ جاری ہوا تھا اس کے متعلق خبر دی اسے

1۔ صحیح بخاری، اذا ادعی او قذف فلہ ان یلتمس البینۃ، جلد 1، صفحہ 367　　2۔ صحیح مسلم، کتاب اللعان، جلد 1، صفحہ 491

اسی (80) کوڑے لگائے جائیں گے اور مسلمان اس کو فاسق کہیں گے اور اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ اس وقت ہم میں سے کسی کے لیے چار گواہ لانا کیسے ممکن ہے۔ اور وہ چار گواہ تلاش کرنے کے لیے جائے گا تو وہ مرد اپنی خواہش پوری کر چکا ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عاصم بن عدی! اسی طرح حکم نازل ہوا ہے''۔ عاصم یہ حکم سنتے ہوئے اور اطاعت کرتے ہوئے باہر نکلا۔ اسے ہلال بن امیہ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (بقرہ) پڑھتے ہوئے ملا۔ عاصم نے پوچھا کیا ہوا۔ اس نے کہا: بہت برا ہوا ہے۔ میں نے شریک بن سحماء کو اپنی بیوی خولہ کے پیٹ پر اس کے ساتھ زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ خولہ عاصم بن عدی کی بیٹی تھی۔ اس طریق میں اسی طرح ہے کہ جس نے اپنی بیوی کے ساتھ شریک کو پایا تھا وہ ہلال بن امیہ تھا۔ صحیح اس کے خلاف ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ کلبی نے کہا: اظہر یہ ہے کہ جس نے اپنی بیوی کے ساتھ شریک کو پایا تھا وہ عویمر عجلانی تھا کیونکہ کثرت سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عویمر اور اس کی بیوی میں لعان کرایا تھا۔ علماء کا اتفاق ہے کہ زانی شریک بن عبدہ تھا اس کی ماں سحماء تھی۔ عویمر اور خولہ بنت قیس اور شریک عاصم کے چچا کی اولاد تھے۔ یہ واقعہ شعبان 9ھ میں ہوا تھا جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے مدینہ لوٹے تھے؛ یہ طبری کا قول ہے۔ اور دار قطنی نے حضرت عبداللہ بن جعفر سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھا عویمر عجلانی اور اس کی بیوی کے درمیان لعان ہوا تھا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس ہوئے تھے۔ عویمر نے اس کے حمل کا انکار کیا تھا جو اس کے پیٹ میں تھا۔ عویمر نے کہا: یہ ابن سحماء کا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عویمر کو فرمایا: ''اپنی بیوی کو لے آؤ تمہارے متعلق قرآن نازل ہوا ہے'' (1)۔ پس ان کے درمیان عصر کے بعد ایک قالین پر منبر کے پاس لعان ہوا تھا۔ اس کے طریق میں سے واقدی عن ضحاک بن عثمان عن عمران بن ابی انیس بھی ہے فرمایا: میں نے عبداللہ بن جعفر کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ آگے پورا واقعہ بیان کیا۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ یہ ہر تہمت لگانے والے میں عام ہے۔ خواہ وہ کہے: تو نے زنا کیا ہے یا کہے: اے زانیہ! یا کہے: میں نے اسے زنا کرتے ہوئے دیکھا یا کہے: یہ بچہ میرا نہیں ہے۔ یہ آیت تمام صورتوں کو شامل ہے۔ اگر وہ خاوند چار گواہ نہ لائے تو لعان واجب ہوگا؛ یہ جمہور علماء اور عام فقہاء اور اہل حدیث کی جماعت کا نظریہ ہے۔ امام مالک سے اس کی مثل مروی ہے۔ امام مالک فرماتے تھے: لعان نہیں ہوگا مگر یہ کہ خاوند کہے میں نے تجھے زنا کرتے ہوئے دیکھا یا اس کے حمل کی نفی کرے یا اس کے بچہ کی نفی کرے۔ ابوالزناد، یحییٰ بن سعید اور البتی کا قول امام مالک کے قول کی طرح ہے کہ لعان تہمت لگانے سے واجب نہ ہوگا۔ یہ زنا کرتے ہوئے دیکھنے یا استبرا کے دعویٰ کے ساتھ حمل کی نفی کرے۔ یہ امام مالک کے نزدیک مشہور ہے یہ ابن القاسم کا قول ہے۔ صحیح پہلا قول ہے کیونکہ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ کا قول عام ہے۔ ابن عربی نے کہا: قرآن کا ظاہر بغیر دیکھنے کے صرف تہمت لگانے سے لعان کے ایجاب کے لیے کافی ہے۔ پس قرآن کے ظاہر پر اعتماد کرو خصوصاً جبکہ حدیث صحیح میں بھی ہے۔ بتاؤ جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پائے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جا اور اپنی بیوی کو لے آ'' (2)۔ آپ نے اسے دیکھنے کے ذکر کرنے کا مکلف نہیں کیا اور علماء کا اجماع ہے

1۔ سنن دار قطنی، کتاب فی النکاح، جلد 2، صفحہ 277 2۔ صحیح مسلم، کتاب اللعان، جلد 1، صفحہ 488

کہ اندھا جب اپنی بیوی پر تہمت لگائے گا تو لعان ہوگا اگر دیکھنا لعان کے لیے شرط ہوتا تو اندھا لعان نہ کرتا؛ یہ ابو عمر کا قول ہے۔ ابن قصار نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ اندھے کا لعان صحیح نہیں ہے مگر یہ کہ وہ کہے: میں نے مرد کی فرج کو عورت کی فرج میں چھوا۔ امام مالک اور اس کے متبعین کی حجت ابوداؤد کی روایت ہے جو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے فرمایا: ہلال بن امیہ آیا یہ ان تین افراد میں سے ہے جن کی توبہ قبول کی گئی تھی وہ عشاء کے وقت اپنی زمین سے واپس آیا اس نے اپنے گھر والوں کے پاس ایک شخص دیکھا اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا پھر اسے کچھ نہ کہا حتی کہ صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے گھر والوں کے پاس عشاء کے وقت آیا میں نے ان کے پاس ایک شخص کو پایا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا(1)۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات کو پسند نہ فرمایا اور اس پر سختی کی تو یہ آیت نازل ہوئی: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ الخ(2)، یہ نص ہے کہ وہ لعان جس کا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا تھا وہ دیکھنے کی صورت میں تھا۔ پس اس سے تجاوز کرنا درست نہیں جس نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی اور دیکھنے کا ذکر نہیں کیا تو اسے حد لگائی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عام ہے: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ۔

مسئلہ نمبر 4۔ جب حمل کی نفی کرے تو لعان ہوگا کیونکہ یہ دیکھنے سے اقویٰ ہے اس کے بعد وطی کے نہ کرنے اور استبرا کا ذکر ضروری ہے۔ ہمارے علماء کا استبرا کے بارے میں اختلاف ہے۔ مغیرہ اور ایک قول میں امام مالک نے کہا: اس میں ایک حیض کافی ہے۔ امام مالک نے یہ بھی کہا کہ وہ نفی نہ کرے مگر تین حیض کے ساتھ(3)۔ صحیح پہلا قول ہے رحم کی براءت تو ایک حیض سے بھی ہو جاتی ہے جیسا کہ لونڈی کے استبرا میں ہے اور ہم نے عدت میں تین حیضوں کی رعایت رکھی ہے دوسرے حکم کی وجہ سے جس کا بیان ان شاء اللہ سورۂ طلاق میں آئے گا۔ لخمی نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے فرمایا: استبرا کے ساتھ بچے کی نفی نہیں کی جائے گی کیونکہ حیض حمل میں بھی آتا ہے؛ یہی اشہب نے ابن المواز کی کتاب میں کہا ہے۔ یہی قول مغیرہ کا ہے اور انہوں نے کہا: بچے کی نفی نہیں کی جائے گی(4) مگر پانچ سال کے ساتھ کیونکہ یہ اکثر مدت حمل ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ ہمارے نزدیک لعان میاں، بیوی کے درمیان ہوگا خواہ وہ آزاد ہوں یا غلام ہوں، مومن ہوں یا کافر ہوں، فاسق ہوں یا عادل ہوں۔ یہی امام شافعی کا قول ہے۔ آزاد آدمی اور اس کی لونڈی کے درمیان اور ام ولد کے درمیان لعان نہیں ہے۔ بعض علماء نے کہا: لونڈی کے بچے کی نفی نہ ہوگی مگر ایک قسم کے ساتھ بخلاف لعان کے۔ بعض علماء نے کہا: جب ام ولد کے بچے کی نفی کرے گا تو لعان ہوگا۔ پہلا قول امام مالک کا مذہب ہے اور وہی صحیح ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: لعان صحیح نہیں ہے مگر دو آزاد مسلمان میاں بیوی کے درمیان کیونکہ لعان امام ابوحنیفہ کے نزدیک شہادت ہے۔ ہمارے نزدیک اور امام شافعی کے نزدیک قسم ہے اور ہر وہ شخص جس کی قسم صحیح ہے اس کا قذف اور لعان بھی صحیح ہے اور علماء کا اتفاق ہے

1۔ اسباب النزول، صفحہ 164
2۔ ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی اللعان، حدیث 1923
3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 164
4۔ ایضاً

کہ میاں بیوی کے لیے مکلف ہونا ضروری ہے اور عویمر کے قول ''کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پائے'' یہ دلیل ہے کہ لعان میاں، بیوی کے درمیان ہوگا کیونکہ کسی مرد سے مرد کو اور عورت کو عورت سے خاص نہیں کیا اور لعان کی آیت اس جواب پر نازل ہوئی فرمایا: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ کسی خاوند کو خاص نہیں کیا فرمایا: یہی امام مالک اور اہل مدینہ کا مذہب ہے۔ امام شافعی، احمد، اسحاق، ابوعبید اور ابوثور کا قول ہے اور لعان نکاح کے فسخ کا موجب ہے پس یہ طلاق کے مشابہ ہے اور جس کی طلاق جائز ہے اس کا لعان بھی جائز ہے۔ لعان قسمیں ہیں شہادت نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو سب کہنے والوں سے سچا ہے: لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا (المائدہ: 107) یعنی ایماننا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ (المنافقون) پھر فرمایا: اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً (المجادلہ: 16) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر قسمیں نہ ہوتیں تو میرے لیے اور اس کے لیے، اور معاملہ ہوتا'' (1) اور رہے وہ دلائل جن سے امام ابوحنیفہ اور ثوری نے حجت پکڑی ہے وہ قوی نہیں ہیں ان میں سے ایک حدیث یہ ہے جو عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے انہوں نے اس کے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کی ہے فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چار افراد ایسے ہیں جن کے درمیان لعان نہیں ہے آزاد اور لونڈی کے درمیان لعان نہیں ہے، آزاد عورت اور غلام خاوند کے درمیان لعان نہیں ہے، مسلمان مرد اور یہودی عورت کے درمیان لعان نہیں ہے، مسلمان مرد اور نصرانی عورت کے درمیان لعان نہیں ہے''۔ اس حدیث کو دار قطنی نے کئی طرق سے روایت کیا ہے اور تمام کے تمام ضعیف ہیں۔ اوزاعی اور ابن جریج سے مروی ہے وہ دونوں امام ہیں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے یہ قول مروی ہے اور انہوں نے اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع نہیں کیا ہے اور نظر کی حجت سے اس طرح حجت پکڑی ہے کہ جب خاوندوں کی جملہ شہداء (گواہ) سے استثناء کی گئی ہے، ارشاد فرمایا: وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ تو واجب ہے کہ لعان نہ کیا جائے مگر جس کی شہادت جائز ہو اگر یہ قسم ہوتی تو رد نہ کی جاتی اور ان کی تردید میں حکمت تعداد میں اس کو زنا میں شہود کے قائم مقام کرنا ہے۔ ہم کہتے ہیں: یہ قسامت کی یمین کے ساتھ باطل ہے اس کا تکرار کیا جاتا ہے۔ اور بالاجماع وہ شہادت نہیں ہے اور اس کے تکرار میں حکمت فروج اور خونوں میں تغلیظ ہے۔ ابن عربی نے کہا: قول فیصل یہ ہے کہ یہ قسمیں ہیں شہادت نہیں کیونکہ خاوند اپنے لیے اپنے دعویٰ کے اثبات میں اور اپنے آپ کو عذاب سے بچانے کے لیے قسمیں اٹھاتا ہے اور کسی کے لیے یہ کیسے جائز ہوگا کہ وہ شریعت میں دعویٰ کرے کہ گواہ اپنے لیے ایسی گواہی دے گا جو غیر پر کوئی حکم ثابت کر دے گی۔ یہ اصل میں بعید ہے اور نظر میں معدوم ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ گونگے کے لعان کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی نے فرمایا: وہ لعان کرے گا کیونکہ اس کی طلاق، ظہار اور ایلاء صحیح ہے جب اس کے اشارہ سے سمجھا جائے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: وہ لعان نہیں کرے گا کیونکہ وہ اہل شہادت میں سے نہیں ہے کیونکہ وہ زبان سے دی جاتی ہے، پس لعان نہیں ہوگا اور ہمارے لیے اس پر حد لگانا ممکن نہیں ہے۔ یہ مفہوم سورۂ مریم میں گزر چکا ہے۔ اور دلیل بھی بیان ہو چکی ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب فی اللعان، جلد 1، صفحہ 307۔ ایضاً، حدیث 1923، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مسئلہ نمبر 7۔ ابن عربی نے کہا: امام ابوحنیفہ آیت کے عموم کا اعتبار کرتے ہیں اس لیے فرمایا: جب کوئی مرد اپنی بیوی پر اس سے شادی کرنے سے پہلے تہمت زنا لگائے تو وہ لعان کرے گا۔ اور وہ یہ بھول گئے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ اس نے محصنۃ پر تہمت لگائی ہے، زوجہ پر تہمت نہیں لگائی ہے۔ لعان اس قذف (تہمت) میں ہوتا ہے جس میں نسب لاحق ہو اور یہ ایسا قذف ہے جس میں نسب لاحق نہیں ہوتا۔ پس لعان کو ثابت نہیں کرے گا جیسے اگر وہ کسی اجنبیہ پر تہمت لگاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ جب طلاق کے بعد عورت پر خاوند تہمت لگائے تو وہ دیکھے اگر وہاں نسب ہے جس کی وہ نفی کرنا چاہتا ہے یا کوئی حمل ہے جس سے براءت چاہتا ہے تو لعان ہوگا ورنہ لعان نہیں ہوگا۔ عثمان البتی نے کہا: کسی حال میں لعان نہ ہوگا کیونکہ وہ اس کی بیوی نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: دونوں صورتوں میں لعان نہ ہوگا کیونکہ وہ اس کی بیوی نہیں ہے۔ یہ اس مسئلہ کے خلاف ہو جاتا ہے جب زوجیت میں لانے سے پہلے تہمت لگاتا ہے جیسا کہ ابھی ہم نے ذکر کیا ہے بلکہ یہ اولیٰ ہے کیونکہ نکاح ہو چکا ہے اور وہ نسب سے نفی کرنا چاہتا ہے اور اس بچے سے برأت چاہتا ہے جو اسے لاحق کیا جاتا تھا۔ پس لعان ضروری ہے جب وہاں ایسا حمل نہ ہو جس کی امید ہو اور نہ نسب ہو جس کے تعلق کا خوف ہو۔ لعان کا کوئی فائدہ نہیں پس لعان کا حکم نہیں کیا جائے گا۔ یہ مطلق قذف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول: وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ کے عموم کے تحت داخل ہے۔ پس اس پر حد ہوگی اور جو البتی نے کہا اس کے فساد کے ظہور کی وجہ سے وہ باطل ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ عدت کے ختم ہونے کے بعد میاں، بیوی میں لعان نہ ہوگا مگر ایک مسئلہ میں وہ یہ ہے کہ مرد غائب ہو اور عورت بچہ جنم دے اس کے غائب ہونے کی حالت میں جبکہ اسے معلوم نہ ہو کہ اس نے بچہ جنم دیا ہے۔ پس وہ اسے طلاق دیتا ہے پھر اس کی طلاق کی عدت گزر جاتی ہے بعد میں وہ آتا ہے اور اس بچہ کی نفی کرتا ہے تو اس کے لیے اس عورت سے عدت کے بعد لعان کرنا جائز ہے اسی طرح اگر وہ عورت کی وفات کے بعد آیا اور بچے کی نفی کی تو وہ اپنے لیے لعان کرے گا جبکہ وہ عدت کی مدت کے بعد مر چکی ہے اور وہ مرد اس کا وارث بنے گا کیونکہ وہ ان کے درمیان فرقت کے وقوع سے پہلے فوت ہو گئی تھی۔

مسئلہ نمبر 10۔ جب حمل کی نفی کرے اور وہ اس کی شرط کے ساتھ واقع ہو تو وضع حمل سے پہلے لعان کرے گا: یہ امام شافعی کا قول ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: وضع حمل کے بعد لعان کرے گا کیونکہ ممکن ہے کہ پیٹ میں ہوا ہو یا کوئی بیماری ہو اور ہماری دلیل نص صریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضع سے پہلے لعان کرایا اور فرمایا: "اگر وہ ایسا ایسا بچہ جنم دے گی تو وہ اپنے باپ کا ہوگا اور اگر ایسا ایسا بچہ جنم دے گی تو وہ فلاں کا ہوگا" (1) تو اس عورت نے ناپسندیدہ صفت پر بچہ جنم دیا۔

مسئلہ نمبر 11۔ اگر مرد اپنی بیوی پر دبر میں وطی کی تہمت لگائے تو لعان کرے گا۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: لعان نہیں کرے گا۔ ان کی بنیاد ان کی اصل پر ہے کہ لواطت سے حد ثابت نہیں ہوتی۔ یہ فاسد ہے کیونکہ تہمت لگانا ایک فساد ہے اور یہ اس ارشاد کے عموم کے تحت داخل ہے: وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ یہ مسئلہ سورۃ الاعراف اور سورۃ المومنون میں گزر چکا ہے۔

1۔ صحیح بخاری، من اظهر الفاحشة والتلطخ والتهمة بغير بينة، جلد 2، صفحہ 1013

مسئلہ نمبر 12۔ ابن العربی نے کہا: اس شخص کے عجیب مسئلہ میں سے یہ ہے کہ جب کوئی اپنی بیوی اور بیوی کی ماں پر زنا کی تہمت لگائے اگر اسے ماں کی وجہ سے حد لگائی جائے گی تو بیٹی کی حد ساقط ہو جائے گی اگر بیٹی کی وجہ سے لعان ہوگا تو ماں کی وجہ سے حد ساقط نہ ہوگی۔ اس کی کوئی وجہ نہیں۔ میں نے اس میں ان کے لیے کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جو حکایت کی گئی ہو۔ یہ بالکل باطل ہے کیونکہ آیت کے عموم کو ماں کی حد کی وجہ سے بیٹی میں خاص کیا ہے اور وہ زوجہ ہے۔ اس میں نہ کوئی اثر ہے اور نہ اصل ہے جس پر اس نے قیاس کیا ہو۔

مسئلہ نمبر 13۔ جب اپنی بیوی پر تہمت لگائے پھر وہ لعان سے پہلے زنا کر لے تو نہ حد ہوگی اور نہ لعان ہوگا۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔ ثوری اور مزنی نے کہا: قاذف سے حد ساقط نہ ہوگی اور تہمت لگائے جانے کے بعد مقذوف کا زنا اس کی متقدم حصانت میں قدح کا باعث نہیں ہے اور وہ اسے نہیں اٹھائے گا کیونکہ حصانت اور عفت کا اعتبار حالت قذف میں ہے نہ کہ اس کے بعد ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان پر قذف لگائے پھر مقذوف مرتد ہو جائے قذف کے بعد اور قاذف کو حد لگانے سے پہلے تو اس سے حد ساقط نہ ہوگی۔ نیز حدود تمام وجوب کے وقت معتبر ہوتی ہیں نہ کہ حدود کے قائم کرنے کے وقت معتبر ہوتی ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ لعان اور حد کے حصول سے پہلے ایک معنیٰ ظاہر ہو چکا ہے اگر وہ ابتدا میں موجود ہوتا تو لعان کی صحت اور حد کے وجوب کے مانع ہوتا۔ اسی طرح جب دوسرے میں طاری ہو جیسے دو گواہ گواہی دیں جن کا ظاہر عدالت ہو اور حاکم نے ان کی شہادت کے ساتھ فیصلہ نہیں دیا حتیٰ کہ زنا کرے یا شراب پینے کے ساتھ ان کا فسق ظاہر ہو جائے تو حاکم کے لیے جائز نہیں کہ ان کی اس شہادت کے ساتھ فیصلہ دے۔ اسی طرح عفت و احصان کا حکم ظاہر کے طریق سے ہوگا قطع اور یقین کی حیثیت سے نہ ہوگا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن کی پیٹھ محفوظ ہے'' (1)۔ قاذف کو حد نہیں لگے گی مگر دلیل قطعی کے ساتھ۔ وباللہ التوفیق۔

مسئلہ نمبر 14۔ جس نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی جبکہ وہ اتنی عمر میں بڑی ہے کہ اسے حمل نہیں ہوتا تو لعان ہوگا اور وہ حد کو دور کرنے کے لیے لعان کرے گا اور یہ عذاب کو دور کرنے کے لیے لعان کرے گی۔ اگر وہ بالکل چھوٹی ہو جس کو حمل نہیں ہو سکتا تو لعان ہوگا مرد حد کو دور کرنے کے لیے لعان کرے گا اور وہ لعان نہیں کرے گی کیونکہ اگر اقرار کرے تب بھی اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔ ابن الماجشون نے کہا: اس قاذف پر حد نہیں ہے جو نابالغ پر تہمت لگائے (2)۔ لخمی نے کہا: اس بنا پر چھوٹی بچی کے خاوند پر لعان نہیں ہے جو حاملہ نہیں ہو سکتی۔

مسئلہ نمبر 15۔ جب کسی عورت پر چار گواہ زنا کی گواہی دیں ایک ان میں سے اس کا خاوند ہو۔ خاوند لعان کرے گا اور باقی تین کو حد لگے گی؛ یہ امام شافعی کا ایک قول ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ انہیں حد نہیں لگائی جائے گی۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: جب خاوند اور تین اور شخص ابتداءً شہادت دیں تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی اور عورت کو حد لگائے جائے گی۔ ہماری دلیل یہ ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ جس نے محصن پر تہمت لگائی اور چار گواہ نہ لایا

1۔ صحیح بخاری، ظهر المؤمن حمی الا فی حد أو فی حق، جلد 2، صفحہ 1003
2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 167

تو اس کو حد لگائی جائے گی اس کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ تہمت لگانے والے کے علاوہ چار گواہ لائے اور خاوند اپنی بیوی پر تہمت لگانے والا ہے۔ پس وہ اس سے خارج ہو گیا کہ وہ گواہوں میں سے ایک ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 16۔ جب عورت کا حمل ظاہر ہوا پھر خاوند نے اس کی نفی کو ترک کر دیا تو سکوت کے بعد اس کو نفی کرنے کا حق نہیں۔ شریح اور مجاہد نے کہا: اس کو ہمیشہ نفی کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہ خطا ہے کیونکہ علم کے بعد اس کا سکوت رضا ہے جیسے اگر پہلے اقرار کرے پھر نفی کرے تو اس کی نفی قبول نہ ہو گی۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 17۔ اگر اس نے نفی کو موخر کیا یہاں تک کہ اس نے وضع حمل کر لیا اور اس نے کہا: ہو سکتا ہے ہوا ہو یا وہ اسے گرا دے تو قذف سے میں راحت پاؤں گا۔ کیا اس کے وضع حمل کے کچھ عرصہ بعد نفی کر سکتا ہے جب وہ اس عرصہ سے تجاوز کرے گا تو اسے نفی کا اختیار نہ ہو گا۔ اس میں اختلاف ہے ہم کہتے ہیں: جب اس کو سکوت میں کوئی عذر نہ ہو حتی کہ تین دن گزر گئے اور وہ اس پر راضی تھا تو اب اس کے لیے نفی کرنا جائز نہیں؛ یہ امام شافعی کا قول ہے نیز انہوں نے فرمایا: جب اس کے لیے نفی کرنا ممکن تھا جیسا کہ عادت جاری ہے حاکم کی طرف اس کے لیے نفی ممکن تھی پھر اس نے ایسا نہیں کیا تو اس کے بعد اس کے لیے نفی کرنا جائز نہ ہو گا۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: میں مدت کا اعتبار نہیں کرتا۔ امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا: اس میں چالیس دن معتبر ہوں گے یعنی مدت نفاس۔ ابن القصار نے کہا: ہمارے قول کی دلیل یہ ہے کہ اپنے بچے کی نفی کرنا اس پر حرام کیا گیا ہے۔ اور بچے کا لاحق کرنا اس پر حرام نہیں کیا گیا پس اس پر وسعت کرنا ضروری ہے تاکہ غور و فکر کر لے۔ کیا اس کے لیے نفی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ہم نے حد کو تین دن بتایا ہے کیونکہ یہ کثرت کی ابتدائی حد ہے اور قلت کی حد کا آخر ہے تین دن مدت رکھی ہے کیونکہ اس کے ساتھ مصراۃ (جس کا دودھ روکا گیا ہو) حال معلوم کیا جاتا ہے۔ پس یہاں بھی یہی ہونا چاہیے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک ان کا اعتبار، مدت ولادت اور رضاع کے اعتبار سے اولیٰ نہیں ہے کیونکہ شریعت میں ان کی کوئی شہادت نہیں ہے جبکہ ہم نے شریعت میں مصرات کی مدت سے شاہد ذکر کر دیا ہے۔

مسئلہ نمبر 18۔ ابن القصار نے کہا: جب عورت اپنے خاوند یا کسی اجنبی شخص کو کہے: یا زانیہ ہاء کے ساتھ اور اسی طرح اجنبی، اجنبی کو کہے تو اس میں اپنے اصحاب کی نص نہیں دیکھتا لیکن میرے نزدیک یہ قذف ہو گا اور ایسا کہنے والے پر حد ہو گی اور اس نے ایک حرف زائدہ کیا ہے۔ اور یہی امام شافعی اور امام محمد بن حسن کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف نے کہا: یہ قذف نہ ہو گا اور علماء کا اتفاق ہے جب کوئی اپنی بیوی کو کہے: یا زان تو قذف ہو گا۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ یہ مراد میں قذف ہے یہ خطاب ہے جب اس کا معنی سمجھا جائے گا تو اس کا حکم ثابت ہو گا خواہ وہ عجمی لفظ ہو یا عربی لفظ ہو۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ اس نے جب عورت کو کہا: زینت (تاء کے فتحہ کے ساتھ) تو قذف ہو گا کیونکہ اس کا معنی اس سے سمجھا جا رہا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ مونث کو مذکر کے خطاب کے ساتھ مخاطب کرنا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَالَ نِسْوَةٌ (یوسف: 30) تو یا زان کا قول مونث کے لیے قذف ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور جب مذکر کا فعل مونث لانا جائز نہیں جب وہ اس پر مقدم ہو اور مونث کو اس کے ساتھ خطاب کرنے کی وجہ سے حکم ثابت نہ ہو گا۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 19۔ نکاح فاسد میں بھی اپنی بیوی سے لعان کرے گا کیونکہ وہ اس کی فراش ہوگئی تھی اور اس میں نسب لاحق ہوگا؛ پس اس پر لعان بھی جاری ہوگا۔

مسئلہ نمبر 20۔ جب خاوند لعان کرنے سے انکار کر دے تو علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: اس پر حد نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اجنبی پر حد رکھی ہے اور خاوند پر لعان۔ جب لعان، اجنبی کی طرف منتقل نہیں ہوتا تو حد بھی خاوند کی طرف منتقل نہ ہوگی اور اسے قید کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ لعان کرے کیونکہ حدود قیاساً مؤخر نہیں کی جاتی ہیں۔ امام مالک، امام شافعی اور جمہور نے کہا: جب خاوند لعان نہیں کرے گا تو اسے حد لگائی جائے گی کیونکہ اس کے لیے لعان پر برأت تھی جیسے اجنبی کے لیے شہود (گواہ) ہوتے ہیں اگر اجنبی شخص چار گواہ نہ لائے تو اسے حد لگائی جاتی ہے اسی طرح خاوند لعان نہیں کرے گا تو اس کو حد لگائی جائے گی۔ عجلانی کی حدیث میں جو ہے وہ اس پر دلیل ہے اس نے کہا تھا: اگر میں خاموش ہوں گا تو غصہ پر خاموش ہوں گا اگر میں قتل کروں گا تو مجھے قتل کیا جائے گا اور اگر میں بولوں گا تو مجھے کوڑے لگائے جائیں گے۔

مسئلہ نمبر 21۔ اس میں اختلاف ہے کہ کیا خاوند کے لیے گواہوں کے ساتھ لعان ہوگا؟ امام مالک اور امام شافعی نے کہا: وہ لعان کرے گا خواہ اس کے لیے گواہ ہوں یا گواہ نہ ہوں کیونکہ گواہوں کا حد کو دور کرنے کے علاوہ کوئی کام نہیں ہے۔ رہا فراش کا اٹھنا اور بچے کی نفی تو اس میں ضرور لعان ہوگا۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: لعان خاوند کے لیے ہے جب اس کے لیے اپنی ذات کے علاوہ گواہ نہ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ۔

مسئلہ نمبر 22۔ لعان میں آغاز اس سے ہوگا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آغاز فرمایا اور وہ خاوند ہے اس کا فائدہ اس کا حد کو دور کرنا ہے اور اپنے سے نسب کی نفی کرنا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دلیل پیش کرو ورنہ تیری پیٹھ پر حد لگے گی''۔ اگر عورت سے لعان کا آغاز کیا گیا تو جائز نہ ہوگا کیونکہ جو ترتیب اللہ تعالیٰ نے دی ہے اس کا برعکس ہوگا۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: جائز ہوگا۔ یہ درست نہیں کیونکہ یہ قرآن کے خلاف ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں ہے جس کی طرف وہ لوٹے اور نہ کوئی ایسا مفہوم ہے جو اسے تقویت دے بلکہ ہمارے لیے معنی ہے کیونکہ عورت جب لعان سے آغاز کرے گی تو وہ اس کی نفی کرے گی جو اس نے ثابت بھی نہیں کیا اور اس کی کوئی وجہ نہیں۔

مسئلہ نمبر 23۔ لعان کی کیفیت یہ ہے کہ حاکم لعان کرنے والے مرد سے کہے کہ تو کہہ: اشھد باللہ میں نے اسے زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے اور میں نے زانی کی فرج اس کی فرج میں اس طرح دیکھی ہے جس طرح سرمہ دانی میں سرچو اور میں نے اسے دیکھنے کے بعد اس سے وطی نہیں کی۔ اگر چاہے تو تو کہے اس نے زنا کیا ہے اور اس کے زنا کے بعد میں نے اس سے وطی نہیں کی۔ ان دو لفظوں میں سے جو چاہے چار مرتبہ بیان کرے اگر وہ ان قسموں سے یا ان میں سے ایک سے انکار کرے گا تو اسے حد لگائی جائے گی۔ اور جب وہ حمل کی نفی کرے گا تو کہے گا: اشھد باللہ میں نے اس سے استبرا کیا ہے اور اس کے بعد میں نے اس سے وطی نہیں کی تھی اور یہ حمل مجھ سے نہیں ہے اور حمل کی طرف اشارہ کرے اور وہ چار مرتبہ یہ قسم اٹھائے اور ہر قسم میں کہے: میں نے اس کے بارے میں جو کہا ہے اس میں میں سچوں میں سے ہوں پھر پانچویں مرتبہ کہے:

علیٰ لعنۃ اللہ إن کنت من الکاذبین۔ مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹے لوگوں سے ہوں۔ اگر چاہے تو یہ کہے: اگر میں جھوٹا ہوں اس میں جو میں نے اس کے بارے میں کہا: جب وہ یہ کہے گا تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی اور اس سے بچے کی نفی ہو جائے گی۔ جب مرد لعان سے فارغ ہو جائے گا تو اس کے بعد عورت کھڑی ہوگی اور چار قسمیں اٹھائے گی وہ اس میں کہے گی: اشھد باللہ وہ جھوٹا ہے یا وہ جو میرے بارے اس نے دعویٰ کیا ہے اور جو میرے بارے اس نے ذکر کیا ہے اس میں جھوٹوں میں سے ہے۔ اگر وہ حاملہ ہو تو کہے: میرا یہ حمل اس سے ہے پھر پانچویں مرتبہ کہے: وعلیٰ غضب اللہ إن کان صادقاً، مجھ پر اللہ کا غضب ہو گا اگر وہ سچا ہے یا کہے: اگر وہ اس قول میں سچوں میں سے ہے اور جس نے قذف کے ساتھ لعان کو واجب کیا وہ ان چار شہادتوں میں سے ہر شہادت میں کہے گا: اشھد باللہ میں اس میں سچوں میں سے ہوں جو میں نے فلانی پر زنا کی تہمت لگائی ہے اور پانچویں مرتبہ کہے گا: علیٰ لعنۃ اللہ إن کنتُ کاذباً فیما رمیتھا بہ من الزنا، یعنی مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں اس میں جو میں نے اس پر زنا کی تہمت لگائی ہے اور عورت کہے گی: اشھد باللہ اس نے جو مجھ پر زنا کی تہمت لگائی ہے اس میں جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے گی: مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر وہ سچا ہے جو اس نے مجھ پر زنا کی تہمت لگائی ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: لعان کرنے والا کہے: اشھد باللہ میں سچوں میں سے ہوں اس میں جو میں نے اپنی زوجہ فلانۃ بنت فلاں پر تہمت لگائی ہے اور اگر وہ موجود ہو تو اس کی طرف اشارہ کرے۔ مرد یہ چار مرتبہ کہے: پھر امام اسے وعظ و نصیحت کرے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اسے یاد دلائے اور کہے: میں ڈرتا ہوں کہ اگر سچا نہیں ہو گا تو اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق ہو گا اور اگر وہ دیکھے کہ وہ پانچویں مرتبہ کہنا چاہتا ہے تو حاکم کسی کو حکم دے کہ اس کے منہ پر ہاتھ رکھے اور اسے کہے: تیرا یہ قول کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹوں میں سے ہوں، حکم کو ثابت کر دے گا اگر وہ انکار کرے کہ وہ قسم اٹھائے گا تو وہ کہے: مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹوں میں سے ہوں اس میں جو میں نے فلاں پر زنا کی تہمت لگائی ہے۔ انہوں نے ابوداؤد کی حدیث سے حجت پکڑی ہے جو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لعان کرنے والے کے منہ پر ہاتھ رکھے پانچویں مرتبہ کہنے سے پہلے اور اسے کہے کہ یہ حکم ثابت کر دے گی (1)۔

مسئلہ نمبر 24۔ علماء کا اختلاف ہے اس شخص کے بارے میں جس نے اپنی عورت پر کسی شخص کے ساتھ بدکاری کی تہمت لگائی اور اس مرد کا نام بھی لے لیا کیا اسے حد لگائی جائے گی یا نہیں؟ امام مالک نے فرمایا: اس پر اس کی بیوی کی وجہ سے لعان ہو گا اور جس شخص پر اس نے تہمت لگائی اس کی وجہ سے خاوند پر حد ہو گی؛ یہی امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کیونکہ اس نے اس پر تہمت لگائی جس کو تہمت لگانے کی اسے ضرورت نہ تھی۔ امام شافعی نے فرمایا: اس شخص (خاوند) پر حد ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیوی پر تہمت لگانے والے پر صرف ایک حد لگائی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ اس میں کوئی تفریق نہیں جس نے متعین شخص کا ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ عجلانی نے اپنی بیوی پر شریک کے ساتھ بدکاری کی تہمت لگائی تھی اسی طرح ہلال بن امیہ نے کہا تھا تو اسے ایک حد لگائی گئی۔ ابن عربی نے کہا: ہمارے لیے قرآن کا ظاہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ

1۔ ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی اللعان، حدیث 1922، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

نے اجنبی اور بیوی کے قذف میں مطلق حد رکھی ہے پھر بیوی کی حد کو لعان کے ساتھ خلاصی پانے کے ساتھ خاص کیا ہے اور مطلق آیت پر اجنبی باقی ہے۔ عجلانی کو شریک کی وجہ سے اور ہلال کو شریک کی وجہ سے حد نہیں لگائی گئی تھی کیونکہ اس نے حد کا مطالبہ ہی نہیں کیا تھا اور حد قذف مطالبہ کے بعد امام ہی قائم کرے گا اس پر اجماع ہے۔

مسئلہ نمبر 25۔ جب لعان کرنے والے لعان سے فارغ ہو جائیں تو وہ آپس میں جدا ہو جائیں گے ہر ایک اپنے ساتھی سے جدا ہو کر مسجد کے اس دروازے سے نکلے گا جس سے اس کا ساتھی نہ نکلا ہوگا۔ اگر دونوں ایک دروازہ سے بھی نکلیں تو ان کے لعان کو کوئی نقصان نہ ہوگا اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ لعان جامع مسجد میں ہوگا جس میں جمعہ ہوتا ہو، سلطان یا اس کے قائم مقام کی موجودگی میں ہوگا۔ اہل علم کی ایک جماعت نے مستحب قرار دیا ہے کہ لعان جامع مسجد میں عصر کے بعد ہو اور نصرانی عورت اپنے مسلمان خاوند سے لعان اس جگہ کرے گی جس کی وہ تعظیم کرتی ہے جیسے کنیسہ جیسا کہ مسلمان عورت اس جگہ لعان کرتی ہے جس کی وہ تعظیم کرتی ہے۔

مسئلہ نمبر 26۔ امام مالک اور اس کے اصحاب نے کہا: لعان مکمل ہونے کے ساتھ لعان کرنے والوں کے درمیان فرقت واقع ہو جائے گی۔ وہ کبھی جمع نہیں ہوں گے اور کبھی ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے اور مرد کے لیے کبھی بھی اس عورت سے رجوع حلال نہیں نئے خاوند سے پہلے بھی اور بعد میں بھی؛ یہ لیث بن سعد، زفر بن ہذیل اور اوزاعی کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن نے کہا: لعان سے فارغ ہونے کے ساتھ فرقت واقع نہ ہوگی حتی کہ حاکم ان کے درمیان تفریق کرے؛ یہ ثوری کا قول ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کی اور فرقت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: لا سبیل لک علیھا (1) تیرے لیے اس پر کوئی سبیل نہیں۔ امام شافعی نے فرمایا: جب خاوند شہادت اور لعان کو مکمل کرے گا تو اس کی بیوی کا فراش ہونا زائل ہو جائے گا خواہ عورت لعان کرے یا نہ کرے۔ فرمایا: عورت کا لعان کرنا یہ اپنے آپ سے حد کو دور کرنے کے لیے ہے اور کوئی اس کا مقصد نہیں اور عورت کے فراش کے زوال میں عورت کے لعان کا کوئی فائدہ نہیں۔ جب خاوند کا لعان بچے کی نفی کرتا ہے اور حد کو اٹھا دیتا ہے تو فراش (عورت کا بستر ہونا) اٹھ جائے گا۔ عثمان البتی کے نزدیک لعان میاں بیوی کی عصمت سے کچھ کمی نہیں کرتا حتیٰ کہ خاوند اسے طلاق دے۔ یہ ایسا قول ہے جو صحابہ میں سے کسی نے نہیں کیا ہے، نیز البتی کے نزدیک لعان کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ لعان کے بعد طلاق دے۔ اس سے پہلے اس کو اچھا نہیں سمجھتے۔ پس یہ دلیل ہے کہ اس کے نزدیک لعان نے ایک حکم پیدا کر دیا ہے۔ عثمان کے قول کے مطابق جابر بن زید کا قول ہے جو طبری نے ذکر کیا ہے۔ اسے نخعی نے محمد بن ابی صفرہ سے حکایت کیا ہے۔ مشہور مذہب یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان لعان کا مکمل ہونا فرقت ہے۔ اس مقالہ والوں نے اس سے حجت پکڑی ہے کہ کتاب اللہ میں یہ نہیں ہے جب مرد لعان کرے یا عورت لعان کرے گی تو فرقت واقع ہو جائے گی اور عویمر کے قول سے حجت پکڑی ہے کہ اگر میں اس کو روکوں تو میں نے اس پر جھوٹ

1۔ صحیح مسلم، کتاب اللعان، جلد 1 صفحہ 490

بولا۔ پس اس نے اسے تین طلاقیں دے دیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس پر کوئی انکار نہ کیا اور اسے نہیں فرمایا کہ تو نے یہ کیوں کیا؟ تو اس کا محتاج نہیں تھا کیونکہ لعان کے ساتھ طلاق ہو چکی تھی۔ امام مالک اور ان کی موافقت کرنے والے علماء کی حجت نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے: لاسبیل لك علیها (1)، اب تجھے اس پر کوئی اختیار نہیں۔ یہ اعلام ہے کہ لعان کا مکمل ہونا اس کی گرفت اس سے اٹھا دیتا ہے اور ان کے درمیان جدائی کرنا نئے حکم کے ساتھ نہیں ہے۔ یہ نافذ کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان دوری کو واجب کیا ہے یہی لغت میں لعان ہے۔

مسئلہ نمبر 27۔ جمہور علماء کا خیال ہے کہ لعان کرنے والے کبھی آپس میں نکاح نہیں کریں گے اگر مرد اپنے آپ کو جھٹلائے گا تو اسے حد لگائی جائے گی اور بچہ اس کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا اور عورت کبھی اس مرد کی طرف نہیں لوٹ سکتی یہی سنت ہے جس میں کوئی شک اور اختلاف نہیں۔ ابن المنذر نے عطا سے روایت کیا ہے کہ لعان کرنے والا لعان کے بعد جب اپنے آپ کو جھٹلائے گا تو اسے حد نہیں لگائی جائے گی۔ اور عطا نے کہا: وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی لعنت کی وجہ سے جدا ہو گئے۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد نے کہا: جب وہ اپنے آپ کو جھٹلائے تو اسے حد لگائی جائے گی اور بچہ اس کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا اور وہ دوبارہ اگر چاہے تو وہ منگنی کا پیغام بھیجنے والوں میں سے ہو سکتا ہے؛ یہ سعید بن مسیب، حسن اور سعید بن جبیر اور عبد العزیز بن ابی سلمہ کا قول ہے انہوں نے کہا: نکاح حلال ہو کر لوٹ آئے گا جس طرح بچہ بعد میں اس کے ساتھ لاحق کیا گیا کیونکہ اس معاملہ میں کوئی فرق نہیں ہوگا اور جماعت کی حجت یہ کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اب تجھے اس پر کوئی گرفت نہیں اور آپ نے یہ نہیں'' فرمایا مگر یہ کہ تو اپنے آپ کو جھٹلائے۔ ابن اسحاق اور ایک جماعت نے زہری سے روایت کیا ہے فرمایا: سنت یہ قائم ہو چکی ہے کہ جب میاں بیوی لعان کریں گے تو ان کے درمیان جدائی کر دی جائے گی اور وہ کبھی جمع نہ ہوں گے۔ اس حدیث کو دار قطنی نے روایت کیا ہے اور اسے سعید بن جبیر عن ابی عمر عن النبی ﷺ کے سلسلہ میں مرفوع روایت کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''لعان کرنے والے جب جدا ہو جائیں گے تو کبھی جمع نہ ہوں گے'' (2)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ سے مروی ہے ان دونوں نے فرمایا: سنت قائم ہو چکی ہے کہ لعان کرنے والے جمع نہ ہوں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہمیشہ کا لفظ بھی مروی ہے۔

مسئلہ نمبر 28۔ لعان کے لیے چار اشیاء ضروری ہیں:

1۔ الفاظ کی تعداد۔ وہ چار شہادتیں ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے۔

2۔ مکان۔ اس کے لیے شہر میں عمدہ اور معزز جگہ کا قصد کیا جائے۔ اگر مکہ میں ہوں تو لعان رکن اور مقام کے پاس ہو۔ اگر مدینہ طیبہ میں ہو تو منبر کے پاس ہو، اگر بیت المقدس میں ہو تو صخرۃ (چٹان) کے پاس ہوں اور دوسرے شہروں میں ہو تو مساجد میں ہو اگر وہ کافر ہوں تو انہیں ایسی جگہ بھیجا جائے گا جس کی وہ تعظیم کرتے ہوں گے۔ اگر وہ میاں بیوی یہودی ہوں تو کنیسہ میں ہوگا اگر مجوسی ہوں تو آگ کے کمرے کے پاس ہوگا، اگر ان کا کوئی دین نہ ہو جیسے بت پرست ہیں تو ان کے درمیان مجلس حکم میں لعان کرنا ہوگا۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب اللعان، جلد 1، صفحہ 490 2۔ ابو داؤد، کتاب الطلاق، باب فی اللعان، حدیث 1918، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ وقت۔ یہ عصر کے بعد کا وقت ہے۔

4۔ لوگوں کو جمع کرنا۔ چار یا اس سے زائد لوگ لعان کے وقت موجود ہوں، لوگوں کا جمع کرنا مشروط ہے، زمان اور مکان مستحب ہے۔

مسئلہ نمبر 29۔ جس نے کہا: فراق واقع نہیں ہوتا مگر لعان کے مکمل ہونے کے ساتھ اس پر یہ لازم آتا ہے کہ اگر ایک لعان کے مکمل ہونے سے پہلے مرجائے تو دوسرا اس کا وارث ہوگا اور جس نے کہا: تفریق واقع نہیں ہوتی مگر امام کی تفریق کے ساتھ تو پھر ایک اس سے پہلے مرجائے اور لعان کے مکمل ہونے سے پہلے مرجائے تو دوسرا اس کا وارث ہوگا اور امام شافعی کے قول پر اگر ایک مرجائے عورت کے لعان کرنے سے پہلے تو وہ ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے۔

مسئلہ نمبر 30۔ ابن القصار نے کہا: ہمارے نزدیک لعان کی تفریق فسخ نہیں ہے؛ یہ المدونۃ کا مذہب ہے کیونکہ لعان کی تفریق کا حکم طلاق کی تفریق کا حکم ہے۔ غیر مدخول بہا کو نصف مہر دیا جائے گا اور ابن الجلاب کی مختصر میں ہے ایسی عورت کے لیے کچھ نہیں ہوگا یہ اس بنا پر ہے کہ لعان کی تفریق فسخ ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَ الَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱﴾ لَوْ لَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا ۙ وَّ قَالُوْا هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْ لَا جَآءُوْ عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓىِٕكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِیْ مَاۤ اَفَضْتُمْ فِیْهِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًا ۖۗ وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ ﴿۱۵﴾ وَ لَوْ لَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖۗ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۶﴾ یَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷﴾ وَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ وَ اَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۰﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ وَ مَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ فَاِنَّهٗ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ

اَبَدًا ۚ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

''بیشک جنہوں نے جھوٹی تہمت لگائی ہے وہ ایک گروہ ہے تم میں سے تم اسے اپنے لیے برا خیال نہ کرو بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے لیے، ہر شخص کے لیے اس گروہ میں سے اتنا گناہ ہے جتنا اس نے کمایا اور جس نے سب سے زیادہ حصہ لیا ان میں سے (تو) اس کے لیے عذاب عظیم ہوگا۔ ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ (افواہ) سنی تو گمان کیا ہوتا مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنوں کے بارے میں نیک گمان اور کہہ دیا ہوتا کہ یہ تو کھلا ہوا بہتان ہے (اگر وہ سچے تھے تو) کیوں کر نہ پیش کر سکے اس پر چار گواہ پس جب وہ پیش نہیں کر سکے گواہ تو (معلوم ہو گیا کہ) وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔ اور اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت دنیا اور آخرت میں تو پہنچتا تمہیں اس سخن سازی کی وجہ سے سخت عذاب۔ (جب تم ایک دوسرے سے) نقل کرتے تھے اس (بہتان) کو اپنی زبانوں سے اور کہا کرتے تھے اپنے مونہوں سے ایسی باتیں جس کا تمہیں کوئی علم ہی نہ تھا نیز تم خیال کرتے کہ یہ معمولی بات ہے حالانکہ یہ بات اللہ کے نزدیک بہت بڑی تھی اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ (افواہ) سنی تو تم نے کہہ دیا ہوتا: ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم گفتگو کریں اس کے متعلق۔ اے اللہ! تو پاک ہے یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ نصیحت کرتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ کہ دوبارہ اس قسم کی بات ہرگز نہ کرنا اگر تم ایماندار ہو اور کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے (اپنی) آیتیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے۔ بیشک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ پھیلے بے حیائی ان لوگوں میں جو ایمان لاتے ہیں (تو) ان کے لیے دردناک عذاب ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ تعالیٰ (حقیقت کو) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بہت مہربان (اور) رحیم ہے (تو تم بھی نہ بچ سکتے) اے ایمان والو! نہ چلو شیطان کے نقش قدم پر اور جو چلتا ہے شیطان کے نقش قدم پر تو وہ حکم دیتا ہے (اپنے پیروؤں کو) بے حیائی کا اور ہر برے کام کا۔ اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تو نہ بچ سکتا تم میں سے کوئی بھی ہرگز۔ ہاں اللہ تعالیٰ پاک کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور نہ قسم کھائیں جو برگزیدہ ہیں تم میں سے اور خوش حال ہیں اس بات پر کہ وہ نہ دیں گے رشتہ داروں کو اور مسکینوں کو اور راہ خدا میں ہجرت کرنے والوں کو اور چاہیے کہ (یہ لوگ) معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم پسند نہیں کرتے کہ بخش دے اللہ تعالیٰ تمہیں اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

اس میں اٹھائیس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ، عُصْبَةٌ، ان کی خبر ہے۔ اور حال کی

بنا پر اس کو نصب دینا بھی جائز ہے۔ اور خبر لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ہوگی۔ اس کے نزول کا سبب وہ ہے جو ائمہ حدیث نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قصہ میں طویل حدیث افک روایت کی ہے یہ خبر صحیح مشہور ہے وہ اتنی مشہور ہے کہ اس کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ مختصراً آگے آئی گی۔ امام بخاری نے اسے تعلیقاً نقل کیا ہے اور اس کی حدیث اتم ہے۔ فرمایا اسامة نے کہا انہوں نے ہشام بن عروہ سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اس کو محمد بن کثیر نے انہوں نے اپنے بھائی سلیمان سے حدیث مسروق سے انہوں نے ام رومان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ام رومان نے فرمایا جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی تو وہ غش کھا کر گر پڑیں۔ موسیٰ بن اسماعیل سے ابووائل کی حدیث سے مروی ہے فرمایا مجھے مسروق بن اجدع نے بتایا فرمایا مجھے ام رومان نے بتایا ام رومان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہے فرمایا: میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں اچانک انصار کی ایک عورت داخل ہوئی اور کہا: اللہ تعالیٰ فلاں کے ساتھ ایسا کرے، اللہ تعالیٰ فلاں کے ساتھ ایسا کرے۔ ام رومان نے کہا: یہ کیا ہے؟ اس عورت نے کہا: میں ان میں تھی جس نے بات بیان کی۔ ام رومان نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ اس انصاری عورت نے واقعہ بیان کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: کیا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بہتان سنا ہے؟ اس عورت نے کہا: ہاں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: (میرے والد گرامی) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی؟ اس عورت نے کہا: ہاں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا غش کھا کر گر پڑیں۔ جب آپ کو افاقہ ہوا تو آپ کو کپکپی کے ساتھ بخار چڑھا ہوا تھا۔ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر کپڑے ڈالے اور اسے ڈھانپ دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور پوچھا: اسے کیا ہوا ہے؟'' میں نے کہا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اسے کپکپی کے ساتھ بخار ہو گیا ہے۔ فرمایا: ''شاید اس بات کی وجہ سے ہو جو کہی گئی ہے'' (1)۔ ام رومان نے کہا: ہاں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیٹھ گئیں اور کہا: اللہ کی قسم! اگر میں قسم اٹھاؤں تو تم میری تصدیق نہیں کرو گے، اگر میں کچھ کہوں تو تم مجھے معذور نہیں سمجھو گے۔ میری اور تمہاری مثال حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں جیسی ہے۔ واللہ المستعان علی ما تصفون۔

فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوٹ گئے اور کوئی بات نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عذر نازل فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گی کسی کی حمد نہیں کروں گی اور نہ آپ کی حمد کروں گی۔ ابوعبداللہ حمیدی نے کہا: بعض بغدادی حفاظ جن سے ہم ملے تھے وہ فرماتے تھے اس حدیث میں اور سال زیادہ واضح ہے اس پر انہوں نے اس سے استدلال کیا کہ ام رومان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وصال کر گئی تھیں اور مسروق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی تھی۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں عبیداللہ بن عبداللہ بن ابی ملیکہ کی حدیث ہے اس میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اِذْ تَلِقُوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ پڑھتی تھیں اور کہتی تھیں: الولق کا معنی کذب (جھوٹ) ہے۔ ابن ابی ملیکہ نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا معنی دوسروں سے زیادہ جانتی تھیں کیونکہ یہ ان کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ امام بخاری نے کہا: معمر بن راشد نے زہری سے روایت کیا حدیث افک غزوہ مریسیع، میں پیش آئی۔ ابن اسحاق نے کہا: یہ چھٹا سال تھا۔ موسیٰ

1۔ صحیح بخاری، حدیث الافک، جلد 2، صفحہ 597

بن عقبہ نے کہا: چوتھا سال تھا۔ امام بخاری نے معمر عن زہری کی حدیث سے نقل کیا ہے۔ فرمایا: مجھے ولید بن عبد الملک نے کہا: کیا تجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تہمت لگانے والوں میں تھے؟ انہوں نے کہا میں نے کہا: نہیں لیکن مجھے تیری قوم کے دو افراد ابو سلمہ بن عبد الرحمن اور ابو بکر بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام نے مجھے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کو کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں خاموش تھے۔ ابو بکر اسماعیلی نے اپنی کتاب المخرج علی الصحیح میں ایک دوسرے طریق سے معمر عن زہری کی حدیث روایت کی ہے، اس میں ہے فرمایا: میں ولید بن عبد الملک کے پاس تھا اس نے کہا: جو اس مسئلہ کو زیادہ اچھالنے والے تھے ان میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے؟ میں نے کہا: نہیں۔

مجھے سعید بن مسیب، عروہ، علقمہ، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ تمام نے کہا میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اس مسئلہ کو اچھالنے والوں کا سرغنہ عبد اللہ بن ابی بن سلول تھا۔ امام بخاری نے زہری عن عروہ عن عائشہ کی حدیث سے روایت کیا ہے جو اس مسئلہ کو پھیلانے والے تھے ان میں سے عبد اللہ بن ابی تھا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بِالْاِفْكِ، افک کا معنی جھوٹ ہے۔ العصبة تین سے لیکر دس افراد تک کو عصبہ کہتے ہیں۔ ابن عیینہ نے کہا: چالیس آدمیوں کو عصبہ کہتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: یہ دس سے پندرہ افراد ہیں۔ اس کی اصل لغت میں اور کلام عربی میں وہ جماعت ہے جو ایک دوسرے کو مضبوط کرتے ہوں۔ اور الخیر کی حقیقت یہ ہے کہ جس کا نفع اس کے نقصان سے زائد ہو اور الشر جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ ہو وہ خیر جس میں کوئی شر نہیں ہے وہ جنت ہے اور وہ شر جس میں کوئی خیر نہیں وہ جہنم ہے اور وہ آزمائش جو اولیاء اللہ پر نازل ہوتی ہے وہ خیر ہوتی ہے کیونکہ دنیا میں اس کا ضرر کم ہوتا ہے اور اس کی خیر آخرت میں بہت زیادہ ثواب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے گھر والوں اور صفوان کو آگاہ فرمایا کیونکہ خطاب اس ارشاد میں ان سے ہے: لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۭ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ، کیونکہ شر کی نسبت سے نفع اور خیر راجح ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ غزوہ بنی مصطلق میں نکلے یہی غزوہ مریسیع ہے اور آپ لوٹے جب مدینہ طیبہ کے قریب تھے تو آپ نے رات کو چلنے کا اعلان فرمایا جب کوچ کرنے کا اعلان ہو چکا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اٹھیں اور قضاء حاجت کے لیے چلیں حتی کہ لشکر سے دور چلی گئیں جب فارغ ہوئیں اور اپنی جگہ پر آئیں اور اپنے سینہ پر ہاتھ مارا تو یمن کے موتیوں کا ہار ٹوٹ چکا تھا۔ آپ واپس لوٹیں اور اسے تلاش کیا اس کی تلاش نے آپ کو روک لیا آپ نے ہار پا لیا اور واپس آئیں وہاں کسی شخص کو نہ پایا آپ نوجوان تھیں گوشت کم تھا۔ مردوں نے آپ کا ہودج اٹھایا اور انہیں آپ کا نہ ہونا محسوس نہ ہوا جب آپ نے اپنی جگہ پر کسی کو نہ پایا تو آپ اپنی جگہ پر لیٹ گئیں اس امید کے ساتھ کہ آپ کو تلاش کیا جائے گا اور اس کی طرف رجوع کیا جائے گا آپ اپنی جگہ سو گئیں آپ کو بیدار نہ کیا مگر صفوان بن معطل کے قول: اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ نے وہ پیچھے رہ جانے والی چیزوں کی حفاظت کے لیے لشکر سے پیچھے تھے۔ بعض نے کہا: آپ ان کے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ کہنے سے بیدار ہوئیں۔ وہ اپنی سواری سے اترے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دور کھڑے ہو گئے حتی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اونٹنی پر سوار ہوئیں۔ حضرت صفوان نے اونٹنی کی مہار پکڑی اور چل پڑے حتی

کہ دوپہر کے وقت انہیں لیکر لشکر میں پہنچ گئے۔ جھوٹے اور بہتان تراش اپنے دھندے میں مشغول ہو گئے۔ اس مسئلہ میں لوگ جس کے پاس جمع ہوتے تھے اور جو اس مسئلہ کے بارے استفسار کرتا تھا اور اس کو پھیلاتا تھا وہ عبداللہ بن ابی بن سلول منافق تھا اس نے صفوان کو دیکھا کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے ہے تو اس نے یہ کہا: اللہ کی قسم! نہ وہ اس سے بچی اور نہ وہ اس سے بچا اور کہا: تمہارے نبی کی بیوی نے ایک آدمی کے ساتھ رات گزاری، اور اس بہتان تراشی میں حضرت حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش شامل تھے۔ یہ اس حدیث کا اختصار ہے اور یہ مکمل طور پر امام بخاری اور امام مسلم میں ہے اور صحیح مسلم میں اکمل ہے جب حضرت صفوان کو اس جھوٹ میں حضرت حسان کی بات پہنچی تو وہ آئے اور حضرت حسان کے سر پر تلوار ماری اور کہا:

تَلَقَّ ذُبَابَ السيف عَنِّي فإنَّني غلامٌ إذا هُوَ جِيتَ ليس بشاعرِ

ایک جماعت نے حضرت صفوان کو پکڑا اور اس کا گریبان پکڑ کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان کا زخم رائیگاں کر دیا اس سے کچھ طلب کیا۔ یہ دلیل ہے کہ حسان بھی ان لوگوں میں تھا جو اس بہتان کی تشہیر کرتے تھے۔ یہ حضرت صفوان نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی غزوات میں مہار پکڑتے تھے کیونکہ آپ بہت بہادر تھے اور خیار صحابہ میں سے تھے۔ بعض نے کہا: آپ عورتوں کے پاس نہیں جاتے تھے؛ یہ ابن اسحاق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے طریق سے ذکر کیا ہے۔ بعض نے کہا: صفوان کے دو بیٹے تھے۔ اس پر دلیل آپ کی مروی حدیث ہے آپ کی بیوی کے ساتھ آپ کا معاملہ ہوا، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بیٹوں کے بارے میں فرمایا: ''دونوں صفوان کے ساتھ اس طرح مشابہ ہیں جیسے کوا، کوے کے مشابہ ہوتا ہے''(1)۔ اور حدیث میں آپ کا قول کہ ''اللہ کی قسم! میں نے کبھی کسی عورت کا پردہ نہیں کھولا''، اس سے مراد یہ ہے کہ میں نے کبھی زنا نہیں کیا۔ غزوہ ارمینیہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں 19ھ کو شہید ہوئے۔ بعض نے کہا: یہ روم کے شہروں میں حضرت معاویہ کے زمانہ میں اٹھاون ہجری میں وصال فرما گئے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ یعنی جس نے جھوٹ بولا۔ اہل افک کا نام نہیں لیا سوائے حسان، مسطح، حمنہ اور عبداللہ کے اور کچھ دوسرے مجہول لوگ: یہ عروہ بن زبیر کا قول ہے اس کے متعلق عبدالملک بن مروان نے اس سے پوچھا تو انہوں نے کہا: وہ جتھہ تھا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا مصحف حفصہ میں ہے: عصبہ أربعة۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِي تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ حمید اعرج اور یعقوب نے کُبرہ کاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور فراء نے کہا: یہ وجہ عمدہ ہے کیونکہ عرب کہتے ہیں: فلان تولى عُظم كذا و كذا یعنی وہ کام میں بڑا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت حسان جب نابینا ہو گئے تھے شاید وہ بڑا عذاب ہے جس کا اللہ نے وعدہ کیا تھا وہ ان کی آنکھوں کا چلا جانا ہے؛ یہ مسروق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ

1۔ صحیح بخاری، الشباب الخضر، جلد 2 صفحہ 866

تشہیر کرنے والا عبداللہ بن ابی تھا یہ صحیح ہے اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے۔ ابوعمر بن عبدالبر نے حکایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسان کو اس بات سے بری کر دیا تھا۔ کہا تھا اس نے کچھ نہیں کیا۔ حضرت حسان نے اس کے متعلق کچھ کہنے سے انکار کیا تھا۔ حضرت حسان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں یہ اشعار کہے:

حَصَانٌ رَزَانٌ ما تُزَنُّ بِرِيبَةٍ　　وتُصبِح غَرْثَیٰ من لُحُوم الغَوافِلِ

وہ پاک دامن ہے صاحب وقار ہے اس کو متہم نہیں کیا جاتا وہ پاک دامن عورتوں کی غیبت سے بھوکی رہتی ہے۔

حلِيلَةُ خيرِالنّاس دينًا ومَنْصِبًا　　نَبِيِّ الهُدَىٰ والمَكْرُمات الفواضل

عَقِيلَةُ حَيٍّ من لُؤَيِّ بن غالب　　كِرامِ المساعي مَجْدُها غيرُ زائل

مُهَذَّبَةٌ قد طَيَّب الله خِيمَها　　وطهّرها من كل شَيْنٍ وباطل

فإن كانت مابَلَّغْتِ أَنِّي قلتُهُ　　فلا رفعت سَوْطي إلى أناملي

فكيف ووُدِّي ما حييتُ ونُصْرتي　　لِآلِ رسول الله زَيْنِ المحافل

له رُتَبٌ عالٍ على الناس فضلها　　تقاصَيرُ عنها سَورة المتطاول

یہ بھی مروی ہے کہ جب حضرت حسان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کہا وہ پاک دامن اور صاحب وقار ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تو تو اس طرح نہیں ہے، تو تو پاکدامن عورتوں کے بارے میں باتیں کرنے والا ہے۔ یہ تعارض ہے اس طرح ان کو جمع کرنا ممکن ہے کہ حضرت حسان نے نصاً اور تصریحاً کچھ نہیں کہا۔ یہ تعریض اور اشارہ ہے پس اس کو آپ کی طرف منسوب کیا گیا۔

علماء کا اختلاف ہے کہ حضرت حسان نے اس میں زیادہ دخل دیا تھا یا نہیں کیا آپ کو حد لگائی گئی تھی یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کیا ہوا تھا؟

مسئلہ نمبر 6۔ محمد بن اسحاق وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس جھوٹی تہمت میں دو مردوں اور ایک عورت کو حد لگائی تھی وہ مسطح، حسان اور حمنہ تھے، یہ ترمذی نے ذکر کیا ہے۔ قشیری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ابن ابی کو اسی (80) کوڑے لگائے تھے اور اس کے لیے آخرت میں آگ کا عذاب ہے۔ قشیری نے کہا: جو چیز اخبار میں ثابت ہے وہ یہ ہے کہ ابن ابی، حسان اور حمنہ کو سزا ملی تھی رہا مسطح تو اس سے قذف صریح ثابت نہیں ہوا تھا لیکن وہ سنتا تھا اور بغیر صراحت کے اس بات کو پھیلاتا تھا۔ ماوردی وغیرہ نے کہا: اختلاف ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس واقعہ میں ملوث لوگوں کو حد لگائی تھی؟ اس کے متعلق دو قول ہیں ایک یہ کہ کسی کو بھی حد نہیں لگائی گئی تھی کیونکہ حدود اقرار یا دلیل کے ساتھ قائم کی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے صرف اخبار کی بنا پر حدود قائم کرنے کا مکلف نہیں بنایا جس طرح منافقین کو قتل کرنے کا مکلف نہیں بنایا تھا جبکہ ان کے کفر کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی تھی۔

میں کہتا ہوں: یہ فاسد ہے اور بعض قرآن کے مخالف ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا**

بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ جو پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر اپنے قول کی سچائی پر چار گواہ نہ لائیں۔ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً تو انہیں اسی درے مارو۔

دوسرا قول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل الافک (جھوٹ گھڑنے والوں) عبداللہ بن ابی، مسطح بن اثاثہ، حسان بن ثابت اور حمنہ بنت جحش کو کوڑے لگائے۔ اس کے متعلق مسلمانوں کے شاعر نے کہا:

لقد ذاق حسان الذی کان أھلہ	وحمنۃ إذ قالوا ھجیراً ومِسْطَحُ
وابنُ سَلُولَ ذاق فی الحدّ خزیۃ	کما خاض فی إفلک ومن القول یُفصِحُ
تعاطَوْا برجم الغیب زَوْجَ نبیّھم	وسخطۃ ذی العرش الکریم فأبرحوا
وآذَوْا رسول اللہ فیھا فَجُلِّدُوا	مخازِیَ تبقی عُمِّمُوھا وفُضِحوا
فصبت علیھم مُحْصَدات کأنھا	شآبیب قطرمن ذُری المُزْن تَسْفَحُ

میں کہتا ہوں: علماء کے نزدیک مشہور و معروف اخبار سے یہ ہے کہ حسان، مسطح اور حمنہ کو حد لگائی گئی تھی اور عبداللہ بن ابی کی حد کے متعلق نہیں سنا گیا۔ ابوداؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے فرمایا: جب میرا عذر نازل ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور وہ ذکر کیا اور قرآن تلاوت کیا جب آپ منبر سے اترے تو دو مردوں اور ایک عورت کے بارے حکم دیا انہیں حد لگائی گئی (1) اور ان کے نام بھی لیے۔ حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بن جحش۔ طحاوی کی کتاب میں ہے اسی اسی کوڑے۔ ہمارے علماء نے فرمایا: عبداللہ بن ابی کو حد نہیں لگائی گئی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے آخرت میں عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اگر اسے دنیا میں حد لگائی جاتی تو یہ آخرت میں اس کے عذاب کے لیے کمی اور تخفیف کا باعث ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کی گواہی دی اور تہمت لگانے والوں کے جھوٹ کو بیان کیا۔ پس حد کا فائدہ حاصل ہو گیا، کیونکہ مقصود قاذف کا اظہار اور مقذوف کی براءت ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ان مسلمانوں کو حد لگائی گئی تاکہ ان سے قذف کی وجہ سے جو گناہ صادر ہوا وہ معاف ہو جائے اور آخرت میں ان پر کوئی بوجھ نہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود کے بارے میں فرمایا: ''یہ اس کے لیے کفارہ ہیں جس پر یہ حدود قائم کی گئیں'' جیسا کہ حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث میں ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ عبداللہ بن ابی کو حد اس لیے نہ لگائی گئی ہو تاکہ اس کی قوم کی الفت حاصل کی جائے یا اس کے بیٹے کے احترام کی وجہ سے ہو اور متوقع فتنہ کو بجھانے کے لیے ہو اور اس متوقع فتنہ کا آغاز سعد بن عبادہ اور ان کی قوم سے ظاہر بھی ہوا تھا جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا یہ اللہ تعالیٰ کی

1۔ ابوداؤد، کتاب الحدود، باب فی حد القذف، حدیث 3880، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ النور، حدیث 3105، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ابن ماجہ، کتاب الحدود، باب حد القذف، حدیث 2556، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

طرف سے مومنین کو ان کے گمان کی وجہ سے عتاب ہے جب جھوٹے لوگوں نے کہا جو انہوں نے کہا۔ ابن زید نے کہا: مومنوں نے گمان کیا کہ مومن اپنی ماں کے بارے ایسا نہیں کہہ سکتا؛ یہ مہدوی کا قول ہے۔ ولولا بمعنی ھلا ہے۔

بعض نے کہا: اس کا معنی ہے مومن مردوں اور مومن عورتوں کے فضلاء کو اپنے نفسوں پر قیاس کرنا چاہیے تھا۔ اگر ان سے یہ بعید تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان میں بدرجہ اولیٰ بعید تھا۔ روایت ہے کہ صحیح فکر وہ تھی جو حضرت ابوایوب انصاری اور ان کی بیوی سے ظاہر ہوئی تھی۔ وہ اس طرح ہے کہ حضرت ابوایوب، اپنی بیوی کے پاس گئے تو بیوی نے پوچھا: اے ابوایوب! کیا تو نے سنا ہے جو کہا گیا ہے؟ ابوایوب نے کہا: ہاں۔ یہ جھوٹ ہے۔ اے ام ایوب! تو ایسا کرے گی اس نے کہا: نہیں۔ اللہ کی قسم! حضرت ابوایوب نے کہا: اللہ کی قسم! عائشہ تجھ سے افضل ہے۔ ام ایوب نے کہا: ہاں۔ یہ وہ فعل ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے مومنین کو عتاب فرمایا ہے کیونکہ مومنین نے یہ کام نہیں کیا تھا۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بِاَنْفُسِهِمْ نحاس نے کہا: اس کا معنی ہے باخوانھم اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر واجب فرمایا کہ جب وہ کسی کو سنیں کہ وہ کسی پر تہمت لگا رہا ہے یا اس کی برائی بیان کر رہا ہے جو وہ اس کے متعلق نہیں جانتے تو وہ اس کا انکار کریں اور اس شخص کو جھٹلائیں جس نے اس کو ترک کیا، اس کو وعید سنائی اور اسے بھی وعید سنائی جس نے اس بات کو آگے نقل کیا۔

میں کہتا ہوں: اسی وجہ سے علماء نے کہا یہ آیت اصل ہے کہ ایمان کا وہ درجہ جس کو انسان حاصل کرتا ہے اور اصلاح کا وہ مرتبہ جس پر مومن اترتا ہے اور عفاف کا لباس جس کے ساتھ مسلمان کا پردہ ہوتا ہے وہ کسی محتمل خبر سے زائل نہیں ہوتا اگر چہ وہ پھیل بھی جائے جبکہ اس کی اصل فاسد یا مجہول ہو۔

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ یہ جھوٹ گھڑنے والوں کو توبیخ ہے۔ لولا بمعنی ھلا ہے یعنی اپنے اس افترا پر چار گواہ کیوں نہ لائے۔ یہ پہلے حکم پر رد ہے اور سابقہ آیت پر لوٹاتا ہے جو قذف کے بارے میں ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ۝ یعنی وہ اللہ کے حکم میں جھوٹے ہیں کبھی کوئی شخص دلیل پیش کرنے سے عاجز ہوتا ہے حالانکہ وہ قذف میں سچا ہوتا ہے لیکن حکم شرع میں اور ظاہر امر میں جھوٹا ہے نہ کہ علم الٰہی میں جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حدود کو اسی حکم پر مرتب کیا ہے جو دنیا میں مشروع کیا ہے نہ کہ اس اپنے علم کے مقتضی پر جو انسان کے ساتھ متعلق ہے، جس پر وہ ہے اپنے علم کے مطابق آخرت میں اس سے برتاؤ کرے گا۔

میں کہتا ہوں: اس مفہوم کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو امام بخاری نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا: اے لوگو! وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے اب ہم تمہارے ظاہر اعمال کو لیں گے جس نے ہمارے لیے خیر کو ظاہر کیا ہم اسے امن دیں گے اور اپنا قرب بخشیں گے ہمارے لیے اس کے باطن سے کوئی سروکار نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے باطن کا محاسبہ کرے گا اور جو ہمارے لیے برائی ظاہر کرے گا ہم اسے نہ امن دیں گے اور نہ ہم اس کی تصدیق کریں گے اگر چہ

وہ کہے کہ اس کا باطن اچھا تھا۔ علماء کا اجماع ہے کہ دنیا کے احکام ظاہر پر مبنی ہیں اور دل کے بھید اللہ کے سپرد ہیں (1)۔

مسئلہ نمبر 11۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ، سیبویہ کے نزدیک فضل پر رفع مبتدا کی حیثیت سے ہے اور اس کی خبر محذوف ہے عرب اس کو ظاہر نہیں کرتے اور لولا کا جواب حذف ہے کیونکہ اس کے بعد اس کی مثل ذکر کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتو جو کچھ تم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کہا ہے اس کے سبب دنیا وآخرت میں تمہیں عذاب عظیم لاحق ہوتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب بلیغ ہے لیکن اس نے اپنی رحمت سے دنیا میں متہم پر پردہ فرمایا اور آخرت میں بھی اس پر رحم فرمائے گا جو توبہ کرے گا۔ الافاضۃ کا معنی ہے حدیث (بات) میں پڑنا۔ اس پر عتاب واقع ہوا ہے کہا جاتا ہے: افاض القوم فی الحدیث قوم اس بات میں پڑ گئی۔

مسئلہ نمبر 12۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ محمد بن سمیقع نے تا کے ضمہ، لام کے سکون اور قاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی القاء سے مشتق کیا ہے یہ قرأت واضح ہے اور حضرت ابی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اذ تتلقونہ، التلقی سے مشتق کر کے دو تا کے ساتھ پڑھا ہے۔ قراء سبعہ کے جمہور نے ایک تا اور ذال کے اظہار کے ساتھ بغیر ادغام کے پڑھا ہے۔ یہ بھی التلقی سے مشتق ہے۔ ابو عمرو، حمزہ اور کسائی نے تا میں ذال کو ادغام کر کے پڑھا ہے۔ ابن کثیر نے ذال کے اظہار اور تا کے تا میں ادغام کے ساتھ پڑھا ہے۔ قلقہ قرأت ہے کیونکہ یہ اجتماع ساکنین کا تقاضا کرتی ہے۔ یہ فلا تناجوا اور ولا تنابزوا پڑھنے والوں کی قرأت میں ادغام کی طرح نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے الف ساکن ہے اور اس کا حرف لین ہونا وہاں اچھا ہے جو ذال کے سکون کے ساتھ اچھا نہیں۔ ابن یعمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ تمام لوگوں سے زیادہ اس معاملہ کو جانتے تھے اس کو اذ تلقونہ تا کے فتحہ، لام کے کسرہ اور قاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس قرأت کا معنی عربوں کے اس قول سے ہے: ولق الرجل یلق ولقاً جب کوئی جھوٹ بولے اور اس پر متواتر جھوٹ بولتا رہے۔ وہ متعدی کو غیر متعدی پر شاہد لائے ہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: میرے نزدیک انہوں نے اذ تلقون فیہ کا ارادہ کیا ہے۔

حرف جر کو حذف کیا گیا اور ضمیر کو فعل سے متصل کیا گیا۔ خلیل اور ابو عمرو نے کہا: الولق کا اصل معنی جلدی کرنا ہے کہا جاتا ہے: جاءت الابل تلق۔ تیز دوڑتے ہوئے آئے۔ شاعر نے کہا:

لما راؤا جیشا علیھم قد طرق　جاؤا بأسراب من الشأم وَلِق

إن الحُصَيْنَ زَلِق وزُمَّلِق　جاءت بہ عَنْس من الشأمِ تَلِق

کہا جاتا ہے: رجل ذلق وزملق اس کی مثال ھدبدٌ ہے زمالق وزملق۔ میم کی تشدید کے ساتھ وہ شخص جس کو جماع کرنے سے پہلے انزال ہو جاتا ہے۔ راجز نے کہا: اِنّ الحُصَيْنَ زَلِق وزُمَّلِق۔

الولق کا معنی اخف الطعن بھی ہے ولقہ یلقہ ولقاً، ولقہ بالسیف ولقات۔ یعنی تلوار کے کئی وار کیے۔ یہ لفظ مشترک ہے۔

1۔ التمہید، جلد 10، صفحہ 157

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ، افواھکم لفظ مبالغہ، الزام اور تاکید کے لیے ہے۔ تحسبونہ کی ضمیر حدیث، اس میں غور و خوض اور اس کے پھیلانے کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ھینا۔ تھوڑا گناہ یعنی اس میں تمہیں گناہ لاحق نہ ہوگا۔ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ یہ اللہ کے نزدیک (عظیم) بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی مثل ہے جو دو قبور کے بارے میں ہے۔ انھما لیعذبان وما یعذبان فی کبیر یعنی ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور تمہاری نسبت سے انہیں کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا۔

مسئلہ نمبر 14۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ یہ تمام مومنوں کو عتاب ہے، یعنی تمہیں مناسب تھا کہ تم انکار کرتے، اس کو حکایت کرنے اور نقل کرنے میں ایک دوسرے کی معاونت نہ کرتے اور اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے کہ اس کے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ سے ایسا فعل واقع ہو اور تم اس بات پر بہتان کا فیصلہ کرتے۔ بہتان کی حقیقت یہ ہے کہ کسی انسان کے بارے میں ایسی بات کہنا جو اس میں نہ ہو اور غیبت یہ ہے کہ ایسی بات بیان کی جائے جو اس میں ہو۔ یہی مفہوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں آیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایسی حالت کی طرف لوٹنے سے نصیحت فرمائی۔ ان مفعول لاجلہ ہے۔ تقدیر کراھیۃ ان ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ یہ توقیف اور تاکید ہے جیسے تو کہتا ہے: تجھے ایسا ایسا کرنا مناسب ہے اگر تو مرد ہے۔

مسئلہ نمبر 16۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں پھر ایسی بات کرو اللہ تمہیں اس سے نصیحت کرتا ہے کیونکہ اس کی مثل نہیں ہوگا مگر اس قول کے مثل جو بعینہٖ مقول عنہ (جس کے بارے میں بات کی گئی ہے) کے بارے کہا گیا ہے یا اس کے بارے میں جو مرتبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے مرتبہ میں ہوگا، کیونکہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت ہے اس لیے ایسا کرنے والے کی طرف سے یہ کفر ہوگا۔

مسئلہ نمبر 17۔ ہشام بن عمار نے کہا: میں نے امام مالک کو یہ کہتے ہوئے سنا جس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا اس کی تادیب کی جائے گی اور جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو برا بھلا کہا اسے قتل کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ پس جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کی اس نے قرآن کی مخالفت کی۔ ابن عربی نے کہا: اصحاب شافعی نے کہا: جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دی اس کی تادیب کی جائے گی جیسا کہ دوسرے مومنین کے بارے میں ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ یہ قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کفر نہیں ہے یہ اسطرح ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لایومن من لایامن جارہ بوائقہ (1) وہ مومن نہیں ہوگا جس کا پڑوسی اس کی تخریب کاریوں سے محفوظ نہیں۔ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دینے والے کا ایمان حقیقۃً سلب

1۔ صحیح بخاری، اثم من لایامن جارہ بوائقہ، جلد 2، صفحہ 889

ہوتا تو لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مومن (2)۔ کے قول میں زانی کا ایمان بھی حقیقۃً سلب ہوتا۔ ہم کہتے ہیں: جیسا تم نے گمان کیا ہے ایسا نہیں ہے کیونکہ بہتان تراشوں نے حضرت عائشہ صدیقہ مطہرہ رضی اللہ عنہا پر فاحشہ ہونے کا بہتان لگایا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت فرمائی۔ پس ہر وہ شخص جو اسے برا کہتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے برأت فرمائی تو وہ اللہ تعالیٰ کو جھٹلانے والا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کو جھٹلانے والا ہے وہ کافر ہے۔ یہ امام مالک کے قول کا طریق ہے یہ اہل بصائر کے لیے واضح راستہ ہے۔

مسئلہ نمبر 18۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ، ان تشیع کا معنی تفشو (پھیلانا) ہے کہا جاتا ہے: شاع الشیٔ شیوعا وشیعا وشیعانا وشیوعۃ، اس کا معنی ظاہر ہونا، بکھر جانا ہے۔ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی پاکدامن مردوں اور عورتوں میں۔ اس لفظ عام سے مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان ہیں۔ الفاحشۃ ایسا برا فعل جو برائی میں انتہا کو پہنچا ہوا ہو۔ بعض علماء نے کہا: اس آیت میں فاحشۃ سے مراد بری بات ہے۔ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا یعنی عذاب سے مراد حد ہے اور آخرت میں آگ کا عذاب ہے یعنی منافقین کے لیے یہ مخصوص ہے۔ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ حد مومنین کے لیے کفارہ ہے۔ طبری نے کہا: اس کا معنی ہے اگر وہ اصرار کرتے ہوئے بغیر توبہ کے مرے۔

مسئلہ نمبر 19۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاللّٰهُ يَعْلَمُ یعنی اس گناہ کی برائی کی مقدار اور اس پر جزا کو جانتا ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے۔ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ حضرت ابو الدرداء کی حدیث سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے لوگوں میں سے کسی کی جھگڑے میں مدد کی جبکہ اس کو اس کے متعلق کوئی علم ہی نہیں ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ اس سے باز آجائے۔ اور جس شخص نے اللہ کی حدود میں سے کسی حد کے بارے میں سفارش کی کہ وہ اسے نہ لگے تو اس نے حق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی اور اس نے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی طرف پیش قدمی کی اور اس پر متواتر قیامت تک اللہ کی لعنت ہوگی اور جس نے کسی مسلمان کے بارے ایسا کلمہ پھیلایا جس سے وہ بری ہے اس کا خیال ہے کہ وہ دنیا میں اس کے ساتھ اسے عیب دار کردے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اسے اس کی وجہ سے آگ میں ڈالے'' پھر اس کا مصداق کتاب اللہ سے تلاوت کیا: اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔۔۔۔۔ الخ۔

مسئلہ نمبر 20۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ یعنی شیطان کے راستہ اور مذہب پر نہ چلو۔ مطلب یہ ہے کہ اس راستے پر نہ چلو جس کی طرف شیطان بلاتا ہے۔ الخطوات کا مفرد خطوۃ ہے۔ یہ وہ فاصلہ ہوتا ہے جو دو قدموں کے درمیان ہوتا ہے۔ الخطوۃ خاء کے فتحہ کے ساتھ مصدر ہے۔ کہا جاتا ہے: خطوت خطوۃ اس کی جمع خطوات ہے۔ تخطی الینا فلان۔ اسی سے حدیث ہے: انہ رأی رجلاً یتخطی رقاب الناس یوم الجمعۃ۔ (2) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگ رہا تھا۔

جمہور نے خطوات طاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ عاصم اور اعمش نے اسے طاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ جمہور

1۔ صحیح بخاری، الزنی و شرب الخمر، جلد 2، صفحہ 1001

2۔ ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ، باب ماجاء فی النھی عن تخطی الناس یوم الجمعہ، حدیث 1104، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

نے مازکی کو کاف کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی اس نے ہدایت نہیں پائی، وہ سلامت نہ ہوا اور اس نے ہدایت کو نہیں پہچانا۔ بعض علماء نے کہا: مازکی کا مطلب ہے ماصلح اس نے اصلاح نہ کی۔ کہا جاتا ہے: زکا، یز کو زکاء یعنی صلح کرنا۔ حسن اور ابو حیوہ نے اس کو شد کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی اس کا تمہارا تزکیہ کرنا اور تطہیر اور ہدایت دینا یہ اس کے فضل سے ہے، تمہارے اعمال کی وجہ سے نہیں ہے۔ کسائی نے کہا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ جملہ معترضہ ہے۔ اور مَا زَکٰی مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا پہلے اور دوسرے لولا کا جواب ہے۔

مسئلہ نمبر 21۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ روایات سے مشہور ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بن ابی قحافہ اور مسطح بن اثاثہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت مسطح، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خالہ کی بیٹی کا بیٹا تھا یہ بدری صحابہ میں سے تھا۔ مہاجر بھی تھا اور مساکین میں سے تھا۔ یہ مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مطلب بن عبد مناف تھا۔ بعض نے کہا: اس کا نام عوف تھا اور مسطح اس کا لقب تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس کے مسکین ہونے اور اس کی قرابت کی وجہ سے اس پر خرچ کرتے تھے (1)۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان کا واقعہ پیش آیا اور مسطح بھی اس بہتان تراشی میں شامل تھا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھائی کہ وہ اس پر خرچ نہیں کریں گے اور اسے کوئی نفع نہیں پہنچائیں گے۔ مسطح، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور معذرت کی۔ میں حسان کی مجالس میں ہوتا تھا میں سنتا تو تھا لیکن کہتا نہیں تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مسطح سے کہا: تو ہنستا تھا اور اس بات میں تو شریک ہوا۔ پس آپ نے یہ قسم اٹھا دی پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ ضحاک اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مومنین کی ایک جماعت نے ان کے منافع کاٹ دیئے تھے جنہوں نے تہمت لگائی تھی اور کہا: ہم ان سے صلہ رحمی کا معاملہ نہیں کریں گے جنہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں کچھ کہا ہے۔ پس تمام کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ پہلا قول اصح ہے مگر آیت قیامت تک تمام لوگوں کو شامل ہے۔ کوئی صاحب فضل اور خوشحال غصہ نہ کرے اور قسم نہ اٹھائے کہ وہ ایسی صفت والے کو کبھی نفع نہیں پہنچائے گا۔ صحیح نے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب، اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ سے لیکر دس آیات نازل فرمائیں تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا وہ مسطح پر قرابت اور فقر کی وجہ سے خرچ کرتے تھے: اللہ کی قسم! میں اس پر کوئی چیز خرچ نہیں کروں گا۔ اس کے بعد جو اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَ لَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ اَنْ یُّؤْتُوْۤا اُولِی الْقُرْبٰى وَ الْمَسٰكِیْنَ وَ الْمُهٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۖ وَ لْیَعْفُوْا وَ لْیَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک نے کہا: یہ آیت کتاب اللہ میں امید افزا آیت ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف کر دے۔ پھر آپ نے وہ نفقہ مسطح کا جاری کر دیا جو آپ پہلے عطا کرتے تھے اور فرمایا: میں اب بھی ان سے خرچ نہیں روکوں گا۔

مسئلہ نمبر 22۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ قذف اگرچہ گناہ کبیرہ ہے لیکن اعمال کو ضائع نہیں کرتا اللہ تعالیٰ نے اس بہتان کے بعد پھر حضرت مسطح کا ہجرت اور ایمان کے ساتھ وصف بیان فرمایا ہے۔ یہی حکم تمام کبائر کا ہے اللہ تعالیٰ کے شریک

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 373

ٹھہرانے کے علاوہ کوئی بھی گناہ اعمال کو ضائع نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر:65)

مسئلہ نمبر 23۔ اگر کوئی کسی شے پر قسم اٹھائے کہ وہ یہ نہیں کرے گا پھر اس فعل میں بہتری دیکھے تو وہ کردے اور قسم کا کفارہ دے دے یا پہلے قسم کا کفارہ دے اور پھر وہ کام کرے جیسا کہ سورۃ المائدہ میں گزر چکا ہے۔ فقہاء کا خیال ہے کہ جو کسی سنت کو نہ کرنے یا کسی مندوب کو نہ کرنے کی قسم اٹھائے اور ہمیشہ انہیں ادا نہ کرے تو یہ امر اس کی شہادت کو مجروح کر دے گا؛ یہ الباجی نے المنتقی میں ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 24۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ، ولا یاتل کا معنی ہے قسم نہ اٹھائے اس کا وزن یفتعل ہے یہ الیۃ سے مشتق ہے جس کا معنی قسم ہے اسی سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ (بقرہ:226) یہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ ایک جماعت نے کہا: اس کا معنی ہے کمی کرنا۔ یہ الوت من کذا سے مشتق ہے کسی امر میں کوتاہی کرنا۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا (آل عمران:118)

مسئلہ نمبر 25۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ یہ تمثیل اور حجت ہے یعنی جس طرح تم پسند کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کردے تو اسی طرح تم بھی دوسروں کو معاف کرو جو تم سے کم درجہ ہیں۔ یہی مفہوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: من لایرحم لایرحم(1) (جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا) کا ہے۔

مسئلہ نمبر 26۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ آیت کتاب اللہ میں امید افزا ہے کیونکہ اس لفظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تہمت لگانے والے نافرمانوں پر لطف فرمایا ہے۔ بعض علماء نے کہا: کتاب اللہ میں امید افزا آیت ہے: وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ۝ (الاحزاب) اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝ (الشوریٰ) اس آیت میں فضل کبیر کی شرح فرمائی ہے اور اس کے ساتھ مومنین کو بشارت دی ہے اور امید افزا آیات سے یہ بھی ہے۔ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ (الزمر:53) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ (الشوریٰ:19) بعض نے کہا: یہ آیت امید افزا ہے۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ (الضحیٰ) یہ اس لیے ہے کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک امتی کے دوزخ میں رہنے سے راضی نہ ہوں گے۔

مسئلہ نمبر 27۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَنْ يُّؤْتُوْٓا۔ یعنی الا یوتوا، لا کو حذف کیا گیا ہے جیسے شاعر کا قول ہے:

فقلت یمین اللہ ابرح قاعداً

زجاج نے اس کو ذکر کیا ہے اور ابوعبیدہ کے قول پر لا کے اضمار کی ضرورت نہیں۔ ولیعفوا یہ عفا الریح سے مشتق ہے جس کا معنی ہے ہوا کا اثر مٹا دینا، یعنی گناہ معاف کر دینا اور مٹا دینا جس طرح ہوا اثر مٹا دیتی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ

1۔ صحیح بخاری، رحمۃ الولد و تقبیلہ و معانقتہ، جلد 2، صفحہ 887

عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۲۳﴾

"جو لوگ تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر جو انجان ہیں، ایمان والیاں ہیں ان پر پھٹکار ہے دنیا اور آخرت میں اور ان کے لیے عذاب عظیم ہے"۔

اس کے بارے میں دو مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے الْمُحْصَنٰتِ یہ لفظ سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔ علماء کا اجماع ہے کہ پاکدامن مردوں پر تہمت لگانے کا حکم ہے۔ یہ قیاس اور استدلال سے ہے ہم نے سورت کے آغاز میں اس کو بیان کیا ہے۔ الحمد للہ۔ اس آیت سے جو مراد ہیں ان میں اختلاف ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: یہ خصوصاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کے بارے میں ہے (2)۔ ایک قوم نے کہا: یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور تمام ازواج مطہرات کے بارے میں ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک وغیرہما کا قول ہے تو یہ انہیں نفع نہیں دے گی۔ اور جنہوں نے دوسری محصنات (پاکدامن) عورتوں پر تہمت لگائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے توبہ رکھی ہے کیونکہ فرمایا: وَ الَّذِیۡنَ یَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصَنٰتِ ثُمَّ لَمۡ یَاۡتُوۡا بِاَرۡبَعَۃِ شُہَدَآءَ۔ اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے اور ازواج مطہرات کے اوپر تہمت لگانے والوں کے لیے توبہ نہیں ہے؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ بعض نے کہا: یہ اس شخص کے لیے وعدہ ہے جو قذف پر اصرار کرتا ہے اور توبہ نہیں کرتا۔ بعض نے کہا: یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے نازل ہوئی مگر اس سے ہر وہ مراد ہے جو اس صفت سے متصف ہے۔ بعض نے کہا: جو بھی تہمت لگانے والا ہے خواہ جس پر تہمت لگائی گئی ہے مذکر ہو یا مونث ہو۔ تمام لوگوں کو شامل ہے۔ تقدیر اس طرح ہوگی۔ ان الذین یرمون الانفس المحصنات۔ اس میں مذکر اور مونث داخل ہیں؛ یہ نحاس نے اختیار کیا ہے۔ بعض نے کہا: مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ جو عورت ہجرت کرتی تو وہ کہتے یہ بدکاری کے لیے نکلی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ لُعِنُوۡا فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ۔ علماء نے فرمایا: اگر اس آیت سے مراد تہمت لگانے والے مومنین ہیں تو لعنت سے مراد دور کرنا، حد لگانا اور مومنین کو ان سے وحشت دلانا اور ان سے قطع تعلقی کرانا ہے اور ان کا عدالت کے رتبہ سے زائل ہونا ہے اور مسلمانوں کی زبانوں پر اچھی تعریف سے دور ہونا مراد ہے۔ اور جنہوں نے کہا: یہ خاص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو یہ سختیاں عبد اللہ بن ابی اور اس جیسے افراد میں مرتب ہوتی ہے۔ اور جنہوں نے کہا: یہ مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو وہ دور کیے جائیں گے اور ان کے لیے آخرت میں عذاب عظیم ہوگا۔ اور جس نے اسلام قبول کیا تو اسلام پہلے سارے گناہ ختم کر دیتا ہے۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: اس آیت کی تاویل میں خوبصورت قول یہ ہے کہ یہ تمام تہمت لگانے والوں کو شامل ہیں خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ تقدیر یوں ہوگی: ان الذین یرمون الانفس المحصنات۔ اس میں مذکر اور مونث شامل ہیں اسی طرح الَّذِیۡنَ یَرۡمُوۡنَ میں بھی سب شامل ہیں مگر مونث پر مذکر کو غلبہ دیا گیا ہے۔

یَّوۡمَ تَشۡہَدُ عَلَیۡہِمۡ اَلۡسِنَتُہُمۡ وَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ اَرۡجُلُہُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۴﴾

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 373

"وہ یاد کریں اس دن کو جب گواہی دیں گے ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان اعمال پر جو وہ کیا کرتے تھے"۔

عام قرأت تاء کے ساتھ ہے۔ ابو حاتم نے اس کو اختیار کیا ہے۔ اعمش، یحییٰ، حمزہ، کسائی اور خلف نے یشھد یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبید نے بھی اس کو اختیار کیا ہے کیونکہ جار مجرور، اسم اور فعل کے درمیان حائل ہیں معنی یہ ہے اس دن کو یاد کریں جب بعض کی زبانیں بعض پر گواہی دیں گی ان اعمال پر جو وہ قذف اور بہتان میں کرتے تھے۔ بعض علماء نے کہا: اس دن ان کی زبانیں ان کے خلاف گواہی دیں گی اس کے ساتھ جو انہوں نے کلام کی تھی۔ وَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ دنیا میں جو اعمال کیے ہوں گے ان کے متعلق ان کے اعضاء بولیں گے۔

یَوْمَىٕذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ دِیْنَهُمُ الْحَقَّ وَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ ۝۲۵

"اس روز پورا پورا دے گا انہیں اللہ تعالیٰ ان کا بدلہ جس کے وہ حقدار ہیں اور وہ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے"۔

یعنی ان کا حساب اور جزا اللہ تعالیٰ انہیں پوری پوری دے گا۔ مجاہد نے یومئذ یوفیھم اللہ دینھم الحقُ یعنی حق کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس بنا پر کہ وہ اللہ کی صفت ہے۔ ابو عبید نے کہا: اگر لوگوں کے خلاف کی کراہت نہ ہوتی تو بہتر رفع تھا کیونکہ یہ (اللہ) کی صفت ہے اور حضرت ابی کی قرأت کی موافقت بھی ہے۔ یہ اس لیے کہ جریر بن حازم نے کہا: میں نے حضرت ابی کے مصحف میں دیکھا، یَوْمَىٕذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ دِیْنَهُمُ الْحَقَّ۔ نحاس نے کہا: ابو عبید سے یہ کلام غیر پسندیدہ ہے کیونکہ اس نے اس سے حجت پکڑی ہے جو سواد اعظم کے مخالف ہے۔ اس میں کوئی حجت نہیں کیونکہ اگر یہ صحیح ہوتا کہ یہ مصحف ابی میں اس طرح ہے تو یومئذ یوفیھم اللہ الحق دینھم۔ کی قرأت جائز ہوتی۔ دینھم، الحق سے بدل ہوتا اور عام قراء کی قرأت پر دینھم الحق کے لیے صفت ہے یہ معنی بہتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجرموں کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ انہیں حق کے ساتھ جزا دے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ هَلْ نُجٰزِیْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝ (سبا) کیونکہ کافر اور مجرم کو اللہ تعالیٰ کا جزا دینا حق اور عدل کے ساتھ ہے اور محسن کو اللہ تعالیٰ کا جزا دینا احسان اور فضل کے ساتھ ہے۔ وَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے دو اسم ہیں۔ ہم نے ان دونوں اسماء کا ذکر کئی مقامات پر کیا ہے اور خصوصاً الکتاب الاسنیٰ میں کیا ہے۔

اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَ الْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ ۚ وَ الطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَ الطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ ۚ اُولٰٓىٕكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ ۝۲۶

"ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے ہیں اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے ہیں اور پاک (دامن) عورتیں پاک (دامن) مردوں کے لیے اور پاک (دامن) مرد پاک (دامن) عورتوں کے لیے ہیں۔ یہ مبرا ہیں ان (تہمتوں) سے جو وہ (ناپاک) لگاتے ہیں ان کے لیے ہی (اللہ کی) بخشش ہے اور عزت والی روزی ہے"۔

ابن زید نے کہا: اس کا معنی ہے عورتوں میں سے خبیث عورتیں (1)، مردوں میں سے خبیث مردوں کے لیے ہیں اسی طرح خبیث مرد، خبیث عورتوں کے لیے ہیں۔ اسی طرح پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے ہیں۔ مجاہد نے ابن جبیر، عطا اور اکثر مفسرین نے کہا: اس کا معنی ہے خبیث کلمات، خبیث مردوں کے لیے ہیں اسی طرح خبیث لوگ، خبیث باتوں کے لیے ہیں اسی طرح پاکیزہ کلمات پاکیزہ لوگوں کے ہیں اور پاکیزہ لوگ پاکیزہ باتوں کے لیے ہیں۔ نحاس نے کہا: معانی القرآن کی کتاب میں کہا: یہ قول اس آیت میں احسن ہے اس قول کی صحت پر دلیل اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ۔ کا ارشاد ہے یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور صفوان رضی اللہ عنہما مبرا ہیں جو خبیث مرد اور خبیث عورتیں کہتی ہیں۔ بعض علماء نے کہا: یہ آیت اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً پر مبنی ہے۔ الخبیثات سے مراد بدکار عورتیں ہیں اور الطیبات سے مراد پاکدامن عورتیں ہیں۔ اسی طرح الطیبون اور الطیبات ہے؛ اس قول کو بھی نحاس نے اختیار کیا ہے یہی ابن زید کے قول کا معنی ہے۔ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ یعنی جنس مراد ہے۔ بعض نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان مراد ہیں پھر جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے جیسا کہ فرمایا: فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ (النساء: 11) یہاں مراد اخوان ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ مبرءون یعنی جوان پر تہمت لگائی گئی ہے اس سے مبرا ہیں۔ بعض اہل تحقیق نے کہا: حضرت یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک شیر خوار بچے کی زبان سے آپ کی برأت کی جو پنگھوڑے میں تھا اور حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگائی گئی تو ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے برأت کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید کے ذریعے آپ کی برأت کی۔ پس اللہ تعالیٰ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کے لیے کسی بچے اور نبی کی براءت کے ساتھ راضی نہ ہوا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے ذریعے بہتان اور تہمت سے آپ کی براءت فرمائی۔

علی بن زید بن جدعان سے مروی ہے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے نو چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو کسی عورت کو عطا نہیں کی گئیں۔ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے ساتھ نکاح کرنے کا حکم دیا گیا تو جبریل میری صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحن میں اترے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے شادی کی تو میں باکرہ تھی میرے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی باکرہ عورت سے نکاح نہیں کیا، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا، آپ کی قبر مبارک میرے حجرے میں بنائی گئی، فرشتے میرے حجرے کو گھیرے رہتے ہیں، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسرے اہل بیت کے پاس ہوتے تو وہ لوگ آپ سے وحی کے دوران جدا ہو جاتے تھے اور اگر آپ پر وحی نازل ہوتی اور میں آپ کے ساتھ لحاف میں ہوتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے جسم سے جدا نہیں فرماتے تھے، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور صدیق کی بیٹی ہوں، میرا عذر آسمان سے نازل ہوا، میں پاکیزہ پیدا کی گئی اور پاکیزہ کے پاس رہی، مجھ سے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ کیا گیا ہے یعنی لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ فرمایا: اس سے مراد جنت ہے (2)۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 187	2۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 374

اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

''اے ایمان والوں نہ داخل ہوا کرو (دوسروں کے) گھروں میں اپنے گھروں کے سوا جب تک تم اجازت نہ لے لو اور سلام نہ کرلو ان گھروں میں رہنے والوں پر یہی بہتر ہے تمہارے لیے شاید تم (اس کی حکمتوں میں) غور وفکر کرو''۔

اس میں سترہ مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا ابن آدم جس کو اللہ تعالیٰ نے کرامت وفضیلت سے نوازا اسے منازل کے ساتھ خاص فرمایا اور انہیں گھروں میں آنکھوں سے اوجھل کر دیا اور علیحدگی میں انہیں لطف اندوز ہونے کا مالک بنایا اور مخلوق پر پابندی لگادی کہ باہر سے انہیں جھانکیں یا مالکوں کی اجازت کے بغیر ان گھروں میں داخل ہوں انہیں پردے کے آداب سکھائے تاکہ کوئی کسی پوشیدہ چیز پر مطلع نہ ہو۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کسی قوم کے گھروں میں ان کی اجازت کے بغیر جھانکا تو ان کے لیے حلال ہے کہ وہ اس کی آنکھ پھوڑ دیں'' (1)۔ اس کی تاویل میں اختلاف ہے؟ بعض علماء نے فرمایا: یہ اپنے ظاہر پر نہیں ہے اگر وہ آنکھ پھوڑ دے گا تو اس پر ضامن ہوگا اور یہ خبر منسوخ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا (النحل: 126) کے نزول سے پہلے کی ہے یہ بھی احتمال ہے کہ یہ بطور وعید ہو حتمی طور پر نہ ہو۔ خبر جب کتاب اللہ کے مخالف ہو تو اس پر عمل جائز نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر میں ایک کلام فرماتے تھے جبکہ مراد کوئی دوسری چیز ہوتی تھی جیسا کہ حدیث میں ہے عباس بن مرداس نے جب آپ کی مدح کی تو آپ نے حضرت بلال کو فرمایا: ''اٹھو اور اس کی زبان کاٹ دو''۔ اس سے مراد یہ تھا کہ اس کو کوئی چیز دے دو، حقیقۃً اس کی زبان کاٹنا مراد نہیں تھا۔ اسی طرح یہاں بھی احتمال ہے کہ آنکھ پھوڑنے کا ذکر ہو اور مراد اس کے ساتھ ایسا عمل کرنا ہو تاکہ اس کے بعد وہ کسی دوسرے کے گھر میں نہ دیکھے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس پر کوئی ضمان اور قصاص نہیں ہے حضرت انس کی حدیث کی وجہ سے۔ ان شاء اللہ یہ صحیح ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

مسئلہ نمبر 2۔ آیت کا شان نزول وہ ہے جو طبرانی وغیرہ نے عدی بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ ایک انصاری عورت نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے گھر میں کبھی ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ میں نہیں چاہتی کہ مجھے اس حالت میں کوئی دیکھے نہ والد اور نہ بیٹا۔ پھر بھی باپ آجاتا ہے وہ مجھ پر داخل ہوتا ہے کبھی کوئی اور میرے اہل خانہ سے میرے پاس آجاتا ہے جبکہ میں اس حالت میں ہوتی ہوں تو پھر میں کیا کروں۔ تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم بتایئے وہ سرائیں اور رہائش گاہیں جو شام کے راستہ پر ہیں ان میں کوئی رہنے والا نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ نے کسی غیر کے گھر میں دخول کی حرمت کی ایک غایت بیان کی ہے اور وہ استیناس ہے اور اس سے مراد اجازت طلب کرنا ہے۔ ابن وہب نے کہا: امام مالک نے کہا ہمارے خیال میں استیناس سے مراد استیذان

1۔ صحیح مسلم، باب تحریم النظر، جلد 2، صفحہ 212

(اجازت طلب کرنا) ہے۔ حضرت ابی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر کی قرأت میں اسی طرح ہے: حتی تستأذنوا و تسلموا علی اھلھا۔ بعض علماء نے فرمایا: تستانسوا کا معنی ہے کوئی عمل کرو اس کے لیے جو گھر میں ہے تاکہ آپ کی آمد محسوس ہو جائے۔ مجاہد نے کہا: کھانسے اور عمل کرے جو ممکن ہو اور اتنی مقدار ٹھہر جائے کہ جس سے اس کی آمد معلوم ہو جائے پھر اس کے بعد داخل ہو۔ طبری نے کہا: اس کا یہی معنی ہے اسی سے یہ ارشاد ہے: فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا (النساء: 6) یعنی تم جان لو۔ شاعر نے کہا:

آنَسَتْ نَبْأَةً وأفزعها القنّ ـاص عصراً وقد دنا الإمساء

میں کہتا ہوں: سنن ابن ماجہ میں ہے ہمیں ابوبکر بن ابی شیبہ نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں عبدالرحیم بن سلیمان نے بتایا انہوں نے واصل بن سائب سے روایت کیا انہوں نے ابوسورہ سے روایت کیا ہے انہوں نے ابوایوب انصاری سے روایت کیا فرمایا: ہم نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ سلام (تو ہم سمجھتے ہیں) یہ استیناس کیا ہے؟ فرمایا: "آدمی تسبیح، تکبیر، تحمید کے ساتھ بولے یا کھانسے اور گھر والوں کو (اپنی آمد سے) آگاہ کرے" (1)۔

میں کہتا ہوں: نص ہے کہ استیناس، استیذان کے علاوہ ہے جیسا کہ مجاہد اور ان کے ہم نوا علماء نے کہا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے بعض لوگوں نے کہا: سعید بن جبیر سے مروی ہے حتی تستانسوا کاتب کی طرف وہم یا خطا ہے۔ یہ حتی تستاذنوا ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ تمام مصاحف اسلام میں حتی تستانسوا ثابت و موجود ہے۔ حضرت عثمان کے زمانہ سے اسی پر اجماع صحیح ہے اس کے خلاف جائز نہیں۔ کاتب پر خطا اور وہم کا اطلاق ایسے لفظ میں جس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے ایسا قول ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ (فصلت)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (الحجر) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حتی تسلموا علی اھلھا و تستأنسوا۔ یہ قول ابوحاتم نے حکایت کیا ہے۔

حضرت ابن عطیہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے اس قول کی جو چیز نفی کرتی ہے وہ یہ ہے کہ تستانسوا معنی میں ثابت ہے کلام عرب میں اس کی وجہ واضح ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: أَسْتَانِسُ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اجازت چاہتا ہوں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت کمرے کے دروازے پر کھڑے تھے۔ یہ حدیث مشہور ہے یہ تقاضا کرتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے انس طلب کیا پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ایسی صورت میں اصحاب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے غلط کہہ سکتے ہیں؟

میں کہتا ہوں: ہم نے حضرت ابوایوب کی حدیث سے ذکر کیا ہے کہ استئناس سلام سے پہلے ہوتا ہے۔ آیت اپنے

1۔ سنن ابن ماجہ، باب الاستیذان، صفحہ 271۔ ایضاً، حدیث نمبر 3696، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

باب پر ہے اس میں کوئی تقدیم وتاخیر نہیں ہے جب داخل ہو تو سلام کرے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 5۔ تین مرتبہ اجازت طلب کرنا سنت ہے تین مرتبہ سے زیادہ اجازت طلب نہ کرے (یعنی گھنٹی چوتھی مرتبہ نہ دے اور دروازہ چوتھی مرتبہ نہ کھٹکھٹائے)۔ ابن وہب نے کہا: امام مالک نے فرمایا اجازت طلب کرنا تین مرتبہ ہے۔ میں پسند نہیں کرتا کہ وہ اس سے زیادہ مرتبہ اجازت طلب کرے مگر وہ سمجھے کہ ابھی تک انہیں سنائی نہیں دیا۔ میں زیادہ مرتبہ اجازت طلب کرنے میں کوئی حرج نہیں دیکھتا جب اسے یقین ہو کہ (گھر والوں کو) سنائی نہیں دیا۔ استیذان (اجازت طلب کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی کہے: السلام علیکم! کیا میں داخل ہو سکتا ہوں اگر اسے اجازت دی جائے تو داخل ہو جائے اگر اسے واپس جانے کا حکم ہو تو واپس چلا جائے اگر سکوت کیا گیا ہو تو تین مرتبہ اجازت طلب کرے پھر تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کے بعد واپس چلا جائے۔ ہم نے کہا: اجازت طلب کرنا تین بار ہے اس پر زیادتی نہیں کی جائے گی کیونکہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کی حدیث ہے جس پر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ عمل کیا تھا اس کی گواہی حضرت ابو موسیٰ کے لیے حضرت ابو سعید الخدری نے دی تھی پھر ابی بن کعب نے دی تھی یہ مشہور حدیث ہے جس کو الصحیح نے نقل کیا ہے اور یہ نص صریح ہے کیونکہ اس میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمارے پاس آنے سے تجھے کیا مانع تھا؟ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے کہا: میں آیا میں نے تمہارے دروازے پر تین مرتبہ سلام کیا مجھ پر جواب نہ آیا تو میں واپس چلا گیا کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی تین مرتبہ اجازت طلب کرے پھر اسے اجازت نہ دی جائے تو وہ واپس چلا جائے'' (1)۔ رہا وہ جو ہم نے استیذان کی صورت ذکر کی ہے اسے ابو داؤد نے ربعی سے روایت کیا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں تشریف فرما تھے اس نے پوچھا: میں داخل ہو جاؤں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خادم کو فرمایا: ''تم اس کی طرف جاؤ اور اسے اجازت طلب کرنا سکھاؤ'' (2)۔ تو خادم نے اسے کہا: تم کہو: السلام علیکم! کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ اس شخص نے یہ سنا تو کہا: السلام علیکم! کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اجازت دی تو وہ داخل ہو گیا (3)۔ اس کو طبری نے ذکر کیا ہے اور کہا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی لونڈی کو کہا اس کو روضہ کہا جاتا تھا۔ اس کو کہو کہ یہ کہے السلام علیکم! کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ایک دن گرمی نے اذیت دی تو وہ ایک قریشی عورت کے خیمہ پر آئے اور کہا: السلام علیکم! کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ اس عورت نے کہا: سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ پھر آپ نے سوال لوٹایا تو اس نے یہی جواب دیا پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس عورت سے کہا: تو کہہ داخل ہو جا۔ اس عورت نے یہ کہا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما داخل ہو گئے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رک گئے جب اس نے سلامتی کے ساتھ داخل ہو جا کہا تھا کیونکہ لفظ میں احتمال تھا کہ اس کی مراد یہ ہو کہ تم سلام کے ساتھ داخل ہو شخصیت کے ساتھ داخل نہ ہو۔

مسئلہ نمبر 6۔ ہمارے علماء نے فرمایا: اجازت طلب کرنا تین مرتبہ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے کیونکہ کلام میں سے غالب یہ ہے جب تین مرتبہ تکرار کیا جائے تو سنا اور سمجھا جاتا ہے اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی کلمہ سے کلام فرماتے

1۔ صحیح بخاری، التسلیم والاستیذان ثلاثاً، جلد 2، صفحہ 923 2۔ جامع ترمذی، ماجاء فی أن الاستیذان ثلاثاً، جلد 2، صفحہ 94

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب ابواب النوم، باب کیف الاستئذان، حدیث 4508، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

تو اسے تین مرتبہ دہراتے تاکہ اسے سمجھا جائے۔ جب آپ کسی قوم پر سلام کرتے تو تین مرتبہ سلام کرتے۔ جب یہ غالب مقدار پوری ہو جائے اور پھر بھی جواب نہ آئے تو اس کا مطلب ہے گھر کا مالک اجازت دینے کا ارادہ نہیں رکھتا یا شاید جواب سے کوئی عذر مانع ہے جس کو قطع کرنا ممکن نہیں۔ پس اجازت طلب کرنے والے کو واپس چلا جانا چاہیے، کیونکہ اس پر زیادتی گھر کے مالک کو پریشان کرے گی۔ بعض اوقات اصرار اذیت دیتا ہے حتی کہ جس کام میں مشغول ہوتا ہے وہ منقطع ہو جاتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوایوب کو فرمایا جب آپ ﷺ نے اجازت طلب کی تو وہ جلدی سے باہر آ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''شاید ہم نے تجھ پر جلدی کی ہے'' (الحدیث) (1)۔ عقیل نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے فرمایا: رہا تین مرتبہ سلام کہنا سنت تو اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ حضرت سعد بن عبادہ کے پاس تشریف لے آئے اور فرمایا: ''السلام علیکم!'' (2) گھر والوں نے جواب نہ دیا پھر نبی پاک ﷺ نے کہا: ''السلام علیکم!'' پھر انہوں نے جواب نہ دیا تو نبی پاک ﷺ واپس لوٹ آئے۔ جب حضرت سعد نے پھر سلام کی آواز نہ پائی تو وہ جان گئے کہ نبی پاک ﷺ واپس تشریف لے گئے ہیں۔ حضرت سعد آپ ﷺ کے پیچھے نکلے اور آپ کو ملے اور عرض کی: وعلیکم السلام! یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے آپ کا سلام سن لیا تھا۔ نبی پاک ﷺ حضرت سعد کے ساتھ واپس تشریف لائے اور حضرت سعد کے گھر میں داخل ہوئے (3)۔ ابن شہاب نے کہا: آپ کی طرف سے تین مرتبہ سلام فرمایا گیا ہے۔ اس کو ولید بن مسلم نے اوزاعی سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے یحییٰ بن کثیر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھے محمد بن عبدالرحمٰن بن سعد بن زرارہ نے بتایا انہوں نے قیس بن سعد سے روایت فرمایا نبی پاک ﷺ حضرت معاذ کے گھر تشریف لائے اور کہا: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ!'' انہوں نے کہا: حضرت سعد نے آہستہ سے جواب دیا۔ قیس نے کہا میں نے کہا: کیا آپ ﷺ کو اجازت نہیں دیتے؟ انہوں نے کہا: ''چھوڑو تا کہ آپ کثرت سے ہم پر سلام فرمائیں'' (الحدیث)۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے اس میں یہ نہیں ہے کہ ابن شہاب نے کہا تین مرتبہ سلام کرنا آپ کی طرف سے کیا گیا ہے۔ ابوداؤد نے کہا: عمر بن عبدالواحد اور ابن سماعہ نے اوزاعی سے مرسلاً روایت کیا ہے ان دونوں حضرات نے قیس بن سعد کا ذکر نہیں کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اجازت طلب کرنا، اس پر لوگوں نے عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ ہمارے علماء نے کہا: کیونکہ لوگوں نے اب دروازے بنا لیے ہیں اور ان کو کھٹکھٹایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن بسر سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی پاک ﷺ جب کسی قوم کے دروازے پر آتے تو دروازے کے سامنے کھڑے نہ ہوتے تھے بلکہ دروازے کی دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے: ''السلام علیکم، السلام علیکم'' (4)۔ یہ اس لیے تھا کیونکہ اس وقت دروازوں پر پردے نہیں ہوتے تھے۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 30
2۔ جامع ترمذی، باب ماجاء فی افشاء السلام، جلد 2، صفحہ 94
3۔ ابوداؤد، باب کیف الاستئذان، حدیث 4511، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
4۔ سنن ابی داؤد، کم مرۃ یسلم الرجل فی الاستئذان، جلد 2، صفحہ 349

مسئلہ نمبر 8۔ اگر دروازہ بند ہوتا تو آنے والا جہاں چاہے کھڑا ہو اور اجازت طلب کرے اگر چاہے تو دروازہ کھٹکھٹائے کیونکہ یہ حضرت ابوموسیٰ نے روایت کیا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں مدینہ طیبہ میں کنویں کے منڈیر پر تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنویں میں اپنی ٹانگیں لمبی کر دیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھٹکھٹایا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا: ''اسے اجازت دو اور جنت کی بشارت بھی دو'' (1)۔ اسی طرح عبدالرحمن بن ابی الزناد نے اس کو روایت کیا ہے۔ صالح بن کیسان، یونس بن یزید نے ان کی متابعت کی ہے۔ ان تمام نے اس کو ابوالزناد سے انہوں نے ابوسلمہ سے انہوں نے عبدالرحمن بن نافع سے انہوں نے حضرت ابوموسیٰ سے روایت کیا ہے۔ محمد بن عمرو لیثی نے ان کی مخالفت کی ہے انہوں نے ابوالزناد سے انہوں نے ابوسلمہ سے انہوں نے نافع بن عبدالحارث سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کی ہے۔ پہلی سند صحیح ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ کھٹکھٹانے کا طریقہ یہ ہے کہ آہستہ سے کھٹکھٹایا جائے حتیٰ کہ سن لیا جائے۔ سختی سے نہ کھٹکھٹائے۔ حضرت انس بن مالک نے روایت کیا ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے ناخنوں سے کھٹکھٹائے جاتے تھے؛ یہ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب نے اپنی جامع میں روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ بخاری و امام مسلم وغیرہما نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے (2) فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت طلب کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کون ہے؟'' میں نے کہا: میں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں میں''۔ گویا آپ نے ''میں'' کہنا ناپسند کیا (3)۔ ہمارے علماء نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے یہ ناپسند فرمایا تھا کیونکہ میں کے لفظ سے تعریف حاصل نہیں ہوتی اس میں حکم یہ ہے کہ اپنا نام ذکر کرے جس طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ نے کیا تھا، کیونکہ نام کے ذکر کرنے میں سوال اور جواب کی کلفت ساقط ہو جاتا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بالاخانہ میں تشریف فرما تھے عرض کی: السلام علیك یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! السلام علیکم أیدخل عمر (4) (کیا عمر داخل ہو سکتا ہے؟) صحیح مسلم میں ہے حضرت ابوموسیٰ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: السلام علیکم۔ یہ ابوموسیٰ ہے۔ السلام علیکم۔ یہ اشعری ہے (الحدیث)۔

مسئلہ نمبر 11۔ خطیب نے اپنی جامع میں علی بن عاصم واسطی سے روایت کیا ہے فرمایا: میں بصرہ میں آیا تو شعبہ کے گھر آیا میں نے ان کا دروازہ کھٹکھٹایا انہوں نے پوچھا: کون؟ میں نے کہا: میں۔ انہوں نے کہا: اے شخص! میرا تو کوئی ایسا دوست نہیں جس کو ''میں'' کہا جاتا ہو۔ پھر وہ میری طرف نکلے اور کہا: مجھے محمد بن منکدر نے بتایا انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا فرمایا: میں کسی کام کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ میں نے ان کا دروازہ کھٹکھٹایا انہوں نے پوچھا: کون؟ میں نے کہا: میں۔ انہوں نے کہا: ''میں میں'' (5)۔ گویا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اس قول کو ناپسند فرمایا۔

1۔ صحیح بخاری، الفتنۃ التی تموج کموج البحر، جلد 2، صفحہ 1051

2۔ ایضاً، اذا قال من ذا فقال أنا، جلد 2، صفحہ 923

3۔ سنن ابی داؤد، دق الباب عند الاستیذان، جلد 2، صفحہ 349

4۔ ابوداؤد، باب فی الرجل یفارق الرجل ثم یلقاہ، حدیث 4525

5۔ سنن ابی داؤد، دق الباب عند الاستیذان، جلد 2، صفحہ 349

عمر بن شیبہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ہمیں محمد بن سلام نے بتایا انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا فرمایا: میں نے عمرو بن عبید کا دروازہ کھٹکھٹایا انہوں نے پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا: میں۔ انہوں نے کہا: غیب تو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ خطیب نے کہا: میں نے علی بن محسن قاضی کو بعض شیوخ سے یہ حکایت کرتے ہوئے سنا کہ جب ان کا دروازہ کھٹکھٹایا جاتا وہ پوچھتے: کون؟ دروازے پر کھڑا شخص کہتا میں تو شیخ صاحب فرماتے: انا (میں) ھَمُ دقّ۔

مسئلہ نمبر 12۔ ہر قوم کا استیذان میں اپنا عرف ہے جیسا کہ ابو بکر خطیب نے مسنداً ابو عبد الملک مولی ام مسکین بنت عاصم بن عمر بن خطاب سے روایت کیا ہے فرمایا: مجھے میری مالکن نے حضرت ابو ہریرہ کے پاس بھیجا وہ میرے ساتھ آئے جب دروازے پر کھڑے ہوئے تو فرمایا: اندرایم؟ میری مالکن نے کہا: اندرون۔ انہوں نے عنوان باندھا ہے۔ ''باب الاستیذان بالفارسیۃ'' (عجمی زبان میں اجازت طلب کرنا) احمد بن صالح سے روایت کیا گیا ہے فرمایا: دراوردی اہل اصبہان سے تھے مدینہ طیبہ آئے تو جو شخص ان کے پاس آنے کا ارادہ کرتا اسے کہتے اندرون۔ اہل مدینہ نے اس کا لقب دراوردی رکھا۔

مسئلہ نمبر 13۔ ابو داؤد نے حضرت کلدۃ بن حنبل سے روایت کیا ہے کہ حضرت صفوان بن امیہ نے اسے بارگاہ رسالت میں دودھ، ہرن کا بچہ اور ضغابیس (ایک قسم کی بوٹی ہے جو سرکہ اور تیل میں پکا کر کھائی جاتی ہے) دے کر بھیجا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی بالائی طرف میں تھے۔ میں حاضر ہوا اور میں نے سلام نہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو واپس جا اور کہہ السلام علیکم''۔ یہ حضرت صفوان بن امیہ کے اسلام لانے کے بعد کا واقعہ ہے (1)۔ ابو زبیر نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو سلام سے آغاز نہ کرے اسے اجازت نہ دو''۔ ابن جریج نے ذکر کیا ہے کہ عطا نے مجھے بتایا کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: جب کوئی شخص کہے: کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ اور سلام نہ کرے تو تم کہو: نہیں حتی کہ تو چابی لے آئے۔ میں نے پوچھا: چابی سے مراد السلام علیکم ہے؟ فرمایا: ہاں۔ روایت ہے کہ حضرت حذیفہ کے پاس ایک شخص آیا اس نے جو کچھ گھر میں تھا اسے دیکھا پھر کہا: السلام علیکم کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ حضرت حذیفہ نے کہا: اپنی آنکھوں کے ساتھ تو تو داخل ہو چکا ہے اور سرین کے ساتھ داخل نہیں ہوا ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ اس مسئلہ میں یہ بھی ہے جو ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک شخص کا دوسرے شخص کی طرف اپنا پیغام رسان بھیجنا اس کی طرف سے اجازت ہے'' (2) یعنی اس نے اسے بلا بھیجا تو اس نے اسے اندر داخل ہونے کی اجازت دی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس کی وضاحت کرتا ہے: ''جب تم میں سے کسی کو کھانے پر بلایا جائے اور وہ پیغام رساں کے ساتھ آئے تو یہ اس کے لیے اجازت ہے''۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔

1۔ ابوداؤد، کتاب ابواب النوم کیف الاستئذان، حدیث 4507۔

ترمذی، کتاب الاستئذان، باب ماجاء فی التسلیم قبل الاستئذان، حدیث 2634

2۔ سنن ابی داؤد، فی الرجل یدعی أیکون ذالک أذنہ، جلد 2، صفحہ 349

مسئلہ نمبر 15۔ جب نظر پڑھ جائے تو سلام متعین ہو جاتا ہے اندر والے کا تجھے دیکھنا تیرے داخل ہونے کے لیے اذن نہ ہوگا جب تک تو سلام کا حق ادا نہ کرے گا کیونکہ تو اس پر وارد ہونے والا ہے۔ تو کہے گا: کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ وہ اگر تجھے اجازت دے تو فبہا ورنہ تو واپس لوٹ آئے۔

مسئلہ نمبر 16۔ یہ تمام احکام اس گھر کے بارے میں ہیں جو تمہارا نہیں ہے۔ رہا تمہارا اپنا گھر تو اگر اس میں تمہارے اہل ہیں تو پھر ان سے اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں مگر تو ان پر سلام کر جب بھی تو داخل ہو۔ قتادہ نے کہا: جب تو اپنے گھر میں داخل ہو تو اپنے گھر والوں پر سلام کر وہ سب سے زیادہ حق دار ہیں (1) جنہیں تو سلام کرتا ہے اگر اس گھر میں تیرے ساتھ تیری والدہ یا تیری ہمشیرہ ہے تو علماء فرماتے ہیں: پہلے تو کھانسی کر اور زمین پر زور سے پاؤں مارتا کہ وہ تیری آمد کے متعلق آگاہ ہو جائیں کیونکہ تیرے اور تیرے اہل کے درمیان تو کوئی حشمت نہیں لیکن والدہ اور ہمشیرہ کبھی ایسی حالت میں ہوتی ہیں جس میں تو انہیں دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ ابن القاسم نے کہا: امام مالک نے فرمایا: آدمی اپنی والدہ اور اپنی ہمشیرہ سے اجازت طلب کرے جب وہ ان کے پاس جانے کا ارادہ کرے۔ عطا بن یسار نے روایت کیا ہے ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: کیا میں اپنی والدہ سے بھی اجازت طلب کروں؟ فرمایا: ''ہاں''۔ اس شخص نے عرض کی: حضور! میں اس کی خدمت کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو اجازت طلب کر''۔ تین مرتبہ یہی سوال و جواب ہوا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تو اسے برہنہ حالت میں دیکھنا پسند کرتا ہے؟'' اس نے کہا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر تو اس سے اجازت طلب کر''۔ یہ طبری نے ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 17۔ اگر اپنے گھر میں داخل ہو جس میں اور کوئی نہیں رہتا تو ہمارے علماء نے کہا: وہ کہے: السلام علینا من ربنا التحیات الطیبات المبارکات للہ السلام۔ اس کو ابن وہب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ قتادہ نے کہا: جب تو ایسے مکان میں داخل ہو جہاں کوئی نہیں ہے تو تو کہہ: السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔ اس کا تجھے حکم دیا گیا ہے فرمایا: ہمارے لیے ذکر کیا گیا ہے کہ فرشتے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ ابن عربی نے کہا: صحیح سلام اور استیذان کا ترک ہے۔ واللہ اعلم۔ میں کہتا ہوں: قتادہ کا قول بہتر ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝۲۸

''پھر اگر نہ پاؤ ان گھروں میں کسی کو (جو تمہیں اجازت دے) تو نہ داخل ہو ان میں یہاں تک کہ اجازت دی جائے تمہیں اور اگر کہا جائے تمہیں کہ واپس چلے جاؤ یہ (طرز معاشرت) بہت پاکیزہ ہے تمہارے لیے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب جاننے والا ہے''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

1۔ ترمذی، باب ماجاء فی التسلیم اذا دخل بیتہ، حدیث 2622

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَاۤ اَحَدًا۔ فِيْهَاۤ میں ضمیر کا مرجع دوسروں کے گھر ہیں۔ طبری نے مجاہد سے حکایت کیا ہے انہوں نے کہا: فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَاۤ اَحَدًا کا معنی یہ ہے کہ تمہارا ان کے گھروں میں سامان نہ ہو۔ طبری نے اس تاویل کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اسی طرح یہ انتہائی ضعف میں ہے گویا مجاہد کا خیال ہے کہ وہ گھر جن میں کوئی رہنے والا نہیں تو ان میں بغیر اجازت کے داخل ہو سکتا ہے جب داخل ہونے والے کا اس میں سامان ہو۔ انہوں نے المتاع کے لفظ سے متاع البیت مراد لیا ہے۔ جو کالین اور کپڑے وغیرہ ہیں یہ سب ضعیف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ آیت ماقبل آیت سے اور احادیث سے منسلک ہے۔ تقدیر یوں ہے: یایھا الذین آمنوا لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستأنسوا وتسلموا فان اذن لکم فادخلوا والا فارجعوا۔ یعنی اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ گھروں میں داخل نہ ہو حتی کہ تم اجازت طلب کر لو اور سلام کر لو اگر تمہیں اجازت دی جائے تو داخل ہو جاؤ ورنہ واپس چلے جاؤ جیسا کہ حضرت سعد کے ساتھ نبی پاک ﷺ نے کیا تھا اور حضرت ابوموسیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا تھا۔ اگر تم ان میں کسی کو نہ بتاؤ جو تمہیں اجازت دے تو تم ان میں داخل نہ ہو حتی کہ تم اجازت پالو۔ طبری نے قتادہ سے سند کے ساتھ روایت کیا فرمایا ایک مہاجر نے کہا: میں ساری عمر اس آیت پر عمل کو تلاش کرتا رہا میں نے نہیں پایا کہ میں کسی دوست سے اجازت طلب کروں اور وہ مجھے کہے: لوٹ جاؤ پھر میں لوٹ جاؤں جبکہ میں خوش ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ۔

مسئلہ نمبر 2۔ خواہ دروازہ بند ہو یا کھلا ہو کیونکہ شرع نے دخول کی تحریم کے ساتھ اس کو بند کر دیا ہے حتی کہ اس کے مالک کی اجازت اسے کھول دے بلکہ اس پر واجب ہے کہ دروازے پر آئے اور اجازت کا اس طریقہ پر ارادہ کرے جس سے گھر پر مطلع نہ ہو نہ آنے میں اور نہ لوٹنے میں گھر پر آگاہی ہو۔ ہمارے علماء نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: جس نے اپنی آنکھوں کو گھر کے صحن سے بھرا اس نے فسق کا ارتکاب کیا۔ صحیح نے حضرت سہل بن سعد سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے نبی پاک ﷺ کے دروازے کی دراز سے جھانکا جبکہ نبی پاک ﷺ کے ہاتھ میں کنگھی تھی جس کے ساتھ آپ سر کو کنگھی کر رہے تھے نبی پاک ﷺ نے اسے فرمایا: ”اگر میں جانتا کہ تو دیکھ رہا ہے تو میں تیری آنکھوں میں اس کے ساتھ مارتا۔ اللہ تعالیٰ نے دیکھنے کی وجہ سے اذن کو مقرر کیا ہے“ (1)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”جو تجھ پر بغیر اجازت کے جھانکے پھر تو کنکری کے ساتھ اس کو مارے اور اس کی آنکھ پھوڑ دے تو تجھ پر کوئی گرفت نہیں ہوگی“۔

مسئلہ نمبر 3۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت شرط ہے تو یہ چھوٹے اور بڑے کی طرف سے ہوگا۔ حضرت انس بن مالک بلوغت سے پہلے نبی پاک ﷺ سے اجازت طلب کرتے تھے، اسی طرح صحابہ کرام اپنے بچوں اور لڑکوں کے ساتھ کرتے تھے اس کا مزید بیان سورت کے آخر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ گھروں کی جاسوسی کرنے والوں کے لیے اور

1۔ جامع ترمذی، من اطلع فی دار قوم بغیر اذنھم، جلد 2، صفحہ 95

گناہوں اور غیر حلال چیزوں کو دیکھنے کے لیے غفلت کی حالت میں دخول کے طلب کرنے والوں کے لیے وعید ہے اور ان لوگوں کے لیے وعید ہے جو ممنوع چیز پر واقع ہوتے ہیں۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿٢٩﴾

"کوئی حرج نہیں تم پر اگر تم داخل ہو ایسے گھروں میں جن میں کوئی آباد نہیں جن میں تمہارا سامان رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو"۔

اس میں دو مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ روایت ہے کہ جب آیت استیذان نازل ہوئی تو بعض لوگ اس میں زیادہ تکلف کرنے لگے وہ کسی کھنڈر یا کسی خالی مقام پر آتے تو سلام کرتے اور اجازت طلب کرتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایسے گھر میں اجازت طلب کرنا اٹھا دیا جہاں کوئی رہنے والا نہ ہو کیونکہ استیذان کی علت یہ ہے کہ حرمات نہ کھلیں تو جہاں کوئی رہنے والا ہی نہیں تو علت ہی نہ پائی گئی اور حکم بھی زائل ہو گیا۔

مسئلہ نمبر 2۔ ان گھروں سے مراد کیا ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت محمد بن حنفیہ، قتادہ اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد ہوٹل ہیں جو راستوں پر ہوتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: ان میں رہتا کوئی نہیں بلکہ یہ ہر مسافر کے آرام کے لیے وقف ہوتے ہیں ان میں ان کا متاع ہوتا ہے یعنی ان کی منفعت سے لطف اندوز ہونا۔ حضرت محمد بن حنفیہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد مکہ کے گھر ہیں۔ اس کو امام مالک کا قول بیان کرتا ہے۔ یہ اس قول کی بنا پر ہیں کہ یہ کسی کی ملکیت نہیں ہیں لوگ سب ان میں شریک ہیں کیونکہ مکہ سختی کے ذریعے فتح کیا گیا تھا۔ ابن زید اور شعبی نے کہا: سبزیوں کی دکانیں ہیں (1)۔ امام ثعلبی نے کہا: وہ لوگ اپنی اشیاء لے کر آتے تھے اور ان مکانوں میں رکھتے تھے اور لوگوں کو کہتے تھے: ادھر آؤ، ادھر آؤ۔ عطا نے کہا: اس سے مراد وہ کھنڈرات ہیں جہاں لوگ پیشاب پاخانہ کے لیے جاتے ہیں اس میں متاع ہے۔ جابر بن زید نے کہا: یہاں متاع سے مراد سامان نہیں ہے اس کے علاوہ حاجت ہے خواہ وہ منزل ہو جہاں لوگ دن یا رات کے وقت ٹھہرتے ہوں یا ایسی کھنڈر جگہ جہاں لوگ قضاء حاجت کے لیے داخل ہوتے ہوں یا ایسا گھر جس کو دیکھا جاتا ہو یہ متاع ہے دنیا کی ہر منفعت متاع ہے۔

ابو جعفر نحاس نے کہا: یہ عمدہ شرح ہے ائمہ مسلمین کے امام کے قول سے اور یہ لغت کے موافق ہے۔ کلام عرب میں متاع کا معنی منفعت ہے اسی سے ہے: امتع اللہ بك۔ اللہ تعالیٰ تجھے منفعت دے۔ اسی سے ہے فَمَتِّعُوهُنَّ (الاحزاب: 49)

میں کہتا ہوں: قاضی ابو بکر بن عربی نے بھی اس کو اختیار کیا ہے۔ اور جنہوں نے متاع کی تفسیر بغیر تغیر کے انتفاع سے کی ہے تو انہوں منفصل کو ڈھانپ دیا اور قول فیصل کو لے آئے اور یہ بیان کیا کہ ان میں داخل ہونے والا وہ ہے جس کے لیے انتفاع میں سے کچھ ہو۔ پس طالب علم مدارس میں داخل ہوتا ہے، رہنے والا ہوٹلوں اور سراؤں میں داخل ہوتا ہے اور گاہک

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 191

سامان خریدنے کے لیے دکان میں داخل ہوتا ہے، پیشاب کرنے والا حاجت کے لیے بیت الخلا میں داخل ہوتا ہے ہر ایک اپنے کام کے لیے آتا ہے۔ رہا ابن زید اور شعبی کا قول تو وہ بھی ایک قول ہے وہ یہ کہ سبزیوں کے مکانات لوگوں کے اموال کی وجہ سے ممنوع ہوتے ہیں ہر داخل ہونے والے کے لیے بالاجماع مباح نہیں ہوتے اور ان میں داخل نہیں ہو سکتا مگر جسے ان کا مالک اجازت دے بلکہ ان کے ارباب لوگوں کو دور کرنے کے لیے مقرر ہوتے ہیں۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝

"آپ حکم دیجیے مومنوں کو کہ وہ نیچے رکھیں اپنی نگاہیں اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی یہ (طریقہ) بہت پاکیزہ ہے ان کے لیے، بیشک اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے ان کاموں پر جو وہ کیا کرتے ہیں"۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ اللہ تعالیٰ نے پردے کے ساتھ نظر کے امر کو ملایا۔ کہا جاتا ہے: غض بصرہ یغضہ غضاً۔ شاعر نے کہا:

اَغُضُّ طَرْفِي مَابَدَتْ لِي جَارَتِي حتى يُوَارِيَ جَارَتِي مَأْوَاهَا

اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر نہیں کیا جس سے نظر کو بچانا ہے اور فرج کی حفاظت کرنی ہے لیکن یہ معلوم ومعروف ہیں اس سے مراد محرم ہے محلل نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں سعید بن ابی حسن نے حسن کو کہا: عجمیوں کی عورتیں اپنے سینے اور اپنے سر کھلے رکھتی ہیں (1)؟ تو آپ نے فرمایا: تو اپنی نظر کو پھیر لے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ۔ قتادہ نے کہا: یعنی ان کے لیے جو حلال نہیں اس سے آنکھیں نیچے رکھیں اور اس سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ۔ یعنی خیانت کرنے والی نظروں سے اور ممنوعہ چیزوں کے ذریعے دیکھنے سے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مِنْ اَبْصَارِهِمْ میں من زائدہ ہے جیسے اس ارشاد میں من زائدہ ہے۔ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۝ (الحاقہ) بعض نے کہا: یہ من تبعیضیہ ہے کیونکہ کچھ دیکھنا مباح ہوتا ہے۔ بعض نے کہا: الغض کا معنی نقصان ہے کہا جاتا ہے: غض فلان من فلان، یعنی اس سے کمی کردی۔ آنکھوں کو جب عمل سے روک دیا گیا ہو تو وہ نیچے کی گئی ہے اور اس میں کمی کی گئی ہے پس من الغض کے متعلق ہو گیا نہ تبعیض کے لیے ہو گا اور نہ زائدہ ہو گا۔

مسئلہ نمبر 3۔ آنکھ، دل کی طرف بہت بڑا دروازہ ہے اور حواس کے طرق کو اس کی طرف بہت زیادہ پہنچاتا ہے۔ اس وجہ سے اس کی بنا پر سقوط بہت زیادہ ہوتا ہے اس سے بچنا بہت ضروری ہے اور تمام محرمات سے آنکھ کا جھکانا واجب ہے اور ہر اس چیز سے آنکھوں کو نیچا کرنا ضروری ہے جس سے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 191

''راستوں پر بیٹھنے سے بچو'' (1)، صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ان مجالس پر بیٹھنا ہماری مجبوری ہے ہم یہاں آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تمہیں ضروری ہے تو راستے کا حق ادا کرو'' (2)۔ صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! راستے کا حق کیا ہے؟ فرمایا: ''آنکھ کا جھکانا، اذیت سے رکنا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا'' (3)۔ اس حدیث کو حضرت ابو سعید خدری نے روایت کیا ہے۔ اس کو بخاری و مسلم نے تخریج کیا ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''غیر محرم کی طرف متواتر نہ دیکھو پہلی نظر معاف ہے، دوسری نظر تجھے معاف نہیں'' (4)۔ اوزاعی نے روایت کیا ہے فرمایا مجھے ہارون بن رئاب نے بیان کیا کہ غزوان اور حضرت ابو موسیٰ اشعری دونوں کسی جنگ میں تھے ایک عورت کا ستر کھل گیا تو غزوان نے اس کی طرف دیکھا پھر اپنا ہاتھ اٹھایا اور اپنی آنکھ پر زور سے طمانچہ مارا حتی کہ آنکھ سوج گئی اور کہا: تو ایسی چیز کی طرف دیکھتی ہے جو تجھے نقصان دیتی ہے جو نفع نہیں دیتی ہے۔ پھر غزوان، حضرت ابو موسیٰ سے ملے اور ان سے ان کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: تو نے اپنی آنکھ پر ظلم کیا ہے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو اور استغفار کرو کیونکہ پہلی نظر دیکھنا اس کے لیے جائز تھا اور اس کے بعد ممنوع تھا۔ اوزاعی نے کہا: غزوان نے اپنے نفس پر ضبط کیا اور کبھی نہ ہنسے حتی کہ وصال ہو گیا۔ صحیح مسلم میں حضرت جریر بن عبد اللہ سے مروی ہے فرمایا: میں نے نبی پاک ﷺ سے اچانک اٹھنے والی نظر کے بارے پوچھا تو آپ ﷺ نے مجھے اپنی آنکھ پھیرنے کا حکم دیا۔ یہ اس کے قول کو تقویت دیتی ہے جو کہتے ہیں کہ من تبعیض ہے کیونکہ پہلی نظر پر کنٹرول نہیں ہوتا وہ خطاب تکلیف میں داخل نہیں کیونکہ اس کا وقوع قصداً نہیں ہوتا اور نہ اس میں انسان کا کسب ہوتا ہے نہ اس کے روکنے کا مکلف ہوتا ہے پس اس لیے تبعیض واجب ہے۔ یہ فرج کے بارے میں نہیں فرمایا کیونکہ اس پر ضبط نہیں ہوتا۔ شعبی نے اپنی بیٹی یا اپنی ماں یا اپنی بہن کو متواتر دیکھنے کو مکروہ کہا ہے۔ ان کا زمانہ ہمارے اس زمانہ سے بہتر تھا اور کسی محرمہ عورت کی طرف بار بار شہوت کی نظر سے دیکھنا حرام ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَہُمْ یعنی اپنی شرمگاہوں کو اس سے چھپاؤ جس کا دیکھنا حلال نہیں ہے۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد ہے زنا سے بچاؤ۔ اس قول کی بنا پر من فروجھم ہوتا تو بھی جائز ہوتا۔ صحیح یہ ہے کہ تمام مفہوم مراد ہیں۔ لفظ عام ہے۔ بہز بن حکیم بن معاویہ قشیری نے اپنے باپ سے انہوں نے ان کے دادا سے روایت کیا فرمایا: میں نے عرض کی یارسول اللہ! ﷺ ہم اپنی شرمگاہوں میں سے کس کو چھپائیں اور کس کو کھلا چھوڑیں؟ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ''اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو مگر اپنی زوجہ اور کنیز اس سے مستثنیٰ ہیں'' (5)۔ اس شخص نے پوچھا: ایک مرد دوسرے مرد کے ساتھ ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اگر تو طاقت رکھتا ہے کہ شرمگاہ کو کوئی نہ دیکھے تو ایسا ضرور کر'' (6)۔ میں نے عرض کی: کبھی انسان تنہا ہوتا ہے۔ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ اس سے حیاء کیا جائے''۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی پاک

1۔ صحیح بخاری، أفنیة الدور والجلوس فیها والجلوس علی الصعدات، جلد 1، صفحہ 333　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً

4۔ ابوداؤد، کتاب النکاح، باب مایؤمر بہ من رد البصر، حدیث 1837، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

5۔ جامع الترمذی، ما جاء فی حفظ العورۃ، جلد 2، صفحہ 103　6۔ ایضاً

صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ اپنی حالت کا ذکر کیا اور فرمایا: نہ میں نے آپ کی شرمگاہ دیکھی اور نہ آپ نے میری شرمگاہ دیکھی۔

مسئلہ نمبر 5۔ اس آیت کی وجہ سے علماء نے بغیر ازار کے حمام میں داخل ہونے کو حرام قرار دیا ہے حالانکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: جو انسان خرچ کرتا ہے اس میں سے بہتر وہ درہم ہے جو وہ خلوت میں حمام کے لیے دیتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ حمام میں داخل ہوئے جبکہ وہ جحفہ میں محرم تھے۔ پس مردوں کے لیے حمام میں ازار کے ساتھ داخل ہونا جائز ہے اسی طرح عورتوں کے لیے ضرورت کے لیے داخل ہونا جائز ہے جیسے حیض ونفاس سے غسل کے لیے یا ایسی مرض کے لیے جو عورتوں کو لاحق ہوتی ہیں عورتوں کے لیے افضل اور اولیٰ یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو وہ اپنے گھروں میں غسل کریں۔ احمد بن منیع نے روایت کیا ہے انہوں نے کہا حسن بن موسیٰ نے ہمیں بتایا انہوں نے کہا ہمیں ابن لہیعہ نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں زبان نے بتایا انہوں نے حضرت سہل بن معاذ سے روایت کیا انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے حضرت ام درداء سے روایت کیا کہ انہوں نے حضرت ام درداء کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ملے جبکہ میں حمام سے نکلی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''ام الدرداء کہاں سے آرہی ہے''(1) انہوں نے کہا: حمام سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جو عورت اپنے گھر کے علاوہ کسی گھر میں کپڑے اتارتی ہے وہ اپنے اور رحمٰن کے درمیان ہر پردے کو پھاڑنے والی ہوتی ہے''۔ ابوبکر بزار نے طاوؤس سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس گھر سے بچو جس کو حمام کہا جاتا ہے'' صحابہ کرام نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم وہ میل کو صاف کرتا ہے۔ فرمایا: ''پھر پردہ کرو''۔ ابومحمد عبدالحق نے کہا: یہ اس باب میں سند کے اعتبار سے اصح حدیث ہے لوگ اس کو طاوؤس سے مرسل روایت کرتے ہیں اور ابوداؤد نے جو اس بارے میں حظر واباحت سے روایت کیا ہے اسانید کے ضعیف ہونے کی وجہ سے کوئی چیز صحیح نہیں ہے، اسی طرح جو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس زمانہ میں حمام میں داخل ہونا اہل فضل اور اہل دین پر حرام ہے کیونکہ لوگوں پر جہالت کا غلبہ ہے اور لوگ اسے سہل سمجھنے لگے ہیں جب وہ حمام کے درمیان میں ہوتے ہیں تو اپنے ازار پھینک دیتے ہیں حتیٰ کہ ہر ایک خوش شکل بزرگ آدمی حمام کے وسط میں کھڑا نظر آتا ہے اس کے باہر والا حصہ اس کی شرمگاہ کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ اسے اپنی رانوں کے درمیان سمیٹے ہوئے ہوتا ہے اور کوئی بھی اسے منع نہیں کرتا یہ معاملہ مردوں میں ہے عورتوں کی کیا حالت ہوگی خصوصاً مصری شہروں میں کیونکہ ان کے حمام تو ان پاکیزہ عورتوں سے خالی ہوتے ہیں جو لوگوں کی نظروں سے چھپتی ہیں۔ لاحول ولا قوۃ إلا باللہ العلی العظیم۔

مسئلہ نمبر 6۔ اگر وہ حمام میں ستر کے ساتھ داخل ہو تو دس شرائط کے ساتھ داخل ہو۔

1- وہ صرف علاج کی نیت سے، پسینہ سے طہارت حاصل کرنے کی نیت سے۔

1۔ مسند احمد بن حنبل، حدیث اُم الدرداء، جلد 6، صفحہ 362

2- خلوت اور لوگوں کے کم ہونے کے وقت داخل ہو۔

3- اپنی شرمگاہ کو موٹے کپڑے سے ڈھانپے۔

4- اس کی نظر زمین کی طرف ہو یا سامنے والی دیوار کی طرف ہو تا کہ کسی ممنوع چیز پر نظر نہ پڑے۔

5- کسی برائی کو دیکھے تو نرمی سے منع کرے وہ کہے: پردہ کر و اللہ تجھ پر پردہ ڈالے۔

6- اگر کوئی شخص اس کے جسم کو مل رہا ہو تو اسے شرمگاہ پر قدرت نہ دے مرد کی شرمگاہ ناف سے گھٹنے تک ہے ہاں بیوی یا کنیزہ ہو تو ان سے ستر کی صفائی کرا سکتا ہے۔ علماء کا اختلاف ہے کہ ران شرمگاہ ہے یا نہیں۔

7- اجرت معلومہ جو شرط کے ساتھ معلوم ہو یا لوگوں کی عادت کے ساتھ معلوم ہو اس کی ادئیگی کے ساتھ داخل ہو۔

8- ضرورت کی مقدار پانی انڈیلے۔

9- اگر وہ تنہا حمام میں داخل ہونے پر قادر نہ ہو تو اس قوم کے ساتھ اتفاق کرے جو اپنے ادیان کی حفاظت کرتے ہیں اپنے کپڑے پر۔

10- جہنم کو یاد کرے اگر یہ سب کچھ ممکن نہ تو اسے پردہ کرنا چاہیے اور آنکھوں کو نیچا رکھنے میں کوشش کرے۔

امام ترمذی ابو عبداللہ نے نوادر الاصول میں طاوس عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس مکان سے بچو جس کو حمام کہا جاتا ہے'' عرض کی گئی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم وہ میل کو دور کرتا ہے اور آگ یاد دلاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم ضرور ایسا کرنے والے ہو تو ستر ڈھانپ کر داخل ہو''(1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بہتر گھر جس میں مسلمان مرد داخل ہوتا ہے وہ حمام ہے۔ یہ اس لیے کیونکہ وہ جب اس میں داخل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرتا ہے اور آگ سے پناہ مانگتا ہے اور برا گھر وہ ہے جس میں مرد داخل ہوتا ہے وہ بیت العروس ہے کیونکہ وہ اسے دنیا کی رغبت دیتا ہے اور اسے آخرت بھلا دیتا ہے''۔ ابو عبداللہ نے کہا: یہ اہل غفلت کے لیے ہے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو اس کے ساتھ جو اس میں ہے اہل غفلت کی تذکیر کا سبب بنایا ہے تا کہ وہ اس کے ذریعے اپنی آخرت کو یاد کریں۔ رہے اہل یقین تو آخرت ہمیشہ ان کی آنکھوں کے سامنے رہتی ہے، نہ انہیں حمام اچھا لگتا ہے اور نہ بیت عروس انہیں اپنی طرف راغب کرتا ہے۔ آخرت کے مقابلہ میں دنیا و مافیہا بہت حقیر ہے حتیٰ کہ دنیا کی تمام نعمتیں ان کی آنکھوں میں ایک بڑے دستر خوان بکھرے ہوئے کھانے کی طرح ہیں اور دنیا کی تمام تکالیف ان کی آنکھوں میں اس قتل کی مانند ہیں جس کے ساتھ اس مجرم یا گنہگار کو سزا دی جاتی ہے جو اہل دنیا کی تمام عقوبات میں سے قتل یا سولی چڑھانے کا مستحق ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ یعنی نظروں کو نیچا کرنا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنا دین میں پاکیزہ ہے اور انسانوں کی میل کچیل سے بہت دور ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ اللہ تعالیٰ جاننے والا بِمَا یَصْنَعُوْنَ ۝ یہ دھمکی اور وعید ہے۔

1۔ جامع ترمذی، ماجاء علی المجالس فی الطریق، جلد 2، صفحہ 97

وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ ۪ وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَ لَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۳۱

''اور آپ حکم دیجئے ایماندار عورتوں کو کہ وہ نیچی رکھا کریں اپنی نگاہیں اور حفاظت کیا کریں اپنی عصمتوں کی اور نہ ظاہر کیا کریں اپنی آرائش کو مگر جتنا خود بخود نمایاں ہو اس سے اور ڈالے رہیں اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں میں اور نہ ظاہر ہونے دیں اپنی آرائشوں کو مگر اپنے شوہروں کے لیے یا اپنے باپوں کے لیے یا اپنے شوہروں کے باپوں کے لیے یا اپنے بیٹوں کے لیے یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے لیے یا اپنے بھائیوں کے لیے یا اپنے بھتیجوں کے لیے اور اپنے بھانجوں کے لیے یا اپنی ہم مذہب عورتوں پر یا اپنی باندیوں پر یا اپنے ایسے نوکروں پر جو (عورت) کے خواہش مند نہ ہوں یا ان بچوں پر جو (ابھی تک) آگاہ نہیں عورتوں کی شرم والی چیزوں پر اور نہ زور سے ماریں اپنے پاؤں (زمین پر) تا کہ معلوم ہو جائے وہ بناؤ سنگار جو وہ چھپائے ہوئے ہیں اور رجوع کرو اللہ تعالیٰ کی طرف سب کے سب اے ایمان والو! تا کہ تم (دونوں جہانوں میں) بامراد ہو جاؤ''۔

اس میں تیئس (23) مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یہاں اللہ تعالیٰ نے تاکید کے طریق پر عورتوں کو خطاب کے ساتھ خاص کیا ہے کیونکہ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ کا قول کافی تھا کیونکہ وہ عام ہے مومنین میں سے مذکر و مونث سب کو شامل ہے جیسا کہ ہر خطاب جو قرآن میں عام ہے۔ یَغْضُضْنَ میں تضعیف ظاہر ہے جبکہ یَغُضُّوْا میں ظاہر نہیں ہے کیونکہ فعل کا لام کلمہ دوسرے میں ساکن ہے اور پہلے میں متحرک ہے یہ دونوں فعل امر کے جواب کی وجہ سے محل جزم میں ہیں۔ فرج کے ذکر سے پہلے غض بصر کا ذکر فرمایا کیونکہ نظر دل کے لیے جاسوس ہے جیسا کہ بخار موت کے لیے جاسوس ہے یہ مفہوم ایک شاعر نے بیان کیا ہے:

ألم تر أن العين للقلب رائد فما تألف العينان فالقلب آلف

آنکھ دل کی جاسوس ہے آنکھیں جس کو پسند کرتی ہے دل بھی اس سے الفت کرتا ہے۔ حدیث میں ہے: ''نظر شیطان کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے جس نے اپنی نظر کو نیچا کیا اللہ تعالیٰ دل میں اسے مٹھاس عطا فرماتا ہے''(1)۔

1۔ المعجم الکبیر، جلد 10، صفحہ 173، حدیث 10362

مجاہد نے کہا: جب عورت آتی ہے تو شیطان اس کے سر پر ہوتا ہے وہ اسے خوبصورت بناتا ہے اس کے لیے جو اسے دیکھتا ہے جب وہ واپس جاتی ہے تو وہ اس کے پچھلے حصہ پر بیٹھا ہوتا ہے وہ اسے مزین کرتا ہے اس کے لیے جو اسے دیکھتا ہے۔ خالد بن ابی عمران سے مروی ہے: متواتر نظر سے نہ دیکھو بعض اوقات بندہ دیکھتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کا دل فاسد ہوتا ہے جس طرح چمڑا خراب ہوتا ہے تو اس سے نفع نہیں اٹھایا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو غیر حلال چیزوں سے نظر نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے پس مرد کے لیے اجنبی عورت کی طرف دیکھنا جائز نہیں اور عورت کے لیے مرد کو دیکھنا جائز نہیں کیونکہ عورت کا مرد سے وہ تعلق ہے جو مرد کا عورت سے تعلق ہے۔ عورت کا مرد سے وہی قصد ہے جو مرد کا عورت سے قصد ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر زنا کا حصہ لکھا ہے تو وہ ضرور اسے پائے گا آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے'' (الحدیث) (1)۔

زہری نے ان عورتوں کو دیکھنے کے بارے فرمایا جن کو حیض نہیں آتا: ایسی عورتوں کو دیکھنا جائز نہیں جن کو دیکھنے کی طرف نظر شوق کرتی ہو اگرچہ وہ چھوٹی بھی ہوں۔ عطا نے ان لونڈیوں کی طرف دیکھنا بھی مکروہ قرار دیا ہے جو مکہ میں بیچی جاتی ہیں مگر وہ خریدنے کا ارادہ کرتا ہے تو دیکھ سکتا ہے۔ صحیحین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل کا چہرہ خشعمیہ عورت سے پھیر دیا تھا جب وہ سوال کر رہی تھی۔ حضرت فضل اس کو دیکھ رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''غیرت ایمان سے ہے اور مذاء نفاق سے ہے'' (2)۔ مذاء یہ ہے کہ کوئی مردوں اور عورتوں کو جمع کرے پھر انہیں چھوڑے وہ ایک دوسرے سے دل لگی کرتے رہیں۔ یہ المذی سے مشتق ہے۔ بعض نے کہا: اس کا مطلب مردوں کو عورتوں کی طرف بھیج دینا۔ یہ عربوں کے اس قول سے ہے: مذیت الفرس گھوڑے کو چرنے کے لیے چھوڑ دینا۔ ہر نر کو مذی آتی ہے اور ہر عورت کو قذی آتی ہے۔ جو عورت اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے اپنی زینت کو ظاہر کرنا حلال نہیں مگر جس کے لیے وہ حلال ہے یا جس پر وہ ہمیشہ کے لیے حرام ہے وہ امن میں ہوتا ہے کہ اس کی طبع ان کی طرف متحرک ہو کیونکہ اسے ان سے مایوسی ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ترمذی نے نبہان مولی ام سلمہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اور حضرت میمونہ کو فرمایا جب ان کے پاس حضرت ابن ام مکتوم تھا ''اس سے پردہ کرو'' انہوں نے عرض کی: حضور! یہ تو نابینا ہے۔ فرمایا: ''کیا تم بھی نابینا ہو کیا تم اسے نہیں دیکھتی ہو'' (3)۔ اگر یہ کہا جائے کہ اہل نقل کے نزدیک یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت ام سلمہ سے روایت کرنے والا راوی آپ کا غلام نبہان ہے اور اس کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی اور اس کی صحت کی تقدیر پر یہ ازواج مطہرات پر ان کی حرمت کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سختی اور تغلیظ ہوگی جس طرح حجاب کے مسئلہ میں

1۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، قدر علی بنی آدم حظہ من الزنا وغیرہ، جلد 2، صفحہ 336

2۔ مجمع الزوائد، کتاب النکاح، باب الغیرۃ، جلد 4، صفحہ 600، حدیث 7725

3۔ جامع ترمذی، کتاب الادب، ماجاء فی احتجاب النساء من الرجال، جلد 2، صفحہ 102۔

ایضاً، سنن ابی داؤد، باب فی قولہ عزوجل وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن، حدیث 3085، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ان پر سختی فرمائی تھی جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ ائمہ نے اشارہ کیا ہے اور صحیح ثابت حدیث کا معنی باقی رہ جاتا ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہ بنت قیس کو ام شریک کے گھر میں عدت گزارنے کا حکم دیا پھر فرمایا: "وہ ایسی عورت ہے جس کے پاس میرے صحابہ آتے ہیں تو ابن ام مکتوم کے گھر عدت گزار کیونکہ وہ نابینا شخص ہے تو اپنے کپڑے اتارے گی تو وہ تجھے نہیں دیکھے گا" (1)۔ ہم کہیں گے: بعض علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ مرد کا وہ حصہ دیکھ سکتی ہے جو مرد کے لیے عورت کا دیکھنا جائز نہیں ہے جیسے سر اور کان، لیکن شرمگاہ دیکھنی جائز نہیں اس بنا پر یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ کے عموم کے لیے مخصص ہوگی اور مِنْ تبعیض کے لیے ہوگا جیسے اس سے پہلی آیت میں تھا۔ ابن عربی نے کہا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام شریک کے گھر سے حضرت ابن ام مکتوم کے گھر کی طرف منتقل ہونے کو کہا کیونکہ ام شریک کے گھر کی نسبت اس میں اس کی بقا کے لیے بہتر تھا، کیونکہ ام شریک کے پاس کثرت سے لوگ آتے جاتے تھے تو اسے بھی دیکھنے والے زیادہ ہوتے اور حضرت ابن ام مکتوم کے گھر میں اسے کوئی دیکھنے والا نہ تھا۔ حضرت ابن مکتوم سے اپنی آنکھ کو روکنا اس کے لیے زیادہ بہتر تھا۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ دیکھنے والوں کے لیے اپنی زیب و زینت ظاہر نہ کریں مگر دیکھنے والوں سے جن کی آیت میں استثناء فرمائی۔ علماء کا اس مقدار میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ظاہر زینت سے مراد کپڑے ہیں (2)۔ ابن جبیر نے چہرے کا بھی اضافہ کیا ہے۔ سعید بن جبیر نے بھی اور عطا اور اوزاعی نے چہرہ، ہتھیلیاں اور لباس فرمایا ہے (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور حضرت مسور بن مخرمۃ نے کہا: ظاہر زینت سے مراد سرمہ، کنگن اور نصف ذراع تک خضاب (مہندی) بالیاں اور انگوٹھی ہے (4)۔ یہ چیزیں ظاہر کرنا مباح ہے ہر اس شخص کے سامنے جو اس کے پاس آئے۔ طبری نے قتادہ سے نصف ذراع کے معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث روایت کی ہے (5) اور دوسری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے فرمایا: "جو عورت اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کے لیے ظاہر کرنا حلال نہیں مگر اپنا چہرہ اور یہاں تک اپنے ہاتھ (نصف ذراع سے پکڑ کر اشارہ کیا)" ابن عطیہ نے کہا: میرے لیے آیت کے الفاظ کا حکم ظاہر ہوا ہے کہ عورت کو زینت ظاہر نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اسے اپنے آپ سے ہر زینت چھپانے کی کوشش کرنے کا حکم دیا گیا ہے (6) جس کو ظاہر کرنے کی استثناء واقع ہوئی ہے وہ ضرورت کے حکم کے ساتھ ہے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے یا اصلاح شان وغیرہ کے لیے ظاہر کرنا ہوتا ہے پس ماظھر اس بنا پر وہ ہوگا جس کی عورتوں میں ضرورت ہے اور وہ معاف ہے۔

میں نے کہا: یہ عمدہ قول ہے مگر عادۃً اور عبادۃً جب چہرہ اور ہاتھ ظاہر کیے جاتے ہیں اور یہ نماز اور حج میں ظاہر ہوتے ہیں تو بہتر ہے کہ استثناء ان دونوں کی طرف راجع ہو اس پر دلیل ابوداؤد کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت اسماء بنت

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، المطلقة البائن لا نفقة لها، جلد 1، صفحہ 483
2۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 377
3۔ ایضاً
4۔ ایضاً
5۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 178
6۔ ایضاً

ابی بکر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی جبکہ اس پر باریک کپڑے تھے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے چہرہ مبارک پھیر لیا اور اسے فرمایا: ''اے اسماء جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کا دیکھا جانا درست نہیں مگر یہ حصہ'' (1) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرے اور اپنی ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کیا (2)۔ یہ احتیاط کی جانب سے اقویٰ ہے اور اس میں لوگوں کے فساد کی بھی رعایت ہے پس عورت اپنی زینت ظاہر نہ کرے مگر چہرے اور ہاتھوں میں سے جو ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق بخشنے والا ہے اس کے سوا کوئی پروردگار نہیں۔ ابن خویز منداد جو ہمارے علماء میں سے ہے انہوں نے کہا: جب عورت خوبصورت ہو اور اس کے چہرے اور ہتھیلیوں سے فتنہ کا اندیشہ ہو تو وہ ان اعضاء کو بھی ڈھانپ لے۔ اگر وہ بوڑھی ہو یا بدصورت ہو تو اس کے لیے چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنا جائز ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ زینت کی دو قسمیں ہیں: ایک خلقی ہے اور دوسری کسبی ہے۔ خلقی زینت اس کا خوبصورت چہرہ ہے وہ زینت کی اصل ہے، خلقت کا جمال ہے اور حیوانیت کا معنی ہے کیونکہ اس میں منافع اور علوم کے راستے ہیں اور کسبی زینت سے مراد بناؤ سنگھار ہے جو عورت اپنی تخلیق کو خوبصورت بنانے کے لیے کرتی ہے جیسے لباس، زیورات، سرمہ اور خضاب اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ (الاعراف: 31) شاعر نے کہا:

يأخُذن زينتهنّ أحسنَ ماترىٰ　وإذا عَطِلن فهنّ خير عواطل

مسئلہ نمبر 5۔ زینت کا ظاہر اور باطن ہے؛ جو ظاہر ہے وہ محارم اور اجانب ہر ایک کے لیے ظاہر کرنا مباح ہے۔ ہم نے علماء کے اقوال اس پر ذکر کر دیے ہیں اور جو باطنی زینت ہے اس کا ظاہر کرنا حلال نہیں مگر ان کے لیے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نام لیا ہے یا جو ان کے قائم مقام ہیں۔ کنگن کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یہ زینت ظاہرہ سے ہے کیونکہ یہ ہاتھوں میں ہوتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: یہ باطنی زینت سے ہے کیونکہ یہ ہتھیلیوں سے خارج ہے یہ بازوؤں پر ہوتے ہیں۔ ابن عربی نے کہا: خضاب زینت باطنی سے ہے جب یہ قدموں میں ہو۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ جمہور نے لام کے سکون کے ساتھ پڑھا (3) ہے جو لام امر کے لیے ہے۔ ابو عمرو نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے اصل پر کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ لام امر کی اصل کسرہ ہے اور اس کے ثقل کی وجہ سے کسرہ کو حذف کیا گیا ہے اور اس کا سکون عضد اور فخذ کے سکون کی طرح ہے۔ اور یضربن امر کی وجہ سے محل جزم میں ہے مگر یہ سیبویہ کے نزدیک ماضی کی اتباع کی وجہ سے ایک حالت پر مبنی کیا گیا ہے۔ اس آیت کا سبب یہ ہے کہ عورتیں اس زمانہ میں جب اپنے سر چادروں کے ساتھ ڈھانپتی تھی تو ان کے پلو پیٹھ پر لٹکا دیتی تھیں۔ نقاش نے کہا: جیسے نبطی لوگ کرتے ہیں پس سینہ، گردن اور کان ڈھانپے ہوئے نہیں ہوتے تھے (4) تو اللہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، فیما تبدی المرأۃ من زینتھا، جلد 2، صفحہ 211

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحمام باب فیما تبدی المرأۃ من زینتھا، حدیث 3580، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 178　　4۔ ایضاً

تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ اپنی چادریں اپنے سینوں پر ڈالیں۔ اس کی ہیئت یہ ہے کہ عورت اپنی چادر اپنے گریبان پر ڈالے تاکہ اس کا سینہ ڈھک جائے۔ امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پہلی مہاجر عورتوں پر رحم فرمائے جب وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ کا ارشاد نازل ہوا تو انہوں نے اپنی چادریں پھاڑ دیں اور ان کے ساتھ اپنے سینوں کو ڈھانپا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آئی جوان کی بھتیجی تھی اور ان کے بھائی عبدالرحمن کی بیٹی تھی اس نے ایسا باریک دوپٹہ کیا ہوا تھا کہ اس سے اس کی گردن وغیرہ نظر آ رہی تھی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس دوپٹہ کو پھاڑ دیا اور فرمایا: ایسا موٹا کپڑا ہونا چاہیے جو چھپا دے۔

مسئلہ نمبر 7۔ الخمر، خمار کی جمع ہے وہ چادر جس کے ساتھ عورت اپنا سر ڈھانپتی ہے اسی سے ہے: أخمرت المرأة وتخمرت وھی حسنة الخمرة (عورت نے دوپٹہ اوڑھا) الجیوب جیب کی جمع ہے اس سے مراد قمیص کا گلہ ہے یہ جوب سے مشتق ہے جس کا معنی کاٹنا ہے۔ مشہور قراءت جیوبھن جیم کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ بعض کوفیوں نے یاء کی وجہ سے جیم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے (1) جیسا کہ ان کی قراءت بیوت اور شیوخ میں ہے۔ قدیم نحوی اس قراءت کو جائز قرار نہیں دیتے وہ کہتے ہیں: بیت اور بیوت جیسے فلس اور فلوس ہے۔ زجاج نے کہا: ضمہ کو کسرہ سے بدلنا جائز ہے اور جو حمزہ سے ضمہ اور کسرہ کو جمع کرنا مروی ہے وہ محال ہے کیونکہ اس کا تلفظ نہیں کر سکتا مگر نا جائز کی طرف اشارہ کرنے پر۔ مقاتل نے کہا: عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ سے مراد علی صدورھن اپنے سینوں پر یعنی اپنے گلوں کے اوپر۔

مسئلہ نمبر 8۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ گریبان کپڑے میں سینے کی جگہ ہوتا ہے اسی طرح سلف صالحین کے کپڑوں میں گریبان سینوں پر ہوتے تھے جیسا کہ ہمارے ہاں اندلس اور مصری دیار میں عورتوں، مردوں اور بچوں وغیرہ کے لیے عورتیں گریبان بناتی ہیں۔ امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے (باب جیب القمیص عند الصدر وغیرہ) قمیص کا گریبان سینے کے پاس ہونا اور امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بخیل اور صدقہ کرنے والے کی مثال ان دو شخصوں کی ہے جن کے اوپر لوہے کے دو جبے ہیں وہ اپنا ہاتھ اپنے سینوں کی طرف بڑھاتے ہیں'' (2)۔ یہ حدیث مکمل پہلے گزر چکی ہے اس میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گریبان کی طرف اپنی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے دیکھا اگر تو (بخیل) کو دیکھے کہ وہ اس جبے کو کھولنا چاہتا ہے تو وہ نہیں کھلتا۔ یہ بیان کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جیب (گریبان) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ پر تھی اگر وہ گریبان آپ کے کندھے پر ہوتا تو آپ کے ہاتھ سینے کی طرف نہ بڑھتے یہ عمدہ استدلال ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ۔ بعل سے مراد کلام عرب میں شوہر اور آقا ہے اور اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حدیث جبریل میں ارشاد ہے: إذا ولدت الأمة بعلها (3) یعنی جب لونڈی اپنے آقا کو جنے گی۔ کثرت

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 178

2۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس، جلد 2، صفحہ 862

3۔ مسند امام احمد حدیث نمبر 9501

فتوحات کی وجہ سے یہ کثرت غلامی کی طرف اشارہ ہے۔ لہٰذا لونڈیوں کی طرف سے اولاد آئے گی اور ہر ام ولد اپنے بیٹے کی وجہ سے آزاد ہو جائے گی۔ تو گویا وہ اس کا وہ آقا ہو گا جس نے آزادی کے ذریعے اس پر احسان کیا ہے کیونکہ لونڈی کو اس کے سبب آزادی حاصل ہو گی؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ارشاد ہے: أعتقها ولدها (1) یعنی اس کے بیٹے نے اس کو آزاد کیا ہے۔ نیز آپ نے آزادی کو اس بچے کی طرف منسوب کیا۔ اور یہ اس حدیث کی عمدہ ترین تاویلات ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔

خاوند اور آقا بیوی اور لونڈی کی زینت دیکھ سکتا ہے اور اکثر زینت کو دیکھ سکتا ہے کیونکہ اس کا پورا بدن اس کے لیے لذت حاصل کرنے اور دیکھنے کے لیے حلال ہے اسی معنی کی بنا پر بعولۃ کا پہلے ذکر فرمایا کیونکہ ان کی ان کے اکثر حصہ پر اطلاع واقع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ (المومنون)

مسئلہ نمبر 10۔ مرد کا عورت کی فرج کی طرف دیکھنے کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے اس میں دو قول ہیں۔ جائز ہے کیونکہ جب اس کے لیے اس سے تلذذ جائز ہے تو دیکھنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ بعض علماء نے کہا: جائز نہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا جب انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی حالت کا ذکر کیا: میں نے آپ کی شرمگاہ نہیں دیکھی اور آپ نے میری شرمگاہ نہیں دیکھی۔ پہلا قول اصح ہے اور یہ حدیث ادب پر محمول ہے؛ یہ ابن عربی کا قول ہے اصبغ جو ہمارے علماء میں سے ہے انہوں نے کہا: مرد کے لیے اپنی زبان سے اسے چاٹنا بھی جائز ہے۔ ابن خویز منداد نے کہا: خاوند اور آقا کے لیے عورت کے تمام بدن اور فرج خارج کو دیکھنا جائز ہے۔ فرج کے باطن کو دیکھنا جائز نہیں اسی طرح عورت کے لیے اپنے خاوند کی شرمگاہ کو دیکھنا جائز ہے اور لونڈی کے لیے اپنے آقا کی شرمگاہ کو دیکھنا جائز ہے۔

میں کہتا ہوں: روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فرج کی طرف دیکھنا اندھے پن کو پیدا کرتا ہے''۔ بعض علماء نے کہا: جو شرمگاہ کو دیکھتا ہے ان کے درمیان اندھا بچہ پیدا ہوتا ہے؛ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 11۔ جب اللہ تعالیٰ نے ازواج کا ذکر کیا تو پھر ان کا ذکر کیا پھر محارم کا ذکر کیا اور زینت کے ظاہر کرنے میں ان کے درمیان برابری رکھی لیکن ان کے مراتب بشر کے نفوس کے مطابق مختلف ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ باپ اور بھائی کا عورت پر کشف، اس کے خاوند کے بیٹے کے کشف سے زیادہ احتیاط کا متقاضی ہے اور جوان کے لیے ظاہر ہونا ہے اس کے مراتب بھی مختلف ہیں باپ کے لیے جو حصہ ظاہر کرنا جائز ہوتا ہے وہ خاوند کے بیٹے کے لیے ظاہر کرنا جائز نہیں ہوتا، قاضی اسماعیل نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ امہات المومنین کو نہیں دیکھتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا انہیں دیکھنا حلال تھا۔ اسماعیل نے کہا: میرا خیال ہے کہ حضرت حسن و حسین کا نظریہ یہ تھا(2) کہ خاوندوں نے بیٹوں کا

1۔ ابن ماجہ، باب امہات الاولاد، 2506، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 179

ذکر اس آیت میں نہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے بارے میں ہے وہ یہ آیت ہے، لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآىِٕهِنَّ (الاحزاب: 55) اور سورۃ النور میں فرمایا: وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت مراد لی ہے اور حسن و حسین نے دوسری آیت مراد لی ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اس سے مراد خاوندوں کی مذکر اولاد ہے اور اس میں اولاد کی اولاد بھی داخل ہے اگرچہ بچے بھی ہوں خواہ وہ مذکر ہوں یا مؤنث ہوں جیسے بیٹوں کے بیٹے اور بیٹیوں کے بیٹے، اسی طرح خاوندوں اور دادوں کے آباء اگرچہ بہت اوپر کے ہوں مذکر کی جہت سے آباء کے آباء اور ماؤں کے آباء۔ اسی طرح ان کے بیٹے اگرچہ بہت نیچے کے ہوں اسی طرح بیٹیوں کے بیٹے اگرچہ وہ بہت نیچے کی ہوں اس میں بیٹوں کی اولاد اور بیٹیوں کی اولاد برابر ہیں۔ اسی طرح ان کی بہنیں خواہ آباء اور امہات کی طرف سے ہوں یا ایک صنف کی طرف سے ہوں، اسی طرح بھائیوں کے بیٹے اور بہنوں کے بیٹے اگرچہ بہت نیچے کے ہوں خواہ مذکر سے ہوں یا مونث سے ہوں جیسے بہنوں کے بیٹوں کے بیٹے اور بہنوں کی بیٹیوں کے بیٹے یہ وہ تمام رشتے ہیں جن سے نکاح حرام ہے کیونکہ یہ ولادت میں سے ہیں اور یہ محارم ہیں۔ یہ مسئلہ سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔ اور جمہور کا خیال ہے کہ چچا، ماموں دیکھنے کے جواز میں دوسرے محارم کی طرح ہیں ان کے لیے وہ حصہ دیکھنا جائز ہے جو دوسرے محارم کے لیے دیکھنا جائز ہے۔ آیت میں رضاع (دودھ والے رشتوں کا) ذکر نہیں یہ بھی نسب کی طرح ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ثعلبی اور عکرمہ کے نزدیک چچا اور ماموں محارم میں سے نہیں ہیں۔ عکرمہ نے کہا: ان کا ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ اپنے بیٹوں کے تابع ہیں۔

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ یعنی مسلمان عورتیں اس میں مومن لونڈیاں بھی داخل ہیں اور اس سے ذمیوں وغیرہ میں سے مشرکوں کی عورتیں خارج ہو جاتی ہیں۔ کسی مومنہ عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے جسم کا کوئی حصہ مشرکہ عورت کے سامنے کھولے مگر یہ کہ وہ اس کی کنیز (لونڈی) ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ابن جریج، عبادہ بن نسی اور ہشام القاری ناپسند کرتے تھے کہ نصرانی عورت، مسلمان عورت کو بوسہ دے یا اس کی شرمگاہ کو دیکھے وہ اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ سے یہ نکالتے تھے۔ عبادہ بن نسی نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو عبیدہ بن جراح کو لکھا کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ ذمیوں کی عورتیں حمامات میں مسلمان عورتوں کے ساتھ داخل ہوتی ہیں انہیں اس سے منع کرو اور ان کے درمیان پردہ کرو (1)، کیونکہ ذمیہ عورت مسلمہ عورت کا ظاہر ہونے والا حصہ نہیں دیکھ سکتی۔ فرمایا: اس وقت حضرت ابو عبیدہ کھڑے ہوئے اور فرمایا: عورت بغیر عذر کے حمام میں داخل ہوتی ہے وہ صرف اپنا چہرہ سفید کرنا چاہتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس دن اس کا چہرہ سیاہ کر دے گا جس دن کچھ چہرے سفید ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مسلمان عورت کے لیے حلال نہیں کہ اسے یہودیہ یا نصرانیہ دیکھے تاکہ وہ اس کا وصف اپنے خاوند سے بیان نہ کرے۔ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے اگر کافرہ مسلمان کی لونڈی ہو تو اس کا اپنی مالکن کو دیکھنا جائز ہے اور اس کے علاوہ نہیں کیونکہ اہل اسلام اور اہل کفر کے درمیان ولایت ختم ہو چکی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 179

ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا تھا۔

مسئلہ نمبر 14۔ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ آیت کا ظاہر غلاموں اور مسلمانوں اور کتابیہ لونڈیوں کو شامل ہے یہ اہل علم کی ایک جماعت کا قول ہے؛ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مذہب کا ظاہر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: غلاموں کا اپنی مالکن کے بالوں کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں (1)۔ اشہب نے کہا: امام مالک سے پوچھا گیا: کیا عورت اپنا دوپٹہ خصی آدمی کے سامنے اتار دے؟ انہوں نے کہا: ہاں خواہ وہ اس کا غلام ہو یا غیر کا غلام ہو۔ رہا آزاد خصی تو اس کے سامنے نہ اتارے اگر وہ بڑا آدمی ہو اور کم عقل ہو نہ اس کی کوئی ہیئت ہو نہ منظر تو وہ اس عورت کے بال دیکھ سکتا ہے۔ اشہب نے کہا: امام مالک نے فرمایا اس میں گنجائش نہیں کہ بیٹے یا بیوی کی لونڈی، باپ یا خاوند کے پاس ہاتھ میں داخل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اشہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ کم عقل گھٹیا غلام اپنی مالکن کے بالوں کو دیکھ سکتا ہے اور اس میں خاوند کے غلام کے لیے یہ پسند نہیں کرتا۔ سعید بن مسیب نے فرمایا: یہ آیت، اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے اس سے مراد لونڈیاں ہیں (2) اس سے مراد غلام نہیں ہیں اور شعبی ناپسند کرتے تھے کہ مملوک اپنی مالکن کے بالوں کو دیکھے؛ یہ مجاہد اور عطا کا قول ہے۔ ابوداؤد نے اس سے روایت کیا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کے پاس ایک غلام لے آئے اور انہیں وہ ہبہ کر دیا (3) اور فرمایا: فاطمہ پر ایک کپڑا تھا جب اس کے ساتھ اپنے سر کو ڈھانپتی تھی تو پاؤں تک نہیں پہنچتا تھا اور جب پاؤں ڈھانپتی تھیں تو سر تک نہیں پہنچتا تھا جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ پریشانی دیکھی تو فرمایا: ''تجھ پر کوئی حرج نہیں ہے یہ تیرا باپ اور تیرا غلام ہے''۔

مسئلہ نمبر 15۔ اللہ تعالیٰ ارشاد ہے: اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ یعنی جن کو حاجت نہیں۔ الاربۃ کا معنی ہے حاجت۔ کہا جاتا ہے: أربت كذا ارب آرباء والارب ولأربة والمارب اس کا معنی حاجت ہے جمع مآرب ہے یعنی حوائج اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿۱۸﴾ (طٰہٰ) میرے لیے اس میں دوسری بھی حاجتیں ہیں یہ پہلے گزر چکا ہے۔ طرفہ نے کہا:

إذا المرء قال الجهل والحوب والخنا　تقدم يوماثم ضاعت مآربه

لوگوں کا اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ کے قول میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: اس سے مراد احمق ہیں جن کو عورتوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بعض نے کہا: اس سے مراد ابلہ ہے۔ بعض نے کہا: اس سے مراد وہ شخص ہے جو قوم کے پیچھے جاتا ہے اور اس کے ساتھ کھانا کھاتا ہے، ان کے ساتھ نرمی کرتا ہے وہ ایسا کمزور ہوتا ہے جو عورتوں کی پروا نہیں کرتا اور ان کا شوق نہیں رکھتا۔ بعض نے کہا: اس سے مراد نامرد ہے۔ بعض نے کہا: خصی ہے۔ بعض نے کہا: مخنث ہے۔ بعض نے کہا: انتہائی بوڑھا شخص ہے۔ بعض نے کہا: وہ بچہ ہے جو بالغ نہیں ہوتا۔ یہ اختلاف ایسا ہے کہ تمام معانی قریب ہیں اور جو نہ سمجھ رکھتا ہو اور نہ کسی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 179
2۔ تفسیر کشاف، جلد 3، صفحہ 232
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، فی العبد ینتظر الی شعر مولاتہ، جلد 2، صفحہ 211

ہمت نہ رکھتا ہو جس کے ساتھ وہ عورتوں کے معاملات کی طرف متوجہ ہو یہ سب کو جامع ہے اس صف پر ہیت خنثہ تھا جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا جب اس کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے محاسن بیان کرتے ہوئے سنا وہ عورت غیلان کی بیٹی بادیہ تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پردہ کرنے کا حکم دیا(1)۔ امام مسلم، ابوداؤد، امام مالک وغیرہم نے اس کی حدیث نقل کی ہے۔ ہشام بن عروہ نے عروہ سے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے ابو عمر نے کہا: عبدالملک بن حبیب نے حبیب کاتب امام مالک نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے امام مالک سے پوچھا: سفیان نے ابنۃ غیلان کی حدیث میں زیادتی کی ہے کہ وہ مخنث جس کو ہیت کہا جاتا ہے اور آپ کی کتاب میں ہیت نہیں ہے؟ امام مالک نے کہا: سچ کہا انہوں نے اسی طرح کہا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے الحمی کی جگہ جلاوطن کر دیا یہ مسجد سے بائیں جانب ذی الحلیفہ کی جگہ ہے۔ حبیب نے کہا میں نے امام مالک سے کہا سفیان نے اپنی حدیث میں کہا ہے: جب وہ بیٹھتی ہے تو ٹانگیں پھیلا کر بیٹھتی ہے جب بولتی ہے تو گاتی ہے۔ امام مالک نے کہا: صحیح کہا وہ اسی طرح تھی۔ ابو عمر نے کہا: حبیب کاتب امام مالک نے کہا جو کچھ سفیان سے ذکر کیا ہے انہوں نے حدیث میں فرمایا یعنی ہشام بن عروہ کی حدیث میں فرمایا: اس خنثیٰ کو ہیت کہا جاتا ہے پس غیر معروف ہے کسی ایک راوی کے ہاں جو ہشام سے روایت کرتے ہیں نہ کہ ابن عیینہ اور نہ کسی اور سے نسق حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ مخنث کو ہیت کہا جاتا ہے یہ انہوں نے حدیث کو مکمل کرنے کے بعد ابن جریج سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح ان کا قول سفیان سے مروی ہے کہ وہ حدیث میں کہتے تھے جب وہ بیٹھتی تھی تو ٹانگیں پھیلا کر بیٹھتی تھی اور جب بولتی تھی تو گاتی تھی۔ یہ وہ ہے جو نہ سفیان نے کہا ہے اور نہ کسی اور نے ہشام بن عروہ کی حدیث میں یہ لفظ نہیں پایا جاتا مگر واقدی کی روایت سے۔ تعجب ہے کہ وہ سفیان سے حکایت کرتا ہے اور وہ امام مالک سے حکایت کرتا ہے کہ وہ اسی طرح ہے تو یہ روایت امام مالک سے ہوگئی۔ اور امام مالک سے حبیب کے علاوہ کسی نے اس کو روایت نہیں کیا اور نہ سفیان سے اس کے علاوہ کسی نے روایت کیا ہے؛ واللہ اعلم۔ حبیب امام مالک کا کاتب ہے متروک الحدیث ہے اور تمام کے نزدیک ضعیف ہے اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی اور جو وہ بیان کرے اس کی طرف التفات نہیں کیا جاتا۔ واقدی اور کلبی نے ذکر کیا ہے کہ ہیت المخنث نے عبداللہ بن امیۃ مخزومی کو کہا وہ حضرت ام سلمہ کے باپ کی طرف سے بھائی تھا اور اس کی والدہ عاتکہ تھی جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھی اس مخنث نے حضرت عبداللہ کو کہا جبکہ وہ اپنی بہن ام سلمہ کے گھر میں تھے جبکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بات سن رہے تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں طائف کی فتح دے بادیۃ بنت غیلان بن سلمۃ ثقفی کو لازم پکڑ وہ اتنی موٹی ہے کہ چار سلوٹوں کے ساتھ آتی ہے اور آٹھ سلوٹوں کے ساتھ واپس جاتی ہے نیز اس کے ہونٹ گلابی ہیں اگر وہ بیٹھتی ہے تو ٹانگیں پھیلا کر بیٹھتی ہے اگر وہ بات کرتی ہے تو گانا گاتی ہے اس کی ٹانگوں کے درمیان الٹے برتن کی طرح ہے یہ ایسے ہے جیسے قیس بن خطیم نے کہا:

تَغْتَرِقُ الطَّرْفَ وهی لَاهِيَةٌ كأنما شَفَّ وَجْهَها نُزُفُ

بين شُكُول النساء خِلْقَتُها قَصْدٌ فلا جَبْلَةٌ ولا قَضَفُ

1۔ ابوداؤد، کتاب الحمام، باب فی العبد ینظر الی شعر مولاتہ، حدیث 3583

تنام عن كُبْرِشانها فاذا قامَتْ رُوَيْدًا تكاد تَنْقَصِفُ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مخنث کو فرمایا: "اے اللہ کے دشمن! تو نے اس کو گہری نظر سے دیکھا" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حمی کی طرف منتقل کر دیا فرمایا جب طائف فتح ہوا تو عبدالرحمٰن بن عوف نے بادیہ بنت غیلان سے نکاح کیا تھا اس سے بریہہ پیدا ہوئی تھی۔ کلبی کے قول میں ہیت ہمیشہ وہاں ہی رہا حتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو اس کی واپسی کی ان سے بات کی گئی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسے واپس کرنے سے انکار کیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو ان کے پاس اس کے متعلق بات کی گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی انکار کر دیا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں بات کی گئی۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ بوڑھا اور کمزور اور محتاج ہو گیا تو حضرت عثمان نے اسے ہر جمعہ آنے کی اور سوال کرنے کی اجازت دی۔ وہ ایسا کرتا تھا پھر واپس اپنی جگہ لوٹ جاتا تھا فرمایا ہیت، عبداللہ بن ابی امیہ مخزومی کا غلام تھا وہ خوبصورت تھا اسی وجہ سے اس نے خنثیٰ بننا قبول کیا۔ ابو عمر نے کہا: کہا جاتا ہے بادیۃ یاء کے ساتھ اور بادنۃ نون کے ساتھ۔ درست یاء کے ساتھ ہے؛ یہ اکثر کا قول ہے۔ اسی طرح زہری نے یاء کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 16۔ تابعین کی صفت غیر کے ساتھ بیان کی گئی ہے کیونکہ تابعین کی ذوات مقصود نہیں ہیں پس یہ لفظ نکرہ کی طرح ہو گیا۔ اور غیر کا لفظ نکرہ محضہ نہیں ہے پس اس کا معرفہ کی صفت بننا جائز ہے اگر تو چاہے تو کہہ سکتا ہے یہ بدل ہے اس میں اسی طرح کا قول ہے جیسا کہ: غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ:6) میں ہے۔ عاصم، ابن عامر نے غیر کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے پس یہ استثناء ہو گا؛ یعنی وہ اپنی زینت ظاہر کریں تابعین کے لیے مگر جو شہوت والے ہیں ان کے سامنے نہیں، یہ بھی جائز ہے کہ یہ حال ہو یعنی جو ان کے پیچھے آتے ہیں جبکہ وہ ان سے عاجز ہیں؛ یہ ابو حاتم کا قول ہے اور ذوالحال التابعین میں جو ذکر میں سے ہے وہ ہے۔

مسئلہ نمبر 17۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَوِ الطِّفْلِ اسم جنس بمعنی جمع ہے اس پر دلیل اس کی نعت الذین ہے حضرت حفصہ کے مصحف میں اوالاطفال جمع ہے۔ کہا جاتا ہے: طفل وہ ہوتا ہے جو قریب البلوغ نہ ہو۔

يَظْهَرُوْا اس کا معنی ہے وہ وطی پر مطلع نہ ہوں یعنی اپنے چھوٹا ہونے کی وجہ سے جماع کے لیے ان کی شرمگاہوں سے آگاہ نہ ہوں۔ بعض نے کہا: وہ عورتوں تک پہنچنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔ کہا جاتا ہے: ظهرت على كذا یعنی میں نے اس کو جان لیا۔ وظهرت على كذا میں اس پر غالب آ گیا۔ جمہور نے عورات کو واو کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے، کیونکہ واو پر حرکت ثقیل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے واؤ کے فتحہ کے ساتھ مروی ہے جیسے جفنة وجفنات۔ فراء نے حکایت کیا ہے کہ یہ واؤ کے فتحہ کے ساتھ قیس کی لغت ہے۔ نحاس نے کہا: یہی قیاس ہے کیونکہ یہ نعت نہیں ہے جیسے تو کہتا ہے: جفنة وجفنات مگر عورات میں اور اس جیسے الفاظ میں سکون بہتر ہے کیونکہ واؤ جب متحرک ہوتی ہے اور اس کا ماقبل متحرک ہوتا ہے تو وہ الف سے بدل جاتی ہے اگر یہ کہا جائے تو معنی ہی ختم ہو جائے گا۔

مسئلہ نمبر 18۔ علماء کا اختلاف ہے چہرے اور ہتھیلیوں کے سوا جسم کے پردہ کے وجوب کے بارے میں دو قول

ہیں۔(1) لازم نہیں ہے کیونکہ اس کا مکلف نہیں بنایا گیا اور یہی قول صحیح ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ لازم ہے کیونکہ کبھی اس پر شہوت آتی ہے اور کبھی اسے شہوت آتی ہے اگر قریب البلوغ ہو تو پردہ کے وجوب میں بالغ کے حکم میں ہے۔ اس کی مثل وہ بوڑھا ہے جس کی شہوت ختم ہو چکی ہو۔ بچے کے بارے میں بھی دو قول ہیں صحیح حرمت کی بقا ہے؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 19۔ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ شرمگاہ مرد اور عورت کی پردہ کی جگہیں ہیں عورت کا پورا جسم پوشیدہ رکھنا ضروری ہے سوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے ان کے متعلق بھی اختلاف ہے اکثر علماء کہتے ہیں کہ ناف سے لے کر گھٹنے تک مرد کا ستر ہے اس کا دیکھنا جائز نہیں۔ یہ سورۂ اعراف میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 20۔ اصحاب الرائے نے کہا: عورت اپنے غلام کے ساتھ ہو تو ناف سے لے کر گھٹنے تک اس کا ستر ہے گویا انہوں نے اسے مرد گمان کیا ہے پھر لذت کی خاوندوں اور غلاموں کے لیے اجازت دی ہے پھر زینت کی بارہ شخصوں سے استثناء فرمائی ہے ان میں سے غلام بھی ہے پس ہمیں اس میں کوئی تبدیلی کی گنجائش نہیں یہ نظر فاسد ہے اور اجتہاد درست نہیں ہے۔ بعض علماء نے اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ کی تاویل لونڈیوں سے کی ہے، غلاموں سے نہیں۔ ان میں سعید بن مسیب بھی ہیں وہ اسے پہلے غلاموں پر محمول کرتے ہیں پھر عورتوں سے لاحق کرتے ہیں۔ یہ بہت بعید ہے۔ ابن عربی نے کہا: بعض علماء نے فرمایا اس کی تقدیر اس طرح ہے او ماملکت ایمانهن من غیر اولی الاربة او التابعین غیر اولی الاربة من الرجال؛ یہ مہدوی نے حکایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 21۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ یعنی جب عورت چلے تو اپنا پاؤں زمین پر نہ مارے تاکہ اپنی پازیب کی آواز سنائے۔ زینت کی آواز سنانا، زینت کے ظاہر کرنے کی طرح ہے بلکہ اس سے زیادہ سخت ہے۔ مقصود پردہ کرنا ہے۔ طبری نے معتمر سے انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے(1) فرمایا: حضرمی کا خیال ہے کہ ایک عورت نے چاندی کی دو پازیبیں بنائیں اور موتی خریدے پھر انہیں اپنی پنڈلی پر باندھا وہ لوگوں کے سامنے چلی تو اس نے زمین پر پاؤں مارا پازیب اس موتی پر لگی تو آواز پیدا ہوئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس زینت کا سننا شہوت کو زینت کے ظاہر کرنے سے زیادہ ابھارتا ہے؛ یہ زجاج کا قول ہے(2)۔

مسئلہ نمبر 22۔ عورتوں میں سے جس نے اپنے زیورات سے خوشی کی وجہ سے ایسا کیا تو وہ مکروہ ہے اور جس نے تبرج اور مردوں کے سامنے آنے کے لیے ایسا کیا تو وہ حرام مذموم ہے۔ اسی طرح مردوں میں سے جس نے اپنے جوتے کو مارا اگر تو اس نے تکبر کی بنا پر ایسا کیا تو وہ حرام ہے کیونکہ تکبر اور عجب گناہ کبیرہ ہے اگر اس نے تبرجاً ایسا کیا تو جائز نہیں۔

مسئلہ نمبر 23۔ مکی نے کہا: کتاب اللہ میں اس سے زیادہ ضمائر والی اور کوئی آیت نہیں اس میں مومنات کے لیے پچیس ضمائر جمع ہے کچھ مجرور ہیں اور کچھ مرفوع ہیں(3)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ اس میں دو مسئلے ہیں:

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 180　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ تُوْبُوْٓا یہ امر کا صیغہ ہے اس میں امت کا اختلاف نہیں کہ توبہ کرنا واجب ہے اور یہ فرض متعین ہے اس پر کلام سورۃ النساء وغیرہا میں گزر چکا ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو کیونکہ حقوق اللہ کی ادائیگی میں سہو اور کوتاہی ہو ہی جاتی ہے کسی حال میں توبہ کو ترک نہ کرو۔

(۲) جمہور نے ایۃ کو ھاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن عامر نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ھاء نفس کلمہ سے ہے پس اس میں منادیٰ کا اعراب ہوگا۔ ابوعلی نے اس کو انتہائی ضعیف قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا: اسم کی دوسری یا یہ اسی سے ہے۔ پس مناسب ہے کہ اسم کا آخر مضموم ہو اگر ھاء کا ضمہ یہاں جائز ہوتا کلمہ کے ساتھ اتصال کی وجہ سے ہوتو اللھم میں میم پر ضمہ جائز ہو جاتا کلمہ سے اس کے اتصال کی وجہ سے صحیح یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک قراءت ثابت ہے تو لغت میں صحت کا اعتقاد ہوتا ہے کیونکہ قرآن حجت ہے۔ فراء نے کہا:

یأیُّه القلبُ اللَّجُوجُ النفس أفق عن البيض الحسان اللعس

اللعس ہونٹوں کے رنگ کو کہتے ہیں جب وہ تھوڑے سیاہی مائل ہو جائیں یہ اچھے لگتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: شفة لعساء، فتية ونسوة لعس۔ بعض ایۃ وقف کرتے ہیں۔ بعض الف کے ساتھ وقف کرتے ہیں۔ ایسا کیونکہ وصل میں اس کے حذف کی علت اس کا سکون اور لام کا سکون ہے جب وقف ہوگا تو عظمت ختم ہو جائے گی۔ پس الف لوٹے گا جیسے یاء لوٹتی ہے جب غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ (المائدہ: 1) کے قول سے مُحِلِّی پر وقف کیا گیا۔ یہ وہ اختلاف ہے جو ہم نے یایہ الساحر اور ایہ الثقلان میں ذکر کیا ہے۔

وَ اَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآىٕكُمْ ؕ اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝۳۲

"اور نکاح کر دیا کرو جو بے نکاح ہیں تم میں سے اور جو نیک ہیں تمہارے غلاموں اور کنیزوں میں سے اگر وہ تنگ دست ہوں (تو فکر نہ کرو) غنی کر دے گا انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہمہ دان ہے"۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ یہ خطاب ستر اور اصلاح میں داخل ہے یعنی جن کا نکاح نہیں ہے ان کا نکاح کرو کیونکہ یہ پاک دامنی کا راستہ ہے یہاں خطاب اولیاء کو ہے۔ بعض نے کہا: خاوندوں کو ہے۔ صحیح پہلا قول ہے کیونکہ اگر ازواج مراد ہوں تو وانکحوا بغیر ہمزہ کے ہوتا اور الف وصل کے لیے ہوتا۔ اس میں دلیل ہے کہ عورت کے لیے بغیر ولی کے نکاح کرنا جائز نہیں ہے؛ یہ اکثر علماء کا قول ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب ثیبہ یا باکرہ اپنا نکاح بغیر ولی کے کرے اور وہ اس کا کفو ہو تو جائز ہے۔ سورۂ بقرہ میں اس پر بحث ہو چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ علماء کے اس مسئلہ میں تین اقوال ہیں۔ ہمارے علماء نے کہا: مومن کے حالات کے مختلف ہونے کے ساتھ حکم مختلف ہوتا ہے گناہ کا اندیشہ ہو، صبر کرنا ممکن نہ ہو، صبر پر قوت ہو، گناہ کا اندیشہ نہ ہو، سب صورتوں میں حکم مختلف

ہے۔ جب دین یا دنیا یا دونوں میں ہلاکت کا خوف ہو تو نکاح ضروری ہے۔ اگر کسی چیز کا خوف نہ ہو، حالت مطلقہ ہو تو امام شافعی نے فرمایا: نکاح مباح ہے۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا: نکاح مستحب ہے (1)۔ امام شافعی نے اس سے تعلق جوڑا ہے کہ یہ لذت کا پورا کرنا ہے اور لذت کا پورا کرنا مباح ہے جیسے کھانا اور پینا ہے۔ ہمارے علماء نے اس کا تعلق حدیث سے جوڑا ہے ''جس نے میری سنت سے انحراف کیا وہ میرے راستہ پر نہیں ہے'' (2)۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وہ مرد اور عورتیں جن کی بیویاں اور خاوند نہ ہوں انہیں ایامیٰ کہتے ہیں۔ اس کا واحد ایم ہے۔ ابو عمرو نے کہا: ایامیٰ خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ ہو؛ یہ ابو عمرو اور کسائی وغیرہما نے روایت کیا ہے۔ عرب کہتے ہیں: تأیمت المرأۃ جب وہ بغیر شادی کے ٹھہری رہی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہے ''میں اور وہ عورت جس کے رخسار سیاہ ہو گئے وہ اپنے چھوٹے بچوں پر (خاوند کے مرنے کے بعد) بغیر شادی کے ٹھہری رہی حتیٰ کہ وہ بالغ ہو گئے یا اللہ تعالیٰ نے انہیں فضل سے غنی کر دیا تو اس طرح جنت میں ہوں گے جس طرح یہ دو انگلیاں ہیں (3)۔ شاعر نے کہا:

فإن تنكحي أنكح وإن تتأيمي　　وإن كنتُ أفتى منكم أتأيم (4)

کہا جاتا ہے: أيم بيّن الأيمة وقد آمت هي، وأمت أنا، شاعر نے کہا:

لقد إمتُ حتى لامني كلُّ صاحب　　رجاءَ بسلمى أن تئيم كما إمتُ

ابو عبید نے کہا: رجل أیم و امرأۃ أیم، اکثر یہ عورتوں میں استعمال ہوتا ہے یہ مردوں میں مستعار کی طرح ہے۔ امیہ بن صلت نے کہا:

لله دَرُّ بنِي عَلِ يٍ أيّمٍ منهم وناكحُ

ایک قوم نے کہا: یہ آیت اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَّ الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ الخ۔ کے حکم کی ناسخ ہے۔ ہم نے اس کو سورت کے آغاز میں بیان کر دیا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَ اَنْكِحُوا الْاَیَامٰی مِنْكُمْ سے مقصود آزاد عورتیں اور مرد ہیں پھر غلاموں کا حکم بیان فرمایا۔ وَ الصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآىِٕكُمْ حسن نے والصالحین من عبید کم پڑھا ہے۔ عبید جمع کا اسم ہے۔ فراء نے کہا: اماءکم پر نصب بھی جائز ہے انہوں نے اس کا عطف الصالحین پر کیا ہے، یعنی مذکر، مونث اور صلاح سے مراد ایمان ہے۔ بعض نے فرمایا: مطلب یہ ہے کہ غلاموں اور لونڈیوں کی شادی میں رغبت ہونی چاہیے جب وہ نیک ہوں پس اس کی شادی کرنا جائز ہے لیکن اس میں ترغیب نہیں ہے اور نہ استحباب ہے جیسا کہ فرمایا: فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِیْهِمْ خَیْرًا پھر کتابت جائز ہے اگرچہ غلام میں خیر معلوم نہ بھی ہو لیکن خطاب ترغیب اور استحباب کے لیے وارد ہوا ہے اور کتابت مستحب ہے جس میں خیر ہو۔

مسئلہ نمبر 5۔ اکثر علماء کی رائے ہے کہ سردار کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے غلاموں اور لونڈیوں کو نکاح

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 100
2۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 1، صفحہ 449
3۔ ابوداؤد، باب فی فضل من عال یتیما، 4482، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 97

پر مجبور کرے؛ یہ امام مالک، امام ابوحنیفہ وغیرہما کا قول ہے۔ اور جب نقصان اور ضرر ہو تو امام مالک نے فرمایا: جائز نہیں، اسی طرح کا قول امام شافعی سے بھی مروی ہے پھر فرمایا: آقا کے لیے جائز نہیں کہ غلام کو نکاح پر مجبور کرے۔ نخعی نے کہا: لوگ غلاموں کو نکاح پر مجبور کرتے تھے اور ان پر دروازے بند کر دیتے تھے۔ اصحاب الشافعی نے دلیل پکڑی اور کہا: غلام مکلف ہے اسے نکاح پر مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ مکلف بنانا دلیل ہے کہ غلام آدمیت کی جہت سے کامل ہے اور اس کے ساتھ مملوکیت متعلق ہے کہ اس میں مالک کا ملک رقبہ اور ملک منفعت کا حصہ ہوتا ہے بخلاف لونڈی کے اس میں سردار کے لیے مملوکیت کا حق اس کے بضعہ میں ہوتا ہے تاکہ وہ اس کو حاصل کرے۔ رہا غلام کا بضع تو اس میں مالک کا کوئی حصہ نہیں اسی وجہ سے مالکن اپنے غلام کے لیے مباح نہیں ہوتی یہ اہل خراسان اور اہل عراق کا اعتماد ہے ان کا نظریہ طلاق کی بنا پر بھی ہے کیونکہ غلام عقد ملک کی وجہ سے اس کا مالک ہوتا ہے۔ ہمارے علماء کا اس میں نکتہ عظیمہ یہ ہے کہ غلام کی مالکیت کو آقا کی مالکیت نے گھیر رکھا ہے اور اسی وجہ سے آقا کی اجازت کے بغیر بالا جماع غلام شادی نہیں کر سکتا ہے۔ نکاح اور اس کا باب مصالح میں سے ہے اور غلام کی مصلحت، سردار کے سپرد ہے وہ اسے دیکھتا ہے اور غلام کے لیے اسے قائم رکھتا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ پھر کلام کا رخ آزادوں کی طرف کر دیا یعنی مرد اور عورت کے فقر کی وجہ سے نکاح کرنے سے مت روکو۔ اگر وہ فقراء ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا نکاح کرنے والوں سے غنا کا وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرنے اور گناہوں سے بچنے کے لیے نکاح کرتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نکاح میں غنا کو تلاش کرو اور پھر یہ آیت تلاوت کی (1)۔ حضرت عمر نے فرمایا: مجھے اس سے تعجب ہوتا ہے جو نکاح میں غنا کو طلب نہیں کرتا (2) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ یہ مفہوم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین افراد ایسے ہیں جن کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ پر حق ہے (3)۔ (۱) مجاہد جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتا ہے۔ (۲) پاک دامنی کے ارادہ سے نکاح کرنے والا۔ (۳) مکاتب جو زر کتابت ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہے'' (4)۔ اس حدیث کو ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہم دیکھتے ہیں نکاح کرنے والا غنی نہیں ہوتا تو ہم کہیں گے: یہ لازم نہیں کہ غنا میں دوام ہو بلکہ ایک لحہ کے لیے بھی غنی ہو جائے تو وعدہ سچا ہو جائے گا۔ بعض نے کہا: غنا سے مراد نفس کا غنا ہے۔ صحیح میں ہے ''غنا سامان کی کثرت سے نہیں بلکہ غنا نفس کی غنا ہے'' (5)۔ بعض نے فرمایا: یہ ایسا وعدہ نہیں جس میں خلف واقع نہ ہو بلکہ اس کا مطلب ہے مال آنے جانے والی چیز ہے۔ پس غنا کی امید رکھو۔ بعض علماء نے کہا: اس کا مطلب

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 379 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 180

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب العتق، باب المکاتب، جلد 1، صفحہ 184

4۔ ترمذی، کتاب الجہاد، باب ماجاء فی المجاهد والناکح والمکاتب، حدیث 1579

5۔ جامع ترمذی، کتاب الزهد، ماجاء ان الغنى غنى النفس، جلد 2، صفحہ 60

ہے اگر الله چاہے گا تو وہ انہیں اپنے فضل سے غنی فرما دے گا جیسے الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ (الانعام: 41) اور الله تعالیٰ نے فرمایا: يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ (الرعد: 26) بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے اگر وہ نکاح کی طرف محتاج ہوں گے تو الله تعالیٰ حلال نکاح کے ساتھ انہیں غنی کر دے گا تا کہ وہ زنا سے بچ جائیں۔

مسئلہ نمبر 7۔ یہ آیت فقیر کے نکاح کرنے پر دلیل ہے وہ یہ نہ کہے کہ میں شادی کیسے کروں میرے پاس تو مال ہی نہیں ہے کیونکہ اس کا رزق الله تعالیٰ پر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کا نکاح جس نے اپنا نفس آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا تھا ایسے شخص سے کر دیا تھا جس کے پاس صرف ایک چادر تھی اور تنگ دستی کی وجہ سے عورت کو نکاح فسخ کرانا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اس کے پاس تنگ دستی پر داخل ہو چکی ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ خوشحالی کے دور میں اس پر داخل ہو تو پھر وہ معسر نکلا یا اس کے بعد اسے تنگی لاحق ہوئی کیونکہ بھوک پر صبر نہیں ہے؛ یہ ہمارے علماء کا قول ہے۔ نقاش نے کہا: یہ آیت ان لوگوں پر حجت ہے جنہوں نے کہا: قاضی میاں بیوی کے درمیان تفریق کر دے (1) جب خاوند فقیر ہو نفقہ دینے پر قدرت نہ رکھتا ہو کیونکہ الله تعالیٰ نے فرمایا: يُغْنِهِمُ اللّٰهُ یہ ضعیف جھگڑا ہے۔ اس آیت میں نفقہ سے عاجز کے بارے میں کوئی حکم نہیں ہے یہ وعدہ ہے غنا کا اس کے لیے جو فقیر ہو کر شادی کرے۔ رہا وہ شخص جو خوشحالی کی حالت میں نکاح کرتا ہے اور پھر خرچ دینے سے عاجز ہو گیا تو ان کے درمیان تفریق کی جائے گی۔ الله تعالیٰ نے فرمایا: اِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ (النساء: 130) الله تعالیٰ کی کرم نوازیوں کی ہر حال میں لوٹنے کی امید ہوتی ہے۔

وَ لْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّ اٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَ لَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَ مَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّ مَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

"اور چاہیے کہ پاک دامن بنے رہیں وہ لوگ جو نہیں پاتے شادی کرنے کی قدرت یہاں تک کہ غنی کر دے انہیں الله تعالیٰ اپنے فضل سے اور جو مکاتب بننا چاہیں تمہارے غلاموں سے تو مکاتب بنا لو انہیں اگر تم جانو ان میں سے کوئی بھلائی اور (زر مکاتبت ادا کرنے میں) مدد کرو ان کی الله تعالیٰ کے مال سے جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے اور نہ مجبور کرو اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں تا کہ تم حاصل کرو (اس بدکاری سے) دنیوی زندگی کا کچھ سامان اور جو (کمینہ خصلت) مجبور کرتا ہے انہیں (عصمت فروشی پر) تو بیشک الله تعالیٰ ان

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 180

کے مجبور کیے جانے کے بعد (ان کی لغزشوں کو) بخشنے والا (اور ان پر) رحم فرمانے والا ہے۔ اور ہم نے اُتاری ہیں تمہاری طرف روشن آیتیں نیز (ہم نے اتارے ہیں) بعض حالات ان لوگوں کے جو گزر چکے ہیں تم سے پہلے نیز (اتاری ہے) نصیحت پرہیزگاروں کے لیے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ یہ اسے خطاب ہے جو اپنے نفس کا خود مالک ہے نہ کہ اسے جس کی زمام دوسرے کے ہاتھ میں ہو کیونکہ وہ اسے اپنی مرضی سے چلاتا ہے جیسے مجور علیہ ہوتا ہے؛ یہ ایک قول ہے۔ اور جیسے لونڈی اور غلام علماء کے دوسرے قول کے مطابق۔

مسئلہ نمبر 2۔ استعفف کا وزن استفعل ہے۔ اس کا معنی ہے اس نے پاکدامن ہونا طلب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ہر اس شخص کو پاکدامن رہنے کا حکم دیا ہے جو نکاح نہیں کر سکتا اور کسی وجہ سے نکاح کو نہیں پاتا پھر جب نکاح کے موانع میں سے اغلب مال کا نہ ہونا ہے تو اپنے فضل سے غنی کرنے کا وعدہ فرمایا وہ اسے عطا فرمائے گا جس کے ساتھ وہ نکاح کرے گا یا وہ ایسی عورت پائے گا جو تھوڑے مہر پر راضی ہو جائے گی یا اس سے عورتوں کی خواہش زائل ہو جائے گی۔ نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تین آدمی ایسے ہیں جن کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ پر حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے والا۔ وہ نکاح کرنے والا جو پاکدامنی کا ارادہ کرتا ہے؛ اور مکاتب جو زر کتابت کی ادیگی کا ارادہ کرتا ہے"۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا یعنی نکاح کی طاقت نہیں رکھتے مضاف کو حذف کیا گیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہاں نکاح سے مراد وہ چیز ہے جس کے ساتھ عورت سے نکاح کرتا ہے مثلاً مہر اور نفقہ وغیرہ جیسے لحاف اسم ہے اس کا جس کو لپیٹا جاتا ہے۔ لباس اسم ہے جو پہنا جاتا ہے۔ اس مفہوم پر آیت میں حذف نہ ہوگا؛ یہ مفسرین کی ایک جماعت کا قول ہے۔ انہوں نے اس کو اس قول پر محمول کیا ہے: حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ جسے پاک دامن رہنے کا حکم دیا گیا ہے وہ شخص ہے جو وہ مال نہیں رکھتا جس کے ساتھ نکاح کرے۔ اس قول میں جن کو پاکدامن رہنے کا حکم دیا گیا ہے ان کی تخصیص ہے اور یہ ضعیف قول ہے بلکہ پاکدامن رہنے کا حکم ہر اس شخص کی طرف متوجہ ہے جس پر نکاح کرنا مشکل ہو خواہ کوئی بھی وجہ ہو جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ جس کے نفس کو نکاح کا شوق ہو اگر وہ طاقت رکھتا ہو تو اس کے لیے نکاح کرنا مستحب ہے اگر طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کو پاکدامن رہنا چاہیے اگر ممکن ہو اگرچہ روزے کے ساتھ ہو کیونکہ روزہ شہوت کو ختم کرتا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے: "اور جس کو نکاح کا شوق نہ ہو تو اس کے لیے عبادت الٰہی کے لیے خلوت اختیار کرنا بہتر ہے"۔ حدیث میں ہے "تم میں بہتر خفیف آدمی ہے جس کے اہل اور اولاد نہ ہو"۔ سورۃ النساء میں گزر چکا ہے کہ آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو لونڈیوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عفت اور نکاح کے درمیان کوئی درجہ نہیں

بنایا۔ یہ دلیل ہے کہ ان کے علاوہ صورت حرام ہے اس میں ملک یمین داخل نہیں کیونکہ وہ دوسری نص سے مباح ہے وہ یہ ارشاد ہے: مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اس میں زیادتی آئی ہے پس استثناء اپنی تحریم پر باقی ہے یہ امام احمد پر رد ہے اسی طرح نکاح متعہ اپنے نسخ کی وجہ سے اس سے خارج ہوگا۔ سورۃ المومنون کے آغاز میں یہ مفہوم گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ۔ الذین محل رفع میں ہے۔ خلیل اور سیبویہ کے نزدیک فعل کے اضمار پر محل نصب میں ہے کیونکہ اس کے بعد امر ہے پہلے جب غلاموں اور لونڈیوں کا ذکر گزرا تو اس کے ساتھ یہ ملایا کہ غلام اگر کتابت طلب کرے تو اس کو مکاتب بنانا مستحب ہے۔ بعض اوقات الکتابۃ سے مراد مستقل ہونا، کمانا اور شادی کرنا ہوتا ہے جب وہ ارادہ کرے یہ اس کے لیے زیادہ پاکدامنی کا باعث ہوگا۔ بعض نے کہا: یہ آیت حویطب بن عبد العزیٰ کے غلام کے بارے نازل ہوئی جس کو صبح کہا جاتا تھا۔ بعض نے کہا: صبیح کہا جاتا تھا اس نے اپنے آقا سے کہا کہ مجھے مکاتب بنا دے تو اس نے انکار کر دیا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حویطب نے اسے سو دینار پر مکاتب بنا دیا اس نے اسے بیس دینار ہبہ کر دیے باقی اس غلام نے ادا کر دیا وہ جنگ جس میں شہید ہوا تھا۔ قشیری نے اس کو ذکر کیا ہے اور نقاش نے اس کو حکایت کیا ہے۔ مکی نے کہا: یہ صبیح قبطی، حاطب بن ابی بلتعہ کا غلام تھا(1)۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے تمام مومنین کو حکم دیا کہ اپنے مملوک کو مکاتب بنا دیں جب مملوک کتابت کا مطالبہ کرے اور مالک اس میں خیر دیکھے۔

مسئلہ نمبر 2۔ الْكِتٰبَ اور المکاتبۃ برابر ہیں۔ باب مفاعلہ دو شخصوں کے درمیان عمل کے لیے استعمال ہوتا ہے کیونکہ اس میں سردار اور غلام کا عقد ہوتا ہے کہا جاتا ہے: كَاتَبَ يُكَاتِبُ كِتَابًا و مكاتبة جیسے کہا جاتا ہے: قَاتَلَ قِتَالًا و مقاتلة آیت میں الکتاب مصدر ہے جیسے قتال، جلاد اور دفاع مصدر ہیں۔ بعض علماء نے کہا: کتاب سے مراد یہاں وہ کتاب معروف ہے جس میں کوئی چیز لکھی ہوئی ہوتی ہے یہ اس لیے کیونکہ مطلب یہ ہے کہ وہ آزادی طلب کرتے تھے جس کے ساتھ کتاب لکھی جاتی تھی اور انہیں دی جاتی تھی۔

مسئلہ نمبر 3۔ شرع میں مکاتبت کا معنی ہے، مالک اپنے غلام کو مخصوص مال کی ادائیگی پر مکاتب بناتا ہے جب وہ قسط وار رقم ادا کر دے گا تو وہ آزاد ہوگا۔ اس کی دو حالتیں ہیں۔ غلام مطالبہ کرے اور آقا اس کو قبول کر لے یہ آیت کا مطلق ہے اور اس کا ظاہر ہے۔ غلام مطالبہ کرے اور مالک انکار کر دے اس میں دو قول ہیں۔ پہلا قول عکرمہ، عطا، مسروق، عمرو بن دینار، ضحاک بن مزاحم اور اہل ظاہر کی ایک جماعت کا ہے کہ سردار پر غلام کو مکاتب بنانا واجب ہے اور علماء امصار نے فرمایا: واجب نہیں ہے۔ جنہوں نے واجب کہا انہوں نے مطلق امر سے واجب کہا ہے۔ امر کا صیغہ مطلق وجوب کے لیے ہوتا ہے حتیٰ کہ دلیل اس کے علاوہ پر آجائے: یہ حضرت عمر بن خطاب، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ طبری نے اس کو

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 181

پسند کیا ہے۔ داؤد نے اس سے حجت پکڑی ہے کہ سیرین ابا محمد بن سیرین نے حضرت انس سے کتابت کے متعلق سوال کیا وہ حضرت انس کے غلام تھے حضرت انس نے انہیں مکاتب بنانے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمر نے حضرت انس پر ذرہ اٹھایا اور یہ تلاوت کی: فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا حضرت انس نے ابن سیرین کو مکاتب بنا دیا۔ داؤد نے کہا: حضرت عمر کی یہ شان نہیں کہ وہ حضرت انس پر ایک مباح پر درہ اٹھاتے جس کا نہ کرنا ان کے لیے جائز تھا۔ اور جمہور علماء نے اس سے حجت پکڑی ہے کہ اس پر اجماع منعقد ہے کہ اگر وہ اسے غیر سے بیچنے کا مطالبہ کرے تو اس پر بیچنا لازم نہیں ہے اور اسے اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا اگرچہ اس کو دوگنا قیمت دی جائے۔ اسی طرح اگر غلام مالک سے کہے کہ مجھے آزاد کر دے یا مجھے مدبر بنا دے یا میری شادی کر دے تو بالاجماع مالک پر ایسا کرنا لازم نہیں، اسی طرح مکاتبت بھی لازم نہیں کیونکہ وہ بھی معاوضہ ہے اور بغیر رضا کے صحیح نہیں۔ اور رہا ان کا قول کہ امر مطلق وجوب کا تقاضا کرتا ہے صحیح ہے لیکن جب ایسے قرینہ سے خالی ہو جو اسے وجوب سے پھیرنے کا تقاضا کرتا ہے اور یہاں اس میں خیر جاننے کی شرط کے ساتھ اس کو معلق کیا گیا ہے۔ پس وجوب ایک امر باطن پر معلق ہے وہ آقا کا اس میں خیر جاننا ہے۔ جب غلام کہے: مجھے مکاتب بنا دو۔ آقا کہے: میں تجھ میں خیر نہیں جانتا۔ یہ امر باطن ہے تو اس میں مالک کی طرف رجوع کیا جائے گا اور اس پر اعتماد کیا جائے گا۔ یہ اس باب میں قوی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ علماء کا خَيْرًا کے قول میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطا نے کہا: اس سے مراد مال ہے(1)۔ مجاہد نے کہا: مال اور ادا ہے۔ حسن اور نخعی نے کہا: دین اور امانت ہے۔ امام مالک نے کہا: میں نے بعض اہل علم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اس سے مراد کمانے اور کتابت ادا کرنے کی قوت ہے۔ لیث سے اسی طرح مروی ہے اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔ عبیدہ سلمانی نے کہا: نماز کا قائم کرنا اور اعمال صالحہ ہیں۔ طحاوی نے کہا: جنہوں نے کہا اس سے مراد مال ہے ان کا قول صحیح نہیں ہے کیونکہ غلام کا مال اس کے آقا کا مال ہوتا ہے پس غلام کے لیے مال کیسے ہوگا؟ ہمارے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ تم ان میں دین اور صدق جان لو اور تم جان لو کہ وہ تمہارے ساتھ اس بنا پر معاملہ کریں گے کہ وہ وفا کرنے کے مکلف ہیں جو ان پر کتابت اور معاملہ میں سچائی لازم ہوگی۔ پس تم انہیں مکاتب بنا دو۔ ابو عمر نے کہا: جس نے یہ کہا کہ خیر سے مراد یہاں مال ہے اس نے ان علمتم فیھم مالاً کہنے سے انکار کیا ہے۔ کہا جاتا ہے: میں نے اس میں خیر، صلاح اور امانت جان لی، علمت فیه المال نہیں کہا جاتا بلکہ یہ کہا جاتا ہے: علمت عندہ المال۔

میں کہتا ہوں: بریرہ کی حدیث ان کا رد کرتی ہے جنہوں نے کہا: الخیر سے مراد مال ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

مسئلہ نمبر 5۔ جس شخص کے پاس کوئی پیشہ نہیں اس کی کتابت کے بارے علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما غلام کو مکاتب بنانا پسند کرتے تھے جب اس کے لیے کوئی پیشہ نہ ہو وہ کہتے: کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں لوگوں کی میل کھاؤں۔ اسی طرح حضرت سلمان فارسی سے مروی ہے حکیم بن حزام نے روایت کیا ہے فرمایا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عمیر بن سعد کی طرف خط لکھا: اما بعد! تجھ سے پہلے سلمان اپنے غلاموں کو لوگوں کے سوال کرنے پر مکاتب بناتے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 99

تھے۔ اوزاعی، امام احمد اور اسحاق نے اس کو مکروہ کہا ہے۔ امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے اسمیں رخصت دی ہے۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابن التیاح ان کے موذن نے ان سے پوچھا: کیا میں مکاتب بن جاؤں جبکہ میرے پاس مال نہیں ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں پھر لوگوں کو ابھارا کہ مجھ پر صدقہ کریں لوگوں نے مجھے میرے زر مکاتبت سے زیادہ دیا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انہوں نے فرمایا: اس مال کو غلام آزاد کرانے پر خرچ کردے۔ امام مالک سے اس کی کراہیت مروی ہے۔ وہ لونڈی جس کے پاس کوئی ہنر نہیں ہے مکاتب بنا مکروہ ہے کیونکہ یہ چیز اس کو فساد کی طرف لے جائے گی۔ سنت میں حجت ہے اس کی مخالفت میں حجت نہیں ہے۔ آئمہ حدیث نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث روایت کی ہے فرمایا: بریرہ (لونڈی) میرے پاس آئی اور کہا میرے مالکوں نے مجھے نو (9) اوقیہ چاندی پر مکاتبہ بنادیا ہے اور یہ میں نے نو سال میں ادا کرنی ہے ہر سال ایک اوقیہ چاندی دینی ہے آپ اس سلسلہ میں میری مدد فرمائیں (الحدیث) یہ دلیل ہے کہ آقا اپنے غلام کو مکاتب بنا سکتا ہے جبکہ غلام کے پاس کچھ بھی نہ ہو کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ بریرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس یہ خبر دینے کے لیے آئی کہ اس نے مکاتبت طے کی ہے اور اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مدد کا سوال کیا یہ اس نے اس وقت سوال کیا تھا جب اس نے کوئی چیز ادا نہیں کی تھی۔ ابن شہاب نے عروہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتایا کہ بریرہ زر کتابت کے سلسلہ میں مدد کرنے کے لیے آئی جبکہ ابھی تک اس نے کچھ بھی ادا نہیں کیا تھا اس کو بخاری اور ابوداؤد نے تخریج کیا ہے (1)۔ اس میں لونڈی کو مکاتبہ بنانے کے جواز پر دلیل ہے یہ نہ تو کام کرنے والی تھی نہ کوئی ہنر رکھتی تھی اور نہ اس کے پاس کوئی مال تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہیں پوچھا تھا کہ کیا اس کو کمانے کی طاقت ہے یا کوئی متواتر کام کرتی ہے یا اس کے پاس مال ہے؟ اگر یہ واجب ہوتا تو اس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور سوال کرتے تاکہ اس پر حکم واقع ہوتا کیونکہ آپ مبین اور معلم بنا کر مبعوث کیے گئے تھے۔ اس حدیث میں دلیل ہے کہ جنہوں نے خیر کی تفسیر مال سے کی ہے وہ عمدہ تاویل نہیں ہے بلکہ اس سے مراد کمانے کی قوت ہے ساتھ ساتھ امین بھی ہو۔

مسئلہ نمبر 6۔ کتابت کبھی قلیل مال کے ساتھ اور کبھی کثیر مال کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ رقم قسط وار ادا کی جائے گی کیونکہ بریرہ کی حدیث ہے اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے اگر اس نے ہزار درہم پر مکاتب بنایا اور قسطوں کا ذکر نہیں کیا تو اس کی محنت کی مقدار قسط ہوگی اگرچہ مالک اسے پسند نہ بھی کرے۔ امام شافعی نے فرمایا: مدت کا ذکر ضروری ہے کم از کم تین اقساط ہیں۔ اس میں اختلاف ہے جب ایک قسط پر کتابت واقع ہو اکثر اہل علم اس کو ایک قسط پر جائز قرار دیتے ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا: ایک قسط پر جائز نہیں اور اسی وقت ادا کرنے پر بھی جائز نہیں یہ اس طرح آزادی ہوگی گویا اس نے کہا: جب تو اتنا اتنا ادا کرے تو تو آزاد ہے۔ اور کتابت نہیں ہے۔ ابن عربی نے کہا: جب کتابت حالی (فوراً رقم دینی ہو) ہو تو علماء کا کتابت میں اختلاف ہے ہمارے علماء کا دوسرے علماء کی طرح اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ کتابت موجل (موخر) ہے جیسا کہ حدیث بریرہ میں وارد ہے۔ جب اس نے اپنے مالکوں سے نو اوقیہ پر مکاتبت طے کی ہر سال ایک اوقیہ دینا تھا اسی طرح

1۔ ابوداؤد، باب فی بیع المکاتب اذا فسخت الکتابۃ، حدیث 3428

صحابہ کرام نے کہا: اسی وجہ سے اس کو کتابت کہا جاتا ہے کیونکہ اس کو لکھا جاتا ہے اور اس پر گواہ بنایا جاتا ہے اسم اور اثر جمع ہو گئے معنی بھی اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ مال اگر موقع پر ادا کرنا ہو جبکہ مال، غلام کے پاس ہو تو وہ مال مقاطعہ ہوگا اور یہ عقد مقاطعہ ہوگی عقد کتابت نہ ہوگی۔ ابن خویز منداد نے کہا: جب فوری مال پر مکاتبت کرے گا تو وہ مال پر آزاد ہوگا کتابت نہ ہو گی۔ ہمارے اصحاب میں سے دوسروں نے کتابت حالی کو جائز قرار دیا ہے اور اس کو قطاعہ کا نام دیا ہے۔ یہی قیاس ہے کیونکہ اس میں مدت، غلام کو کمانے میں وسعت دینا ہے کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا اگر وہ قسط وقت سے پہلے لے آئے تو مالک پر واجب ہے کہ وہ رقم وصول کرے اور مکاتب کو جلدی آزاد کر دے اور کتابت حالیہ جائز ہے؛ یہ کوفیوں نے کہا ہے۔

میں کہتا ہوں: کتابت حالی میں امام مالک سے کوئی نص وارد نہیں ہے بلکہ اصحاب کہتے ہیں یہ جائز ہے اور اس کو قطاعہ کا نام دیتے ہیں۔ رہا امام شافعی کا قول کہ کم از کم تین قسطوں پر جائز ہے صحیح نہیں ہے اگر یہ صحیح ہوتا تو یہ کہنا بھی جائز ہوتا کہ پانچ قسطوں سے کم پر جائز نہیں کیونکہ کم از کم اقساط جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بریرہ کے بارے میں تھیں وہ پانچ تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا علم تھا اور آپ نے اس کا فیصلہ سنایا پس یہ اولی ہے۔ امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ بریرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کتابت میں مدد طلب کرنے کے لیے آئی اس پر پانچ اواق چاندی تھے۔ پانچ سال میں ادا کرنی تھی اسی طرح لیث نے یونس سے انہوں نے ابن شہاب سے انہوں نے عروہ سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ بریرہ پر پانچ اوقیہ تھے اور پانچ سال میں ادا کرنے تھے۔ ابو اسامہ نے ہشام بن عروہ سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے فرمایا: بریرہ آئی تو اس نے کہا میں نے نو اواق چاندی پر مالکوں سے مکاتبت کی ہے (الحدیث) دونوں روایات کے ظاہر میں تعارض ہے مگر ہشام کی حدیث اتصال کی وجہ سے اولی ہے اور یونس کی حدیث میں انقطاع ہے کیونکہ امام بخاری نے کہا لیث نے کہا مجھے یونس نے بتایا نیز ہشام نے اپنے باپ اور دادا کی حدیث میں جو ثابت کیا ہے دوسروں سے بھی ثابت کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 7۔ مکاتب غلام ہوتا ہے جب تک اس پر مال کتابت میں سے کچھ ہوتا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مکاتب غلام ہے جب تک اس کی مکاتبت میں سے ایک درہم بھی باقی ہے'' (1) اس حدیث کو ابوداؤد نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے سلسلہ سے روایت کی ہے ان سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس غلام نے سو دینار زر مکاتبت مقرر کیا دس دینار کے سوا سب ادا کر دیا تو بھی وہ غلام ہے'' (2)۔ یہ امام مالک، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔ ثوری، احمد، اسحاق، ابوالثور، داؤد اور طبری کا یہی قول ہے۔ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کئی وجوہ سے مروی ہے۔ حضرت زید بن ثابت، حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اس میں ان میں سے کسی نے اختلاف نہیں کیا یہی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یہی ابن مسیب، قاسم، سالم اور عطا کا قول

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب العتق، باب فی المکاتب یؤدی بعض کتابتہ، جلد 2، صفحہ 191

2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 192۔ سنن ابی داؤد، حدیث 3426، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے۔ امام مالک نے کہا: جن کو ہم نے اپنے شہر میں پایا وہ یہی کہتے ہیں اس میں دوسرا قول بھی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب وہ نصف ادا کرلے گا تو وہ مقروض ہوگا؛ یہ نخعی کا قول ہے یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ان سے سنداً مروی ہے کہ مکاتب غلام ہے جب تک ایک درہم بھی اس پر باقی ہے بہتر ہے ان سے مروی اس قول سے کہ جب نصف ادا کردے گا تو اس پر غلامی نہ ہوگی یہ ابو عمر کا قول ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ جو اس نے ادا کردیا اتنی مقدار آزاد ہوگیا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ آدمی اس میں سے پہلی قسط جو ادا کرتا ہے اس سے اس میں آزادی جاری ہوتی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر وہ تہائی کتابت ادا کردے تو وہ آزاد مقروض ہے یہی شریح کا قول ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اگر کتابت دو سو دینار ہو اور غلام کی قیمت بھی دو سو دینار ہو پھر غلام نے اپنی قیمت سے سو دینار ادا کردیئے جو اس کی قیمت ہے تو آزاد ہوگا؛ یہ نخعی کا بھی قول ہے۔ ساتواں قول یہ ہے جب 3/4 اور 1/4 باقی ہو تو وہ مقروض ہے وہ بھی غلام نہیں رہے گا؛ یہ عطاء بن ابی رباح کا قول ہے۔ ابن جریج نے ان سے روایت کیا ہے بعض سلف سے حکایت ہے کہ وہ کتابت کی عقد سے ہی آزاد ہے وہ کتابت کے ساتھ مقروض ہے وہ غلامی کی طرف کبھی نہیں لوٹے گا اس قول کا رد حدیث بریرہ کرتی ہے جو صحت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اس میں واضح دلیل ہے کہ مکاتب غلام ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو بریرہ بیچی نہ جاتی اگر اس میں آزادی کی کوئی چیز ہوتی تو بیع جائز نہ ہوتی کیونکہ اس سنت پر اتفاق ہے کہ آزاد کو بیچا نہیں جائے گا اسی طرح حضرت سلمان اور حضرت جویریہ کی کتابت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب پر غلامی کا حکم لگایا حتی کہ انہوں نے کتابت ادا کردی؛ یہ جمہور کی حجت ہے کہ مکاتب غلام ہے جب تک اس پر کچھ بھی باقی ہے۔ حضرت زید بن ثابت نے مکاتب کے بارے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مناظرہ کیا انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا تو اسے رجم کرے گا اگر وہ زنا کرے یا اس کی شہادت کو جائز قرار دے گا اگر وہ شہادت دے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں۔ زید نے کہا: وہ غلام ہے جب تک اس پر کوئی چیز باقی ہے۔ نسائی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مکاتب سے اتنا حصہ آزاد ہوجاتا ہے جتنی مقدار وہ زر مکاتب ادا کرتا ہے اور اس پر حد قائم کی جائے گی اتنی مقدار جتنا وہ ادا کرچکا ہے اور جتنا اس سے آزاد ہوا ہے اتنی مقدار وارث ہوگا“ (1)۔ اس کی سند صحیح ہے یہ اس کے لیے حجت ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو ابوداؤد نے نبہان مکاتب ام سلمہ سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے ام سلمہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہمیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم میں سے کسی کا مکاتب ہو اور اس کے پاس وہ ہو جو وہ اسے ادا کرسکے تو اس سے پردہ کرنا چاہیے“ (2)۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے مگر اس میں احتمال ہے کہ یہ خطاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے ساتھ ہو ان کے حق میں ورع اور احتیاط کو لیا ہو جیسے سودہ کو

1۔ سنن نسائی، کتاب العتق، دیۃ المکاتب، جلد 2، صفحہ 247

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب العتق، المکاتب، جلد 1، صفحہ 184۔ ایضاً حدیث 3427، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

فرمایا تھا: ''اس سے پردہ کرو'' (1)۔ حالانکہ اس کے بھائی ہونے کا فیصلہ فرمایا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ کو فرمایا: ''کیا تم بھی نابینا ہو کیا تم اسے نہیں دیکھتی ہو یعنی ابن ام مکتوم کو'' (2)۔ حالانکہ فاطمہ بنت قیس کو فرمایا تھا: تو ابن ام مکتوم کے پاس عدت گزار۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ علماء کا اجماع ہے کہ مکاتب پر جب ایک قسط یا دو قسطیں یا تمام قسطوں کی ادائیگی کا وقت آ جائے پھر مالک اس سے قسط کا مطالبہ نہ کرے اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دے تو کتابت فسخ نہ ہوگی جب تک وہ اس حال پر باقی رہیں گے۔

مسئلہ نمبر 9۔ امام مالک نے فرمایا: غلام کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو عاجز ظاہر کرے جبکہ اس کے پاس ظاہر مال ہو اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو اس کے لیے اپنے آپ کو عاجز ظاہر کرنا جائز ہے اس کے لیے اپنے آپ کو عاجز بنانا جائز نہیں جبکہ وہ اقساط کی ادائیگی پر طاقت رکھتا ہو۔ امام شافعی نے فرمایا: اس کے لیے اپنے آپ عاجز بنانا جائز ہے خواہ اس کے لیے مال معلوم ہو یا زر کتابت پر طاقت ہو یا یہ معلوم نہ ہو جب وہ کہے گا: میں عاجز آ گیا ہوں (قسط ادا کرنے سے) تو کتابت باطل ہو جائے گی۔ امام مالک نے فرمایا: جب مکاتب عاجز ہو جائے گا تو جو اقساط مالک اس سے پہلے وصول کر چکا ہوگا وہ بھی مالک کے لیے حلال ہو جائیں گی خواہ وہ غلام کی محنت سے تھیں یا اس پر صدقہ کی گئی تھیں اور جو مال اسے اپنی گردن آزاد کرنے کے لیے دیا گیا تھا اور وہ اس نے کتابت میں نہ لگایا تو جنھوں نے وہ مال دیا تھا وہ اپنا واپس لے سکتے ہیں خواہ کسی نے اسے خود دیا ہو اور مکاتب نے اسے معاف کرایا ہو۔ اگر لوگوں نے اس کی بطور صدقہ مدد کی تھی گردن چھڑانے کی غرض سے نہیں دیا تھا۔ اگر وہ غلام قسط ادا کرنے سے عاجز آ گیا تو وہ صدقہ کا مال آقا کے لیے حلال ہوگا اگرچہ اس کے ساتھ اس کی آزادی مکمل ہوئی ہو اور اس سے کچھ مال بچ بھی جاتا ہو۔ اگر وہ آزادی کی غرض سے تھا تو وہ انھیں حصص کے ساتھ واپس کرے گا یا وہ اس کو معاف کریں گے؛ یہ امام مالک کا مذہب ہے جو ابن قاسم نے ذکر کیا ہے۔ اکثر اہل علم نے کہا: اگر وہ مال جس پر مالک نے زر کتابت میں سے قبضہ کر لیا اور جو مال اس کے عاجز آنے کے بعد بچ گیا صدقہ وغیرہ میں سے تو وہ مالک کے لیے ہوگا اور اس کے لئے یہ تمام مال لینا جائز ہے۔ یہ امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب، امام احمد بن حنبل کا قول ہے اور ایک روایت شریح سے بھی یہی مروی ہے۔ ثوری نے کہا: جو اس نے اس کو دیا ہے آقا اسے گردن چھڑانے میں خرچ کرے؛ یہ مسروق اور نخعی کا قول ہے اور ایک روایت شریح سے یہ بھی ہے۔ ایک طائفہ نے کہا: جو مالک نے اس سے قبضہ کیا ہے وہ اس کا ہے اور عاجز آنے کے بعد جو اس کے قبضہ میں بچا ہوا ہے وہ غلام کا اپنا ہے مالک کے لیے نہیں ہے؛ یہ ان علماء کا قول ہے جو کہتے ہیں غلام مالک ہوتا ہے۔ اسحاق نے کہا: جو اسے کتابت کی حالت میں عطا کیا گیا وہ جنھوں نے دیا تھا ان پر لوٹایا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 10۔ حدیث بریرہ اپنے طرق اور الفاظ کے اختلاف کے باوجود اس بات کو متضمن ہے کہ

1۔ صحیح بخاری، مقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ زمن الفتح، جلد 2، صفحہ 616

2۔ جامع ترمذی، ابواب الادب، ماجاء فی احتجاب النساء من الرجال، جلد 2، صفحہ 101

اسمیں بیع کتابت کا معاملہ طے ہونے کے بعد واقع ہوئی تھی۔ اس سبب سے مکاتب کی بیع میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ امام بخاری نے ایک عنوان ذکر کیا ہے (باب بیع المکاتب اذا رضی) اور آزادی کے لیے اس کی بیع کا جواز ہے جب مکاتب بیع پر راضی ہو اگرچہ عاجز نہ بھی ہو۔ ابن المنذر اور دراوردی کا یہ نظریہ ہے اور ابو عمر عبد البر نے اس کو پسند کیا ہے یہی ابن شہاب، ابوالزناد اور ربیعہ کا قول ہے مگر انہوں نے کہا: اس کا بیع پر راضی ہونا اس کا عاجز آنا ہے۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: مکاتب کا بیچنا جائز نہیں ہے جب تک وہ مکاتب ہے حتیٰ کہ وہ عاجز آجائے اور اس کی کتابت کی بیع جائز نہیں ہے؛ یہ مصر میں امام شافعی کا قول تھا اور عراق میں فرماتے تھے اس کی بیع جائز ہے اور کتابت کی بیع جائز نہیں ہے۔ امام مالک نے کتابت کی بیع کو جائز قرار دیا جب وہ کتابت ادا کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا ورنہ وہ کتابت کے خریدنے والے کے لیے غلام ہوگا۔ امام ابوحنیفہ نے اس سے منع کیا ہے کیونکہ اسمیں دھوکا ہے۔ امام شافعی کا قول منع اور اجازت میں مختلف ہے۔ ایک جماعت نے کہا: مکاتب کی بیع جائز ہے جبتک وہ کتابت میں ہے اگر وہ کتابت ادا کر دے گا تو وہ آزاد ہو جائے گا اور اس کی ولاء اس کے لئے ہوگی جس نے اسے خریدا تھا اگر وہ عاجز آگیا تو وہ خریدنے والے کا غلام ہوگا۔ امام نخعی، عطاء، لیث، احمد اور ابوثور کا یہی قول ہے امام اوزاعی نے کہا: مکاتب کو نہیں بیچا جائے گا مگر آزاد کرنے کے لیے۔ اس کے عاجز آنے سے پہلے اس کو بیچنا مکروہ ہے۔ یہ امام احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ ابو عمر نے کہا: حدیث بریرہ میں مکاتب کی بیع کی اجازت ہے جب وہ بیع پر راضی ہو اور وہ قسط ادا کرنے سے عاجز نہ ہو جس کو ادا کرنے کا وقت آگیا ہے جبکہ ان علماء کا قول مختلف ہے جو کہتے ہیں کہ مکاتب کی بیع جائز نہیں ہے مگر عجز کی صورت میں کیونکہ بریرہ نے ذکر نہیں کیا کہ وہ قسط ادا کرنے سے عاجز ہے اور نہ اس نے بتایا کہ اس پر قسط ادا کرنے کا وقت آگیا ہے اور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا تو عاجز ہے یا کیا تجھ پر قسط ادا کرنے کا وقت آگیا ہے یا نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے خریدنے کی اجازت نہ دیتے مگر یہ جاننے کے بعد کہ وہ عاجز ہے اگرچہ ایک قسط کی ادائیگی سے عاجز ہوتی جس کی ادائیگی کا وقت آچکا تھا۔ زہری کی حدیث میں ہے اس نے زر کتابت سے کچھ بھی ادا نہیں کیا تھا اور میں اس باب میں بریرہ کی اس حدیث سے اصح کوئی حجت نہیں جانتا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی چیز مروی نہیں ہے جو اس کے معارض ہو اور نہ کوئی خبر مروی ہے جو اس کے عجز پر دال ہو۔ اور علماء نے مکاتب کی بیع سے منع کیا ہے انہوں نے کئی امور سے استدلال کیا ہے۔ انہوں نے کہا: مذکورہ کتابت ابھی منعقد نہیں ہوئی تھی اور حضرت بریرہ کا یہ کہنا کہ میں نے اپنے مالکوں سے کتابت کی ہے اس کا مطلب ہے میں نے مکاتب بنانے کا ان سے سودا طے کیا ہے انہوں نے اس کی قیمت، مدت مقدر کی ہے اور ابھی تک عقد نہیں ہے۔ احادیث کا ظاہر اس کے خلاف ہے جب اس کا سیاق غور سے پڑھا جائے۔ علماء نے کہا: بریرہ ادائیگی سے عاجز تھی اور اس نے اپنے مالکوں سے کتابت کے فسخ کرنے پر اتفاق کر لیا تھا اس وقت بیع صحیح ہوتی ہے مگر یہ ان علماء کے قول کے مطابق ہے جو کہتے ہیں کہ مکاتب کے عاجز ثابت ہونے کے لئے حاکم کی ضرورت نہیں جب غلام اور آقا اس پر متفق ہو جائیں کیونکہ حق ان سے تجاوز نہیں کرتا؛ یہ معروف مذہب ہے۔ سحنون نے کہا: سلطان کا ہونا ضروری ہے۔ اس سے خوف ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حق کے ترک پر متفق ہو جائیں اس کی صحت پر دلیل ہے کہ وہ

عاجز ہوگئی تھی جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ ان سے اپنی کتابت کے سلسلہ میں مدد طلب کرنے کے لیے آئی تھی اور ابھی اس نے اپنی کتابت سے کچھ ادا نہیں کیا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے کہا: تو اپنے مالکوں کی طرف لوٹ جا اگر وہ پسند کریں کہ میں تیری کتابت ادا کردوں تو میں ایسا کردوں گی۔ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ تمام کتابت یا بعض کتابت کا اس پر استحقاق ہو چکا تھا کیونکہ حقوق ادا نہیں کیے جاتے مگر جس کا مطالبہ ثابت ہو۔ واللہ اعلم۔ یہ تاویلات ان کی اپنی بیماری کے زیادہ مشابہ ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ ابن المنذر نے کہا: میں اس شخص کے لیے حجت نہیں جانتا جو کہتا ہے کہ مکاتب کی بیع جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ کہے: شاید بریرہ عاجز آ گئی تھی۔ امام شافعی نے فرمایا: اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ مکاتب کے مالک کے لیے اس کا بیچنا جائز ہے۔

مسئلہ نمبر 11: مکاتب جب کتابت ادا کر دے تو وہ آزاد ہو جائے گا اور وہ مالک سے آزادی کی ابتدا کی طرف محتاج نہ ہوگا۔ اسی طرح اس کی اولاد جو اس کی لونڈی سے کتابت کے دوران پیدا ہوئی وہ بھی اس کے آزاد ہونے کے ساتھ آزاد ہوں گے اور اس کے غلام ہونے کے ساتھ غلام ہوں گے کیونکہ انسان کی اولاد اس کی لونڈی سے اس کے مقام کی وجہ سے آزاد تصور کی جائے گی اسی طرح مکاتبہ کی اولاد کا تصور ہوگا۔ اگر کتابت سے پہلے ان کی اولاد ہو تو وہ کتابت میں داخل نہ ہوگی مگر شرط کے ساتھ۔

مسئلہ نمبر 12۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ یہ مالکوں کو حکم ہے کہ وہ کتابت کے مال میں ان کی مدد کریں یا تو خود اپنی طرف سے کچھ ادا کر دیں یا زر کتابت کے مال سے کچھ انہیں معاف کر دیں امام مالک نے فرمایا: مکاتب سے آخری قسط میں سے ساقط کیا جائے گا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے پینتیس ہزار ۳۵۰۰۰ میں سے پانچ ہزار معاف کیے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چوتھائی کتابت ساقط کرنے کو اچھا سمجھا ہے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حسن بن ابی حسن نے تہائی معاف کرنے کو مستحسن کہا ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کا دسواں حصہ معاف کرے۔ ابن جبیر نے کہا: کچھ معاف کردے۔ انہوں نے اس کی حد متعین نہیں کی؛ یہی امام شافعی کا قول ہے۔ ثوری نے اس کو مستحسن کہا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: کچھ معاف کرے کم از کم چیز جس پر کچھ چیز ہونے کا اطلاق ہوتا ہو۔ اس پر مالک کو مجبور کیا جائے گا اور حاکم اس کے ساتھ ورثاء پر حکم لگائے گا اگر سردار مر جائے گا۔ امام مالک نے اس امر کو استحباب پر محمول کیا ہے اور کم کرنے کی مقدار کی حد متعین نہیں فرمائی۔ امام شافعی نے وَّاٰتُوْهُمْ کے قول میں مطلق امر سے حجت پکڑی ہے اور ان کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى (النحل: 90) اور جو آیات اس کی مثل ہیں۔ ابن عربی نے کہا: اس سے پہلے یہ اسماعیل بن اسحاق قاضی نے ذکر کیا ہے۔ امام شافعی نے عطا کرنے کو واجب کہا ہے اور کتابت واجب نہیں ہے۔ پس امام شافعی نے اصل کو غیر واجب اور فرع کو واجب کہا ہے۔ اس کی مثال نہیں ہے۔ یہ محض ایک دعویٰ ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ نکاح کی طرح ہوگا یہ واجب نہیں اور جب یہ منعقد ہو جائے تو اس کے احکام واجب ہوتے ہیں ان میں سے متعہ ہے ہم کہتے ہیں: ہمارے نزدیک متعہ واجب نہیں ہے۔ حضرت عثمان بن عفان نے اپنے غلام کو

مکاتب بنایا اور قسم اٹھائی کہ زر کتابت میں کچھ بھی معاف نہیں کریں گے۔ یہ ایک طویل حدیث میں ہے۔

میں کہتا ہوں: حسن اور نخعی اور بریدہ نے کہا وَاٰتُوْهُمْ کا خطاب تمام لوگوں کو ہے کہ وہ مکاتب لوگوں پر صدقہ کریں اور ان کی گردنیں آزاد کرانے میں ان کی مدد کریں۔ زید بن اسلم نے کہا: یہ خطاب والیوں کو ہے کہ وہ صدقہ کے مال سے ان کا حصہ انہیں ادا کریں (1)۔ یہ وہ قول ہے جس کو فی الرقاب کا قول اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے ان دو اقوال کی بنا پر مالک کے لیے ضروری نہیں کہ وہ مکاتب سے اس کی کتابت سے کوئی چیز ساقط کرے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کتابت کی اقساط سے کوئی چیز ساقط کرنے کا ارادہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ان سے اتنا مال ساقط کردو۔

مسئلہ نمبر 13۔ جب ہم نے کہا کہ مخاطب مالک ہیں تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خیال کیا کہ یہ سقوط پہلی قسط سے ہوگا خیر کی طرف جلدی کرنے کے لیے کیونکہ ممکن ہے کہ آخری قسط کو نہ پائے۔ امام مالک وغیرہ نے کہا: سقوط آخری قسط سے ہو اس کی علت یہ ہے کہ جب وہ پہلی قسط سے ساقط کرے گا تو بعض اوقات غلام عاجز آجاتا ہے تو وہ اور اس کا مال سب مالک کی طرف لوٹ جائے گا اور اس کا ساقط کرنا بھی اس کی طرف لوٹ جائے گا جبکہ یہ صدقہ کے مشابہ ہے؛ یہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے مجاہد نے کہا: وہ اس کے لئے ہر قسط سے کچھ چھوڑ دے۔ ابن عربی نے کہا: میرے نزدیک اقوی یہ ہے کہ وہ آخر میں ساقط کرے کیونکہ ہمیشہ ساقط کرنا قرضوں کے آخر میں ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ کتابت کی عقد کی صفت میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابن خویز منداد نے کہا: اس کا طریقہ یہ ہے کہ مالک اپنے غلام کو کہے میں نے تجھے اتنے اتنے مال پر مکاتب بنایا اتنی اتنی قسط ہوگی جب تو یہ ادا کر دے گا تو تو آزاد ہوگا یا اسے کہے تو مجھے ہزار دس قسطوں میں ادا کر دے تو تو آزاد ہے۔ غلام کہے: مجھے قبول ہے۔ اس طرح کے الفاظ کہے جب وہ اسے ادا کر دے گا تو آزاد ہوگا۔ اسی طرح اگر غلام نے کہا: مجھے مکاتب بنا دے اور سردار کہے: میں نے ایسا کر دیا یا کہے: میں نے مکاتب بنا دیا۔ ابن عربی نے کہا: یہ لازم نہیں ہے کیونکہ قرآن کے الفاظ اس کا تقاضا نہیں کرتے اور حال اس کی گواہی نہیں دیتا اگر وہ اس کا ذکر کرے تو اچھا ہے اگر وہ اس کو ترک کر دے تو معلوم ہے اس کی احتیاج نہیں ہے۔ اس باب کے مسائل اور فروع کثیر ہیں ہم نے اس کے اصول سے تمام ذکر کر دیے ہیں جو ان پر اکتفا کرے اس کے لیے کافی ہے۔ واللہ الموفق للهداية۔

مسئلہ نمبر 16۔ مکاتب کی میراث کے بارے میں علماء کے مختلف تین اقوال ہیں۔ امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ مکاتب جب مر جائے اور وہ اپنی کتابت سے زائد مال چھوڑ جائے اور اس کے وہ بچے موجود ہوں جو کتابت کے عرصہ میں پیدا ہوئے ہوں یا ان پر اس نے مکاتبت کی ہو تو کتابت ادا کرنے کے بعد وہ باقی مال کے وارث ہوں گے کیونکہ بچوں کا حکم اس کے حکم کی طرح ہے۔ اور اگر اس نے مال نہ چھوڑا ہو تو باقی کتابت کے لیے وہ کوشش کریں گے اور وہ آزاد نہ ہوں گے مگر اس کی آزادی کے ساتھ۔ اگر ان کی طرف سے وہ ادا کرے جس نے ان کی طرف رجوع کرنا تھا، کیونکہ وہ اس پر آزاد ہو

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 182

ں گے تو وہ بدرجہ اولی اس کی میراث کے مستحق ہوں گے کیونکہ وہ تمام حالات میں اس کے مساوی ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اپنے مال سے تمام زر کتابت ادا کرے اور اسے اس طرح کردے گویا وہ آزاد مرا ہے اور اس کی تمام اولاد اس کی وارث بن جائے خواہ وہ اولاد جو اس کی موت سے پہلے آزاد تھی اور ان پر اس نے مکاتبت کی تھی یا اس کی کتابت کے دوران پیدا ہوئے تھے کیونکہ وہ حریت میں تمام برابر ہو گئے تھے جب ان کی طرف سے ان کی کتابت ادا ہو گئی؛ یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور تابعین میں سے عطا، حسن، طاؤس اور ابراہیم سے مروی ہے۔ یہی کوفہ کے فقہا، سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب حسن بن صالح بن حی کا قول ہے۔ اسحاق کا نظریہ بھی یہی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ مکاتب جب تمام کتابت ادا کرنے سے پہلے مرجائے تو وہ غلام کی حیثیت سے مرے گا جو مال پیچھے چھوڑے گا وہ اس کے مالک کے لیے ہوگا اس کی اولاد میں سے کوئی وارث نہ ہوگا نہ آزاد اولاد، نہ وہ جو کتابت کے دوران اس کے ساتھ تھے، کیونکہ جب وہ تمام زر کتابت ادا کرنے سے پہلے مر گیا تو وہ غلام ہو کر مرا اور اس کا مال اس کے مالک کا ہے اس کے مرنے کے بعد اس کا آزاد ہونا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کے مرنے کے بعد اس کا آزاد ہونا محال ہے اور اس کی وہ اولاد جن پر اس نے مکاتبت لی یا جو اس کی کتابت کے دوران پیدا ہوئے باقی کتابت میں انہیں محنت کرنا ہوگی اور ان سے اس کے حصہ کی مقدار ساقط ہوگا۔ جب وہ ادا کردیں گے تو وہ آزاد ہو جائیں گے وہ انہیں اپنے باپ کے تابع ہوں گے۔ اگر وہ زر کتابت ادا نہیں کریں گے تو وہ غلام ہوں گے؛ یہ امام شافعی کا قول ہے، یہی امام احمد بن حنبل کا قول ہے یہی حضرت عمر بن خطاب، حضرت زید بن ثابت، عمر بن عبدالعزیز، زہری اور قتادہ کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ لَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے(1) کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی کے بارے نازل ہوئی اس کی دو لونڈیاں تھیں ایک کا نام معاذہ تھا اور دوسری کا نام مسیکہ تھا وہ انہیں زنا پر مجبور کرتا تھا اور انہیں اجرت طلب کرنے اور بچہ حاصل کرنے پر تکلیف دیتا تھا ان دونوں لونڈیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو عبداللہ بن ابی اور منافقین میں جو ایسا کرتے تھے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ معاذہ یہ اس خولہ نامی عورت کی ماں تھی جس نے بارگاہ رسالت میں اپنے خاوند کے بارے میں جھگڑا کیا تھا صحیح مسلم میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ عبداللہ بن ابی کی لونڈی جسکا نام مسیکہ تھا اور دوسری کا نام امیمہ تھا وہ انہیں زنا پر مجبور کرتا تھا انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَ لَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَ مَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝ ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا یہ الفتیات کی طرف راجع ہے۔ یہ اس طرح ہے لونڈی جب تحصن (پاکدامنی) کا ارادہ کرے تو اس وقت مالک کے لیے مجبور کرنا ممکن ہوتا ہے اور اسے مجبور کرنے سے اسے منع کرنا ممکن ہوتا ہے جب لونڈی خود ہی اس گناہ سے بچنے کا ارادہ نہ رکھتی ہو تو آقا کو یہ کہنا ممکن بھی نہیں کہ تو اسے زنا پر مجبور نہ کر، کیونکہ اکراہ (مجبور کرنا) متصور نہیں ہوتا جبکہ وہ زنا کا ارادہ کرنے والی ہو، یہ سرداروں اور لونڈیوں کو امر

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 381

ہے جبکہ ان کی یہ حالت ہو اس مفہوم کی طرف ابن عربی نے اشارہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کی طرف سے بدکاری سے بچنے کے ارادہ کا ذکر کیا ہے کیونکہ مالک کی طرف سے اسے اکراہ (مجبور کرنا) اسی حالت میں متصور ہوتا ہے۔ جب وہ زنا میں پہلے بھی رغبت رکھتی ہو تو اکراہ متصور نہیں ہو سکتا پس علماء نے فرمایا: اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا، الایامی کی طرف راجع ہے۔ زجاج اور حسن بن فضل نے کہا: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے (1) یعنی ایامی اور اپنے نیک لوگوں کا نکاح کر دو بعض نے فرمایا: اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا کی شرط ملغہ ہے۔ اس طرح کے اقوال کمزور ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا یہ مال جو لونڈی فرج کے ذریعے کماتی ہے اور وہ بچہ جو غلام بنایا جائے اور بیچا جائے۔ بعض نے کہا: زانی، مزنی بہا کی اولاد کو سو اونٹ فدیہ دیتا تھا، پھر وہ مالک کو سو اونٹ پیش کرتا تھا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ یُّكْرِهْهُّنَّ جو انہیں مجبور کرتا ہے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ ان کے لیے اللہ تعالیٰ غفور ہے (رحیم) اور ان پر رحم کرنے والا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، جابر بن عبد اللہ اور ابن جبیر نے لھن غفور پڑھا ہے۔ اکراہ (مجبور کرنا) پر کلام سورۃ النحل میں گزر چکی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مومنین پر اپنے انعام شمار کیے جو اس نے ان پر روشن آیات میں سے نازل کیا ان میں گزشتہ قوموں کی مثالیں ہیں تاکہ جن برے کاموں میں وہ واقع ہوئے تھے یہ اس سے پرہیز کریں۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّلَا غَرْبِیَّةٍ ۙ یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ؕ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۟ۙ﴿۳۵﴾

''اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا، اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو اس میں چراغ ہو، وہ چراغ شیشہ کے (ایک فانوس) میں ہو، وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے جو موتی کی طرح چمک رہا ہے جو روشن کیا گیا ہے برکت والے زیتون کے درخت سے جو نہ شرقی ہے نہ غربی ہے قریب ہے اس کا تیل روشن ہو جائے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے، (یہ) نور ہی نور ہے، پہنچا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے، اور بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ طرح طرح کی مثالیں لوگوں (کی ہدایت) کے لیے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کلام عرب میں نور ان روشنیوں کو کہتے ہیں جو آنکھ کے ذریعے دیکھی جاتی ہیں مجازاً دوسرے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنی چمکنا بھی ہے۔ اسی سے کہا جاتا ہے: کلام له نور اس کا چمکنے والا کلام ہے۔ اسی سے الکتاب المنیر (روشن کتاب) ہے، اسی سے شاعر کا قول ہے:

نَسب كَأَنَّ عليه من شمس الضحا نورا ومِن فَلَقِ الصباح عمودا (2)

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 201
2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 183

لوگ کہتے ہیں: فلان نور البلد و شمس العصر و قمرہ فلاں شہر کا نور ہے زمانہ کا سورج اور چاند ہے۔

شاعر نے کہا: فإنك شمس والملوك كواكبٌ۔

ایک شاعر نے کہا:

هَلّا خصصت من البلاد بمقصد قمر القبائل خالد بن يزيد

ایک اور شاعر نے کہا:

إذا سار عبدالله من مَرْوَ ليلة فقد سار منها نورها و جمالها

یہ کہنا بھی جائز ہے اس کا معنی ہو اللہ کا نور ہے۔ یہ مدح کی جہت سے ہو کیونکہ اس نے تمام اشیاء کو پیدا کیا اور تمام اشیاء کا نور اس سے ہے اس سے تمام اشیاء کی ابتدا ہے اور اسی سے ان کا صدور ہے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے وہ ان روشنیوں میں سے نہیں ہے جو آنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہیں وہ پاک ہے اس سے جو ظالم کہتے ہیں اس کی شان اس سے بلند اور بڑی ہے۔ ہشام جوالقی اور مجسمیہ گروہ نے کہا: وہ نور ہے دوسرے انوار کی طرح نہیں، وہ جسم ہے دوسرے اجسام کی طرح نہیں یہ تمام اللہ تعالیٰ پر عقلاً اور نقلاً محال ہے جیسا کہ علم الکلام میں معروف ہے پھر ان کا قول متناقض ہے کیونکہ ان کا قول جسم یا نور ہے اس پر اس کی حقیقت کے ساتھ ایک حکم ہے اور ان کا قول: دوسرے نوروں کی طرح نہیں دوسرے اجسام کی طرح نہیں۔ اس چیز کی نفی ہے جس کو انہوں نے جسمیت اور نور میں سے ثابت کیا تھا یہ تناقض ہے اور اس کی تحقیق علم الکلام میں ہے جو انہیں اس میں ظاہر نظر آیا انہوں نے اس کی اتباع کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب آپ نماز تہجد کے لیے اٹھتے تو یہ کہتے: اللھم لك الحمد، أنت نور السموٰت والأرض (1)۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے نور دیکھا" (2) اس کے علاوہ بھی احادیث ہیں۔ علماء نے اس آیت کی تاویل میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا مطلب ہے، اس کے ساتھ اور اس کی قدرت سے اشیاء کی روشنی چمکی اور ان کے امور قائم ہوئے اور مصنوعات بنیں۔ یہ کلام ذہن کی تقریب پر مبنی ہے جیسے کہا جاتا ہے: الملك نور اهل البلد یعنی شہر والوں کے معاملات کا قیام اور ان کی صلاح بادشاہ کے ساتھ ہے کیونکہ اس کے امور سیدھے راستے پر چلاتے ہیں۔ یہ الملک کے لفظ میں مجاز ہے یہ اللہ تعالیٰ کی صفت میں حقیقت محضہ ہے کیونکہ اس نے موجودات کو پیدا کیا عقل کو نور اور ہدایت دینے والا بنایا کیونکہ موجود کا ظہور اس کے ساتھ حاصل ہوا جس طرح روشنی کے ساتھ دیکھی جانے والی چیزوں کا ظہور حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی بابرکت ہے اس کے علاوہ کوئی رب نہیں ہے؛ یہ معنی مجاہد اور زہری وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ ابن عرفہ نے کہا: اس کا مطلب ہے وہ آسمانوں اور زمینوں کو منور کرنے والا ہے اسی طرح ضحاک اور قرظی نے کہا ہے جیسے لوگ کہتے ہیں: فلاں غیاثنا یعنی وہ ہماری مدد کرنے والا ہے فلاں زادی فلاں میرے ساز و سامان تیار کرنے والا ہے؛ جریر نے کہا:

وأنت لنا نور وغَيْثٌ وعصمه ونَبْتٌ لمن يرجو نَدَاك وريقٌ

1۔ صحیح مسلم، صلوٰۃ النبی ﷺ و دعائہ باللیل، جلد 1، صفحہ 262 2۔ ایضاً، صلوٰۃ المسافرین و قصرھا، جلد 1، صفحہ 99

یعنی ذو ورق۔ مجاہد نے کہا: آسمانوں اور زمین میں امور کی تدبیر فرمانے والا ہے۔ حضرت ابی بن کعب، حسن اور ابو العالیہ نے کہا: وہ سورج، چاند اور ستاروں سے آسمانوں کو مزین کرنے والا ہے (1) اور زمین کو انبیاء، علماء اور مومنین کے ساتھ مزین کرنے والا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت انس نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ آسمان والوں اور زمین والوں کا ہادی ہے (2)۔ پہلا معنی اعم ہے اور تاویل کے ساتھ زیادہ اصح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَثَلُ نُوْرِهٖ یعنی اس کے دلائل کی صفت جو وہ بندہ مومن کے دل میں ڈالتا ہے۔ دلائل کو نور کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو نور کہا ہے فرمایا: اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ۝ (النساء) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو نور فرمایا: قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۝ (المائدہ) یہ اس وجہ سے فرمایا کیونکہ کتاب ہدایت دیتی ہے اور بیان کرتی ہے اسی طرح رسول کی بھی یہی مثال ہوتی ہے اللہ کی طرف اضافت کی وجہ یہ ہے کہ وہ دلالت کو ثابت کرنے والا ہے اور بیان کرنے والا ہے اور اسے وضع کرنے والا ہے یہ آیت دوسرے معانی کا بھی احتمال رکھتی ہے۔ اس میں مثال کے ہر جز کا مقابلہ ممثل بہ کے ہر جز کے ساتھ نہیں بلکہ اس میں جملہ کی جملہ کے ساتھ تشبیہ واقع ہوئی ہے کیونکہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ہدایت، ہر مخلوق کی صنعت کو اس کا پختہ کرنا اور ان تمام پر اس کے پھیلے ہوئے دلائل ہیں جیسے اس نور سے ہے جس کو تم اس صفت پر بناتے ہو جو اس نور کی صفات میں ابلغ ترین صفت پر ہے جو لوگوں کے سامنے ہے۔ بس وضوح اور روشنی میں اللہ کے نور کی مثال اسطرح ہے جس پر تمہاری انتہا ہے اے انسانو! المشکاۃ۔ دیوار میں بنے ہوئے طاق کو کہتے ہیں جو آر پار نہیں ہوتا؛ یہ ابن جبیر اور جمہور مفسرین کا قول ہے۔ یہ روشنی کو جمع کرتا ہے اس میں چراغ دوسری جگہوں کی نسبت زیادہ روشنی دیتا ہے اس کی اصل وہ برتن ہے جس میں کوئی چیز رکھی جاتی ہے مشکاۃ چمڑے کا برتن جیسے ڈول، اس میں پانی ٹھنڈا ہوتا ہے یہ مِفعلۃ کے وزن پر ہے جیسے مقراۃ و مصفاۃ۔ شاعر نے کہا:

كأن عَيْنَيه مِشكاتان في حجر　قِيضا اقتياضا بأطراف المناقير

بعض علماء نے کہا: مشکاۃ قندیل کا ستون جس میں وٹ ہوتی ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد قندیل ہے (3)۔ فرمایا: فِیْ زُجَاجَةٍ کیونکہ وہ شفاف جسم ہے چراغ، فانوس میں زیادہ روشن ہوتا ہے۔ اَلْمِصْبَاحُ آگ کے ساتھ وٹ: كانها كوكب درى، روشنی کرنے اور چمک میں ستارے کی مانند ہے۔ اس میں دو معانی کا احتمال ہے، وہ چراغ کے ساتھ اس طرح ہے یا اپنی صفائی اور اپنے جوہر کی عمدگی کی وجہ سے اس طرح ہے۔ یہ تاویل نور پر تعاون میں زیادہ بلیغ ہے۔ ضحاک نے کہا: الکوکب الدری سے مراد زہرہ ستارہ ہے (4)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ یعنی درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے۔ مضاف کو حذف کیا گیا ہے اور درخت کو مبارک کہا گیا ہے کیونکہ زیتون نما (برہوتری) کے اعتبار سے پھلوں میں سے بڑا ہے۔ اسی طرح انار ہے۔ مشاہدہ اس کا تقاضا کرتا ہے ابو طالب نے مسافر بن ابی عمرو بن امیۃ بن عبد شمس کے مرثیہ میں کہا:

ليتَ شِعْرِي مسافرِبن أبي عمرو　وليتٌ يقولها المحزونُ

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 202　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 203　4۔ تفسیر ثعلبی، جلد 4، صفحہ 189

بورك الميّت الغريب كما بو رك نبعُ الرمان والزيتونُ(1)

بعض نے کہا: ان کی برکت کی وجہ سے ان کو مبارک کہا گیا ہے کیونکہ ان کی ٹہنیاں نیچے سے اوپر تک پتے نکالتی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: زیتون میں بہت سے منافع ہیں۔ اس سے چراغ جلایا جاتا ہے، یہ بطور سالن استعمال ہوتا ہے، بطور تیل استعمال ہوتا ہے، اس کے ساتھ دباغت کی جاتی ہے، اس کے ساتھ لکڑیوں کو آگ لگائی جاتی ہے، اس میں کوئی ایسی چیز نہیں مگر اس میں منفعت ہے حتی کہ اس کی راکھ کے ساتھ ریشم کو صاف کیا جاتا ہے۔ یہ پہلا درخت ہے جو دنیا میں پیدا ہوا اور طوفان نوح کے بعد سب سے پہلے اگنے والا یہی درخت ہے۔ انبیاء کی منازل اور ارض مقدسہ میں اگتا ہے۔ اس کے لیے ستر انبیاء کرام نے برکت کی دعا کی۔ ان میں حضرت ابراہیم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اللهم بارك في الزيت والزيتون یہ دو مرتبہ عرض کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لاشرقية ولا غربية اس قول میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، قتادہ وغیرہم نے فرمایا: شرقية، جس کو سورج کی دھوپ پڑتی ہے جب سورج طلوع ہوتا ہے(2)۔ اور جب سورج غروب ہوتا ہے تو اس وقت اسے سورج کی دھوپ نہیں لگتی، کیونکہ اس کے لیے پردہ ہوتا ہے۔ اور غربیہ، اس کے برعکس ہے یعنی وہ صحراء میں درخت ہے زمین پر ظاہر ہے سورج کی دھوپ سے کوئی چیز اسے نہیں چھپاتی وہ تیل کے لیے عمدہ ہوتا ہے نہ خالصۃ شرق کے لیے ہے کہ اسے شرقیہ کہا جائے اور نہ غرب کے لیے ہے کہ اسے غربیہ کہا جائے بلکہ وہ شرقیہ غربیہ ہے۔ طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ وہ ایک بہت بڑے صحن میں درخت ہے اس کو اس گھر نے گھیرا ہوا ہے۔ وہ شرق کی جہت سے نہ منکشف ہوتا ہے اور نہ غرب کی جہت سے منکشف ہوتا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے درست نہیں ہے کیونکہ وہ پھل جو اسطرح ہوتا ہے اس کی اطراف خراب ہوتی ہیں یہ کائنات میں مشاہدہ ہے۔ حسن نے کہا: یہ دنیا کے درختوں میں سے نہیں ہے(3) یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کے لیے قائم فرمائی ہے کیونکہ اگر یہ دنیا میں ہوتا تو یا یہ شرقیہ ہوتا یا غربیہ ہوتا۔ ثعلبی نے کہا: قرآن نے واضح طور پر بیان فرمایا کہ یہ دنیا کا درخت ہے، کیونکہ شام کے درخت نہ شرقی ہیں نہ غربی ہیں شام کے درخت افضل درخت ہیں یہ ارض مبارکہ ہے اور شرقیۃ، زیتونۃ کی نعت ہے اور لاصفت اور موصوف کے درمیان حائل نہیں ہوتا ولا غربية، اس پر ولا غربية کا عطف کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ یہ اس کے حسن صفائی اور جودت میں مبالغہ ہے نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ، مشکاۃ میں چراغ کی روشنی جمع ہے زجاجہ (شیشہ) تک وہ روشنی پہنچتی ہے اور تیل کی روشنی تک پہنچتی ہے پس اسی وجہ سے وہ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ہو گیا ہے۔ یہ انوار مشکاۃ (طاق) میں جمع ہوئے تو وہ انتہائی خوبصورت نور ہو گیا اسی طرح اللہ تعالیٰ کے براہین واضح ہیں۔ یہ دلیل کے بعد دلیل ہے اور تنبیہ کے بعد تنبیہ ہے جیسے رسولوں کو مبعوث فرمایا، کتب کو نازل فرمایا اور نصیحتیں فرمائیں جن میں عقل سلیم رکھنے والے کے لیے تکرار ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ وہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی طرف اسے ہدایت دیتا ہے اور اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے سعادت بخشتا ہے اپنے بندوں پر ضرب الامثال کی صورت میں اپنے فضل کا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 184 2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 185 3۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 205

ذکر فرمایا تا کہ انہیں عبرت نصیب ہو اور ایسی نظر ملے جو انہیں ایمان تک پہنچانے والی ہو۔ عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ اور ابو عبدالرحمن سلمی نے اللہ نور نون کے فتحہ اور واو کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ نورہ کی ضمیر کا مرجع کیا ہے مفسرین کا اس میں اختلاف ہے۔ کعب احبار اور ابن جبیر نے کہا: اس کا مرجع حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی مثل نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم (1)۔ ابن انباری نے کہا: اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ پر وقف حسن ہے پھر کلام کا آغاز ہو رہا ہے مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ یعنی نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال۔ حضرت ابی بن کعب اور ابن جبیر نے بھی اور ضحاک نے کہا: اس کا مرجع مومنین ہیں۔ حضرت ابی کی قراءت میں مثل نور المومنین ہے اور یہ بھی روایت ہے کہ ان کی قراءت میں مثل نور المومن ہے روایت ہے کہ اس میں مثل نور من امن بہ ہے۔ حسن نے کہا: اس کا مرجع قرآن اور ایمان ہے۔ مکی نے کہا: ان اقوال کی بناء پر (الارض) پر وقف ہوگا ابن عطیہ نے کہا: ان اقوال کی بنا پر ضمیر کا مرجع ایسا ہوگا جس کا پہلے ذکر نہیں ہے۔ اس میں مثال کے ہر جز کا مقابلہ مثل بہ کے جز سے ہوگا۔ پس جنہوں نے کہا کہ مثل بہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وہ کعب خبر کا قول ہے۔ اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشکاۃ ہوں گے یا آپ کا سینہ مشکاۃ ہوگا اور مصباح سے مراد نبوت اور اس سے متصل اچھا عمل اور ہدایت ہے۔ الزجاجۃ سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب (دل) ہے الشجرۃ المبارکۃ سے وحی اور ملائکہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کا پیغام آپ کی طرف لاتے تھے اور اس کا سبب جو اس سے متصل ہوتا۔ الزیت سے مراد وہ حجج و براہین ہیں وحی جن کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہوتی تھی اور جنہوں نے کہا: مثل بہ مومن ہے۔ ان کے نزدیک چراغ سے مراد ایمان اور علم ہے۔ زجاج سے مراد اس کا دل ہے۔ زیت سے مراد حجتیں اور حکمت ہے جن کو وہ اپنے اندر رکھتا ہے۔ حضرت ابی نے کہا: وہ مومن لوگوں میں بہتر حالت میں چلتا ہے جس طرح زندہ مردوں کی قبور میں چلتا ہے اور جنہوں نے کہا: مثل بہ قرآن اور ایمان ہے تو تقدیر کلام اسطرح ہوگی مثل نورہ الذی ھو الایمان فی صدر المومن فی قلبہ کمشکاۃ یعنی اس نور کی مثال جو ایمان ہے جو بندہ مومن کے سینہ میں ہے اس کے دل میں ہے جو طاق کی طرح ہے۔ اس میں پہلی دونوں تشبیہوں کی طرح تشبیہ نہیں ہے کیونکہ مشکاۃ ایمان کا مقابل نہیں ہے۔ ایک جماعت نے کہا: ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جسے ثعلبی، ماوردی اور مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ یہ معنی گذر چکا ہے اس قول کی بنا پر (الارض) پر وقف نہ ہوگا۔ مہدوی نے کہا: ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے تقدیر اس طرح ہوگی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین والوں کو ہدایت دینے والا ہے۔ اس نے جو مسلمانوں کے قلوب میں ہدایت ڈالی اس کی مثال مشکاۃ کی ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اسی طرح حضرت زید بن اسلم نے کہا ہے۔ حسن نے کہا: ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ حضرت ابی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس کو مثل نورہ فی قلب المومن کمشکاۃ پڑھتے تھے۔ محمد بن علی ترمذی نے کہا: ان کے علاوہ کسی نے قرآن میں اسطرح نہیں پڑھا ہے۔ اور تاویل میں ان کی موافقت کی ہے کہ یہ بندہ مومن کے دل میں اس کا نور ہے۔ اس کی تصدیق دوسری آیت میں ہے فرمایا: اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (الزمر: 22) اور پہلے مفسرین نے اس کی اسطرح علت بیان کی ہے کہ ضمیر کو اللہ کے لیے بنانا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 183

کے نور کی کوئی حد نہیں ہے۔ ابوعمر دراوردی نے کسائی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے مشکاۃ کے الف میں اور اس سے پہلے کاف میں امالہ کیا ہے۔ نصر بن عاصم نے زجاجۃ کو زاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اسی طرح الزجاجۃ کو بھی زاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ بھی ایک لغت ہے۔ ابن عامر اور حفص نے عاصم سے دری دال کے ضمہ اور ی کی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس قراءت کی دو وجہیں ہیں یا تو کوکب، الدر کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس کی سفیدی اور صفائی کی وجہ سے یا اس کی اصل دری ء مہموز ہے۔ فعیل یہ الدرء سے مشتق ہے جس کا معنی دور کرنا ہے۔ پھر ہمزہ میں تخفیف کی گئی وہ بڑے بڑے ستارے جن کے اسماء معروف نہیں ہیں ان کو الدراری (بغیر ہمزہ کے) کہا جاتا ہے۔ حمزہ اور ابوبکر نے عاصم سے دری ء ہمزہ اور مد کے ساتھ پڑھا ہے یہ فعیل کے وزن پر الدرء سے مشتق ہے اس معنی میں کہ وہ ایک دوسرے کو دھکیلتے ہیں۔ کسائی اور ابوعمر نے دری ء دال کے کسرہ اور ہمزہ کے ساتھ الدرء سے مشتق کر کے پڑھا ہے جس کا معنی دور کرنا ہے جیسے السکیر اور الفسیق۔ سیبویہ نے کہا: ابو عبیدہ نے ابوعمر اور کسائی کی قرات کو انتہائی ضعیف قرار دیا کیونکہ انہوں نے اس کو درات سے مشتق کیا ہے جس کا مطلب ہے دور کرنا یعنی ستارہ ایک افق سے دوسرے افق کی طرف چلتا ہے۔ جب یہ تاویل ہو تو کلام میں کوئی فائدہ نہیں رہتا اور اس ستارے کی بہت سے ستاروں پر کوئی فضیلت نہیں رہتی۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ یہ نہیں کہا جاتا جاءنی انسان من بنی آدم۔ ابو عمرو اور کسائی جیسے علماء کو ایسی دور از فکر تاویل نہیں کرنی چاہیے تھی۔ لیکن ان کی تاویل اس کے مطابق ہے جو محمد بن یزید سے مروی ہے کہ ان کا معنی یہ ہے کہ ستارا نور کو دور کرتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: اندرء الحریق یعنی اندفع آگ سے دور رہ۔ یہ تاویل میں قرات کے لیے صحیح ہے۔ سعید بن مسعدہ نے حکایت کیا ہے کہا جاتا ہے درء الکوکب بضوءہ جب اس کی روشنی لمبی اور بلند ہو۔ جوہری نے الصحاح میں فرمایا: درء علینا فلان یدرء دروءا یعنی اچانک طلوع ہوا۔ اسی سے کوکب دری بروزن فعیل ہے جیسے سکیر اور خمیر۔ اس کے زیادہ روشن ہونے اور چمکنے کی وجہ سے ہے۔ قد درا الکوکب دروءا۔ ابوعمر بن علاء نے کہا: میں نے سعد بن بکر کے ایک شخص سے پوچھا جو ذات عرق سے تھا میں نے کہا: اس بڑے ستارے کو تم کیا کہتے ہو۔ فرمایا: الدری۔ وہ لوگوں میں سے بلیغ تھا۔ نحاس نے کہا: حمزہ کی قرات اہل لغت کے قول کے مطابق غلط ہے بالکل جائز نہیں ہے کہ عرب کلام میں کوئی اسم فُعِّیل کے وزن پر نہیں ہے۔ ابوعبید نے اس پر اعتراض کیا اور حمزہ کی طرف سے حجت پیش کی کہ یہ فعیل کا وزن نہیں بلکہ یہ فعول کے وزن پر ہے جیسے سبوح واو سے یاء کو بدلا گیا ہے جیسے کہتے ہیں عُتی۔ ابوجعفر نحاس نے کہا: یہ اعتراض اور احتجاج بہت بڑی غلطی ہے۔ یہ بالکل جائز نہیں ہے اگر وہ جائز ہوتا جو انہوں نے کہا ہے تو سبوح میں سبیح کہا جاتا۔ یہ کسی نے بھی نہیں کہا ہے۔ عتی اس سے نہیں ہے ان کے درمیان فرق واضح ہے کیونکہ عتی دو جہتوں سے خالی نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ یہ عات کی جمع ہو۔ اس میں بدل لازم ہوگا کیونکہ جمع تغییر کے باب سے ہے اور واو اسماء میں طرف کلمہ میں نہیں ہوتی جبکہ اس سے پہلے ضمہ ہو۔ جب اس سے پہلے ساکن تھا اور ساکن سے پہلے ضمہ تھا اور ساکن مضبوط آڑ نہیں ہے تو ضمہ کو کسرہ سے تبدیل کیا گیا اور واو کو یاء سے بدلا گیا۔ اور اگر عتی واحد ہو تو واو کے ساتھ اولی ہے اور اس کا قلب جائز ہے کیونکہ طرف کلمہ میں ہے۔ اور فعول میں واو طرف کلمہ میں نہیں پس اس کا قلب جائز نہیں۔ جوہری اور ابوعبید نے کہا: اگر تو دال کو ضمہ دے اور تو کہے دری تو

یہ الدر کی طرف منسوب ہوگا فعلیٌ کے وزن پر ہوگا اور مہموز نہ ہوگا کیونکہ عرب کلام میں فعیل نہیں ہے۔ قراء میں سے جنہوں نے اس کو ہمزہ دیا ہے انہوں نے فعول کا ارادہ کیا ہے جیسے سبوح ہے پھر کثرت سے ضموں کی وجہ سے ثقل پیدا ہوگیا تو بعض کو کسرہ کی طرف لوٹا دیا۔ اخفش نے بعض سے حکایت کیا ہے دری یہ دراتہ سے مشتق ہے اس کو ہمزہ دیا ہے اور اسے فعیل کے وزن پر پہلے حرف کو فتحہ دیا ہے۔ فرمایا: یہ اس کی چمک کی وجہ سے ہے۔ ثعلبی نے کہا: سعید بن مسیب اور ابو رجاء نے دری دال کے فتحہ کے ساتھ مہموز پڑھا ہے۔ ابو حاتم نے کہا: یہ خطا ہے کیونکہ کلام میں فعیل بھی نہیں ہے اگر ان سے یہ صحیح ہو تو وہ دونوں حجت ہیں۔ یوقد شیبہ، نافع، ایوب، سلام ابن عامر، اہل شام اور حفص نے یوقد یاء مضمومہ کے ساتھ، قاف کی تخفیف اور دال کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حسن، سلمی، ابو جعفر، ابو عمرو بن علاء بصری نے توقد تمام حروف مفتوحہ کے ساتھ اور قاف کی شد کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابو حاتم اور ابو عبید نے اس کو اختیار کیا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ دونوں قراءتیں قریب قریب ہیں کیونکہ دونوں مصباح کے لیے ہیں۔ یہ وصف کے مناسب ہیں کیونکہ وہ روشن کرتا ہے اور روشن ہوتا ہے۔ الزجاجۃ اس کے لیے برتن ہے اور توقد ماضی توقد، یتوقد سے ہے۔ اور یوقد فعل مضارع اوقد، یوقد سے ہے۔ نصر بن عاصم نے توقد پڑھا ہے اس کی قرات پر اصل تتوقد ہے ایک تاء کو حذف کیا گیا کیونکہ دوسری اس پر دلالت کرتی ہے کوفیوں نے توقد تاء کے ساتھ پڑھا ہے الزجاجۃ کی طرف ضمیر لوٹائی ہے یہ دونوں قراءتیں الزجاجۃ کی تانیث کی بنا پر ہیں، مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ اس پر کلام گزر چکی ہے۔ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ مؤنث فعل نار کی تانیث کی وجہ سے ہے۔ ابو عبید نے کہا: صرف یہی قراءت معروف ہے۔ ابو حاتم نے حکایت کیا ہے کہ سدی نے ابو مالک سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے لم یمسسہ نار یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ محمد بن یزید نے کہا: تذکیر اس بنا پر ہے کہ یہ مؤنث غیر حقیقی ہے۔ ان کے نزدیک مؤنث کے استعمال کا یہی طریقہ ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: المشکاۃ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جوف (پیٹ) ہے اور الزجاجۃ سے مراد قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور المصباح سے مراد وہی نور ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں رکھا ہے۔ وہ روشن کیا جاتا ہے شجرۃ مبارکۃ سے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل ابراہیم سے ہے وہ آپ کا شجرہ (درخت) ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں نور رکھا جس طرح حضرت ابراہیم کے قلب میں نور رکھا۔ محمد بن کعب نے کہا: المشکاۃ سے مراد حضرت ابراہیم ہیں۔ الزجاجۃ سے مراد حضرت اسماعیل ہیں اور المصباح سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مصباح رکھا جیسا کہ آپ کا نام سراج رکھا۔ فرمایا: وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا (الاحزاب) يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ شجرہ مبارکہ سے مراد حضرت آدم ہیں ان کی نسل میں برکت ڈالی گئی اور آپ سے انبیاء و اولیاء کثرت سے ہوئے۔ بعض علماء نے فرمایا: شجرۃ مبارکۃ سے مراد حضرت ابراہیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مبارک فرمایا کیونکہ اکثر انبیاء کرام آپ کی صلب سے تھے لا شرقیۃ ولا غربیۃ یعنی ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصاری مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن لوگوں کے لیے وحی الٰہی آنے سے پہلے بھی روشن تھے۔ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ نبی کی نسل سے نبی۔ ضحاک نے کہا:

مشکاۃ سے مراد عبد المطلب ہیں(1)، الزجاجۃ سے مراد حضرت عبد اللہ ہیں اور المصباح سے مراد حضرت محمد ﷺ پس حضرت محمد ﷺ ان دونوں کے دل میں تھے آپ حضرت ابراہیم سے نبوت کے وارث بنے۔ من شجرۃ تقوی رضوان کا درخت اور ہدایت وایمان ایک درخت ہے جس کی اصل نبوت ہے اور اس کی فرع مروت ہے، اس کی ٹہنیاں تنزیل ہیں اور اس کے پتے تاویل ہیں اور اس کے خدمت گذار جبریل ومیکائیل ہیں۔ قاضی ابوبکر ابن عربی نے کہا غریب امر یہ ہے کہ بعض فقہاء نے کہا یہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم، حضرت محمد ﷺ، حضرت عبد المطلب اور ان کے بیٹے حضرت عبد اللہ کی مثال دی ہے۔ المشکاۃ سے مراد حبشہ کی زبان میں طاق ہے عبد المطلب کو مشکاۃ سے تشبیہ دی گئی جس میں قندیل ہے اور الزجاجۃ ہے اور حضرت عبد اللہ کو قندیل سے تشبیہ دی گئی اور وہ الزجاجۃ ہے اور حضرت محمد ﷺ مصباح کی مانند تھے یعنی ان کی اصلاب میں گویا وہ روشن ستارہ ہے اور وہ مشتری ہے۔ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ یعنی نبوت کی میراث حضرت ابراہیم سے ہے وہ مبارک درخت ہیں، یعنی حنیفیة لاشرقیة ولاغربیة لا یھودیة ولانصرانیة۔ یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ فرمایا: قریب تھا حضرت ابراہیم وحی کے ساتھ کلام کرتے وحی آنے سے پہلے، نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ حضرت ابراہیم پھر حضرت محمد ﷺ۔ قاضی نے کہا: یہ تمام ظاہر سے عدول ہے اور تمثیل میں ممتنع نہیں ہوتا کہ آدمی اس میں وسعت دے۔ میں کہتا ہوں: سوائے پہلے قول کے تمام اقوال کا آیت سے ربط نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال دی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال دینا ممکن بھی نہیں ہے یہ مخلوق کو تنبیہ کرنے کے لیے تھا مگر بعض مخلوق کے ساتھ کیونکہ مخلوق اپنے قصور کی وجہ سے کسی بات کو نہیں سمجھتی مگر اپنی ذات کے ذریعے اور اپنی ذات سے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کو کوئی بھی نہ پہچانتا مگر اللہ وحدہ؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کے نور اور ہدایت کی مثال ہے جو بندہ مومن کے دل میں ہوتی ہے قریب ہے بندہ مومن ہدایت کے مطابق عمل کرے علم آنے سے پہلے، جب معرفت آنے سے پہلے حضرت ابراہیم نے کہا: هٰذَا رَبِّیْ (الانعام: 77) یہ آپ نے کسی کے خبر دینے سے پہلے کہا تھا کہ اب کوئی رب ہے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی کہ وہ اس کا رب ہے تو ہدایت میں اضافہ ہو گیا اور فرمایا: قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۳۱﴾ (البقرہ) اور جنہوں نے کہا: یہ بندہ مومن کے دل میں قرآن کی مثال ہے۔ فرمایا: جس طرح یہ چراغ روشن کیا جاتا ہے اور وہ کم نہیں ہوتا اسی طرح قرآن سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے اور کم نہیں ہوتا المصباح سے مراد قرآن ہے۔ الزجاجۃ سے مراد مومن کا دل ہے اور المشکاۃ سے مراد اس کی زبان اور اس کا فہم ہے۔ شجرہ مبارکہ سے مراد شجرۃ الوحی ہے۔ یَكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ قریب ہے کہ قرآن کے دلائل واضح ہو جائیں اگرچہ نہ بھی پڑھے جائیں۔ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یعنی قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کے لیے نور ہے باوجود اس کے کہ نزول قرآن سے پہلے اعلام و دلائل ان کے لیے قائم فرما دیئے تھے پس ان کے نور میں مزید اضافہ ہو گیا پھر بتایا کہ یہ نور عزیز ہے اسے کوئی حاصل نہیں کر سکتا مگر جس کی ہدایت کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرمائے۔ فرمایا: یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ یعنی اللہ تعالیٰ اشیاء کو افہام

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 384

کے قریب کرنے کے لیے بیان فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ وہ ہدایت یافتہ اور گمراہ سب کو جانتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہود نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا نور آسمان کے نیچے کیسے پایا جاتا ہے (1)؟ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال دی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۙ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

''ان گھروں میں (جن کے متعلق) حکم دیا ہے اللہ نے کہ بلند کیے جائیں اور لیا جائے ان میں اللہ تعالیٰ کا نام اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں ان گھروں میں صبح وشام وہ (جوان) مرد جنہیں غافل نہیں کرتی تجارت اور نہ خرید و فروخت یاد الٰہی سے اور نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے سے وہ ڈرتے رہتے ہیں اس دن سے گھبرا جائیں گے جس میں دل اور آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی تاکہ جزا دے انہیں اللہ تعالیٰ ان کے بہترین اعمال کی اور اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے انہیں اپنے فضل سے اور اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بے حساب''۔

ان میں انیس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ، بیوت کی باء کو ضمہ اور کسرہ دیا جاتا ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے اور فی کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ **مصباح** کے متعلق ہے۔ بعض نے کہا: یسبح کے متعلق ہے۔ اس تاویل پر علیم پر وقف ہوگا۔ ابن انباری نے کہا: میں نے ابو العباس کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ مصباح، الزجاجۃ اور الکوکب سے حال ہے گویا فرمایا: وهی بیوت۔ ترمذی حکیم محمد بن علی نے کہا: فی بیوت منفصل ہے گویا فرمایا: اللہ فی بیوت أذن اللہ أن ترفع، اللہ ان گھروں میں ہے اللہ نے حکم دیا ہے کہ انہیں بلند کیا جائے۔ اسی وجہ سے اخبار وارد ہیں کہ جو مسجد میں بیٹھا تو وہ اپنے رب سے ہم مجلس ہوا۔ اسی طرح تورات سے حکایت کیا گیا ہے کہ مومن جب مسجد کی طرف چلتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری زیارت کی اور مجھ پر اس کی مہمان نوازی ہے اور میں جنت سے کم مہمان نوازی پر اس کے لیے راضی نہ ہوں گا۔ ابن انباری نے کہا اگر فی کو یسبح کے متعلق کیا جائے یا رجال کو رفع دینے والی ہو تو وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ کے قول پر وقف بہتر ہے۔ رمانی نے کہا: یہ یوقد کے متعلق ہے اور اس بناء پر علیم پر وقف نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ کیا وجہ ہے جب بیوت، یوقد کے متعلق ہوں **مصباح** اور **مشکاۃ** واحد ہیں اور بیوت جمع ہے اور ایک **مشکاۃ** ایک گھر میں ہوگا۔ بعض علماء نے کہا: یہ اس متلون خطاب سے ہے جس کا واحد سے آغاز ہے اور جمع

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 106

کے ساتھ اختتام ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ (الطلاق: 1) اور اس قسم کی دوسری مثالیں۔ بعض علماء نے کہا: یہ بیوت میں سے ہر بیت کی طرف راجع ہے۔ بعض نے کہا: یہ اس قول کی مانند ہے وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا (نوح: 16) حالانکہ چاند ایک آسمان میں ہے۔ علماء کے یہاں بیوت کے متعلق پانچ اقوال ہیں: پہلا قول: اس سے مراد مساجد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ خاص ہیں اور یہ اہل آسمان کے لیے اسطرح چمکتی ہیں جس طرح ستارے اہل زمین کے لیے چمکتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور حسن کا قول ہے

دوسرا قول: یہ بیت المقدس کے بیوت ہیں، یہ بھی حسن سے مروی ہے۔ تیسرا قول: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیوت مراد ہیں، یہ بھی مجاہد سے مروی ہے۔ چوتھا قول: یہ تمام بیوت ہیں؛ یہ عکرمہ کا قول ہے اور یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ اس قول کو تقویت دیتا ہے کہ اس سے مراد مساجد ہیں۔ پانچواں قول:۔ اس سے مراد وہ چار مساجد ہیں جنہیں انبیاء نے تعمیر کیا ہے کعبہ، بیت اریحا، مسجد نبوی، مسجد قبا؛ یہ ابن بریدہ کا قول ہے؛ یہ پہلے سورۃ براءت میں گذر چکا ہے۔ میں کہتا ہوں: اظہر قول پہلا قول ہے کیونکہ حضرت انس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ”جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے وہ مجھ سے محبت کرے اور جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ میرے اصحاب سے محبت کرے جو میرے اصحاب سے محبت کرتا ہے وہ قرآن سے محبت کرے جو قرآن سے محبت کرتا ہے وہ مساجد سے محبت کرے یہ اللہ تعالیٰ کے فناء اور بناء ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو بلند کرنے کا حکم دیا ہے اور ان میں برکت رکھی ہے اور ان کے اہل کی برکت محفوظ ہے ان کے اہل محفوظ ہیں وہ اپنی نماز میں ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی ضروریات پوری کرتا ہے وہ اپنی مساجد میں ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے پیچھے ان کی حفاظت فرماتا ہے“۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ اذن کا معنی حکم دینا اور فیصلہ کرنا ہے اذن کی حقیقت علم اور قدرت دینا ہے بغیر کسی رکاوٹ کے اگر اس کے ساتھ امر اور نفاذ متصل ہو تو یہ اقویٰ ہوتا ہے۔ ترفع کا معنی ہے بنائے گئے اور بلند کئے گئے؛ یہ مجاہد اور عکرمہ کا قول ہے اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ (البقرہ: 127)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے اپنے مال سے مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا“ (1)۔ اس معنی میں بہت سی احادیث ہیں جو مساجد کے بنانے پر برانگیختہ کرتی ہیں حسن بصری وغیرہ نے کہا: ترفع کا معنی یہ ہے ان کی تعظیم کرنا اور ان کی شان بلند کرنا، غلاظتوں اور انجاس سے پاک کرنا۔ حدیث میں ہے ”مسجد نجاست کی وجہ سے اسطرح سمٹ جاتی ہے جس طرح چمڑا آگ کی وجہ سے سکڑ جاتا ہے“۔ ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حضرت ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے فرمایا: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مسجد سے کسی غلاظت اور آلودگی کو دور کیا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا“۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرمایا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم گھروں میں مساجد بنائیں اور انہیں صاف ستھرا رکھیں اور خوشبو لگائیں (2)۔

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، من بنی للہ مسجدا، جلد 1، صفحہ 54۔ ایضاً، حدیث نمبر 728، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ ایضاً، تطہیر المساجد، جلد 1، صفحہ 55۔ ایضاً، حدیث نمبر 449، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مسئلہ نمبر 3۔ جب ہم کہتے ہیں کہ مساجد کی بنیان سے مراد کیا انہیں مزین کرنا ہے؟ تو اس میں اختلاف ہے۔ ایک قوم نے اس کو مکروہ کہا ہے اور دوسروں نے اس کو مباح قرار دیا ہے۔ حماد بن سلمہ نے ایوب سے انہوں نے ابوقلابہ سے انہوں نے حضرت انس سے روایت کیا اور قتادہ نے بھی حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ لوگ مساجد کے سبب فخر کریں گے'' (1)۔ اس حدیث کو ابوداود نے نقل کیا ہے اور صحیح بخاری میں ہے حضرت انس نے فرمایا: مساجد پر فخر کریں گے پھر انہیں آباد بہت کم کریں گے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم انہیں مزین کرو گے جیسے یہود و نصاریٰ نے اپنی عبادت گاہیں مزین کی تھیں۔ اور حکیم ابوعبداللہ ترمذی نے نوادر الاصول میں حضرت ابودرداء کی حدیث روایت کی ہے فرمایا: نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ''جب تم اپنی مساجد کو مزین کرو گے اور تم اپنے مصاحف کو زیور پہناؤ گے تو تم پر ہلاکت ہوگی''۔ اور جن علماء نے مساجد کی تزیین اور خوبصورتی کو مباح قرار دیا ہے انہوں نے اس سے حجت پکڑی ہے کہ اسمیں مساجد کی تعظیم ہے اور اللہ تعالیٰ نے مساجد کی تعظیم کا اس ارشاد: فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ میں حکم دیا ہے ترفع کا معنی تعظیم کرنا ہے۔ حضرت عثمان سے مروی ہے کہ انہوں نے مسجد نبوی کی تعمیر دیار کی لکڑی سے کی اور اسے خوبصورت بنایا۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: مساجد میں سونے کے پانی سے نقش و نگار بنائے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے مروی ہے کے انہوں نے مسجد نبوی میں نقش و نگار بنوائے اور اس کی عمارت اور تزیین میں مبالغہ کیا یہ ان کی خلافت سے پہلے ولایت کے زمانہ میں ہوا تھا اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا تھا۔ ذکر کیا جاتا ہے کہ ولید بن عبد الملک نے دمشق کی مسجد کی تعمیر میں اور تزیین میں شام کے خراج سے تین گنا مال خرچ کیا اور روایت ہے کہ حضرت سلمان بن داود علیہ السلام نے بیت المقدس کی مسجد بنائی اور اس کی تزیین میں مبالغہ کیا۔

مسئلہ نمبر 4۔ مساجد کو بدبودار چیزوں اور بُرے اعمال وغیرہ سے بھی بچانا اور محفوظ رکھنا چاہیے جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔ یہ بھی مساجد کی تعظیم سے ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے صحیح مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک کے موقع پر فرمایا: ''جس نے اس درخت یعنی اس سے کھایا وہ مساجد میں نہ آئے (3)'' اور حضرت جابر بن عبداللہ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اس سبزی لہسن سے کھایا'' اور کبھی فرمایا: ''جس نے پیاز، تھوم اور بدبودار سبزی سے کھایا ہماری مسجد کے قریب نہ آئے ملائکہ کو ان چیزوں سے تکلیف محسوس ہوتی ہے جن سے بنوآدم کو تکلیف محسوس ہوتی ہے''۔ حضرت عمر بن خطاب نے اپنے خطبہ میں فرمایا: ''اے لوگو! تم دو درخت کھاتے ہو میں انہیں نہیں دیکھتا مگر خبیث وہ پیاز اور تھوم ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ مسجد میں کسی شخص سے پیاز اور تھوم کی بدبو محسوس کرتے تو اسے حکم دیتے کہ تو بقیع کی طرف نکل جا۔ اور جو ان کو کھائے تو پکا کر ان کی بدبو کو ختم کر دے۔ اس کو مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ علماء نے فرمایا:

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، جلد 1، صفحہ 54۔ ایضاً، حدیث 730، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، الحدث فی المسجد، جلد 1، صفحہ 64

3۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، النھی عن اکل الثوم، جلد 1، صفحہ 209

مسجد سے اس کو نکالنے کی علت اس کی اذیت تھی تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جس سے مسجد میں اس کے پڑوسیوں کو تکلیف ہو مثلاً کوئی چرب زبان ہو، نادان ہو یا اس سے بد بو آتی ہو اور اس کے بُرے پیشے کی وجہ سے بد بو اس سے جدا نہ ہوتی ہو یا کوئی ایسی موذی مرض ہو جیسے جذام وغیرہ اور ہر وہ چیز جس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہو تو اہل مسجد کو اس شخص کو مسجد سے نکالنا جائز ہے جب اس میں یہ علت موجود ہو حتیٰ کہ اس سے وہ علت زائل ہو جائے اسی طرح ایسا شخص لوگوں کے مجمع سے پرہیز کرے جو نماز وغیرہ کے لیے ہو جیسے علم، ولیمہ اور اس جیسی دوسری مجالس جو تھوم وغیرہ کھاتا ہے یا ایسی چیز کھاتا ہے جس کی بد بو ہوتی ہے اور لوگوں کو اذیت دیتی ہے، اسی وجہ سے پیاز تھوم اور الکراث (بد بودار سبزی) کو جمع فرمایا اور بتایا کہ یہ ایسی چیزیں ہیں جو اذیت کا باعث ہوتی ہیں۔ ابو عمر بن عبد البر نے کہا: میں نے اپنے شیخ ابو عمر احمد بن عبد الملک بن ہشام کو دیکھا کہ انہوں نے اس شخص کے بارے فتویٰ دیا جس کے پڑوسیوں نے اس کی شکایت کی اور انہوں نے اس پر اتفاق کیا کہ وہ انہیں مسجد میں اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے اذیت دیتا ہے اس کے بارے میں مشورہ کیا گیا تو انہوں نے اسے مسجد سے نکالنے کا فتویٰ دیا اور مسجد سے دور کرنے کا فتویٰ دیا اور ان کے ساتھ نماز میں حاضر نہ ہونے کا فتویٰ دیا۔ کیونکہ اس جنون کے ہوتے ہوئے اس سے سلامتی کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں نے ایک دن شیخ صاحب سے اس فتویٰ کی دلیل پوچھی اور ان سے دوبارہ پوچھا تو انہوں نے حدیث سے ثوم (لہسن) سے استدلال کیا اور فرمایا: میرے نزدیک یہ لہسن کھانے والے سے زیادہ اذیت کا موجب ہے اور ایسے شخص کو مسجد میں جماعت کے ساتھ حاضر ہونے سے منع کیا جائے گا۔ میں کہتا ہوں: آثار مرسلہ میں ہے کہ ایک شخص جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کی بد بو سے بہت دور چلا جاتا ہے۔ اس بنا پر جو جھوٹ بولتا ہو اور باطل کلام کرتا ہو اسے مسجد سے نکالا جائے گا کیونکہ اذیت دیتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ تمام مساجد برابر ہیں اس کی وجہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے بارے میں وارد ہوئی کیونکہ اس میں جبریل امین آتے تھے نیز حضرت جابر کی حدیث میں ہے: فلا یقربن مسجدنا(1) ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔ پہلا قول اصح ہے کیونکہ حکم میں صفت ذکر کی اور وہ مسجد ہونا ہے حکم میں صفت کا ذکر تعلیل ہوتا ہے۔ ثعلبی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے روز اللہ تعالیٰ دنیا کی مساجد لائے گا گویا وہ سفید اونٹنیاں ہیں ان کی ٹانگیں عنبر کی گردنیں زعفران کی، سر کستوری کے ان کی مہاریں سبز زبرجد کی۔ ان کے مؤذن ان کے نگران ہوں گے جو ان کو آگے سے پکڑ کر چلا رہے ہوں گے اور ان کے ائمہ انہیں پیچھے سے ہانک رہے ہوں گے اور ان کو آباد کرنے والے ان کے ساتھ متعلق ہوں گے وہ قیامت کے عرصات سے تیز بجلی کی طرح گزریں گی اہل موقف کہیں گے: یہ ملائکہ مقربین ہیں اور مرسل انبیاء ہیں۔ ارشاد ہوگا: نہ یہ فرشتے ہیں اور نہ یہ انبیاء ہیں لیکن یہ اہل مسجد ہیں اور نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے ہیں''۔ قرآن حکیم میں ہے: اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ (التوبہ: 18) اللہ کی مساجد کو وہ تعمیر کرتا ہے جو اللہ پر ایمان لایا۔ یہ ہر مسجد کو عام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم کسی شخص کو مسجد میں آنے جانے کا عادی دیکھو(2) تو اس کے

1۔ صحیح مسلم، نہی اکل الثوم، جلد 1، صفحہ 209 2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ توبہ، جلد 2، صفحہ 135

لیے ایمان کی گواہی دو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ " یہ پہلے گذر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ مسجد کو بیع وشرا اور دوسری مشغولیتوں سے بچایا جائے گا کیونکہ نبی مکرم ﷺ نے اس شخص کو فرمایا جو اپنے سرخ اونٹ کے بارے میں پوچھ رہا تھا: "تو اسے کبھی نہ پائے (1)۔ مساجد اس کام کے لیے بنائی گئی ہیں جس کے لیے بنائی گئی ہیں" یعنی اللہ کے ذکر کے لیے، اس حدیث کو امام مسلم نے سلیمان بن بریدہ عن ابیہ کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھائی تو ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا: کس نے میرا سرخ اونٹ پایا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تو اسے کبھی نہ پائے مساجد اس کے لیے بنائی گئی ہیں جس کے لیے بنائی گئی ہیں" (2)۔ یہ دلیل ہے کہ نماز، اذکار، قرات قرآن کے علاوہ مسجد میں کوئی عمل نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح تفسیر سے حضرت انس کی حدیث میں آیا ہے فرمایا: ہم مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اچانک ایک اعرابی آیا اور مسجد میں پیشاب کرنے لگا صحابہ کرام نے کہا: رک جا، رک جا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس کے پیشاب کو نہ روکو اسے چھوڑ دو" (3)۔ صحابہ کرام نے اسے چھوڑ دیا حتیٰ کہ اس نے پیشاب کر لیا پھر رسول اللہ ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا: "یہ مساجد پیشاب اور غلاظت کے لیے نہیں ہیں یہ اللہ کے ذکر، نماز اور قرآن کی تلاوت کے لیے بنائی گئی ہیں" (4)۔ یا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ فرمایا۔ پھر ایک شخص کو حکم دیا تو وہ پانی کا ایک ڈول لے آیا وہ اس پیشاب کی جگہ پر انڈیل دیا۔ اس کو امام مسلم نے تخریج کیا ہے اور کتاب اللہ سے اس پر یہ قول حق دلالت کرتا ہے: وَ یُذۡکَرَ فِیۡهَا اسۡمُهٗ اور آپ ﷺ نے معاویہ بن حکم سلمی کو فرمایا: "یہ مساجد لوگوں کے کلام جیسی چیز کے مناسب نہیں یہ تسبیح، تکبیر اور قرآن کی قرات کے لیے بنائی گئی ہیں" (5)۔ یا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلم نے طویل حدیث اپنی صحیح میں نقل کی ہے تیرے لیے وہ کافی ہے۔۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد میں ایک شخص کی آواز سنی تو فرمایا: یہ کیا آواز ہے کیا تو جانتا ہے تو کہاں (کھڑا) ہے؟ خلف اپنی جگہ سے اٹھے مسجد میں بیٹھے تھے ان کا غلام ان کے پاس کوئی چیز پوچھنے آیا تو خلف اپنی جگہ سے اٹھے مسجد سے باہر آئے پھر اس کے سوال کا جواب دیا۔ ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا: میں نے اتنے عرصہ سے مسجد میں دنیا کی کلام نہیں کی۔ پس آج بھی میں نے بات کرنا ناپسند کیا۔

مسئلہ نمبر 7۔ ترمذی نے عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں اشعار پڑھنے، اس میں خرید وفروخت کرنے اور جمعہ کے دن نماز سے پہلے لوگوں کے حلقہ بنانے سے منع فرمایا (6)، امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حضرت بریدہ، حضرت جابر اور حضرت انس سے بھی مروی ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث حسن ہے۔ محمد بن اسماعیل نے کہا: میں نے محمد اور اسحاق کو دیکھا اور انہوں نے ان کے علاوہ علماء کا بھی ذکر کیا

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، النهی عن نشد الضالة فی المسجد، جلد 1، صفحہ 210 2۔ ایضاً

3۔ صحیح مسلم، وجوب غسل البول وغیرہ من النجاسات إذا حصلت فی المسجد، جلد 1، صفحہ 138 4۔ ایضاً

5۔ ایضاً، کتاب المساجد، تحریم الکلام فی الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 203

6۔ جامع ترمذی، باب ماجاء فی کراهية البيع والشراء، حدیث نمبر 296

کہ وہ عمرو بن شعیب کی حدیث سے حجت پکڑتے تھے۔ اہل علم کے ایک طائفہ نے مسجد میں خرید و فروخت کو مکروہ کہا ہے؛ احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم ایک قوم کے پاس آئے وہ مسجد میں خرید و فروخت کر رہے تھے۔ آپ نے اپنی چادر کا چھوٹا بنالیا اور انہیں مارنے لگے اور فرمایا: اے سانپوں کی اولاد! تم نے اللہ کے گھروں کو بازار بنالیا ہے، یہ تو آخرت کا بازار ہے۔ میں کہتا ہوں: ہمارے بعض علماء نے مسجد میں بچوں کو پڑھنا بھی مکروہ کہا ہے انہوں نے کہا: یہ بیع (خرید و فروخت) کے باب سے ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب تعلیم اجرت کے ساتھ ہو اگر بغیر اجرت کے ہو تو دوسری وجہ سے ممنوع ہے وہ یہ ہے کہ بچے غلاظتوں اور گندگیوں سے نہیں بچتے۔ یہ چیز مسجد کی نظافت کو قائم نہیں رکھتی جب کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجدوں کو صاف، ستھرا رکھنے کا حکم دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی مساجد سے بچوں اور پاگلوں کو دور کرو اور اپنی تلواروں کا سونتنا، حدود قائم کرنا، اپنی آوازوں کو بلند کرنا، جھگڑا کرنا مساجد سے دور رکھو اور جمعہ کے دن ان میں خوشبو کی دھونی لگاؤ اور طہارت خانے ان کے دروازوں پر (باہر) بناؤ'' (1)۔ اس کی سند میں علاء بن کثیر دمشقی ہے جو بنی امیۃ کا غلام ہے وہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ ابو احمد بن عدی حرانی حافظ نے اس کو ذکر کیا ہے۔ ابو احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی حدیث سے بھی یہ حدیث ذکر کی ہے فرمایا: میں نے عصر کی نماز امیر المومنین حضرت عثمان کے ساتھ پڑھی انہوں نے مسجد کے کونے میں ایک درزی دیکھا آپ نے اسے مسجد سے نکالنے کا حکم دیا آپ سے عرض کی گئی: اے امیر المومنین! یہ مسجد کی صفائی کرتا ہے، دروازے بند کرتا ہے اور کبھی کبھی پانی چھڑکتا ہے۔ حضرت عثمان نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: ''کہ اپنی مساجد سے اپنے کاریگروں کو دور رکھو''۔ یہ حدیث غیر محفوظ ہے اس کی سند میں محمد بن مجیب ثقفی ہے وہ ذاہب الحدیث ہے۔ میں کہتا ہوں: اس معنی میں جو حدیث بھی وارد ہے اگرچہ اس کی سند لین ہے وہ معنی صحیح ہے۔ اور اس کی صحت پر دلیل وہ ہے جو پہلے ہم نے ذکر کیا ہے۔ بعض تابعین اہل علم سے مسجد میں خرید و فروخت کی اجازت مروی ہے۔ اور نبی کریم ﷺ سے مسجد میں اشعار پڑھنے کی رخصت بھی کئی احادیث میں مروی ہے۔ میں کہتا ہوں: رہا مسجد میں اشعار پڑھنا تو اس میں اختلاف ہے، کچھ مطلقاً منع کرنے والے ہیں کچھ مطلقاً جائز قرار دینے والے ہیں لیکن بہتر تفصیل ہے وہ یہ ہے کہ شعر کو دیکھا جائے گا اگر وہ اللہ تعالیٰ کی ثنا یا رسول اللہ ﷺ کی تعریف یا اللہ اور اس کے رسول کے دفاع کے مفہوم پر مبنی ہے جیسے حضرت حسان کے اشعار تھے یا ان اشعار میں کوئی وعظ و نصیحت ہو دنیا سے عدم دلچسپی اور اس سے کم حاصل کرنے کا ذکر ہو تو وہ اشعار مساجد اور دوسری جگہ پر پڑھنا اچھا ہے جیسے:

طَرِّقِي یا نفسُ کی أقصد فردا صمدا　　وذرینی لست أبغی غیر ربی أحدا

فهو أنسی وجلیسی ودعی النّاس فما　　إن تجدی من دونه ملتحدا

اور جو اشعار ایسے نہ ہوں وہ جائز نہیں کیونکہ اکثر اشعار فواحش، جھوٹ، باطل کی تزیین سے خالی نہیں ہوتے اگر سلامت بھی ہوں تو کم از کم لغو اور حذر ضرور ہوتا ہے مساجد اس سے پاک ہوتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰہُ

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، ما یکرہ فی المساجد، جلد 1، صفحہ 55

اَنْ تُرْفَعَ، کبھی مسجد میں شعر پڑھنا جائز ہوتا ہے جیسے قائل کا قول ہے:

كَفحل العَذاب الفَرْدِ يضربه النَّدى تَعَلّى النَّدى فى متنه و تحدّرا

ایک اور شاعر نے کہا:

إذا سقط السماء بأرض قوم رَعَيناه وإن كانوا غِضابًا

اس قسم کے اشعار اگرچہ ان میں حمد وثنا نہیں ہے لیکن جائز ہیں کیونکہ یہ فواحش اور جھوٹ سے خالی ہیں۔ مزید جائز اشعار کا ذکر سورۃ الشعراء میں آئے گا جس میں عقلمند کے لیے کفایت ہے۔ دار قطنی نے ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ کے پاس شعر کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ کلام ہے اس کا اچھا اچھا ہے اور اس کا قبیح قبیح ہے'' (1) اس کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمرو ابن عاص اور حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے اس کو سنن میں ذکر کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: امام شافعی کے اصحاب یہ کلام امام شافعی سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں امام شافعی کے علاوہ اس کے ساتھ کسی نے کلام نہیں کی۔ گویا وہ ان احادیث پر آگاہ نہ تھے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 8۔ رہا مسجد میں آواز کو بلند کرنا تو اگر آواز بلند کرنے والے کی کوئی مصلحت ہو تو اس کو اس کے ارادہ کے خلاف بددعا دی جائے گی اس کی وجہ حضرت بریدہ کی حدیث ہے جو گزر چکی ہے اور حدیث ابو ہریرہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کسی شخص کو مسجد میں اپنی گمشدہ چیز تلاش کرتے ہوئے سنے تو وہ اسے کہے: اللہ تعالیٰ وہ تجھ پر نہ لوٹائے، کیونکہ مساجد اس مقصد کے لیے نہیں ہیں'' (2)۔ یہی امام مالک اور ایک جماعت کا نظریہ ہے حتی کہ انہوں نے مسجد میں آواز بلند کرنے کو مکروہ کہا ہے خواہ علم وغیرہ کے لیے ہو۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور محمد بن مسلمہ مالکی نے خصومت اور علم کے لیے مسجد میں آواز بلند کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ یہ لوگوں کی مجبوری ہے۔ یہ ظاہر حدیث کے مخالف ہے اور ان کا یہ کہنا کہ یہ لوگوں کی مجبوری ہے یہ درست نہیں ہے، بلکہ دو وجوہ کی بنا پر ان کے لیے بچنا ممکن ہے، (۱) مسجد میں وقار اور حرمت کو لازم پکڑنا ضروری ہے، دل سے اس کا احترام کرنا اور اس کی نقیض سے بچنا۔ (۲) اگر کوئی مجبوری ہو تو ان امور کے لیے علیحدہ جگہ بنا لینی چاہیے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا آپ نے ایک رحبۃ بنایا تھا جس کو البطیحاء کہا جاتا تھا جو کلام کرنے یا شعر پڑھنے کا ارادہ کرے یعنی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو وہ اس رحبۃ کی طرف نکل جائے۔ یہ دلیل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں اشعار پڑھنا ناپسند کرتے تھے اسی وجہ سے انہوں نے مسجد سے باہر ایک رحبۃ (تھلا) بنایا تھا۔

مسئلہ نمبر 9۔ جس مرد یا عورت کو خواہ وہ مسافر یا جس کا گھر ہی نہ ہو تو ضرورت کی بنا پر مسجد میں سونا جائز ہے ابو قلابہ نے حضرت انس سے روایت کیا ہے عکل قبیلہ کا ایک گروہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو وہ صفہ میں رہتے تھے۔

1۔ سنن دار قطنی، حدیث الواحد یوجب العمل، جلد 2، صفحہ 155

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، النہی من انشاد الضوال فی المسجد، جلد 1، صفحہ 56

حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر نے کہا: اصحاب صفہ فقراء تھے۔ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں سوتے تھے وہ نوجوان، کنوارے تھے ان کے گھر والے نہیں تھے۔ امام بخاری کے لفظ ہیں اور انہوں نے ایک عنوان باندھا ہے مسجد میں عورت کا سونا۔ اور اس کے تحت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی ہے جو اس کالی عورت کے بارے میں ہے جس پر اس کے مالکوں نے ہار چوری کرنے کی تہمت لگائی تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس کا خیمہ یا جھونپڑی مسجد میں تھی۔ کہا جاتا ہے کہ عطاء بن ابی رباح کے رات گزارنے کی جگہ چالیس سال مسجد ہی رہی۔

مسئلہ نمبر 10۔ امام مسلم نے ابو حمید سے یا ابو اسید سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ یہ پڑھے (1) اللّٰھم افتح لی ابواب رحمتك۔ اور جب باہر نکلے تو وہ یہ پڑھے: اللّٰھم إنّی أسئلك من فضلك'' ابوداؤد نے بھی اس کو اسی طرح تخریج کیا ہے مگر انہوں نے یہ زائد نقل کیا ہے کہ ''جب مسجد میں داخل ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام اور درود پڑھے (2) پھر کہے: اللھم افتح لی۔۔۔ الخ'' ابن ماجہ نے حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ کہتے: باسم اللہ والسّلام علی رسول اللہ اللّٰھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتك اور جب باہر نکلتے تو یہ کہتے: باسم اللہ والسّلام علی رسول اللہ اللّٰھم اغفرلی ذنوبی و افتح لی ابواب رحمتك (3) (اور جب باہر نکلتے تو یہ کہتے، باسم اللہ والصّلوۃ علی رسول اللہ اللّٰھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتك وفضلك) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے (4) اور یہ کہے: اللھم افتح لی ابواب رحمتك اور جب مسجد سے باہر نکلے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کرے اور کہے: اللھم اعصمنی من الشیطان الرجیم، ابوداود نے حیوہ بن شریح سے روایت کیا ہے فرمایا میں عقبہ بن مسلم سے ملا تو اس نے مجھے کہا مجھے خبر پہنچی ہے کہ تو نے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کی ہے کہ ''جب آدمی مسجد میں داخل ہو تو یہ کہے (5) اعوذ باللہ العظیم وبوجھه الکریم و سلطانه القدیم من الشیطان الرجیم، تو عقبہ بن مسلم نے کہا: ہاں۔ انہوں نے کہا: جب آدمی یہ کہتا ہے تو شیطان کہتا ہے: وہ مجھ سے آج سارا دن محفوظ ہو گیا۔

مسئلہ نمبر 11۔ مسلم نے ابو قتادہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے'' (6) اور ان سے یہ بھی مروی ہے فرمایا: ''میں مسجد میں داخل ہوا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان بیٹھے تھے۔ فرمایا میں بیٹھ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھے بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھنے سے کونسی چیز مانع تھی (7)، میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں نے دیکھا کہ آپ بھی بیٹھے ہوئے ہیں، تو میں بھی

1۔ صحیح مسلم، مایقول إذا دخل المسجد، جلد 1، صفحہ 248

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، الدعاء عند دخول المسجد، جلد 1، صفحہ 56　　3۔ ایضاً　　4۔ ایضاً

5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، مایقول رجل عند دخوله المسجد، جلد 1، صفحہ 67

6۔ صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرها، جلد 1، صفحہ 248　　7۔ ایضاً

بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ نہ بیٹھے حتی کہ دو رکعت نماز پڑھ لے"۔ علماء نے فرمایا: مسجد کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک فضلیت بنائی جس کی وجہ سے وہ دوسرے گھروں سے ممتاز ہو جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ نہ بیٹھے حتی کہ نماز پڑھ لے۔ عام علماء کا خیال یہ ہے کہ رکوع کا امر استحباب اور ترغیب کے لیے ہے۔ داؤد اور اس کے اصحاب کا نظریہ یہ ہے کہ یہ امر وجوب کے لیے ہے۔ یہ قول باطل ہے اگر اس طرح ہوتا جیسا انہوں نے کہا ہے تو پھر بے وضو آدمی کا مسجد میں داخل ہونا حرام ہوتا حتی کہ وہ وضو کر لیتا میری معلومات کے مطابق اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ابراہیم بن یزید نے اوزاعی سے انہوں نے یحییٰ بن ابی کثیر سے انہوں نے ابو سلمہ بن عبد الرحمن سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ نہ بیٹھے حتی کہ دو رکعتیں ادا کرے اور جب تم میں سے کوئی اپنے گھر میں داخل ہو تو وہ نہ بیٹھے حتی کہ دو رکعتیں ادا کر لے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے گھر میں اس کی دو رکعتوں کو خیر بنا دے گا"۔ یہ حدیث تو مسجد اور گھر کے درمیان برابری کا تقاضا کرتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گھر میں داخل ہونے کے وقت نماز پڑھنے کا ذکر ایسی زیادتی ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے؛ یہ امام بخاری نے فرمایا ہے اس میں قتادہ کی حدیث صحیح ہے جو امام مسلم کے حوالہ سے پہلے گزر چکی ہے اور یہ ابراہیم میں نہیں جانتا کہ سوائے سعد بن عبد الحمید کے کسی نے ان سے روایت کیا ہو۔ اور میں ان کی صرف یہی ایک حدیث جانتا ہوں؛ یہ ابو محمد عبد الحق کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ سعید بن زبان نے روایت کیا ہے فرمایا مجھے میرے باپ نے بتایا انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے ان کے دادا سے انہوں ابو ہند سے روایت کیا فرمایا: تمیم داری شام سے مدینہ طیبہ کی طرف قنادیل، زیتون کا تیل اور عمدہ بٹی ہوئی رسیاں اٹھا کر لے آئے۔ وہ مدینہ طیبہ پہنچے تو اتفاق سے جمعہ کی رات تھی آپ نے اپنے غلام ابو البزراء کو حکم دیا کہ انہیں جلا دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد کی طرف نکلے تو وہ ان قندیلوں کی وجہ سے بقعہ نور بنی ہوئی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: "یہ کس نے کیا ہے؟" (1) لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! تمیم داری نے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا: "تو نے اسلام کو روشن کیا اللہ تعالیٰ تجھ پر دنیا و آخرت کو منور فرمائے اگر میری بیٹی ہوتی تو میں تیرا اس سے نکاح کر دیتا" حضرت نوفل بن حارث نے کہا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری بیٹی ہے جس کو مغیرہ بنت نوفل کہا جاتا ہے آپ اس کے ساتھ اپنا ارادہ پورا کر لیں تمیم کا نکاح میری بیٹی سے کر دیں۔ حدیث کا راوی سعید کا باپ زبان ہے یہ زاء کے فتحہ اور باء کے فتحہ اور تشدید کے ساتھ ہے۔ اس کے ساتھ سعید کا ذکر علیحدہ کیا جاتا ہے اور وہ ابو عثمان سعید بن زبان بن قائد بن زبان بن ابی ھند ہے، ابو ھند بنی بیاضہ کا غلام تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پچھنے لگاتا تھا۔ اور حدیث میں المُقُط کا لفظ آیا ہے یہ القاط کی جمع ہے اس کا معنی رسی ہے گویا یہ القماط سے مقلوب ہے۔ ابن ماجہ نے حضرت ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے فرمایا: سب سے پہلے مسجد میں جس نے قنادیل روشن کیں وہ تمیم داری تھے (2)۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جس نے مسجد میں چراغ جلایا جب تک روشنی رہتی ہے فرشتے اور حاملین عرش اس کے لیے دعا کرتے ہیں اور اس کے لیے استغفار کرتے ہیں مسجد کے غبار کو صاف کرنا

1۔ مجمع الزوائد، کتاب الصلوٰۃ، متابعۃ الامام، جلد 2، صفحہ 227، حدیث 2406　2۔ ابن ماجہ، باب تطھیر المساجد و تطییبھا، 751

آہو چشم موٹی موٹی آنکھوں والی حوروں کا مہر ہے''۔ علماء نے فرمایا: مستحب ہے کہ اس گھر کو قنادیل لٹکا کر اور اس میں شمعیں جلا کر منور کیا جائے جس میں قرآن پڑھا جاتا ہو اور رمضان کے مہینہ میں مسجد کی روشنیوں میں اضافہ کیا جائے۔

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ۙ رِجَالٌ، علماء کا اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ تسبیح کرنے والوں کا وصف بیان کر رہا ہے ان سے کون مراد ہیں؟ بعض علماء نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کے امر کو ہر وقت نگاہ میں رکھنے والے اللہ کی رضا طلب کرنے والے ہیں جنہیں نماز سے اور اللہ کے ذکر سے امور دنیا میں سے کوئی چیز مشغول نہیں کرتی، بہت سے صحابہ کرام نے کہا: یہ آیت ان بازار میں کاروبار کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی جب نماز کی آذان کی آواز سنتے تھے تو ہر کام چھوڑ دیتے تھے اور مسجد کی طرف جلدی کرتے تھے۔ سالم بن عبد اللہ نے بازار والوں کو دیکھا وہ نماز کی طرف آ رہے تھے آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد سے ارادہ فرمایا: لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، عبد اللہ بن عامر، عاصم نے ابو بکر کی روایت میں اور حسن نے یسبح له فیها مجہول کا صیغہ پڑھا ہے (1)۔ نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، ابو عمرو، اور حمزہ یسبح باء کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے تھے اسی طرح ابو عمرو نے عاصم سے روایت کیا ہے اور جنہوں نے یسبح مجہول کا صیغہ پڑھا ہے وہ دو معانی کی بنا پر ہے ایک یہ کہ رجال کا رفع فعل مضمر کے ساتھ ہے جس پر ظاہر فعل دلالت کرتا ہے معنی یہ ہوگا یسبحه رجال۔ اس بنا پر الاصال پر وقف ہوگا سیبویہ نے اس کی مثال ذکر کی ہے:

لِیُبْكَ یَزِیْدُ ضَارِعٌ لخصومة و مُخْتَبِطٌ مما تُطِیحُ الطَّوَائِحُ

اس کا مطلب ہے یبکیه ضارع اس بنا پر تو کہتا ہے: ضرب زید عمرو اس بنا پر کہ ضربه عمرو اور دوسری وجہ یہ ہے کہ رجال کو رفع مبتدا کی حیثیت سے ہے۔ اس کی خبر، فِیْ بُیُوْتٍ ہے یعنی فی بیوت أذن اللہ أن ترفع رجال اور یسبح، ترفع کی ضمیر سے حال ہے گویا فرمایا: أن ترفع مسبحا له فیها اور اس تقدیر پر الاصال پر وقف نہ ہوگا۔ اور جنہوں نے یسبح معروف کا صیغہ پڑھا ہے انہوں نے الاصال پر وقف نہیں کیا کیونکہ یسبح، رجال کے لیے فعل ہے اور فعل فاعل کے لیے مجبور ہوتا ہے اس میں اضمار نہیں ہے، الغدو الاصال پر سورۂ اعراف کے آخر میں کلام گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا اس کا معنی ہے نماز پڑھتا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: قرآن میں تسبیح کا لفظ صلاۃ کے لیے آیا ہے اور اس پر دلیل بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ کا ارشاد ہے یعنی صبح اور شام۔ اکثر مفسرین نے اس سے فرضی نماز مراد لی ہے یعنی الغدو سے مراد صبح کی نماز ہے اور الأصال سے مراد ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں کیونکہ الاصال کا اسم ان تمام نمازوں کو جمع کرتا ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ ابو داؤد نے حضرت ابو امامہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص فرضی نماز کے لیے گھر سے باوضو نکلا اس کا اجر احرام باندھنے والے حاجی کے اجر کی طرح ہے اور جو چاشت کی نماز کے لیے نکلا اور اسے کھڑا نہیں کیا مگر چاشت کی نماز نے تو اس کا اجر عمرہ کرنے والے کے اجر کی طرح ہے اور نماز کے پیچھے نماز پڑھنا (جن کے

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 386

درمیان لغو نہ ہو) علیین میں مکتوب ہے"۔ اور حضرت بریدہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا: "تاریکیوں میں مساجد کی طرف چل کر جانے والوں کو قیامت کے روز مکمل نور کی بشارت دو" (1)۔ اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: جو مسجد کی طرف صبح گیا یا شام کو گیا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں مہمان نوازی کرتا ہے جب بھی صبح جاتا ہے یا شام کو جاتا ہے (2)۔ اور غیر صحیح میں ہے تو وہ اس کی عزت و کرامت میں کوشش کرتا ہے؛ یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے (3) فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے گھر میں طہارت حاصل کی پھر اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر کی طرف چلا تاکہ اللہ کے فرائض میں سے ایک فریضہ ادا کرے تو اس کے ایک قدم سے اس کا گناہ گرتا ہے اور دوسرے قدم سے اس کا درجہ بلند ہوتا ہے"۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آدمی کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اس کی گھر کی نماز اور بازار کی نماز پر بیس سے زائد درجہ ثواب زیادہ رکھتا ہے (4) یہ اس لیے ہے کہ ان میں سے کوئی جب وضو کرتا ہے اور اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر مسجد میں آتا ہے اور اسے صرف نماز ہی ادھر لے کر آتی ہے وہ صرف نماز کا ہی ارادہ کرتا ہے پس جب وہ مسجد میں داخل ہوتا ہے تو وہ نماز میں ہوتا ہے جب تک اسے نماز روکے ہوئے ہوتی ہے اور فرشتے تم میں سے اس شخص کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ اپنی اس جگہ بیٹھا رہتا ہے جہاں اس نے نماز پڑھی ہوتی ہے فرشتے کہتے ہیں: اللھم أرحمه اللھم اغفر له اللھم تب علیه" اے اللہ! اس پر رحم فرما، اے اللہ! اس کی مغفرت کر، اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما، یہ فرشتے کہتے رہتے ہیں جب تک بے وضو نہیں ہوتا" ایک روایت میں ہے پوچھا: حدث سے کیا مراد ہے (5)؟ فرمایا: "آہستہ سے ہوا خارج کرنا یا بلند آواز سے ہوا خارج کرنا"۔ حکیم بن زریق نے کہا: سعید بن مسیب سے پوچھا گیا کیا نماز جنازہ میں حاضر ہونا تمہارے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے یا مسجد میں بیٹھنا؟ انہوں نے فرمایا: جو نماز جنازہ پڑھتا ہے اس کے لیے ایک قیراط ثواب ہے اور جو اس کے دفن ہونے تک ساتھ رہتا ہے اس کے لیے دو قیراط ثواب ہے اور مسجد میں بیٹھنا میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے کیونکہ ملائکہ کہتے ہیں: اے اللہ! اس کی مغفرت فرما، اے اللہ! اس پر رحم فرما، اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما۔ حکم بن عمیر صحابی رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دنیا میں مہمان کی طرح ہو جاؤ مساجد کو گھر بناؤ اپنے دلوں کو رقت و نرمی کا عادی بناؤ، تفکر اور رونا زیادہ کرو تمہاری خواہشات تم پر مختلف نہ ہوں تم وہ بناتے ہو جس میں تم نے رہنا نہیں ہے اور تم وہ جمع کرتے ہو جو تم کھاتے نہیں ہو اور تم وہ امیدیں رکھتے ہو جو تم پاتے نہیں ہو"۔ حضرت ابودرداء نے اپنے بیٹے کو فرمایا: مسجد تیرا گھر ہونا چاہیے میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: "مساجد متقین کے گھر ہیں اور مسجد جس کا گھر ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت و راحت اور پل صراط سے گزرنے کا ضامن ہو جاتا ہے" ابو صادق ازدی نے شعیب حجاب کی طرف لکھا کہ مساجد

1۔ سنن ابن ماجہ، الدعاء عند دخول المسجد، جلد 1، صفحہ 57۔ ایضاً، ابوداؤد، باب ما جاء فی المشی الی الصلاۃ فی الظلام، حدیث 474

2۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، فضل الجلوس فی مسجد بعد الصبح، جلد 1، صفحہ 235

3۔ ایضاً، فضل الصلوٰۃ المکتوبۃ فی جماعۃ، جلد 1، صفحہ 235　4۔ ایضاً　5۔ ایضاً

کو لازم پکڑو کیونکہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ یہ انبیاء کی مجالس تھیں۔ ابو ادریس خولانی نے کہا: مساجد نیک اور معزز لوگوں کی مجالس ہیں۔ مالک بن دینار نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے بندوں کو عذاب دینے کا ارادہ کرتا ہوں پھر میں مساجد کو آباد کرنے والوں، قرآن پڑھنے والوں اور اسلام کے بیٹوں کو دیکھتا ہوں تو میرا غضب ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ''آخر زمانہ میں کچھ لوگ ہوں گے وہ مساجد میں آئیں گے وہ ان میں حلقے بنا کر بیٹھیں گے ان کا ذکر دنیا اور اس کی محبت ہوگی پس تم ان کے ساتھ مت بیٹھو اللہ کو ان کی کوئی ضرورت نہیں''۔ ابن مسیب نے کہا: جو مسجد میں بیٹھتا ہے وہ اپنے رب کا جلیس ہوتا ہے پس اسے اچھی بات کہنی چاہیے۔ مساجد کی تعظیم اور ان کی حرمت سے اتنا گزر چکا ہے جسمیں کفایت ہے۔ بعض علماء نے مسجد کی تعظیم میں پندرہ خصلتوں کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا: مسجد کی حرمت سے ہے کہ داخل ہوتے وقت سلام کرے اگر لوگ مسجد میں بیٹھے ہوں، اگر مسجد میں کوئی نہ ہو تو کہے: السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اور بیٹھنے سے پہلے دو رکعت ادا کرے اس میں خرید وفروخت نہ کرے، اس میں تیر اور تلوار نہ سونتے، اس میں گم شدہ چیز تلاش نہ کرے اور لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے اور جگہ کے لیے جھگڑا نہ کرے، صف میں کسی پر تنگی نہ کرے، کسی نمازی کے سامنے سے نہ گزرے، نہ مسجد میں تھوکے نہ ناک صاف کرے اور بلغم نہ ڈالے، اپنی انگلیوں کے چٹخارے نہ نکالے، اپنے جسم کے ساتھ نہ کھیلے، مسجد کو نجاسات، بچوں اور مجنونوں سے پاک رکھے، اس میں حدود قائم نہ کرے، کثرت سے اللہ کا ذکر کرے ذکر الٰہی سے کبھی غافل نہ ہو۔ جس نے یہ خصال پورے کیے تو اس نے مسجد کا حق ادا کر دیا اور مسجد اس کے لیے شیطان رجیم سے محفوظ قلعہ بن جائے گی۔ خبر میں ہے ''مسجد، لوگوں کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھالی گئی مسجد نے لوگوں کی شکایت کی تھی کیونکہ لوگ اس میں دنیا کی باتیں کر رہے تھے'' دار قطنی نے عامر شعبی سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''قرب قیامت سے یہ ہے کہ چاند سامنے نظر آئے گا تو کہا جائے گا: یہ تو دو راتوں کا ہے اور مساجد کو راستے بنایا جائے گا اور اچانک موت ظاہر ہوگی''۔ اس کو عبد الکبیر بن معافی نے شریک سے انہوں نے عباس بن ذریح سے انہوں نے شعبی سے انہوں نے حضرت انس سے روایت کیا ہے اور دوسرے لوگوں نے شعبی سے مرسلا روایت کی ہے۔ واللہ اعلم۔ ابو حاتم نے کہا: عبد الکبیر بن معافی ثقہ ہے اور ابدال میں سے شمار کیے جاتے تھے۔ اور امام بخاری میں حضرت ابو موسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''جو ہماری مساجد اور ہمارے بازار سے تیروں کے ساتھ گزرے تو وہ ان کے بھالوں سے پکڑے تاکہ کسی مسلمان کو زخمی نہ کر دے''(1) امام مسلم نے حضرت انس سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اس کو دفن کرنا ہے''(2)۔ حضرت ابو ذر سے مروی ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''مجھ پر میری امت کے اعمال پیش کیے گئے تو میں نے ان کے اچھے اعمال میں سے راستے سے اذیت دینے والی چیز کا ہٹانا ہے اور ان کے برے اعمال سے مسجد میں رینٹ ڈالنا ہے جس کو دفن نہ کیا گیا ہو''(3)۔ ابو داؤد نے فرج

1۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب المرور فی المسجد، جلد 1، صفحہ 64

2۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، النہی عن بصاق فی المسجد فی الصلوٰۃ وغیرہا، جلد 1، صفحہ 207

3۔ ایضاً

بن فضالہ سے انہوں نے ابوسعد خمیری سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے واثلہ بن اسقع کو مسجد دمشق میں دیکھا انہوں نے چٹائی پر تھوکا پھر پاؤں سے اسے صاف کردیا۔ ان سے پوچھا گیا: آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا تھا۔ فرج بن فضالہ ضعیف ہے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں چٹائیاں نہیں تھیں۔ صحیح یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر تھوکتے تھے اور اپنے بائیں جوتے سے صاف کردیتے تھے۔ شاید واثلہ نے اس کا اردہ کیا ہو اور چٹائی کو اس پر محمول کیا ہو۔

مسئلہ نمبر 16۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رِجَالٌ خصوصیت کے ساتھ ان کا ذکر کرنا دلیل ہے کہ عورتوں کا مساجد میں کوئی حصہ نہیں کیونکہ ان میں نہ جمعہ ہے اور نہ جماعت ہے۔ ان کی نماز ان کے گھروں میں افضل ہے۔ ابوداؤد نے حضرت عبداللہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ”عورت کی اپنے گھر میں نماز اس کی حجرے کی نماز سے افضل ہے اور اپنے کمرے میں نماز گھر کے صحن کی نماز سے افضل ہے“ (1)۔

مسئلہ نمبر 17۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَّا تُلْهِيهِمْ انہیں مشغول نہیں کرتی، تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ خصوصی طور پر تجارت کا ذکر فرمایا کیونکہ یہ انسان کو نماز سے بہت زیادہ غافل کرنیوالی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ کہ بیع کا ذکر دوبارہ کیوں کیا جب کہ تجارت، بیع کو بھی شامل تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تجارۃ سے مراد شرا (خریدنا) ہے کیونکہ آگے بیع آیا ہوا ہے اس کی مثال یہ ارشاد ہے: وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا (الجمعہ: 11) یہ واقدی کا قول ہے کلبی نے کہا: التجار سے مراد باہر سے اشیاء لانے والے مسافر ہیں اور الباعۃ سے مراد مقامی بیچنے والے ہیں۔ عَن ذِكْرِ اللَّهِ اس کی تاویل میں علماء کا اختلاف ہے۔ عطا نے کہا: اس سے مراد نماز میں حاضر ہونا ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور فرمایا: اس سے مراد فرض نماز ہے۔ بعض نے کہا ہے: اس سے مراد آذان ہے: یہ یحییٰ بن سلام نے ذکر کیا ہے، بعض نے کہا: اس سے مراد اسماء حسنیٰ ہیں یعنی وہ اس کی وحدانیت اور بزرگی بیان کرتے ہیں۔ یہ آیت بازار میں تجارت کرنے والوں کے متعلق نازل ہوئی: یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ سالم نے کہا: حضرت عبداللہ بن عمر بازار سے گزر رہے تھے لوگ اپنی دوکانیں بند کر رہے تھے اور جماعت میں حاضری کے لیے اٹھے تھے آپ نے فرمایا: رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ ان کے متعلق نازل ہوئی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے ”یہ وہ لوگ ہیں جو زمین میں سفر کرتے ہیں اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرتے ہیں“ بعض علماء نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو آدمی تھے ایک بیع کرتا تھا جب وہ آذان سنتا تھا تو اسے اٹھاتا نہیں تھا اور دوسرا شخص لوہار تھا وہ تجارت کے لیے تلواریں بناتا تھا جب وہ آذان سنتا اور اس کا ہتھوڑا، آئرن پر ہوتا تھا تو وہ اسے وہاں ہی رہنے دیتا تھا۔ اگر وہ اسے اٹھائے ہوئے ہوتا تھا تو اسے پیٹھ کے پیچھے پھینک دیتا تھا یہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کرتے ہوئے اور جو ان کی اقتدا کرنے والے ہیں ان کی ثنا کرتے ہوئے نازل کی ہے۔

مسئلہ نمبر 18۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِقَامِ الصَّلَاةِ یہ دلیل ہے کہ عَن ذِكْرِ اللَّهِ سے مراد نماز نہیں ہے ورنہ تکرار

1۔ سنن ابی داؤد، باب ما جاء فی خروج النساء الی المسجد، جلد 1 صفحہ 84۔ ایضاً، حدیث 483، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہوگا۔ کہا جاتا ہے: اقام الصلوۃ، اقامۃ اصل میں مصدر اقواماً تھا واؤ کی حرکت نقل کر کے قاف کو دی گئی پھر واؤ کو الف سے بدلا گیا دو الف اکٹھے ہوئے تو ایک کو حذف کیا گیا اور ھاء کو ثابت کیا تا کہ حذف ہوتے ہوتے لفظ ختم بھی نہ ہو جائے۔ جب مضاف کیا گیا تو مضاف کو ھاء کے قائم مقام رکھا گیا پس اس کا حذف جائز ہوا اگر مضاف نہ ہو تو ھاء کا حذف کرنا جائز نہیں کیا تو نے ملاحظہ نہیں کیا کہ تو کہتا ہے: وعد عدۃ و وزن زنۃ ھاء کا حذف جائز نہیں کیونکہ تو نے واؤ حذف کر دی ہے کیونکہ اصل میں ودعۃ اور وزنۃ تھا، جب مضاف کیا گیا تو ھاء حذف کی گئی۔ فراء نے یہ شعر لکھا ہے:

إِنِ الْخَلِيطَ أَجَدُّوا الْبَيْنَ فَانْجَرَدُوا وَ أَخْلَفُوكَ عِدَ الْأَمْرِ الَّذِي وَعَدُوا (1)

مراد عدۃ ہے۔ ھاء کو حذف کیا گیا جب مضاف کیا۔ حضرت انس سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے روز دنیا کی مساجد کو لایا جائے گا گویا سفید عمدہ اونٹنیاں ہیں جن کے پاؤں عنبر کے ہیں، گردنیں زعفران کی ہیں، ان کے سر کستوری سے ہیں، ان کی مہاریں سبز زبرجد سے اور ان کے نگران اور ان میں آذان دینے والے ان کی قیادت کر رہے ہوں گے، ان کے ائمۃ ان کو پیچھے سے چلا رہے ہوں گے، ان کو آباد کرنے والے ان سے چمٹے ہوئے ہوں گے وہ قیامت کے عرصات سے تیز رفتار بجلی کی طرح گذریں گے اہل موقف کہیں گے: یہ مقرب فرشتے ہیں یا مرسل انبیاء ہیں۔ ارشاد ہوگا: نہ یہ مقرب فرشتے ہیں نہ انبیاء ہیں لیکن یہ اہل مساجد ہیں اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں'' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا اسلام میں سے کچھ باقی نہ رہے گا سوائے اسلام کے نام کے اور قرآن میں سے کچھ باقی نہ رہے گا سوائے اس کے خط کے۔ لوگ مساجد کو تعمیر کریں گے اور یہ اللہ کے ذکر سے خالی ہوں گی اس زمانے کے برے ترین لوگ علماء ہوں گے ان سے فتنہ نکلے گا اور ان کی طرف لوٹے گا یعنی وہ جانتے ہوں گے اور جو واجبات ہوں گے ان پر عمل نہیں کرتے ہوں گے۔

مسئلہ نمبر 19۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ بعض علماء نے کہا: اس سے مراد فرضی زکوٰۃ ہے؛ یہ حسن کا قول ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہاں زکوٰۃ سے مراد اللہ تعالیٰ کی طاعت اور اخلاص ہے (2) کیونکہ ہر مومن کا مال نہیں ہوتا۔ يَخَافُوْنَ يَوْمًا یعنی قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں۔ تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ یعنی روز حشر ہولنا کی اور دہشت سے گھبرا جائیں گے۔ التقلب کا معنی ہے پھرنا اور اس سے مراد کفار کے دل اور ان کی آنکھیں ہیں دل اپنی جگہ سے نکل کر گلوں تک آجائیں گے۔ پھر یہ اپنی جگہوں پر واپس نہیں جائیں گے۔ بعض علماء نے کہا: دل نجات کی امید اور ہلاکت کے خوف کے درمیان گھبرائے ہوئے ہوں گے۔ اور آنکھیں پھٹی پھٹی دیکھ رہی ہوں گی کہ کس طرف سے انہیں ان کے اعمال نامے دیئے جائیں گے اور کس طرف سے انہیں پکڑا جائے گا؟ بعض علماء نے کہا: شک کرنے والوں کے دل اس شک سے پھر جائیں گے جس میں پہلے تھے اسی طرح ان کی آنکھیں یقین کو دیکھ کر کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ یہ اس قول کی مثل ہے: فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾ (ق: 22) جس کو وہ دنیا میں گمراہی دیکھتا تھا اب اسے ہدایت دیکھے گا

1۔ احکام القرآن للطبری، جز 17، صفحہ 176 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 186

مگر آخرت میں انہیں یہ فائدہ نہ دے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: ان کے دل جہنم کے انگاروں پر پھریں گے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یوم تقلب وجوههم فی النار، وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ (الانعام: 110) اور جنہوں نے کہا کہ آگ کے شعلوں پر ان کے دل پھریں گے۔ بعض نے کہا: آگ کے شعلے ایک مرتبہ انہیں جھلسا دیں گے اور پھر انہیں پکا دیں گے۔ بعض نے کہا: دل مضطرب ہوں گے آنکھیں قیامت کی ہولناکیوں کو ادھر ادھر دیکھ رہی ہوں گی۔ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا نیکیوں پر جزا کا ذکر فرمایا اور برائیوں پر جزا کا ذکر نہیں فرمایا اگرچہ برائیوں پر بھی سزا ہوگی۔ اس کی دو حکمتیں ہیں: ایک یہ کہ یہ ترغیب ہے پس رغبت کے ذکر پر اکتفا کیا۔ دوسری یہ کہ یہ اس قوم کی صفت ہے جن کے گناہ کبیرہ نہ ہوں گے۔ اور ان کے صغیرہ گناہ معاف ہوں گے۔ وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ یہ دو وجوہ کا احتمال رکھتا ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کو دس گنا کر دے گا۔ دوسرا یہ کہ جزا کے علاوہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے گا۔ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ وہ اپنی عطا کا حساب کتاب نہیں رکھتا کیونکہ اس کی عطا کی کوئی نہایت بھی نہیں ہے۔ روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا کی مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عبد اللہ بن رواحہ حاضر ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم جو مسجد بنائے گا وہ کامران ہو جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں، اے ابن رواحہ! ہاں، اے ابن رواحہ'' (1)۔ عبد اللہ نے عرض کی: اس نے اللہ کے لیے رات نہ گذاری ہو مگر سجدہ کرتے ہوئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں اے ابن رواحہ''۔ فرمایا: ''سجع (جملوں کی بناوٹ ردیف، کافیے ملانا) سے رک جاؤ بندے کو طاقت لسان سے زیادہ بری چیز کوئی نہیں دی گئی'' یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهَ عِنْدَهُ فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ ۗ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٣٩﴾

''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چمکتی ہوئی ریت ہو کسی چٹیل میدان میں خیال کرتا ہے اسے پیاسا کہ وہ پانی ہے حتیٰ کہ جب (پینے کے لیے) اس کے قریب آتا ہے تو اسے کچھ نہیں پاتا اور پاتا ہے اللہ تعالیٰ کو اپنے قریب تو پورا دیا اس نے اس کا حساب اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب کرنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ پہلے مومن کی مثال دی تو اب کافر کی مثال دی۔ مقاتل نے کہا: یہ شیبہ بن ربیعہ بن عبد شمس کے بارے میں نازل ہوئی وہ دین کی تلاش میں رہبانیت اختیار کر چکا تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو اس نے کفر کیا۔ ابو سہل نے کہا: یہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ ضحاک نے کہا: یہ کافر کے اعمال خیر میں نازل ہوئی جیسے صلہ رحمی، پڑوسیوں کو نفع پہنچانا وغیرہ۔ السراب جو گرمی کی شدت میں دوپہر کے وقت صحرا میں پانی کی طرح نظر آتی ہے مگر وہ زمین سے بلند ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ زمین اور آسمان کے درمیان ہو جاتا ہے سراب کو سراب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ پانی کی طرح چلتا ہے کہا جاتا ہے: سرب الفحل یعنی نر زمین میں چلا۔ اس کو الال بھی کہا جاتا ہے یہ خشکی اور گرمی میں ہوتا ہے پیاسا اس سے دھوکا کھاتا ہے؛ شاعر نے کہا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 108

فکنت کمُھریقِ الذی فی سِقَائہ　　لِرَقْرَاقِ آلٍ فوقَ رابِیَۃِ صَلْدِ

اور دوسرے نے کہا:

فلما کففنا الحرب کانت عھودھم　　کلمّح سَراب بالفلا متالِق (1)

امراُالقیس نے کہا:

أَلَمْ أُنْضِ المَطِیَّ بِکلِّ خَرْقٍ　　أَمَقَّ الطُّولِ لَمَّاعِ السَّراب

القیعۃ، القاع کی جمع ہے جیسے جیرۃ، جار کی جمع ہے؛ یہ ہروی کا قول ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا: قیعۃ و قاع واحد ہیں یہ نحاس نے حکایت کیا ہے۔ القاع زمین کا پھیلا ہوا حصہ جس میں کوئی بوٹی نہ ہو اس میں سراب ہوتا ہے یعنی چٹیل میدان القاع کا اصل معنی وہ پست جگہ ہے جس میں پانی ٹھہر جاتا ہے اور اس کی جمع قیعان ہے۔ جوہری نے کہا: القاع، ہموار زمین ہے۔ اس کی جمع اقوع، اقواع اور قیعان ہے ماقبل کسرہ کی وجہ سے واؤ، یا سے بدل گئی۔ القیعۃ، القاع کی مثل ہے یہ بھی واؤ سے ہے بعض نے کہا یہ جمع ہے۔ یحسبہ الظمان، الظمآن سے مراد پیاسا ہے ماء یعنی سراب کو پانی گمان کرتا ہے، حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ یَجِدْهُ شَیْـًٔا یعنی جو اس نے اندازہ لگایا تھا اس نے اسے ایسی زمین میں پایا جس میں پانی نہیں ہوتا وہ ہلاک ہو جاتا ہے یا مر جاتا ہے، وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ۔ وہ اللہ تعالیٰ کو تاڑ میں پائے گا فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ اپنے عمل کی جزا۔ امراُالقیس نے کہا:

فوَلّٰی مُدْبِرًا یَھْوِی حَثِیثًا　　وأَیْقَنَ أنَّہ لاقَی الحِسَابا

بعض علماء نے فرمایا وہ اپنے عمل کی جزا کے ساتھ اللہ کا وعدہ پائے گا۔ بعض نے کہا: وہ اپنے حشر کے وقت اللہ کا امر پائے گا۔ یہ تمام معانی متقارب ہیں۔ بقعات بھی پڑھا گیا ہے۔ مہدوی نے کہا: عین کے فتحہ کی وجہ سے الف اشباع کا ہونا بھی جائز ہے اور عزۃ و عزھاۃ ہونا بھی جائز ہے یہ اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جو عورتوں کے قریب نہیں جاتا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ قیعۃ کی جمع ہو۔ اس بنا پر وصل اور وقف میں تا ہوگی۔ نافع، ابن جعفر اور شیبۃ سے الظمان بغیر ہمزہ کے مروی ہے ان دونوں سے ہمزہ مشہور ہے کہا جاتا ہے: ظمی یظمأ ظمأ فھو ظمآن اگر تو ہمزہ میں تخفیف کرے تو تو کہے گا: ظمان اور الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا مبتدا ہے۔ اَعْمَالُهُمْ مبتدا ثانی ہے۔ كَسَرَابٍۭ سے کاف خبر ہے اور پھر جملہ، الَّذِیْنَ کی خبر ہے یہ بھی جائز ہے کہ اَعْمَالُهُمْ۔ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا سے بدل ہو۔ یعنی اعمال الذین کفروا کسراب پھر مضاف کو حذف کیا گیا۔

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَا ؕ وَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝

”یا (اعمال کفار) ایسے اندھیروں کی طرح ہیں جو گہرے سمندر میں ہوتے ہیں چھا رہی ہوتی ہے اس پر موج

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 109

اس کے اوپر ایک اور موج اور اس کے اوپر بادل (تہ در تہ) اندھیرے میں ایک دوسرے کے اوپر جب وہ نکالتا ہے اپنا ہاتھ تو نہیں دیکھ پاتا اسے اور (سچ تو یہ ہے کہ) جس کے لیے اللہ تعالیٰ نور نہ بنائے تو اس کے لیے کہیں نور نہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ، اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے ایک اور مثال دی یعنی ان کے اعمال سراب کی طرح ہیں یا تاریکیوں کی طرح ہیں۔ زجاج نے کہا اگر تو چاہے تو سراب سے تشبیہ دے اگر چاہے تو ظلمات سے تشبیہ دے (1)۔ او، اباحت کے لیے ہے جیسا کہ اَوْ كَصَیِّبٍ (البقرہ: 19) میں گزر چکا ہے۔ جرجانی نے کہا: پہلی آیت کفار کے اعمال کے ذکر میں ہے اور دوسری ان کے کفر کے ذکر میں ہے ان کے اعمال پر کفر کو عطف کیا کیونکہ کفر بھی ان کے اعمال سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (المائدہ: 16) یعنی اللہ تعالیٰ انہیں کفر سے ایمان کی طرف نکالتا ہے۔ ابوعلی نے کہا: اَوْ كَظُلُمٰتٍ، او کذی الظلمات اور ذی مضاف کے حذف پر یہ ارشاد دلالت کرتا ہے اِذَاۤ اَخْرَجَ یَدَهٗ۔ ضمیر کا مرجع محذوف ہے؛ قشیری نے کہا۔ زجاج کے نزدیک تمثیل کفار کے اعمال کے لیے واقع ہوئی ہے۔ ابوعلی کے نزدیک کافر کے لیے واقع ہوئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک روایت میں فرمایا: یہ کافر کے دل کی مثال ہے۔ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ بعض علماء نے فرمایا: یہ اللجۃ کی طرف منسوب ہے۔ اس سے ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من رکب البحر اذا التج فقد برئت منه الذمة۔ (2) جو سمندری سفر پر گیا جب وہ موجیں مار رہا تھا تو اس سے ذمہ بری ہے۔ التتج الامر کا معنی ہے بڑا ہونا، خلط ملط ہونا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے حَسِبَتْهُ لُجَّةً (النمل: 44) یعنی جو بہت گہرا ہو۔ لججت السفینة یعنی کشتی گہرائی میں چلی گئی۔ اللجۃ لام کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی گہرائی ہے اور اللجۃ لام کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی لوگوں کی آوازیں ہیں۔ کہتا ہے: سمعت لجة الناس میں نے لوگوں کی آوازیں سنیں۔ ابوالنجم نے کہا: فی لجة امسك فلانا عن فلان، التجت الأصوات۔ آوازیں خلط ملط ہوئیں اور شوروغل بڑھا۔ یَّغْشٰىهُ مَوْجٌ اس گہرے سمندر پر ایک موج بلند ہے۔ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ یعنی موج کے اوپر موج ہے اس دوسری موج پر بادل ہے پس موج کا خوف، ہوا کا خوف اور بادل کا خوف جمع ہو جاتے ہیں۔ بعض نے کہا: اس کا مطلب ہے یغشاه موج من بعد موجہ یعنی ایک موج دوسری موج کے پیچھے آتی ہے حتیٰ کہ گویا وہ ایک دوسرے کے اوپر ہیں یہ زیادہ خوفناک ہوتی ہے جب موجیں متواتر ہوں اور قریب قریب ہوں اور اس موج کے اوپر بادل ہے یہ دو وجوہ سے خوف کے لیے عظیم ہے، ایک یہ کہ اس نے ان ستاروں کو ڈھانپ دیا جن سے راستہ کی ہدایت و راہنمائی حاصل کی جاتی ہے دوسرا یہ کہ ہوا جو بادل کے ساتھ چلتی ہے اور بارش جو اس سے اترتی ہے۔ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ۔ ابن محیصن اور بزی نے ابن کثیر سے سحاب ظلمات اضافت اور جر کے ساتھ روایت کیا ہے۔ قنبل نے سحاب تنوین کے ساتھ پڑھا ہے ظلمات جر اور تنوین کے ساتھ۔ باقی قراء نے رفع اور تنوین کے ساتھ۔ مہدوی نے کہا: جس نے من فوقه سحاب ظلمات اضافت کے ساتھ پڑھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بادل ان

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 388
2۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 5، صفحہ 271

تاریکیوں کے وقت بلند ہوتا ہے پس اسے ان کی طرف مضاف کیا گیا جیسے کہا جاتا ہے: سحاب رحمۃ جب بارش کے وقت بلند ہوتا ہے اور جنہوں نے سحاب ظلمات پڑھا ہے تو ظلمات کی جر پہلے ظلمات کی تاکید یا اس سے بدل کی بنا پر ہے اور سحاب مبتدا ہے اور من فوقہ خبر ہے اور جنہوں نے سحاب ظلمات پڑھا تو ظلمات مبتدا محذوف کی خبر ہوگی تقدیر یوں ہوگی ھی ظلمات او ھذہ ظلمات۔ ابن انباری نے کہا: مِّنۡ فَوۡقِهٖ مَوۡجٌ مکمل نہیں کیونکہ من فوقہ سحاب موج کا صلہ ہے اور من فوقہ سحاب پر وقف حسن ہے۔ پھر۔ ظُلُمٰتٌۢ بَعۡضُهَا فَوۡقَ بَعۡضٍ یہ نئی کلام ہے اس معنی پر بھی ظلمات بعضھا فوق بعض۔ اہل مکہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ظلمات پڑھا ہے اس معنی پر او کظلمات ظلمات بعضھا فوق بعض اس مذہب کی بناء پر السحاب پر وقف حسن نہ ہوگا بعض نے کہا: ان تاریکیوں سے مراد بادل کی تاریکی، موج کی تاریکی، رات کی تاریکی اور سمندر کی تاریکی ہے۔ پس جو ان تاریکیوں میں ہوتا ہے اسے کچھ نظر نہیں آتا اور نہ ستارہ نظر آتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: الظلمات سے مراد سختیاں ہیں یعنی ایک دوسرے کے اوپر سختیاں ہیں۔ بعض نے کہا: الظلمات سے مراد کافر کے اعمال ہیں اور البحر اللجی سے مراد کافر کا دل ہے اور مَوۡجٌ مِّنۡ فَوۡقِهٖ مَوۡجٌ سے مراد جہالت، شک اور حیرت ہے جو کافر کے دل پر چھائی ہوئی ہوتی ہے۔ اور السحاب سے مراد رین، ختم اور مہر ہے جو اس کے دل پر لگی ہوئی ہے؛ یہ معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے یعنی وہ اپنے دل سے نور ایمان کو نہیں دیکھتا جیسے سمندر میں تاریکیوں والا جب اپنا ہاتھ نکالتا ہے تو وہ اسے دکھائی نہیں دیتا۔ حضرت ابی بن کعب نے کہا: کافر، پانچ قسم کی تاریکیوں میں گھومتا رہتا ہے اس کی کلام تاریکی ہے، اس کا عمل تاریکی ہے، اس کا مدخل تاریکی ہے، اس کا مخرج تاریکی ہے اور قیامت کے روز آگ میں تاریکیوں کی طرف جائے گا۔ اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے۔ اِذَاۤ اَخۡرَجَ یَدَهٗ یعنی دیکھنے والا جب اپنا ہاتھ نکالتا ہے۔ لَمۡ یَكَدۡ یَرٰىهَا تو وہ ظلمات کی شدت کی وجہ سے اسے دکھائی نہیں دیتا۔ زجاج اور ابو عبیدہ نے کہا: اس کا معنی ہے لم یرو لم یکد؛ یہی حسن کے قول کا معنی ہے اور لَمۡ یَكَدۡ کا معنی ہے اسے دیکھنے کی امید ہی نہ تھی۔ فراء نے کہا: کاد صلہ ہے یعنی اس نے اسے نہیں دیکھا جیسے تو کہتا ہے: ما کدت اعرفہ۔ مبرد نے کہا: اس کا مطلب ہے اس نے اسے نہیں دیکھا (1) مگر کوشش کے بعد جیسے تو کہتا ہے: ما کدت أراك من الظلمة۔ یعنی میں تاریکی کی وجہ سے تجھے دیکھ نہ پایا جبکہ اس نے اسے مایوسی اور مشکل کے بعد دیکھ لیا۔ بعض علماء نے کہا: اس کا معنی ہے دیکھنے کے قریب ہوا اور دیکھا نہیں جیسے کہا جاتا ہے: کاد العروس یکون امیرا، قریب تھا کہ دولہا امیر بن جاتا۔ کاد النعام یطیر قریب تھا شتر مرغ اڑنے لگے۔ کاد المنتعل یکون راکبا قریب تھا پیدل چلنے والا سوار ہو جاتا۔ نحاس نے کہا: ان اقوال میں سے صحیح قول وہ ہے جس کا معنی ہے رؤیت قریب نہ ہوئی جب اس کی رؤیت قریب نہ ہوئی پس اس نے اسے قریب وبعید سے نہیں دیکھا۔ وَمَنۡ لَّمۡ یَجۡعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوۡرًا یعنی اللہ تعالیٰ جس کے لیے نور نہیں بناتا اس پر معاملات تاریک ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اللہ تعالیٰ جس کے لیے دین نہیں بناتا اس کے لیے کوئی دین نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ نے جس کے لیے نور نہیں بنایا جس کے ساتھ وہ قیامت کے روز چلے گا وہ جنت کی طرف ہدایت نہیں پائے گا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 288

ہے: وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ (الحدید: 28) زجاج نے کہا: یہ دنیا میں ہے مطلب یہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت نہیں دی وہ ہدایت یافتہ نہ ہوا۔ مقاتل بن سلیمان نے کہا: یہ آیت عتبۃ بن ربیعۃ کے بارے میں نازل ہوئی وہ زمانہ جاہلیت میں دین تلاش کرتا تھا اور ٹاٹ کا لباس پہنتا تھا پھر اسلام میں کفر کیا۔ ماوردی نے کہا: یہ شیبۃ بن ربیعہ کے بارے میں نازل ہوئی وہ جاہلیت میں راہب بنا ہوا تھا اون کا لباس پہنتا تھا اور دین طلب کرتا تھا پھر اسلام میں کفر کیا۔ میں کہتا ہوں: یہ دونوں کفر میں تھے بعید نہیں کہ یہ دونوں اور ان کے علاوہ لوگ آیت میں مراد ہوں۔ بعض علماء نے کہا: یہ عبداللہ بن جحش کے بارے میں نازل ہوئی وہ مسلمان ہوا تھا۔ پھر حبشہ کی زمین کی طرف ہجرت کی تھی پھر اسلام قبول کرنے کے بعد نصرانی بن گیا تھا۔ ثعلبی نے ذکر کیا ہے حضرت انس نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے نور سے پیدا کیا اور ابوبکر کو میرے نور سے پیدا کیا۔ عمر اور عائشہ کو ابوبکر کے نور سے پیدا کیا اور میری امت کے مومنین کو عمر کے نور سے پیدا کیا اور میری امت کی مومنات کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نور سے پیدا کیا جو مجھ سے محبت نہیں کرتا اور ابوبکر، عمر اور عائشہ سے محبت کرتا ہے تو اس کے لیے نور نہیں ہے" تو یہ آیت نازل ہوئی: وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝

"کیا تم غور نہیں کرتے کہ بلاشبہ اللہ ہی ہے جس کی تسبیح بیان کرتے ہیں سارے آسمانوں والے اور زمین والے اور پرندے پر پھیلائے ہوئے، ہر ایک جانتا ہے اپنی (مخصوص) دعا اور اپنی تسبیح اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے رہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے بادشاہی ہے سارے آسمانوں کی اور ساری زمین کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی (سب نے) لوٹنا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ جب آیات کی وضاحت ذکر کی تو حجت و دلائل میں اضافہ کیا اور بیان فرمایا کہ اس کی مصنوعات اپنی تبدیلی کے ساتھ دلالت کرتی ہیں کہ ان کا کوئی صانع (بنانے والا) ہے، کمال پر قادر ہے اس کے لیے رسولوں کو بھیجنا ہے اس نے انہیں بھیجا اور معجزات کے ساتھ ان کی تائید فرمائی اور انہوں نے جنت و دوزخ کی خبر دی۔ اَلَمْ تَرَ میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور اس کا معنی الم تعلم ہے اور مراد تمام لوگ ہیں۔ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ، مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ سے مراد فرشتے ہیں، وَالْاَرْضِ جن وانس، وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ۔ مجاہد وغیرہ نے کہا: صلاۃ انسان کے لیے ہے اور تسبیح دوسری مخلوق کے لیے ہے۔ سفیان نے کہا: پرندوں کے لیے ایسی نماز ہے جس میں رکوع و سجود نہیں ہے(1)۔ بعض نے کہا: پرندوں کا پر مارنا نماز ہے اور ان کی آوازیں تسبیح ہیں: یہ نقاش نے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 112

حکایت کیا ہے۔ بعض نے کہا: یہاں تسبیح سے مراد مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی صفت کا اثر نظر آتا ہے۔ صافات کا معنی ہے ہوا میں اپنے پر پھیلائے ہوئے۔ ایک جماعت نے الطیر کو من پر عطف کی بنا پر مرفوع پڑھا ہے۔ زجاج نے کہا: والطیر بمعنی مع الطیر بھی جائز ہے۔ نحاس نے کہا: میں نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا: قمت وزیدا بمعنی مع زید۔ فرمایا: یہ رفع سے عمدہ ہے، فرمایا: اگر تو کہے قمت أنا و زید تو رفع بہتر ہوگا اور نصب جائز ہوگی۔ کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِيْحَهٗ یہ مفہوم بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی صلاۃ اور تسبیح جانتا ہے یعنی وہ نمازی کی نماز اور تسبیح کرنے والے کی تسبیح کو جانتا ہے اسی لیے فرمایا: وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ یعنی اس پر ان کی طاعت اور تسبیح مخفی نہیں ہے۔ اس جہت سے بصریوں اور کوفیوں کے نزدیک فعل کے اضمار کے ساتھ کل پر نصب جائز ہے جس فعل کی تفسیر مابعد فعل کر رہا ہے۔ بعض نے کہا: اس کا مطلب ہے ہر نماز پڑھنے والا اپنی نماز کو جانتا ہے اور اپنی تسبیح کو جانتا ہے جس کا اسے مکلف کیا گیا ہے، بعض لوگوں نے کل قد عُلِمَ صلاته و تسبيحه یعنی مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ بعض نحویوں نے ذکر کیا ہے کہ بعض نے كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِيْحَهٗ پڑھا ہے۔ یہ تقدیر ہونا بھی جائز ہے کل قد علمه الله صلاته و تسبيحه تمام کو اللہ تعالیٰ نے اس کی صلاۃ اور تسبیح سکھائی، پس تعلیم سے مراد سمجھانا ہوگا اور مراد خصوص ہے کیونکہ لوگوں میں سے کچھ وہ ہوتے ہیں جو دوسروں کو سکھاتے نہیں ہیں۔ یہ معنی بھی جائز ہے کہ ہر استدلال کرنے والے نے اس سے استدلال کیا۔ استدلال کو تعلیم سے تعبیر کیا گیا؛ یہ مہدوی کا قول ہے۔ یہاں صلاۃ بمعنی تسبیح ہے تاکید کے لیے تکرار کیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَسَرُّوا النَّجْوَى (الانبیاء: 3) الصلاۃ کو تسبیح کہا جاتا ہے؛ یہ قشیری کا قول ہے۔ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾ یہ کئی مقام پر پہلے گزر چکا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ۭ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾

”کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ لے جاتا ہے بادل کو پھر جوڑتا ہے اس کے (بکھرے ٹکڑوں) کو پھر اسے تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے۔ پھر تو دیکھتا ہے بارش کو، کہ نکلتی ہے اس کے درمیان سے اور اتارتا ہے اللہ تعالیٰ آسمان سے برف جو پہاڑوں کی طرح ہوتی ہے پس نقصان پہنچاتا ہے اس سے جسے چاہتا ہے اور پھیر دیتا ہے اس کو جس سے چاہتا ہے، قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک لے جائے آنکھوں کی بینائی کو، بدلی کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ رات اور دن کی، بیشک اس میں عبرت ہے آنکھوں والوں کے لیے“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ایک اور حجت ذکر فرمائی یعنی کہا: آپ نے اپنے دل کی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ يُزْجِيْ سَحَابًا وہ جہاں چاہتا ہے بادل کو لے جاتا ہے۔ الريح تزجی السحاب ہوا بادل کو چلاتی ہے۔

والبقرۃ تزجی ولدھا گائے اپنے بچے کو چلاتی ہے اسی سے ہے زجا الخراج یزجو زجاء جب خراج لینا آسان ہو(1)۔
نابغہ نے کہا:

إنّی أتیتك من أھلی ومن وطنی　　أزجی حُشاشَۃَ نفسٍ مابھا رمَقُ

اور اس نے یہ بھی کہا:

أسْرَتْ علیه من الجَوْزاءِ سارِیَۃٌ　　تُزجی الشَّمالُ علیه جامدَ البَرَدِ

ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَهٗ اس کو پیدا کرنے کے بعد اسے جمع کرتا ہے تا کہ وہ مضبوط ہو جائے، مل جائے اور کثیف ہو جائے۔ التالیف میں اصل ہمزہ ہے تو کہتا ہے: تالف اور اس کو یولف واؤ کے ساتھ تخفیفاً پڑھا گیا ہے۔ السحاب واحد ہے لیکن اس کا معنی جمع ہے اسی وجہ سے فرمایا: یُنْشِئُ السَّحَابَ (الرعد: 12) اور بین دو چیزوں یا زیادہ چیزوں کے درمیان واقع ہوتا ہے پس یہاں بینهٗ کیسے جائز ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بینهٗ یہاں سحاب کی جماعت کے لیے ہے جیسے تو کہتا ہے: الشجر جلست بینهٗ کیونکہ وہ جمع ہے اور لفظ کے اعتبار سے ضمیر واحد ذکر کی؛ یہ معنی فراء نے بیان کیا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ السحاب واحد ہے اور بینهٗ کہنا جائز ہے کیونکہ وہ بہت سے ٹکڑوں پر مشتمل ہوتا ہے جیسے شاعر نے کہا: بین الدخول وحومل۔ دخول پر بین داخل کیا ہے حالانکہ وہ واحد ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بہت سے مقامات پر مشتمل ہے جیسے تو کہتا ہے: مازلت أدور بین الکوفۃ۔ میں کوفہ میں گھومتا رہا کیونکہ کوفہ بہت سے مکانات ہیں؛ یہ زجاج وغیرہ کا قول ہے۔ اصمعی کا خیال ہے کہ یہ جائز نہیں ہے اور وہ روایت کرتا تھا بین الدخول وحومل۔ ثُمَّ یَجْعَلُهٗ رُكَامًا۔ تہہ در تہہ کر دیتا ہے، بعض کو بعض سے جوڑ دیتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنْ یَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا یَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾ (الطور) الرکم کا معنی ہے کسی چیز کا جمع کرنا اسی سے کہا جاتا ہے: رکم الشئی یرکمہ رکما جب وہ کسی چیز کو جمع کر دے اور بعض کو بعض پر ڈال دے۔ ارتکم الشئی وتراکم جب جمع ہو جائے الرکمۃ جمع شدہ مٹی الرکام ریت کا ٹیلہ اسی طرح بادل وغیرہ مرتکم الطریق راستہ فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ۔ الودق کے بارے دو قول ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد بجلی ہے؛ یہ ابوالاشہب عقیلی کا قول ہے؛ اسی سے شاعر کا قول ہے:

أثرنا عجاجۃ و جرجن منھا　　خروج الوَدْق من خَلَل السحاب (2)

دوسرا معنی ہے بارش؛ یہ جمہور کا قول ہے؛ اسی سے شاعر کا قول ہے:

فلا مُزْنۃ ودقَت ودقَھا　　ولا أرضَ أبْقَلَ إبقالَھا (3)

امراء القیس نے کہا:

فدِ معھما وَدْقٌ و سَحٌّ ودِیمَۃٌ　　وسَکْبٌ وتَوْکافٌ و تَنْھَمِلانِ

کہا جاتا ہے: وَدَقَت السحابۃ فھی وادقۃ ووَدَقَ المطر یَدِق وَدْقًا اس کا مطلب ہے بارش برسی وودقت الیه میں اس

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 112　2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 113　3۔ احکام القرآن للطبری، جز 17، صفحہ 183

کے قریب ہوا۔ ضرب المثل ہے ودق البعیرالی الماء۔ اونٹ پانی کے قریب ہوا۔ یہ مثال اس شخص کے لیے دی جاتی ہے جو کسی چیز کے حرص کی وجہ سے اس کے لیے جھک جاتا ہے۔ اسم ظرف مودق۔ ودقت بہ ودقا کا معنی ہے میں نے اس سے انس حاصل کیا جس جانور کے سم ہوں جب وہ نر کا ارادہ کرے نر کو چاہے۔ ودقت تدق ودقا او دقت واستودقت۔ اتان (گدھی) ودوق و فرس ودوق ودیق بھی اور وادق بھی استعمال ہوتا ہے الودیقۃ گرمی کی شدت کو کہتے ہیں خلال، خلل کی جمع ہے جیسے جبل کی جمع جبال ہے اس سے مراد سوراخ اور بادل سے بارش کے نکلنے کی جگہ ہے۔ یہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ کعب نے کہا: بادل بارش کی چھاننی ہے۔ اگر بادل نہ ہوتا تو پانی آسمان سے اکٹھا اترتا اور جس جگہ پر گزرتا اسے خراب کر دیتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ضحاک اور ابوالعالیہ نے کہا: من خللہ یعنی مفرد پڑھا ہے۔ تو کہتا ہے: کنت فی خلال القوم یعنی میں ان کے درمیان تھا۔ وَ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْۢ بَرَدٍ۔ بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آسمان میں برف کے پہاڑ پیدا کیے وہ ان سے اولے نازل فرماتا ہے۔ اس میں اضمار ہے یعنی ینزل من جبال البرد بردا برف کے پہاڑوں سے برف نازل کرتا ہے۔ مفعول محذوف ہے۔ اسی طرح کا قول فراء کا ہے۔ ان کے نزدیک تقدیر اس طرح ہے من جبال برد ان کے نزدیک جبال ہی برد (برف) ہیں۔ برد محل جر میں ہے اس قول کی بنا پر معنی ہوگا من جبال برد فیھا یعنی جبال کی تنوین کے ساتھ۔ بعض علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آسمان میں پہاڑ پیدا فرمائے جن میں برف ہے تقدیر اس طرح ہوگی وینزل من السماء من جبال فیھا برد۔ اور من صلہ ہے، بعض نے کہا: اس کا مطلب ہے وہ آسمان سے پہاڑوں کی مقدار یا پہاڑوں کی مثل برف نازل کرنے کی ابتدا ہے۔ اور دوسرا من تبعیض کے لیے ہے کیونکہ برف، پہاڑوں کا بعض ہے اور تیسرا من جنس کے بیان کے لیے ہے کیونکہ ان پہاڑوں کی جنس برف سے ہے۔ اخفش نے کہا الجبال اور برد سے پہلے من دونوں جگہ زائدہ ہے (1) اور الجبال اور البرد محل نصب میں ہیں یعنی ینزل من السماء بردا یکون کالجبال آسمان سے برف نازل کرتا ہے جو پہاڑوں کی طرح ہوتی ہے۔ فَيُصِيبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ پس اس کا پہنچانا عذاب ہے اس کا اسے پھیر لینا نعمت ہے۔ یہ سورۂ بقرہ اور سورۃ الرعد میں گزر چکا ہے اور جو کڑک کی آواز سن کر تین مرتبہ کہتا ہے: سبحان من یسبح الرعد بحمدہ والملائکۃ من خیفتہ تو اس کڑک سے جو نقصان ہوتا ہے وہ اس سے بچ جاتا ہے۔ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ یعنی بادل میں جو بجلی ہے اس کی چمک۔ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ اپنی شدت کی چمک اور روشنی کی وجہ سے آنکھوں کو لے جائے شماخ نے کہا:

وما كادت إذا رفعت سناها ليُبْصِر ضوْءها إلّا البَصِيرُ (2)

امراء القیس نے کہا:

يضيئ سناه أو مصابيحُ راهبٍ أهان السَّلِيطَ في الذُّبالِ المُفَتَّلِ (3)

السنا مقصود ہے بجلی کی چمک۔ السنا ایک بوٹی ہے جس سے دوا کی جاتی ہے۔ السناء ممدود بھی ہے اسی طرح طلحہ بن

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 190 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 113 3۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 114

مصرف نے سناء، روشنی اور صفائی کی شدت میں مبالغہ کے اظہار کے لیے مد کے ساتھ پڑھا ہے اس پر شرف کے اسم کا بھی اطلاق ہوتا ہے۔ مبرد نے کہا: السنا مقصود ہے اس کا معنی چمک ہے۔ جب یہ شرف اور حسب کے معنی میں ہو تو ممدود ہوتا ہے ان دونوں کی اصل ایک ہی ہے اور وہ چمکنا ہے۔ طلحہ بن مصرف نے البرقة بجلی کی مقدار البرقة اسم مرة۔ جحدری اور ابن القعقاع نے کہا: یُذْهِبُ بِالْاَبْصَارِ میں باء صلہ زائدہ ہے۔ باقی قراء نے یذهب الابصار یاء اور ھا کے فتحہ کیساتھ پڑھا ہے۔ باء الصاق کے لیے ہے البرق بادل کے گھنا ہونے کی دلیل ہے اور بارش کی تیزی کی بشارت ہے اور بجلی کے نزول سے ڈرانے والی ہے۔ یُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ بعض علماء نے کہا: ان کی تقلیب سے یہ مراد ہے کہ ایک کے بعد دوسرے کو لاتا ہے۔ بعض نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ان میں کمی اور زیادتی کرتا ہے۔ بعض نے کہا: کبھی دن کو بادل کی تاریکی سے بدل دیتا ہے کبھی سورج کی روشنی سے چمکا دیتا ہے اسی طرح کبھی رات کو بادل سے تاریک کر دیتا ہے اور کبھی چاند کی روشنی سے روشن کر دیتا ہے؛ یہ نقاش کا قول ہے۔ بعض نے کہا: ان کی تقلیب سے مراد ان میں خیر و شر، نفع و ضرر کا جو اختلاف ہوتا ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ یعنی لیل و نہار کی تبدیلی میں سے جو ہم نے ذکر کیا ہے بارش کے احوال اور گرمی و سردی کے احوال سے جو ذکر کیا ہے۔ لَعِبْرَةً عبرت ہے۔ لِّاُولِی الْاَبْصَارِ میری مخلوق میں سے صاحب بصیرت لوگوں کے لیے۔

وَ اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰۤی اَرْبَعٍ ؕ یَخْلُقُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ؕ وَ اللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝

''اور اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے ہر جانور کو پانی سے تو ان میں کچھ تو رینگتے ہیں پیٹ کے بل اور ان میں سے بعض چلتے ہیں دو ٹانگوں پر اور ان میں سے بعض چلتے ہیں چار ٹانگوں پر، پیدا فرماتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ہم نے اتاری ہیں ایسی آیتیں جو (حق کو) صاف صاف بیان کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ پہنچاتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھی راہ تک''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ اضافت کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے خلق ماضی کا صیغہ پڑھا ہے دونوں قراتوں میں معنی صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دو خبریں دی ہیں۔ پس اس میں یہ کہنا مناسب نہیں کہ ایک قرات دوسری قرات سے اصح ہے۔ بعض علماء نے کہا: خلق مخصوص چیز کے لیے ہے اور خالق عموم پر بولا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الْخَالِقُ الْبَارِئُ (الحشر: 24) اور خصوص میں فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ (الانعام: 1) اسی طرح هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (الاعراف: 189) پس اللہ خلق کل دابة من ماء ہونا ضروری ہے۔ الدابة حیوان میں سے جو سطح زمین پر چلتا ہے کہا جاتا ہے: دب یدب فهو داب۔ اس میں ھاء مبالغہ کے لیے ہے۔ یہ سورۂ بقرہ

میں گزر چکا ہے۔ من ماء اس میں جن اور ملائکہ داخل نہیں کیونکہ ہم انہیں نہیں دیکھتے اور نہ یہ ثابت ہے کہ وہ پانی سے پیدا کیے گئے ہیں بلکہ صحیح میں ہے کہ "ملائکہ نور سے پیدا کیے گئے ہیں اور جن آگ سے پیدا کیے گئے ہیں"۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ مفسرین نے کہا: من ماء سے مراد من نطفۃ یعنی نطفہ سے پیدا کیا ہے (1) کہ ہر انسان کی تخلیق میں پانی ہے جس طرح آدم کو پانی اور مٹی سے پیدا فرمایا اس بناء پر نبی کریم ﷺ نے اس شیخ سے فرمایا تھا جس نے غزوہ بدر میں پوچھا تھا: تم کس سے ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تھا: نحن من ماء ہم پانی سے ہیں۔ الحدیث۔ ایک قوم نے کہا: جن وفرشتوں کی استثنا نہیں ہے بلکہ ہر حیوان پانی سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ پانی سے پیدا کی گئی ہے، ہوا پانی سے پیدا کی گئی ہے کیونکہ عالم کی سب سے پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی وہ پانی تھا پھر اس سے ہر چیز بنائی۔ میں کہتا ہوں: اس کی صحت پر یہ قول دلالت کرتا ہے: فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ۔ پیٹ کے بل چلنا سانپوں اور مچھلیوں کے لیے ہے اور اسی طرح دوسرے کیڑوں کے لیے ہے اور دو ٹانگوں پر چلنا انسان اور پرندوں کے لیے ہے اور چار ٹانگوں پر چلنا حیوان کے لیے ہے۔ مصحف ابی میں ہے و منهم من یمشی علی اکثر۔ اس زیادتی کے ساتھ تمام حیوان شامل ہو گئے جیسے سرطان اور خشاش وغیرہ، لیکن ان الفاظ کو اجماع نے ثابت نہیں کیا۔ لیکن نقاش نے کہا: چار ٹانگوں پر چلنے والوں کے ذکر پر اکتفا کیا (2) اور اس سے زیادہ پر چلنے والوں کے ذکر سے استغنا کیا کیونکہ تمام حیوانوں کا اعتماد چار ٹانگوں پر ہوتا ہے یہ اس کے چلنے کا سہارا ہوتی ہیں اور بعض حیوانوں میں ٹانگوں کی کثرت اس کی خلقت میں زیادتی ہے وہ حیوان ان تمام ٹانگوں پر چلنے کا محتاج نہیں ہوتا۔ ابن عطیہ نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ یہ کثیر ٹانگیں اس کے چلنے میں حرکت کرتی ہیں (3)۔ بعض نے کہا: کتاب میں چار سے زیادہ پر چلنے کی ممانعت نہیں ہے کیونکہ یہ نہیں فرمایا کہ چار سے زیادہ پر چلنا نہیں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس میں اضمار ہے و منهم من یمشی علی اکثر من اربع جیسا کہ حضرت ابی کے مصحف میں ہے، واللہ اعلم۔ دابۃ کا لفظ ذوی العقول اور غیر ذوی العقول کو شامل ہے اور ذوی العقول کو غلبہ دیا کیونکہ جو غیر ذوی العقول کے ساتھ ہو جمع ہوتا ہے کیونکہ ذوی العقول مخاطب اور مکلف ہوتا ہے اسی وجہ سے فرمایا مِنْهُمْ۔ اور فرمایا مَّنْ يَّمْشِيْ۔ اور اس اختلاف کے ساتھ صانع کے ثبوت کی طرف اشارہ کیا۔ اگر تمام کا صانع مختار نہ ہوتا تو وہ مختلف نہ ہوتے بلکہ وہ ایک جنس سے ہوتے یہ اس قول کی طرح ہے۔ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۙ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ (الرعد: 4) يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ جو ارادہ کرتا ہے اس پر قادر ہے۔ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٤٦﴾ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٧﴾

"وہ کہتے ہیں: ہم ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور (اس کے) رسول پر اور ہم فرمانبردار ہیں پھر منہ پھیر لیتا ہے ایک فریق ان سے (ایمان واطاعت کے) اس دعویٰ کے بعد اور یہ لوگ ایماندار نہیں ہیں"۔

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 391 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 191 3۔ ایضاً

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالرَّسُوْلِ اس سے مراد منافقین ہیں، وہ زبان سے کہتے ہیں: ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے لیکن ان کا یہ کہنا اخلاص اور یقین کے بغیر ہوتا ہے۔ وَ اَطَعْنَا۔ وہ کہتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں۔

وَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَ اِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْۤا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۝ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْۤا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

''جب وہ بلائے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف تا کہ فیصلہ کرے ان کے درمیان تو اس وقت ایک جماعت ان میں سے روگردانی کرنے لگتی ہے۔ اور اگر فیصلہ ان کے حق میں ہونا ہو تو (بھاگے) چلے آتے ہیں اس کی طرف تسلیم کرتے ہوئے۔ کیا ان کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے یا وہ (اسلام کے متعلق) شک میں مبتلا ہیں یا انہیں یہ اندیشہ ہے کہ ظلم کرے گا اللہ تعالیٰ ان پر اور اس کا رسول بلکہ (درحقیقت) وہ خود ظالم ہیں''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ طبری وغیرہ نے کہا: ایک منافق آدمی جس کا نام بشر تھا اس کے اور ایک یہودی کے درمیان زمین کا جھگڑا تھا یہودی نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے بلایا۔ منافق چونکہ حق پر نہ تھا اس نے آپ کے پاس آنے سے انکار کیا اور اس نے کہا: نعوذ باللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر ظلم کرتا ہے ہم کعب بن اشرف (یہودی) کو اپنا حاکم بناتے ہیں تو اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ مغیرہ بن وائل جو بنی امیہ سے تھا اس کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان پانی اور زمین کا جھگڑا تھا۔ مغیرہ نے انکار کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے جائیں، مغیرہ نے کہا: وہ مجھ سے بغض کرتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لیحکم مفرد صیغہ ذکر فرمایا۔ لیحکما تثنیہ کا صیغہ ذکر نہیں فرمایا کیونکہ اس سے مراد رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور کلام کے آغاز کے لیے تھا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْۤا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۝ اطاعت کرتے ہوئے کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق کے ساتھ فیصلہ فرماتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: اَذْعَنَ فلانٌ لحکم فلان يُذْعِن اذعانا تسلیم کرنا نقاش نے کہا: مذعنین کا مطلب ہے خضوع کا اظہار کرتے ہوئے (1)۔ مجاہد نے کہا: اس کا مطلب ہے جلدی کرتے ہوئے۔ اخفش اور ابن اعرابی نے کہا: اقرار کرتے ہوئے۔ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مرض سے مراد شک و شبہ ہے۔ اَمِ ارْتَابُوْۤا۔ کیا انہیں آپ کی نبوت اور عدل میں شک پڑ گیا ہے، اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ یا انہیں خوف ہے کہ فیصلہ میں اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم کریں گے۔ استفہام کے لفظ سے کلام ذکر کی کیونکہ یہ توبیخ میں سخت ہے اور مذمت میں ابلغ ہے جیسے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 115

جریر نے مدح میں کہا:

ألستم خير من ركب المطايا وأندىٰ العالمين بطونَ راحِ (1)

بَلْ أُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝ وہ معاند اور کافر ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فیصلہ سے اعراض کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ فیصلہ کرنے کا اختیار مسلمانوں کے لیے ہوگا جب معاہد اور مسلم کے درمیان فیصلہ ہو۔ اس میں ذمیوں کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ اور اگر جھگڑا ذمیوں کے درمیان ہو تو پھر ان کا قاضی ہو سکتا ہے۔ اگر دونوں ذمی اسلام کے قاضی کے پاس آئیں تو اس کی مرضی ہے چاہے تو فیصلہ کر دے چاہے تو اعراض کر لے جیسا کہ سورۂ مائدہ میں گزرا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ یہ آیت دلیل ہے کہ کوئی شخص کسی کو کسی جھگڑے میں تصفیہ کے لیے کسی قاضی کی طرف بلائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ ضرور اس قاضی کے پاس جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی سخت مذمت کی ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں بلایا جائے تاکہ آپ اس کے اور اس کے خصم کے درمیان فیصلہ کریں اور وہ انکار کرے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ، ابن خویز منداد نے کہا: جس کو قاضی کی عدالت میں بلایا جائے اسے جانا واجب ہے جب کہ اسے معلوم نہ ہو کہ قاضی فاسق ہے یا مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان عداوت ہے۔ زہراوی نے حسن بن ابی الحسن سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اپنے خصم کو کسی مسلمان حاکم کی طرف بلایا اور وہ نہ آیا تو وہ ظالم ہے اور اسے حق نہیں ہے''(2) یہ بھی ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ حدیث باطل ہے۔ رہا یہ قول کہ وہ ظالم ہے، یہ کلام صحیح ہے اور رہا یہ قول کہ اس کا حق نہیں یہ صحیح نہیں ہے۔ اور یہ احتمال رکھتا ہے کہ اس کی مراد یہ ہو کہ وہ غیر حق پر ہے۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝۵۱

''ایمانداروں کی بات تو صرف اتنی ہے کہ جب انہیں بلایا جاتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ وہ فیصلہ فرمائیں ان کے درمیان تو وہ کہتے ہیں ہم نے فیصلہ سن لیا اور ہم نے اطاعت کی اور یہی لوگ دونوں جہانوں میں بامراد ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ یعنی مومنین کو جب کتاب اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کی طرف بلایا جاتا ہے۔ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا تو وہ کہتے ہیں ہم نے فیصلہ سن لیا اور ہم نے اطاعت کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ مہاجرین وانصار کی اطاعت کی خبر دے رہا ہے اگرچہ فیصلہ ان کے خلاف بھی ہوتا تو وہ یہی کہتے تھے۔ وہ منافق اگر ایماندار ہوتے تو کہتے: سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا قول پر نصب کان کی خبر کی بنا پر ہے اور اس کا اسم ان یقولوا ہے جیسے یہ ارشاد ہے: وَ مَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا (آل عمران: 147) بعض علما نے کہا: اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اور کان کلام میں صلہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا۝۲۹

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 392

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 116

(مریم) ابن القعقاع نے لیحکم بینھم پڑھا ہے یعنی مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب نے انما قول کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے (1)۔

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَخْشَ اللّٰهَ وَ يَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝

''جو شخص اطاعت کرتا ہے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور ڈرتا رہتا ہے اللہ سے اور بچتا رہتا ہے اس (کی نافرمانی) سے تو یہی لوگ کامیاب ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ۔ یعنی جو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی اطاعت کرتا ہے۔ حفص نے ویتقه کو جزم کی نیت پر قاف کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ شاعر نے کہا:

ومن يتّقِ فانّ الله معه　　ورزق الله مؤتابٌ وغادِ

باقی قراء نے قاف کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ اس کی جزم اس کے آخر کے حذف کے ساتھ ہے۔ ابو عمرو اور ابو بکر نے ھا کو ساکن کیا ہے یعقوب اور قالون نے نافع سے اور بستی نے ابو عمرو اور حفص سے کسرہ میں اختلاس روایت کیا ہے باقی قراء نے ھا کے کسرہ کو اشباع کیا ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ حضرت اسلم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک روز مسجد میں کھڑے تھے روم کا ایک دہقان ان کے پاس کھڑا تھا اور کہہ رہا تھا: انا اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا: میں نے اللہ کے لیے اسلام قبول کر لیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا اس کا کوئی سبب ہے؟ اس نے کہا: ہاں میں نے تورات، زبور، انجیل اور بہت سی انبیاء کرام کی کتابیں پڑھیں میں نے ایک قیدی کو قرآن کی ایک آیت پڑھتے ہوئے سنا جس میں سابقہ کتب کی ہر چیز جمع تھی، تو میں نے جان لیا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے پس میں نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ کونسی آیت ہے؟ اس نے کہا: یہ آیت ہے۔ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ فرائض میں اللہ کی۔ وَ رَسُوْلَهٗ۔ اور سنن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے وَ يَخْشَ اللّٰهَ۔ اور گزشتہ عمر کی غلطیوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ وَ يَتَّقْهِ اور آئندہ عمر میں گناہوں سے بچتا ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ کامیاب وہ ہے جو آگ سے نجات پا گیا اور جنت میں داخل ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے جوامع الکلم کی شان دی گئی ہے'' (2)۔

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

''اور قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی بڑے زور سے کہ اگر آپ انہیں حکم دیں تو وہ (گھروں سے بھی) نکل جائیں گے فرمایئے: قسمیں نہ کھاؤ تمہاری فرمانبرداری خوب معلوم ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے جو کچھ تم کرتے ہو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ پھر منافقین کے ذکر کی طرف رجوع کیا جب اللہ تعالیٰ نے حکم

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 119
2۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 200

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آنے پر ان کی کراہت بیان کی تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: اللہ کی قسم! اگر آپ ہمیں اپنے گھروں، عورتوں اور اپنے اموال کو چھوڑ کر نکل جانے کا حکم دیں تو ہم نکل جائیں گے، اگر آپ ہمیں جہاد کا حکم دیں تو ہم آپ کے ساتھ نکلیں گے نئے حکم میں اور آپ کی اطاعت کریں گے۔ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ یعنی پوری طاقت سے قسمیں اٹھائیں۔ مقاتل نے کہا: جس نے اللہ کی قسم اٹھائی اس نے قسم میں زور لگایا۔ اس کا ذکر سورہ انعام میں گزر چکا ہے۔ جهد مصدر کی بنا پر منصوب ہے اس کی تقدیر اقساما بلیغا ہے۔ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا بیان کلام مکمل ہوا، طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ معروف طاعت تمہارے لیے تمہاری قسموں سے بہتر ہے یا یہ معنی کہ تمہاری طرف سے طاعت معروفہ ہونی چاہیے اور دل کے اخلاص کے ساتھ قول معروف ہونا چاہیے قسم کی ضرورت نہیں۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے میں نے تمہاری طاعت جان لی ہے یہ کذب اور تکذیب ہے یعنی تمہاری طرف سے معروف جھوٹ ہے اخلاص نہیں ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اللہ تعالیٰ تمہاری زبان سے اطاعت اور عمل سے مخالفت کو جانتا ہے۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾

"آپ فرمائیے: اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول مکرم کی پھر اگر تم نے روگردانی کی تو (جان لو) رسول کے ذمہ اتنا ہے جو ان پر لازم کیا گیا ہے اور تمہارے ذمہ ہے جو تم پر لازم کیا گیا اور اگر تم اطاعت کرو گے اس کی تو ہدایت پا جاؤ گے اور نہیں ہے (ہمارے) رسول کے ذمہ بجز اس کے کہ وہ صاف صاف پیغام پہنچا دے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ نفاق کو چھوڑ کر اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا یہ اصل میں تتولوا تھا ایک تا کو حذف کیا گیا اس پر دلیل اس کے بعد علیکم کا لفظ ہے وہاں غائب کی ضمیر علیهم ذکر نہیں کی۔ فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ اس پر پیغام پہنچانا لازم کیا گیا ہے۔ وَ عَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ اور تم پر ان کی اطاعت لازم کی گئی ہے۔ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ۔ الْبَلٰغُ سے مراد تبلیغ پیغام پہنچانا ہے۔ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾ واضح۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾

"وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کیے کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں جس طرح اس نے خلیفہ بنایا ان کو جو ان سے پہلے تھے اور مستحکم کر دے گا ان کے لیے ان کے دین کو جسے اس نے پسند فرمایا ہے ان کے لیے اور وہ ضرور بدل دے گا انہیں ان کی حالت خوف کو امن سے، وہ میری

عبادت کرتے ہیں کسی کو میرا شریک نہیں بناتے، اور جس نے ناشکری کی اس کے بعد وہی لوگ نافرمان ہیں"۔

یہ آیت سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر کے بارے میں نازل ہوئی؛ یہ امام مالک کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس آیت کا سبب یہ ہے کہ بعض صحابہ کرام نے دشمن کے سخت مقابلہ کی شکایت کی اور جو انہیں اپنے نفسوں پر خوف تھا اس کا ذکر کیا اور وہ اپنے ہتھیار رکھتے نہیں تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ابو العالیہ نے کہا: وحی کے بعد دس سال مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام خوفزدہ ہو کر رہے۔ اللہ تعالیٰ سے سرًّا اور جہرًا دعا کرتے تھے۔ پھر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا وہ ڈرتے ہوئے صبح کرتے تھے اور شام کو ہتھیاروں میں ہوتے تھے۔ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم پر کوئی ایسا دن نہیں آئے گا جس میں ہم امن سے ہوں گے اور ہتھیار اتار دیں گے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تھوڑا سا وقت گزرے گا حتی کہ تم میں سے ایک شخص بڑے مجمع میں گوٹھ مار کر بیٹھے گا اور اس پر ہتھیار نہ ہوگا" (1) تو یہ آیت نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو جزیرہ عرب پر غالب کیا تو انہوں نے ہتھیار اتار دیے اور امن میں ہو گئے۔ نحاس نے کہا: اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وہ وعدہ پورا کیا۔ ضحاک نے نقاش کی کتاب میں کہا کہ یہ آیت حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی خلافت کو متضمن ہے (2) کیونکہ وہ اہل ایمان تھے اور اعمال صالحہ کرنے والے تھے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی" اس قول کی طرف ابن عربی نے "احکام" میں اشارہ کیا ہے اور اس قول کو پسند کیا ہے۔ فرمایا: ہمارے علماء نے فرمایا یہ آیت خلفاء اربعہ کی خلافت کی دلیل ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں خلیفہ بنایا اور ان کی امانت پر راضی ہوا۔ وہ لوگ اس دین پر تھے جو اس نے ان کے لیے پسند کیا تھا، کیونکہ آج تک فضیلت میں کوئی شخص ان سے آگے نہیں بڑھا خلافت ان کے لیے قائم ہوئی انہوں نے مسلمانوں کو صحیح سمت چلایا اور دین کا پورا دفاع کیا۔ اور ان میں یہ وعدہ پورا ہوا۔ اگر ان میں یہ وعدہ پورا نہیں ہوا اور ان میں نافذ نہیں اور ان پر وارد نہیں ہوا تو پھر کن لوگوں میں پورا ہوگا؟ آج تک ان کے بعد ان کی مثل نہیں آیا اور نہ بعد میں کوئی ایسا ہوگا رضی اللہ عنہم: یہ قول قشیری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور انہوں نے اس حدیث سے حجت پکڑی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام سفینہ نے روایت کی ہے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: "میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی پھر ملوکیت ہوگی" (3)۔ سفینہ نے کہا: اے سعید! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت دو سال، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت دس سال، حضرت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بارہ سال اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت چھ سال شمار کر۔ ایک قوم نے کہا: یہ وعدہ تمام امت کو ہے کہ وہ کلمہ اسلام کے تحت ساری زمین کے مالک ہوں گے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زویت لی الأرض فرأیت مشارقها و مغاربها و سیبلغ ملك أمتي ما زوی لی منها (4)۔ میرے لیے زمین سمیٹ دی گئی میں نے اس کے مشارق و مغارب کو دیکھا اور

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 171
2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 193
3۔ جامع ترمذی، ابواب الفتن، ما جاء فی الخلفاء، جلد 2، صفحہ 45
4۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعۃ، جلد 2، صفحہ 390

میری امت کی بادشاہی وہاں تک پہنچے گی جہاں تک میرے لیے زمین سمیٹی گئی ہے؛ اس قول کو ابن عطیہ نے اپنی تفسیر میں پسند کیا ہے، فرمایا: آیت میں صحیح یہ ہے کہ یہ جمہور کی خلافت کے بارے میں ہے اور ان کا استخلاف یہ ہے کہ وہ انہیں شہروں کا مالک بنائے گا اور انہیں ان کے ماتحت کر دے گا جیسا کہ شام، عراق، خراسان اور مغرب میں ہوا۔ ابن عربی نے کہا: ہم نے انہیں کہا یہ نبوت، خلافت، اقامۃ دعوت اور عموم شریعت میں عام وعدہ ہے۔ یہ وعدہ ہر ایک میں اس کی قدر اور اس کی حالت کے اعتبار سے نافذ ہوگا حتی کہ مفتیوں، قاضیوں اور ائمہ میں یہ وعدہ پورا ہوگا خلافت کے لیے کوئی محل نہیں جس میں یہ وعدہ نافذ ہو مگر وہ جو خلفاء گزر چکے ہیں پھر انہوں نے بطور اعتراض وانفعال اس کا معنی ذکر کیا۔ اگر کہا جائے کہ یہ امر صحیح نہیں ہے سوائے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے، رہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو وہ دھوکے سے قتل کیے گئے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جھگڑا ہوا تھا۔ ہم کہیں گے: امن کے ضمن میں موت سے سلامتی نہیں خواہ وہ کسی وجہ سے ہو۔ رہے حضرت علی رضی اللہ عنہ تو ان کا جنگ میں اترنا امن کو ختم کرنا نہیں تھا اور نہ امن کی شرط سے جنگ کا نہ ہونا ہے بلکہ امن کی شرط یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کا خود مالک ہو نہ کہ جس طرح مکہ میں صحابہ کرام تھے۔ پھر اپنی کلام کے آخر میں فرمایا: حقیقت حال یہ ہے کہ وہ پہلے مجبور و مقہور تھے پھر غالب ہو گئے پہلے وہ مطلوب تھے پھر طالب بن گئے یہ امن اور عزت کی انتہا و کمال ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ حالت خلفاء اربعہ کے ساتھ خاص نہیں ہے تا کہ آیت کے عموم سے ان کو خاص کیا جائے بلکہ اس میں تمام مہاجرین وغیرہ شامل ہیں کیا آپ نے ملاحظہ کیا کہ قریش نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ احد وغیرہ میں لڑائی کی خصوصاً جنگ خندق میں حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کے متعلق خبر دی: اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۝ هُنَالِكَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا۝ (الاحزاب) پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کو لوٹا دیا اور انہوں نے خیر نہ پائی۔ مومنین کو اللہ تعالیٰ نے امن دیا انہیں قریش کی زمینوں، گھروں اور اموال کا وارث بنایا۔ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ کے ارشاد سے یہی مراد ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے مراد بنی اسرائیل ہیں جب اللہ تعالیٰ نے مصر میں جابروں کو ہلاک کر دیا تھا اور بنی اسرائیل کو ان کی زمینوں اور گھروں کا وارث بنا دیا تھا۔ فرمایا: وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا (الاعراف: 137) اسی طرح صحابہ کرام پہلے کمزور اور ڈرنے والے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں امن دیا اور انہیں قرار بخشا اور انہیں مالک بنایا۔ پس صحیح یہ ہے کہ آیت کریمہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام امت کو شامل ہے کوئی مخصوص لوگ مراد نہیں ہیں کیونکہ تخصیص تو کسی ایسی خبر سے ہوتی ہے جو واجب التسلیم ہو۔ اور اصل یہ ہے کہ عموم پر عمل کیا جائے اور صحابہ کرام کا خوف، امن میں تبدیل ہوا وہ اس طرح کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو کہا: کیا ہم پر ایسا دن بھی آئے گا کہ ہم امن میں ہوں گے اور ہتھیار اتار دیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تھوڑے عرصہ بعد تم میں سے ایک شخص ایک بڑے مجمع میں گوٹھ مار کر بیٹھے گا جبکہ اس پر کوئی ہتھیار نہ ہوگا'' (1) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اس امر (اسلام) کو مکمل فرمائے گا (2) حتیٰ کہ

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 171　2۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، علامات النبوۃ فی الاسلام، جلد 1، صفحہ 510

سوار صنعاء سے حضر موت تک چلے گا اسے اللہ تعالیٰ کے خوف کے سوا کوئی خوف نہ ہوگا اور اپنی بکریوں پر بھیڑیے کے خوف کے سوا کوئی خوف نہ ہوگا لیکن تم جلدی کر رہے ہو"۔ اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں تخریج کیا ہے۔ پس اسی طرح ہوا جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ یہ آیت نبوت کا معجزہ ہے کیونکہ یہ مستقبل کی خبر تھی تو ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ اس میں دو قول ہیں۔ (1) ارض سے مراد مکہ مکرمہ کی زمین ہے کیونکہ مہاجرین نے اللہ تعالیٰ سے اس کا سوال کیا تھا۔ تو ان سے وعدہ کیا گیا جس طرح بنو اسرائیل سے وعدہ کیا گیا تھا؛ یہ معنی نقاش نے بیان کیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد عرب وعجم کے شہر ہیں۔ ابن عربی نے کہا: یہی صحیح ہے کیونکہ مکہ کی زمین مہاجرین پر رہنے کے لیے حرام کی گئی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لیکن مسکین سعد بن خولہ" (1) چونکہ ان کا وصال ہجرت کے بعد مکہ میں ہو گیا تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے افسوس کا اظہار کرتے تھے۔ اور صحیح میں یہ بھی فرمایا: "مناسک حج ادا کرنے کے بعد مہاجر تین دن ٹھہر سکتا ہے" (2)۔ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ میں لام مضمر قسم کا جواب ہے کیونکہ وعدہ قول ہے۔ اس کا مجاز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں سے فرمایا: اللہ کی قسم! وہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا اور انہیں زمین کا مالک اور اس میں رہنے والا بنا دے گا۔ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ یعنی بنی اسرائیل۔ اللہ تعالیٰ نے مصر اور شام کے جابرہ کو ہلاک کر دیا اور مسلمانوں کو ان کی زمینوں اور گھروں کا وارث بنا دیا۔ اکثر کی قرات کما استخلف۔ تاء اور لام کے فتحہ کے ساتھ ہے کیونکہ وعدہ اور لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ کا قول اس کی دلیل ہے۔ عیسیٰ بن عمر، ابو بکر اور مفضل عاصم سے استخلف تاء کے ضمہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ فعل مجہول روایت کیا ہے۔ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ اور وہ دین اسلام ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (المائدہ: 3) یہ پہلے گزر چکا ہے، سلیم بن عامر نے مقداد بن اسود سے روایت کیا ہے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: "سطح زمین پر پتھر اور مٹی کا کوئی گھر نہیں ہے (3) مگر اللہ تعالیٰ اس میں کلمہ اسلام کو عزت والے کی عزت کے ساتھ اور ذلت والے کی ذلت کے ساتھ اس میں داخل کرے گا۔ رہے وہ جن کی عزت کے ساتھ اسلام داخل ہوگا تو انہیں اللہ تعالیٰ عزت والا بنا دے گا اور جن کی ذلت کے ساتھ اسلام داخل ہوگا تو وہ اس کی اطاعت کریں گے"۔ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے یہ اس کی حجت ہے جس نے کہا: ارض سے مراد عرب وعجم کے شہر ہیں اور یہ دوسرا قول ہے جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ ابن محیصن، ابن کثیر، یعقوب اور ابو بکر نے تخفیف کے ساتھ ابدل سے مشتق کر کے پڑھا ہے؛ یہ حسن کی قرات ہے اور ابو حاتم کا مختار ہے باقی قراء نے تشدید کر کے ساتھ بدل سے مشتق کر کے پڑھا ہے؛ یہ ابو عبید کا مختار ہے کیونکہ قرآن میں یہ اکثر ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لاتبدیل لکلمات اللہ۔ اور فرمایا: وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً (النحل: 101) اس قسم کی دوسری مثالیں موجود ہیں۔ یہ دونوں لغات ہیں۔ نحاس نے کہا: محمد بن جہم نے فراء سے

1۔ صحیح بخاری، باب بنیان الکعبہ، جلد 1، صفحہ 560

2۔ جامع ترمذی، ابواب الحج، ماجاء أن ملك المهاجر بعد الصدر ثلاثاً، جلد 1، صفحہ 114

3۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 4، صفحہ 4

روایت کیا ہے فرمایا: عاصم اور اعمش نے ولیبدلنهم پڑھا ہے یہ عاصم سے روایت غلط ہے جب کہ اس کے بعد اس نے اس سے بڑی غلطی ذکر کی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے تمام لوگوں سے تخفیف حکایت کی ہے۔ نحاس نے کہا احمد بن یحییٰ نے کہا: تثقیل اور تخفیف میں فرق ہے۔ کہا جاتا ہے: بدلته یعنی میں نے اس میں تبدیلی کی ابدلته میں نے اس کو زائل کر دیا اور اس کے غیر کو بنا دیا۔ نحاس نے کہا یہ قول صحیح ہے جیسے تو کہتا ہے أبدل لی هذا الدرهم۔ یعنی یہ زائل کر دو اور مجھے اس کی جگہ اور دے دو۔ تو کہتا ہے: بدّلت بعدنا یعنی میں نے تبدیل کر دیا۔ لیکن یہ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ اور جو اس نے ذکر کیا وہ اکثر ہے؛ یہ سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔ اور ہم نے سورۂ ابراہیم میں سنت سے دلیل ذکر کی کہ بدل کا معنی ہے عین چیز کو زائل کرنا۔ وہاں غور کرو۔ عَسٰى رَبُّنَاۤ اَنْ یُّبْدِلَنَا (القلم: 32) تخفیف اور تثقیل کیساتھ پڑھا گیا ہے۔ یَعْبُدُوْنَنِیْ یہ حال واقع ہو رہا ہے یعنی اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی حالت میں ان کی تعریف کی بنا پر اس کو نئی کلام بنانا بھی جائز ہے۔ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْـًٔا۔ اس میں چار اقوال ہیں۔ (۱) وہ میرے علاوہ کسی خدا کی عبادت نہیں کرتے؛ یہ نقاش نے حکایت کیا ہے۔ (۲) میری عبادت میں ریاکاری نہیں کرتے۔ (۳) میرے علاوہ سے محبت نہیں کرتے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ ان نعمتوں کے بعد یہاں کفر سے مراد کفران نعمت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ اللہ تعالیٰ کا انکار ذکر کرنے والا اس انعام کے بعد اور پہلے فاسق ہے۔

وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

”صحیح صحیح ادا کیا کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور اطاعت کرو رسول (پاک) کی تا کہ تم پر رحم کیا جائے“۔

یہ آیت پہلے گزر چکی ہے۔ عبادت کے امر کا تاکید کے لیے اعادہ فرمایا۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۚ وَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَ لَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۵۷﴾

”یہ خیال ہرگز نہ کیجئے کہ کفار عاجز کرنے والے ہیں (ہمیں) زمین میں اور ان کا ٹھکانا آتش (جہنم) ہے اور یہ بہت برا ٹھکانا ہے“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یہ نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے اور نصرت کا وعدہ ہے۔ اکثر لوگوں کی قرات تحسبن مخاطب کا صیغہ ہے، ابن عامر، حمزہ اور ابو حیوہ نے یحسبن یاء کے ساتھ پڑھا ہے (1) یعنی کافر یہ خیال نہ کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو زمین میں عاجز کرنے والے ہیں، کیونکہ الحسبان دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے؛ یہ زجاج کا قول ہے۔ فراء اور ابو علی نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ فعل نبی کریم ﷺ کے لیے ہو (2) یعنی حضرت محمد ﷺ یہ گمان نہ کریں کہ کفار ہمیں زمین میں عاجز کرنے والے ہیں۔ پس الذین مفعول اول اور معجزین مفعول ثانی ہوگا۔ پہلے قول کی بنا پر الذین کفروا فاعل ہے، انفسهم مفعول اول ہے جو محذوف ہے معجزین مفعول ثانی ہے۔ نحاس نے کہا: میں اہل عرب میں سے کوئی ایسا

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 394 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 193

نہیں جانتا خواہ وہ بصری ہو یا کوفی اس نے حمزہ کی قرات کو غلط کہا ہے۔ بعض نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ اس میں لیحسبن کا ایک مفعول آیا ہے۔ یہ کہنے والوں میں ابو حاتم بھی ہے۔ فراء نے کہا: یہ ضعیف ہے اور اس کے باوجود جائز قرار دیا ہے اس بناء پر کہ پہلا مفعول حذف کیا گیا ہے۔ ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔ نحاس نے کہا: میں نے علی بن سلیمان کو اس قرات میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ الذین کفروا محل نصب میں ہے۔ فرمایا: اس کا معنی ہے وہ کافر جنہوں نے کفر کیا وہ گمان نہ کریں کہ وہ ہمیں زمین میں عاجز کرنے والے ہیں۔ میں کہتا ہوں: یہ فراء اور ابو علی کے قول کے موافق ہے مگر وہاں فاعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے اس قول میں فاعل کافر ہے معجزین کا معنی فائتین ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ لوٹنے کی جگہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۭ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاۗءِ ڜ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۭ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٥٩﴾

"اے ایمان والو! اذن طلب کیا کریں تم سے (گھروں میں داخل ہوتے وقت) تمہارے غلام اور وہ (لڑکے) جو ابھی جوانی کو نہیں پہنچے تم میں سے تین مرتبہ نماز فجر سے پہلے اور جب تم اپنے کپڑے اتارتے ہو دوپہر کو اور نماز عشاء کے بعد یہ تین پردے کے وقت ہیں تمہارے لیے نہ تم پر اور نہ ان پر کوئی حرج ہے ان اوقات کے علاوہ، کثرت سے آنا جانا رہتا ہے تمہارا ایک دوسرے کے پاس، یوں صاف صاف بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے (اپنے) احکام اور اللہ تعالیٰ علیم حکیم ہے"۔

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ علماء نے فرمایا: یہ آیت خاص ہے اور اس سے پہلے والی عام ہے کیونکہ فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ ۔۔۔ الخ۔ اور یہاں خاص فرمایا: لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔ اس میں بعض اجازت طلب کرنے والوں کو خاص فرمایا، اسی طرح آیت کریمہ تمام اوقات کو شامل ہے۔ اس آیت میں بعض اوقات کو خاص کیا ان اوقات میں نہ غلام داخل ہو نہ لونڈی خواہ خدمت گذار ہو یا اس کے علاوہ ہو مگر اجازت کے بعد۔ مقاتل نے کہا: یہ اسماء بنت مرثد کے بارے میں نازل ہوئی (1)، ان کے پاس ان کا بڑا لڑکا آیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔ بعض نے کہا: اس کے نزول کا سبب مدلج کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر داخل ہونا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ لِيَسْتَاْذِنْكُمُ کے بارے میں علماء کے مختلف چھ اقوال ہیں: پہلا یہ کہ یہ منسوخ ہے؛ یہ ابن مسیب اور

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 395

ابن جبیر کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مستحب ہے واجب نہیں؛ یہ ابو قلابہ کا قول ہے فرمایا: انہیں یہ حکم دیا گیا ہے ان کی خاطر، تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد عورتیں ہیں؛ یہ ابو عبدالرحمن سلمی کا قول ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ مردوں کے متعلق ہے عورتوں کے لیے نہیں یہ چوتھا قول ہے (1)۔ پانچواں قول یہ ہے کہ یہ واجب تھا جب لوگوں کے دروازے اور کنڈے نہیں تھے (2)؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ چھٹا قول یہ ہے کہ یہ حکم مردوں، عورتوں پر ثابت اور محکم ہے؛ یہ اکثر اہل علم کا قول ہے ان میں قاسم، جابر بن زید، شعبی ہے اور سلمی کے قول کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ الذین عرب کلام میں عورتوں کے لیے نہیں ہوتا۔ عورتوں کے لیے اللاتی اور اللواتی استعمال ہوتا ہے۔ اہل نظر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کو مستحسن کہا ہے، کیونکہ الذین کلام عرب میں مردوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اگرچہ یہ جائز ہے کہ مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہوں اور یہ دلیل کے ساتھ واقع ہوتا ہے اور کلام اپنے ظاہر پر ہے مگر اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم ہے۔ رہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول تو ابوداؤد نے عبید اللہ بن ابی یزید سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ آیت جس کے ساتھ اکثر لوگوں کو حکم نہیں دیا گیا وہ آیت استیذان ہے میں اپنی لونڈی کو حکم دیتا ہوں کہ وہ مجھ پر آتے ہوئے اجازت طلب کرے۔ ابوداؤد نے کہا: اسی طرح عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یا مریہ روایت کیا ہے۔ عکرمہ نے روایت کیا ہے کہ اہل عراق کے ایک گروہ نے کہا: اے حضرت ابن عباس! رضی اللہ عنہما آپ اس آیت کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں جس میں ہمیں ایک حکم دیا گیا ہے اور کسی نے بھی اس پر عمل نہیں کیا پھر یہ آیت پڑھی، یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَ الَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ حِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَةِ وَ مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۫ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَیْسَ عَلَیْكُمْ وَ لَا عَلَیْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَیْكُمْ۔ ابوداؤد نے کہا: قعنبی نے عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ تک پڑھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ مومنین پر حلیم و رحیم ہے وہ پردے کو پسند کرتا ہے لوگوں کے گھروں کے لیے پردے اور چادریں نہیں ہوتی تھیں بعض اوقات خادم، بیٹا یا یتیم بچی داخل ہو جاتی تھی جبکہ مرد اپنے اہل کے ساتھ ہوتا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے ان پردوں کے وقت میں اجازت طلب کرنے کا حکم دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے پردے اور مال عطا فرمایا تو میں نے کسی کو اس پر عمل کرتے نہیں دیکھا (3)۔ میں کہتا ہوں: یہ عمدہ متن ہے یہ سعید اور ابن جبیر کے قول کو رد کرتا ہے کیونکہ اس میں آیت کے نسخ پر دلیل نہیں ہے لیکن یہ اپنے حال پر تھی پھر زائل ہو گئی اگر پھر پہلے جیسی حالت ہو جائے تو اس کا حکم قائم ہو گا جس طرح پہلے تھا، بلکہ آج بھی اس آیت کا حکم دیہاتوں اور صحراؤں میں مسلمانوں کے گھروں کے بارے میں ثابت ہے۔ وکیع نے سفیان سے انہوں نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے انہوں نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ۔۔۔ الخ کی آیت منسوخ نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں: لوگ اس پر عمل نہیں کرتے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جاتی ہے۔

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 395 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 194

3۔ سنن ابی داؤد، باب الاستئذان فی العورات الثلاث، حدیث 4518

مسئلہ نمبر 3۔ بعض اہل علم نے کہا: تین مرتبہ اجازت طلب کرنا اس ارشاد سے ماخوذ ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَ الَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ فرمایا: اس ارشاد سے مراد تین مرتبہ ہے۔ فرمایا: قرآن غلاموں اور بچوں کے بارے میں نازل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تمام کے بارے وارد ہوئی۔ ابن عبد البر نے کہا: جو کچھ ان علماء نے کہا ہے اگرچہ اس کی وجہ ہو سکتی ہے لیکن یہ علماء سے معروف نہیں ہے اس آیت کی تفسیر میں جس میں جھگڑا کیا گیا ہے۔ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ سے جمہور علماء نے تین اوقات مراد لیے ہیں اور اس قول کی صحت پر دلیل یہ ارشاد ہے: مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ حِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَةِ وَ مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے بندوں کو ادب سکھایا ہے کہ غلام جن کی کوئی پروا نہیں کی جاتی اور بچے جو ابھی بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچے مگر وہ ستر عورت کے مفہوم کو سمجھتے ہوں تو وہ ان تین اوقات میں اپنے گھر والوں کے پاس اجازت لے کر جائیں۔ عام طور پر ان تین اوقات میں لوگ ستر عورت کا اہتمام نہیں کرتے اور کپڑے اتارے ہوئے ہوتے ہیں۔ فجر سے پہلے کا وقت نیند کی انتہا کا وقت ہے۔ نیند کے کپڑوں سے نکلنا اور دن کے کپڑے پہننے کا وقت ہے اور دوپہر کا وقت بھی کپڑے اتارنے کا ہوتا ہے کیونکہ اس وقت میں دن خوب روشن ہوتا ہے اس کی شعاعیں بلند ہوتی ہے اور گرمی سخت ہوتی ہے اور عشاء کی نماز کے بعد سونے کے لیے کپڑے اتارے جاتے ہیں پس ان اوقات میں ستر عورت غالب ہوتا ہے۔ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری غلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا جس کو مدلج کہا جاتا تھا(1) تاکہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا لائے غلام آیا تو وہ سوئے ہوئے تھے اور دروازہ بند تھا غلام نے دروازہ کھٹکھٹایا، پھر آواز دی اور اندر داخل ہو گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے اور بیٹھ گئے آپ کا ستر کھلا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میری خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ ہمارے بیٹوں، ہماری عورتوں اور ہمارے خدام کو ان اوقات میں ہمارے پاس آنے سے منع کر دے مگر وہ اجازت سے اندر آئیں، پھر حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ آیت نازل ہو چکی تھی۔ آپ اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدہ میں گر گئے۔ یہ آیت مکی ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ الَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ تمہارے آزاد لوگوں میں سے جو بالغ نہیں ہوئے، یہ مجاہد کا قول ہے۔ اسماعیل بن اسحاق نے ذکر کیا وہ فرماتے تھے: لیستاذنکم الذین لم یبلغوا الحلم مما ملکت ایمانکم۔ تقدیم و تاخیر پر ہے۔ آیت لونڈیوں کے متعلق ہے۔ جمہور نے الحلم کو لام کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور حسن بن ابی الحسن نے ضمہ کے ثقیل ہونے کی وجہ سے سکون کے ساتھ پڑھا ہے، ابو عمرو اس کو مستحسن سمجھتے تھے۔ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ظرف کی بنا پر منصوب ہے کیونکہ انہیں تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کا حکم نہیں دیا گیا انہیں تین اوقات میں اجازت طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ثلاث میں ظرفیت واضح ہے۔ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ حِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَةِ وَ مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ اس کا معنی پہلے گزر چکا ہے۔ ہر وقت میں تین مرتبہ اجازت طلب کرنا واجب نہیں۔ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ جمہور قراء

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 395

نے۔ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ، ثلاث کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے حمزہ، کسائی اور ابوبکر نے عاصم سے ثلاث نصب کے ساتھ پڑھا۔ انہوں نے ثلاث مرات کے قول میں ظرف سے بدل بنایا ہے۔ ابو حاتم نے کہا: نصب ضعیف مردود ہے۔ فراء نے کہا: میرے نزدیک رفع محبوب ہے۔ فرمایا: میں نے رفع کو اختیار کیا ہے کیونکہ اس کا معنی ہے یہ خصال تین ستر کے اوقات ہیں۔ کسائی کے نزدیک رفع مبتدا کی حیثیت سے ہے اور ان کے نزدیک اس کی خبر مابعد کلام ہے اور عائد کے متعلق کچھ نہیں کہا اور مبتدا کے بارے میں نصا کہا ہے۔ فرمایا: العورات سے مراد وہ اوقات ہیں جن میں پردہ کھلا ہوتا ہے مگر انہوں نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے اور نصب میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ ثلاث مرات پر لوٹایا گیا ہے، اسی وجہ سے فراء نے اس کو بعید جانا ہے۔ زجاج نے کہا: اس کا یہ معنی ہے لیستاذنکم اوقات ثلاث عورات مضاف حذف کیا گیا اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام رکھا گیا۔ عورات جمع ہے عورۃ کی اور صحیح میں اس کا باب فعلات (عین کے فتحہ کے ساتھ) پر آتا ہے جیسے جفنۃ اور جفنات وغیرہ اور معتل میں عین کو ساکن کیا گیا ہے جیسے بیضۃ سے بیضات کیونکہ فتحہ اس کے اعلال کا داعی ہے اسی وجہ سے فتحہ نہیں دیا گیا رہا شاعر کا قول:

أبو بَيَضاتٍ رائحٌ مُتَأوِّبٌ رَفِيقٌ بمسح المَنْكِبَيْنِ سَبُوحُ

تو یہ شاذ ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ان اوقات کے بعد بغیر اجازت ان کے داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ تم معمول کے کپڑے پہنے ہوئے ہو۔ طَوّٰفُوْنَ بمعنی هم طوافون۔ فراء نے کہا: یہ تیرے اس قول کی طرح ہے انما هم خدمكم وطوافون عليكم۔ فراء نے اس پر نصب یعنی طوافین پڑھنا جائز کہا ہے کیونکہ نکرہ ہے اور علیکم میں مضمر معرفہ ہے۔ بصریوں نے علیکم اور بعضکم کی ضمیروں سے حال بنانا جائز قرار نہیں دیا کیونکہ عامل مختلف ہیں۔ اور مررت بزید و نزلت على عمرو عاقلين۔ دونوں کی لغت کی بنا پر جائز نہیں۔ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ کا معنی ہے وہ تم پر آتے جاتے ہیں اور تم ان پر آتے جاتے ہو، اسی سے بلی کے بارے میں حدیث ہے: إنما هي من الطوافين عليكم أو الطوافات۔ (1) تین پردے کے اوقات میں ان کے داخلہ کو منع فرمایا کیونکہ عورت کا حقیقی معنی ہے پردہ وہ چیز جس کے سامنے کوئی رکاوٹ نہ ہو اسی سے یہ ارشاد ہے: ان بيوتنا عورة ہمارے گھر داخل ہونے کے لیے آسان ہیں پس اذن کی موجب علت کو بیان کیا وہ ہے بے پردگی کی حالت میں خلوت، پس اس کی پیروی کرنا متعین ہو گیا اور نسخ کا قول ختم ہو گیا۔ پھر جناح کو رفع دیا گیا ہے اس قول کے ساتھ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۭ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰي بَعْضٍ یعنی بعض بعض پر چکر لگاتے ہیں۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ کاف محل نصب میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیات بیان فرماتا ہے جو اس کی متعبدات پر دلالت کرتی ہیں ایسا بیان جیسا کہ اس نے تمہارے لیے ان اشیاء کو بیان کیا ہے، یعنی کاف بمعنی مثل ہے اور بیانا مصدر کی صفت ہے۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ یہ پہلے گزر چکا ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب سور الهرة، حدیث نمبر 68

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمِنۡۢ بَعۡدِ صَلٰوةِ الۡعِشَآءِ عشاء کی نماز مراد ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ ''اعراب تم پر تمہاری نماز کے نام پر غالب نہ آجائیں خبردار وہ عشاء ہے وہ دیر سے اونٹوں کا دودھ دوہتے'' (1) ایک روایت میں ہے ''اللہ کی کتاب میں اس کا نام عشاء ہے وہ تاخیر سے دودھ دوہتے ہیں اس لیے عشاء کی نماز کو عتمہ کہتے ہیں'' (2)۔ بخاری میں حضرت ابو برزہ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ عشاء کی نماز کو موخر فرماتے تھے۔ حضرت انس نے فرمایا رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز کو موخر کرتے تھے، یہ مغرب کی نماز پر دلالت کرتا ہے اور صحیح میں ہے۔ فصلاها مغرب اور عشاء کے درمیان عصر کی نماز پڑھی۔ اور مؤطا وغیرہ میں ہے۔ ولو یعلمون ما فی العتمۃ والصبح لاتوھما ولو حبوا۔ اگر وہ عشاء اور صبح کی نماز کا ثواب جانتے تو وہ ان نمازوں کو پڑھنے کے لیے آتے اگرچہ انہیں گھٹنوں کے بل آنا پڑتا۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ سے مروی ہے کہ نبی پاک علیہ السلام عشاء اور صبح کی نماز کی طرح پڑھتے تھے اور تمہاری نماز کے بعد کچھ عشاء کو موخر کرتے تھے اور نماز میں تخفیف فرماتے تھے۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: یہ اخبار متعارض ہیں۔ تاریخ سے معلوم نہیں کہ مقدم، موخر کونسی ہے نبی کریم ﷺ سے مغرب کی نماز کو عشاء کی نماز کہنے سے اور عشاء کی نماز کو عتمہ کہنے سے منع کرنا ثابت ہے۔ حدیث کے الفاظ کو صحابہ کرام کے اقوال بھی رد نہیں کر سکتے چہ جائے کہ کسی اور کا قول۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے جس نے کہا: صلاۃ العتمہ وہ گنہگار ہے۔ ابن القاسم نے کہا: امام مالک نے کہا وَمِنۡۢ بَعۡدِ صَلٰوةِ الۡعِشَآءِ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام صلاۃ العشاء رکھا ہے اور نبی کریم ﷺ اسی نام کو پسند کرتے تھے جو اللہ نے رکھا۔ انسان اپنے اہل اور اولاد کو اس کی تعلیم دے اور عتمہ نہیں کہا جاتا مگر اس کے خطاب کے وقت جو سمجھتا ہے۔ حضرت حسان نے کہا:

وكانت لايزال بها أنيس خلالَ مُروجِها نَعَمٌ وَشاءُ

فدَعْ هذا ولكن مَنْ لِطَيْفٍ يؤرّقني إذا ذهب العشاء

بعض علماء نے فرمایا: یہ نہی اس لیے ہے کہ بدوؤں کی اتباع میں عشاء کو عتمہ کہا جائے تاکہ اس کا وہ نام بدل نہ جائے جو اللہ تعالیٰ نے اس کا نام کتاب اللہ میں رکھا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمِنۡۢ بَعۡدِ صَلٰوةِ الۡعِشَآءِ گویا جو اولیٰ ہے اس کی طرف راہنمائی کرنے کے لیے نہی کی گئی ہے یہ تحریم کی جہت سے نہیں ہے اور نہ اس مفہوم میں کہ عشاء کو عتمہ کہنا جائز بھی نہیں ہے۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ نبی کریم ﷺ سے عتمہ کا اطلاق اس پر ثابت ہے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو عتمہ کہنا مباح قرار دیا ہے۔ بعض نے کہا: اس نام سے منع کیا گیا ہے یہ عبادت دینیہ ہے اس پر اس نام کا اطلاق نہ کیا جائے جو ایک دنیوی فعل کا اسم ہے وہ ہے اس وقت میں دودھ دوہنا اور اس کو عتمہ کہتے تھے۔ اس کی دلیل یہ قول ہے انها تُعتم بحلاب الابل (3)۔ اس وقت اونٹوں کا دودھ دوہا جاتا ہے اس وجہ سے وہ اس نماز کو عتمہ کہتے تھے۔

1۔ صحیح مسلم، وقت العشاء و تاخیرھا، جلد 1، صفحہ 229 2۔ ایضاً

2۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، وقت عشاء و تاخیرھا، جلد 1، صفحہ 229

مسئلہ نمبر 8۔ ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں اسماعیل بن عیاش نے بیان کیا انہوں نے عمارہ بن غزیہ سے انہوں نے حضرت انس بن مالک سے انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: ''جس نے چالیس راتیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جبکہ اس کی عشاء کی نماز سے پہلی رکعت فوت نہیں ہوئی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کے بدلے آگ سے آزادی لکھ دیتا ہے''(1) اور صحیح مسلم میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی گویا اس نے نصف رات قیام کیا اور جس نے فجر کی نماز (بھی) جماعت کے ساتھ پڑھی گویا اس نے ساری رات قیام کیا''(2)۔ دار قطنی نے اپنی سنن میں سبیع یا تبیع سے انہوں نے کعب سے روایت کیا ہے فرمایا: جس نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا اور عشاء کی نماز پڑھی اور اس کے بعد چار رکعتیں ادا کیں ان کے رکوع وسجود کو مکمل کیا اور وہ جانتا ہو جو ان رکعتوں میں پڑھتا ہے تو وہ چار رکعتیں اس کے لیے لیلۃ القدر کے قائم مقام ہوں گی۔

وَ اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٥٩﴾

''اور جب پہنچ جائیں تمہارے بچے حد بلوغ کو تو وہ بھی اذن طلب کیا کریں جس طرح اذن طلب کیا کرتے ہیں وہ لوگ (جن کا ذکر) پہلے ہوا، یوں صاف صاف بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام کو اور اللہ تعالیٰ علیم ہے حکیم ہے''۔

حسن نے الْحُلُمَ میں ضمہ کے ثقل کی وجہ سے اسے حذف کر دیا ہے۔ مذکورہ تین اوقات میں بچوں کو اجازت طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے علاوہ اوقات میں بغیر اجازت آنا مباح کیا گیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حکم دیا کہ بچے جب بالغ ہو جائیں تو وہ اجازت طلب کرنے میں ہر وقت مردوں کے حکم میں ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے احکام کا بیان ہے اس کے حلال اور حرام کی وضاحت ہے۔ فرمایا فَلْيَسْتَاْذِنُوْا یہ نہیں فرمایا فلیستاذنوکم جب کہ پہلی آیت میں فرمایا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ کیونکہ بچے مخاطب اور مکلف نہیں ہیں۔ ابن جریج نے کہا: میں نے عطا سے کہا۔ وَ اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے فرمایا: لوگوں پر واجب ہے کہ وہ اجازت طلب کریں جب وہ بالغ ہو جائیں، خواہ وہ آزاد ہوں یا غلام ہوں۔ ابو اسحاق فزاری نے کہا: میں نے اوزاعی کو کہا بچے کی کیا حد ہے جس میں وہ اجازت طلب کرے؟ انہوں نے کہا: چار سال۔ فرمایا: کسی عورت پر داخل نہ ہو حتی کہ اجازت طلب کرلے؛ یہ زہری کا قول ہے۔ یعنی آدمی اپنی لونڈی پر اجازت طلب کرلے اسی معنی میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَ الْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ

1۔ سنن ابن ماجہ، ابواب المساجد، صلوٰۃ العشاء والفجر فی جماعۃ، جلد 1، صفحہ 58۔ ایضاً، حدیث 789، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، فضل صلوٰۃ الجماعۃ، جلد 1، صفحہ 232

ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ۭ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

''اور بوڑھی خانہ نشین عورتیں جنہیں آرزو نہ ہو نکاح کی تو ان پر کوئی گناہ نہیں اگر وہ رکھ دیں اپنے بالائی کپڑے بشرطیکہ وہ نہ ظاہر کرنے والی ہوں (اپنی) آرائش اور ان کا اس سے بھی اجتناب کرنا ان کے لیے بہتر ہے، اور اللہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ۔ القواعد کا واحد قاعد بغیر تاء کے ہے تاکہ اس کا حذف دلالت کرے کہ وہ کبر (بڑھاپے) کی وجہ سے بیٹھ گئی ہے جیسے کہا جاتا ہے: امراۃ حامل تاء کا حذف دلالت کرتا ہے کہ وہ حمل اٹھائے ہوئے ہے۔ شاعر نے کہا:

فلو أنّ ما فی بطنه بین نِسوَةٍ حبِلْنَ وان کنّ القوعد عُقّرا(1)

اس کے علاوہ صورت میں کہا: قاعدۃ فی بیتھا وہ اپنے گھر میں بیٹھی ہے۔ حاملۃ علی ظهرها اپنی پیٹھ پر بچہ اٹھانے والی ہے۔ الْقَوَاعِدُ عمارت کی بنیادوں کو بھی کہتے ہیں اس کا واحد قاعدۃ تاء کے ساتھ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ الْقَوَاعِدُ۔ وہ بوڑھی عورتیں جو تصرف سے بیٹھ جاتی اور بچہ جنم دینے اور حیض سے بیٹھ جاتی ہیں؛ یہ اکثر علماء کا قول ہے۔ ربیعہ نے فرمایا: وہ عورتیں جن کو تو دیکھے تو اس کے بڑھاپے کی وجہ سے تو اسے ناپسند کرے۔ ابو عبیدہ نے کہا: جو بچہ جنم نہیں دیتی ہیں۔ لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات عورت بچے جنم نہیں دیتی لیکن اس سے متمتع ہوا جاتا ہے؛ یہ مہدوی کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ القواعد کو چادر نہ کرنے میں خاص کیا ہے، کیونکہ نفس ان سے اجتناب کرتے ہیں کیونکہ مردوں کو ایسی عورتوں سے دلچسپی نہیں ہوتی پس ایسی عورتوں کے لیے اوپر والی چادر اوڑھنا مباح کیا گیا ہے جب کہ دوسری جوان عورتوں کے لیے مباح نہیں (بلکہ فرض ہے) ان سے تحفظ کی تکلیف دور کی گئی ہے جو نہیں تھکانے والی ہو۔

مسئلہ نمبر 4۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان یضعن من ثیابھن، من کی زیادتی کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ثیاب سے مراد جلباب پردے والی بڑی چادر ہے۔ حضرت ابن مسعود سے من جلابیبھن مروی ہے (2)۔ عرب کہتے ہیں: امرۃ واضع اس عورت کو کہتے ہیں جو بوڑھی ہو اور اپنا دوپٹہ اتار دیا ہو۔ ایک جماعت نے کہا: وہ بوڑھی عورت جو نکاح سے مایوس ہو چکی ہو اگر اس کے بال ظاہر ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں اس بنا پر اس کے لیے دوپٹہ اتار دینا جائز ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ پردہ کرنے میں جوان عورت کی طرح ہے اور بوڑھی عورت وہ چادر نہیں کرے گی جو قمیص اور دوپٹہ کے اوپر ہوتی ہے؛ یہ حضرت ابن مسعود اور ابن جبیر وغیرہما کا قول ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 121
2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 195

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ۔ اپنی زینت کو ظاہر کرنے والی نہ ہوں تاکہ ا ن کی طرف دیکھا جائے کیونکہ انتہائی قبیح اور حق سے دور بات ہے۔ التبرج کا معنی آنکھوں کے لیے ظاہر ہونا اور کھلنا اسی سے بروج مشیدہ اور بروج السماء والأسوار ہے یعنی ایسے ایسے محلات جن کے سامنے پردہ نہ ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا گیا: اے ام المومنین! آپ خضاب، رنگ، تعویز، بالیاں، پازیب، سونے کی انگوٹھی، باریک کپڑوں کے متعلق کیا کہتی ہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے عورتوں کے گروہ! تمہارا قصہ ایک عورت کے قصہ کی طرح ہے اللہ تعالیٰ نے زینت کو حلال کیا ہے لیکن زینت ایسے شخص کے سامنے ظاہر کرنے والیاں نہ ہوں جس کے لیے ان کو دیکھنا حلال نہ ہو لیکن یہ کہ وہ تمہیں دیکھیں حرام طریقہ پر۔ عطا نے کہا: یہ اپنے گھروں میں اجازت ہے جب گھر سے باہر نکلیں تو ان کے لیے چادریں اتارنا جائز نہیں اس بنا پر غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ کا مطلب ہوگا وہ اپنے گھروں سے نکلنے والی نہ ہوں۔ اس بنا پر یہ کہنا لازم آئے گا کہ جب گھر میں ہو تو بھی قمیص کے اوپر چادر لینا ضروری ہے۔ یہ بعید ہے مگر جب اس پر کوئی اجنبی شخص داخل ہو تو پھر گھر میں بھی چادر اوڑھے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ تمام عورتوں کا کپڑے اتارنے سے بچنا اور ان کا ان چیزوں کا اہتمام کرنا جو نوجوان عورتوں کے لیے ہوتا ہے۔ وہ ان کے لیے افضل ہے۔ حضرت ابن مسعود نے وان یتعففن بغیر سین کے پڑھا ہے۔ پھر بعض علماء نے فرمایا: التبرج سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسے دو کپڑے پہنیں جو اتنے باریک ہوں کہ ان کا جسم ظاہر ہو۔ صحیح میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دو اقسام آگ والوں سے ہیں میں نے ان کو ابھی نہیں دیکھا (1)۔ ایک وہ قوم جن کے پاس گائے کی دموں کی طرح کوڑے ہیں جن کیساتھ لوگوں کو مارتے ہیں اور وہ عورتیں جو پہنے ہوئے ہوں گی (لیکن) برہنہ ہوں گی (لباس کے باریک ہونے کی وجہ سے) مائل کرنے والی ہوں گی اور مائل ہونے والی ہوں گی، ان کے سر بختی اونٹوں کی کہانوں کی طرح ہوں گے جو مائل ہونے والی ہوتی ہیں۔ وہ جنت میں داخل نہ ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو پائیں گی اگرچہ اس کی خوشبو اتنی مسافت سے پائی جاتی ہے“۔ ابن عربی نے کہا: پہلے فرمایا وہ پہننے والیاں ہیں لیکن ان کے لباس اتنے باریک ہیں کہ ان کے محاسن ظاہر ہوتے ہیں، اس لیے فرمایا: وہ برہنہ ہیں اور یہ حرام ہے۔ میں کہتا ہوں: اس معنی میں علماء کی دو تاویلوں میں سے یہ ایک تاویل ہے اور دوسری تاویل یہ ہے کہ وہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں لیکن تقویٰ کے لباس سے برہنہ ہیں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ (الاعراف: 26) شاعر نے کہا:

إذا المرء لم يلبس ثيابا من التُّقَى　　تقلب عُرْيَانًا وإن كان كاسِيا

وخيرُ لباس المرء طاعةُ ربِّه　　ولا خيرَ فيمن كان لِله عاصِيا

جب انسان تقویٰ کا لباس زیب تن نہ کرے تو وہ برہنہ ہوتا ہے اگرچہ وہ لباس پہنے ہوئے ہوتا ہے۔ انسان کا بہتر لباس اس کے رب کی اطاعت ہے اور اللہ تعالیٰ کے نافرمان میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں سویا ہوا تھا (2)، میں نے خواب میں لوگوں کو دیکھا وہ مجھ پر پیش کیے گئے اور ان پر

1۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، جلد 2، صفحہ 205　　2۔ صحیح مسلم، من فضائل عمر رضی اللہ عنہ، جلد 2، صفحہ 274

قیصیں تھیں کچھ سینوں تک پہنچتی تھیں کچھ اس سے لمبی یا کم تھیں، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ گزرے ان پر قمیص اتنی لمبی تھی کہ وہ گھسیٹ رہے تھے"۔ صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی۔ فرمایا: "دین"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قمیص کی تعبیر دین سے کرنا اس قول سے ماخوذ ہے: وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ (الاعراف: 26) عرب فضل اور عفاف کو لباس سے کنایہ کرتے ہیں جیسا کہ شاعر نے کہا: ثیاب بنی عوف طهاری نقیة۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فرمایا: "اللہ تعالیٰ تیری قمیص کو پرانا کرے گا اگر وہ تجھ سے ارادہ کریں کہ تو اسے اتار دے تو تو اسے نہ اتارنا"۔ یہاں خلافت کو قمیص سے تعبیر فرمایا یہ خوبصورت استعارہ معروفہ ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ تاویل بہتر ہے۔ یہ اس زمانہ میں عورتوں کے مناسب ہے خصوصا جوان عورتیں وہ زیب وزینت کرتی ہیں اور زیب وزینت ظاہر کرتے ہوئے باہر نکلتی ہیں پس وہ لباس پہنے ہوئے ہیں، حقیقۃ، ظاہرا اور باطنا تقویٰ سے برہنہ بلکہ ان کا مقصود بھی یہ ہوتا ہے کہ لوگ انہیں دیکھیں۔ یہ مشاہدہ ہے اگر ان کے پاس تقویٰ نام کی کوئی چیز ہوتی تو وہ ایسا کبھی نہ کرتیں اور کوئی نہ جانتا جو کچھ وہاں ہے۔ اس تاویل کو مزید تقویت اس قول سے ملتی ہے کہ ان کے سر بختی اونٹوں کی کہانوں کی طرح ہیں۔ بختی اونٹ بڑے بڑے جسموں والے اونٹ ہوتے ہیں۔ اور ان کی کہانیں بڑی بڑی ہوتی ہیں۔ اس کے سر کو ان کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، کیونکہ وہ اپنے سروں کے درمیان اپنے بالوں کے جوڑے کو بلند کرتی ہیں۔ یہ بھی مشاہد و معلوم ہے اور ان کی طرف دیکھنے والا ملوم (ملامت کیا گیا) ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے اپنے بعد کوئی ایسا فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں پر عورتوں سے زیادہ نقصان دہ ہو" (1)۔ اس حدیث کو امام بخاری نے نقل کیا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۭ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

"نہ اندھے پر کوئی حرج ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے اور نہ تم پر اس بات میں کہ تم کھاؤ اپنے گھروں سے یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا جن گھروں کی کنجیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوست کے گھر سے، نہیں ہے تم پر کوئی حرج اگر تم کھاؤ سب مل کر یا الگ الگ، پھر جب تم داخل ہو گھروں میں

1۔ جامع ترمذی، کتاب الادب، ماجاء فی تحذیر فتنۃ النساء، جلد 2، صفحہ 102

سلامتی کی دعا دو اپنوں کو وہ دعا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے جو بڑی بابرکت (اور) پاکیزہ ہے، یونہی کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے (اپنے) احکام کہ تم سمجھ لو"۔

اس میں گیارہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ اس آیت کی تفسیر میں علماء کے مختلف آٹھ اقوال ہیں اور ان میں قریب ترین تین ہیں کیا یہ منسوخ ہے یا ناسخ ہے یا محکم ہے؟ (1) یہ وَّلَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ سے لے کر آخر تک منسوخ ہے؛ یہ عبد الرحمن بن زید کا قول ہے۔ فرمایا: یہ چیز ختم ہو چکی ہے، ابتدائے اسلام میں تھی جب کہ ان کے دروازے بند نہیں ہوتے تھے اور ان کے دروازوں پر پردے لٹکے ہوئے ہوتے تھے۔ بعض اوقات کوئی شخص آتا تھا وہ گھر میں داخل ہوتا تھا جب کہ وہ بھوکا ہوتا تھا اور گھر میں کوئی شخص نہیں ہوتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اس گھر سے کھانا جائز قرار دیا تھا پھر گھروں کے دروازے بن گئے تو اب کسی کے لیے ان کو کھولنا جائز نہیں پس یہ حکم ختم ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی شخص کسی کا جانور نہ دوہے مگر اس کی اجازت سے" (1)۔ اس حدیث کو ائمہ نے نقل کیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت ناسخ ہے؛ یہ ایک جماعت کا قول ہے۔ حضرت علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (النساء: 29) نازل فرمایا تو مسلمانوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے مال باطل ذریعہ سے کھانے سے منع فرمایا ہے اور طعام، اموال سے افضل ہے (2) پس ہم میں سے کسی کے لیے حلال نہیں کہ وہ کسی کے پاس کھانا کھائے، پس لوگ اس سے باز آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ فرمایا: ایک آدمی اپنا سامان دوسرے شخص کے سپرد کرتا تھا۔ میں کہتا ہوں: علی بن ابی طلحہ یہ بنی ہاشم کا غلام ہے شام میں سکونت اختیار کی ابو الحسن اس کی کنیت تھی اور ابو محمد بھی کہا جاتا تھا۔ اس کے باپ کا نام ابو طلحہ سالم تھا تفسیر میں اس پر کلام کی گئی ہے۔ بعض نے کہا: اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دیکھا بھی نہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت محکمہ ہے؛ یہ بھی مقتدر اہل علم کی ایک جماعت کا قول ہے ان میں سعید بن مسیب، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود ہیں اور زہری نے عروہ سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے فرمایا: مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ میں شریک ہوتے تھے اور اپنی چابیاں اپنے اپاہج لوگوں کو دے دیتے تھے اور کہتے تھے: اگر تمہیں ضرورت پڑے تو تم کھا لینا۔ وہ کہتے تھے: انہوں نے ہمارے لیے خوشی سے اس کھانے کو حلال نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا: وَّلَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ ۔۔۔ الخ۔ نحاس نے کہا: حدیث میں یوعبون کا لفظ استعمال ہوا ہے یعنی وہ تمام کے تمام جنگ میں نکلتے تھے کہا جاتا ہے: اوعب بنی فلان لبنی فلان جب وہ تمام کے تمام ان کے پاس آ جائیں۔ ابن السکیت نے کہا: کہا جاتا

1۔ صحیح بخاری، کتاب اللقطۃ، لا تحلب ماشیۃ احد بغیر اذن، جلد 1، صفحہ 329　2۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 397

ہے اوعب بنوں فلان جلاء یعنی شہر میں ان میں سے کوئی بھی نہیں بچا۔ جاء الفرس بر کض وعیب یعنی پوری طاقت سے دوڑ کر آیا۔ حدیث میں ہے، فی الانف اذا استوعب جدعه الدیة(1) ناک پوری کٹ جائے تو اس میں پوری دیت ہے۔ استیعاب الشئی کسی چیز کو جڑ سے اکھیڑ دینا۔ کہا جاتا ہے: بیت وعیب جب گھر کھلا ہو جو کچھ اس میں ہے وہ اس کو گھیر لے۔ الضمنی سے مراد اپاہج لوگ ہیں ان کا واحد ضمن ہے جیسے زمن ہے۔ نحاس نے کہا: یہ قول بہتر ہے اس سے جو کچھ اس آیت کے متعلق کہا گیا ہے کیونکہ اس میں صحابہ اور تابعین سے تعین مروی ہے کہ آیت معین چیز میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ کلام منظم ہے کیونکہ اپاہج لوگ جہاد میں شریک نہیں ہوتے تھے اور مجاہدین کے اموال ان کے ہاتھوں میں ہوتے تھے لیکن اَوْ مَامَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَةٗ اس کا تقاضا کرتا ہے ورنہ یہ قول بہت بعید تھا، لیکن یہ کہنا بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نابینا سے اس کا م کے کرنے کی حرج اٹھادی جس میں نظر ہونا شرط ہے اور لنگڑے سے اس کام کی تکلیف دور کردی جس میں چلنا شرط تھا اور ان افعال کا کرنا لنگڑے پن کے ہوتے ہوئے مشکل تھا۔ اور مریض سے حرج اٹھادی جس کو ساقط کرنے میں مرض موثر تھی جیسے روزہ اور نماز کی شرط اور اس کے ارکان اور جہاد اور اس جیسے اعمال اس کے بعد واضح اور مفید تفسیر ہے۔ شریعت اور عقل اس کی تائید کرتی ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں نقل کی ضرورت نہیں۔ میں کہتا ہوں: ابن عطیہ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے فرمایا: آیت کا ظاہر اور امر شریعت اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان لوگوں سے حرج اٹھائی گئی ہے جس کو کوئی عذر لاحق ہے اور ان کی نیت اس میں کامل طور پر کرنے کی تھی اور ان کا عذر ان سے ناقص کام کا تقاضا کرتا ہے۔ پس ان سے حرج اٹھائی گئی ہے اور جو علماء نے اس حرج کے بارے میں کہا ہے وہ یہ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابن زید نے کہا: یہ جنگ میں حرج ہے(2) یعنی جنگ میں پیچھے رہ جانے میں کوئی حرج نہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: وَّلَا عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ یہ پہلے کلام سے جدا ہے۔ ایک فرقہ نے کہا: پوری آیت کھانوں کے بارے میں ہے۔ فرمایا: عرب اور جو مدینہ طیبہ میں رہتے تھے بعثت سے پہلے معذور لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے سے اجتناب کرتے تھے۔ بعض تو نفرت کرتے ہوئے ایسا کرتے تھے کیونکہ نابینا ہاتھ کو کھانے میں گھماتا رہتا ہے اور لنگڑے کے پاس غرور کی وجہ سے نہیں بیٹھتے تھے اور مریض کی بدبو اور بیماری کی وجہ سے اس کے پاس نہیں بیٹھتے تھے یہ زمانہ جاہلیت کے اخلاق تھے اور یہ تکبر تھا تو یہ آیت یہ اعلان کرتے ہوئے نازل ہوئی اور بعض لوگ غیر معذور سے بچنے کے لیے ایسا کرتے تھے کیونکہ وہ کھانے میں صحیح لوگوں سے درجہ میں کم ہوتے تھے کیونکہ نابینے کو دکھائی نہیں دیتا اور لنگڑا مزاحمت سے عاجز ہوتا ہے اور مریض کمزور ہوتا ہے تو ان کے ساتھ کھانے کی اباحت میں آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے زہروی کی کتاب میں فرمایا: عذر والے لوگ اپنے عذر کی وجہ سے لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے سے بچتے تھے تو یہ آیت ان کے لیے اباحت کا اظہار کرتے ہوئے نازل ہوئی۔ بعض علماء نے فرمایا: آدمی جب کسی معذور کو اپنے گھر لے جاتا تھا اور اپنے گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں پاتا تھا تو وہ اسے اپنے قرابت داروں کے گھر لے جاتا تھا پس عذر والے لوگ اس سے بچتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

1۔ سنن نسائی، کتاب البیوم، عقل الاصابع، جلد 2، صفحہ 251 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 195

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّلَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ یہاں سے کلام کا آغاز ہو رہا ہے یعنی اے لوگو! تم پر کوئی حرج نہیں جو مخاطب اور غیر مخاطب جمع تھے تو مخاطب کو غلبہ دیا تا کہ کلام کا نظم باقی رہے۔ قرابت داروں کے گھروں کا ذکر کیا اور بیٹوں کے گھروں کا ذکر نہیں کیا۔ مفسرین نے فرمایا: یہ فی بیوتکم میں داخل ہیں کیونکہ بیٹے کا گھر باپ کا گھر ہوتا ہے۔ نحاس نے کہا: بعض علماء نے اس قول کی مخالفت کی ہے اور فرمایا: یہ کتاب اللہ پر حکم لگانا ہے بلکہ ظاہر میں اولی یہ ہے کہ بیٹا ان کے مخالف نہ ہو۔ اور انت ومالك لابيك(1)۔ تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے کی روایت سے بھی حجت قوی نہیں ہوتی کیونکہ یہ حدیث بہت کمزور ہے اگر یہ صحیح بھی ہوتی تو اس میں حجت نہیں تھی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ اس مخاطب کا مال اس کے باپ کا ہے یعنی مالك لك۔ تیرا مال تیرا ہے۔ باپ اور بیٹے کے درمیان میراث کا جاری ہونا اس کو قطع کر دیتا ہے۔ حکیم ترمذی نے کہا: وَّلَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ۔ گویا فرمایا تمہارے وہ مکان جن میں تمہارے گھر والے اور تمہاری اولاد رہتی ہے۔ پس یہاں اہل اور بیٹے کے لیے ایک چیز ہے اس شخص نے جس کا مسکن ہے اہل اور اولاد کو فائدہ پہنچایا۔ پس اس پر کوئی حرج نہیں کہ وہ ان کے ساتھ خوراک کھائے یا بیوی اور بچے کے لیے وہاں ان کی ملکیت سے کوئی چیز ہو پس اس پر اس میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآىِٕكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ بعض علماء نے فرمایا: ان کے گھروں سے کھانا تب جائز ہے جب وہ اسے اجازت دیں۔ بعض علماء نے کہا: وہ اسے اجازت دیں یا نہ دیں اس کے لیے کھانا جائز ہے کیونکہ قرابت جو ان کے درمیان ہے یہ ان کی طرف سے اذن ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قرابت میں ایک مہربانی ہے اس مہربانی اور شفقت کی وجہ سے نفوس کوئی حرج نہیں سمجھتے کہ ان کی کوئی چیز کھا لے جب انہیں اس کے کھانے کے متعلق معلوم ہو گا تو وہ خوش ہوں گے۔ ابن عربی نے بغیر اجازت نسب کی وجہ سے کھانا ہمارے لیے مباح قرار دیا ہے جب کہ کھانا معمول کے مطابق ہو۔ جب کھانا مخصوص ہو اور محفوظ کیا گیا ہو تو پھر کھانا جائز نہیں اور یہ بھی جائز نہیں کہ وہ ذخیرہ کریں اور نہ ایسی چیز کی طرف تجاوز کریں جو کھانے والی نہ ہو اگرچہ وہ غیر محفوظ ہو مگر ان کی اجازت سے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ یعنی جو تم نے خزانہ کیا اور تمہارے قبضہ میں ہے۔ اور اس کو عظیم سمجھتا ہے انسان جس کا وہ اپنے گھر میں مالک ہوتا ہے اور اس کے قبضہ میں ہوتا ہے؛ یہ ضحاک، قتادہ اور مجاہد کی تاویل ہے اور جمہور مفسرین کے نزدیک اس آیت میں وکلاء، غلام اور مزدور سب داخل ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انسان کا وکیل اس کے مال کی حفاظت کرتا ہے، خازن اس کے مال کی حفاظت کرتا ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ معمولی سی چیز کھا لے۔ ابن عربی نے کہا: خازن کے لیے جائز ہے کہ وہ جس کو خزانہ کرتا ہے اس سے کچھ کھائے۔ اس پر اجماع ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس کے لیے اجرت نہ ہو لیکن جب اس کے لیے اجرت ہو تو اس پر کھانا حرام ہے۔ سعید بن جبیر نے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، جلد 2، صفحہ 142۔ ایضاً، حدیث نمبر 3063، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ملکتم میم کے ضمہ، لام کے کسرہ اور شد کے ساتھ پڑھا ہے اور مفاتیحہ تاء اور حاء کے درمیان یاء کے ساتھ پڑھا ہے یہ مفتاح کی جمع ہے یہ سورۂ انعام میں گزر چکا ہے۔ قتادہ نے مفاتحہ مفرد پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت حارث بن عمرو کے بارے میں نازل ہوئی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کے لیے نکلا اور مالک بن زید اس کے گھر والوں کی نگرانی پر تھا جب وہ واپس آیا تو اس نے مالک کو بڑی مشقت میں پایا۔ اس کی حالت پوچھی تو اس نے کہا: میں نے تیری اجازت کے بغیر تیرے مال سے کھانے سے اجتناب کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ صَدِيْقِكُمْ۔ صدیق جمع کے معنی میں ہے اس طرح العدو ہے جمع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْۤ (الشعراء: 77) وہ میرے دشمن ہیں۔ جریر نے کہا:

دَعْونَ الهوى ثم ارْتَمَيْنَ قلوبنا ... بأسهم أعداء وهن صديقُ (1)

الصدیق وہ ہوتا ہے جو اپنی محبت میں تجھ سے سچ بولتا ہے اور تو اپنی محبت میں اس سے سچ بولتا ہے۔۔ پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ (الاحزاب: 53) کے ارشاد کے ساتھ اور فان لم تجدوا فیها احدا فلا تدخلوها کے قول کے ساتھ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: لایحل مال امرء مسلم الا بطیبة نفس منه (2)۔ کے ساتھ منسوخ ہے۔ بعض نے کہا: یہ محکم ہے۔ یہ اصح ہے۔ محمد بن ثور نے معمر سے روایت کیا ہے فرمایا: میں قتادہ کے گھر داخل ہوا تو میں نے اس میں کھجوریں دیکھیں میں نے انہیں کھانا شروع کر دیا انہوں نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ میں نے کہا: میں نے تیرے گھر میں کھجوریں دیکھیں تو میں نے کھانا شروع کر دیا۔ فرمایا: تو نے اچھا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَوْ صَدِيْقِكُمْ عبدالرزاق نے معمر سے انہوں نے قتادہ سے۔ اَوْ صَدِيْقِكُمْ کے تحت فرمایا: جب تو اپنے دوست کے گھر اس کے حکم کے بغیر داخل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ معمر نے کہا میں نے قتادہ سے کہا: کیا میں اس گھڑے سے پی لوں؟ انہوں نے فرمایا: تو میرا دوست ہے پھر یہ اجازت کیسی ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوطلحہ کے باغ بیرحاء میں داخل ہوتے تھے اور ان کی اجازت کے بغیر اس کا میٹھا پانی پیتے تھے جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے۔ علماء نے فرمایا: پانی اپنے مالکوں کی ملکیت میں ہوتا ہے جب دوست کے پانی سے بغیر اجازت پینا جائز ہے تو اس کے پھلوں اور طعام سے کھانا بھی جائز ہے، جب اسے معلوم ہو کہ اس کا دوست اس سے خوشی محسوس کرے گا کیونکہ اس کے ساتھ اس کی بات چیت ہوتی ہے نیز اس میں مشقت بھی کم ہے یا ان کے درمیان محبت ہے۔ اسی مفہوم میں ام حرام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانا کھلانا ہے جب وہ ان کے پاس سوتے تھے کیونکہ اغلب یہ ہے کہ جو کچھ گھر میں ہوتا ہے وہ مرد کا ہوتا ہے۔ اور اس کی بیوی کا ہاتھ اس میں عاریۃ ہوتا ہے۔ یہ تمام اسی صورت میں ہے جب تک کپڑے میں باندھ کر نہ لے جائے اور اس سے اپنے مال کو بچانے کا ارادہ نہ ہو اور وہ مال معمولی حیثیت کا ہو۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دوست کو خالص قرابت داروں کے ساتھ ملایا ہے کیونکہ مودت کا قرب

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 124

2۔ مجمع الزوائد، کتاب البیوع، الغصب وحرمة مال مسلم، جلد 4، صفحہ 305

بہت زیادہ ملنے والا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقاش کی کتاب میں دوست، قرابت سے زیادہ موکد ہے (1)۔ آپ جہنمیوں کا استغاثہ ملاحظہ نہیں کرتے فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ۝ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ۝ (الشعراء) میں کہتا ہوں: اس وجہ سے ہمارے نزدیک دوست کی دوست کے لیے شہادت جائز نہیں جس طرح رشتہ دار کی رشتہ دار کے لیے شہادت (گواہی) جائز نہیں۔ اس کا بیان اور اس کی علت سورۃ النساء میں گزر چکی ہے اور ضرب المثل ہے أیهم أحب الیك أخوك أم صدیقك قال أخی إذا کان صدیقی۔ تجھے کون زیادہ محبوب ہے اپنا بھائی یا دوست۔ اس نے کہا: میرا بھائی جب وہ میرا دوست ہو۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا بعض علماء نے کہا: یہ بنی لیث بن بکر کے بارے میں نازل ہوئی یہ بنی کنانہ سے ایک قبیلہ ہے ان میں سے کوئی شخص تنہا کھانا نہیں کھاتا تھا اور وہ کئی دن تک بھوکا رہتا تھا حتی کہ وہ کوئی ایسا شخص پالیتا جو اس کے ساتھ کھانا کھاتا: اسی سے کسی کا قول ہے:

إذا ما صنعتِ الزاد فالتمسی له   آکِیلًا فإنّی لست آکله وَحْدِی (2)

ابن عطیہ نے کہا: یہ سیرت انہیں حضرت ابراہیم سے میراثاً ملی تھی۔ حضرت ابراہیم تنہا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ اور بعض عرب ایسے تھے کہ جب ان کا مہمان ہوتا تو وہ میزبان مہمان کے ساتھ کھانا کھاتا تھا تو آیت کریمہ کھانے کی سنت کو بیان کرنے کے لیے نازل ہوئی اور یہ سیرت عرب میں سے جو اس کے مخالف تھا اس کو یہ ختم کرنے والی ہے اور عربوں کے نزدیک تنہا کھانا جو حرام تھا اس کو مباح کرنے والی ہے اس کے ذریعے اخلاق کریمانہ کا قصد کیا ہے اور اس کو لازم کرنے میں مبالغہ کیا ہے کھانے والے کو حاضر کرنا اچھی بات ہے کہ تنہا کھانا بھی حرام نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا، جمیعا پر نصب حال کی بناء پر ہے۔ اَشْتَاتًا شت کی جمع ہے۔ الشت بمعنی التفرق (جدا جدا ہونا) ہے کہا جاتا ہے: شت القوم یعنی قوم جدا جدا ہوئی۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب باندھا ہے۔ لیس علی الاعمی حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج والنهد والاجتماع۔ اس باب سے مقصود بقول ہمارے علماء اکٹھا کھانا مباح ہے اگرچہ کھانے میں احوال مختلف ہوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی ہے پس یہ ان گروہوں میں سنت ہے جو اجتماعی کھانے، دعوت ولیمہ اور سفر میں کھانا ختم ہونے کی صورت میں کھانے کی طرف بلائے جاتے ہیں اور جس کی چابیوں کا تو امین یا دوستی کی وجہ سے مالک ہو تو تیرے لیے رشتہ دار یا دوست کے ساتھ مل کر کھانا اور تنہا کھانا جائز ہے۔ النهد سے مراد وہ مال یا کھانا ہوتا ہے جس کو احباب خرچ کرنے کے لیے جمع کرتے ہیں پھر اسے آپس میں خرچ کرتے ہیں تو کہتے ہیں: تناهدوا انہوں نے خوراک کو جمع کیا پھر اکٹھا خرچ کیا۔ صاحب العین سے مروی ہے ابن درید نے کہا: اسی سے کہا جاتا ہے تناهد القوم الشئ بینهم، ہروی نے کہا: حسن کی حدیث میں ہے۔ أخرجوا نهدكم فإنه أعظم البركة وأحسن لأخلاقكم۔ اپنا اپنا مال یا کھانا نکالو اور جمع کرو کیونکہ اس میں بہت برکت ہوتی ہے اور تمہارے اخلاق کے لیے اچھا ہے۔ النهد جو سفر میں برابر خرچہ تقسیم کرنے کے وقت احباب نکالتے ہیں اور جمع کرتے ہیں عرب کہتے ہیں:

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 5   2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 196

ھات نھدك۔ نون کے کسرہ کے ساتھ اپنا کھانا لے آؤ۔ مہلب نے کہا: وہ جمع شدہ کھانا کھانے والوں کے لیے اس لئے نہیں رکھا جاتا کہ وہ برابر کھائیں بلکہ ہر ایک اپنی ضرورت کے مطابق کھاتا ہے اور کوئی شخص زیادہ بھی کھاتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: ایسا نہ کرنا تقوی کے زیادہ مناسب ہے اگر ایک جماعت ہر روز کسی ایک کے کھانے پر جمع ہوتی ہے تو یہ النھد سے افضل ہے کیونکہ وہ کھانا نہیں نکالتے مگر اسلیے تاکہ ان میں سے ہر ایک اس کے مال سے پہنچے پھر یہ معلوم نہیں ہوتا شاید اس نے اپنے مال سے کم کھایا ہو اور دوسروں نے اس کے مال سے زیادہ کھایا ہو۔ جب وہ ایک دن ایک کے کھانے پر جمع ہوں گے اور دوسرے دن دوسرے کے کھانے پر جمع ہوں گے اور اس میں شرط بھی نہ ہوگی تو وہ مہمان ہو جائیں گے اور مہمان خوشی سے کھاتا ہے جو اسے پیش کیا جاتا ہے۔ ایوب سختیانی نے کہا: النھد یہ تھا کہ لوگ سفر میں ہوتے تھے بعض منزل پر پہلے پہنچ جاتے تھے وہ جانور ذبح کرتے تھے، کھانا تیار کرتے تھے، پھر وہ اگلی منزل پر پہلے پہنچ جاتا تھا اور وہ اسی طرح کھانا تیار کرتا تھا تو لوگوں نے کہا: یہ جو کچھ کرتا ہے ہم بھی اس کی طرح کرنا پسند کرتے ہیں آؤ ہم ایسا کام کریں جس میں کسی کو دوسرے پر فضیلت نہ ہو تو انہوں نے نہد (مال جمع کرنا) کا پروگرام بنایا۔ نیک لوگ جب مال جمع کرتے تھے جو ان میں سے مالدار ہوتا تھا وہ اپنے ساتھیوں سے زیادہ دینے کی کوشش کرتا تھا اگر دوسرے اس سے راضی نہ ہوتے تھے تو وہ پوشیدہ ایسا کر دیتا تھا۔

مسئلہ نمبر 10۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۚ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ مفسرین کا بیوت کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابراہیم نخعی اور حسن نے کہا: اس سے مراد مساجد ہیں (1) مطلب یہ ہے کہ مساجد میں جو تمہاری صنف سے بیٹھے ہیں انہیں سلام کرو اگر مساجد میں کوئی نہ ہوں تو آدمی کو یوں کہنا چاہیے: السلام علی رسول اللہ۔ بعض نے کہا السلام علیکم کہنا چاہیے اور اس سے فرشتوں کا ارادہ کرے، پھر کہے: السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔ عبد الرزاق نے ذکر کیا ہے کہ ہمیں معمر نے خبر دی انہوں نے عمرو بن دینار سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس ارشاد کے تحت روایت کیا ہے فرمایا: جب تم مسجد میں داخل ہو تو السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین کہو۔ بعض نے کہا: البیوت سے مراد رہنے والے گھر ہیں، یعنی اپنے اوپر سلام کرو یہ حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور عطاء بن ابی رباح کا بھی یہی قول ہے وہ اگر ایسے گھروں میں داخل ہو جہاں کوئی نہ ہو تو انسان اپنے اوپر سلام کرے یوں کہے: السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔ ابن عربی نے کہا: بیوت میں عموم کا قول صحیح ہے تخصیص پر کوئی دلیل نہیں ہے اور اس عموم کے تحت ہر گھر داخل ہے خواہ وہ غیر کا ہو یا اپنا ہو، جب غیر کے گھر میں داخل ہو تو سلام کرے جیسا حدیث میں وارد ہے۔ فرمایا السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین (2) کہے۔ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب گھر خالی ہو۔ اگر اس کے گھر میں اس کے اہل، خدام وغیرہ ہوں تو السلام علیکم کہے۔ اگر مسجد میں داخل ہو تو السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین کہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر نے خالی گھر میں یہی کہنے کی ترغیب دی ہے۔ ابن عربی نے کہا: مختار یہ ہے کہ گھر خالی ہو تو سلام

1۔ تفسیر ثعلبی، جلد 4، صفحہ 199　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 126

لازم نہیں ہے۔ اگر سلام فرشتوں پر مقصود ہو تو فرشتے ہر حال میں انسان کے ساتھ رہتے ہیں، لیکن تو گھر میں داخل ہو تو تیرے لیے اللہ کا ذکر کرنا مستحب ہے تو اس طرح کہے: ماشاء الله لا قوۃ الا باللہ۔ یہ سورۃ الکہف میں گزر چکا ہے۔ قشیری نے کہا۔ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا میں زیادہ مناسب یہ ہے کہ ہر گھر میں داخل ہونے کے وقت عام ہے۔ اگر اس میں کوئی مسلمان رہتا ہو تو یوں کہے: السلام علیکم و علینا و علی عباد اللہ الصالحین۔ اگر گھر میں غیر مسلم ہو تو یوں کہے: السلام علی من اتبع الھدی یا السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین۔ ابن خویز منداد نے کہا: مجھے ابو العباس اصم نے لکھا کہ ہمیں محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں ابن وہب نے بتایا فرمایا ہمیں جعفر بن میسرہ نے بتایا انہوں نے حضرت زید بن اسلم سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم گھروں میں داخل ہو تو ان کے رہنے والوں پر سلام کرو اور اللہ کے نام کا ذکر کرو کیونکہ جب کوئی گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کرتا ہے اور کھانے پر اللہ کا نام ذکر کرتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے: یہاں نہ تمہارے لیے رات گذارنے کی جگہ ہے اور نہ شام کا کھانا ہے۔ اور جب کوئی سلام نہیں کرتا جب داخل ہوتا ہے اور کھانے پر اللہ کا ذکر نہیں کرتا تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے: تم نے رات گذارنے کی جگہ اور کھانے کو پالیا''۔ میں کہتا ہوں: اس حدیث کا معنی حضرت جابر کی حدیث سے ثابت ہے جو امام مسلم نے تخریج کی ہے۔ اور ابو داؤد نے امام مالک اشجعی سے روایت کی ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہو تو کہے اللھم انی أسألك خیر المولج و خیر المخرج بسم اللہ ولجنا و بسم اللہ خرجنا و علی اللہ ربنا توکلنا (1)۔ پھر اپنے گھر والوں پر سلام کرے''۔

مسئلہ نمبر 11۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَحِيَّةً۔ یہ مصدر ہے کیونکہ فسلموا کا معنی ہے فحیوا۔ برکت کے ساتھ اس کا وصف بیان فرمایا کیونکہ اس میں دعا ہے اور جس پر سلام کیا گیا ہے اس کی محبت حاصل کرنا ہے اور الطیب کے ساتھ اس کا وصف بیان کیا کیونکہ اس کو سننے والا خوشی محسوس کرتا ہے۔ کذلك میں کاف تشبیہ ہے اور ذالك اسم اشارہ ہے اور یہ ان سنن کی طرف اشارہ ہے یعنی جس طرح تمہارے لیے ان اشیاء میں تمہارے دین کی سنت بیان کی گئی ہے وہ تمہارے لیے وہ تمام چیزیں بیان کرتا ہے جس کی تمہیں تمہارے دین میں حاجت ہوتی ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

''پس سچے مومن تو وہ ہیں جو ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر جب ہوتے ہیں آپ کے ساتھ کسی اجتماعی کام کے لیے تو (وہاں سے) چلے نہیں جاتے جب تک کہ آپ سے اجازت نہ لے لیں، بلاشبہ وہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، مایقول الرجل اذا دخل بیتہ، جلد 2، صفحہ 339

لوگ جو اجازت طلب کرتے ہیں آپ سے یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ پس وہ اجازت مانگیں آپ سے اپنے کسی کام کے لیے تو اجازت دیجیے ان میں سے جسے آپ چاہیں اور مغفرت طلب کیجیے ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے، بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے"۔

اس میں دو مسئلے ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اس آیت میں انما حصر کے لیے ہے، معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانیوالے کا ایمان مکمل نہیں ہوتا مگر جب وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بغیر عناد کے سننے والا ہو اس طرح کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی امر کو مکمل کرنے کا ارادہ کرتا ہو وہ اس ارادہ کے وقت اس کے زوال کے ساتھ اس کے فساد کا ارادہ کرتا ہو اللہ تعالیٰ نے سورت کے آغاز میں بیان فرمایا کہ اس نے آیات بینات نازل کیں۔ اور نزول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ اور سورت کا اختتام آپ کی متابعت کرنے کے موکد حکم کے ساتھ کیا تا کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم، قرآن کے حکم کی طرح ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ امر جامع سے کیا مراد ہے؟ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد وہ ہے جس کے لیے امام کو لوگوں کے جمع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس میں مصلحت کا پھیلاؤ ہوتا ہے، مثلاً دین میں سنت کو قائم کرنا، ان کے اجتماع کے ساتھ دشمن کو ڈرانا اور ضرر پر مشتمل ہو تو اس کے مشورہ کے لیے لوگوں کو جمع کرے۔ امام وہ ہوتا ہے جس کے اذن کا انتظار کیا جاتا ہے وہ امارت کا امام ہے۔ کوئی شخص کسی عذر کی وجہ سے نہ جائے مگر اس کی اجازت سے جب کوئی شخص اس کے اذن سے جائے گا تو اس سے سوء ظن دور ہو جائے گا۔ مکحول اور زہری نے کہا: جمعہ، امر جامع سے ہے (1)۔ نماز کے امام سے اجازت لینی چاہیے جب ریاست کا امیر اس کو امامت کے لیے مقدم کرے جب اجازت طلب کرنے والا اجازت طلب کرنا چاہے۔ ابن سیرین نے کہا: لوگ اجازت طلب کرتے تھے جب امام منبر پر ہوتا تھا۔ جب یہ زیادہ عمل ہوا تو زیاد نے کہا: جو اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھے وہ بغیر اجازت کے چلا جائے۔ یہ مدینہ طیبہ میں تھا حتی کہ سہل بن ابی صالح کو جمعہ کے دن نکسیر آئی تو انہوں نے امام سے اجازت طلب کی۔ آیت کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ ریاست کے امیر سے اجازت لی جائے جو احکام نبوت کی تکمیل کراتا ہے کیونکہ اسے بعض اوقات دینی امور میں سے کسی امر کے لیے کسی شخص کو روکنا ہوتا ہے، رہا صرف نماز کا امام اس کے لیے یہ نہیں ہے کیونکہ وہ دین کے اجزاء میں ایک جزء پر وکیل ہے اس شخص کا جو نبوت کے احکامات کی تکمیل و تعمیل کراتا ہے۔ روایت ہے کہ یہ آیت خندق کے کھودنے کے وقت نازل ہوئی جب قریش آئے تھے اور ان کا قائد ابو سفیان تھا۔ غطفان قبیلہ کے لوگ آئے تھے اور ان کا قائد عیینہ بن حصن تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے اردگرد خندق کھودنے کا حکم دیا۔ یہ شوال سنہ ۵ ہجری میں واقعہ پیش آیا تھا۔ منافق لوگ کام کرنے سے آہستہ آہستہ کھسک جاتے تھے اور جھوٹے عذر پیش کرتے تھے۔ اشہب اور ابن عبد الملک نے امام مالک سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اسی طرح محمد بن اسحاق نے کہا۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 197

مقاتل نے کہا: یہ حضرت عمر کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے غزوہ تبوک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لوٹنے کی اجازت طلب کی (1) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجازت دے دی۔ اور فرمایا: تو جا اللہ کی قسم! تو منافق نہیں ہے۔ یہ آپ منافقین کو سنانا چاہتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت عمر نے عمرہ کے لیے اجازت طلب کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں اجازت دی تو فرمایا: "اے ابوحفص! اپنی نیک دعاؤں میں ہمیں نہ بھولنا" (2)۔ میں کہتا ہوں: صحیح پہلا قول ہے کیونکہ وہ تمام اقوال کو شامل ہے۔ ابن عربی نے آیت کے نزول میں اس کو پسند کیا ہے جو ہم نے امام مالک اور اسحاق سے ذکر کیا ہے اور یہ کہ یہ جنگ میں خاص ہے۔ فرمایا: اس کو دو امر واضح کرتے ہیں ایک یہ کہ دوسری آیت میں ہے۔ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا اور منافقین کھسک جاتے تھے اور جماعت سے بھاگ جاتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام کو حکم دیا کہ ان میں سے کوئی بھی نہ نکلے حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اجازت دیں۔ اس سے اس کا ایمان ظاہر ہوگا۔ دوسرا یہ ارشاد: لَمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ یعنی حدث میں اجازت طلب کرنا جب کہ امام خطبہ دے رہا ہو۔ اور امام کے لیے حدث کی صورت میں منع کرنے اور باقی رکھنے کا کوئی اختیار نہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ یہ ارشاد بیان کرتا ہے کہ یہ جنگ کے ساتھ خاص ہے۔ میں کہتا ہوں: عموم کا قول اولی اصح، احسن اور اعلیٰ ہے۔ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار تھا اگر چاہیں تو اجازت دیں چاہیں تو منع کر دیں قتادہ نے کہا: فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ منسوخ ہے اور اس کا ناسخ یہ ارشاد ہے۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (التوبہ: 43) اور اسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ یعنی جماعت کے خروج کی وجہ سے ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں اگر آپ ان میں عذر دیکھیں۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾ بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾

"نہ بنالو رسول کے پکارنے کو آپس میں جیسے تم پکارتے ہو ایک دوسرے کو اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے انہیں جو کھسک جاتے ہیں تم میں سے ایک دوسرے کی آڑ لے کر پس ڈرنا چاہیے انہیں جو خلاف ورزی کرتے ہیں رسول کریم کے فرمان کی کہ انہیں کوئی مصیبت نہ پہنچے یا انہیں دردناک عذاب نہ آلے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا یعنی دور سے آواز دینا: اے ابوالقاسم! بلکہ رسول مکرم کی تعظیم کرو جیسا کہ سورۃ الحجرات میں فرمایا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (الحجرات: 3)

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 127

2۔ سنن ابن ماجہ، ابواب المناسک، فضل دعاء الحجاج، جلد 1، صفحہ 213

سنن ابی داؤد، کتاب ابواب قیام اللیل، باب الدعاء، حدیث نمبر 1280

سعید بن جبیر اور مجاہد نے کہا: اس کا مطلب ہے تم کہو: یا رسول اللہ! اور نرم اور عزت آمیز ملائم لہجہ میں کہو، گستاخانہ انداز میں: یا محمد! نہ کہو۔ قتادہ نے کہا: انہیں حکم دیا کہ رسول کریم کی عزت واحترام کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا مطلب ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کر کے اپنے خلاف دعا کا موجب نہ ہو کیونکہ آپ کی دعا قبول ہوتی ہے۔ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا۔ التسلل اور الإسلال کا معنی ہے نکلنا لواذا، الملاوذۃ سے مشتق ہے کسی چیز کی آڑ لینا تا کہ کوئی دیکھ نہ لے۔ منافق لوگ نماز جمعہ سے ایک دوسرے کی آڑ لے کر کھسک جاتے تھے۔ لِوَاذًا حال کی جگہ میں مصدر ہے یعنی ملاوذین، یعنی ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہیں۔ یہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھپنے کے لیے کرتے تھے، کیونکہ منافقین پر جمعہ کے دن اور خطبہ میں حاضری سے بھاری کوئی اور چیز نہیں تھی؛ یہ نقاش نے حکایت کیا ہے۔ اس پر گفتگو گزر چکی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ جہاد سے ایک دوسرے کی آڑ لے کر لوٹ جاتے تھے۔ حسن نے کہا: لواذا جہاد سے فرار ہوتے ہوئے؛ اسی سے حضرت حسان کا قول ہے:

وقریش تجول منا لِوَاذًا　　لم تحافظ وخفّ منها الحُلُوم (1)

واؤ صحیح ہے کیونکہ لاوذ میں واؤ متحرک ہے کہا جاتا ہے: لاوذ یلاوذ ملاوذۃ، ولواذا اور لاذ یلوذ لوذا ولیاذا۔ یہاں واؤ کسرہ کے بعد یاء سے بدل گئی ہے کیونکہ لاذ میں تعلیل ہو چکی ہے۔ جب فاعل کا مصدر ہو تو تعلیل نہیں کی جائے گی، کیونکہ فاعل میں تعلیل کرنا جائز نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اس آیت سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت سے ڈرایا ہے۔ اور اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ کے ارشاد سے نافرمانی پر سزا کی پیروی کرنا واجب ہے۔ فتنۃ سے مراد یہاں قتل ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ عطاء نے کہا: اس سے مراد زلزلے اور ہولناکیاں ہیں۔ جعفر بن محمد نے کہا: ظالم بادشاہ ہے جو ان پر مسلط کیا جاتا ہے بعض نے کہا فتنۃ سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی نحوست کی وجہ سے دلوں پر مہر لگا دینا ہے۔ امرہ میں ضمیر کا مرجع بعض علماء کے نزدیک امر اللہ ہے؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے۔ بعض نے کہا: امر رسول ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے، يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اعراض کرتے ہیں۔ ابو عبیدہ اور اخفش نے کہا: عن، اس جگہ زائدہ ہے۔ خلیل اور سیبویہ نے کہا: زائدہ نہیں ہے اس کا معنی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بعد مخالفت کرتے ہیں جیسے شاعر نے کہا: لم تَنْتَطِق عن تَفَضُّلِ۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ (الکہف: 50) یعنی بعد امر ربہ۔ اور ان یحذر کی وجہ سے محل نصب میں ہے اور اکثر نحویوں کے نزدیک حذر زیدا جائز نہیں اور ان میں یہ جائز ہے کیونکہ حروف جارہ اس کے ساتھ حذف ہوتے ہیں۔

اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَ يَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 129

”سن لو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ خوب جانتا ہے جس حالت پر تم ہو اور اس دن جب وہ لوٹائے جائیں گے اس (کی بارگاہ) کی طرف تو وہ انہیں آگاہ کرے گا جو انہوں نے کیا تھا اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی تخلیق اور ملک سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ وہ تمہیں اس پر جزاء دے گا اور یہاں یعلم بمعنی علم ہے۔ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ پہلے خطاب کے صیغے ذکر فرمائے اب خبر کی طرف رجوع فرمایا اس کو خطاب التلوین کہا جاتا ہے۔ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ان کے اعمال کے متعلق انہیں خبر دے گا اور انہیں ان کی جزا دے گا۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال اور احوال کو خوب جاننے والا ہے۔

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله واصحابه اجمعين۔ سورۃ النور کی تفسیر قرطبی کا ترجمہ 3 جولائی بروز جمعرات 2008ء صبح آٹھ بج کر پندرہ منٹ پر ختم ہوا۔ اے میرے کریم رب! آسمان وزمین کے خالق و مالک اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرما اور اسے دنیا و آخرت کی سعادتوں کے حصول کا باعث بنا۔ میرے والدین، میرے مشائخ، میرے اساتذہ کرام، طلباء، میرے اہل بیت سب کی بخشش کا سبب بنا۔

بجاہ سیدنا محمد المصطفیٰ ﷺ واصحابہ اجمعین۔

سید محمد اقبال شاہ عفی عنہ

کتابِ رشد و ہدایت کی ہمہ گیر آفاقی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے

نور و سرور اور جذبہ حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مبنی آیات احکام کی مفصل وضاحت

اردو زبان میں پہلی مرتبہ

تفسیر احکام القرآن 7 جلد

مولانا محمد جلال الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ

آیات احکام کا مفصل لغوی و تفسیری حل، امہاتِ کتبِ تفسیر کی روشنی میں مفسرین کی تصریحات کے مطابق پیش کیا گیا۔

یہ تفسیر طلباء، علماء، وکلاء، ججز اور عوام و خواص کے لئے قیمتی سرمایہ

آج ہی طلب فرمائیں

ضیاء القرآن پبلی کیشنز